
راہِ جنوں
نگہت سیما

انتساب

اپنی بھتیجیوں لبنیٰ جاوید، صائمہ جمیل
عبیرہ اشفاق اور ماہم اشفاق کے نام۔

دل جنوں

"آخر اس میں حرج کیا ہے اماں" ماہ نور نے ماں کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے التجا کی۔

"اپنی زندگی اپنے حالات کو بہتر بنانے کے لیے اگر میں نوکری کرنا چاہ رہی ہوں تو آپ کیوں اجازت نہیں دے رہیں۔"

طیبہ خاتون نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے سبزی کاٹتی رہیں۔

"اماں پلیز۔"

ماہ نور نے ان کے ہاتھ سے چھری پکڑ لی۔

"مت تنگ کرو ماہ۔"

انہوں نے بیزاری سے کہا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔

"ایک بار تمہیں کہہ تو دیا ہے کہ مجھے پسند نہیں ہے لڑکیوں کا نوکری کرنا اور پھر خاندان اور برادری والے ڈھیروں باتیں بنائیں گے۔"

"کون سا خاندان"

نہ چاہتے ہوئے بھی ماہ نور کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"ایک ماموں جان ہی تو ہیں اور وہ بھی سوتیلے۔ کبھی خبر لی آپ کی۔ کبھی حال پوچھا آپ کا؟ ابا کا حادثہ ہوا تو بس ذرا کی ذرا کھڑے کھڑے ہاسپٹل آئے وہ بھی ہفتہ بھر بعد اور پھر مڑ کر خبر تک نہ لی۔"

"وہ بہت مصروف ہیں۔ بڑا بزنس ہے ان کا۔ اور اکیلے سنبھالنے والے وہ خود۔ بچے تو ابھی چھوٹے ہیں پڑھ رہے ہیں۔"

"چھوڑیئے اماں رشتے ناتے مصروفیات سے ختم نہیں ہوتے افضال ماموں کیا مصروف نہیں ہوتے۔ ان کا بزنس بھی تو بہت وسیع ہے۔ پھر بھی کتنا خیال رکھا انہوں نے ہم سب کا ابا کا۔ حالانکہ وہ آپ کے کزن ہیں۔ جبکہ ماموں جان۔ اور کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ ابا کے حادثے کے بعد کبھی کبھار ہی سہی ہماری خیر خبر لیتے رہتے۔"

"بیٹا اتنی دور روز روز کہاں آیا جا سکتا ہے۔"

طیبہ خاتون نے نرم لہجے میں ماہ نور کو سمجھایا۔



دل کے جنوں

”آخر اس میں حرج کیا ہے اماں“ ماہ نور نے ماں کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے التجا کی۔

”اپنی زندگی اپنے حالات کو بہتر بنانے کے لیے اگر میں نوکری کرنا چاہ رہی ہوں تو آپ کیوں اجازت نہیں دے رہیں۔“

طیبہ خاتون نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے سبزی کاٹتی رہیں۔

”اماں پلیز۔“

ماہ نور نے ان کے ہاتھ سے چھری پکڑ لی۔

”مت تنگ کرو ماہ۔“

انہوں نے بیزاری سے کہا اور چھری اس کے ہاتھ سے لے لی۔

”ایک بار تمہیں کہہ تو دیا ہے کہ مجھے پسند نہیں ہے لڑکیوں کا نوکری کرنا اور پھر خاندان اور برادری والے ڈھیروں باتیں بنائیں گے۔“

”کون سا خاندان“

نہ چاہتے ہوئے بھی ماہ نور کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

”ایک ماموں جان ہی تو ہیں اور وہ بھی سوتیلے۔ کبھی خبر لی آپ کی۔ کبھی حال پوچھا آپ کا؟ ابا کا حادثہ ہوا تو بس ذرا کی ذرا کھڑے کھڑے ہاسپٹل آئے وہ بھی ہفتہ بھر بعد اور پھر مڑ کر خبر تک نہ لی۔“

”وہ بہت مصروف ہیں۔ بڑا بزنس ہے ان کا۔ اور اکیلے سنبھالنے والے وہ خود۔ بچے تو ابھی چھوٹے ہیں پڑھ رہے ہیں۔“

”چھوڑیئے اماں رشتے ناتے مصروفیات سے ختم نہیں ہوتے افضال ماموں کیا مصروف نہیں ہوتے۔ ان کا بزنس بھی تو بہت وسیع ہے۔ پھر بھی کتنا خیال رکھا انہوں نے ہم سب کا ابا کا۔ حالانکہ وہ آپ کے کزن ہیں۔ جبکہ ماموں جان۔ اور کیا ان کا فرض نہیں تھا کہ ابا کے حادثے کے بعد کبھی کبھار ہی سہی ہماری خیر خبر لیتے رہتے۔“

”بیٹا اتنی دور روز روز کہاں آیا جا سکتا ہے۔“

طیبہ خاتون نے نرم لہجے میں ماہ نور کو سمجھایا۔

"گھڑی دو گھڑی دیکھنے آگئے یہی بڑی بات ہے۔ اصل میں بڑی اماں نے بھائی جان کو کبھی میرے قریب آنے ہی نہیں دیا دل میں نفرت ہی پیدا کی۔ اسفر ہوتا یہاں تو ضرور خیر خبر لیتا رہتا۔ اس کے دل میں حب ہے میرے لیے، تم سب کے لیے۔"

"اسفر بھائی۔ وہ بھی تو ماموں جان کے ہی بیٹے ہیں نا انہی کی طرح بے حس۔"

ماہ نور پتا نہیں کیوں آج اتنی تلخ ہو رہی تھی۔ ورنہ گلے شکوے کرنا کبھی اس کی عادت نہ رہی تھی۔

"یہاں تھے تو بھاگ بھاگ کر آتے تھے۔ اور پھپھو جان کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ جاتے تھے لاہور گئے تو مڑ کر خبر تک نہ لی۔ افضال ماموں نہ ہوتے تو ہمارا کوئی پرسان حال ہی نہ تھا۔"

"سب سے بڑا پرسان حال تو اللہ ہی ہے۔ اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔"

طیبہ خاتون نے سبزی کاٹ کر ٹوکری ایک طرف کی۔

"لیکن اللہ بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنے کو نہیں کہتا وہ بھی اسی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

ماہ نور نے بحث کی۔

"ماہ فضول بحث نہ کرو میرے سر میں پہلے ہی درد ہے۔"

"افضال ماموں ہوتے یہاں تو وہ ضرور میری سائیڈ لیتے انہیں بھی اب ہی امریکہ جانا تھا۔"

ماہ نور بڑبڑائی۔

کوئی چچا اور پھوپھی ہی ہوتی تو.....

"ماہ نور بیٹا مت تنگ کرو ماں کو کیوں بحث کرتی ہو جس رب نے پیدا کیا ہے وہ کوئی سبب بنا دے گا۔" دادی نے جو بڑی دیر سے دھوپ میں لیٹی اس کی بحث سن رہی تھیں اسے مخاطب کیا۔

"دادی جی آپ سمجھائیں نا اماں کو مجھے اجازت دے دیں۔"

ماہ نور ماں کے پاس سے اٹھ کر دادی کے پاس آبیٹھی۔

"دیکھا ماں جی خوامخواہ ضد کر رہی ہے۔"

طیبہ خاتون کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔

"آپ سمجھائیں اسے بیکار کی ضد نہ کرے۔ ہمارے خاندان میں بھلا کبھی کسی لڑکی نے نوکری کی۔ بلکہ بھائی صاحب تو لڑکیوں کے لیے تعلیم بھی ضروری نہیں سمجھتے۔ انہوں نے انعم کو میٹرک کے بعد گھر بٹھالیا۔ اور ماہ کے کالج میں ایڈمیشن کا سن کر کتنا ناراض ہوئے تھے وہ۔ یاد ہے آپ کو۔ لاہور سے خاص طور پر فون کیا تھا کہ مجھے اپنی روایات کو نہیں بھولنا چاہیے۔ غیر خاندان میں شادی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں یہ بھول جاؤں کہ میں میاں صلاح الدین کی بہن ہوں۔ یہ تو ماہ کے ابا کو شوق تھا کہ بیٹیاں بہت سارا پڑھیں ورنہ بھائی صاحب کی ناراضی....."

"بہو۔ ماہ نور کے دادا بھی کوئی معمولی خاندان کے نہ تھے بڑے اونچے خاندان کے تھے بڑا نام تھا ان کے والد کا اور نصیر کے نانا اور ماموں کو کون نہیں جانتا۔"

دادی کو بہو کی بات بری لگی تھی۔ ان کے لہجے میں ناراضگی محسوس کر کے طیبہ خاتون شرمندہ ہو گئیں۔

"ماں جی میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ میں تو بھائی صاحب کی بات کر رہی تھی کہ ماہ کی نوکری کا سنیں گے تو بہت ناراض ہوں گے۔ آپ کو پتا تو ہے غصے کے کتنے تیز ہیں۔"

"آخر وہ کون ہوتے ہیں ہماری زندگی میں دخل دینے والے۔" ماہ نور کو غصہ آگیا۔

"کیا کیا ہے انہوں نے ہمارے لیے۔ نانا کی اتنی بڑی جائیداد میں کیا آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ کچھ نہیں ہے آپ کا سب مار کر بیٹھ گئے ہیں۔ اتنا نہ ہوا کہ پوچھ لیں کبھی کہ ابا کی معذوری کے بعد کیسے گزارہ ہو رہا ہے۔ اتنی مہنگی دوائیں کیسے خریدی جاتی ہیں۔ ابا کی نوکری چھوٹ گئی ہے۔ معذور ہو گئے ہیں وہ۔ انہیں ہماری پروا نہیں تو ہم کیوں ان کی پروا کریں۔ ان سے تو اتنا بھی نہیں ہوا کہ اخلاقی مدد ہی کر دیں۔ سوتیلے سہی لیکن بھائی تو ہیں۔ ایک

ہی شخص کا خون دوڑ رہا ہے دونوں کی رگوں میں یہ تو افضال ماموں تھے جنہوں نے ابا کے بقایا جات لینے میں مدد کی اور ابھی تک ہر دکھ سکھ میں ساتھ دے رہے ہیں اور آپ کے بھائی صاحب....."

وہ طنز سے ہنسی۔

"انہیں تو صرف یہ تجسس تھا کتنا ملا اور کیا ملا یہ نہیں پوچھا کہ قرض کتنا چڑھا۔ آپ ان کی پروا مت کریں اور پھر کون سا وہ یہاں کراچی میں بیٹھے ہیں آپ میں کتنی ہمت ہے اماں۔ کب تک صرف سلائی سے ان نو نفوس کا پیٹ بھرے گا۔ بلکہ اس مہنگائی میں تو بجلی گیس کے بل ہی پورے نہیں پڑتے۔ نرمل اور مومل کی پڑھائی آپ ختم بھی کروا دیں لیکن منوں زوبی اور دانی کے لیے تو پڑھائی ضروری ہے نا۔ اس سال اگر منوں نے اچھے نمبر لے لیے تو اسے کسی پروفیشنل کالج میں جانا ہوگا اور پروفیشنل کالجز کے خرچے جانتی ہیں آپ؟"

ماہ نور کی آواز بھرا گئی۔

"اور آپ کو پتا ہے دادی جان کی دوائیاں کب کی ختم ہو چکی ہیں۔ ساری رات جاگتی ہیں وہ۔ رات بھی دو بار ان کا سانس اکھڑا۔ ابا کو پچھلے دو ہفتوں سے تھراپی کے لیے نہیں لے جایا جا سکا اور ان کی دوائیاں بھی ختم ہو چکی ہیں۔ کل جب آپ مسز حمید کی طرف گئی تھیں تو ان کا بی پی بہت ہائی ہو گیا تھا اور بی پی نارمل کرنے والی دوائی تھی ہی نہیں گھر میں۔"

"میں اس لیے گئی تھی مسز حمید کی طرف کہ چھ سوٹوں کی سلائی باقی ہے۔ لیکن پتا نہیں کیوں پیسے دینے سے جان نکلتی ہے ان کی۔ حالانکہ پیسے کی فراوانی ہے میاں ہر ماہ سعودی عرب سے ہزاروں روپے کے ڈرافٹ بھیجتے ہیں۔ میں نے منوں کو پیسے دیے تھے۔ کالج سے واپسی پر دوائی لیتا آئے گا اور کل چھٹی کر کے تمہارے ابا کو بھی لے جائے گا تھراپی کے لیے۔"

انہوں نے ماہ نور کی بات کاٹ کر کہا۔

"اور آپ کو پتا ہے موی کا یونیفارم کتنا پرانا ہو چکا ہے۔ تین بار میں نے اس کا فراک سیا ہے لیکن وہ اتنا گھس چکا ہے کہ اب تو سینے کی گنجائش بھی نہیں رہی۔ زوبی کی آئی سائیڈ ویک ہو چکی ہے تین بار اس کے اسکول سے Written آچکا ہے کہ اس کی نظر چیک کروائیں۔"

"بس کرو..... بس کرو ماہ۔"

طیبہ خاتون پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

"اماں اماں پلیز۔"

ماہ نور بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔

"میرا مقصد ہرگز آپ کو تکلیف دینا نہیں تھا۔ میں صرف آپ کو یہ جتانا چاہتی تھی کہ کتنی ساری ضروریات ہیں جو ہم جان بوجھ کر نظرانداز کر رہے ہیں اور آپ تنہا یہ نہیں کر سکتیں۔"

"جانتی ہوں۔ لیکن کیا کروں۔ دن رات تو مشین کے سامنے بیٹھی رہتی ہوں۔ پھر بھی تمہاری خواہشات پوری نہیں کر سکتی۔"

انہوں نے اسے خود سے الگ کیا۔

"اماں..... اماں آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ میرا مقصد گلہ یا شکوہ نہیں ہے۔ میں تو آپ کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں۔ آپ تنہا کیسے کریں گی سب۔ میں نے تو بہت پہلے، چار سال پہلے جب ابا کا حادثہ ہوا تھا تو سوچ لیا تھا کہ بی ایس سی کرتے ہی جاب کر لوں گی۔ اماں پلیز مجھے غلط نہ سمجھیں میں آپ کا بوجھ بانٹنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ جاب کرنے دیں۔ حنا نے مجھے بتایا ہے کہ اس کی باجی کے اسکول میں ویکنسی ہے انہیں سائنس ٹیچر کی اشد ضرورت ہے۔ زیادہ نہیں تو کچھ تو سہولت ہو جائے گی دادی جان اور ابا کی دوائیاں ہی آجایا کریں گی۔ آپ تھک جائیں گی تنہا یہ سب کرتے کرتے۔"

"ماہ بیٹا مجھے پریشان مت کرو۔"

طیبہ خاتون نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

"میں پہلے ہی تمہارے ابا کی وجہ سے پریشان ہوں روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔ صحیح علاج بھی تو نہیں ہو پا رہا۔"

"اس لیے تو میں کہتی ہوں اماں، پلیز مجھے جاب کی اجازت دے دیں۔"

ماہ نور نے پھر منت کی۔

"لیکن ۔۔۔ وہ بھائی صاحب۔"

طیبہ خاتون کچھ جھجکیں۔

"ماموں جان ۔۔۔"

ماہ نور نے بمشکل اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے آواز کو نرم کیا۔

"جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے۔ دو تین بار سے زیادہ ماموں جان کو نہیں دیکھا۔ وہ بھی اپنے کسی کام سے کراچی آئے تو از راہ کرم آپ سے ملنے چلے آئے۔ ہمیں تو یہ تک نہیں پتا کہ ان کے بچے کتنے ہیں۔ کیسے ہیں۔ کبھی ہم ان کے گھر نہیں گئے اور کبھی وہ ہمارے گھر نہیں آئے۔ بس ایک بار نانا جان کی وفات پر آپ گئی تھیں وہاں۔ تب میں چھوٹی سی تھی آپ کی گود میں آپ نے ہی بتایا تھا۔ صرف اسفر بھائی ہیں جنہیں ہم نے دیکھ رکھا ہے وہ بھی اس لیے کہ وہ یہاں رہتے تھے افضال ماموں کے ہاں اور ممانی جان جب بھی کراچی آئیں کبھی ادھر ہم سے ملنے نہیں آئیں۔"

"نہیں خیر عذرا بھابھی تو طبیعت کی بہت اچھی ہیں۔ شادی کے بعد وہ کم ہی آئیں کراچی۔ بھائی صاحب زیادہ پسند نہیں کرتے ان کا میکے آنا۔ پھوپھا جان اور وحید بھائی کی وفات پر وہ آئیں۔ پھر پھوپھی جان کی وفات پر ایسے میں وہ کیا ادھر آتیں۔ میں اور عذرا تو برسوں اکٹھے رہے، بہت پیار تھا ہم میں۔"

طیبہ خاتون کے ہونٹوں پر مبہم سی مسکراہٹ ابھری شاید ماضی کی کوئی یاد دل میں چمکی تھی۔

"ماموں جان کی بات تو آپ رہنے ہی دیا کریں۔"

ماہ نور نے بیزاری سے کہا۔

"خواہ مخواہ غصہ آتا ہے مجھے۔ بس آپ مجھے اجازت دے دیں۔ میں نے حنا سے کہا تھا وہ آج مجھے لینے آئے گی پھر ہم اس کی باجی کے اسکول جائیں گے۔"

"میں اجازت دے بھی دوں تو تمہارے ابا کب مانیں گے۔"

طیبہ خاتون نے کسی قدر آمادگی سے کہا۔

"ابا کی آپ فکر نہ کریں انہیں میں منا لوں گی۔ بس آپ مجھے اجازت دے دیں۔ میں کوئی کام آپ کی مرضی کے خلاف نہیں کرنا چاہتی آپ کی خوشی، مرضی اور اجازت میرے لیے سب سے مقدم ہے۔ اماں مجھے اپنی پروا نہیں ہے بالکل بھی نہیں۔ میں فاقے کاٹ سکتی ہوں۔ ایک حرف شکایت بھی زبان پر لائے بغیر۔ پھٹا پرانا پہن سکتی ہوں لیکن اماں یہ سب دادی، منوں، دانی ۔۔۔"

اس کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں پانی چمکنے لگا۔

"میں ابا کے خواب پورے کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے اگر آپ اجازت دے دیں گی تو ابا بالکل منع نہیں کریں گے۔"

"ہاں تجھے تو وہ کسی بات سے منع نہیں کرتے۔ لاڈلی جو ہوئیں ان کی۔"

طیبہ خاتون مسکرائیں۔

"وہ تو ہے لیکن میں ابا سے کوئی غلط بات کہتی ہی نہیں ہوں اور یہ بات ابا جانتے ہیں۔"

ماہ نور بھی کھل کر مسکرائی۔

"کیوں دادی جان۔"

اس نے دادی کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا وہ دادی کی بھی بے حد لاڈلی تھی اور نصیر احمد خان کے حادثے سے پہلے دادی سے ضد کر کے ہر جائز و ناجائز بات منوا لیا کرتی تھی۔

"یہ بات وہ نہیں مانیں گے۔ یہ خیال ذہن سے نکال دو۔ میرا ہاتھ بٹانا چاہتی ہو تو سلائی میں میری مدد کر دیا کرو۔"

طیبہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ تو خیر میں کر ہی دیتی ہوں اور پھر بھی کرتی رہوں گی لیکن اس سے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ جاب تو میں ضرور کروں گی۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا ابا سے بات کرتی ہوں اور دادی جان ۔۔۔"

اس نے جھک کر دادی کی پیشانی چومی۔

"اگر سفارش کی ضرورت پڑی تو کر دیجیے گا۔"

دادی جان مسکرا دیں اور طیبہ خاتون کی طرف دیکھا۔

"بیٹا مجھے دو سبزی میں بنا لیتی ہوں۔ اب کچھ طبیعت ٹھیک محسوس ہو رہی ہے۔ تم اپنا سلائی کا کام کر لو۔"

"نہیں ماں جی آپ آرام کریں ماہ بنا لے گی ہانڈی۔ وہ تو میں صرف کاٹ رہی تھی۔ ایسے اناڑی پن سے کاٹتی ہے کہ انگلیوں پر کٹ لگا لیتی ہے۔ یوں بھی صرف ایک سوٹ ہی ہے۔ سی لوں گی اور ماہ ۔۔۔"

انہوں نے جاتی ہوئی ماہ نور کو آواز دی۔

"اپنے ابا کے لیے ایک کپ چائے بھی لے جانا۔ صبح ناشتے پر بھی انہوں نے کچھ نہیں لیا۔ جانے کیا سوچتے رہتے ہیں ہر وقت اور یہ تو ان کی چائے کا وقت تھا۔ تمہاری باتوں میں دھیان ہی نہیں رہا۔"

ماہ نور ان کے کمرے کی طرف جاتے جاتے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ "کیا کیا خواب نہیں دیکھے تھے انہوں نے۔ منصور انجینئر بنے گا زوبی ڈاکٹر اور دانی آرمی میں جائے گا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے۔ میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا لیکن نہیں بن سکا۔ اب میرے بچے میرے خواب پورے کریں گے اور خود اس نے کتنے خواب دیکھے تھے کہ وہ ماسٹر کرے گی پھر لیکچرار بنے گی۔"

"اور پتا ہے ابا میں ہائیر ایجوکیشن کے لیے باہر بھی جاؤں گی۔ بہت سارا پڑھوں گی۔ پی ایچ ڈی کروں گی۔"

وہ نصیر خان سے اپنے خواب شیئر کرتی تو وہ مسکراتے رہتے۔

"ضرور کیوں نہیں میری بیٹی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے گی۔" وہ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی اور اس نے بی ایس سی کیا تھا۔ ہفتہ بھر قبل ہی اس کا رزلٹ آیا تھا۔ اس سے چھوٹا منصور خان تھا جسے گھر میں سب منوں کہہ کر بلاتے تھے۔ وہ ایف ایس سی کا اسٹوڈنٹ تھا۔ منصور سے چھوٹی نرمل تھی جو میٹرک کی طالبہ تھی پھر زوہیب تھا اور زوہیب سے چھوٹی موہل تھی اور سب سے چھوٹا دانیال تھا جو ابھی صرف سات سال کا تھا۔ چار سال قبل نصیر خان کو ایک حادثہ پیش آگیا تھا۔ وہ اکثر آفس جلدی پہنچنے کے لیے شارٹ کٹ اختیار کرتے تھے۔ آفس کی بیک سائیڈ پر ایک چھوٹی سی گلی تھی جس کے اطراف ایک دو بوسیدہ عمارتیں تھیں۔ ایک صبح جب وہ اس گلی میں سے گزر رہے تھے تو ایک بوسیدہ عمارت کی دیوار اچانک ان پر آ پڑی تھی۔ وہ تو اتفاق تھا کہ ایک شخص نے انہیں دیکھ لیا تھا ورنہ وہ ملبے کے نیچے ہی دبے رہتے۔ سر پھٹ گیا تھا پسلی اور بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ جب انہیں ملبے سے نکالا گیا تو ان کے جسم کا ایک حصہ مفلوج ہو چکا تھا۔ وہ کہتے رہے کہ ان کا بازو اور ٹانگیں پتھر ہو رہی ہیں لیکن ڈاکٹروں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ ان کا دھیان دوسری چوٹوں کی طرف تھا۔ ایک ماہ مسلسل ہاسپٹل رہنے

کے بعد جب وہ ڈسچارج ہوئے تو وہ اپنی دائیں ٹانگ اور بازو کو حرکت نہیں دے سکتے تھے۔ شاید بازو پر اتنے دن پلاسٹر چڑھا رہا ہے اس لیے لیکن ٹانگ..... انہوں نے خود ہی سوچ لیا۔

دوبارہ معائنہ شروع ہوا ٹیسٹ ہوئے تو ڈاکٹرز نے تشخیص کی کہ غالباً "اس وقت جب وہ مکان کے ملبے تلے دبے ان پر فالج کا اٹیک بھی ہو گیا تھا۔ یا جب ملبے سے نکالا گیا تب۔ بہرحال جو بھی تھا اب وہ چارپائی کے ہو کر رہ گئے تھے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ مسلسل ایکسرسائز اور علاج سے وہ ٹھیک ہو جائیں گے لیکن چار سالوں میں کچھ بہت زیادہ فائدہ نہیں ہوا تھا۔ بس اتنا تھا کہ اب وہ ہاتھ کو حرکت دے سکتے تھے لیکن ٹانگ اسی طرح پتھر تھی اگرچہ طیبہ خاتون ہر روز زیتون کے تیل کی مالش کرتیں۔ علاج بھی کسی نہ کسی طرح جاری تھا۔ نوکری تو چھوٹ گئی تھی جو کچھ ملا تھا وہ ان چار سالوں میں ختم ہو چکا تھا اور اس ٹینشن کی وجہ سے نصیر خان کا بلڈ پریشر مسلسل ہائی رہنے لگا تھا۔

ماہ نور ان دنوں فرسٹ ایر میں تھی۔ دو سال تو جیسے تیسے گزارا چلتا رہا لیکن جب دو سال بعد طیبہ خاتون نے مشین رکھ کر محلے بھر کی سلائی شروع کر دی تو ماہ نور نے چاہا کہ ان کا ہاتھ بٹائے لیکن طیبہ خاتون نے منع کر دیا اور کہا کہ وہ اپنی پڑھائی جاری رکھے لیکن ماہ نور جانتی تھی کہ ان حالات میں یہ سب کتنا مشکل تھا چند دن قبل حنا اس کی کامیابی کی مبارکباد دینے آئی اور اس کا آگے کا ارادہ پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہیں لے گی۔ حنا اس کی بچپن کی دوست تھی اور پھر قریب ہی رہتی تھی ان کے حالات اس سے چھپے نہ تھے۔

اس نے بتایا کہ اس کی باجی کے اسکول میں ایک سائنس ٹیچر کی اسامی ہے۔ اگر اس کا ارادہ ہو جاب کرنے کا تو وہ باجی سے بات کرے گی۔ حنا سے تو اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ باجی سے کہے کہ وہ اپنے پرنسپل سے بات کر لیں۔ لیکن یہاں اماں تھیں کہ اسے اجازت ہی نہیں دے رہی تھیں۔

"خیر شکر ہے نیم رضامند تو ہو گئی ہیں۔ بس ابا مان جائیں اب۔"

اس نے چائے بنا کر کپ میں ڈالی اور کپ اٹھا کر نصیر خان کے کمرے میں آ گئی۔ وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے کوئی پرانا میگزین دیکھ رہے تھے۔

"ابا چائے۔"

انہوں نے میگزین الٹ کر تکیے کے پاس رکھ دیا اور چائے کا کپ تھامتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بیٹھو بیٹا۔"

"ابا آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ صبح آپ نے ناشتا بھی نہیں کیا۔"

ان کے قریب ہی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے ماہ نور نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی تو صبح کچھ جی بوجھل ہو رہا تھا بتاؤ ایڈمیشن کب ہو رہا ہے یونیورسٹی میں۔"

"پتا نہیں ابا میرا ارادہ نہیں ہے مزید پڑھائی کا۔"

"کیوں بیٹا تمہارے تو بہت اچھے نمبر ہیں۔"

اس نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

"ابا میں جاب کرنا چاہتی ہوں۔ ابا پلیز منع مت کیجیے گا۔" اس نے التجا کی۔

نصیر خان یکدم چپ سے ہو گئے۔ وہ جانتے تھے کہ ماہ نور کیوں جاب کرنا چاہتی ہے۔ انہیں اس کے خوابوں کا بھی پتا تھا اور وہ اس کی آرزوؤں کے رازدار بھی تھے۔

"مگر بیٹا تم تو بہت سا را پڑھنا چاہتی تھیں۔ ماسٹر کرنا تھا تمہیں۔"

ان کی آواز دھیمی تھی جیسے وہ جانتے ہوں کہ جو وہ کہہ رہے ہیں وہ بیکار ہے۔

"ابا میں کسی بھی آسان مضمون میں پرائیویٹ ایم اے کر لوں گی لیکن پلیز مجھے جاب کی اجازت دے دیں۔"

"اور تمہاری اماں....."

انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں اگر اجازت دے بھی دوں تو وہ نہیں دیں گی۔"

"اماں نے تقریباً" اجازت دے ہی دی ہے۔"

"کمال ہے۔ انہیں اپنے بھائی صاحب سے ڈر نہیں لگتا۔"

انہوں نے مصنوعی شگفتگی سے کہا۔

"تمہارے کالج میں ایڈمیشن کے وقت تو بڑا رولا ڈالا تھا انہوں نے۔"

"ہاں ڈرایا تو تھا انہوں نے اپنے بھائی صاحب کے غصے سے لیکن ماہدولت نہیں ڈرتے کسی سے۔"

"اچھا۔"

وہ مسکرائے۔

"جی تو پھر اجازت ہے نا۔"

"اچھا۔"

انہوں نے گہری سانس لی اور کچھ دیر اسے یوں ہی دیکھتے رہے۔ ماہ نور سے انہیں سب سے زیادہ پیار تھا۔ وہ ان کی پہلی اولاد تھی۔ اتنی پیاری اتنی خوبصورت جب وہ پیدا ہوئی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک ایک حیرت نما خوشی سے اسے دیکھتے رہے تھے۔

"ہمارے گھر تو چاندنی اتر آئی ہے ماں جی۔ ہے نا۔"

"ہاں۔"

ان کی والدہ بھی خوش خوش پوتی کو گود میں لیے بیٹھی تھیں۔

"میں اس کا نام ماہ نور رکھوں گی۔"

انہوں نے اس کا نام بھی رکھ دیا۔ ماہ نور ان کے لیے ایک ایسی خوشی تھی جو اس سے قبل انہوں نے محسوس نہیں کی تھی۔ وہ گھر آتے تو اس کے پنگوڑے کے پاس کھڑے اسے دیکھتے رہتے تھے وہ سوتے میں مٹھیاں بھینچتی منہ بناتی تو وہ طیبہ خاتون کو مخاطب کرتے۔

"دیکھو یہ ماہ کیا کر رہی ہے۔

اور دیکھو نا کتنی نازک ہے بالکل کانچ کی گڑیا۔"

اماں اور طیبہ کو ان کی باتوں پر ہنسی آتی۔

"چھوٹے بچے ایسے ہی ہوتے ہیں نصیر۔"

ماں جی مسکراتیں۔

وہ ساری کی ساری اپنی دادی پر تھی۔ ویسی ہی گلابی رنگت اونچی اٹھی ہوئی ناک خوبصورت سیاہ آنکھیں لمبی پلکیں اور بالکل دادی کی طرح دائیں رخسار پر چھوٹا سا سیاہ تل۔

"ماہ بالکل ماں جی پر گئی ہے۔" طیبہ خاتون اکثر کہتیں۔

اور یہ سچ بھی تھا جوں جوں وہ بڑی ہوتی گئی ماں جی کی جوانی کی تصویر لگنے لگی۔

"ابا کیا دیکھ رہے ہیں آپ۔"

انہیں مسلسل اپنی طرف دیکھتا پا کر ماہ نور نے پوچھا۔

"کچھ نہیں بیٹا۔ میں سوچ رہا تھا بھلا تم کیا جاب کرو گی اور کہاں آج کل جاب ملنا اتنا آسان کہاں ہے۔"

"وہ ابا حنا کی باجی ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی ہیں۔ وہاں ایک ٹیچر کے لیے وکنسی ہے۔"

"لیکن بیٹا میں نے سنا ہے کہ پرائیویٹ اسکول میں تو بہت کم تنخواہیں ملتی ہیں چھ سات سو سے زیادہ نہیں۔ اتنی سی تنخواہ کے لیے اب تم خوامخواہ اپنی پڑھائی کا حرج کرو گی۔ اللہ کچھ بہتری کرے گا میں سوچ رہا ہوں کچھ ایسا

کام کرنے کو جو گھر بیٹھ کر کیا جا سکے۔ آج منوں آئے تو اسے بھیجنا ذرا ہمدانی صاحب کی طرف کہ ابا بلا رہے ہیں۔"

"جی ابا! لیکن حنا کی باجی جس اسکول میں پڑھاتی ہیں وہاں اچھی تنخواہ ہے اور انہیں سائنس ٹیچر کی ضرورت ہے۔ چار ہزار سے اسٹارٹ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے بیٹا جیسے تمہاری مرضی۔"

ان کے لہجے میں یکدم تھکن اتر آئی تھی۔

ماہ نور انہیں بے حد پیاری تھی۔ اس کے لیے انہوں نے بہت سارے خواب دیکھے تھے خود وہ اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکے تھے لیکن انہوں نے سوچ رکھا تھا اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائیں گے تاکہ انہیں ان کی طرح زندگی میں اتنی محنت نہ کرنا پڑے۔ سو وہ اپنے بچوں کو اچھا اور بہتر مستقبل دینے کے لیے انتھک محنت کر رہے تھے۔ وہ دو جگہ جاب کرتے تھے ایک دوائیوں کی کمپنی میں شام چھ بجے سے رات نو بجے تک پارٹ ٹائم جاب کرتے تھے۔ آفس سے چار بجے فارغ ہوتے تو گھنٹہ بھر آرام کر کے پھر دوسری جاب کے لیے روانہ ہو جاتے تھے۔ اس جاب کے دو ہزار مل جاتے تھے تو کئی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں طیبہ خاتون بہت کفایت شعاری سے گھر چلا رہی تھیں چھوٹی موٹی کمیٹیاں ڈال رکھی تھیں۔ وقت ملتا تو کسی کا سوئیٹر بن دیا کسی کو کڑھائی کر دی یوں کبھی کبھار اضافی آمدنی ہو جاتی تھی گھر خوش اسلوبی سے چل رہا تھا۔ سب بچے اچھے اسکول میں پڑھ رہے تھے۔ نصیر خان مطمئن تھے۔ وقت بہرحال گزر ہی جاتا ہے۔ یہ ان کا نظریہ تھا۔

انہیں اپنے والد کے متعلق کچھ یاد نہیں تھا۔ جب ہوش سنبھالا تو خود کو نانا کے گھر پایا تھا۔ نانا نانی ان پر جان دیتے تھے۔ نانا پشاور کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈرائی فروٹس کا بزنس تھا۔ پشاور کے علاوہ لاہور اور کراچی میں بھی ان کی دکانیں تھیں جہاں ان کے ماموں کام سنبھالتے تھے۔ پشاور میں چھوٹے ماموں ہوتے اور لاہور میں منجھلے ماموں تھے۔ بڑے ماموں اور نانا خود کراچی میں مقیم تھے اور اپنی والدہ کے ساتھ وہ بھی کراچی میں ہی نانا کے گھر رہتے تھے۔ نانا شہباز خان جب تک زندہ رہے انہوں نے نصیر خان کو باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ ان کی ہر خواہش پوری کرتے۔ ان کا نام بھی انہوں نے ہی نصیر خان رکھا تھا۔ ایک طویل عرصہ تک تو وہ یہی سمجھتے رہے کہ نانا ہی ان کے والد ہیں۔ وہ بڑے فخر سے اپنے دوستوں کو بتایا کرتے تھے کہ ان کے والد کا نام شہباز خان ہے۔ لیکن نانا کی وفات کے بعد جیسے اس گھر میں ان کے لیے جگہ ہی نہ رہی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے ترسنے لگے تھے تب انہیں پتا چلا تھا کہ وہ اور ان کی والدہ یہاں رہنے پر اس لیے مجبور ہیں کہ ان کے والد نہیں ہیں بلکہ ان کا انتقال تو ان کی پیدائش سے پہلے ہی ہو گیا تھا ددھیال میں شاید کوئی نہیں تھا کہ ماں نے کبھی اپنے سسرال کا ذکر نہیں کیا تھا۔

اسکول کی فیس، کتابیں، وین کا کرایہ سب دیتے ہوئے بڑے ماموں اور ممانی ناک چڑھاتیں۔ نانی دبے لفظوں میں بڑے ماموں کو احساس دلاتیں کہ وہ کوئی غیر نہیں ان کی اکلوتی بہن کا بیٹا ہے۔ جسے مقدر نے ان کے در پر ڈال دیا ہے۔ لیکن ممانی تو انہیں ایک نظر دیکھنے کی بھی روادار نہ تھیں۔ نانی کی مروت میں انہیں برداشت کر رہی تھیں سو نانی کی وفات کے بعد یہ مروت بھی ختم ہو گئی جب میٹرک کے بعد انہوں نے مزید پڑھنا چاہا تو ممانی نے صاف صاف کہہ دیا کہ ان کے پاس اس کی تعلیم کے اخراجات کے لیے فالتو پیسہ نہیں ہے۔

"لیکن بابا جان نے کہا تھا کہ انہوں نے دکان میں میرا اور نصیر کا حصہ رکھا ہے۔ ہمارے حصے میں سے ہمیں خرچ دے دیا کریں۔ ہم الگ کھا پکا لیں گے۔"

جب ان کی والدہ نے کہا تو ممانی کا پارہ چڑھ گیا۔

"اتنے سالوں سے کھلا پلا رہے ہیں۔ ایک تو بہن کا بوجھ اٹھائیں۔ اوپر سے بھانجے کی ذمہ داریاں بھی ہم ہی سنبھالیں۔ سلمیٰ خانم آخر اس کے باپ کا کوئی خاندان تو ہو گا۔ کوئی اتا پتا تو ہو گا۔ بھجوا دو اسے اس کی عزیزوں رشتہ داروں میں۔ ہم بھپائے اس ذمہ داری سے۔ کہا تھا بابا جان سے کہ نکاح پڑھوا دیں سلمیٰ خانم کا بلبل خان سے

لیکن اب بھی کر لے نکاح سلمیٰ تو۔۔۔۔"

سلمیٰ خانم کا رنگ سرخ ہو گیا۔ ماموں چپ بیٹھے سنتے رہے اور نصیر خان کی غیور فطرت نے ماموں کے گھر مزید رہنا گوارہ نہ کیا اور ماں کو ساتھ لے کر گھر چھوڑ دیا۔ ایک دوست کی وساطت سے ایک کمرے کا فلیٹ کرائے پر لے لیا۔ ماں کے پاس اپنا زیور تھا کچھ تھوڑا بہت فروخت کر کے گھریلو استعمال کی اشیا خریدیں اور پھر اسی دوست کی کوشش سے ایک آفس میں کلرک کی جاب مل گئی۔ یوں زندگی کی گاڑی چلنے لگی۔ ہر مشکل وقت میں ان کے دوست افضال نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ افضال کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ اتنا ذہین اور میٹرک میں اتنے شاندار نمبر لینے والا لڑکا اپنی تعلیم مکمل نہیں کر سکا تھا۔ وہ اکثر انہیں اکساتے کہ پرائیویٹ ہی سہی وہ اپنی تعلیم جاری رکھیں۔ لیکن پتا نہیں کیوں نصیر خان کا دل یکدم ہی پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ نانا نانی کی موت ماموں کا رویہ ان سب نے ان کے ذہن پر بہت اثر کیا تھا۔ والدہ سے ہی پتا چلا تھا کہ ان کے والد کا کوئی قریبی عزیز نہ تھا۔ وہ نانا کی دکان پر آ کر ملازم ہوئے تو چودہ پندرہ سال کے تھے۔ نانا نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور جوان ہونے پر ان کی شادی اپنی بیٹی سلمیٰ سے کر دی تھی لیکن چار سال بعد ہی وہ ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے حادثے کے وقت ان کے ساتھ ان کی دو سالہ بیٹی بھی تھی جو حادثے میں ہی ہلاک ہو گئی تھی۔

افضال کی والدہ بہت خوش اخلاق اور نرم مزاج تھیں۔ انہوں نے سلمیٰ خانم کو بہت حوصلہ دیا اور بالکل بہنوں کی طرح سمجھا۔ ایک واحد گھر افضال کا ہی تھا جہاں نصیر خان اور ان کی والدہ آتے جاتے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ افضال نے اپنی تعلیم مکمل کر کے اپنے والد کا کاروبار سنبھال لیا۔ اس کی شادی ہو گئی۔ نصیر خان کلرک سے ترقی کر کے ہیڈ کلرک ہو گئے۔ افضال اکثر انہیں بھی شادی پر اکساتا۔

"بھئی مجھ غریب کلرک کو کون رشتہ دے گا۔"

نصیر خان ٹالتے۔

"تم ہاں تو کرو لڑکیوں کی کیا کمی ہے۔"

سلمیٰ خانم بھی چاہتی تھیں کہ بیٹے کا گھر بس جائے اور یہ مسئلہ بھی افضال اور ان کی والدہ نے حل کر دیا۔

"میری بھتیجی ہے طیبہ میری بھاوج کی وفات کے بعد زیادہ تر ننھیال میں رہی ہے۔"

ایک روز انہوں نے سلمیٰ خانم کو بتایا۔

"سوتیلی والدہ کا سلوک اتنا اچھا نہیں ہے اس کے ساتھ۔ گھر جاتی بھی ہے کبھی تو میری بڑی بھاوج اچھا سلوک نہیں کرتیں۔ دراصل میرے بھائی نے طیبہ کی والدہ کے ساتھ دوسری شادی کی تھی دور پار کی عزیز تھیں۔ باپ کی وفات کے بعد ایک قریبی شادی شدہ بہن کے سوا کوئی عزیز نہ تھا بھائی ہمدردی میں سہارا دے بیٹھے لیکن بڑی بھاوج نے انہیں گھر نہ گھسنے دیا۔ شادی کے بعد چھ سات سال جو وہ زندہ رہیں تو بہن کے گھر پر ہی رہیں۔ البتہ بھائی خرچ دیتے تھے اور مہینے دو مہینے بعد چلے بھی جاتے ہفتہ بھر رہ لیتے ادھر ان کی وفات کے بعد انہوں نے چاہا کہ بیٹی کو گھر لے آئیں لیکن میری بھاوج کو گوارا نہ ہوا۔ حالانکہ اپنی کوئی بیٹی نہ تھی ایک بیٹا ہی تھا۔ جب تک بھائی صاحب زندہ رہے۔ طیبہ کو کبھی کبھار گھر لے جاتے دو تین ماہ رہ کر پھر وہ خالہ کے پاس چلی جاتی۔ آنا جانا لگا ہی رہتا تھا لیکن بھائی صاحب کی وفات کے بعد دو ایک بار سوتیلے بھائی نے رسماً" بلایا اور اب تو عرصے سے پوچھا تک نہیں۔ بس ایک میرا دم ہے۔ جی گھبراتا ہے تو میرے پاس چلی آتی ہے۔ عذرا کی شادی کے بعد میں نے عذرا سے کہا بھی تھا کہ نند ہے وہ تمہاری اور تمہارے سسر کے بعد تم میاں بیوی کی ذمہ داری لیکن وہ بے چاری بھی میاں اور ساس کے سامنے نہیں بول سکتی۔ میری بھاوج مزاج کی بہت سخت ہیں۔ لیکن جب بھائی نے رشتہ مانگا تو انکار نہ کر سکی اکلوتے بھتیجے سے بڑھ کر مجھے کون عزیز ہو سکتا تھا۔ حالانکہ افضال کے والد اس رشتے کے سخت خلاف تھے۔ افضال بھی۔ بہن کو ادھر نہ دینا چاہتے تھے کہ عذرا مختلف ماحول کی پروردہ ہے جبکہ ماموں کے گھر کا ماحول سخت ہے۔ لیکن مقدر جب بھائی نے جھولی پھیلائی تو مجھ سے انکار نہ ہو سکا۔"

افضال کی والدہ نے تفصیل بتائی۔

"اگر تم کہو تو تمہیں طیبہ سے ملواؤں۔ افضال نے اپنی پسند کی شادی کرلی ورنہ میری تو شروع سے ہی آرزو تھی کہ اسے اپنی بہو بناؤں گی اور وحید تو بہت چھوٹا ہے طیبہ سے۔ سچ کہتی ہوں تین چار سال کا فرق ہوتا تو پروا نہ کرتی۔ لیکن آٹھ نو سال کا فرق ہے۔"

"مگر ہمارا تو آپ کو پتا ہے آپا نصیر کی تعلیم اس کی نوکری......"

"آپ کی خاندانی شرافت کو نہیں جانتی کیا۔ باقی طیبہ کا مقدر خدا نصیر کو بخت لگائے گا۔ دراصل مجھے ڈر ہے کہ اس کی خالہ جو مسلسل بیمار رہنے لگی ہے یونہی کسی ایرے غیرے کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ نہ تھما دے۔ جب میں پچھلی بار طیبہ کو چھوڑنے گئی تھی تو اس نے دو تین رشتوں کا بتایا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ مجھے کچھ ہو گیا تو کون ہو گا اس کا! اپنا یہاں 'اپنی اولاد کو تو باپ سنبھال لے گا لیکن اسے تو ایک دن بھی گھر میں رکھنے کا روادار نہ ہو گا۔ ہر وقت طعنے دیتا رہتا ہے پرائی اولاد پالنے کے' سو سوچتی ہوں کہ کوئی بندوبست ہو جائے اس کا۔ میں نے افضال سے کہا تو فوراً اس نے نصیر کا نام لے دیا۔ صلاح الدین کو تو بہن کی پرواہی نہیں۔ ماں نے ایسا زہر گھولا ہے۔ پھر اتنا دور ہے لاہور میں یہاں ہوتا تو شاید کچھ خیال کر لیتا اس کا۔"

اور یوں طیبہ خاتون ان کی زندگی میں چلی آئیں۔ ایک لمحے کو تو وہ مبہوت سے رہ گئے۔ ماں نے اس کے سلیقے اور حسن سیرت کی تعریف تو کی تھی لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ اس قدر حسین ہوں گی انہیں تو گمان تک نہ تھا بلکہ دور کہیں ان کے لاشعور میں تھا کہ افضال کے ماموں اچھے کھاتے پیتے ہیں اگر ان جیسے تہی دست کو طیبہ کا رشتہ دیا جا رہا ہے تو وہ یقیناً شکل و صورت یا عمر کے میزان میں کہیں نہ کہیں ان سے مات کھائی ہو گی۔ افضال نے واقعی حق دوستی ادا کر دیا تھا! اور ان کی والدہ نے بھی ساتھ نبھایا تھا وہ خود کو طیبہ کے قابل ہرگز نہ سمجھتے تھے۔ ان کے پاس کیا تھا سوائے خاندانی شرافت اور اچھی شکل و صورت کے انہیں اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہوا اور انہوں نے نہ صرف سوچا بلکہ طیبہ سے کہہ بھی دیا کہ وہ تو محلوں میں رہنے کے لیے پیدا ہوئی تھیں یہ ان کے جھونپڑے میں کہاں چراغاں کرنے آ گئیں۔

"آج کے بعد ایسی بات مت کہیے گا نصیر۔ مجھے یہاں ہی آنا تھا یہ فیصلہ اوپر ہوا ہے اور یہاں ہی چراغاں کرنا تھا۔ آپ کو کبھی مجھ سے شکایت نہ ہو گی۔ بھائی صاحب ضرور پیسے والے ہیں لیکن میں جس گھر میں رہتی تھی وہ اس گھر سے ذرا ہی بڑا تھا اور کئی بار ایسا ہوا کہ خالہ کے چھ بچوں کے بعد میرے لیے کھانے کو کچھ نہ بچا۔ شدید خواہش کے باوجود میں مڈل سے آگے نہ پڑھ سکی۔ میرے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ خالہ نے پناہ دے رکھی ہے۔ گھر میرے نانا کا تھا۔ جہاں خالہ بھی رہتی تھیں۔"

اور وقت نے ثابت کر دیا تھا کہ طیبہ نے ان کے گھر میں چراغاں ہی کر دیا تھا زندگی کے مشکل لمحے میں انہوں نے انہیں اکیلا نہ چھوڑا تھا۔ صلاح الدین بہن کی شادی پر دنیا دکھاوے کو آئے تھے پھوپھی نے کہہ کر اس بات پر رضامند کر لیا تھا کہ وہ جہیز کے نام پر طیبہ کو ایک چھوٹا سا گھر لے دیں۔ کپڑا لتا زیور گہنا تو بن ہی جاتا ہے اگر اپنا گھر ہو تو۔ دبے لفظوں میں انہوں نے داماد کو یہ بھی سنا دیا تھا کہ شرعاً" باپ کی جائیداد میں طیبہ کا حصہ بھی ہے سو صلاح الدین نے حصے کے نام پر گھر خرید کر دے دیا۔

افضال کو اپنی ماں کی ذہانت اور عقلمندی پر فخر محسوس ہوا۔ واقعی نصیر کے لیے گھر کا ہونا بہت ضروری تھا۔

زندگی بہت سکون اور اطمینان سے گزر رہی تھی۔ نصیر اور طیبہ دونوں ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنے والوں میں سے تھے۔ خدا نے اولاد سے بھی نوازا تھا اور دونوں ان کی بہترین تربیت کر رہے تھے۔ بلاشبہ طیبہ ایک بہترین رفیق حیات تھیں اور مشکل کی ان گھڑیوں میں جس طرح وہ انہیں سنبھالے ہوئے تھیں۔ شاذ و نادر ہی ایسی عورتیں ہوتی ہوں گی۔ مسلسل تھراپی اور علاج ہو رہا تھا۔ طیبہ خاتون نے ان کے علاج پر روپیہ پانی کی طرح بہایا تھا۔ ایک امید تھی کہ شاید کسی روز وہ اٹھ کر چلنے لگیں۔ بچوں کو سہارا دیتیں۔ نصیر خان کا حوصلہ بڑھاتیں۔ سلمٰی خانم کے

آنسو پونچھتیں جو بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر خود بھی چارپائی پر پڑ گئی تھیں۔ دمے کی تکلیف شروع ہو گئی تھی حالانکہ نصیر خان کے حادثے سے پہلے وہ اچھی خاصی تھیں۔ طیبہ خاتون نے سلائی شروع کر دی تھی۔ اس ہنر میں طاق تھیں بچوں کے کپڑے خود ہی سیا کرتی تھیں۔ سو اب یہی ہنر کام آ رہا تھا۔ منصور نے انہیں سلائی کرتے دیکھا تو کہا۔

"اماں میں کالج میں داخلہ نہیں لوں گا لیکن نوکری ڈھونڈتا ہوں۔"

بلکہ وہ ان سے بالا بالا نصیر خان کے آفس میں جا کر نوکری کی بات بھی کر آیا۔

"ہرگز نہیں۔"

طیبہ خاتون تڑپ اٹھیں۔

"تمہیں پڑھنا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ باپ اگر کلرک تھا تو بیٹا بھی کلرک ہی بنے' منوں تم نہیں جانتے کہ میں نے اور تمہارے ابا نے تمہارے لیے کیا کیا خواب دیکھ رکھے ہیں۔"

"مگر اماں آپ تنہا کیا کر سکیں گی۔ میں اس گھر کا بڑا ہوں۔ مرد ہوں مجھے ہی ابا کی ذمہ داریاں سنبھالنا ہوں گی اور ابا کے آفس والوں نے مجھے ان کی جگہ کلرک رکھنے پر آمادگی ظاہر کر دی ہے میں کل سے جوائن کر لوں گا۔"

"اگر تم نے ایسا کیا تو میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔"

طیبہ خاتون کی آنکھوں سے آنسو دریاؤں کی طرح بہہ نکلے تو منصور نے انہیں اپنی بانہوں میں لے کر ان کے آنسو پونچھے۔

"پلیز اماں ایسا مت کریں۔ آپ جو کہیں گی میں وہی کروں گا۔"

"ہاں تمہیں کیا حق ہے منوں کہ تم ہمارے سارے خوابوں کو ملیا میٹ کر دو ہے نا نصیر۔"

انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے نصیر خان کو دیکھا اور نصیر خان نے اپنے آنسو اپنے اندر اتارتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ہاں۔ ہاں بالکل منوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ہمارے خوابوں کو ملیا میٹ کرے۔"

"ابا میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کو ایک دن آپ کے خوابوں کی تعبیر ضرور دوں گا انشاءاللہ۔"

اور یوں اس نے کالج میں ایڈمیشن لے لیا تھا لیکن ٹیوشن کر کے اپنا خرچ خود نکال لیتا تھا۔ ماہ نور بھی محلے کے چند بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ زرمل بھی پرائمری کے چند بچوں کو ٹیوشن پڑھا لیتی تھی یوں ان کی پڑھائی چل رہی تھی۔ پھر بھی کبھی کبھی ہاتھ بہت تنگ ہو جاتا تھا۔ جیسے اب کئی دنوں سے خواہش کے باوجود طیبہ خاتون ماں جی کی اور نصیر کی دوائیں نہیں منگوا سکی تھیں۔ چار طویل برس اس بیماری کی حالت میں گزر گئے تھے۔ منصور اب ایف ایس سی میں تھا اور ماہ نور بی ایس سی کر چکی تھی۔

نصیر خان کو مسلسل خاموش دیکھ کر ماہ نور بے چین ہو گئی۔

"آپ کیا سوچنے لگے ابا۔ کیا آپ میری جاب کرنے سے ناخوش ہیں۔"

"ضرورتوں کے پلڑے میں خوشی ناخوشی کے باٹ نہیں رکھے جاتے بیٹا۔"

ان کے لہجے کی دکھن ماہ نور کو تڑپا گئی۔

"ابا۔"

اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

زندگی کے حقائق کو قبول کرنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ ہتھیار ڈال دینے سے زندگی کبھی سہل نہیں ہوتی ابا آپ نے ہی تو بتایا تھا کہ زندگی جدوجہد اور تگ و دو کا نام ہے۔ آپ نے اور دادی نے کئی بار بتایا ہے ہمیں کہ آپ نانا کے گھر سے بالکل خالی ہاتھ محض اللہ کے بھروسے پر نکل آئے تھے۔"

"ہاں بیٹا۔"

انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"پر سارے امتحان میرے لیے ہی کیوں؟ میں تو بہت صبر شکر سے زندگی گزار رہا تھا۔ کبھی شکوہ نہیں کیا کبھی گلہ نہیں کیا لیکن

انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

"ابا۔"

اس نے ہاتھ میں لیے ان کے ہاتھ کو دبایا۔

"آپ پریشان ہو رہے ہیں پلیز پریشان نہ ہوں۔ زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کرنا ہرگز باعث شرم نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اچھی بات ہے آپ کو خوش ہونا چاہیے کہ آپ کے بچے زندگی کی مشکلات سے ہار ماننے والے نہیں ہیں۔ وہ جنگ کرنا جانتے ہیں۔ میں روما منوں حتیٰ کہ موی ہم سب۔ میں اماں کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہوں۔ چار سالوں سے تنہا وہ سب کا بوجھ اٹھائے ہوئی ہیں۔ گو ہم سب اپنے اپنے طور پر کچھ کر رہے ہیں لیکن آٹے میں نمک کے برابر۔ ابا میں اور اماں مل کر ان کے خوابوں کی تعبیر تلاشنے کی کوشش کریں گے جو آپ نے اور اماں نے دیکھے۔ چار یا پانچ سال تک منوں بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گا پھر باقی کی تعبیریں تلاشنا اتنا مشکل نہیں رہے گا۔ پہلے بھی تو چار سال گزر گئے ہیں۔ پھر یہ چار سال بھی گزر جائیں گے۔"

"انشاء اللہ۔"

نصیر خان مسکرائے۔

"میں اب پریشان نہیں ہوں بیٹا اور مجھے اپنے بچوں کے حوصلے پر فخر ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات۔"

ماہ نور نے ان کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

اور اب اس بات پر قہقہہ لگائیے اور ہنسیے ذرا۔"

"ایسے ہی بلاوجہ کیسے ہنس دوں۔"

وہ شرارت سے ماہ نور کو دیکھنے لگے۔

"اچھا! تو پھر آپ کو ایک لطیفہ سناتی ہوں۔"

"تمہارے لطیفے۔ کیا مجھے پہلے کبھی ان پر ہنسی آئی ہے۔"

انہوں نے انتہائی معصومیت سے پوچھا۔

"ابا۔"

ماہ نور نے منہ بسورا۔

"اچھا تو پھر سناؤ۔ کوشش کروں گا کہ مجھے ہنسی آجائے۔"

بچوں کے ساتھ ان کا رویہ ہمیشہ سے دوستانہ تھا۔ اس حادثے سے پہلے وہ چھٹی والے دن بچوں کو پورا پورا ٹائم دیتے تھے اس روز لطیفے بھی سنائے جاتے تھے۔ بیت بازی بھی ہوتی تھی۔ لڈو اور کیرم بھی کھیلا جاتا تھا۔ وہ زوبی اور گڈو سے بے ایمانی کرنے پر جھگڑتے تھے نرمل کے ساتھ مل کر چیٹنگ بھی کرتے اور طیبہ خاتون مسکراتے ہوئے سب کو دیکھتی رہتی تھیں۔ وہ زندگی سے بہت مطمئن اور پرسکون تھے جو ملا ہوا تھا بہت زیادہ تھا اور جو نہیں تھا اس کی انہوں نے کبھی تمنا نہیں کی تھی وہ چاہتے تھے کہ ان کے بچوں کی شخصیت میں کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے کہیں کوئی بھول نہ ہو وہ انہیں ہر لحاظ سے مکمل دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے یہ دور ان کا دور نہیں تھا۔ یہ کمپیوٹر اور کیبل کا دور تھا۔ بچوں میں بھی خواہشات پیدا ہو سکتی تھیں جنہیں پورا کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا اس لیے وہ چاہتے تھے کہ بچوں کو گھر پر ہی اتنی مکمل خوشی دیں کہ وہ کہیں باہر نہ جائیں۔ دنیا میں صرف ایک افضال ہی تھا جس سے ان کے سارے رشتے تھے۔ عزیز دوست ہونے کے علاوہ بیوی کا پھوپھی زاد بھی تھا وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ان

کی زندگی کا سرمایہ افضال ہے۔ لیکن وہ اس کے گھر بھی کم ہی جاتے تھے۔ حالانکہ وہ گلہ کرتا رہتا وقتاً فوقتاً دعوت دے ڈالتا لیکن وہ نہیں چاہتے تھے کہ بچے وہاں جا کر کسی احساس کمتری کا شکار ہو جائیں۔ وہ پانے کی خواہش کرنے لگیں جو ان کے پاس نہیں ہے۔ حالانکہ افضال کے بچے بھی بہت مہذب اور سلجھے ہوئے تھے۔ دو بیٹے اور بیٹیاں سب سے بڑے خضر تھے پھر ولید۔ ولید کے بعد علینہ اور اریج۔ افضال نے ہمیشہ انہیں سگے بھائی کا مان دیا تھا۔ بچوں سے وہ ہمیشہ کہتے تھے۔

"میں تمہارا ماموں بھی ہوں اور چچا بھی۔"

ان کی والدہ بھی جب تک زندہ رہیں انہیں بیٹوں کی طرح ہی جانا۔ ہمیشہ داماد کہہ کر دوسروں سے متعارف کرواتی تھیں۔ سگا داماد تو دور تھا۔ جو طیبہ خاتون کے بھائی تھے میاں صلاح الدین۔ اگرچہ سوتیلے تھے لیکن بھائی تو تھے۔ دنیا دکھاوے کو ہی سہی ہر خوشی کے موقعے پر وہاں سے بلاوا ضرور آتا تھا اور اس میں بھی زیادہ ہاتھ عذرا کا تھا۔ جو افضال کی سگی بہن تھیں اور انہیں اپنی ماموں زاد بہن طیبہ سے بے حد محبت تھی اور نصیر خان کو بھی سگے بھائیوں کی طرح ہی سمجھتی تھیں۔ وہ ضرور ہر موقعے پر فون کرتیں لیکن وہ ہمیشہ ٹال جاتے تھے دوری کا بہانہ کافی تھا ان کے پاس۔ میاں صلاح الدین نے کبھی اصرار نہیں کیا انہیں بہن سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ لیکن عذرا بیگم کی بات بھی وہ ٹال ہی جاتے تھے کہ کہیں بچے ماموں زاد بہن بھائیوں کی آسائشات اور سہولتوں والی زندگی دیکھ کر دولت استغنا سے محروم نہ ہو جائیں۔ کہنے کو تو ان کے اپنے سگے ماموں بھی اسی شہر میں مقیم تھے لیکن جب ایک بار وہ ان کے گھر سے نکل آئے تو پھر دوبارہ نہیں گئے۔ سلمیٰ خانم نے بھی بھائیوں سے ملنے کی کبھی خواہش نہیں کی۔ حالانکہ ایک دو بار انہوں نے پوچھا بھی تھا کہ اگر ان کا دل چاہتا ہے بھائیوں سے ملنے کو تو وہ انہیں ملوا لاتے ہیں لیکن سلمیٰ خانم نے انکار کر دیا تھا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے ابا کہ آخر آپ کو میرے سنائے گئے لطیفوں پر ہنسی کیوں نہیں آتی۔"

سنجیدہ ہونے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے گہری سوچ میں ڈوبے نصیر احمد خان کو ماہ نور نے بغور دیکھا تب ہی باہر سے طیبہ خاتون کی آواز آئی۔

"ماہ بیٹا حنا آئی ہے۔"

"اوہ۔"

وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"حنا ہے۔ ابا چلی جاؤں۔"

"کہاں۔"

نصیر خان نے بے دھیانی سے پوچھا۔

"ابا وہ بتایا ہے نا حنا کی باجی کے اسکول جانا ہے۔ حنا نے آنا تھا ساڑھے گیارہ بجے لینے کچھ انٹرویو وغیرہ ہو گا شاید۔"

"ہاں۔ جاؤ فی امان اللہ۔"

"ابا آپ خفا تو نہیں ہیں نا۔"

اس نے جھجکتے ہوئے ان کو دیکھا۔

"نہیں۔"

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ لیکن اندر ہی اندر کہیں آنسو گرنے لگے تھے۔ ٹھنڈی چائے ایک ہی گھونٹ میں پی کر انہوں نے آنکھیں موند کر تکیے سے ٹیک لگا لی۔

ماہ نور لمحہ بھر وہاں ہی کھڑی انہیں دیکھتی رہی اور پھر باہر نکل آئی۔

کل شب دیکھا میں نے چاند جھروکے میں
اس کو کیا سلام تمہارے دھوکے میں

گنگناتا ہوا مبشر اپنے کمرے سے نکلا تو میاں صلاح الدین کو برآمدے میں بیٹھے اخبار پڑھتے دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گیا۔

"السلام علیکم ابا جی۔"

اخبار سے نظر ہٹا کر انہوں نے بے حد گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ صبح صبح بن سنور کر کہاں جا رہے ہو صاحبزادے۔"

"وہ جی۔۔۔ وہ یونہی ذرا ایک دوست کی طرف جا رہا تھا" مبشر کی جان جاتی تھی میاں صلاح الدین سے۔

"دراصل مل کر اسٹڈی کرنے کا پروگرام ہے۔"

"اچھا۔"

انہوں نے دوبارہ سرتاپا اس کا جائزہ لیا۔

قیمتی ملبوس کلائی پر قیمتی گھڑی اور خوشبوؤں میں بسا مبشر صلاح الدین۔ اپنی بے تحاشا خوبصورتی اور حسن کی وجہ سے انہیں باقی اولادوں کی نسبت زیادہ پیارا تھا۔ لیکن اس بے تحاشا پیار کے باوجود وہ اس پر کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ دو تین بار دبے لفظوں میں عذرا بیگم نے انہیں ٹوکا بھی تھا کہ جوان بچوں پر اتنی سختی اچھی نہیں ہوتی۔ لیکن ان کی اپنی سوچ اور اپنے نظریات تھے ان کا خیال تھا کہ کھلاؤ سونے کا نوالہ اور دیکھو شیر کی نظر سے۔ یہی وجہ تھی کہ سب بچے ان سے خوفزدہ رہتے تھے اور مبشر کی تو روح نکلتی تھی۔ کچھ ایسا ہی رعب تھا ان کا۔ کوئی بات بھی ان سے کہنا ہوتی وہ عذرا بیگم کے ذریعے کہلواتا۔ براہ راست کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تھا اسے۔

میاں صلاح الدین کے بھی تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں سب سے بڑے اسفر تھے۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور سے وہ اپنی گریجویشن مکمل کر چکے تھے اور اب ہائر ایجوکیشن کے لیے باہر جانا چاہتے تھے۔ جبکہ میاں صلاح الدین چاہتے تھے کہ اسفر بزنس میں ان کا ہاتھ بٹائے اور امریکہ جا کر مزید پڑھنے کا خیال چھوڑ دے۔ جبکہ اسفر بچپن سے ہی ننھیال میں رہے تھے ان پر میاں صلاح الدین کا زیادہ اثر نہ تھا اور نہ ہی اپنی زندگی کے بارے میں وہ ان کی رائے کو اہمیت دیتے تھے اس لیے مسلسل باہر جانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ میاں صلاح الدین کا احترام ضرور کرتے تھے لیکن باپ بیٹے کے درمیان جو فاصلے پیدا ہو گئے تھے وہ روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک کا عرصہ انہوں نے ننھیال میں گزارا تھا۔ جہاں کا ماحول یہاں کے ماحول سے بہت مختلف تھا۔ بڑے ماموں افضال احمد اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ نانا ابا۔ اے علیگ تھے۔ انہوں نے گھر میں بہت دوستانہ ماحول رکھا ہوا تھا۔ افضال کے بعد ان کی والدہ عذرا بیگم تھیں جن کی شادی ایف اے کے بعد ہو گئی تھی پھر تھیں جو ڈاکٹر تھیں اور جب بھی اپنے میکے کراچی آتیں تو ان کے بہت لاڈ اٹھاتی تھیں۔ وہ کم عمری میں ہی نانی کے ساتھ کراچی آگئے تھے۔ تقریباً" چار سال کے تھے جب ان کے چھوٹے ماموں وحید احمد اور نانا کی ایک حادثے میں ڈیتھ ہو گئی تھی اور اس حادثے نے نانی کے ذہن پر اثر ڈالا تھا۔ بیٹے کی شادی ہونے والی تھی کہ حادثہ ہو گیا۔ وحید خود ہی گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے کہ سامنے سے آتا ٹریلر بے قابو ہو کر ان کی گاڑی سے ٹکرا گیا۔ وہ راتوں کو وحید وحید پکارتے ہوئے اٹھ جاتیں۔ چیخ چیخ کر روتیں تب عذرا بیگم جو باپ اور بھائی کے حادثے کی خبر سن کر کراچی گئی ہوئی تھیں واپسی پر انہیں ساتھ ہی لے آئیں۔

وقت سب سے بڑا مسیحا ہے وہ بھی ہولے ہولے سنبھل گئیں۔ عذرا بیگم کے بچوں میں ان کا دل بہل گیا۔ جب [illegible] بعد افضال انہیں لینے آئے تو واپس جاتے ہوئے ضد کر کے اسفر کو بھی ساتھ لے گئیں۔ ان کی ذہنی حالت کے پیش نظر میاں صلاح الدین انکار نہ کر سکے۔ بعد میں جب ان کی صحت بحال بھی ہو گئی تو انہوں نے اسفر کو نہ آنے دیا۔ کچھ اسفر میں وحید کی شباہت بھی تھی اور کچھ وہ انہیں پیارا بھی بہت ہو گیا تھا تب ہی صلاح الدین کے سامنے جھولی پھیلا دی۔

"اسے مجھے دے دو صلاح الدین میں سمجھوں گی میرا وحید زندہ ہو گیا ہے۔"

اور صلاح الدین خاموش ہو گئے کہ وہ رشتے میں ان کی ساس ہی نہیں پھوپھو بھی تھیں۔

وہ پھوپھی جنہوں نے شوہر اور بیٹوں کی مخالفت کے باوجود انہیں عذرا بیگم کا رشتہ دیا تھا۔

یوں عذرا بیگم ان کی زندگی میں شامل ہو گئیں۔ ان کے والد کی بات سچ ثابت ہوئی کہ وہ ایک اچھی لڑکی بالکل موم ایسی جس سانچے میں ڈھالنا چاہو گے ڈھل جائے گی اور یونہی ہوا تھا۔ عذرا بیگم نے کبھی ان کی کسی بات سے انحراف نہیں کیا تھا اور وہ باوجود اختلافات و نظریات کے پھوپھی کا احترام ماں کی طرح ہی کرتے تھے سو وہ اسفر کو واپس نہ لائے تھے اور یوں اسفر نے ایف ایس سی تک کراچی میں ہی نانی کے پاس رہ کر تعلیم حاصل کی۔ گھر میں افضال ماموں تھے ان کے بچے تھے۔ بڑا دوستانہ سا ماحول تھا۔ ماموں دوستوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتے تھے۔ ایف ایس سی کے بعد لاہور میں ان کا ایڈمیشن انجینئرنگ یونیورسٹی میں ہو گیا تو وہ لاہور چلے آئے۔ قیام ہاسٹل میں ہی تھا۔ ویک اینڈ پر گھر آتے تو عذرا بیگم نہال ہو جاتیں لیکن چند ماہ بعد ہی نانی کا انتقال ہو گیا۔ میاں صلاح الدین چاہتے تھے کہ اب وہ مستقل طور پر گھر ہی آجائیں۔ لیکن اسفر اس کے لیے تیار نہ تھے ان کا دل یہاں نہیں لگتا تھا عجیب گھٹن سی محسوس ہوتی تھی۔ بہن بھائیوں سے بے تکلفی نہ تھی۔ والدین اجنبی لگتے تھے۔ اس لیے نانی کی وفات کے بعد بھی وہ دو سال تک کراچی میں رہے۔ چھٹیاں ملتے ہی کراچی چلے جاتے ماموں انہیں بہت چاہتے تھے خضر سے بہت دوستی تھی لیکن انہوں نے محسوس کیا تھا کہ نانی کی وفات کے بعد ممانی کا رویہ خاصا بدل گیا ہے اور انہیں اسفر کا وہاں رہنا پسند نہیں ہے۔ اٹھتے بیٹھتے وہ انہیں سنائی رہتی تھیں کہ اب ان کے یہاں رہنے کی کوئی تک نہیں بنتی جبکہ ان کا اپنا گھر ہے بہن بھائی ماں باپ موجود ہیں۔ بلکہ ایک بار تو انہوں نے واضح لفظوں میں عذرا بیگم سے کہہ دیا کہ وہ اب اسفر کو پاس بلالیں۔ اسفر بچے تو نہ تھے کہ رویوں کی بدصورتی کو نہ پہچانتے سو ماموں کے اصرار کے باوجود ہمیشہ کے لیے لاہور آگئے۔ ان کی واپسی پر عذرا بیگم تو خوش تھیں میاں صلاح الدین بھی بہت خوش اور مطمئن تھے۔ جوان بیٹے کی موجودگی سے انہیں اندر ہی اندر بڑی تقویت محسوس ہوتی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ اسفر پڑھائی چھوڑ کر ان کا ہاتھ بٹائیں وہ اکیلے تھے۔ بھائی وغیرہ تو کوئی تھا نہیں اور اب جوان بیٹے کو دیکھ کر انہیں تھکن کا احساس ہونے لگا تھا۔ لیکن اسفر نے صاف انکار کر دیا تھا وہ انجینئر بننا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ شعبہ اپنی مرضی سے منتخب کیا تھا اب بہترین نمبروں کے ساتھ پاکستان میں اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے اور ہائر اسٹڈی کے لیے باہر جانا چاہتے تھے۔ لیکن میاں صلاح الدین ایسا نہیں چاہتے تھے ان کا خیال تھا کہ اسفر کو امریکہ بھیجنے کا مطلب ہے اسے ہاتھ سے گنوانا۔

ان سے چھوٹی انعم تھی۔ صورت سیرت شکل سب میں یکتا۔ بے حد ذہین، بہت حساس اور بہت محبت کرنے والی۔ میاں صلاح الدین نے میٹرک کے بعد مزید پڑھنے سے منع کر دیا تھا سو وہ خاموشی سے گھر بیٹھ گئی تھی حالانکہ اس نے اپنے اسکول میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ اس کی ٹیچرز اس کی فرینڈز سب کو ہی ازحد دکھ تھا کہ وہ کالج میں ایڈمیشن نہیں لے رہی۔ اس کی کلاس ٹیچر مس سحرش نے اس سے کہا تھا کہ اگر وہ کہے تو اس کے فادر سے بات کریں۔ لیکن اس نے منع کر دیا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ میاں صلاح الدین کبھی نہیں مانیں گے ان کے فیصلوں میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی۔

"مگر انعم آپ اتنی ذہین ہیں اور اتنے اچھے نمبر ہیں آپ کے۔"

"بہت سی لڑکیاں، بہت ذہین ہوتی ہیں میڈم اور وہ نہیں پڑھ سکتیں میرے والد بہت سخت ہیں اور وہ لڑکیوں کی زیادہ تعلیم کے خلاف ہیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" مس سحرش خاموش ہو گئی تھیں۔

اور وہ مہینوں چھپ چھپ کر روتی رہی تھی۔ اسے ڈاکٹر بننے کا بے حد شوق تھا بلکہ بچپن سے ہی وہ ڈاکٹر بننے

کے خواب دیکھ رہی تھی جب سے اس نے مس سحرش کی بڑی بہن کو دیکھا تھا جو ڈاکٹر تھیں اس نے دل ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ بھی ڈاکٹر بنے گی۔ حالانکہ جلد ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ میاں صلاح الدین لڑکیوں کی زیادہ تعلیم کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں لیکن آنکھوں کو خواب دیکھنے سے کون روک سکتا ہے۔ سو اب اس خواب کے پورا نہ ہو سکنے کا دکھ اسے رلاتا تھا اور سمن چڑتی تھی۔

"آخر آپ ابا جی سے بات کیوں نہیں کرتیں۔"

"کیا فائدہ سومی میں جانتی ہوں ابا جی نہیں مانیں گے۔"

"آخر کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے کم از کم حسرت تو نہیں رہے گی کہ کوشش نہیں کی تھی۔"

سمن اس سے تقریباً" ڈیڑھ سال چھوٹی تھی لیکن اس میں بلا کا اعتماد تھا لیکن وہ کچھ ضدی بھی تھی اور اکثر ضد کر کے عذرا بیگم سے اپنی بات منوا لیتی تھی۔ بچپن میں جس بات پر اڑ جاتی تھی اس سے ہٹتی نہیں تھی۔ اسکول میں ہونے والی تمام غیر نصابی سرگرمیوں میں بہت ذوق شوق سے حصہ لیتی تھی کوئی مباحثہ، کوئی کھیل کوئی فنکشن ہو ناسب میں آگے ہوتی اور ہمیشہ انعام حاصل کرتی تھی غالباً" اسی وجہ سے اس میں اتنا اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ اسے اس بات کا رنج تھا کہ انعم اتنی ذہین ہے اس نے اتنے اچھے مارکس لیے ہیں پھر بھی ابا جی اسے پڑھنے نہیں دے رہے اس لیے وہ انعم کو اکساتی تھی کہ ایک بار وہ میاں صلاح الدین سے بات تو کر لے کیا خبر وہ اجازت دے دیں۔ لیکن جب انعم نے میاں صلاح الدین سے بات نہ کی تو ایک روز کھانے کی میز پر اس نے خود ہی انہیں مخاطب کیا۔

"مونی نے اتنے زیادہ نمبر لیے ہیں تو آپ انہیں کالج میں داخلہ لینے کی اجازت کیوں نہیں دیتے۔"

میاں صلاح الدین نے ازحد حیران ہو کر سمن کی طرف دیکھا تھا جو اس وقت ساتویں کلاس میں پڑھتی تھی اور بڑے اعتماد سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں لڑکیوں کے لیے اتنی ہی تعلیم کافی سمجھتا ہوں۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے جواب دیا تھا۔

اور اس سے پہلے کہ سمن کچھ اور کہتی، پاس بیٹھی انعم نے اس کا ہاتھ دبا کر خاموش کرا دیا تھا۔

"مونی! آپ نے کیوں منع کیا مجھے۔ میں یقیناً ابا جی کو قائل کر لیتی۔" بعد میں سمن نے احتجاج کیا۔

وہ ابھی کم عمر تھی اور خوش فہم لیکن انعم جانتی تھی کہ کائنات میں ہزاروں تبدیلیاں ہو سکتی ہیں لیکن ابا جی کا فیصلہ نہیں بدل سکتا لیکن اس نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"میرا خود اب موڈ نہیں رہا پڑھنے کا۔"

"آپ جھوٹ بول رہی ہیں مونی! مجھے ابا جی سے ایک بار پھر بات کرنے دیں۔ میرے پاس بہت دلائل ہیں۔"

"تم اپنے دلائل اپنے لیے سنبھال کر رکھ لو۔"

"ہاں میں تو خیر ضرور پڑھوں گی اور آپ دیکھنا ابا جی مجھے نہیں روک سکیں گے۔"

"انشاء اللہ تم ضرور پڑھنا۔"

اس نے سمن کو دعا دی تھی اور خود حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ گھر میں پیسے کی فراوانی تھی۔ کام کاج کے لیے ملازم موجود تھے پھر بھی عذرا بیگم نے اسے ہر کام میں طاق کر دیا تھا۔ سلائی کڑھائی سے لے کر کھانا پکانے تک۔ یوں وہ بھی اپنے آپ کو مصروف رکھتی تھی۔ کبھی کچن میں ملازموں کے ساتھ لگی رہتی، کبھی اروبا اور مدثر کو پڑھانے بیٹھ جاتی۔ دل میں کبھی کبھی ہوک اٹھتی۔

سمن نے ان دنوں میٹرک کا امتحان دے رکھا تھا اور رزلٹ کی منتظر تھی۔ وہ انعم کی طرح پڑھائی میں بہت آگے تو نہیں تھی لیکن نالائق بھی نہیں تھی۔ اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتی تھی۔

موٹی موٹی دلکش آنکھیں، گندمی رنگ، دبلا پتلا نازک سا سراپا، دلکش قامت، قد میں وہ انعم سے نکل گئی تھی۔ وہ انعم کی طرح حسین تو نہ تھی لیکن اس میں اٹریکشن بہت تھی۔ اس کی آنکھیں لو دیتی تھیں اور گندم رنگ

رخساروں پر شفق پھوٹتی تھی۔

سمن سے چھوٹا مبشر تھا جسے سب شبی کہہ کر بلاتے تھے۔ وہ سمن سے صرف ایک سال چھوٹا تھا لیکن پڑھائی میں ایک سال آگے تھے۔ سمن بچپن میں بہت بیمار رہی تھی۔ مسلسل دو تین سال تک جس کی وجہ سے اس کا ایڈمیشن لیٹ ہوا تھا۔ یوں وہ مبشر سے ایک سال پیچھے تھی جس پر مبشر اسے چڑاتا تھا۔

مبشر سے چھوٹا مدثر تھا۔ ابھی آٹھویں جماعت میں تھا لیکن ابھی سے بہت بڑھا لگتا تھا۔ سرخ و سفید رنگ کا پرکشش لڑکا تھا اور سب سے چھوٹی اروبا تھی جو پانچویں کلاس میں پڑھتی تھی اور گھر بھر کی لاڈلی تھی۔

"ابا جی! میں جاؤں اب۔"

انہیں سوچ میں ڈوبے دیکھ کر مبشر نے پوچھا۔

"ہاں جاؤ۔"

میاں صلاح الدین نے جو نہ جانے کیا سوچ رہے تھے، چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کون دوست ہے یہ۔"

انہوں نے جاتے جاتے پھر بلا لیا۔

"تاجی۔۔۔ وہ ممتاز۔۔۔"

مبشر نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"کہاں رہتا ہے۔"

انہوں نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

"کرشن نگر میں ہے اس کا گھر۔"

میاں صلاح الدین نے برا سا منہ بنایا اور اسے جانے کا اشارہ کیا اور نظریں دوبارہ اخبار پر جما دیں لیکن ذہن کچھ الجھا ہوا تھا۔ انہوں نے اخبار ایک طرف رکھ کر کرسی کی پشت سے سر ٹیکتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

"کیا بات ہے میاں صاحب! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟"

عذرا بیگم ملازمہ کو دوپہر کی کھانے کے متعلق ہدایات دے کر کچن سے باہر نکلیں تو میاں صلاح الدین کو آنکھیں موندے نیم دراز دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ وہ ہمیشہ چاق و چوبند اور فریش رہتے تھے۔ گو آج چھٹی کا دن تھا لیکن چھٹی کے دن بھی وہ حسب معمول نماز سے فارغ ہو کر قرآن کی تلاوت کرتے اور فارغ ہو کر ناشتا کر کے اخبار دیکھتے اور پھر اپنی فائلیں اور رجسٹر لے کر بیٹھ جاتے۔

صلاح الدین کی کمرشل ایریے میں دو بڑی کپڑے کی دکانیں تھیں اور کچھ عرصہ پہلے انہوں نے شیخوپورہ کے قریب ایک ہوزری فیکٹری بھی چالو حالت میں خریدی تھی۔ خوشحالی تھی، کاروبار روز بروز ترقی کر رہا تھا لیکن ابھی تک وہ سمن آباد والے پرانے گھر میں ہی مقیم تھے جس کا صحن وسیع تھا، برآمدے کشادہ تھے اور جس میں بے شمار کمرے تھے۔ تھوڑی بہت زمانے کے مطابق تبدیلیاں کرواتے رہتے تھے۔ یہ گھر چھوڑ کر کسی پوش علاقے میں جانے کا ان کا جی نہ چاہتا تھا۔ یہاں لوگ برسوں سے انہیں جانتے تھے، عزت کرتے تھے۔ والد کے زمانے کا بنایا ہوا یہ مکان تقریباً" دو کنال سے بھی زیادہ پر تھا۔ سرونٹ کوارٹر اور گیراج بھی ساتھ تھا۔ گیراج میں بیک وقت دو گاڑیاں کھڑی ہو سکتی تھیں۔ پورچ بھی خاصا کشادہ تھا۔ اگرچہ احباب کے کہنے پر انہوں نے اقبال ٹاؤن میں ایک کنال کی کوٹھی خرید لی تھی لیکن وہاں منتقل ہونے کو ان کا جی نہ چاہتا تھا۔ دوستوں نے کہا بھی کہ اتنا شاندار ڈبل اسٹوری گھر مل گیا ہے تمہیں منتقل ہو جاؤ ادھر لیکن ان کا کہنا تھا کہ آج کل کچھ پتا نہیں چلتا کہ پاس پڑوس میں کیسے لوگ رہتے ہیں۔ اور طبلے کی آوازیں آنے لگیں تو پتا چلا کہ یہاں بازار حسن کی مشہور رقاصہ روزینہ لی لی رہتی ہیں۔ آج کل یہ لوگ اپنے علاقوں سے اٹھ کر

بوشنڈ علاقوں میں آ گئے ہیں اور کسی کے ماتھے پر تو لکھا نہیں کون کیا ہے۔ کم از کم یہاں سب کو پشتوں سے ہم جانتے ہیں۔ جوان بچیوں کا ساتھ ہے مجھے کوئی رسک نہیں لینا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک سمن آباد والے گھر میں موجود تھے۔ یوں بھی یہ گھر بہت کشادہ تھا۔ گرمیوں سردیوں کے لیے موزوں۔ سردیوں میں دھوپ سارا دن صحن اور برآمدے میں رہتی اور گرمیوں میں جب صحن میں چھڑکاؤ کر دیا جاتا تو تازہ اور فریش ہوا میں بیٹھنا میاں صلاح الدین کو بہت اچھا لگتا تھا۔

"خیریت ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

قریب جا کر عذرا بیگم نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔"

میاں صلاح الدین نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"دراصل میں سوچ رہا تھا کہ مبشر کی شادی کر دیں۔"

"مگر میاں صاحب! اپنا شبی تو ابھی بالکل بچہ ہے۔ عمر ہی کیا ہے اس کی۔ اٹھارہ سال کا بھی نہیں ہوا پھر اسفر اس سے بڑے ہیں انعم اور سمن ہیں۔"

"جب میری شادی ہوئی تھی تو میری عمر بھی انیس سال تھی اور جہاں تک اسفر کی بات ہے وہ باہر جانے کی تیاریوں میں ہے۔ اسے باندھ کر ہم کسی لڑکی کی زندگی خراب نہیں کر سکتے اور امکان غالب ہے کہ وہاں سے واپسی پر ایک میم ساتھ لے آئیں یا پھر واپس ہی نہ آئیں۔ جیسی ان کی تربیت ہوئی ہے اور جیسا ماحول انہیں ملا ہے اس سے تو یہی امید کی جا سکتی ہے۔ یوں بھی وہ ہمارے کہنے میں کب ہیں اپنی مرضی کے مالک ہیں۔"

انہیں اسفر سے بے حد اور بے حساب گلے تھے۔ یہ صحیح تھا کہ پھوپھی کی ہمدردی میں انہوں نے اسے ان کی گود میں ڈال دیا تھا لیکن تھا تو وہ انہی کا بیٹا اور اب جبکہ وہ اس گھر میں رہتا تھا تو ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ وہی کچھ کریں جو وہ چاہتے ہیں۔ عذرا بیگم جانتی تھیں کہ وہ دل ہی دل میں اسفر سے خفا رہتے ہیں اس لیے اسفر کے معاملے میں جو بھی وہ کہتے خاموشی سے سن لیتیں۔

"رہی سمن اور انعم کی بات تو آپ دیکھیں ان کے لیے کوئی رشتہ ماں ہیں آپ اور یہ آپ کا فرض ہے۔ ادھر ادھر کسی سے کہیں سنیں بلکہ انعم کو میٹرک کیے تین سال ہو گئے ہیں۔ اس کی تو اب تک شادی ہو جانا چاہیے تھی۔ سمن نے تو اب دسویں کا امتحان دیا ہے لیکن انعم سے سال ڈیڑھ سال ہی چھوٹی ہے۔"

ایک لمحہ کے توقف کے بعد انہوں نے اپنی بات مکمل کی۔

"انعم کے لیے کہہ تو رکھا ہے ایک دو جاننے والیوں سے لیکن شبی..... میاں صاحب! وہ زمانہ اور تھا جب اٹھارہ سال کے لڑکے بھی بڑے سمجھ دار ہوتے تھے مگر گھر گرہستی کی ذمہ داری سنبھالنے کا شعور رکھتے تھے۔ آج کل تو پچیس سال کی عمر تک لڑکے بچے ہی بنے رہتے ہیں۔"

"ہاں لیکن جو میں سوچ رہا ہوں وہ آپ نہیں سمجھ رہیں۔"

"آخر کیا سوچ رہے ہیں آپ۔"

عذرا بیگم ابھی تک الجھی ہوئی تھیں۔

"دیکھو عذرا بیگم! مبشر بہت خوبصورت ہے بے حد۔

ایسے لڑکوں کے بھٹکنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ ابھی دیکھتیں اسے کیسا بن سنور کر جا رہا تھا۔ ابھی تک خوشبو پھیلی ہوئی ہے۔ لگتا ہے پوری شیشی الٹی ہے۔ میں چاہتا ہوں اسے ابھی سے پابند کر دوں کہ ادھر ادھر نہ بھٹکے۔"

عذرا بیگم بدستور الجھی الجھی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں میاں صاحب کی منطق سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

"ماشاء اللہ ہمارا شبی تو بہت شریف بچہ ہے کوئی بری عادت نہیں ہے اس میں۔ بس ذرا پہننے اوڑھنے کا شوق ہے۔"

"ہر ماں کو اپنا بچہ شریف ہی لگتا ہے۔"

میاں صلاح الدین مسکرائے۔

"بہرحال آپ مبشر کے لیے لڑکی دیکھیں۔ زمانہ بہت خراب ہے باہر بڑی ترغیبات ہیں۔ تم گھر میں بیٹھنے والی کیا جانو کہ آج کل کی لڑکیاں کیسے کیسے لبھاتی ہیں لڑکوں کو اور کیسے اپنی اداؤں میں اسیر کر لیتی ہیں اور شبی جیسا لڑکا جو خوبصورت بھی ہو اور دولت مند بھی اور بقول تمہارے معصوم بھی۔ اس سے پھنسنے کے امکانات زیادہ ہیں۔"

"پر میاں صاحب! اپنا شبی تو....."

"عذرا بیگم! آپ نہیں جانتیں زمانے کو اور یہ کام جلد ہو جانا چاہیے۔"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بحث ختم کر دی۔

جب وہ اس طرح بات کرتے تھے تو ان کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ اب اس پر مزید بات نہ کی جائے اور پھر کوئی بات کرنا فضول ہی ہوتا تھا۔ گویا وہ یہ طے کر چکے تھے کہ مبشر کی شادی کرنا ہے اب انہیں روکا نہیں جا سکتا تھا۔

وہ اخبار رول کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"رمضان کے ہاتھ چائے بھجوا دیجیے میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن کچھ دیر وہ یونہی متفکر سی بیٹھی رہیں۔ یہ میاں صاحب نے ایسی بات کیوں سوچی۔ شبی تو ابھی بالکل بچہ ہے۔ گو اس سال اس نے فرسٹ ایر میں ایڈمیشن لیا تھا لیکن حرکتیں بالکل بچوں جیسی تھیں۔ لاڈ سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جاتا۔ انعم سلو اور اروما سے ننھے بچوں کی طرح لڑنا اور ان سے چھین جھپٹ کر چیزیں لیتا۔ میاں صلاح الدین گھر پر نہ ہوتے تو تینوں چاروں مل کر اودھم مچائے رکھتے۔ سمن اروما اور مبشر تو ایک پل بھی چین سے نہیں بیٹھتے تھے۔ سمن کے ساتھ اس کی چوبیس گھنٹے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہتی تھی اور دونوں ایک دوسرے پر جان بھی دیتے تھے۔ البتہ مدثر کچھ سنجیدہ مزاج تھا۔ اسے پوزیشن لینے کا کریز تھا لیکن شبی تو اور ہی مزاج کا تھا کھلنڈرا سا پھر بھی..... وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"یہ کوئی اس کی شادی کی عمر تو نہیں پھر اس کی پڑھائی کا کیا ہو گا اور یہ تو اس کے کھیلنے کودنے کے دن ہیں اور اسفی کیا سوچے گا کہ....." رمضان کو چائے کا کہہ کر وہ میاں صلاح الدین کے کمرے میں چلی آئیں۔ وہ کچھ حساب کتاب میں الجھے ہوئے تھے۔ "وہ۔ وہ میاں صاحب....."

وہ کچھ جھجک سی گئیں۔

"شبی کی پڑھائی کا کیا ہو گا۔"

"پڑھائی کا شادی سے کیا تعلق ہے پڑھتا رہے گا۔"

انہوں نے رجسٹر سے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا۔

"لیکن عذرا بیگم! ایک بات کا خاص دھیان رکھیے گا لڑکی ہو بہت خوب صورت۔"

"مگر میاں جی....."

"آپ سے چائے کے لیے کہا تھا۔"

انہوں نے عذرا بیگم کی بات کاٹ دی۔

"کہہ دیا ہے رمضان لا رہا ہو گا۔"

عذرا بیگم وہاں ہی کمرے میں ایک کرسی پر ٹک گئیں۔ ان کے دل کو کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔ وہ چاہ رہی تھیں کہ میاں جی کسی طرح مبشر کی شادی کا خیال چھوڑ دیں لیکن وہ پوری طرح اپنے کام میں منہمک ہو گئے تھے۔ عذرا بیگم بے چینی سے پہلو بدل رہی تھیں۔ کبھی اخبار اٹھا لیتیں کبھی سائیڈ ٹیبل پر پڑے کاغذات ادھر ادھر کرنے لگتیں۔

انہوں نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا۔"

"اوہ۔۔۔ ہاں۔"

وہ سٹپٹا گئیں۔

"شبی کے متعلق اب کوئی بات نہ ہوگی۔ آپ بس اب اس کے لیے لڑکی تلاش کریں۔"

"گویا شبی کے سلسلے میں اب وہ کم از کم اس وقت کوئی بات نہیں سنیں گے۔"

عذرا بیگم نے دل گرفتگی سے سوچا اور ان کی طرف دیکھا۔

"وہ۔۔۔ وہ مجھے سمن کے متعلق بات کرنا تھی۔"

"کیوں کیا ہوا سمن کو؟"

انہوں نے چونک کر کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ وہ اس کا رزلٹ آنے والا ہے کچھ دنوں تک اور وہ مزید پڑھنا چاہتی ہے۔"

"کیا انعم نے میٹرک کے بعد مزید پڑھا ہے، جو وہ پڑھنا چاہتی ہے۔"

"انعم نے تو نہیں پڑھا لیکن سمن بہت شدید خواہش رکھتی ہے پڑھنے کی۔"

"کیا ہو گیا ہے آپ کو عذرا بیگم! کیا آپ نہیں جانتیں کہ میں لڑکیوں کے لیے میٹرک تک تعلیم کافی سمجھتا ہوں۔"

"زیادہ نہیں تو ایف اے ہی کرنے دیں۔ آج کل میٹرک کو کوئی نہیں پوچھتا۔ رشتہ لانے والیاں بھی پہلے لڑکی کی تعلیم پوچھتی ہیں۔"

عذرا بیگم نے دبے دبے لہجے میں کہا لیکن میاں صلاح الدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے فیصلوں میں عذرا بیگم کی رائے کو قطعی کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ عذرا بیگم کچھ دیر خاموش بیٹھی رہیں کہ شاید میاں صلاح الدین کچھ کہیں لیکن وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئے تھے' وہ خفیف سی ہو کر باہر آ گئیں۔ انہیں میاں صلاح الدین کا مبشر کی شادی کے سلسلے میں فیصلہ پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتی تھیں کہ انہیں قائل کرنا بہت مشکل ہے اور وہ کبھی بھی شبی یا سمن کی پڑھائی کے سلسلے میں اس کی بات نہیں سنیں گے۔ سمن کی پڑھائی کا مسئلہ تو خیر اتنا اہم نہیں تھا۔ انعم کی طرح وہ بھی دو چار روز رو دھو کر خاموش ہو جائے گی لیکن مبشر کی شادی اور پھر اسفر کیا سوچیں گے کہ ان سے پہلے۔ اسفر کے لیے ان کا دل بہت کڑھتا تھا۔ وہ سب سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ بہن بھائیوں سے بھی بے تکلفی نہ تھی۔ گھر پر ہوتے تو زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی رہتے تھے۔ میاں صلاح الدین کو اسفر کی ہر بات پر اعتراض ہوتا تھا۔ وہ نانی کے پاس پلا بڑھا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ خود انہوں نے ہی اسے نانی کی گود میں ڈالا تھا۔ حالانکہ انہوں نے کتنا روکا تھا' تڑپی تھیں۔ گو وہ ان کی ماں تھیں لیکن انہیں اسفر سے جدائی گوارا نہ تھی اور پھر جب ماں صحت مند ہو گئیں' تب بھی انہوں نے چاہا تھا کہ وہ اسفر کو لے آئیں۔ جب بھی کراچی جاتیں اسفر اجنبیوں کی طرح سلام کر کے چلا جاتا تو وہ بہت کڑھتی تھیں۔ ان کا جی چاہتا تھا' وہ ان کے پاس بیٹھے' ان سے باتیں کرے اور وہ اسے بے تحاشا پیار کریں لیکن۔۔۔ اور اب جب وہ یہاں آ گیا تھا ہمیشہ کے لیے تو وہ اپنے طور پر اس کا بہت خیال رکھتی تھیں' اس کی ہر ضرورت کا لیکن پتا نہیں کیوں وہ گم سم اور خاموش رہتا تھا۔ شاید پہلے ہی روز میاں صاحب سے پڑھائی کے سلسلے میں اس کی جو بحث ہوئی تھی' اس نے اسے بددل کر دیا تھا اور پھر میاں صلاح الدین نے بھی حد ہی کر ڈالی۔ افضال اور ان کے گھر کے ماحول کے حوالے سے سینکڑوں باتیں کر ڈالی تھیں۔ وہ اپنی نانی کا بے حد چہیتا تھا۔ اسے نانی کی تربیت پر فخر تھا۔ ماموں سے دوستی تھی۔ باپ کے منہ سے نانی اور ماموں کے خلاف باتیں سن کر اس کا دل بہت برا ہوتا تھا۔

وہ کچھ دیر یونہی برآمدے میں کھڑی رہیں پھر انعم کے کمرے میں چلی آئیں۔ انعم بیڈ پر بیٹھی کوئی فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔ عذرا بیگم کو دیکھ کر میگزین ایک طرف رکھ دیا۔

"کیا بات ہے امی جان! آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔"

اس نے ماں کے چہرے کو بغور دیکھا۔ یوں بھی شاید بڑی بیٹی ہونے کے ناطے وہ ماں سے بہت قریب تھی۔

"ہاں' وہ تمہارے ابا جی کہہ رہے ہیں شبی کی شادی کے لیے۔"

"کیا۔۔۔"

انعم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ کا مطلب ہے شبی۔۔۔ شبی کی شادی۔۔۔"

"ہاں۔"

عذرا بیگم بے حد افسردہ تھیں۔

"لیکن شبی تو ابھی بچہ ہے۔"

انعم نے الجھ کر ماں کی طرف دیکھا۔

"اور پھر اسفر بھائی بڑے ہیں۔"

"لیکن تمہارے ابا جی کا خیال ہے کہ اسفی کو چونکہ باہر جانا ہے' اس لیے پہلے شبی کی شادی کر دی جائے کہ اس کے بھٹکنے کے امکانات نہیں رہیں گے۔ اگر ابھی سے اسے پابند کر دیا گیا تو' ورنہ اتنی بے تحاشا خوبصورتی اسے بھٹکا دے گی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ کیا خوبصورت لوگ بھٹک جاتے ہیں اور بدصورت نہیں۔"

انعم جھلا گئی۔

"امی جان! آپ ابا جی سے بات کریں' انہیں سمجھائیں کہ شبی ابھی بہت چھوٹا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اور سمن بچوں کی طرح لڑ رہے تھے کہ اس نے پوری شیشی خالی کر دی ہے اور اس کی پڑھائی' امی جان! وہ بھی تو متاثر ہوگی۔ فرسٹ ایر کا اسٹوڈنٹ اور شادی کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔"

"تمہارے ابا جی نے پہلے کب کسی کی سنی ہے جو اب سن لیں گے۔" عذرا بیگم کے لہجے میں ایک تھکن اتر آئی تھی۔

انعم گھر میں بڑی تھی گو اسفر اس سے بڑے تھے لیکن چونکہ وہ گھر پر نہیں رہے تھے' اس لیے انعم ہی بڑی تھی گھر میں اور چھوٹے بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی۔ ان کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتی تھی۔ چھوٹے بہن بھائی بھی ہر بات اس سے ہی کرتے تھے بہت دوستی تھی ان کی اس سے۔

"اور کہاں۔۔۔ کس سے شبی کی شادی ہوگی۔"

ماں کے لہجے کی تھکن نے اسے بتا دیا تھا کہ ابا جی سے اب کسی مذاکرے کی گنجائش نہیں ہے۔

"لڑکی دیکھنے کو کہا ہے۔"

"مونی۔۔۔ مونی۔۔۔"

سمن ننگے پاؤں بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ اس کے رخسار سرخ ہو رہے تھے اور آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"کیا ہوا۔"

عذرا بیگم اور انعم نے ایک ساتھ پوچھا۔

"میں پاس ہو گئی ہوں' سات سو باون نمبر ہیں میرے۔ سچی مونی! مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"لیکن تمہارا رزلٹ تو دو دن بعد آنا تھا۔"

"ہاں وہ عینی کا فون آیا ہے' اس کے بھائی نے پہلے ہی پتا کروا لیا ہے۔ عینی نے میرا رول نمبر بھی دیا ہوا تھا۔ عینی کے اپنے نمبر سات سو اڑسٹھ ہیں۔ مجھ سے پندرہ نمبر زیادہ ہیں لیکن وہ تو اتنی پڑھاکو تھی اور میں نے تو صرف آخری دو تین مہینے دل لگا کر پڑھا تھا۔"

"ماشاء اللہ تم بہت ذہین ہو۔" انعم نے بے اختیار اٹھ کر اسے گلے لگاتے ہوئے اس کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

"مبارک ہو بیٹا۔"

عذرا بیگم نے بھی مبارک دی لیکن وہ بدستور اداس سی تھیں۔ سمن کی کامیابی نے بھی دل کی اداسی کم نہیں کی تھی۔

"کیا فرق پڑتا ہے اچھے نمبر لے نہ لے کون سا اس نے آگے پڑھنا ہے۔"

"سونی! میں کینیرڈ میں ایڈمیشن لوں گی، عینی نے بھی وہاں ہی ایڈمیشن لیا ہے۔ اول تو ہمارا نام میرٹ میں آجائے گا لیکن کوئی مسئلہ ہوا تو عینی کی آنٹی وہاں پروفیسر ہیں۔ وہ ہماری ہیلپ کریں گی اور میں تو ہلیر اور ڈیبیٹر بھی ہوں، نمبر بھی اچھے ہیں۔ داخلہ آسانی سے مل جائے گا۔"

وہ بہت پرجوش ہو رہی تھی۔ عذرا بیگم نے تاسف سے اسے دیکھا۔ ان کا جی نہ چاہا کہ وہ ابھی اسے میاں صلاح الدین کی رائے کے متعلق بتا کر اس کی خوشی کو ملیامیٹ کریں لیکن انعم نے افسردگی سے سمن کی طرف دیکھا۔

"لیکن سومی! اگر اباجی نے ایڈمیشن کی اجازت نہ دی تو۔۔۔"

"میں اجازت لے لوں گی۔"

اس کی آنکھوں میں یقین کے دیے جل رہے تھے۔

"میں مدثر کو بتا دوں۔"

وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ انعم نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"آپ نے اباجی سے سمن کی بات کی تھی، کیا کہا انہوں نے۔"

"ہاں۔" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔

"وہی پرانی بات کہ لڑکیوں کے لیے وہ اتنی ہی تعلیم کافی سمجھتے ہیں۔"

"لیکن امی جان! سومی بہت ضدی ہے۔"

"تمہارے اباجی بھی کم ضدی نہیں، دنیا کہاں سے کہاں نکل گئی لیکن یہ ابھی تک۔۔۔"

عذرا بیگم بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں۔"

انعم نے تشویش سے انہیں دیکھا۔ وہ بے حد افسردہ اور تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے ابھی رو پڑیں گی۔

"ذرا کچن میں جا کر دیکھوں رمضان اور رشو کیا کر رہے ہیں۔"

"آپ آرام کریں، میں کر لوں گی سب اور ذہن پر کوئی بوجھ مت ڈالیے۔ یونہی کہہ دیا ہوگا اباجی نے۔ آخر وہ خود بھی تو جانتے ہیں کہ شبی ابھی بچہ ہے۔ بھلا اس عمر میں وہ شادی کی ذمہ داریاں سنبھال سکتا ہے۔"

انعم نے انہیں زبردستی اپنے بیڈ پر بٹھا دیا۔ عذرا بیگم نے آنکھیں موند لیں۔ وہ جانتی تھیں کہ میاں صلاح الدین نے کبھی بھی کوئی بات یونہی نہیں کی۔ اٹھائیس برسوں کا ساتھ تھا۔ رگ رگ سے واقف تھیں۔ ان کا دل شبی کے لیے دکھ رہا تھا۔ انعم لمحہ بھر تاسف سے انہیں دیکھتی رہی پھر آہستگی سے دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"شاہ جی۔۔۔ شاہ جی۔۔۔ پلیز آپ میری بات تو سنیں۔"

شاہ رخ نے غصے سے تیز تیز چلتے سید مقیم شاہ کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔

"یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے، اسے ایزی لیں۔"

"بڑی بات نہیں ہے۔"

انہوں نے مڑ کر شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

"اس دو ٹکے کے ایس پی کی جرات کیسے ہوئی کہ وہ سید پور کے شاہوں کی گاڑی روکے۔ کیا اسے خبر نہ تھی کہ یہ

گاڑی سید مقیم علی شاہ کی حویلی سے آئی ہے۔"

"یہ بات اسے کیسے معلوم ہو سکتی ہے شاہ جی! وہ تو۔۔۔"

"کیا۔۔۔"

وہ دھاڑے۔

"کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ سید پور سے نکلنے والی گاڑی کس کی ہو سکتی ہے۔ بچہ بچہ جانتا ہے یہاں کا کہ یہ گاڑی سید مقیم شاہ کی حویلی سے نکلی ہے۔"

"شاہ جی! پلیز آپ میری بات تو سن لیں۔ وہ اس طرف بالکل نیا ہے۔ چند دن قبل ہی آیا ہے ادھر اور کچھ مجرموں نے سید پور کی پہاڑیوں میں پناہ لے رکھی ہے۔ اس نے ان کے لیے ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اب اسے کیا معلوم ہے کہ اس طرف سے آنے والی گاڑی میں کون ہے۔"

"اگر پہلے معلوم نہیں تھا تو اب بتا دو کہ آئندہ اگر ایسی حرکت کی تو ٹکڑے کر کے کتوں کے آگے ڈلوا دوں گا اور اگر مجرم سید پور کی پہاڑیوں میں چھپے ہیں تو اسے چاہیے تھا پہلے ہمارے پاس آتا۔ ہم مجرموں کو زمین کی تہہ سے بھی نکال کر اس کے حوالے کرتے۔ اگر وہ ہمارے علاقے میں تھے۔"

"شاہ جی! وہ ڈیوٹی پر تھا۔ ادھر سے آنے والی ہر گاڑی کو چیک کر رہا تھا اور قانون کے ساتھ تعاون کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے اور پھر اس نے ہم سے معذرت بھی کر لی تھی۔"

"شاہ رخ۔۔۔"

سید مقیم علی شاہ کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔

"تم ہمیں اخلاقی سبق نہ سکھاؤ، ہم اچھی طرح جانتے ہیں اپنے فرائض اور اب تک تو وہ ایس پی بھی اچھی طرح جان چکا ہوگا۔ کمالے اور فضل داد کو بھیجا ہے میں نے اسے سبق سکھانے کے لیے۔"

"یہ آپ نے کیا کیا شاہ جی۔۔۔"

شاہ رخ کا دل ڈوب گیا۔

"میں نے جان سے مارنے کے لیے نہیں کہا، سبق سکھانے کے لیے کہا ہے۔"

انہوں نے شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

یہ ان کا بڑا بیٹا تھا، ان کے بعد اسی نے گدی سنبھالنی تھی لیکن اس میں گدی سنبھالنے والی کوئی خوبی نہ تھی۔ پڑھنے لکھنے کا شوقین تھا اور حال ہی میں انجینئرنگ یونیورسٹی سے ڈگری لی تھی اور اکثر ان کی اس سے بحث ہو جاتی تھی۔ اسے ان کی اکثر باتوں سے اختلاف تھا۔ اس سے چھوٹا شاہ زیب تھا اور ان کا خیال تھا کہ وہی گدی سنبھالے گا۔ اس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ مزید پڑھنے کا شوق نہ تھا جبکہ شاہ میر نے میٹرک کا امتحان دیا ہوا تھا اور اس کا ارادہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایڈمیشن لینے کا تھا۔ شاہ رخ بھی یہی چاہتا تھا کہ وہ ایف ایس سی گورنمنٹ کالج لاہور سے ہی کرے، خود شاہ رخ نے بھی وہاں سے ہی ایف ایس سی کیا تھا۔

"شاہ جی! آپ کو پتا ہے وہ کون ہے؟"

شاہ رخ نے اپنے ڈوبتے دل پر ہاتھ رکھا۔

اگرچہ شاہ رخ کا ارادہ آج انہیں بتانے کا نہ تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب سید مقیم علی شاہ کا موڈ اچھا ہوگا تو وہ ان سے ذکر کرے گا اور یہ بات سیدہ اسماء نے اسے سمجھائی تھی جبکہ وہ تو بہت ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا لیکن اب اچانک ہی اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ اس خیال سے ہی اسے وحشت ہو رہی تھی کہ پتا نہیں کمالے اور فضل داد نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ دونوں ہی اچھے خاصے تگڑے تھے اور ماہر لڑاکے تھے۔ شاہ جی کے اس طرح کے معاملات وہ ہی ہینڈل کرتے تھے۔

"کیا کسی وزیر کا بیٹا ہے۔" سید مقیم شاہ کے لہجے میں تمسخر تھا۔

”نہیں شاہ جی! وہ ہمارا اپنا ہے' ہمارا خون۔ وہ قائم چاچو کا بیٹا ہے۔“

سید مقیم علی شاہ کی آنکھوں میں ایک لمحہ کو حیرت اتری تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئے۔

”کیا تم نہیں جانتے کہ سید قائم علی شاہ سے ہر رشتہ ختم کر چکے۔ مدت ہوئی ہم بھول چکے کہ کوئی قائم علی شاہ بھی تھے جو ہمارے بھائی تھے جن کے سنگ ہم کھیل کود کر بڑے ہوئے۔ اس نے ہمارا مان ۔۔۔ نہیں رکھا تو ہمیں بھی یاد نہیں رہا کہ قائم علی شاہ کون ہے۔ آئندہ ہمارے سامنے ان کا نام مت لینا شاہ رخ شاہ اور اس ایس پی کو پیغام بھجوا دینا کہ اپنی کھال میں رہے۔“

وہ ابھی تک حویلی کے کشادہ برآمدے میں کھڑے تھے۔

”اور تمہیں ان سے میل جول اور ربط ضبط بڑھانے کی ضرورت نہیں اور کب سے جانتے ہو انہیں۔“

”آج۔۔۔ شاہ جی! آج سے پہلے مجھے خبر تک ۔ نہ تھی کہ چاچو کا کوئی بیٹا۔۔۔“

”خیر۔۔۔ خود تعارف کروایا ہو گا اس نے کہ وہ کون ہے۔“

انہوں نے ایک نظر شاہ رخ پر ڈالی اور پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتے حویلی کے اندرونی حصے میں چلے گئے اور شاہ رخ وہیں حویلی کے برآمدے میں حیران سے کھڑے رہ گئے۔ انہیں شاہ جی سے اس ردعمل کی توقع نہ تھی بلکہ وہ تو یہ سوچ رہے تھے کہ شاہ جی یہ سنتے ہی کہ وہ قائم علی شاہ کا بیٹا ہے' اس سے ملنے کو بیتاب ہو جائیں گے اور وہ تو حویلی آتے ہی شاید انہیں خبر دینے جاتے لیکن اسماء نے انہیں روک لیا تھا۔

”بھائی شاہ جی کا موڈ دیکھ کر بات کیجئے گا۔ اس وقت تو بہت غصے میں ہیں۔“

اور اسماء کے کہنے پر ہی وہ ان کی طرف جاتے جاتے ٹھہر گئے تھے۔ شاید سیدہ اسما ان کے مزاج کو ان سے بہتر سمجھتی تھیں لیکن پھر سید مقیم شاہ نے انہیں خود ہی بلوا بھیجا تھا اور اس واقعے کی پوری تفصیل پوچھی تھی۔ بات واقعی اتنی بڑی نہ تھی۔ گھر میں شاہ زیب کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اگرچہ شاہ زیب ان سے چھوٹے تھے لیکن انہوں نے فی الحال شادی سے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ مزید تعلیم کے لیے باہر جانا چاہتے تھے۔ سید مقیم علی شاہ نے شاہ زیب کی شادی اپنے بڑے بھائی سید اظہار علی شاہ کی بیٹی سے ٹھہرائی تھی۔ سید اظہار علی شاہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کے بیوی بچے قریب ہی دوسری حویلی میں رہتے تھے جو اونچی حویلی کے نام سے پہچانی جاتی تھی کیونکہ وہ ذرا اونچائی پر تھی۔ سید پور پہاڑی علاقہ تھا جبکہ سید مقیم علی شاہ کی حویلی بڑی حویلی کے نام سے پہچانی جاتی تھی۔ سید اظہار علی شاہ کی تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ دو بڑے بیٹے شادی شدہ تھے۔ شاہ زیب کو اس شادی سے کوئی انکار نہ تھا۔ سیدہ زارا شاہ نہ صرف یہ کہ بے حد حسین اور طرحدار تھی بلکہ پڑھی لکھی بھی تھی۔ شاہ زیب کے ایک سال بعد اس نے بھی بی اے کیا تھا۔ عمر میں وہ شاہ زیب سے صرف گیارہ ماہ چھوٹی تھی۔ شادی کی تیاریوں کے سلسلے میں بی بی جی کو ضروری شاپنگ کرنا تھی اور ان کی دونوں چھوٹی بہنیں سیدہ اسماء شاہ اور سیدہ عظمیٰ شاہ بھی بی بی جان کے ساتھ ہی جا رہی تھیں۔ سید مقیم شاہ نے حکم دیا تھا کہ وہ بھی ساتھ جائیں۔ مخدوم چاچا ان کا ڈرائیور تھا۔ ابھی وہ سید پور کی حدود سے نکل کر پکی سڑک کی طرف آئے ہی تھے کہ پولیس کی ایک موبائل نے گاڑی روک لی۔ انہوں نے آگے سڑک پر ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ اونچا لمبا اسمارٹ سا پولیس آفیسر موبائل سے اتر کر معذرت کرنے لگا۔

”دراصل ہمیں کچھ مجرموں کی تلاش ہے جن کے متعلق باوثوق ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ وہ سید پور کی پہاڑیوں میں پچھلے کئی دنوں سے چھپے ہوئے ہیں اور آج کسی ٹائم اپنی پناہ گاہ چھوڑ دیں گے۔“

”یہ گاڑی سید پور کے شاہ مقیم علی شاہ کی گاڑی ہے اور گاڑی میں ان کے گھر کی خواتین ہیں۔“ مخدوم حسین گاڑی سے اتر آیا تھا۔ اس کا لہجہ کھردرا تھا۔

پولیس آفیسر ایک دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسی اثناء میں شاہ رخ بھی دوسری طرف سے اتر کر پولیس آفیسر کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔

”آفیسر میں شاہ رخ علی شاہ ہوں اور میرے والد سید پور کے سجادہ نشین ہیں' سید مقیم علی شاہ۔“

انہوں نے پتلون کی جیب سے اپنا والٹ نکالا۔

”میرے پاس شناختی کارڈ ہے۔“

”نہیں' نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ بھلا سید پور کے سجادہ نشینوں کو کون نہیں جانتا۔ میں معذرت خواہ ہوں۔“

اس نے وضاحت کی کہ وہ کیوں اور کس وجہ سے یہاں ناکہ بندی کیے ہوئے ہیں۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ چمک تھی اور ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ اور وہ بے حد اشتیاق سے پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہا تھا۔ عجیب سی جاذبیت تھی اس میں۔ شاہ رخ نے ایک ستائش بھری نظر اس پر ڈالی۔ بلاشبہ وہ ایک سحر انگیز شخصیت کا مالک تھا۔

”نہیں آفیسر! آپ اپنا فرض ادا کریں۔ اگر کہیں تو میں خواتین سے کہتا ہوں' وہ گاڑی سے اتر آئیں۔ آپ اپنی تسلی کر لیں۔ میرے ساتھ میری والدہ اور بہنیں ہیں۔“

”نہیں پلیز' میں نے کہا نا اس کی ضرورت نہیں۔“

اس کی نظریں اب بھی ان کے چہرے پر تھیں اور ان میں عجب وارفتگی تھی۔

”آپ کی یہ کشادہ پیشانی' یہ روشن آنکھیں میں نے بارہا تصور میں دیکھی ہیں۔“ ان کے اشارے پر مخدوم حسین واپس گاڑی کی طرف بڑھ گیا تو اس نے آہستگی سے کہا۔

”اور آپ سے ملنے کا میں ہمیشہ آرزومند رہا۔ آج ایک دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔“

”مجھ سے ملنے کا۔“

اب کے شاہ رخ نے ازحد حیرت سے اسے دیکھا۔ جواباً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ مسکرایا۔

”میرے والد اکثر آپ کا ذکر کرتے ہیں اور انہوں نے ہی بتایا تھا کہ شاہ رخ کی پیشانی اور آنکھیں بالکل ان کے جیسی ہیں۔“

”آپ کے والد۔۔۔ کیا نام ہے ان کا اور وہ مجھے کیسے جانتے ہیں اور پھر میری آنکھوں اور پیشانی کا ان کی آنکھوں اور پیشانی سے کیا تعلق۔“

ان کے ذہن میں دور تک سید قائم شاہ کا نام نہیں تھا لیکن جب پولیس آفیسر نے آہستگی سے کہا۔

”میرے والد کا نام سید قائم علی شاہ ہے۔“

تو وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں دور پیچھے ماضی میں پہنچ گئے اور سید قائم علی شاہ ان کے بہت پیارے چاچو ان کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔

کبھی ان کی انگلی تھامے کھیتوں میں گھومتے اور کبھی ان کے پیٹ میں گدگدی کرتے اور کبھی کہانیاں سناتے۔ کتنے ہی منظر ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر گئے تھے لیکن وہ آخری منظر جب داجی نے انہیں گھر سے نکال دیا تھا اور وہ روتے ہوئے ان کے پیچھے لپکے تھے لیکن شاہ جی نے اٹھا کر انہیں کسی ملازم کے حوالے کر دیا تھا اور یہ منظر مدتوں ان کی آنکھوں میں ٹھہرا رہا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے پیارے چاچو کو کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن ہفتوں انہیں بخار رہا تھا اور مہینوں وہ راتوں کو چاچو چاچو کہہ کر جاگ اٹھتے تھے اور پھر اتنا روتے اتنا مچلتے کہ انہیں خاموش کروانا مشکل ہو جاتا تھا پھر ہولے ہولے وہ سنبھل گئے۔ بظاہر انہوں نے چاچو کا نام لینا چھوڑ دیا تھا لیکن یہ سارے منظر اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ان کے دل کے دروازے پر دستک ضرور دیتے تھے لیکن وہ یہ کبھی نہ جان سکے تھے کہ چاچو نے ایسا کیا کیا تھا کہ التجا کے باوجود داجی نے انہیں معاف نہیں کیا تھا۔ نہ ہی کبھی گھر میں ان کا ذکر ہوتا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی انہیں ہاسٹل بھیج دیا گیا تھا اور انہوں نے اب تک کی عمر کا بیشتر حصہ گھر سے باہر ہی گزارا تھا اور کبھی انہیں خیال نہیں آیا تھا کہ وہ بی بی جان یا کسی اور سے ان کے متعلق پوچھیں۔ بس ایک بار وہ

یونہی بلا ارادہ شاہ جی سے پوچھ بیٹھے تھے تو انہوں نے یہ کہہ کر بات ختم کردی تھی کہ قائم علی شاہ ہمارے لیے مر چکے اور اب یہ جو پولیس آفیسران کے سامنے کھڑا تھا۔ قائم علی شاہ کی بہت ساری شباہت چرائے۔ تب ہی انہیں اس میں اتنی جاذبیت اور کشش محسوس ہوئی تھی۔

وہی بڑی بڑی خوابناک آنکھیں، ویسی ہی گوری رنگت، صحت کی سرخی لیے بھرے بھرے رخسار، گھنی مونچھیں، حسن و خوبصورتی میں سید پور کے سیدوں کے گھرانے کا ہر فرد بے مثل تھا۔

"ایس پی سید شجاع علی شاہ۔"

پولیس آفیسر نے ہاتھ بڑھایا تو اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرتے ہوئے بے اختیار انہوں نے دونوں بازو پھیلا دیے اور کتنی ہی دیر تک اسے دونوں بازوؤں میں بھینچے کھڑے رہے۔ یہ ان کے بہت پیارے چاچو کے بیٹے تھے جن سے وہ اس بڑی حویلی میں سب سے زیادہ پیار کرتے تھے اور جنہوں نے بارہا انہیں پاس بٹھا کر بتایا تھا کہ تمہارا ایک بھائی بھی ہے تم جیسا پیارا سا اور بہت جلد اسے میں تم سے ملواؤں گا اور وہ بھائی جس سے ملنے کا بچپن میں انہیں بہت اشتیاق رہا تھا اور وہ کرید کرید کر چاچو سے اس کے متعلق پوچھا کرتا تھا، آج اتنے سالوں بعد وہ اسے گلے سے لگائے عجب انوکھی سی خوشی محسوس کر رہے تھے۔

"یار بڑا انتظار کروایا۔"

اپنے سے الگ کرتے ہوئے انہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں بچپن سے ہی تمہارا منتظر رہا ہوں۔"

"بالکل یہی بات میں بھی آپ سے کہہ سکتا ہوں۔ بابا نے ہمیشہ مجھ سے کہا کہ تمہارا ایک اور بھائی بھی ہے جو بڑی حویلی میں رہتا ہے۔ میں کسی دن تمہیں اس کے پاس لے چلوں گا۔" اور وہ ذرا سی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ آنکھوں میں کسی اضطراب نے کروٹ لی۔

"بابا ہمیشہ آپ سب کا ذکر کرتے ہیں اور میں آپ سب لوگوں کو اس طرح جانتا ہوں جیسے ہمیشہ آپ سے ملتا رہا ہوں۔ آپ، شاہ زیب، سیدہ اسماء اور سیدہ عظمیٰ اور شاہ میر سب کا ذکر کرتے ہیں بابا۔" حالانکہ وہ حویلی سے گئے تھے تو صرف شاہ رخ اور شاہ زیب ہی تھے۔ انہیں باقی سب کا کیسے پتا چلا۔

"بابا آپ لوگوں کی خبر رکھتے تھے ہمیشہ۔"

اور اپنا نام سن کر کھڑکی پر جھک کر شجاع اور شاہ رخ کی طرف دیکھتی سیدہ اسماء دائیں ہاتھ سے اپنی چادر سنبھالتی حیران سی سوچ رہی تھی۔ بھلا شاہ رخ بھائی اس سے گلے کیوں مل رہے تھے۔ کیا یہ پولیس آفیسران کا جاننے والا ہے۔ ان کی گفتگو وہ سن نہیں سکی تھی کہ وہ گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔

وہ یونہی تجسس سے باہر دیکھ رہی تھی کہ شاہ رخ نے مڑ کر دیکھا اور گھبراہٹ میں چادر کا کونا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ایک لمحہ کو گویا چاند بدلی کی اوٹ سے نکل آیا تھا۔ عین اسی لمحے شجاع کی نظریں اٹھی تھیں اور پھر اٹھی ہی رہ گئیں۔ چادر صحیح کرلی وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اس کا دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ شاہ رخ کے مزاج کی نرمی سے وہ واقف تھی، وہ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا نہیں کرتے تھے پھر بھی اس کی پیشانی عرق عرق ہو رہی تھی۔ شاہ رخ کے بجائے شاہ زیب ہوتا تو غصے میں جانے کیا کر بیٹھتا۔ تب ہی شاہ رخ چند قدم پیچھے ہٹ کر گاڑی کے پاس آئے اور کھڑکی میں جھک کر بی جان کو مخاطب کیا۔

"بی جان! یہ ایس پی آپ جانتی ہیں کون ہے۔"

بی جان کی نظروں نے کچھ فاصلے پر کھڑے ایس پی کو دیکھا جو نگاہوں میں دنیا جہان کا اشتیاق چھپائے ادھر ہی دیکھ رہا تھا اور جیسے انہیں کوئی ادراک سا ہوا تھا۔ خوشی شاہ رخ کے چہرے سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ کیسی افسانوی سی بات ہوئی تھی کہ اتنے ماہ و سال کے بعد وہ اچانک سرراہ اپنے اس عم زاد سے مل رہے تھے جسے انہوں نے کبھی دیکھا تک نہ تھا۔ "شاہ رخ۔"

بی بی جان کی آواز میں لرزش تھی۔

"گاڑی میں بیٹھو، ہمیں دیر ہو رہی ہے۔"

"بی جان۔"

شاہ رخ نے کچھ کہنا چاہا، بتانا چاہا کہ وہ ایس پی کوئی غیر نہیں لیکن بی بی جان نے اسے ٹوک دیا۔

"شاہ رخ! گاڑی میں بیٹھو اور مت بھولو کہ تمہارے ساتھ تمہاری بہنیں بھی ہیں۔"

"لیکن بی جان......"

انہوں نے پھر کچھ کہنا چاہا تو بی بی جان نے پھر انہیں ٹوک دیا۔

"شاہ رخ! گھر سے دور رہ کر تم بہت سارے ادب و آداب اور رسم و رواج بھول گئے ہو۔ جو تعلق ٹوٹ چکے، وہ دوبارہ نہیں جوڑے جا سکتے۔"

ان کا لہجہ مضبوط لیکن بہت آہستہ تھا۔ انہوں نے ایک نظر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے مخدوم حسین کو دیکھا اور پھر کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے اور دل ہی دل میں بی بی جان کی بات پر ازحد حیران ہوتے ہوئے وہ پھر چند قدم پیچھے ہٹ کر شجاع علی شاہ کے پاس آئے اور معذرت طلب نظروں سے انہیں دیکھا۔

"او کے۔"

سید شجاع علی شاہ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ شاید وہ ان سے زیادہ باخبر تھے کہ اپنی جگہ سے ایک قدم آگے نہیں بڑھے تھے۔ حالانکہ گاڑی کی طرف جاتے ہوئے انہوں نے اس سے کہا بھی تھا کہ آؤ تمہیں عظمیٰ امی سے ملواؤں۔

"I hope we will meet again." (مجھے امید ہے ہم دوبارہ ملیں گے۔)

شجاع کی آنکھیں لو دے رہی تھیں۔

"Yaa I will see you soon."

شاہ رخ اس سے مصافحہ کر کے گاڑی میں آ بیٹھے اور پھر وہ سارا وقت بی بی جان کے رویے کے متعلق سوچتے رہے۔ یقیناً انہوں نے شجاع کو پہچان لیا تھا۔ چاچو سے ان کی مشابہت بھی تو بہت ہے لیکن مخدوم حسین کے سامنے انہوں نے بی بی جان سے اس سلسلے میں بات کرنا مناسب نہ سمجھا مگر گھر آتے ہی وہ بی بی جان سے گلہ کر بیٹھے۔

"بی بی جان! وہ ایس پی قائم چاچو کا بیٹا تھا۔"

"ہاں میں سمجھ گئی تھی۔"

"بی جان اور دا جان اب نہیں رہے، ان کے فیصلے ان کے ساتھ ختم ہو گئے۔ وہ ہمارا سگا چچازاد تھا۔ آپ نے اس سے بات تک نہ کی۔ عظمیٰ اماں کو ملنے نہیں دیا کیوں؟"

"یہ بات تو تم اپنے والد سے پوچھنا، وہ بتائیں گے کیوں؟"

بی بی جان پتھریلے سے لہجے میں ان کی بات کا جواب دیتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ لاؤنج میں اسماء اور عظمیٰ کے ساتھ اکیلے رہ گئے۔

"میں شاہ جی کو بتاتا ہوں، وہ یقیناً بہت خوش ہوں گے۔"

"لیکن شاہ رخ بھائی۔"

سیدہ اسماء شاہ نے انہیں روک لیا۔

"ابھی شاہ جی سے سید شجاع علی شاہ کی بات مت کیجئے گا۔ ابھی تو وہ بہت غصے میں ہوں گے کہ گاڑی کو روکا کیوں گیا؟" شاہ رخ نے ازحد حیرت سے پوچھا۔

"مخدوم حسین گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے سیدھا ان کی طرف گیا ہے۔"

"اوہ۔" شاہ رخ وہاں ہی بیٹھ گئے۔

"کیا ضروری تھا کہ انہیں بتایا جاتا' اتنی اہم بات تو نہ تھی۔ اہم بات تو یہ تھی کہ شجاع ان کے اپنے پیارے چاچو کے بیٹے تھے۔"

"مخدوم حسین جب بھی ہمارے ساتھ کہیں باہر جائیں' آتے ہی شاہ جی کو رپورٹ دیتے ہیں۔"

اسماء نے جیسے ان کی الجھن جان لی تھی اور اب کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ عظمٰی چادر اتار کر ہاتھ میں پکڑتی بی بی جان کے پیچھے ہی چلی گئی تھی۔

"او کے باس۔"

اندر کے ہیجان پر قابو پاتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر اسماء کی طرف دیکھا۔

"رات کھانے پر شاہ جی سے بات کرلوں گا۔"

انہیں اسماء کی ذہانت اور سمجھ بوجھ پر بعض اوقات از حد حیرت ہوتی تھی۔ عمر میں وہ ان سے اور شاہ زیب سے چھوٹی تھی اور اس سال شاہ میر کے ساتھ ہی اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔ گو وہ شاہ میر سے دو سال بڑی تھی لیکن حفظ قرآن کے سلسلے میں وہ اس سے پیچھے رہ گئی تھی۔ یوں اس نے سید پور کے ہائی اسکول سے ہی میٹرک کا امتحان دیا تھا۔ شاہ جی کی کوششوں سے یہ مڈل اسکول دو سال قبل ہی ہائی ہوا تھا۔ عظمٰی اس سے ایک برس چھوٹی نویں کلاس میں تھی۔ شاہ رخ کچھ تو فطرتاً ہی نرم مزاج اور آزاد طبع تھے۔ کچھ چھ سال سے لاہور میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے سے ان کے مزاج کے رنگ بدل گئے تھے۔ ابتدائی تعلیم بھی مری کانونٹ میں حاصل کی تھی۔ وہ ان باتوں کو بالکل اہمیت نہ دیتے جن کو یہاں حویلی میں بہت اہمیت دی جاتی تھی جبکہ شاہ زیب مزاج کا بہت سخت تھا۔ بی بی جان کا بے حد لاڈلا ہونے کی وجہ سے اس نے میٹرک تک تعلیم سید پور کے ہی ہائی اسکول سے حاصل کی تھی اور بی اے قریبی قصبے امن آباد کے کالج سے کیا تھا لیکن کالج کی تعلیم نے اس کے رنگ ڈھنگ نہیں بدلے تھے۔ وہ انتہائی اکھڑ تھا۔

سید مقیم علی شاہ کا گھرانا عرصے سے سید پور کے سجادہ نشین پیروں کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ گو پیری مریدی کا سلسلہ دا جی کے والد کے زمانے سے ہی ختم ہو چکا تھا لیکن اس گھرانے کی عزت اس طرح کی جاتی تھی۔ سید پور اور نواحی دیہات کے لوگ اسی عقیدت سے آستانے پر حاضر ہوتے تھے' دعائیں کرواتے تھے۔ دم اور تعویذ کا سلسلہ چلتا رہتا تھا اور وہ سید پور کے سجادہ نشین ہی کہلواتے تھے۔

شاہ رخ وہیں بیٹھ کر سیدہ اسماء شاہ سے باتیں کرنے لگے اور سید قائم علی شاہ کے حوالے سے اپنی یادیں ان کے ساتھ شیئر کرتے رہے۔ اسماء دلچسپی سے سنتی رہیں۔ وہ اسماء سے باتیں کر ہی رہے تھے کہ سید مقیم علی شاہ کا بلاوا آیا۔ جاتے جاتے پھر اسماء نے انہیں تاکید کی تھی کہ وہ اس وقت شاہ جی سے شجاع علی شاہ کا ذکر نہ کریں لیکن وہ شاہ جی سے یہ سن کر کہ انہوں نے کمال اور فضل داد کو اس کی طرف بھیجا ہے' وہ رہ نہ سکے۔ ان کا خیال تھا کہ شاہ جی چچا کا نام سن کر تڑپ اٹھیں گے لیکن شاید اسماء ان سے زیادہ شاہ جی کو جانتی تھی' وہ کبھی بھی شاہ جی اور بی بی جان کے اتنا قریب نہ ہو سکے تھے' جتنا شاہ زیب تھا۔ بارہا انہوں نے محسوس کیا تھا کہ شاہ جی اور بی بی جان ان سے اتنا پیار نہیں کرتے جتنا دوسری اولاد سے کرتے ہیں۔ وہ اپنی پھوپھی زینب فاطمہ اور چچا قائم علی شاہ سے زیادہ قریب تھے اور خدا جانے کمال اور فضل داد نے شجاع کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے سوچا اور شجاع علی شاہ اپنی شخصیت کے پورے حسن کے ساتھ ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"خدانخواستہ۔۔۔"

وہ بے چین سے ہو کر زینب فاطمہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے کہ بچپن سے ہی جب وہ پریشان ہوتے یا انہیں کوئی معاملہ درپیش ہوتا تو زینب فاطمہ کے پاس ہی پناہ لیتے تھے۔

ایک تو آج موسم بہت گرم تھا اس پر بس کے انتظار میں گھنٹہ بھر کھڑا ہونا پڑا تھا۔ سوماہ نور نے گھر میں داخل ہوتے ہی چادر اور پرس ایک طرف پھینکا اور لاؤنج کے درمیان پنکھے کے نیچے آ کھڑی ہوئی۔ اس نے لاؤنج کے کونے میں صوفے میں دھنسے خضر کو نہیں دیکھا تھا جو منصور کی طرف تھوڑا سا جھکا ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا ایک تو لاؤنج کے اس کونے میں کچھ اندھیرا سا تھا۔ دوسرا وہ تیز دھوپ سے آئی تھی اور پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا ہی نہیں تھا۔

منصور نیچے کارپٹ پر کوئی نقشہ پھیلائے بیٹھا تھا اس نے منصور کی طرف بھی دھیان نہیں دیا تھا اور لاؤنج کے بیچوں بیچ وہ ان کی طرف پیٹھ کیے پنکھے کے نیچے کھڑی ہو گئی تھی۔ خضر جو اس کے لاؤنج میں داخل ہونے کے بعد سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا اور اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ قدرے بلند آواز میں منصور کو پکارا۔

"منوں کیا لوگ جاب کرنے کے بعد ادب آداب کو بھی بھول جاتے ہیں۔"

"ماہا!"

منصور نے نقشے سے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"خضر بھائی آئے ہوئے ہیں۔"

لیکن منصور کے بتانے سے پہلے ہی وہ خضر کی آواز سن کر اس کی طرف پلٹ چکی تھی۔

"آپ بہت دنوں بعد آئے۔" یکدم ہی اس کی آنکھیں لو دینے لگی تھیں۔ خضر علینہ اریج ولید سب سے ہی اس کی بہت دوستی تھی۔ یہ سب ہی تو تھے جنہوں نے نصیر احمد خان کی بیماری میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔ ہر پل ہر لحہ ساتھ دیا۔ خضر اور ولید اپنی ساری مصروفیات ترک کر کے ہاسپٹل آتے تھے۔ علینہ اور اریج اس کا حوصلہ بڑھاتیں اور افضال ماموں تو ہر لحہ ان کے ساتھ ہی تھے۔ وہیں کھڑے کھڑے ماہ نور نے ان مشکل دنوں کو سوچا اور اگر یہ لوگ بھی نہ ہوتے تو۔۔۔

احساس ممنونیت سے اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"لڑکی پہلے سلام ودعا کی جاتی ہے۔" خضر نے اسے ٹوک دیا۔

"لیکن لگتا ہے تمہیں ادب آداب بھی سکھانے پڑیں گے۔"

"سوری خضر بھائی السلام علیکم۔" وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"سب کیسے ہیں۔"

"سب اچھے ہیں لیکن ہمیشہ یہاں بیٹھ کر ہی سب کی خیریت پوچھنا کبھی توفیق نہیں ہو گی تمہیں کہ وہاں آ جاؤ۔ عینی تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔"

اس کا تو خود بہت دل چاہتا تھا کہ جلدی جلدی سب سے ملا کرے لیکن اماں ابا یوں روز روز اس کا ادھر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ افضال ماموں اس بات پر بہت خفا ہوتے تھے کہ وہ لوگ غیریت برتتے ہیں اور علینہ کے ساتھ تو اس کی بچپن کی دوستی تھی۔ وہ دونوں کلاس فیلو تھیں۔ ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں۔ مضامین بھی دونوں کے ایک ہی تھے۔ پہلے تو کالج میں ہر روز ملاقات ہو جاتی تھی لیکن اب۔۔۔

"عینی بھی تو نہیں آئی نا۔" اس نے خضر کی طرف دیکھا۔

"اس کی کلاسز شروع ہو گئی ہیں۔" خضر نے بتایا۔

"اچھا۔"

وہ ایک دم خوش ہو گئی اسے خود کتنا شوق تھا یونیورسٹی جانے کا۔

"تو محترمہ اب جامعہ جا رہی ہیں فزکس میں ہی ایڈمیشن لیا ہے نا۔"

"نہیں فزکس میں میرٹ نہیں بن سکا۔ بائیو میں ایڈمیشن ملا ہے۔" خضر نے اس کے چہرے پر کھلتے رنگوں کو بہت غور سے دیکھا۔

"میں کسی روز اسکول سے چھٹی کر کے اس کے ساتھ یونیورسٹی جاؤں گی۔"

"ہاں تو خاتون محترم اب استانی صاحبہ بن گئی ہیں اور ہمیں بتایا تک نہیں یہ تو آج میں آیا تو انکل سے پتا چلا۔" اس کے لہجے میں شکوہ محسوس کرتے ہوئے ماہ نور نے فوراً "معذرت کی۔

"سوری خضر بھائی اصل میں اچانک ہی بس جاب مل گئی۔ میری دوست ہے نا حنا اس کی باجی جس اسکول میں پڑھاتی ہیں۔ وہاں سائنس ٹیچر کی ویکنسی تھی۔ فوری ضرورت تھی انہیں۔ میں نے سوچا اچھا موقع ہے۔ پورے دس دن منتیں کیں اماں کی تب کہیں جا کر اجازت ملی۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ ماموں تو ہیں نہیں آپ سے کہوں اماں ابا سے سفارش کر دیں لیکن پھر ابا نے اجازت دے دی۔ اماں کا موڈ ابھی تک کچھ خراب سا ہے۔"

"اگر اماں مجھے اجازت دے دیتیں جاب کرنے کی تو پھر ماہا کو جاب نہیں کرنی پڑتی۔"

منصور نے نقشہ لپیٹ کر خضر کی طرف بڑھایا نصیر احمد خان کے اس حادثے کے بعد وہ بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"تمہیں تو خیر اماں نے اجازت نہ دے کر بہت اچھا کیا ہے۔" ماہ نور نے منصور کی طرف دیکھا۔

"تم اماں ابا کا خواب ہو منوں۔"

منصور اس کی بات کا جواب دیے بغیر کھڑا ہو گیا۔

"اوکے خضر بھائی۔ مجھے اب جانا ہے ٹیوشن پڑھانے کے لیے۔ ڈھائی بج رہے ہیں اور چار بجے مجھے وہاں پہنچنا ہوتا ہے۔"

"تم کہیں نزدیک ہی کوئی ٹیوشن کیوں نہیں ڈھونڈ لیتے۔"

"ایک دو نزدیک کی بھی ہیں۔ وہاں تو میں کالج سے آتے ہی چلا جاتا ہوں۔ یہ دور کی تو ہے لیکن ٹیوشن فیس بہت مناسب ہے۔" منصور نے بتایا۔

"اوکے تم جاؤ' لیکن اتوار کو ادھر آنا گھر۔ پھر ڈسکس کریں گے۔"

خضر نے اس کو جانے کی اجازت دے کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"ہاں تو استانی جی۔"

"خضر بھائی پلیز۔" ماہ نور نے برا سا منہ بنایا۔

"میرا نام ماہ نور ہے۔"

"اچھا۔" خضر نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے سمجھا شاید جاب کے ساتھ نام بھی بدل گیا ہے۔"

"جی نہیں میں ماہ نور ہوں اور ہمیشہ ماہ نور ہی رہوں گی۔" وہ چڑ گئی۔

"ایک وہ روما اور زوبی ہیں اس روز سے مسلسل مجھے استانی جی کہہ رہے ہیں۔ کم از کم آپ تو نہ کہیں۔"

"اچھا نہیں کہتا لیکن تمہیں جاب کرنے کی کیا سوجھی اچانک۔"

"اچانک نہیں خضر بھائی۔ میرا بہت پہلے سے ارادہ تھا۔ جب ابا کا حادثہ ہوا تھا تب سے لیکن میں اس وقت جاب نہیں کر سکتی تھی۔ ایک تو اماں اجازت نہ دیتیں دوسرا میں جانتی تھی فرسٹ ایئر کی اسٹوڈنٹ کو جاب کہاں مل سکتی ہے۔ اگر مل بھی گئی کہیں تو کتنی پے مل جائے گی۔ چند سو روپے۔"

"حیرت ہے انکل اور آنٹی نے تمہیں اجازت کیسے دے دی۔"

"کیوں کیا نہیں دینا چاہیے تھی۔" ماہ نور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ کو بھی اچھا نہیں لگا خضر بھائی میرا جاب کرنا۔ کیا اپنے حالات بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کرنا بری بات ہے۔"

"نہیں تو ماہا بہت اچھا کیا تم نے مجھے خوشی ہوئی تھی یہ سن کر کہ تم نے جاب کر لی ہے اور پھر اسکول کی جاب تو بڑی سیف ہوتی ہے خواتین کے لیے۔ تمہارے اسکول کا ماحول کیسا ہے۔ پے کتنی ہے؟"

"ماحول تو اچھا ہی ہے خضر بھائی۔" ماہ نور خوش ہو گئی۔

"پھر وہاں حنا کی باجی بھی ہیں۔ ان کی وجہ سے بڑی ڈھارس رہتی ہے لیکن وہ جو پرنسپل ہیں ذاکر صاحب وہ بہت چیک کرتے ہیں۔ وہ دو تین چکر لگاتے ہیں۔ ویسے اچھے ہیں ٹیچرز تعریف کر رہی تھیں۔ بہت اچھا رویہ ہے۔ ان کا ٹیچرز کے ساتھ اور پے بھی سب کو اچھی دیتے ہیں۔ باقی پرائیویٹ اسکولوں کے مقابلے میں 'سائنس ٹیچر ہونے کی وجہ سے مجھے پانچ ہزار ملتے ہیں کیسے ہیں۔"

"یہ جو پرائیویٹ اسکولز کی جاب ہوتی ہے۔ ون مین جاب اس میں ظاہر ہے ایک آدمی کے انڈر کام ہوتا ہے۔ برداشت کرنا پڑتا ہے اور پھر بہت مناسب پے ہے۔" خضر نے نرمی سے سمجھایا۔

"کبھی کبھی بلاوجہ بھی ڈانٹ ڈپٹ ہو سکتی ہے۔ لیکن اب ہمت کی ہے تو حوصلے سے برداشت کرنا۔ ہم سب ہیں نا تمہارے ساتھ جب بھی کوئی مشکل ہو تو مجھ سے کہنے میں جھجکنا مت۔ حالانکہ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی تمہیں خود ہی پتا ہونا چاہیے تھا۔"

"میں جانتی ہوں خضر بھائی آپ کے سوا ہمارا اور کون ہے آپ لوگ بھی نہ ہوتے تو۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اچھا اب آنسو مت بہانا شروع ہو جانا۔ ان چار سالوں میں تم نے اتنے آنسو بہائے ہیں کہ میں تو حیران ہوں کہ اب تک کراچی میں سیلاب کیوں نہیں آیا۔"

"میں کب روئی ہوں خضر بھائی۔"

"نہیں آپ تو بالکل نہیں روتیں۔ یہ بات اس سے کہیں جو آپ کو نہ جانتا ہو۔ ویسے آپس کی بات ہے۔" خضر تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"وہاں اسکول میں کتنی بار روئی ہو۔" ماہ نور نے نظریں جھکالیں۔

"صرف ایک بار۔" اس نے یونہی نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

وہ بچپن سے ہی ایسی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اسے بہت رونا آتا تھا۔ دادی اور ابا کی بے حد لاڈلی تھی۔ منصور تو اسے ٹیچ اینڈ پور کہا کرتا تھا ذرا اماں نے اونچی آواز میں کچھ کہہ دیا تو وہ دھواں دھار روتی ہوئی دادی کی طرف بھاگتی تھی۔ لیکن اب تو وہ خود بھی کوشش کرتی تھی کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں بچوں کی طرح آنسو بہانے نہ بیٹھ جایا کرے۔ لیکن باوجود کوشش کے آنسو نکل آتے تھے اور اب اس روز اسکول میں کیا ہوا تھا کتنی معمولی سی بات تھی۔ ذاکر صاحب کلاس میں آئے تھے۔ وہ بچوں کی کاپیاں چیک کر رہی تھی اور کلاس میں شور تھا۔

"مس ماہ نور۔" ذاکر صاحب کا لہجہ سخت تھا۔ وہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"یس سر۔"

"کلاس میں ڈسپلن کا خاص خیال رکھا کریں۔"

وہ تو کہہ کر چلے گئے تھے لیکن ان کے جاتے ہی جانے کہاں سے آنسو امڈ پڑے تھے اور باوجود کوشش کے وہ ان آنسوؤں کو نہ روک سکی تھی اور بچے حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے تھے یہ اس کا کلاس میں تیسرا دن تھا۔ بعد میں وہ کتنے ہی دن جھنجھی جھنجھی سی رہی۔

خضر دلچسپی سے اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"ماہا۔۔۔ یہ جو زندگی ہے نا اس میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اب جبکہ تم عملی زندگی میں قدم رکھ چکی ہو تو اپنے آپ کو تبدیل کرو۔ بعض اوقات بڑے سخت مقام آجاتے ہیں۔ کمزوروں کو تو لوگ پاؤں تلے کچل دیتے ہیں۔ خود کو مضبوط کرو۔ پتا نہیں منصور کے کچھ بننے تک تمہیں کتنی جدوجہد کرنی ہے۔"

ہمیشہ کی طرح خضر کا لہجہ نرم اور انداز سمجھانے والا تھا۔ ماہ نور نے سر ہلاتے ہوئے متشکر نظروں سے اسے دیکھا۔

"السلام علیکم۔" نرمل نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھا۔

"اماں کہہ رہی ہیں کھانا لگ گیا ہے آپ آجائیں۔"

"روما گڑیا کیسی ہو اور کب آئی ہو کالج سے۔" خضر نے اس کی طرف دیکھا۔

"اے دن اور کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی جب آپ استانی صاحبہ کو سبق پڑھا رہے تھے۔" ماہ نور نے گھور کر اسے دیکھا۔

"استانی کو استانی ہی کہا جائے گا نا۔ صوبیدارنی تو نہیں کہا جا سکتا نا خضر بھائی۔"

زرمل شرارت کے موڈ میں تھی۔ ماہ نور اسے گھور کر رہ گئی۔

"کھانا ابا کے کمرے میں ہی لگایا ہے۔" اس نے ماہ نور کی نظروں کو نظر انداز کرتے ہوئے بتایا۔

جب سے نصیر احمد خان بیمار پڑے تھے کھانا ان کے کمرے میں ہی کھایا جاتا تھا ورنہ عام طور پر پہلے کھانا ٹی وی لاؤنج میں ہی کھایا جاتا تھا۔ جو ٹی وی لاؤنج کم ڈرائنگ روم تھا۔ صوفہ اور ایک سستا سا کارپٹ اس میں ڈال دیا گیا تھا۔ کھانے کے وقت کارپٹ پر ہی چادر بچھا کر دستر خوان لگا دیا جاتا۔ ایک سائیڈ پر رائٹنگ ٹیبل اور ایک چیئر پڑی ہوئی تھی یعنی ٹی وی لاؤنج 'ڈائننگ روم اور ڈرائنگ روم کے علاوہ یہ اسٹڈی کا کام بھی دیتا تھا اور وقت ضرورت اسے گیسٹ روم میں بھی تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

"چلیں کھانا کھالیں۔"

ماہ نور خضر کی طرف دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں چلو میں جب آیا تھا تو انکل سو رہے تھے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی۔" خضر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟" زرمل نے رول کیے ہوئے نقشے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ نقشہ ہے۔" خضر نے بتایا۔

"دراصل وہ جو ایک پلاٹ ہے نا ہمارا ڈیفنس کی طرف ابو جان اس پر کچھ فلیٹس بنوانا چاہ رہے ہیں۔ وہی نقشہ ہے ذرا منوں سے ڈسکس کر رہا تھا۔"

"منوں سے۔" زرمل بے اختیار ہنس پڑی۔

"بھلا اسے کیا پتا۔"

"مستقبل کا انجینئر ہے بھئی۔" خضر بھی مسکرایا۔

"انشاء اللہ وہ انجینئر ضرور بنے گا۔" ماہ نور نے سنجیدگی سے کہا۔

"حقیقت یہ ہے کہ فلیٹس بنوانے کا مشورہ منوں نے ہی ابو جی کو دیا تھا۔"

"ماموں جانے کب تک واپس آجائیں گے۔" نصیر احمد خان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے زرمل نے پوچھا۔

"شاید اگلے ماہ تک کل بھی بات ہوئی تھی۔ کہہ تو رہے تھے کہ اگلے ماہ تک آجائیں گے۔"

"پتا ہے میں ان کے لیے بہت اداس ہو گئی ہوں۔" زرمل نے بتایا تو خضر نے مسکرا کر اس کا سر تھپتھپایا۔

"یقیناً" وہ بھی تمہارے لیے اداس ہوں گے۔"

"سچ۔"

زرمل کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ خوبصورتی میں وہ بھی ماہ نور سے کچھ کم نہ تھی۔ بہت کھلتا ہوا رنگ 'خوب صورت آنکھیں۔ دلکش سراپا۔ ایک لمحے کو تو آنکھیں اس کے چہرے پر ٹھہری جاتی تھیں۔ چہرے پر بلا کی معصومیت تھی اور آواز میں عجیب نغمگی بکھیرتی چہکار۔ افضال احمد تو اسے چہکتی گڑیا کہتے تھے اور وہ ان سے لاڈ بھی بہت کرتی تھی طیبہ احمد تو اکثر اس کی شوخیوں اور شرارتوں پر اسے ڈانٹ دیا کرتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ لڑکیوں کو سنجیدہ رہنا چاہیے۔ لیکن ان کی ڈانٹ ڈپٹ کے باوجود وہ یونہی چہکتی رہتی تھی اور افضال حیدر کے گھر جا کر تو اس کا آنے کو جی ہی نہ چاہتا۔ ایرج کے ساتھ مل کر وہ خوب شرارتیں کرتی تھی اور وہ سب ہی انجوائے کرتے تھے یوں بقول افضال احمد کے وہ دونوں گھروں کی رونق تھی۔

"فرسٹ ایئر فول آج کیا کھلا رہی ہو؟" خضر نے نصیر احمد خان کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں فول نہیں ہوں جناب کوئی مجھے فول بنا ہی نہیں سکا۔"

"ہاں تم خود جو سب کو فول بنا دیتی ہو۔" ماہ نور نے اس کی طرف دیکھا۔

"خود فول بننے سے بہتر نہیں ہے کہ دوسروں کو فول بنایا جائے۔" زرمل ہنستی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔

"السلام علیکم انکل۔" خضر نے آگے بڑھ کر ان سے ہاتھ ملایا۔

"وعلیکم السلام بیٹا آؤ کیسے ہو۔" نصیر احمد نے اپنے بیڈ سے کتابیں ہٹا کر اس کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔

"افضال کی کوئی خیر خیریت۔"

"ابو جان بالکل ٹھیک ہیں اور مزے میں ہیں۔ رات بھی ان سے بات ہوئی تھی آپ کو سلام کہہ رہے تھے۔"

خضر ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"بہت دنوں بعد آئے بیٹا۔"

"بہت مصروفیت تھی انکل۔"

"کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا شروع کریں۔" طیبہ خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ نصیر احمد خان کے بیڈ کے ساتھ ہی ٹیبل پر کھانا لگا ہوا تھا۔

"اماں اور بچے کہاں ہیں۔" نصیر احمد خان نے طیبہ خاتون سے پوچھا۔

"اماں جان تو کھانا نہیں کھائیں گی۔ زوبی کے اسکول میں فنکشن ہے وہ دیر سے آئے گا منوں کھا کر ٹیوشن پر چلا گیا۔ مومی اور رانی نے بھی منوں کے ساتھ ہی کھانا کھا لیا تھا۔" طیبہ خاتون نے تفصیل بتاتے ہوئے پلیٹ خضر کی طرف بڑھائی۔

"بھابی کیسی ہیں۔" طیبہ خاتون نے خضر سے پوچھا۔

"امی جان ٹھیک ہیں لیکن کچھ مصروف ہیں آج کل۔ وہ خالہ جان آئی ہوئی ہیں کینیڈا سے سو صبح و شام ادھر کے چکر لگتے رہتے ہیں ان کے۔"

"اکیلی آئی ہیں یا بچے بھی ساتھ ہیں۔"

"سوائے خالو جان کے سب ہی آئے ہیں۔ تینوں بیٹیاں اور بیٹا۔ بہت عرصے بعد آئے ہیں اس بار۔ دراصل جو لوگ باہر سیٹل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لیے پھر وہاں سے نکلنا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" طیبہ خاتون نے اس کی تائید کی۔

"وہاں جو سہولتیں ہیں وہ یہاں نہیں۔"

"پھر بھی اپنا ملک تو اپنا ملک ہوتا ہے۔" نصیر احمد خان نے بھی بحث میں حصہ لیا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ لوگ کیسے دوسرے ممالک میں جا کر سیٹ ہو جاتے ہیں۔"

"ظاہر ہے دولت 'پیسہ' سہولتیں۔ بچوں کی تعلیم بہت سی اٹریکٹ کرنے والی چیزیں ہیں اور وہ لوگ عادی ہو جاتے ہیں ان سہولتوں کے۔" خضر نے نصیر احمد خان کی طرف دیکھا۔

"باجی۔" رانی نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"پڑوس والی آنٹی کہہ رہی ہیں آپ کا فون ہے سن لیں۔"

"میں ابھی آتی ہوں خضر بھائی آپ کھانا کھا کر جائیے گا مت۔ میں شاید آپ کے ساتھ ہی چلوں علینہ سے ملنے۔" ماہ نور خضر سے کہہ کر باہر نکل گئی۔

■■■

اسفرا اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے یک دم رک گئے تھے۔ انہوں نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہ یقیناً" سمن تھی اور برآمدے میں بچھی ڈائننگ ٹیبل پر سر رکھے شاید رو رہی تھی۔ برآمدے میں چقیں ڈال کر ایک ڈائننگ ٹیبل اور چیئرز رکھ دی گئی تھیں اور اکثر سردیوں میں وہ سب یہاں ہی کھانا کھایا کرتے تھے اگرچہ ڈائننگ ہال تھا لیکن وہ

مہمانوں کی آمد پر ہی استعمال ہوتا تھا اور برآمدے میں بچھی ڈائننگ ٹیبل بہت سارے کاموں میں استعمال ہوتی تھی۔ سردیوں میں یہاں ہی بیٹھ کر ہوم ورک کر لیا جاتا تھا۔ قاری صاحب آتے تو بچوں کو یہاں ہی قرآن پڑھا دیتے تھے۔ سب اپنی اپنی پڑھائی میں مصروف رہتے تھے اور وقت بے وقت گھر آیا کرتے تھے۔ سو صرف چھٹی والے دن ہی سب اکٹھے کھانا کھایا کرتے تھے۔ یا کبھی کبھار رات کا کھانا اکٹھے کھا لیا کرتے تھے۔

اسفر دو دن سے اسلام آباد اپنے کسی کام کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے۔ ان کی کوشش تھی جتنی جلدی ممکن ہو سکے وہ مزید تعلیم کے لیے باہر چلے جائیں اور اس سلسلے میں انہوں نے دو تین ملکوں کی یونیورسٹیوں میں اپلائی کر رکھا تھا لیکن ایک سال ہونے والا تھا کوئی سبب نہیں بن پا رہا تھا اور ابھی تک انہوں نے اسی آس میں کہیں جاب کے لیے بھی اپلائی نہیں کیا تھا اب جبکہ وہ تھوڑے سے مایوس ہو چکے تھے تو افضال حیدر نے انہیں اسلام آباد میں کسی صاحب سے ملنے کے لیے کہا تھا اور ان سے مل کر وہ خاصے پر امید ہو گئے تھے۔ افضال حیدر کے دوست نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت جلد ان کا کام کروا دیں گے۔ پھر وہ برٹش ایمبیسی چلے گئے تھے انہوں نے ایڈنبرا یونیورسٹی میں بھی اپلائی کیا تھا۔ ان کا خیال کنسٹرکشن مینجمنٹ میں ایم ایس سی کرنے کا تھا۔ ایک آفس سے دوسرے آفس میں کاغذات اٹیسٹ کروانے کے چکر میں وہ بھاگ بھاگ کر تھک چکے تھے اور سوچ رہے تھے کہ دو تین گھنٹے خوب نیند لے کر فریش ہو جاؤں گا اس لیے وہ سمن کی طرف دیکھے بغیر اس کے پاس سے گزر آئے تھے لیکن پھر اچانک انہیں احساس ہوا تھا کہ سمن نے ٹیبل پر سر رکھا ہوا تھا اور وہ رو رہی تھی شاید۔ اس کے لمبے سیاہ گھنے بالوں کی چوٹی سے انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ سمن ہی تھی۔ وہ بہن بھائیوں سے اتنے بے تکلف نہ تھے۔ اتنا عرصہ ان سے دور رہنے کی وجہ سے اور کچھ میاں صلاح الدین کے رویے کی وجہ سے وہ ان کے قریب نہ ہو سکے تھے پھر بھی وہ خود کو روک نہ سکے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے واپس آئے اور سمن کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سمن۔" سمن نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیا ہوا کیوں رو رہی ہو اس طرح۔"

"بھائی۔" سمن کھڑی ہو گئی اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔

"امی تو ٹھیک ہیں نا۔" انہیں ایک دم امی کا خیال آ گیا وہ اکثر بیمار اور تھکی تھکی لگتی تھیں۔

"ہاں ٹھیک ہیں۔" سمن نے آہستگی سے کہتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر کیا مولی سے لڑائی ہو گئی۔" اسفر ذرا سا مسکرائے۔

"نہیں۔" سمن نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"پھر کیا بات ہے کیا انعم سے ناراضگی ہو گئی ہے۔"

"وہ۔۔۔ وہ اسفی بھائی میرا میٹرک کا رزلٹ آ گیا ہے اور۔۔۔"

"ارے گڑیا اتنا چھوٹا سا دل ہے تمہارا اگر کسی مضمون میں کمپارٹ آ گئی ہے تو کوئی بات نہیں ہے میں ہوں نا اس بار تو خود تیاری کروا دوں گا۔" بے اختیار انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ایک دم ہی انہیں سمن پر بہت پیار آیا۔

"یہ بتاؤ کس مضمون میں۔۔۔"

"نہیں نہیں، میرے تو سات سو اٹھارہ نمبر ہیں۔" سمن نے جلدی سے کہا۔

"ارے تو پھر کیا یہ خوشی کے آنسو ہیں۔"

"نہیں بھائی! میں پڑھنا چاہتی ہوں بہت زیادہ۔ کالج میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں۔"

"تو۔۔۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ابا جی کہتے ہیں بس بہت پڑھ لیا۔ انہوں نے آپی کو بھی اجازت نہیں دی تھی پڑھنے کی حالانکہ آپی اپنے اسکول میں فرسٹ آئی تھیں ان کے نمبر مجھ سے زیادہ تھے اور آپی کو ڈاکٹر بننے کا بہت شوق تھا۔" سمن کی آنکھیں

پھر آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اسفر خاموش کھڑے پرسوچ انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

"آپ اسفر بھائی! آپ ابا جی سے کہیں نا وہ مجھے کالج میں ایڈمیشن کی اجازت دے دیں۔" اس کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے۔

"اچھا اچھا میں بات کروں گا ابا جی سے۔" انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"روتی کیوں ہے پگلی۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی رونے کی اور ابا جی بھلا کیوں منع کریں گے اتنے اچھے نمبر ہیں ہماری گڑیا کے اور۔۔۔"

"آپ کو نہیں پتا اسفی بھائی ابا جی لڑکیوں کی زیادہ تعلیم پسند نہیں کرتے۔ لیکن مجھے ضرور پڑھنا ہے۔ چاہے ابا جی کچھ بھی کہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بھیگے رخسار پونچھے تو اسفر مسکرا دیے۔

"ضرور پڑھنا اور اب رونا بالکل نہیں۔ بزدل روتے ہیں اور تم تو بہت بہادر لڑکی ہو۔ تم ضرور ابا جی کو قائل کر لو گی۔"

"وہ نہیں ہوتے قائل وائل۔" اس نے ناراضگی سے کہا تو اسفر نے بے حد دلچسپی سے اسے دیکھا۔

یہ ان کی سگی بہن تھی لیکن کتنی عجیب بات تھی کہ وہ اس کی بہت سی عادات سے ناواقف تھے حالانکہ انہیں اس گھر میں آئے تقریباً تین سال ہو گئے تھے۔ لیکن اجنبیت سی تھی۔ ایک دم ہی انہوں نے اپنے دل میں اس کے لیے بے تحاشا محبت اور اپنائیت محسوس کی اور انہوں نے سوچا کہ وہ خود میاں صلاح الدین سے اس کی پڑھائی کے سلسلے میں بات کریں گے۔

"وہ آپ کی بات مان لیں گے نا اسفی بھائی۔ آپ انہیں قائل کر لیں گے نا کہ لڑکیوں کو بھی پڑھنا چاہیے۔"

کتنا یقین کتنا مان لیے وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی انہیں پہلی بار احساس ہوا کہ وہ اس کے بڑے بھائی ہیں اور چھوٹی بہنوں کو بڑے بھائیوں پر کتنا مان ہوتا ہے۔ خضر اور ولید کس طرح علینہ اور اریج کے ناز اٹھاتے تھے اور وہ بھی کتنی بے تکلفی اور مان سے اپنی ضدیں پوری کرواتی تھیں۔ وہ بھی تو سمن کے ایسے ہی بھائی تھے جیسے خضر اور ولید علینہ اور اریج کے بھائی تھے۔ علینہ اور اریج کا خیال آتے ہی جیسے وہ وہاں ہی کھڑے کھڑے کراچی پہنچ گئے تھے کتنی بہت ساری باتیں یاد آ گئی تھیں۔ کتنی رونق ہوتی تھی وہاں نانو کے گھر میں اور وہ تو بقول نانو شہزادے تھے۔ افضال ماموں اکثر مذاق میں انہیں شہزادہ کہا کرتے تھے اور نانو بڑے مان اور محبت سے کہتی تھیں۔

"ہاں تو یہ شہزادہ ہی ہے میرا۔"

نانو کیا گئی تھیں ساری شہزادگی ختم ہو گئی تھی۔ عذرا بیگم اور میاں صلاح الدین جب نانو کے دسویں کے بعد واپس لاہور آنے لگے تھے تو انہیں بھی ساتھ چلنے کو کہا تھا تو انہوں نے ازحد حیران ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

"بھلا میں لاہور جا کر کیا کروں گا۔ میرا گھر تو یہی ہے۔ نانو چلی گئیں تو کیا ہوا۔ ماموں جان اور باقی سب تو ہیں۔"

نانو کو وہ ہمیشہ ماں جی ہی کہا کرتے تھے۔ نانو تو اب یہاں آ کر کہنا شروع کیا تھا۔ وہ پریشان سا ہو کر افضال حیدر کی طرف دیکھنے لگے تھے اور افضال ماموں نے اپنے بازو ان کے کندھوں پر رکھتے ہوئے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا تھا۔

"ارے نہیں بھائی صاحب اسفی ہمیشہ یہاں ہی رہے گا۔ ہم اسے جدا نہیں کر سکتے۔ اسفی ماں جی کا بیٹا ہے اور یہ گھر اتنا ہی اس کا ہے جتنا میرا۔ بھول جائیں آپ اسے اور پھر یہاں اس کی پڑھائی ہے۔ ماحول کی جگہ کی تبدیلی سے اس کی پڑھائی متاثر ہو گی۔"

میاں صلاح الدین کچھ کہتے کہتے چپ کر گئے تھے لیکن عذرا بیگم چپ نہ رہ سکی تھیں۔

"ماں جی کے بعد اب اسفی کا یہاں رہنا۔۔۔"

"آپا۔" افضال حیدر نے انہیں ٹوک دیا۔ اسفی ماں جی سے بہت اٹیچڈ تھا۔ وہ ان کی وفات سے بہت پریشان اور اپ سیٹ ہے یہاں سب سے کھلا ملا ہوا ہے۔ وہاں جا کر اداس ہو جائے گا۔ فی الحال یہاں ہی رہنے دیں بعد

میں اگر اس نے جانا چاہا تو چلا جائے گا۔"

لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ بعد میں بھی لاہور نہیں جائیں گے۔ ماں جی چلی گئی تھیں تو کیا وہ اپنا گھر چھوڑ دیں۔ انہیں تو اپنے کمرے کے علاوہ کہیں نیند ہی نہیں آتی تھی۔

نانو کے جانے سے کتنا بڑا خلا ہو گیا تھا ان کی زندگی میں لیکن پھر بھی وہ گھر انہیں اچھا لگتا تھا۔ افضال ماموں سے انہیں محبت تھی۔ خضر اور ولید سے دوستی تھی علینہ اور اریج۔

"علینہ پتا نہیں کیسی ہوگی۔" دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہوئیں۔ دو سال سے وہ کراچی نہیں گئے تھے۔

"اور پتا نہیں وہ سب مجھے یاد بھی کرتے ہوں گے یا نہیں۔ ان کا کتنا دل چاہتا تھا سب سے ملنے کو۔ لیکن، ہوں نے خود کو روکا ہوا تھا۔ دو سال پہلے جب وہ کراچی گئے تھے تو مامی کا رویہ اتنا خشک اور کھردرا سا تھا کہ وہ جو ایک ہفتے کا بتا کر گئے تھے دو دن بعد ہی واپس آ گئے تھے۔ خضر بھی کوئٹہ کسی کام سے گیا ہوا تھا اور افضال ماموں بھی۔ ورنہ شاید وہ رک ہی جاتے اور علینہ بھی کتنی بدلی بدلی سی لگ رہی تھی خاموش اور سنجیدہ سی۔ کتنی کم بات کی تھی اس نے ان کے ساتھ ہاں ولید اور اریج تھے جو انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے تھے اور جنہوں نے بہت اصرار بھی کیا تھا کہ وہ اتنے عرصے بعد آئے ہیں تو کچھ دن رہیں۔

کیا علینہ خوش نہیں ہوئی۔

کیا اسے بھی ممانی کی طرح میرا آنا اچھا نہیں لگا دو دن وہ یہی سوچتے رہے لیکن علینہ سے پوچھ نہ پائے۔

عذرا بیگم نے خاص طور پر اسے تاکید کی تھی کہ وہ طیبہ بیگم کی طرف ضرور جائیں وہ خود بھی جانا چاہتے تھے۔ ماہ نور، نزل، طیبہ بیگم وہ سب ہی ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ نصیر احمد خان کو بھی ان سے بہت لگاؤ تھا۔ طیبہ بیگم کے تو وہ بھتیجے تھے۔ لیکن نصیر احمد خان ہمیشہ انہیں بہت محبت سے ملتے تھے گھر آنے پر اصرار کرتے تھے لیکن ایک دم ہی دل اتنا اداس ہو گیا تھا کہ وہ ان سے بھی ملے بغیر آ گئے حالانکہ ولید نے انہیں بتایا تھا کہ انکل نصیر ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئے۔

"اسفی بھائی آپ کیا سوچنے لگے۔ کیا ابا جی آپ کی بات بھی نہیں مانیں گے۔"

"نہیں، ہاں پتا نہیں۔" وہ چونک پڑے۔

"لیکن تم بے فکر رہو میں تمہیں اجازت دلوا دوں گا۔"

"سچ! آپ کو یقین ہے نا ابا جی آپ کی بات مان لیں گے۔"

"ہاں مجھے یقین ہے۔" انہوں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں ایک دم چمکنے لگیں۔

"ارے آپ ابھی تک کھڑے ہیں بھائی آپ بیٹھ جائیں نا اور آپ تو اسلام آباد گئے ہوئے تھے ابھی آئے ہیں۔ آپ کے لیے چائے لاؤں؟"

چائے کی تو واقعی انہیں بہت سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

"ہاں پلیز میں اپنے کمرے میں ہوں وہاں ہی چائے بھجوا دو۔" وہ جاتے جاتے بولے۔

سمن کچن کی طرف بڑھ گئی رشیدہ برتن دھوتے ہوئے رمضان سے باتیں کر رہی تھی۔

"رمضان اسفی بھائی کے لیے دو کپ چائے بنا دو۔"

"اسفی بھائی دو کپ چائے پئیں گے۔"

"ایک میں پیوں گی۔"

"تو یوں کہیں نا ایک آپ کے لیے ایک اسفی بھائی کے لیے۔"

"رمضان کتنی بار منع کیا ہے میں نے کہ میری بات مت پکڑا کرو۔ فٹافٹ چائے بنا کر اسفی بھائی کے کمرے میں لے آؤ اور ساتھ ہی کباب بھی گرم کر لینا۔"

"اسفی بھائی کے لیے یا آپ کے لیے۔" "میرے لیے"

سمن نے بہت غصے سے اسے دیکھا تو وہ دانت نکالتا ہوا چائے بنانے لگا۔ سمن کو بھوک لگ رہی تھی اس نے دن کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس کا موڈ سخت خراب تھا۔ لیکن اب اسفی بھائی سے بات کر کے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی اور موڈ بھی ٹھیک ہو گیا تو بھوک چمک اٹھی۔

اسے یقین سا ہو گیا تھا کہ وہ میاں صلاح الدین سے اپنی بات منوا لیں گے سو اسفر کے کمرے میں چائے بھجوا کر وہ اپنا چائے کا مگ اور کبابوں کی پلیٹ اٹھا کر انعم کے کمرے میں آ گئی۔

"آپی! اسفر بھائی کہہ رہے ہیں کہ وہ ابا جی سے میری پڑھائی کے سلسلے میں بات کریں گے۔"

"اسفی بھائی آ گئے۔" انعم نے جو اپنے کپڑے وارڈروب میں ترتیب سے رکھ رہی تھی مڑ کر اسے دیکھا۔

سمن نے چائے کا کپ میز پر رکھا اور پلیٹ ہاتھ میں لے کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گئی اور کباب کھاتے ہوئے بڑے مطمئن انداز میں انعم کی طرف دیکھا۔

"آ گئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے وعدہ بھی کر لیا ہے کہ وہ ابا جی سے بات کر لیں گے اور مجھے یقین ہے وہ ابا جی کو قائل بھی کر لیں گے۔"

انعم وارڈروب یوں ہی کھلا چھوڑ کر اس کے پاس آ گئی۔ "تو پھر سمن ان سے کہو نا وہ ابا جی سے موبی کی بات بھی کریں۔"

"کیوں کیا ہوا موبی کو۔" سمن کی سوالیہ نظریں انعم کی طرف اٹھیں۔

"امی جان صبح سے بہت پریشان ہیں۔" انعم کی آواز بھرا گئی۔

"مگر کیوں آپی آخر موبی کا مسئلہ کیا ہے؟" سمن نے خالی پلیٹ ٹیبل پر رکھی اور چائے کا مگ اٹھا لیا۔

"ابا جی موبی کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"موبی کی شادی۔" سمن کا منہ حیرت سے کھلا اور پھر بند ہوا۔

"لیکن کب اور کس سے؟"

"کب اور کس سے کا تو پتا نہیں لیکن ابا جی نے امی جان سے کہا ہے کہ وہ فوراً اس کے لیے لڑکی دیکھیں وہ دو تین ماہ تک اس کی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔"

"لیکن آپی بڑے تو اسفی بھائی ہیں ابا جی کو پہلے ان کی شادی کرنا چاہیے۔"

"لیکن وہ تو باہر جانے کے چکر میں ہیں اور ابا جی کا خیال ہے کہ وہ وہاں سے ہی کسی میم کو بیاہ لائیں گے اور سچ تو یہ ہے کہ انہیں اسفی بھائی کے معاملات میں زیادہ دلچسپی بھی نہیں ہے۔" انعم اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"پتا ہے سومی میں اکثر سوچتی ہوں کہ اگر اسفی بھائی نانو کے پاس رہے ہیں۔ وہاں پلے بڑھے ہیں تو اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ ابا جی نے خود ہی تو انہیں نانو کو دے دیا تھا۔ پر ہیں تو وہ ابا جی کے بیٹے ہی نا۔ مبشر اور مدثر کی طرح ان کا بھی اس گھر پر حق ہے انہیں بھی وہ سارے حقوق حاصل ہیں جو مدثر اور مبشر کو ہیں۔

لیکن ابا جی ان کے ساتھ بالکل اجنبیوں اور غیروں جیسا سلوک کرتے ہیں۔ نانو کے گھر کا ماحول ہمارے گھر کے ماحول سے بہت مختلف ہے تو ظاہر ہے وہ جس ماحول میں پلے ہیں ان کی سوچ اور خیال اسی ماحول کے مطابق ہیں۔ ان کے اندر اعتماد ہے وہ سر اٹھا کر ابا جی سے بات کر سکتے ہیں۔ ان کی غلط بات پر اعتراض کر سکتے ہیں۔ بس اسی وجہ سے ابا جی انہیں پسند نہیں کرتے۔

انہوں نے جب ابا جی سے کہا تھا کہ وہ اپنی انجینئرنگ کی تعلیم مکمل کریں گے کیونکہ انہیں اس سے دلچسپی ہے تب ہی ابا جی نے شاید انہیں دل سے نکال دیا تھا کہ انہوں نے ان کی بات پر اعتراض کیوں کیا۔ ان کا حکم کیوں نہیں مانا۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ پتا نہیں ابا جی ایسے کیوں ہیں ان کے اصولوں میں لچک کیوں نہیں ہے۔ اسفر بھائی کتنے اچھے ہیں۔ ان کا وجود گھنے تناور درخت کی طرح لگتا ہے مجھے۔ ان کے ہونے سے تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔ یوں

جیسے ہم پر اگر کوئی مصیبت آئی تو وہ ہمیں بچا لیں گے۔ ان کے آنے سے میرے اندر خود بخود ہی ایک غرور سا آ گیا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے میں ان سے ڈھیروں باتیں کروں۔ فرمائشیں کروں، ضدیں کروں اور وہ ہنس ہنس کر ہماری فرمائشیں اور ضدیں پوری کریں میرا بالکل جی نہیں چاہتا کہ وہ باہر جائیں۔" سمن اداس ہو گئی۔

"ہاں اور پتا نہیں پھر کب واپس آئیں گے۔ پتا ہے سمن وہ بہت خوددار ہیں بہت انا ہے ان میں۔ ابا جی نے ایک بار انہیں باہر بھجوانے سے انکار کیا تو پھر دوبارہ انہوں نے ابا جی سے نہیں کہا۔" نعم بھی اداس ہو گئی تھی۔

"اور یہ ابا جی کو یکایک مونی کی شادی کی کیا سوجھی۔" سمن نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔

"پتا نہیں۔" نعم نے کندھے اچکائے۔

"ابا جی اپنی مصلحتیں خود ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن امی جان بہت پریشان ہیں۔ انہیں ابا جی کی یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔"

"اور مونی وہ کیا کہتا ہے۔" سمن نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اسے کیا پتا وہ تو صبح سے اپنے دوست کی طرف گیا ہوا ہے۔"

"اچھا مونی نے بتایا تھا کب تک آئے گا۔"

"مابدولت حاضر ہو گئے خواتین ہمیں کیوں یاد کیا جا رہا تھا۔" مبشر نے اندر آتے ہوئے سر کو ہلکا سا خم کیا اور میز پر پڑا ہوا چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

"ارے یہ میں نے اپنے لیے بنوائی تھی اور یہ جھوٹی بھی تھی۔"

"ہم فقیر لوگ ایسی چھوٹی موٹی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ پھر یہ جھوٹی ہونے کے باوجود چائے ہی تھی نا۔ اس کی شکل میں تو کوئی فرق نہیں پڑا نا۔"

ایک ہی سانس میں آدھا کپ خالی کر کے وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ "چائے بالکل ٹھنڈی تھی۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اکبر اعظم کہاں تشریف فرما ہیں۔" وہ موڈ میں ہوتا تو میاں صلاح الدین کو اکبر اعظم ہی کہہ کر بلاتا تھا۔

"صبح صبح درشن ہو گئے تھے سارا دن بے مزا گزرا۔"

"وہ اس وقت خلوت میں ہیں لیکن آج انہوں نے شہزادہ عالم کے لیے بڑے اہم فیصلے کیے ہیں۔" سمن نے شرارت سے سر خم کیا۔

"کیسے فیصلے کنیز۔ ہمیں فوراً مطلع کیا جائے۔"

"بندی جان کی امان پائے تو عرض کرے۔"

"جان کی امان دی جاتی ہے کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔" مبشر کا انداز ہنوز ایسا ہی تھا۔

"اکبر اعظم نے حکم دیا ہے کہ شہزادہ عالم کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی جائیں۔"

"لیکن کس جرم کی پاداش میں کنیز۔ صاف صاف بات کرو۔"

"مطلب تو صاف ہے شاہ عالم۔ اکبر اعظم نے ملکہ **معظمہ** کو حکم دیا ہے کہ آپ کی شادی کی تیاریاں کی جائیں۔"

"نہیں یہ کیا فضول بات ہے۔" مبشر جو کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے مکالمے بول رہا تھا۔ یکدم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہ فضول بات نہیں ہے میرے بھائی۔ ابا جان کا حکم ہے۔"

"نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مذاق مت کرو۔" وہ پریشان سا ہو گیا اگرچہ اسے یقین تھا کہ سمن مذاق کر رہی ہے۔

"یہ مذاق نہیں ہے۔" سمن سنجیدہ ہو گئی۔ "آنی سے پوچھ لو۔" مبشر نے انعم کی طرف دیکھا۔

"ابا جی نے آج کہا ہے امی جان سے تمہاری شادی کے لیے۔" نعم نے افسردگی سے تصدیق کی۔

"لیکن کیوں، کیوں آخر ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں۔ میری شادی کی کیا تک ہے بھلا۔ اسفر بھائی ہیں آپ ہیں، سمن ہیں۔ آپ سب مجھ سے بڑے ہیں اور پھر میں۔۔۔" وہ الجھ گیا۔

"ہاں تک تو کوئی نہیں ہے۔ لیکن اکبر اعظم تو اکبر اعظم ہیں۔ جو جی چاہے حکم دیں۔ چاہیں تو انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیں۔ چاہیں تو دن کو رات کہہ لیں۔" سمن نے لاپروائی سے کہا۔

"فضول مت بولو سومی۔" مبشر نے اسے ڈانٹ دیا وہ ازحد پریشان لگنے لگا تھا۔

"میں امی جان سے پوچھتا ہوں۔ تم دونوں مجھے بیوقوف بنا رہی ہو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"امی جان پہلے ہی بہت پریشان ہیں۔ انہیں اور پریشان مت کرنا۔" نعم نے نرمی سے کہا۔

"کیا مطلب میں ایسی بے تکی بات مان لوں۔"

"اس میں بے تکی بات کیا ہے۔ کیا لڑکوں کی شادیاں نہیں ہوتیں۔" سمن شرارت کے موڈ میں تھی۔

"ہوتی ہیں لیکن جوان لڑکوں کی۔ بچوں کی نہیں میں ابھی بچہ ہوں۔" مبشر چڑ کر بولا۔

"لیکن اس روز جب ابا جی نے تمہیں کالج کے ٹرپ کے ساتھ مری جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ تم کہہ رہے تھے کہ میں بچہ نہیں ہوں جو ابا جی اجازت نہیں دے رہے۔"

"سومی آج تم مجھ سے ضرور پٹو گی۔" وہ اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔

■■■

زینت فاطمہ نے قرآن شریف کو جزدان میں لپیٹ کر کارنس پر رکھا اور شاہ رخ کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو بیٹا۔ شاپنگ مکمل ہو گئی۔"

"جی کچھ نہیں، بس آپ کی تلاوت ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔" شاہ رخ نے جو انہیں قرآن پڑھتے دیکھ کر خاموشی سے آ کر بیٹھ گئے تھے سر اٹھا کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"شاپنگ بھی ہو گئی تقریباً سب ہی لیکن کیا کیا خریدا گیا یہ تو بی بی جان کو اسماء عظمٰی کو پتا ہو گا۔ مجھے بھلا اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ بس میں ان کے ساتھ تھا۔ کیا کیا کچھ خریدا مجھے نہیں معلوم۔"

زینت فاطمہ مسکرائیں۔

"خیر۔۔۔ وہ تو میں دیکھ ہی لوں گی کیا کیا خریدا گیا۔ شاہ زیب کے ساتھ اگر تمہاری شادی بھی ہو جاتی تو اچھا تھا۔ میں تو زارا کے لیے تمہارا ہی سوچ رہی تھی لیکن ابھی میں نے بی بی جان سے بات ہی نہیں کی تھی کہ انہوں نے شاہ زیب کے لیے زارا کا کہہ دیا تو پھر ظاہر ہے میں خاموش ہو گئی۔"

"نہیں پھپھو جی میں نے تو کبھی زارا کے لیے ایسا نہیں سوچا اور پھر میں تو ابھی مزید پڑھنے کے لیے باہر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ شاہ زیب کو پڑھائی سے دلچسپی نہیں۔ فارغ ہے۔ زمینوں کا کام دیکھ رہا ہے اور شادی کی عمر بھی ہے اس کی، شاہ جی نے مجھ سے بات کی تھی پہلے اور میں نے کہا تھا ٹھیک ہے وہ پہلے شاہ زیب کی شادی کر دیں جو فرض ادا ہو جائے اچھا ہے۔" شاہ رخ نے تفصیل بتائی۔

"ہاں جو فرض ادا ہو جائے اچھا ہے۔" زینت فاطمہ نے زیر لب کہا۔

"پھپھو آج۔۔۔" وہ کچھ کہتے کہتے جھجکے۔ انہیں خوف ہوا کہ کہیں پھپھو بھی شاہ جی اور بی بی جان کی طرح سلوک نہ کریں۔

"کیا ہوا آج؟" زینت فاطمہ کی سوالیہ نظریں ان کی طرف اٹھیں۔

"آج بڑی عجیب بات ہوئی پھپھو۔ جب ہم شاپنگ کرنے جا رہے تھے تو ایک ایس پی نے ہماری گاڑی روک لی اور پھپھو وہ ایس پی آپ کو بتاؤں کون تھا وہ۔۔۔ قائم چچا کا بیٹا سید شجاع علی شاہ۔"

انہوں نے کھوجتی نظروں سے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا اور چہرے کے تاثرات سے دلی کیفیت جاننے کی سعی کی۔

"ہیں۔۔۔ قائم بھائی کا بیٹا شارو تم سچ کہہ رہے ہونا۔ وہ شجاع تھا نا۔۔۔ شجی کیسا تھا۔ بہت بانکا بہت سجیلا ہو گا۔ بچپن میں تو بہت پیارا تھا گپلو سا۔" جذبات کی شدت سے ان کی آواز لرزنے لگی تھی اور آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"شارو کیا سچ مچ تم نے اسے دیکھا۔"

"پھپھو۔" شاہ رخ نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"ہاں وہ شجاع تھا۔ چاچو کا بیٹا۔ وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا آپ کے تصور میں ہے۔ بانکا سجیلا۔ کیا آپ نے بچپن میں اسے دیکھا تھا۔ لیکن آپ نے کبھی آج سے پہلے تو اس کا ذکر نہیں کیا۔"

"ہاں۔" ان کی نظریں جھک گئیں۔

"کیا ذکر کرتی اور کس سے ایک بار قامی مجھے شاپنگ کے بہانے بھابھی سے ملانے لے گیا تھا۔ تب شجی صرف سال بھر کا تھا۔ قامی مجھ سے ہر بات کرتا تھا۔ شاہ جی سے اور بڑے لالہ جی سے تو وہ بہت ڈرتا تھا جب اس نے حمنہ سے شادی کی تھی تو تب بھی مجھے ہی بتایا تھا کہ اس نے حمنہ سے شادی کر لی ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ کچھ انتظار کر لے شاید شاہ جی اور لالہ جی مان جائیں۔ لیکن وہ کہتا تھا اس کے پاس اب کوئی راستہ نہیں رہا شاہ جی نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بی بی جان اس سے خفا تھیں کیونکہ وہ بی بی جان کی بہن یعنی تمہاری خالہ سے منسوب تھا اور ماں جی تو کچھ کہتی ہی نہ تھیں۔ کتنی ہی بار اس نے ماں جی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر ان سے کہا تھا۔

"ماں جی حمنہ بہت اچھی ہے اور میں اس کے سنگ بہت خوش رہوں گا لیکن ماں جی بی بی جان اور شاہ جی سے ڈرتی تھیں۔ بڑھاپا کمزور کر دیتا ہے نا۔ ماں جی بھی کمزور ہو گئی تھیں۔ انہوں نے ایک بار بھی شاہ جی اور لالہ جی سے نہ کہا کہ وہ قائم کی بات مان لیں تو پھر وہ کیا کرتا اس نے حمنہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کا ساتھ نبھائے گا اور۔۔۔"

بات کرتے کرتے یکایک وہ چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگیں اور انہوں نے یکدم اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لیے۔

"پھپھو جی۔" شاہ رخ نے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔

"پلیز آپ خاموش نہ ہوں مجھے سب بتائیں۔ میں آج آپ سے سب سننے آیا ہوں۔ آپ کو پتا ہے نا میں ہفتوں مہینوں اور سالوں قامی چاچو کو یاد کر کے روتا رہا۔ چپکے چپکے اکیلے اکیلے۔ میں کبھی نہ جان سکا کہ اچانک کیوں شاہ جی ان سے ناراض ہو گئے تھے کیوں انہیں گھر سے نکال دیا تھا ایسا کہ وہ پھر کبھی مڑ کر نہ آئے۔ پلیز پھپھو میں سب جاننا چاہتا ہوں مجھے بتائیں اور شاہ جی آرام کر رہے ہیں ان کی فکر مت کریں۔ مجھ پر اعتبار ہے نا آپ کو۔ آپ کی بات اس کمرے سے باہر نہیں جائے گی۔"

"قامی کیسا ہے شجی نے کچھ بتایا۔" انہوں نے ایک گہری سانس لے کر پوچھا۔

"وہ کہہ رہا تھا چاچو بالکل اچھے ہیں اور وہ ہم سب کو بہت یاد کرتے ہیں اور سب کے متعلق ہر خبر رکھتے ہیں حتی کہ انہیں اسماء اور عظمی کا نام بھی پتا ہے حالانکہ وہ تو بعد میں پیدا ہوئی تھیں۔"

"ہاں ضرور خبر رکھتا ہو گا وہ۔ اسے سب سے ہی بہت محبت تھی۔ وہ لالہ جی کے بچوں پر جان چھڑکتا تھا اور تمہارے اندر تو جیسے اس کی روح تھی وہ ہمیشہ تمہیں میرا شارو کہا کرتا تھا۔ ہم پانچوں بہن بھائیوں میں وہ سب سے چھوٹا تھا لیکن اس کا دل سب سے بڑا تھا۔ جب آپا کی شادی جھنگ کے شاہوں کے ہاں طے کر دی گئی تھی تو وہ بہت جھگڑا تھا۔ بہت لڑا تھا ماں جی سے بڑے شاہ جی سے کہ آپا اتنی نازک سی ہیں اور سید عبدالغفار شاہ تین شادیاں کر چکے ہیں بھلا آپا کا اور ان کا کیا جوڑ لیکن بڑے شاہ جی کہتے تھے۔

"آپا کے جوڑ کا اور کوئی رشتہ کہاں ہے۔۔۔ کیا گھر میں بٹھائے رکھوں۔"

اور پھر وہی ہوا۔ آپا اتنی کمزور تھیں اتنی نازک کہ چند سال بھی نہ جی سکیں۔ سید عبدالغفار شاہ کو نرینہ اولاد تو نہ دے سکیں۔ ہاں ان کی بیٹیوں میں ایک کا اضافہ ضرور ہو گیا تھا اور جس روز آپا کی موت کی خبر آئی جھنگ سے تو وہ کتنا تڑپ تڑپ کر رویا تھا۔ کتنے ہی دن اس نے ماں جی سے بڑے شاہ جی سے بات نہیں کی۔ سوائے میرے اس نے ناراضی میں سب سے ہی بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اسے آپا کا بہت دکھ تھا۔ آپا شاہ جی سے چھوٹی تھیں آپا سے چھوٹی میں تھی اور مجھ سے چھ سال چھوٹا وہ تھا۔ لیکن میرے ساتھ وہ یوں شفقت سے بات کرتا جیسے مجھ سے بڑا ہو۔ جب چھوٹا تھا تو اپنی ہر ضرورت مجھ سے ہی کہتا تھا جب بڑا ہوا تو مجھ سے میری ہر ضرورت پوچھنے لگا۔ شارو۔" بات کرتے کرتے اچانک انہوں نے شاہ رخ کے ہاتھ تھام لیے۔

"شارو تم مجھے اس کے پاس لے جاؤ گے صرف ایک بار شاہ جی سے چوری۔ میرا دل بہت تڑپتا ہے اس کے لیے۔" ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"جی پھپھو ضرور لے جاؤں گا۔ جب بھی آپ کہیں گی شجاع بتا رہا تھا کہ وہ لاہور میں ہیں۔"

"تم نے پتا لے لیا تھا شجی سے تم ڈھونڈ لو گے اس کا گھر۔"

"آپ فکر نہ کریں پھپھو۔ میں ڈھونڈ لوں گا ان کا گھر بلکہ دو تین روز تک آپ کو لے چلوں گا۔ آپ بتائیں نا چاچو کے متعلق سب۔ حمنہ چچی کہاں ملی تھیں انہیں۔"

"حمنہ قامی کے ساتھ ہی ڈاکٹری کر رہی تھی۔ وہ جب چھٹیوں میں آتا تو مجھے حمنہ کے متعلق ضرور بتاتا اور حمنہ کی باتیں کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جو رنگ اترتے تھے میں حیرانی سے اسے دیکھا کرتی تھی۔"

"کیا حمنی بہت پیاری ہے قامی۔"

"ہاں بہت۔" اس کا چہرہ کھل جاتا آنکھیں چمکنے لگتیں۔

ایک روز اس نے مجھ سے کہا۔ "میں حمنہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بات کریں ماں جی اور دا جی سے۔" وہ میڈیکل کے آخری سال میں تھا اور چاہتا تھا کہ تعلیم ختم ہونے سے پہلے حمنہ کو مانگ لے۔

"لیکن حفصہ۔۔۔" میں نے اسے یاد دلایا کہ دا جی نے اس کے لیے حفصہ کو مانگ رکھا ہے۔

"میں حفصہ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکوں گا۔ چھوٹی آپا وہ بالکل اور مزاج کی لڑکی ہے بالکل بی بی جان کی طرح کرخت اور بے لچک۔"

وہ ٹھیک ہی کہہ رہا تھا اس کا اور حفصہ کا کوئی جوڑ نہیں تھا۔ حفصہ نہ صرف ان پڑھ تھی بلکہ مزاج کی بھی بہت تیز تھی۔ سگے ماموں کی بیٹی تھی سو میں اس کی مزاج آشنا تھی اور حمنہ یقیناً دلکش اور نرم دل نرم مزاج ہو گی قامی نے اسے یوں ہی تو پسند نہیں کر لیا تھا۔ لیکن جب میں نے ماں جی سے بات کی تو وہ بھڑک اٹھیں۔

"یہ ناممکن ہے ہم غیر خاندان کی ملاوٹ اپنے سید خاندان میں کیسے کر سکتے ہیں۔"

"وہ بہت اعلیٰ خاندان کی ہے۔" قامی نے بتایا۔

"ٹھیک ہے ہو گی لیکن ہم تمہارے ماموں کو زبان دے چکے ہیں۔"

"قامی نے دا جی کو قائل کرنے کی بہت کوشش کی لیکن دا جی نے تو اس کی کوئی بھی بات سننے سے انکار کر دیا۔ اس نے شاہ جی سے لالہ جی سے اور بڑے شاہ جی سے بھی سفارش کے لیے کہا۔ لالہ جی نے تو دبے لفظوں میں بڑے شاہ جی اور دا جی سے کہا بھی کہ قامی کی بات مان لیں آج کل وقت بہت بدل چکا ہے لیکن شاہ جی تو خود قامی سے از حد خفا تھے کہ حفصہ ان کی بیوی کی سگی بہن تھیں۔ تب وہ بظاہر خاموش ہو گیا۔ بہت چپ چپ رہنے لگا تھا۔ ہر وقت کچھ سوچتا رہتا کبھی کبھی مجھ سے کہتا۔

"چھوٹی آپا۔ میں حمنہ کی آنکھوں کے خواب کیسے چھین لوں کیسے اس سے کہوں کہ اس نے ایک کمزور شخص کو چنا جو اس کے ساتھ کئے گئے وعدے پورے نہیں کر سکتا۔"

بہت سارے دن یونہی گزر گئے۔ ایک روز وہ آیا تو بہت خوش تھا۔

"چھوٹی آپا میں نے حمنہ سے شادی کرلی ہے۔ کل ایک دوست کے ہاں میرا اس سے نکاح ہو گیا ہے۔" میں حیران سی اسے دیکھتی رہی۔

"قامی! یہ تم نے کیا کیا تم انتظار کر سکتے تھے شاید بڑے شاہ جی یا داجی مان جاتے۔"

"میں جانتا ہوں چھوٹی آپا وہ کبھی بھی نہ مانتے اور میں نے حمنہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں ہمیشہ اس کے ساتھ ہوں۔ میں شاید کچھ اور انتظار کر لیتا۔ کم از کم اپنے ہاؤس جاب مکمل کرنے تک لیکن حمنہ کے ساتھ ایک حادثہ ہو گیا۔ اس کے والد اور چھوٹے بھائی کا اچانک حادثے میں انتقال ہو گیا اور والدہ کا ذہن اس حادثے سے بہت متاثر ہوا اور اسی ذہنی کیفیت میں ان کا اصرار تھا کہ وہ حمنہ کی جلد از جلد شادی کرنا چاہتی ہیں۔ ایک دور رشتے تھے جاننے والوں میں اور والدہ کا اصرار تھا کہ وہ کسی ایک رشتے کے لیے ہاں جھر دیں۔ ظاہر ہے پھر مجھے حمنہ کے بڑے بھائی سے ملنا پڑا۔ وہ بڑے کھلے دل کے اور براڈ مائنڈڈ ہیں ساری صورت حال جاننے کے بعد انہوں نے والدہ سے بات کرلی۔ میں نے سوچا تھا ایک بار کہ لالہ جی سے بات کروں اور... میرے ساتھ چلیں حمنہ کے گھر لیکن بڑے لالہ جی کتنے بھی براڈ مائنڈڈ کیوں نہ ہوں وہ بڑے شاہ جی داجی اور چھوٹے شاہ جی کو ناراض نہیں کر سکتے۔ سو ایک دوست کی فیملی نے ساتھ دیا اور یوں میں حمنہ کو بیاہ لایا ہوں۔"

"حمنہ لاہور میں تھی اور قامی بھی زیادہ لاہور میں ہی رہتا تھا اور مجھے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیسے ماں جی اور بڑے شاہ جی کو قامی کی شادی کے متعلق بتاؤں۔ وقت یوں ہی گزرتا رہا۔ قامی ایک بچے کا باپ بھی بن گیا۔ ہاؤس جاب کے بعد اس نے وہاں ہی لاہور میں ہی جاب کرلی ادھر بڑے شاہ جی کی اچانک وفات سے اس کی شادی جو رک گئی تھی ان کی برسی کے بعد پھر اس کی تیاریاں ہونے لگیں تب قامی کو بتانا پڑا کہ وہ حمنہ سے شادی کر چکا ہے اور داجی نے اس سے ہر رشتہ ہر تعلق ختم کرلیا۔"

"داجی پلیز میری بات تو سنیں۔" اس نے منت کی لیکن داجی نے اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ تب اس نے شاہ جی سے کہا۔

"بھائی آپ ہی میری سفارش کر دیں۔"

لیکن شاہ جی تو خود بہت غصے میں تھے جب سے بی بی جان کو قامی کی شادی کا پتا چلا تھا۔ انہوں نے رو رو کر اپنا حال برا کر لیا تھا۔

"تم اسے طلاق دے دو تو میں داجی سے تمہاری سفارش کر سکتا ہوں۔" شاہ جی نے بالآخر کہا۔

لیکن قامی نے انکار کر دیا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھائی صاحب وہ میرے بیٹے کی ماں ہے۔"

"بیٹے کو لے آؤ۔ پل جائے گا یہاں اور اسے طلاق دے کر حفصہ سے شادی کر لو۔ ہم تمہاری غلطی بھول جائیں گے۔"

"پل جائے گا لیکن کیسے کیا مقام ہوگا اس کا یہاں حویلی میں۔" اس نے شاہ جی کی طرف دیکھا۔

"وہی نا... جو شاہ بابا کا ہے۔ نہیں مجھے اس حویلی میں ایک اور شاہ بابا کا اضافہ نہیں کرنا۔" اور یوں قامی اس حویلی سے چلا گیا اور پھر کبھی پلٹ کر نہیں آیا۔ آنکھیں ترس گئی ہیں اسے دیکھنے کو۔ شارو مجھے لے جاؤ گے نا اس کے پاس ایک بار صرف ایک بار مجھے قامی سے ملوا لاؤ گے نا شاہ جی نے تو اپنا دل پتھر کر لیا ہے لیکن میں بہن ہوں ماں کا دل ہے میرے اندر شارو۔"

زینت فاطمہ کے آنسو بے اختیار ہو کر ان کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

"پلیز پھپھو رو ئیں مت۔ وعدہ بہت جلد آپ کو چاچو سے ملانے لے چلوں گا۔"

"اور شجی' شجی کہاں ہے کیا وہ یہاں ہے سید پور کے تھانے میں۔" انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"شجی... شجاع۔" شاہ رخ پریشان سے ہو گئے۔

"وہ پتا نہیں ہمیں تو وہ سید پور سے باہر ملا تھا شاید نور پور کے قصبے میں قیام ہے اس کا۔"

"تم پریشان کیوں ہو گئے۔" زینت فاطمہ نے بغور انہیں دیکھا۔

"وہ دراصل شاہ جی نے کمالے اور فضل داد کو بھیجا تھا شجی کی طرف۔"

"لیکن کیوں۔"

زینت فاطمہ نے از حد حیران ہو کر شاہ رخ کی طرف دیکھا۔ تب شاہ رخ نے ساری بات بتا دی اور وہ بے حد مضطرب سی ہو کر یک دم کھڑی ہو گئیں۔

"تو... تو کیا شاہ جی نے مروا دیا اسے نہیں' نہیں۔" ان کی آواز لرز گئی اور آنکھیں ایک بار پھر برسنے لگیں۔

"آپ پریشان مت ہوں پھپھو۔" شاہ رخ نے کھڑے ہو کر اور انہیں کندھوں سے پکڑ کر بٹھا دیا۔

"شاہ جی کہہ رہے تھے انہوں نے صرف معمولی ڈانٹ ڈپٹ کرنے کو کہا ہے۔"

"اور شاہ جی کی معمولی ڈانٹ ڈپٹ۔" زینت فاطمہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بدبدائیں اور ان کے آنسو اور بھی روانی سے بہنے لگے اندر ہی اندر جیسے کئی زخموں کے ٹانکے ادھڑ گئے تھے۔ ان کا دل چیخیں مار مار کر رونے کو چاہا اور انہوں نے تیزی سے بہتے آنسوؤں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھنے کی کوشش کرتے ہوئے التجا کی۔

"شارو بیٹا کہیں سے شجاع کا پتا کرو۔ کمالا اور فضل داد آ گئے ہوں تو۔" ان کی آواز بھینچ گئی۔

"ان سے پوچھو جا کر کیا کیا انہوں نے میرے شجی کے ساتھ۔"

"اوکے' اوکے پلیز پھپھو جان میں پتا کرتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ شاہ جی نے کمالے اور فضل داد کو صرف وارننگ دینے کے لیے بھیجا ہے۔ تاکہ آئندہ بڑی حویلی والوں کی گاڑی نہ روکی جائے۔" انہوں نے بنا بولے سر ہلا دیا۔ بھلا وہ شاہ جی کو نہیں جانتی تھیں۔

شاہ رخ انہیں تسلی دے کر باہر چلے گئے اور وہ جیسے نیم جاں سی ہو کر بستر پر ڈھے گئیں۔ ان کے لب مسلسل دعائیں مانگ رہے تھے۔ شجاع کے لیے جسے انہوں نے ایک بار بہت چھوٹی عمر میں دیکھا تھا اور اندر جیسے جل تھل ہوا جا رہا تھا۔

کمالا اور فضل داد شاہ جی اور عباد مرزا۔ عباد مرزا کا نام ایک سسکی کی صورت ان کے لبوں سے نکلا اور انہوں نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب لیا۔ اتنی سختی سے کہ ہونٹوں سے خون رسنے لگا وہ عباد مرزا نہ جانے کون تھا اور سید اظہار شاہ سے ملنے کیوں حویلی آیا تھا۔ شاید سید اظہار شاہ کا کوئی دوست یا جاننے والا۔ سید اظہار شاہ زمینوں کے ایک مقدمے کے سلسلے میں کچہری گئے ہوئے تھے اور وہ ان سے ملنے آیا تھا اور انہیں موجود نہ پا کر واپس لوٹتے ہوئے اونچی حویلی کے گیٹ میں داخل ہوتی زینت فاطمہ کی طرف اچانک ہی اس کی نظر اٹھی تھی اور پھر اٹھی ہی رہ گئی تھی اور زینت فاطمہ جو گیٹ میں داخل ہوتے ہی چہرے سے نقاب اٹھا چکی تھیں۔ ان کی نظریں بھی ایک لمحہ کو اس دبلے پتلے سانولے رنگ کے اونچے لمبے عباد مرزا کی نظروں سے ملی تھیں اور پھر یکدم نیچے جھک گئی تھیں انہوں نے تیزی سے نقاب نیچے سرکایا تھا۔

وہ ایک غیر ارادی نظر تو شاید قابل معافی تھی اور ہو سکتی تھی لیکن گیٹ سے باہر نکلتے نکلتے نہ جانے کس جذبے کے تحت عباد مرزا نے مڑ کر پیچھے دیکھا تھا اور بے دھیانی میں کچھ دیر یونہی اندرونی گیٹ کی طرف جاتی زینت فاطمہ کو دیکھتا رہا تھا اور مردانے کی طرف جاتے راستے پر کھڑے سید مقیم علی شاہ کا خون رگوں میں کھول اٹھا تھا اور انہوں نے دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوچا تھا کہ اس ایک غیر ارادی نظر کے بعد دوبارا مڑ کر اتنی دیر تک دیکھتے رہنا ہرگز قابل معافی نہیں ہے بھلے یہ شخص لالہ جی کا دوست ہی کیوں نہ ہو اور بھلے زینت فاطمہ کا رخ اس کی طرف نہ ہو۔

زینت فاطمہ نے انہیں سرخ چہرے کے ساتھ واپس پلٹتے دیکھا تھا لیکن انہیں گمان تک نہیں ہوا تھا کہ ان کی

آنکھیں اتنی خون رنگ کیوں ہو رہی تھیں لیکن شام کو بڑی حویلی میں واپس آنے کے بعد جب وہ بڑے شاہ جی کو دوا دینے گئی تھیں تو سید مقیم علی شاہ بڑے شاہ جی کو بتا رہے تھے۔

"میں نے کمالے اور فضل داد کو اس کی گستاخی کی سزا دینے بھیجا تھا۔ امید ہے کئی دن تک اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکے گا۔"

"مگر مقیم علی شاہ وہ اظہار شاہ کا مہمان تھا کہیں کمالے اور فضل داد نے۔"

"نہیں شاہ جی میں نے بس معمولی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے کہا تھا۔ آخر اسے جرات کیسے ہوئی کہ وہ مڑ کر دیکھے۔"

اور زینت فاطمہ کے ہاتھ سے دوا کی بوتل نیچے گر گئی۔

وہ ایک پرشوق نظر جوان کی طرف اٹھی تھی اور اندر جا کر بڑی بھابھی کے پاس بیٹھ کر بھی اس ایک نظر کی حدت نے کتنی ہی دیر تک ان کے وجود میں ہلچل مچائے رکھی تھی۔ اور جھک کر ٹوٹی ہوئی بوتل کی کرچیاں چنتے ہوئے انہوں نے سنا۔

"پھر بھی مقیم علی شاہ تمہیں نظر انداز کر دینا چاہیے تھا۔ کمالا اور فضل داد جب ہاتھ اٹھاتے ہیں تو انہیں کچھ دکھتا نہیں۔ کم بختوں کے ہاتھ پاؤں لوہے کے بنے ہیں۔"

"کچھ نہیں ہوگا شاہ جی۔" مقیم علی شاہ کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"تم مزاجاً" اور عادتاً" سارے کے سارے مجھ پر گئے ہو۔ میں بھی تمہاری عمر میں ایسا ہی تھا جذباتی۔ بہت جلد غصے میں آجاتا تھا جبکہ تمہارا باپ متحمل مزاج ہے۔ سوچ سمجھ کر فیصلے کرتا ہے۔"

"ہاں دا جی بہت دھیمے مزاج کے ہیں اور لالہ جی بھی انہیں پر گئے ہیں اور رفاعی تو بالکل ہی گائے ہے۔" مقیم علی شاہ کھل کر ہنسے تھے۔

"شاہ جی ماں جی کہتی ہیں دوائی کی شیشی ٹوٹ جائے تو مریض کا مرض جاتا رہتا ہے۔"

زینت فاطمہ نے سیدھا ہوتے ہوئے کہا تھا۔ یوں جیسے وہ سید مقیم شاہ کی بات کو وہ سمجھ ہی نہ پائی تھیں۔

"لیکن ہمارا مرض جانے والا نہیں زینت فاطمہ۔"

شاہ جی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور وہ بڑے شاہ جی کے لیے مزید دوائی لینے باہر نکل آئی تھیں اور وہ رات ان کے لیے بڑی بے چین اور اداس تھی۔ پوری رات کروٹیں بدلتے گزر گئی تھی اور زینت فاطمہ جان نہیں پا رہی تھیں کہ اس رات میں اتنی بے چینی اور اضطراب کیوں ہے اور دل میں یہ بلاوجہ اداسی کیوں اتر رہی ہے۔

بڑے شاہ جی نے صحیح کہا تھا کہ سید مقیم علی شاہ مزاجاً" ان پر گئے ہیں۔ اسی وجہ سے سب انہیں چھوٹے شاہ جی کہا کرتے تھے اور گھر میں عملاً" انہی کا عمل دخل تھا۔ حالانکہ اظہار شاہ بڑے تھے اور پھر ابھی تو ان کے والد دا جی بھی تھے۔ اظہار شاہ کو پڑھائی سے دلچسپی تھی۔ وہ قدرے مختلف مزاج کے تھے۔ سب انہیں لالہ جی کہتے تھے اور دا جی تو شروع سے ہی خاموش طبع تھے اور اس کی وجہ غالباً" یہ تھی کہ کوئی اور بہن بھائی نہیں تھا سوائے ایک سوتیلے بھائی کے اور بی جان نے انہیں بہت لاڈ پیار سے پالا تھا۔ اپنے سے بہت کم جدا کیا تھا۔

ایک بار زینت فاطمہ نے سوچا کہ وہ جا کر دا جی کو بتائیں کہ سید مقیم علی شاہ نے اظہار لالہ کے مہمان کو پٹوانے کے لیے بندے بھیجے ہیں لیکن پھر سوچا کہ اگر دا جی نے پوچھ لیا کہ تمہیں اظہار شاہ کے مہمان سے کیا دلچسپی ہے تو وہ کیا کہیں گی۔ سو وہ چپکی پڑی رہیں۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر وہ ماں جی کے پاس دالان میں آبیٹھی تھیں اور وہیں بیٹھے ہوئے انہوں نے گلاب بی بی کو ماں جی سے کہتے سنا تھا۔

"بڑا گھبرو جوان تھا۔ جانے کون تھا اور کن ظالموں نے۔۔۔" ان کی بڑی بڑی آنکھیں پھٹ سی گئیں اور وہ ساکت بیٹھی گلاب بی بی کو دیکھتی رہیں۔ ماں جی نے گلاب بی بی کا لایا ہوا پانی دم کرتے ہوئے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ جی ادھر سید پور سے باہر جانے والی سڑک کے کنارے پڑا تھا۔ پاس ہی سرکنڈوں کے قریب اس کا اسکوٹر

کھڑا تھا۔ شہر سے آرہا تھا شاید یا جا رہا تھا۔ لگتا ہے کسی نے لوٹا اور مار کر پھینک دیا۔ ادھر پیچھے کی پہاڑیوں میں ڈاکو بھی تو چھپ جاتے ہیں۔"

"پتا نہیں کون تھا بے چارا۔" ماں جی نے ٹھنڈی سانس لی۔

اور تب ہی سید اظہار حسین شاہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اندر آئے۔

"الٰہی خیر۔" ماں جی ایک دم کھڑی ہو گئیں۔

"اتنے سویرے خیر تو ہے نا پتر۔"

"وہ ماں جی کل شام میں میرا ایک دوست آیا تھا مجھے ملنے حویلی واپسی جاتے ہوئے کسی نے اسے مار دیا۔ اس کی لاش سڑک کے کنارے پڑی ملی ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے دا جی نے بندہ بھیجا تھا میری طرف کہ جس نوجوان کی لاش سید پور سے باہر سڑک کنارے پڑی ہے اسے کل شام خالق نائی نے اونچی حویلی کی طرف جاتے دیکھا تھا کہیں کوئی میرا مہمان تو نہ تھا اور ماں جی جب میں گیا خالق کے ساتھ تو۔۔۔ وہ تو میرا ہی دوست تھا۔ مجھ سے ہی ملنے آیا تھا۔ بڑے اونچے خاندان کا تھا۔ چھ بھائیوں کا اکلوتا وارث تھا۔ اس کے پانچ چچاؤں میں سے کسی کی اولاد نہیں۔۔۔ ماں جی وہاں تو کہرام مچ جائے گا قیامت آجائے گی۔"

اور زینت فاطمہ کو یوں لگا تھا جیسے ان کی ٹانگوں میں سے جان نکل گئی ہو۔ سید اظہار علی شاہ کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آنکھیں ضبط گریہ کی کوشش میں سرخ ہو رہی تھیں۔

"ماں جی میں عباد مرزا کے والدین کو کیا جواب دوں گا وہ مجھ سے ملنے آیا تھا۔ کیسے خبر دوں گا ان کو۔" سید اظہار علی شاہ وہیں تخت پر نڈھال سے بیٹھ گئے تھے۔

"عباد مرزا۔" پہلی بار وہ نام زینت فاطمہ کے ہونٹوں پر سرگوشی کی طرح ابھرا اور وہ ایک نظر وہ اشتیاق بھری پرشوق نظر جیسے دل میں ترازو ہو گئی تھی اور وہ بھرے بھرے ہونٹوں پر بے اختیار ابھرنے والی دلکش مسکراہٹ۔

"عباد مرزا کس جرم کی پاداش میں مارا گیا۔ وہ ایک غیر ارادی نظر۔" انہوں نے ایک جھرجھری سی لی تھی۔

جب حویلی کے صحن میں اس کی میت لا کر رکھی گئی اور گلاب بی بی نے بتایا اس کے پاؤں تو چارپائی سے نیچے لٹک رہے ہیں۔ کیسا گھبرو قد آور جوان تھا اور ان کا کتنا جی چاہا تھا کہ وہ اٹھ کر جائیں اور دیکھیں۔ کتنی شدت سے دل نے خواہش کی تھی کہ وہ آنکھیں ایک بار پھر ان کی طرف اٹھیں۔ ان میں وہی اشتیاق ہو لیکن وہ یونہی بیٹھی رہی تھیں چپ چاپ ساکت اور اندر جیسے موسلادھار بارش ہو رہی تھی۔ سیلاب آیا ہوا تھا۔

"کیا ہے تجھے زینت فاطمہ جی تو اچھا ہے نا۔" ماں جی نے انہیں یوں چپ چاپ بیٹھے دیکھ کر پوچھا تھا۔

"پتا نہیں سر بہت بھاری ہو رہا ہے اور دل پر بہت بوجھ سا ہے۔" انہوں نے بے بسی سے ماں جی کی طرف دیکھا تھا۔

کیا بتاتیں کہ دل پر کس راز کا بوجھ آپڑا ہے۔ کون سا پچھتاوا دل کو پیسے جاتا ہے۔ کاش وہ اونچی حویلی نہ جاتیں اور اگر گئی تھیں تو وہ عباد مرزا اس روز سید اظہار علی شاہ سے ملنے نہ آیا ہوتا۔

"صبح صبح خبر بھی تو ایسی ہی سنی ہے۔ شادو سے کہہ کر سر میں تیل ڈلوا لے اور پھر نہا لے۔" اور وہ اثبات میں سر ہلاتی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھیں اور جب شہر سے ایمبولینس آگئی اور سید اظہار علی شاہ اپنے دوست کی میت کو پھولوں میں لاد کر لے چلے تھے تو انہوں نے بے اختیار کھڑکی پر جھک کر گیٹ سے نکلتی ایمبولینس کو دیکھا تھا اور وہ آنسو جنہوں نے صبح سے اندر اودھم مچا رکھا تھا آنکھوں سے ابل پڑے تھے اور اس رات بڑے شاہ جی کے پاس بیٹھ کر سید مقیم علی شاہ نے عام سے لہجے میں کہا تھا۔

"میں نے تو بس معمولی سبق سکھانے کے لیے کہا تھا مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ذرا سی مار نہ سہہ سکے گا۔" اور ماں جی کے کمرے کی طرف جاتی زینت فاطمہ ایک لمحہ کو ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

"کیا ایک انسان کی زندگی کی قیمت چند لفظ ہو سکتے ہیں۔ چند ندامت کے لفظ اسے واپس لا سکتے ہیں۔" وہ جو چھ

گھروں کا اکلوتا چراغ تھا اور پھر کتنی ہی راتیں زینت فاطمہ نے جاگ کر گزاری تھیں۔ لبوں سے سرگوشی کی طرح عباد مرزا کا نام نکلتا اور آنکھیں برسنے لگتیں۔ اور وہ ایک نظر اپنی طرف اٹھی ہوئی اشتیاق بھری ایک نظر ان کے وجود کو چھیدنے لگتی تھی۔

کتنے سارے دن وہ قائم علی شاہ کے سامنے نہیں آئی تھیں انہیں دیکھتے ہی ان کے اندر سمندر ابل پڑتے تھے اور اگر وہ شخص زندہ رہتا تو وہ اب تک اسے بھول بھی چکی ہوتیں لیکن وہ مارا گیا تھا ایک ایسے جرم کی پاداش میں جو جرم تھا ہی نہیں۔ سو وہ آج بھی اسے نہیں بھول سکی تھیں چوبیس سالوں بعد بھی نہیں آج بھی رات کو سونے کے لیے لیٹتیں تو عباد مرزا کا نام سرگوشی کی طرح ان کے لبوں پر آتا اور وہ ایک نظر وہ ایک اشتیاق بھری نظر اندر ہلچل مچا دیتی۔

اب جبکہ بڑے شاہ جی نہیں رہے تھے۔ دا جی بھی نہیں تھے اور سید اظہار علی شاہ بھی چند سال پہلے رخصت ہو چکے تھے اور حویلی میں صرف سید مقیم علی شاہ تھے جو شاہ جی کہلاتے تھے اور جنہوں نے چوبیس برس پہلے کمالے اور فضل داد کو معمولی ڈانٹ ڈپٹ کے لیے بھیجا تھا گو فضل داد اور کمالا پہلے جیسے جوان نہیں رہے تھے۔ مگر پھر بھی وہ بڑے ہٹے کٹے اور طاقتور تھے۔ تب وہ ایک اجنبی تھا۔

جسے نظروں نے بس لمحہ بھر دیکھا تھا اور اب ان کا اپنا خون تھا۔ ان کے اپنے لاڈلے پیارے بھائی کا جگر گوشہ۔

"نہیں۔" وہ بے چین ہو کر اٹھ بیٹھیں۔ چہرے کو دونوں ہاتھوں سے پونچھا اور سر پر دوپٹہ درست کرتیں باہر نکل گئیں۔

■■■

"کس کا فون تھا ماہا۔"

خضر باہر برآمدے میں دادی کے تخت پر بیٹھا تھا۔

"ذاکر صاحب کا۔" ماہ نور نے اس کی طرف دیکھا۔

"اور آپ یہ باہر کیوں بیٹھے ہیں۔ کیا کھانا کھا لیا۔"

"ہاں کھانا کھا لیا بس تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اور یہ ذاکر صاحب کون ہیں؟ کیوں فون کیا تھا؟" خضر نے پوچھا۔

"اس اسکول کے پرنسپل ہیں جہاں میں نے جاب کی ہے۔"

"دراصل انہوں نے فون کر کے معذرت کی ہے کہ افسوس ناگزیر وجوہات کی بنا پر ہم آپ کی خدمات سے مستفید نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا کل سے اسکول مت آیئے گا۔" نرمل کمرے سے برتن اٹھائے باہر نکلی تھی اور اب ماہ نور کے پیچھے کھڑی شریر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"روما۔" ماہ نور نے مڑ کر اسے گھورا۔

"یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے ماہا۔ تم پریشان لگ رہی ہو کچھ۔"

اب کے خضر کا انداز سرسری نہ تھا بلکہ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کوئی ایسی خاص بات نہیں خضر بھائی۔ صبح پرنسپل صاحب نے مجھے ساری کلاسز کی ٹیچرز سے کوئسچن پیپرز جمع کر کے دراز میں رکھنے کے لیے دیے تھے۔ میں نے ان کی میز کی دراز میں رکھ دیئے تھے۔ لیکن وہ کہہ رہے ہیں کہ دراز میں کوئسچن پیپرز والی فائل نہیں ہے جبکہ وہ بندہ جس نے پیپرز پرنٹ کرنے تھے وہ اس وقت آفس میں موجود ہے۔ اور پیپرز آج چھاپنے کے لیے دینا ازحد ضروری ہے۔ جبکہ دو چار دن بعد سیکنڈ ٹرم کے پیپرز شروع ہو رہے ہیں۔ بچوں کو ڈیٹ شیٹ دی جا چکی ہے۔" ماہ نور نے تفصیل بتائی۔

"وہ میں نے ان کی ٹیبل کی دراز میں ہی رکھے تھے۔ معلوم نہیں کیوں سر کو نہیں مل رہے۔"

"چلو خیر مل جائیں گے تم پریشان مت ہو اور بتاؤ کیا پروگرام ہے تم نے میرے ساتھ گھر چلنے کو کہا تھا۔" خضر نے دادی کا پاندان کھول کر چھالیہ تلاش کی۔

جانا تو تھا بہت دن ہو گئے تھے علینہ اور اریج سے ملے۔ عینی فون پر بہت ناراض ہو رہی تھی۔ وہ ایک لمحہ کو جھجکی۔

"وہ ذاکر صاحب کہہ رہے تھے کہ پیپرز آج ہی چھپنے کے لیے دینا ضروری نہیں۔ لہٰذا میں ابھی جا کر انہیں پیپرز والی فائل تلاش کر کے دوں۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہیں آفس میں۔ کل چھٹی ہے اور۔۔۔"

خضر چونکا۔ "انہوں نے تمہیں اس وقت اسکول بلایا ہے۔"

"ہوں۔" ماہ نور نے سر ہلا دیا۔

"دراصل یہ بھی خواہ مخواہ نئے ٹیچرز کو تنگ کر کے ان پر رعب ڈالنے کا طریقہ ہے۔ بائے دی وے یہ حضرت کس طرح کے انسان ہیں۔"

"ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت ہیں۔ اور ٹیچرز کے ساتھ بھی ان کا رویہ کافی سخت ہے۔ لیکن حنا کی باجی کہہ رہی تھیں کہ ویسے برے نہیں ہیں۔ اچھے آدمی ہیں۔ تنخواہ کے سلسلے میں عام پرائیویٹ اسکولز کی طرح تنگ نہیں کرتے۔ ٹیچرز کی اچھی کارکردگی کو سراہتے ہیں۔ سیلری بھی بڑھا دیتے ہیں۔"

"ہوں۔۔۔" خضر نے لمحہ بھر کو سوچا۔ وہ یہ جاب چھوڑنا نہیں چاہتی تھی خضر بھی جانتا تھا۔

"تو تیار ہو جاؤ تم راستے میں تمہارے ذاکر صاحب سے بھی نبٹ لیں گے۔"

"اوہ۔۔۔ تھینک یو۔" ماہ نور کے چہرے پر رنگ دوڑ گئے۔

"چلو اب مکھن مت لگاؤ اور تیار ہو جاؤ۔"

"مگر ابھی اماں سے تو پوچھا ہی نہیں۔ وہاں سے ہی پھر آپ کے ساتھ چلی جاؤں گی۔"

"پوچھ لو بھئی کیا پھپھو روکیں گی تمہیں ہمارے گھر جانے سے۔"

"نہیں تو اماں نے کبھی نہیں روکا۔"

"یعنی تم خود ہی الٹی سیدھی باتیں سوچتی رہتی ہو۔ زیادہ جانا اچھا نہیں۔ آنٹی کیا سوچیں گی۔ علینہ اور اریج۔"

اس نے آواز باریک کر کے نقل اتاری تو وہ ہنس دی۔ ہنسنے میں اس کی آنکھوں میں دیئے سے جل اٹھے تھے اور رخساروں پر جیسے بھنور بن کر ڈوب گئے تھے۔ خضر ایک لمحہ کو کھو سا گیا۔ اور وہ ہنستی ہوئی اندر کمرے میں نصیر احمد خان اور اماں سے اجازت لینے چلی۔ اور حسب معمول اماں نے تاکید کی کہ وہ رات گھر واپس آ جائے حالانکہ اس کا ارادہ تھا کہ رات علینہ کے پاس ہی رہ جائے گی اور دونوں خوب باتیں کریں گے۔

"ٹھیک ہے اماں آ جاؤں گی آپ خضر بھائی سے کہہ دیں چھوڑ جائیں گے مجھے۔" تیار ہو کر اماں کو خدا حافظ کہہ کر دادی کو پیار کر کے اور ابا سے مل کر وہ باہر آئی تو خضر ابھی تک تخت پر بیٹھا تھا اور نرمل مومل زوبی دانیال سب اس کے گرد بیٹھے تھے اور وہ غالباً انہیں لطیفے سنا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"تھوڑی دیر تو بیٹھیں نا خضر بھائی۔" زوہیب نے روکا۔

"میرے پاس لطیفوں کی ایک بڑی اچھی کتاب ہے۔"

"پھر آؤں گا یار اور تمہاری کتاب بھی دیکھوں گا۔" وہ اس کے گال تھپتھپا کر سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکلا۔ ماہ نور اس کے پیچھے تھی۔ گاڑی ہمیشہ کی طرح اس نے گھر کے پچھلے میدان میں پارک کی تھی۔ جہاں کنسٹرکشن کا کام ہو رہا تھا۔ اس نے لاک کھولتے ہوئے ماہ نور کی طرف دیکھا اس نے گاڑی کے پچھلے دروازے پر ہاتھ رکھا۔

"میرے خیال میں ہر بار یہ بتانا ضروری نہیں ہوتا ماہ کہ میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔" وہ خفیف سی ہو گئی اور چکر کاٹ کر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ وہ زیر لب مسکرایا۔

"اب گائیڈ کیجئے محترمہ کس طرف جانا ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر دھیمے سے مسکرایا۔

"پتا نہیں آج خضر بھائی ایسے عجیب کیوں لگ رہے ہیں۔ کچھ شوخ سے۔" ماہ نور نے سوچا اور اسے اسکول کے متعلق بتانے لگی۔

”عمارت تو شاندار ہے۔“ اسکول کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے خضر نے تبصرہ کیا۔

”یہ پرائیویٹ اسکولوں کا بزنس بھی خوب ترقی پر ہے۔“ گاڑی روک کے اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”کیا یہاں سیکنڈ شفٹ بھی ہوتی ہے۔“

”نہیں لیکن سر کہہ رہے تھے کہ وہ بہت جلد سیکنڈ شفٹ بھی شروع کر دیں گے۔“ ماہ نور نے جا کر چوکیدار کی طرف دیکھا۔

”سر ہیں یا چلے گئے ہیں۔“

”جی آفس میں ہیں۔ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ چوکیدار نے کہا۔

بڑی سی ٹیبل کے پیچھے ذاکر صاحب تقریباً ”چھپے ہوئے تھے۔

”مے آئی کم ان سر۔“

”یس.... یس مس خان میں آپ کا ہی منتظر تھا۔“ ان کی آواز میں چہکار تھی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک ماہ نور پر سے ہوتی ہوئی ان کی نظر خضر پر پڑی اور سیٹی بجانے کے انداز میں انہوں نے ہونٹ سکوڑے اور اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئے۔

”سر یہ میرے کزن ہیں خضر افضال حیدر۔ اتفاق سے گھر پر تھے تو ان کے ساتھ چلی آئی ورنہ اس وقت آنا بہت مشکل تھا میرے لیے۔“

”اوہ۔ ہاں آپ کو زحمت ہوئی مس خان لیکن یہ بہت ضروری تھا۔ بیٹھیے مسٹر خضر افضال حیدر صاحب۔“ ٹیبل کے پیچھے سے بیٹھے بیٹھے انہوں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

”اور مس خان پلیز آپ دیکھیں کہاں رکھی تھی کوئسچن پیپرز والی فائل۔ بیچارے احسان صاحب ابھی گئے ہیں۔ میں نے انہیں گھنٹے بعد پھر آنے کو کہا ہے۔“

”یہاں تو نہیں ہے سر۔“ ماہ نور دراز کھولے کھڑی تھی جس میں دو چار فائلیں پڑی تھیں۔ ”سر میں نے تو اسی دراز میں رکھی تھی۔ ان فائلوں کے اوپر فائل رکھی تھی۔“

ماہ نور روہانسی ہو گئی۔

”ماہ نور وہاں الماری میں دیکھ لو۔“ خضر نے نرمی سے کہا اور کمرے کے دائیں کونے میں پڑی الماری کی طرف اشارا کیا۔ ماہ نور نے سوالیہ نظروں سے ذاکر صاحب کی طرف دیکھا۔

”ہاں‘ ہاں دیکھ لیں شاید آپ نے ادھر رکھ دیئے ہوں۔“ ماہ نور نے ہینڈل گھمایا۔ سامنے ہی اوپر والے خانے میں وہ گرین فائل پڑی تھی جس میں ہر کلاس کے کوئسچن پیپرز تھے۔

”سر یہ رہی فائل۔“ ماہ نور نے فائل نکال کر ٹیبل پر رکھی۔

”یہ غیر ذمہ داری ہے مس خان جب میں نے آپ کو دراز میں رکھنے کے لیے کہے تھے تو آپ نے کپ بورڈ میں کیوں رکھے۔“

”نہیں سر میں نے دراز میں ہی رکھے تھے کیا خبر غلام علی نے رکھ دیئے ہوں۔“

”غلام علی دس سالوں سے یہاں پیون ہے وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔“ ذاکر صاحب کی پیشانی پر ناگواری سے لکیریں سی پڑ گئی تھیں۔

”آپ جانتی ہیں ٹیچرز نے کتنی محنت سے انہیں تیار کیا۔ کتنا وقت ضائع ہوا۔ اپنی کلاسز چھوڑیں اور....“

”سوری سر.... لیکن میں نے....“

”اوکے ماہ۔ غلطی ہو جاتی ہے انسان سے آئندہ دھیان رکھنا۔“ خضر کھڑا ہو گیا۔

”ارے بیٹھیے۔ آپ تو کھڑے ہو گئے میں چائے منگواتا ہوں۔“

”نہیں.... شکریہ ذاکر صاحب۔“ خضر نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے پہلے کی طرح میز کے پیچھے سے بیٹھے بیٹھے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ عجیب لجلجا سا ہاتھ تھا۔ خضر نے فوراً ”ہی ہاتھ چھوڑ دیا۔

”او پتا نہیں خضر بھائی بھی مجھے ہی غیر ذمہ دار سمجھ رہے ہوں گے۔“ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ماہ نور نے سوچا۔

”آپ یقین کریں خضر بھائی میں نے فائل دراز میں ہی رکھی تھی۔“

”اوکے ماہا اب رونے مت بیٹھ جانا۔ آئی نو تم نے دراز میں ہی رکھے ہوں گے۔“ خضر نے گاڑی مین روڈ پر لاتے ہوئے ماہ نور کی طرف دیکھا۔ جس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

”اور فائل الماری میں کس نے رکھی ہے یہ بھی جان گیا ہوں۔ لیکن تمہیں اگر جاب کرنا ہے تو اپنے اندر حوصلہ اور اعتماد پیدا کرو۔ جاب کرنا خواہ وہ ایک پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ ہی کیوں نہ ہو۔ تم جیسی لڑکی کے لیے بہت مشکل ہے۔ لیکن جب ارادہ کیا ہے تو تھوڑی سی ہمت پیدا کرلو۔ یہ شخص مجھے بہت شاطر لگ رہا ہے۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھنا اگر پھر کبھی یہ آفٹر ٹائم بلائے تو ہرگز مت جانا۔ اور جاب کی فکر نہ کرنا کہ چھوٹ جائے گی جب انسان کوئی ارادہ کرلیتا ہے تو راستے خود بخود بن جاتے ہیں۔ کیا خبر اس سے بہتر جاب مل جائے۔“ اور ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ اسے خضر کی یہ بات بہت پسند تھی کہ اس نے کبھی بے حوصلہ نہیں کیا تھا ہمیشہ حوصلہ بڑھایا تھا۔ اور ساتھ دیا تھا۔ اس کی سوچ بہت مثبت تھی اور اس سے بات کرکے اسے کبھی اپنی بے مائیگی کا احساس نہیں ہوا تھا۔

”ویسے خاتون اب آپ جاب کر رہی ہیں ان قیمتی موتیوں کو لٹایا مت کیجئے۔“ خضر اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ جھینپ گئی۔ پتا نہیں کیوں اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں تھا حالانکہ وہ بڑے بڑے کام کرنا چاہتی تھی۔ اس کے ارادے بہت بلند تھے اسے نصیر احمد خان کے خوابوں کو پورا کرنا تھا۔ اس نے سوچا تھا اسے جتنی بھی محنت کرنا پڑے گی کرے گی اور سب کو اعلیٰ تعلیم دلوائے گی۔

”زندگی گزارنا آسان نہیں ہے ماہا۔ یہاں قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں۔ کمزور لوگوں کو دنیا بہت دباتی ہے پیس ڈالتی ہے۔ کبھی کسی کو احساس مت ہونے دینا کہ تم کمزور ہو۔ خوفزدہ ہو۔ مجبور ہو۔ لوگ مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اپنے اندر اعتماد اور حوصلہ پیدا کرو۔ اتنی ہمت اور حوصلہ کہ اپنی طرف اٹھتے ہوئے ہاتھ کو روک سکو۔“

بات کرتے کرتے خضر نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا وہ تو جیسے اس کے دل میں جھانک رہا تھا اور شاید اس نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔ اور یہ آج سے نہیں ہمیشہ سے تھا۔ جانے خضر کو اس کی چور سوچیں بھی کیسے پتا چل جاتی تھیں۔ وہ ہمیشہ اس کے دل میں جھانک لیا کرتا تھا۔

”اور ماہا.... زندگی میں کبھی کوئی مشکل مرحلہ آئے تو جھجکنا مت۔ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ اور میں ہی نہیں‘ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ مجھے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن پھر بھی کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے ہم سب کی بے انتہا منتوں اور خلوص کے باوجود تم خود کو ایک فاصلے پر کھڑا کرکے تکلف میں جکڑ لیتی ہو اب یہ جاب کا مسئلہ ہی لے لو تم مجھ سے کہہ سکتی تھیں کہ تم جاب کرنا چاہتی ہو تو میں دیکھتا تمہارے لیے کوئی بہتر جاب۔“

اس کے لہجے میں ہلکا سا گلہ در آیا تو ماہ نور نے فوراً ”اسے روک دیا۔

”نہیں ایسا بالکل نہیں ہے خضر بھائی۔ ہمارا سوائے آپ کے اور ہے ہی کون۔ ہم ہر مشکل میں آپ ہی کی طرف دیکھتے ہیں۔ جاب تو بس اچانک ملی۔ آپ کو بتا تو چکی ہوں ساری تفصیل۔“

”اوکے....“ خضر سامنے سڑک کی طرف دیکھ رہا تھا۔

یہ شخص ذاکر اسے بہت مکار سا لگا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں بڑی شیطانی سی چمک محسوس ہوئی تھی اسے اور ایک لمحے میں جان لیا تھا اس نے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ ماہ نور نے فائل دراز میں ہی رکھی ہو گی وہ چاہتا تو ماہ نور کو منع کر دیتا جاب کرنے سے وہ ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا تھا۔ لیکن وہ ان کی خودداری یا انا کو مجروح

نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماہ نور یا کوئی اور اس کی اس طرح کی پیش کش قبول نہیں کرے گا۔ منصور نے جب پڑھائی چھوڑ کر جاب کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس نے منصور سے کہا تھا کہ اسے جاب کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اس کے تعلیمی اخراجات وہ برداشت کرلے گا لیکن اس نے سہولت سے منع کردیا تھا۔ اور تب وہ خاموش ہوگیا تھا۔ کیونکہ وہ انہیں سربلند اور پراعتماد دیکھنا چاہتا تھا۔ ذاکر کی گفتگو سن کر اس نے اپنے غصے پر بمشکل قابو پایا تھا اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ ایسے لوگوں کی غلیظ نظروں سے ماہ نور کو بچالیتا۔

"آپ کیا سوچنے لگے خضر بھائی۔" ماہ نور نے پوچھا تو وہ چونک پڑا۔

"کچھ خاص نہیں۔"

وہ اپنے اس جذبے سے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا لیکن ماہ نور سے اسے ایک خاص انسیت تھی۔ باقیوں کی نسبت کچھ زیادہ یوں طیبہ پھوپھو کے گھر کے ہر فرد سے اسے محبت تھی۔

خضر کا دل کچھ عجب طرح سے دھڑکا اور وہ حیران سا اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر سامنے دیکھنے لگا۔ یہ آج دل کیوں اس طرح دھڑک رہا ہے۔ یہ کیسا انوکھا سا جذبہ پیدا ہو رہا ہے دل میں۔ اس سے پہلے تو...... اس نے کن انکھیوں سے ماہ نور کی طرف دیکھا وہ لاپرواہ سے انداز میں باہر دیکھ رہی تھی۔

یک دم اس کا جی چاہا وہ ماہ نور کو لے کر سمندر کی طرف نکل جائے۔ اور پھر اس کے ساتھ ریت پر ٹہلتے ہوئے۔ بہت ساری باتیں کرے۔

"یہ سب کیا ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔ "میں بھی کس قدر احمقانہ باتیں سوچنے لگا ہوں۔ اور یہ ماہ نور ہی تو ہے جسے اس سے پہلے میں سینکڑوں بار دیکھ چکا ہوں۔ اور گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کی ہیں۔ ماہ نور بہت خوبصورت ہے، بہت پرکشش ہے۔ یہ بات تو اسے پہلے بھی پتا ہے پھر نیا کیا ہے؟ شاید نیا وہ جذبہ ہے، جو ذاکر صاحب کی آنکھوں میں وہ شیطانی چمک دیکھ کر یکدم ہی اندر کہیں لو دینے لگا تھا۔"

اس نے خود کو پھر دلیل دی۔ "ماہ نور اس قدر سادہ اور معصوم ہے کہ اس کا جاب میں آنا مجھے ڈسٹرب کر رہا ہے۔ دراصل میں اس کے لیے فکرمند ہو رہا ہوں اور شاید اسے تحفظ دینا چاہتا ہوں تو میں اس طرح سوچنے لگا ہوں۔"

اس دلیل نے اسے مطمئن کردیا اور اس نے یک دم اسپیڈ بڑھادی۔

"خضر بھائی آپ مجھے گھر ہی لے جا رہے ہیں نا یا دوسرے جہاں۔" ماہ نور نے گھبرا کر کہا تو اس نے اسپیڈ آہستہ کردی اور گھر کے گیٹ پر آکر ہارن بجایا۔

"لیجیے خاتون آپ کو گھر پہنچادیا۔"

"یہ آپ مجھے آج "خاتون خاتون" کہہ کر کیوں بلا رہے ہیں۔ سیدھی طرح "ماہا" کہہ کر کیوں نہیں بلاتے۔" گاڑی سے اترتے ہوئے ماہ نور نے کہا اور جواب کا انتظار کیے بغیر تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اندر چلی گئی۔ گاڑی لاک کرکے مسکراتا ہوا خضر بھی اس کے پیچھے آیا ٹی وی لاؤنج میں ممانی اور اریج بیٹھی تھیں۔

"ارے ماہا باجی۔"

اریج نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

"اور کون ہے آپ کے ساتھ نرمل بھی ہے۔"

"نہیں میں خضر بھائی کے ساتھ آئی ہوں۔" وہ اریج کو پیار کرکے ممانی کے پاس آئی۔

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام طیبہ کیسی ہے اور بھائی صاحب کا کیا حال ہے۔"

"اماں تو ٹھیک ہیں ابا بس ایسے ہی ہیں۔ پچھلے دنوں تو بی پی بہت ہائی رہنے لگا تھا۔" لمحہ بھر کو ماہ نور اداس ہوئی۔ اور پھر مڑ کر اریج کی طرف دیکھا۔

"عینی کہاں ہے؟"

"بجو اپنے کمرے میں ہی ہیں۔ میں بتاتی ہوں انہیں، بہت یاد کر رہی تھیں۔ بلکہ ہم سوچ رہے تھے کل چھٹی ہے تو آپ کی طرف آئیں گے۔"

اریج نے کھڑے کھڑے بتایا اور اریج کے کمرے کی طرف مڑی۔ تب ہی خضر کی رنگ انگلی میں گھماتا اور کسی گانے کے بول گنگناتا ہوا ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا۔ ممانے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور پھر بہت مطمئن سی بیٹھی ماہ نور کو......

"تم اگر ادھر جا رہے تھے پھپھو کی طرف تو بتا کر جاتے میں بھی مل آتی سب سے جب سے تمہارے ڈیڈی گئے ہیں جانا ہی نہیں ہوسکا۔"

"سوری مما اچانک ہی پروگرام بنا۔ منصور سے کچھ کام تھا آفس سے اٹھا تو ادھر چلا گیا۔"

"جب آپ نے جانا ہو بتادیجیے گا لے جاؤں گا اور یہ ولید کدھر ہوتا ہے آج کل نظر ہی نہیں آتا۔ آپ اس کے ساتھ بھی تو جاسکتی ہیں۔ مجھے تو ان دنوں آفس میں اکثر دیر ہوجاتی ہے۔ بہرحال کل چھٹی ہے لے چلوں گا۔"

"ہاں ولید کے ساتھ بھی جاسکتی ہوں اور عینی اریج کے ساتھ بھی۔ وہ تو میں نے یوں کہا کہ تم جا رہے تھے تو لے چلتے۔" انہوں نے کھوجتی نظروں سے خضر کو دیکھا اور پھر قدرے مطمئن ہو کر ماہ نور کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ اور منصور نرمل، مومل، وغیرہ کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔

"بدتمیز اتنے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔" علینہ نے آتے ہی اسے دھمو کا لگایا۔

"بس اسی وجہ سے میں نہیں آرہی تھی۔" ماہ نور مسکرائی۔ "تمہارے ان دھموکوں کے خوف سے اور تمہارے کیا پاؤں میں مہندی لگی تھی۔" ماہ نور نے شکوہ کیا۔

"یار اتنی مصروفیت رہی کیا بتاؤں۔ ابھی تک تو ایڈجسٹ ہی نہیں ہو پا رہی۔ تمہارے بغیر ذرا جی نہیں لگتا۔ ایک بھی بندہ کام کا نہیں ہے ڈپارٹمنٹ میں۔"

"کیا اپنی دوستوں میں سے کوئی نہیں۔" ماہ نور نے اس کی بات کاٹی۔

"نہیں میرے ڈپارٹمنٹ میں تو کوئی نہیں۔" اس نے منہ بسورا۔

"ابھی نئی بات ہے۔ ہولے ہولے سب اچھی لگنے لگیں گی۔ اجنبیت ختم ہوگئی تو کوئی خامی نہیں دکھے گی۔"

"اور تم نے نہیں لیا نا ایڈمیشن۔"

اس نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی ماہ نور نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ آسمانی رنگ کی چکن کی ہاف سلیوز شرٹ دبلا پتلا نازک سا سراپا گلابی رنگت اور دلکش براؤن آنکھیں خوبصورت قد، شانوں تک کٹے بال، براؤن آنکھوں میں ہلکی سرخی تھی غالباً "ابھی سو کر اٹھی تھی۔ چہرے کے رنگوں میں بے نیازی اور استغنا کے رنگ گہرے تھے۔ زندگی میں کسی چیز کی کوئی کمی نہ تھی خدا نے ہر طرح سے اسے نوازا تھا۔ حسن، دولت سبھی کچھ تو تھا پھر بھلا وہ اس کے کرب کو کیسے محسوس کرسکتی تھی۔

"یہ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے۔" علینہ ہنسی تو اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"نہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں کس طرح سمجھاؤں کہ میرے لیے ایڈمیشن لینا ممکن نہ تھا۔ ویسے تم بہت پیاری لگ رہی ہو۔"

"اچھا اب مکھن مت لگاؤ چلو کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

علینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

اور وہ اسی طرح ہاتھ پکڑے اسے کمرے میں لے گئی۔

"تم نے ایڈمیشن نہیں لیا تو کیا کرتی رہتی ہو سارا دن......"

"میں نے جاب کرلی ہے۔ ایک اسکول میں۔"

"Pay کتنی ہے۔"

"پانچ ہزار ہے۔"

"لیکن یہ کم نہیں ہے۔"

"اسٹارٹ میں تو یہ کافی زیادہ ہے پھر پرائیویٹ اسکول ہے بی ایس سی کی وجہ سے اتنی پے بھی دی ہے بی اے بی ایڈ کو وہ اس سے کم دے رہے ہیں۔"

"اتنی مغزماری کرو اور تنخواہ اتنی کم۔۔۔ مجھے سچی بہت افسوس ہے تمہارے اڈمیشن نہ لینے کا۔"

اس نے پھر اظہار افسوس کیا اور اپنے ڈپارٹمنٹ کی لڑکیوں کے متعلق بتانے لگی۔

"بس ایک ندا ہی کچھ اچھی لگی ہے مجھے۔ میرے خیال میں اس کے ساتھ دوستی ہو سکتی ہے۔ تم چلو نا کسی روز اپنے اسکول سے چھٹی لے کر تمہیں ملواؤں گی سب سے۔"

"اسفر بھائی کا فون ہے۔" اریج نے دروازے سے جھانک کر بتایا۔ علینہ اسے وہاں ہی رکنے کا کہہ کر خود فون سننے چلی گئی۔

"آپ روما کو بھی لے آتیں۔"

"روما کو اس وقت ٹیوشن پڑھانا ہوتی ہے۔ پھر اماں کو بھی کوئی کام ہو سکتا ہے۔ روما پھر کسی دن آجائے گی۔ تم لوگ چکر لگاؤ نا۔"

"ہاں ہم سوچ رہے تھے لیکن خالہ جان کے آنے کی وجہ سے مصروفیت بڑھ گئی ہے۔ یا تو وہ آجاتی ہیں یا پھر مما ان سے ملنے چل دیتی ہیں۔"

"خالہ جان ابھی رہیں گی نا ادھر۔"

"ہاں اس دفعہ تو لمبا ٹور ہے ان کا۔"

تب ہی علینہ آگئی اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان تھی اور آنکھوں میں ستارے دمک رہے تھے۔

"کیا کہہ رہے تھے اسفر بھائی؟" اریج نے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں بس خیریت ہی پوچھ رہے تھے سب کی۔"

"آنے کا پروگرام نہیں ہے کیا؟" اریج اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"امریکہ جانے سے پہلے شاید ملنے آئیں گے۔" علینہ ماہ نور کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ویسے اسفر بھائی ہیں بہت بے وفا۔" ماہ نور نے رائے دی۔ "وہاں جا کر بھلا دیا سب کو۔"

"نہیں دراصل وہ کچھ اپ سیٹ ہیں۔" علینہ نے اس کا دفاع کیا۔

ماہ نور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دراصل وہ وہاں ابھی تک ایڈجسٹ نہیں ہو سکے اور پھر امریکہ جانے کے سلسلے میں ان کے انکل سے کچھ اختلافات ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے کچھ پریشان رہتے ہیں ورنہ بقول ان کے وہ کراچی اور کراچی والوں کو نہیں بھولے۔"

"کراچی والوں کو یا صرف تمہیں۔" ماہ نور نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"فضول مت بولو۔ تمہیں پتا ہے وہ اس طرح کی باتیں نہیں کرتے۔" علینہ کے چہرے پر ہلکا سا افسردگی کا تاثر ابھرا اور پھر معدوم ہو گیا۔

ماہ نور جانتی تھی۔ وہ اسفر کو بہت پسند کرتی ہے۔ اس کے دل میں اسفر کے لیے جو جذبہ تھا وہ اس نے ماہ نور سے کبھی نہیں چھپایا تھا۔ جب سے اسفر لاہور گئے تھے وہ انہیں بہت مس کرتی تھی۔

"اور شاید یہ محبت ہے۔" ایک روز اس نے ماہ نور سے کہا۔

"حالانکہ ہمارے درمیان اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اس ایک شخص کے چلے جانے سے

گھر میں بہت کمی محسوس ہونے لگی ہے۔"

"بچپن کا ساتھ تھا شاید اس لیے پھر اسفر بھائی تھے بھی تو بہت اچھے ہر ایک کا خیال رکھنے والے۔"

ماہ نور نے خود ہی سوچ لیا تھا لیکن اب علینہ کے چہرے پر پھیلے رنگ تو کچھ اور کہہ رہے تھے لیکن آنٹی تو اسفر بھائی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ پھر یہ بات ماہ نور کو ہی نہیں سب کو ہی پتا تھی خود اسفر جب جا رہے تھے تو انہوں نے طیبہ خاتون کو بتایا تھا کہ ممانی کو شاید ان کا یہاں رہنا پسند نہیں ہے۔ ماں جی کے بعد ان کا رویہ بہت بدل گیا ہے۔ ورنہ انہوں نے تو کبھی لاہور جا کر رہنے کا سوچا ہی نہیں تھا۔

"خواتین آج شاید خوشخبریوں کا دن ہے۔" اریج نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"کیا۔۔۔" دونوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پہلی خوشخبری تھی ماہا باجی کا آنا۔ دوسری خوشخبری اسفر بھائی کا فون اور تیسری خوشخبری حمنہ آنٹی کینیڈا سے آکر لاہور سیٹل ہو گئی ہیں۔ ان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھیں جلد ہی ملنے آئیں گی۔"

"رئیلی مجھے حمنہ آنٹی سے ملنے کا بہت شوق ہے۔" ماہ نور نے ایک دم خوش ہو کر کہا۔

"اماں ان کی بے حد تعریف کرتی ہیں اور اکثر ان کی اور عذرا خالہ کی باتیں بھی کرتی رہتی ہیں۔"

"سچی ماہا باجی مجھے بڑا فخر محسوس ہوتا ہے جب میں کسی کو بتاتی ہوں کہ میری ایک پھپھو ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ آپ نے تو وہ فوٹو بھی نہیں دیکھے ہوں گے جو حمنہ پھپھو نے بھجوائے تھے کینیڈا سے۔ اتنے دنوں بعد جو آئی ہیں۔" اریج نے پوچھا۔ ماہ نور نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ابھی لاتی ہوں۔" اریج باہر چلی گئی اور ماہ نور علینہ کی طرف متوجہ ہو گئی جو تکیہ گود میں رکھے دونوں بازو اس کے گرد لپیٹے مسکرا رہی تھی۔

"کیسی ہو بیٹا۔" سمن نے جونہی آنکھیں کھولیں۔ اسفر نے ایک دم اس کے بیڈ کی پٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے جھک کر پوچھا۔

"کیا ہوا تھا مجھے۔" سمن نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی لیکن سر بہت بھاری ہو رہا تھا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا آ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ مت اٹھو۔ لیٹی رہو۔" انہوں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پھر لٹا دیا۔ سمن نے یونہی لیٹے لیٹے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ یہ اس کا کمرہ نہیں تھا۔ یہ تو شاید کسی ہاسپٹل کا کوئی روم تھا۔

"لیکن میں کہاں ہوں۔ مجھے کیا ہوا تھا؟" اس نے الجھی الجھی نظروں سے اسفر کو دیکھا۔ "سومی بیٹا اپنے ذہن پر زور مت ڈالو۔ تمہاری طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی اس لیے تمہیں یہاں ہاسپٹل لانا پڑا۔" اسفر نے نرمی سے کہا۔

"میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" اس نے زیر لب کہا جیسے اپنے آپ سے بات کر رہی ہو۔

"ہاں گڑیا۔ لیکن اس وقت ابھی کچھ مت سوچو۔" اسفر بھائی کا یہ انداز اس طرح تو پہلے کبھی انہوں نے نہیں بلایا۔ یہ اتنی شفقت اتنی محبت۔ میرے ساتھ کیا ہوا ہے اور یہاں صرف اسفر بھائی کیوں ہیں۔ باقی لوگ کہاں ہیں۔ امی جان، آنی موبی ابا جان، اور یک دم جیسے اس کے ذہن میں روشنی کا جھماکا سا ہوا اور اسے سب کچھ یاد آیا۔ ایک ایک بات۔

تو وہ بچ کیسے گئی اس نے تو سوچا تھا کہ وہ ابا جی کو بتا دے گی کہ وہ غلط ہیں۔ اور ان کا رویہ صحیح نہیں ہے۔ اپنی جان دے کر انہیں احساس دلا دے گی کہ وہ۔۔۔

اس روز وہ خوش تھی۔ اسے یقین تھا کہ اسفر بھائی ابا جی کو قائل کر لیں گے حالانکہ انعم نے کہا بھی تھا کہ ابا جی کبھی بھی اسفی بھائی کی بات نہیں مانیں گے انہیں تو یوں بھی اسفی بھائی سے اتنے شکوے ہیں ان کی ہر بات پر

اعتراض ہوتا ہے انہیں۔ لیکن اس نے سوچا تھا نہیں یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ ابا جی اسفی بھائی کی بات نہ مانیں۔ لیکن انعم نے صحیح کہا تھا۔ رات کھانے کی میز پر اسفر بھائی نے اس کے متعلق بات کی۔

"سومی نے بہت اچھے نمبر لیے ہیں۔"

"ہاں لیکن بھائی جب تک رزلٹ نہ آئے اور آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں اس کی بات کا یقین مت کیجیے گا۔" مبشر نے آہستگی سے کہا لیکن سمن نے سن لیا اور غصے سے اسے دیکھا۔

آج بڑے دنوں بعد وہ سب کے ساتھ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ عذرا بیگم بہت پرسکون تھیں اسفر بھائی کھانے کی ٹیبل پر ساتھ ہوں تو کتنا اچھا لگتا ہے جیسے کہیں کوئی کمی نہیں ہے۔

اس نے باری باری عذرا بیگم اور اسفر کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور پھر مبشر کی طرف دیکھا جو خلاف معمول سنجیدہ لگ رہا تھا۔ یوں تو ابا جی کی موجودگی میں سب ہی سنجیدہ رہتے تھے لیکن آج مبشر کا چہرا کچھ اترا ہوا سا تھا اگرچہ وہ دبے دبے لہجے میں ہنسی مذاق بھی کر رہا تھا کبھی مدثر سے کبھی اروناسے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ بھی جاری تھی پھر بھی اس کی شوخی میں اداسی کا رنگ گھلا ہوا تھا۔ ضرور اس کی ابا جی سے بات ہو چکی ہے لیکن خیر۔ سمن دل ہی دل میں مسکرائی۔ اسفر بھائی پہلے میری بات کر لیں پھر موبی کی بات کریں گے۔ موبی اور شادی کس قدر مضحکہ خیز بات ہے یہ۔ اس نے ہونٹوں پر آجانے والی بے اختیار مسکراہٹ کو چھپانے کے لیے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔

"پھر ابا جی آپ نے کیا سوچا ہے سومی کے لیے۔" اسفر نے ٹشو پیپر سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا۔

"کیا مطلب۔۔۔" ان کی سوالیہ نظریں اسفر کی طرف اٹھیں۔

"بیٹا تم یہ میٹھا تو لو۔۔۔ اور پھر اتنا کم کھایا ہے تم نے۔۔۔" عذرا بیگم نے انہیں ہاتھ پونچھتے دیکھ کر کہا۔

"نہیں امی جان میٹھے کا اس وقت جی نہیں چاہ رہا۔" عذرا بیگم کی بات کا جواب دے کر وہ میاں صلاح الدین کی طرف متوجہ ہوئے۔

"میرا مطلب ہے، سومی مزید پڑھنا چاہتی ہے اور اس نے اتنے اچھے مارکس لیے ہیں تو اسے ضرور پڑھنا چاہیے۔"

"میاں تم اپنے خیالات اپنے پاس رکھو۔ اسے کیا کرنا چاہیے۔ یہ میں بہتر جانتا ہوں۔"

"مگر ابا جی آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔ آج کل تو تعلیم کی اہمیت سے سب ہی آگاہ ہیں۔ علینہ اور اریج بھی تو پڑھ رہی ہیں۔"

"میں اپنے گھر کے حالات بہتر جانتا ہوں اسفر میاں۔ تم اس میں مداخلت نہ کرو۔" اسفر کا رنگ لحہ بھر کو بدلا لیکن ان کا لہجہ بدستور نرم تھا اور انداز مودب۔

"میں مداخلت نہیں کر رہا ابا جی میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ سومی کی اگر اتنی شدید خواہش ہے پڑھنے کی تو اسے اجازت دے دیں پھر یہ وقت اور زمانے کا تقاضا بھی ہے۔"

میاں صلاح الدین نے ہاتھ میں پکڑا چمچ پلیٹ میں رکھا اور بہت گہری نظروں سے اسفر کو دیکھا۔

"یہ مداخلت نہیں تو اور کیا ہے۔ تم اس گھر میں پلے بڑھے نہیں ہو۔ لہٰذا اس گھر کے طور طریقوں سے ناواقف ہو میں جتنی تعلیم انعم اور سمن کے لیے ضروری سمجھتا تھا وہ دلوا دی۔ اور اب مزید اس سلسلے میں کوئی بات نہیں سننا چاہوں گا۔"

"مگر کوئی وجہ بھی تو ہو ابا جی آخر کیوں۔" اسفر نے اس سے پہلے کبھی اس طرح ان سے بحث نہیں کی تھی۔ اپنے معاملے میں بھی ایک لفظ تک نہ کہا تھا۔ ہاں خاموشی سے اپنے طور پر کوشش کر رہے تھے۔ لیکن یہ سمن کا معاملہ تھا اسے وہ میاں صلاح الدین کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے کسی کالج میں ایڈمیشن نہیں دلوا سکتے تھے سو انہیں قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سمن نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا جو پریشان سی اسفر کو دیکھ رہی تھیں شاید وہ

چاہ رہی تھیں کہ اسفر میاں صلاح الدین سے بحث نہ کریں۔

"وجہ۔۔۔ میاں اس سے بڑی وجہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ کالجوں میں جا کر لڑکیوں کی حیا ختم ہو جاتی ہے۔ باپ دادا کی عزت کا پاس نہیں رہتا انہیں۔" میاں صلاح الدین کا لہجہ سخت تھا اور آواز بلند۔

"اور یہ جو ہزاروں لڑکیاں کالجوں میں پڑھتی ہیں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ علینہ ہیں، ماہ نور ہے اور پھر حمنہ خالہ نے آج سے کتنے سال پہلے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا وہ تو نہیں بگڑیں ان کی۔۔۔"

"خیر صاحبزادے ان کا تو آپ نام ہی نہ لیں۔" میاں صلاح الدین نے ان کی بات کاٹتے ہوئے تمسخرانہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"ہم جانتے ہیں کتنی حیا تھی ان میں اور یوں بھی کون سا وہ پھوپھی جان کی۔۔۔"

"آپ بھی کمال کرتے ہیں میاں صاحب۔" عذرا بیگم نے یک دم ان کی بات کاٹی۔

"بچوں سے کیا باتیں لے بیٹھے۔ اور اسفر تم۔۔۔" انہوں نے اسفر کی طرف دیکھا۔ "ختم کرو یہ بحث۔ جب جانتے ہو کہ تمہارے ابا جی کو لڑکیوں کی زیادہ تعلیم پسند نہیں ہے تو کیوں الجھتے ہو۔"

"امی جان یہ سمن کی خواہش ہے۔ آرزو ہے اس کی اور پھر میں اس میں کوئی برائی نہیں سمجھتا۔ تعلیم تو لڑکیوں کے ذہن کو کشادہ کرتی ہے۔ باشعور بناتی ہے۔ اعتماد دیتی ہے انہیں مضبوط کرتی ہے۔"

"بس۔۔۔ بس مزید کچھ نہیں سنوں گا۔ جب تمہاری اولاد ہو گی تو اپنی بیٹیوں کو دلانا بے غیرتی کی تعلیم مجھے مت کوئی سبق دو۔ بگاڑ کر رکھ دیا ہے پھپھو جان نے تمہیں۔" میاں صلاح الدین ہاتھ پونچھتے ہوئے کھڑے ہو گئے ضبط کی کوشش میں اسفر کا رنگ سرخ پڑ گیا۔ سمن نے ٹرائفل کا باؤل ٹیبل پر رکھ دیا تھا اور بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسفر نے اس کی طرف دیکھا تو ایک بار پھر میاں صلاح الدین سے کہا۔

"ابا جی آپ خوامخواہ ضد کر رہے ہیں۔ سمن ابھی۔"

"اسفر۔۔۔" میاں صلاح الدین کی آواز بہت بلند تھی۔ "سمن میری بیٹی ہے اور میں بہتر جانتا ہوں کہ مجھے اس کی بہتری کے لیے کیا کرنا ہے۔" ان کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں پڑ گئی تھیں اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"تمہارا اس گھر سے صرف اتنا ہی تعلق ہے کہ تم یہاں رہتے ہو۔ کھاتے پیتے ہو۔ اور اپنی ضروریات پوری کرتے ہو۔ اس کے علاوہ مزید کسی معاملے میں تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

سمن نے اسفر کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھا اور تقریباً بھاگتی ہوئی ڈائننگ ہال سے باہر نکل گئی۔ اور اپنے کمرے میں آکر بستر پر گر کر رونے لگی کتنا یقین تھا اسے کتنی امید تھی کہ اسفر بھائی قائل کر لیں گے ابا جی کو۔۔۔ لیکن ابا جی کا دل تو شاید پتھروں سے بھی زیادہ سخت تھا اس سے تو اچھا تھا کہ اللہ میاں ابا جی کے سینے میں دل کی جگہ پتھر رکھ دیتے۔ آنسو تھے کہ بہے چلے جا رہے تھے۔

"سمن تم رو رہی ہو۔" انعم نے اندر جھانکا لیکن اس نے تکیے سے سر نہیں اٹھایا اور اس طرح روتی رہی۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا سومی اور دیکھا تم نے ابا جی نے کتنی انسلٹ کی ہے اسفر بھائی کی تمہاری وجہ سے، وہ تو پہلے ہی ان سے خفا رہتے ہیں۔" انعم اندر آکر اس کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئی تھی سمن نے سر اٹھا کر اسے دیکھا وہ بہت اداس اور دل گرفتہ لگ رہی تھی۔ شاید ابا جی نے اسفر بھائی کے ساتھ جس طرح کا رویہ اختیار کیا تھا وہ اسے تکلیف دے رہا تھا اور شاید وہ صحیح کہہ رہی تھی اس کی وجہ سے اسفر بھائی کی انسلٹ ہو گئی تھی اسفر بھائی پہلی بار اسے اپنے بہت قریب محسوس ہوئے تھے۔

وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی اور اور اس نے سوچا اسے اسفر بھائی سے معذرت کر لینی چاہیے۔ ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اسفر بھائی اب کہاں ہیں۔"

"اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ تمہارے آنے کے بعد بھی انہوں نے اباجی کو منانے کی کوشش کی۔ لیکن ابا جی۔ انہوں نے۔" انعم کی آواز بھرا گئی۔ "بہت بے عزتی کی اور بہت سخت سخت الفاظ استعمال کیے۔ جب ہم جانتے ہیں کہ اباجی نے کبھی کسی کی بات نہیں سنی ہمیشہ اپنی ہی منوائی ہے تو بے کار کی ضد اور بحث کا فائدہ لیکن اسفر بھائی تو نہیں جانتے تھے ناتم نے خوامخواہ ہی انہیں کہا۔"

"اباجی ایسے کیوں ہیں انعم۔" سمن نے انعم کی طرف دیکھا۔

"شاید ان کی تربیت ہی ایسی ہوئی ہے اور وہ خود کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔" انعم نے آہستگی سے کہا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"کہاں۔" انعم نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "اسفر بھائی کے پاس۔ میں سوری کرنے جارہی ہوں۔" انعم کو بتا کر پاؤں میں چپل ڈالتی ہوئی وہ اسفر کے کمرے میں آئی۔ آنکھیں موندے بیڈ سے ٹیک لگائے پتا نہیں وہ کیا سوچ رہے تھے۔ ان کی پیشانی پر لکیروں کا جال سا بنا تھا اور ہونٹوں میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ یہ سوچ کر کہ اس نے اسفر بھائی کو بے حد دکھی کردیا۔ اسے بے حد ندامت محسوس ہوئی۔

اسفر نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اور ہونٹوں میں دبے سگریٹ کو ایش ٹرے میں پھینک دیا۔

"سوری اسفی بھائی میری وجہ سے۔" آواز اس کے حلق میں پھنس گئی۔ اور آنسو رخساروں پر پھسل آئے۔

"پگلی۔" اسفر نے اٹھ کر ایک دم اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو تمہاری وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوا اور اباجی تو مجھے اس سے بھی۔۔۔" اور بات ادھوری چھوڑ کر وہ مسکرائے۔

"تم پریشان نہ ہو۔ میں نے پرامس کیا تھا نا تم سے میں پھر بات کروں گا ان سے۔ اس وقت تو وہ مزید بات سننے کے لیے تیار نہ تھے۔"

"نہیں پلیز اسفی بھائی نہیں آپ ان سے بات نہ کرنا۔"

"کیوں ارادہ بدل گیا۔ ہمت ہار دی۔" انہوں نے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے خوش مزاجی سے کہا۔ "چلو بیٹھو ادھر خبردار اب رونا نہیں بالکل۔" وہ بیٹھ گئی۔

"آپ خفا تو نہیں ہیں نا مجھ سے۔"

"بھلا میں نے کیوں خفا ہونا تھا۔ الٹی سیدھی باتیں مت سوچو۔

اب تم جا کر سو جاؤ۔ اور فضول باتیں مت سوچنا انشاء اللہ کچھ کروں گا۔ ہو جائے گا کچھ۔" اسفر شاید ابھی بھی پرامید تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح میاں صلاح الدین کو منالیں گے۔

وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے عذرا بیگم کے کمرے میں چلی گئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں دراز کھول کر والیم فائیو کی شیشی مٹھی میں داب لی۔ وہ جانتی تھی کہ کبھی کبھار عذرا بیگم والیم استعمال کرتی ہیں۔

"کیا ہے سوی۔" سلام پھیر کر انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"سر میں درد ہو رہا تھا ڈسپرین چاہیے تھی وہ لی ہے۔"

"میں نے تمہیں سمجھایا تھا بیٹا۔"

"سوری امی جان۔"

"ادھر آؤ میں دم کردوں۔"

وہ خاموشی سے ان کے پاس آکر کارپٹ پر بیٹھ گئی اپنی پیشانی پر ان کی انگلیوں کا لمس اسے بہت پرسکون سا لگا۔ اس کا جی چاہا عذرا بیگم یونہی اپنی نرم انگلیوں سے اس کا سر دباتی رہیں۔

"دودھ بھی پی لینا اور سو جانا جاگتی مت رہنا۔"

اس کی پیشانی پر پھونکتے ہوئے انہوں نے تاکید کی۔

"جی اچھا۔۔۔" دل بھر آیا تھا لیکن وہ ضبط کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اسفی کو بھی دیکھ لینا۔ رمضان سے کہنا دودھ ضرور دے آئے اسے۔ کھانا بھی تو کچھ نہیں کھایا تھا اس نے جانے کس جرم کی سزا مل رہی ہے اسے۔" ان کی آواز بھرا گئی۔ وہ اسفر پر ہونے والی زیادتیوں پر بہت کڑھتی تھیں۔ اتنی کم عمری میں اسے خود سے جدا کر کے انہوں نے جو زیادتی جو ظلم اس پر کیا تھا اس کی تلافی یوں ہو رہی تھی کہ وہ اس گھر میں اجنبی ہو کر رہ گئے تھے۔

"جی بہتر۔" وہ کمرے سے باہر نکلی تو اس نے میاں صلاح الدین کو فائلیں بغل میں دبائے ادھر آتے دیکھا۔ ان کی عادت تھی کہ وہ نماز وغیرہ اپنے لکھنے پڑھنے والے کمرے میں ہی پڑھتے تھے اور اپنا کام بھی وہاں ہی کرتے تھے۔ لیکن آج وہ رجسٹر اور فائلیں اٹھائے ادھر آرہے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ میاں صلاح الدین نے بھی اسے مخاطب نہیں کیا تھا۔ اپنے کمرے کے دروازے پر رک کر اس نے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا۔

"آپ کو کبھی بھی اپنی زیادتی کا احساس نہیں ہوتا لیکن اب شاید ہو جائے۔"

اس وقت تک اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی وہ انہیں دیکھتی رہی جب تک وہ اپنے کمرے میں نہیں چلے گئے۔ پھر وہ کچن تک آئی۔ رمضان سے کہا کہ وہ اسفی بھائی کے کمرے میں دودھ لے جائے اور پانی کا گلاس لے کر اپنے کمرے میں آگئی۔

اروبا اس کے بیڈ پر سو رہی تھی۔ اروبا کبھی تو اس کے پاس اور کبھی انعم کے پاس سو جاتی تھی۔ انعم اور سمن ایک ہی کمرے میں سوتی تھیں۔

"اور شاید تم جب میٹرک کرلو تو اباجی کو یاد آجائے یہ سب۔ جو میں کرنے جارہی ہوں تو وہ شاید تمہیں مزید پڑھنے سے نہ روکیں۔" اس نے جھک کر اروبا کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور مٹھی میں بھنچی والیم فائیو کی بوتل تکیے کے نیچے رکھ دی۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ عذرا بیگم کو اکثر نیند نہیں آتی تھی اور ڈاکٹر کی اجازت سے وہ کبھی کبھار آدھی ٹیبلٹ سونے سے پہلے لے لیتی تھیں۔

"اور خدا کرے آج امی جان کو اس کی ضرورت نہ پڑے۔" اس نے دل ہی دل میں دعا کی اور سوچا۔

"یہ دنیا کتنی خوبصورت اور رہنے کے قابل جگہ ہے۔ یہاں اس دنیا میں جہاں امی جان ہیں ان کی شفقت و محبت ہے۔ اسفی بھائی ہیں۔ مدثر ہے موبی ہے آپی اور اروبا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی کتنی گھٹن ہے یہاں کتنا حبس ہے۔ کاش اباجی اسفر بھائی کی بات مان لیتے تو۔

"یہ حرام موت ہے سمن۔" اندر کسی نے تنبیہہ کی لیکن اس نے اس آواز پر کان نہ دھرے۔ اس کے اندر بچپن سے ہی عجب طرح کی ضد تھی۔ عذرا بیگم کا خیال تھا کہ بچپن میں وہ جو بیمار رہی ہے تو شاید اسی لیے اتنی چڑچڑی اور ضدی ہو گئی ہے۔ ڈاکٹرز بھی کہتے تھے کہ وقت کے ساتھ ساتھ نارمل ہو جائے گی۔ بچپن میں انہوں نے میاں صلاح الدین سے چوری چھپے اس کی کئی ضدیں مانی تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اب وہ پہلے ایسی ضدی نہیں رہی لیکن یہ ضد تو اب بھی اس کے اندر موجود تھی۔ انعم ابھی تک کمرے میں نہیں آئی تھی۔ اس کی عادت تھی کہ وہ کچن کا سارا کام سمیٹ کر آتی تھی۔ رات کے برتن رات ہی دھلوا کر خشک کر کے سنبھال دیتی تھی پھر دہ ثر اور [illegible] کے کمرے میں دودھ رکھتی۔ اسفر سے پوچھتی کہ وہ کیا پئیں گے۔ انہیں دودھ پسند نہیں تھا۔ ہاں کبھی کبھار چائے یا کافی پی لیتے تھے۔ میاں صلاح الدین اور عذرا بیگم کو دودھ کے گلاس دے کر جب وہ کمرے میں آتی تو اکثر وہ پہلی ہوتی کیونکہ ان دنوں اسے پڑھنا نہیں ہوتا تھا۔

"سوری آپی مجھے پتا ہے تمہیں بہت دکھ ہوگا اور تم بہت روؤگی لیکن۔۔۔۔" اس نے تکیے کے نیچے سے شیشی نکالی اور ہتھیلی پر الٹ دی اور بغیر گنے ساری گولیاں حلق سے نیچے اتار لیں۔ اور پانی کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اور وہ لیٹ گئی آخری بات جو اس کے ذہن میں آئی وہ یہ تھی۔ کاش آپی جلدی فارغ ہو کر آجائے اور وہ

اسے ایک نظر دیکھ لے۔ اسے انعم کی آواز آئی تھی وہ شاید باہر رمضان سے کچھ کہہ رہی تھی پھر یک دم اس کے معدے میں جیسے آگ سی لگ گئی تھی اور زبان ایک دم اکڑ گئی تھی اس نے پانی پینے کے لیے اٹھنا چاہا تھا لیکن پھر اس کا سر پیچھے گر گیا تھا۔ آنکھوں کے آگے ترمرے سے ناچ رہے تھے۔ پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا تھا۔ شاید وہ بچ گئی تھی۔ شاید ٹیبلٹ اتنی زیادہ نہ تھیں کہ زندگی لے لیتیں۔ اور کاش وہ نہ بچتی ابا جی کو بتا سکتی کہ۔۔۔۔ بند آنکھوں کے کونے سے آنسو بہہ نکلے۔

"سومی بیٹا۔" اسفر نے انگلیوں کی پوروں سے اس کے آنسو پونچھے۔ لیکن وہ بے آواز آنکھیں موندے روتی رہی۔ اور اب کیا وہ دوبارہ اس طرح کی کوشش کر سکتی تھی۔ شاید نہیں۔۔۔۔

"سومی گڈے۔۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے بھئی آنکھیں کھولو۔" اسفر نے دگیر لہجے میں کہا۔

"اسفی بھائی میں۔" اس نے آنکھیں کھولیں۔

" Leave it ۔ بھول جاؤ سب جو ہوا اور کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں تھا میں نے کہا تھا نا کہ۔۔۔۔" تب ہی عذرا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں ان کے پیچھے مبشر تھا۔

"کیسی ہے اب۔" انہوں نے اسفر سے پوچھا۔

"بہت بہتر۔۔۔ اور میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ مت آئیے گا۔ شام تک میں سمن کو لے کر آجاؤں گا۔"

"ماں کا دل ہے نا بیٹا۔ کسی پل چین نہیں تھا۔" عذرا بیگم کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"امی جان پلیز آپ پریشان نہ ہوں ڈاکٹر نے کل ہی بتایا تھا کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔" اسفر نے بہت محبت سے ان کا ہاتھ پکڑ کر تھپتھپایا۔ اور اپنے پاس بینچ پر بٹھا لیا۔ سمن نے پھر آنکھیں موند لی تھیں۔

"شکر ہے میرے رب کا جس نے میری دعاؤں کی لاج رکھ لی۔"

"آپ نے وعدہ کیا تھا نا مجھ سے کہ اب کبھی پریشان نہیں ہوں گی۔ کبھی بھی نہیں، میں ہوں نا آپ کا بیٹا آپ کے پاس آپ کی ہر پریشانی بانٹنے کے لیے۔"

"ہاں بیٹا تم ہو نا۔" عذرا بیگم نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

اور وہ کتنی اجنبیت محسوس کرتے تھے سب سے اس حادثے سے پہلے تک۔ حتیٰ کہ اتنے سالوں میں وہ عذرا بیگم سے بھی بے تکلف نہ ہو پائے تھے۔ پہلی بار اس روز سمن کے لیے انہوں نے اپنے دل میں بے حد اپنائیت محسوس کی تھی اور ان کا بہت جی چاہا تھا کہ وہ اس کی یہ چھوٹی سی خواہش پوری کر کے اس کا مان رکھ لیں۔ اور پھر میاں صلاح الدین کی ضد، ان کے طنز اور ان کے لہجے نے انہیں از حد مایوس کر دیا تھا اور وہ سنجیدگی سے سوچنے لگے تھے کہ وہ گھر چھوڑ کر کہیں اور ٹھکانہ کر لیں۔ وہ ٹیکنیکل انجینئر تھے۔ پوزیشن ہولڈر تھے۔ جلد یا بدیر انہیں جاب مل ہی جاتی اس گھر میں اگر وہ ٹھہرے ہوئے تھے تو صرف عذرا بیگم کی خاطر اگرچہ ان کے لیے بھی اپنے دل میں ایسی انسیت محسوس نہیں کرتے تھے جیسی نانو کے لیے کرتے تھے لیکن عذرا بیگم کی خاموشی کچھ کہتی نظریں انہیں احساس دلاتی تھیں کہ عذرا بیگم ان سے کتنی محبت کرتی ہیں لیکن وہ خود جیسے کسی دھند کے پیچھے کھڑے تھے۔ جہاں سے کچھ بھی واضح دکھائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن اس حادثے نے جیسے سارے پردے چاک کر دیئے تھے۔ وہ ان سے الگ نہیں تھے انہی کا حصہ تھے۔ وہ سمن سے وعدہ کر چکے تھے اسے یقین بھی دلا چکے تھے کہ وہ پھر میاں صلاح الدین سے بات کریں گے۔ لیکن اندر سے وہ جانتے تھے کہ سب کچھ لاحاصل ہے۔ سمن کے جانے کے بعد انہوں نے کتنے ہی سگریٹ پھونک ڈالے تھے کبھی وہ سوچتے کہ صبح خاموشی سے گھر چھوڑ دیں۔ میاں صلاح الدین کے طنزیہ جملے، ان کا تمسخرانہ انداز افضال ماموں، علینہ اریج اور حسنہ خالہ کے متعلق فضول ریمارکس سن کر ان کا خون جل اٹھا تھا اگر انہیں سمن کا خیال نہ ہوتا۔ یا ان کی نظریں عذرا بیگم کی نم آنکھوں کی طرف نہ اٹھی ہوتیں۔ تو

شاید وہ اسی وقت گھر چھوڑ دیتے۔ پھر سمن چلی آئی تھی معذرت کرنے اور انہیں کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ یونہی بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگائے لگائے انہوں نے سائیڈ ٹیبل سے روتھ مین کی ڈبیا اٹھائی اور آخری سگریٹ نکال کر سلگایا ہی تھا کہ انہیں انعم کی چیخ سنائی دی اور پھر دروازہ کھلنے اور اس کے زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز وہ مبشر کا دروازہ کھٹکھٹا رہی تھی۔

"مولی۔۔۔ مولی۔۔۔" وہ یک دم دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔ وہ دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

"وہ۔۔۔ وہ سومی نے ٹیبلٹ کھائی ہیں۔ نیند کی گولیاں امی جان کی۔" اور وہ اسے خود سے الگ کرتے تیزی سے اس کے کمرے میں گئے تھے سمن بے ہوش پڑی تھی اور نیم جان سی ہو رہی تھی انہوں نے سمن کی نبض دیکھی۔ بہت مدھم تھی۔ میاں صلاح الدین عذرا بیگم مبشر سب ہی کمرے میں آگئے تھے۔

"اوہ۔۔۔" انہوں نے غصے سے ہونٹ کاٹے اور کسی قدر حیران کھڑے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا اور مبشر سے کہا۔

"مولی گاڑی نکالو جلدی۔" انہیں لگ رہا تھا جیسے کوئی ان کا دل نوچے جا رہا ہے۔ مبشر جواب تک ساری بات سمجھ چکا تھا۔ انعم سے گاڑی کی چابیاں لے کر گیراج کی طرف بھاگا تو انہوں نے جھک کر سمن کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

"رک جاؤ اسفر۔ کہاں لے جا رہے ہو اسے۔ کیا جواب دو گے ہاسپٹل والوں کو کیا کہو گے۔ کوئی رسوائی اور بدنامی مول نہیں لینا چاہتا میں۔"

"ابا جی۔۔۔۔" سمن کو بازوؤں میں اٹھائے اٹھائے انہوں نے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر پریشانی کے آثار واضح تھے لیکن وہ چٹان بنے کھڑے تھے۔

"سمن کی زندگی سے زیادہ اس وقت میرے لیے کچھ بھی اہم نہیں ہے۔"

"لیکن میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"میں اپنے ایک دوست کے کلینک میں جا رہا ہوں۔" وہ برآمدے سے نیچے اتر گئے اور مڑ کر میاں صلاح الدین کی طرف دیکھے بغیر پورچ کی طرف بڑھ گئے جہاں مبشر گاڑی لے آیا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ ٹیبلٹ کھائے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور پھر ان کا دوست بھی کلینک میں ہی مل گیا تھا کھانے پر جو گفتگو میاں صلاح الدین اور اسفر میں ہوئی تھی اس سے عذرا بیگم ٹینس ہو رہی تھیں چنانچہ جب انعم میاں صلاح الدین کے لیے دودھ لے کر گئی تو عذرا بیگم جو نماز سے فارغ ہو کر سونے کے لیے لیٹ گئی تھیں انہوں نے اس سے کہا کہ وہ دراز سے ویلیم کی ٹیبلٹ نکال دے لیکن انعم کو وہاں شیشی نظر نہ آئی۔

"سومی نے تو کہیں ادھر ادھر نہیں رکھ دی۔"

"ابھی ڈسپرین لینے آئی تھی۔ پوچھو ذرا اس سے۔" اور جب انعم نے کمرے میں آکر اسے آواز دی تو سمن نے کوئی جواب نہ دیا۔

"سومی۔۔۔" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ہولے سے بازو ہلایا تب ہی اچانک اس کی نظر تکیے کے پاس پڑی خالی شیشی پر پڑی۔ اور پھر اس نے سمن کو دیکھا۔ اس کی پیشانی پسینے سے تر ہو رہی تھی اور چہرے پر کسی اذیت سے کھنچاؤ سا تھا۔ یک دم ہی اسے کسی بہت تلخ حقیقت کا ادراک ہوا تو وہ چیختی ہوئی باہر نکلی تھی۔

معدہ فوراً "واش" کر دیا گیا تھا لیکن پھر بھی دو دن تک وہ غنودہ سی رہی تھی۔ کبھی لمحہ بھر کو آنکھ کھولتی خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی پھر آنکھیں بند کر لیتی۔ آج وہ مکمل ہوش میں آئی تھی اور تین دن انہوں نے ہاسپٹل میں ہی گزارے تھے ایک لمحہ کے لیے بھی یہاں سے نہیں گئے تھے۔ امی جان انعم مبشر بدر سب کو ہی تسلیاں دیتے ان کا حوصلہ بڑھاتے رہے تھے۔ اور انہیں لگا تھا وہ تو ان سب کے قریب تھے۔ بہت قریب وہ تو کبھی بھی ان کے لیے اجنبی نہ تھے اور ان سب کو ان کی ضرورت تھی اور وہ یہاں سے جا رہے تھے ان سب سے ان کا رشتہ بہت

مضبوط اور پائیدار تھا جسے کوئی نہیں توڑ سکتا تھا انعم کے آنسو پونچھتے ہوئے بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

"انعم بیٹا حوصلہ۔"

وہ ان کے بہن بھائی تھے عمر میں بہت زیادہ فرق بھی نہیں تھا پھر بھی انہیں یوں لگا تھا جیسے وہ ان سے بہت چھوٹے ہوں بالکل ان کے بچوں کی طرح' میاں صلاح الدین ایک دن بھی ہاسپٹل نہ آئے تھے۔ حالانکہ انہوں نے بیٹیوں میں سے سمن کے لاڈ اٹھائے تھے شاید بچپن میں اس کی بیماری کی وجہ سے اور بیٹوں میں سے مبشر کے اس کی بے پناہ خوبصورتی اور وجاہت کی وجہ سے۔ اسفر کو حیرت تھی کیا انہیں سمن پر بہت غصہ تھا یا انہیں اس سے محبت نہ تھی۔ کہ وہ اسے دیکھنے نہیں آئے تھے۔

"سوما بیٹے آنکھیں کھولو۔" عذرا بیگم نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو بند آنکھوں کے پیچھے پھر سمندر ابل پڑے۔ اسفر اسے دیکھ رہے تھے۔

"کم آن گڑیا اب ریلیکس ہو جاؤ۔ وہی ہو گا جو تم چاہو گی۔" وہ کہنیوں کو بستر پر ٹیکتے ہوئے اٹھی اسفر نے اس کے پیچھے تکیہ رکھ دیا۔

"اور محترمہ آپ کا رزلٹ بھی آگیا ہے۔" مبشر آنکھوں کی نمی چھپاتا عذرا بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کی طرف جھکا۔

"اور کمال کی بات یہ ہے کہ محترمہ سچ مچ پاس ہو گئی ہیں۔"

"نمبر کتنے ہیں کیا واقعی سات سو اٹھارہ نمبر ہیں۔" اسفر نے بھی شرارت سے پوچھا۔

"نہیں۔" مبشر نے نفی میں سر ہلایا۔ "ابھی ابھی رزلٹ دیکھ کر آ رہا ہوں اور اپنی ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا ہے پورے سات سو انیس نمبر ہیں۔" اور سمن جو بظاہر بے نیازی بیٹھی تھی اس کے نہیں کہنے پر ایک لمحے کو چونکی تھی لیکن پھر سوچا تھا اب جو بھی ہو مجھے کیا اس کے سات سو انیس بتانے پر بے اختیار مسکرا دی۔

"اور تم خالی ہاتھ آ گئے مٹھائی لے کر آنا تھی۔" اسفر ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے مبشر سے محو گفتگو تھے انہوں نے سب کو منع کر دیا تھا کہ اس موضوع پر سمن کو کچھ نہ کہا جائے۔ اس کی خواہش کی شدت اور پھر مایوسی نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہو گا۔ بہر حال بات کو دہرایا نہ جائے۔ سو وہ ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے تاکہ اس کا ذہن بٹا رہے۔ مبشر اس کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گیا اور اسے لطیفے سنانے لگا۔ اسفر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں پتا کر کے آتا ہوں کب تک ڈسچارج کریں گے۔" عذرا بیگم اٹھ کر ان کے پیچھے آئیں۔

"کوئی پولیس کیس تو نہیں بنا۔ تمہارے ابا جی بہت پریشان تھے۔"

"ارے نہیں امی جان۔ میں نے بتایا تو تھا میرے دوست کا کلینک ہے۔ ڈاکٹر شان بہت اچھے دوست ہیں میرے۔ پریشانی والی کوئی بات نہیں۔" وہ ان کے ہاتھ تھپتھپا کر باہر چلے گئے۔

■■■

سول ہاسپٹل کے کمرہ نمبر ۴۲ کے سامنے ایک لمحے کے لیے شاہ رخ شاہ کھڑے ہو گئے۔ اندر جاتے ہوئے ایک عجیب سی جھجک مانع آ گئی جائیں یا نہ جائیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دروازے پر ہولے سے دستک دیتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی بیڈ پر سید شجاع علی شاہ آنکھیں موندے لیٹا تھا اس کے سر اور ماتھے پر پٹیاں بندھی تھیں دائیں بازو پر بھی پلاسٹر چڑھا تھا۔ چہرے پر نیل کے نشان تھے۔ بیڈ کے پاس اس کی طرف پیٹھ کیے کوئی کھڑا تھا اور نرس ٹمپریچر چیک کر رہی تھی۔ کچھ دیر کو وہ وہاں ہی ندامت شرمندگی اور دکھ کے احساس سے بوجھل دل لیے کھڑے رہے۔ پھر اچانک ہی بیڈ کے پاس کھڑا ہوا شخص مڑا کنپٹیوں کے سفید بال کشادہ پیشانی بڑی بڑی خوابناک آنکھیں اس کی نگاہیں سید شاہ رخ شاہ کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ پھر وہ بیتابانہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"تم۔"

"چاچو۔" شاہ رخ شاہ کو انہیں پہچاننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ وہ بلاشبہ سید قائم علی شاہ تھے سید قائم علی شاہ

کی آنکھوں میں ایک لحہ کو حیرت اتری دوسرے ہی لمحے شاہ رخ ان کے بازوؤں میں تھا۔

"کیسے ہو جان جگر۔" اسے بازوؤں میں لیے لیے انہوں نے پوچھا تو شاہ رخ بہت پیچھے ماضی میں پہنچ گئے۔ کبھی کبھی سید قائم علی شاہ موڈ میں ہوتے تو یونہی اسے جان جگر کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ کتنی ہی دیر تک وہ اسے یونہی بازوؤں میں لیے جیسے اپنے اندر جذب کرتے رہے۔

"کتنے لمبے دنوں کتنی طویل راتوں اور کتنے ماہ و سال کے بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" اپنے سے الگ کرتے ہوئے انہوں نے دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں اس کے چہرے کو تھام لیا۔

"بہت انتظار کروایا تم نے شارو بہت انتظار بہت تڑپا ہوں تمہارے لیے۔" ان کی بے حد خوبصورت آنکھوں میں نمی سی دوڑ گئی۔

"بابا ادھر میں بھی ہوں۔" بیڈ پر لیٹے شجاع نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اس کی آنکھوں میں وہی بے تحاشا چمک تھی اور ہونٹوں پر مسکان۔

"جان بابا۔ پہلے مجھے تو دیکھ لینے دو۔ آنکھوں میں سمو لوں دل میں اتار لوں۔ کتنی راتیں میں نے اس کی یاد میں جاگ کر گزاری ہیں۔ اور کتنے ہی ستارے راتوں کی خاموشی میں میری آنکھوں سے ٹوٹ کر گرے ہیں۔ میری راتیں گواہ ہیں میری بے چینیوں کی اور میرے آنسوؤں کی۔"

"میں نے بھی آپ کو بہت یاد کیا۔ بہت مس کیا۔" شاہ رخ شاہ بھی جذباتی ہو گئے۔

"مگر ڈھونڈا تو نہیں۔ تلاشا تو نہیں۔" وہ بے اختیار شکوہ کر بیٹھے تو وہ نادم سے ہو گئے۔ ہاں واقعی اس نے کب انہیں ڈھونڈا کب تلاشا۔ جب میٹرک کے بعد وہ لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہوا تھا تو انہیں ڈھونڈ سکتا تھا۔ ان کا پتا تو کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کبھی ذہن میں یہ بات آئی ہی نہیں تھی کہ وہ انہیں ڈھونڈ بھی سکتا ہے۔ ان کا پتا بھی چلا سکتا ہے۔ اگر یہ بات ذہن میں آ جاتی تو شاید کہیں نہ کہیں سے کچھ تو اتا پتا مل جاتا۔ کوئی کچھ تو بتاتا ان کے متعلق۔ اور کوئی نہیں تو پھپھو زینت فاطمہ تو کچھ بتاتیں۔

"او کے میری جان۔" انہوں نے اس کے چہرے پر بکھرے ندامت کے رنگ دیکھے تو اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر مسکرائے۔

"سب لوگ کیسے ہیں۔ شاہ جی۔ بی بی جان اور۔۔۔ زینی۔" زینت فاطمہ سے انہیں بہت محبت تھی بہت دوستی تھی وہ ہر بات ان سے ہی کہا کرتے تھے جب حمنہ انہیں اچھی لگی تھی جب انہوں نے اس سے شادی کا فیصلہ کیا تھا سب سے پہلے انہیں ہی بتایا تھا۔ جب شجاع پیدا ہوا تھا تو تب بھی وہ انہیں کے پاس بھاگے آئے تھے۔ ان کی کتنی شدید چاہ تھی کہ وہ زینت فاطمہ کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ ان کی کسی اچھی جگہ شادی کر دیں اور وہ ایک مکمل اور خوبصورت زندگی گزاریں۔ اچھی طرح سیٹل ہونے کے بعد ایک بار انہوں نے انہیں پیغام بھی بھیجا تھا کہ اگر وہ پسند کریں ان کے ساتھ رہنا تو وہ انہیں آ کر لے جائیں۔ لیکن انہوں نے منع کر دیا تھا۔

کاش وہ اپنی اس لاڈلی بہن کے لیے کچھ کر سکتے۔ نہ جانے کیا بات تھی اور کیا خوف تھا کہ ایک دو رشتے جو آئے وہ قبول کرنے سے زینت نے انکار کر دیا۔ حالانکہ شاہ پور سیداں کے سید اکرام الحق شاہ کا رشتہ تو ہر لحاظ سے موزوں تھا۔ اور انہوں نے دوبار پیغام بھجوایا تھا لیکن انہوں نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔ بس ایک ہی رٹ تھی ان کی کہ وہ شادی نہیں کریں گی۔ اور اپنی پھوپھی رحمت بی بی کی طرح کنواری رہیں گی دا جی نے انہیں سمجھایا بھی تھا۔

"رحمت بی بی کے لیے مسئلہ یہ تھا کہ دور و نزدیک ان کے جوڑ کا کوئی رشتہ نہ تھا لیکن تمہارے لیے تو ایسا نہیں ہے۔ شاہ پور سیداں کے سیدوں سے قرابت داری بھی ہے اور وہ سب بھلے مانس لوگ ہیں۔ اکرام الحق شاہ اکلوتے بیٹے اور بہت بڑی جائیداد کے وارث ہی نہیں پڑھے لکھے بھی ہیں۔" لیکن زینت فاطمہ کی ایک رٹ تھی مجھے یہاں ہی رہنا ہے اسی آستانے پر۔ اگر میری شادی کی گئی تو میں زندہ نہ رہ پاؤں گی۔

"زینت فاطمہ پاک بی بی ہیں۔ ان کو بیاہنا نہیں چاہیے۔"

بی بی جان نے دبے لفظوں میں کہا تھا لیکن داجی نے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔

"یہ جہالت ہے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا حکم ہے کہ بیٹیوں کی شادیاں کردو۔ میں کم از کم اپنے خاندان میں ایسی جاہلانہ باتوں کا اطلاق نہیں کروں گا۔"

لیکن پھر پتا نہیں کیا ہوا تھا زینت فاطمہ نے ہی سختی سے منع کر دیا تھا یا بی بی جان نے روک دیا تھا وہ تو بڑی حویلی چھوڑ کر چلے آئے تھے لیکن انہیں علم تھا کہ زینت فاطمہ کی شادی نہیں ہوئی اور وہ بڑی حویلی میں ہی رہتی ہیں۔

"پھپھو اچھی ہیں آپ کو یاد کرتی ہیں بلکہ جب سے شجاع سے ملاقات ہوئی ہے وہ بہت بے چین رہنے لگی ہیں۔ بہت روتی ہیں بات بے بات۔" شاہ رخ نے بتایا تو وہ چونکے۔

"شجاع سے ملاقات۔" انہوں نے شجاع کی طرف دیکھا۔

"بے ایمانی پارٹنر۔ کب سے ملاقات ہے۔ اکیلے اکیلے مل لیے اور ہمیں بتایا تک نہیں۔"

"بتایا تو تھا ایک سرپرائز ہے میرے پاس آپ کے لیے یہی تو سرپرائز تھا۔"

"کب ملاقات ہوئی۔"

"اس حادثے سے پہلے صرف ایک مختصر ملاقات۔" شجاع مسکرایا تو شاہ رخ کو پھر ندامت نے گھیر لیا وہ سید قائم علی شاہ کے ہاتھوں سے ہاتھ چھڑا کر اس کے بیڈ کے قریب آئے۔

"کیسے ہیں آپ شجاع۔"

"خدا کا شکر ہے کہ بہت بہتر ہوں۔" لیٹے لیٹے اس نے بایاں ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا جو پٹیوں اور پلاسٹر سے آزاد تھا۔ "سوری شجاع۔"

محبت سے اس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے شاہ رخ نے ندامت سے کہا۔

"ایک لفظ بھی نہیں۔" شجاع کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور آنکھیں جیسے مزید دمکنے لگیں۔

"تم نے دیر کر دی شاہ رخ میں تو دو دن سے تمہارا منتظر تھا۔" اس نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ کو امید تھی کہ میں آؤں گا۔" شاہ رخ ابھی تک اس کا ہاتھ ہاتھوں میں تھامے کھڑا تھا پھر ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

وہ ڈر رہے تھے خوفزدہ ہو رہے تھے کہ پتا نہیں شجاع کو ان کا آنا پسند بھی آئے گا یا نہیں۔ پتا نہیں وہ ان سے بات کرنا پسند بھی کرے گا یا نہیں۔ ذہانت اس کی آنکھوں اور چہرے سے نمایاں تھی۔ اسے جمع تفریق کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا۔ اسے یہ جان لینا ہرگز مشکل نہیں ہوگا کہ اس پر حملہ کرنے والے اور اسے سبق سکھانے والے کون ہیں۔ زینت فاطمہ کے کمرے سے نکل کر وہ سیدھا کمالے اور فضل داد کی طرف گئے تھے۔ دونوں بڑی حویلی کے پچھواڑے بنے ہوئے کوارٹر نما گھروں میں رہتے تھے۔ ان گھروں میں رہنے والے حویلی کے ملازمین ہی تھے۔ کمالے کی بیوی مدت ہوئی مرچکی تھی۔ اولاد تھی نہیں اور فضل داد نے تو شادی ہی نہیں کی تھی دونوں ایک ہی کوارٹر میں رہتے تھے۔ شاید وہ کچھ دیر پہلے ہی شاہ جی کو رپورٹ دے کر لوٹے تھے۔ کمالا چارپائی پر لیٹا تھا اور فضل داد زمین پر بیٹھا حقے کے کش لگا رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر دونوں ہی ہڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"آپ چھوٹے شاہ جی آپ یہاں۔ خیریت ہمیں بلوا لیا ہوتا۔" دونوں نے بیک وقت کہا۔ وہ لمحہ بھر یونہی انہیں دیکھتے رہے۔

"کیا۔ کیا کیا ہے اس کے ساتھ؟" جب وہ بولے تو ان کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

"آپ کا مطلب ہے وہ ایس پی۔" کمالے نے پوچھا اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر بولا۔

"ہڈیاں سینک رہا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے ایک دو ہڈیاں تو ٹوٹ ہی گئی ہوں گی۔" فضل داد نے تبصرہ کیا۔

"ہاتھ ہولا رکھا تھا جی ورنہ۔۔۔" کمالے نے بات کو بڑھایا۔

تو وہ زندہ تھا۔ جان سے نہیں مارا تھا انہوں نے۔ ان کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوئے تو انہوں نے انتہائی نفرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"کتنے بے گناہوں کا خون ہے تمہاری گردنوں پر۔" فضل داد بولتے بولتے رک کر ہونقوں کی طرح انہیں دیکھنے لگا۔

"دنیا کی عدالتوں سے بچ جاتے ہو لیکن یاد رکھنا ایک عدالت اور بھی ہے جس سے نہ تم بچ سکو گے۔"

انہیں حیران چھوڑ کر وہ تیزی سے باہر نکل آئے تھے۔

"اور کیا سوچتا ہوگا وہ کتنی گہری اور شدید چوٹیں آئی ہوں گی اسے۔" ان کا جی چاہا وہ ابھی اسی وقت شہر چلے جائیں اور اسے دیکھ کر آئیں۔ لیکن ہمت نہ پڑی۔ اسے ڈھونڈنا یا تلاش کرنا مشکل تو نہ تھا۔ اس چھوٹے سے شہر میں دس ایس پی تو نہ ہوں گے۔ پھر بے چین ہو کر تھانے کا نمبر ملایا۔ "ایس پی شجاع شاہ۔"

"سر وہ تو ہاسپٹل میں ہیں۔ رات واک کے لیے نکلے تھے کسی نے پیچھے سے لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ سر پر چوٹ آئی ہے خون کافی نکل گیا ہے۔ بازو میں بھی فریکچر ہوا ہے۔"

فون ریسیو کرنے والے نے تفصیل سے بتایا۔ اس سے ہاسپٹل اور کمرے کا نمبر پوچھ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ بڑی بے چین رات تھی زینت فاطمہ نے دوبارہ آکر پوچھا۔

"کچھ پتا چلا۔"

"نہیں۔" وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"ملے نہیں۔ ایس پی ہیں۔ فون کیا تھا پیٹرولنگ پر گئے ہوئے تھے۔" پتا نہیں زینت فاطمہ مطمئن ہوئی تھیں یا نہیں۔ لیکن وہ خود از حد بے چین تھے۔ وہ شجاع سے ملنا چاہتے تھے اس سے معذرت کرنا چاہتے تھے اسے بتانا چاہتے تھے کہ شاہ جی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے ورنہ وہ کمالے اور فضل داد کو نہ بھیجتے اس کی طرف۔ لیکن خوفزدہ تھے کہ کہیں شجاع ان سے منہ ہی نہ پھیر لے۔ پھر بھی رہ نہیں سکے تھے اور آج چلے آئے تھے اور یہاں شجاع آنکھوں میں خلوص و محبت کی چمک لیے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ارے آپ ابھی تک کھڑے ہیں بیٹھیے نا۔ سوری میں اٹھ نہیں سکتا۔ میری بیک پر بھی کچھ چوٹ لگی ہے بہت درد ہے۔"

وہ نادم نادم سے بیڈ کے پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ گئے۔

"بابا کیا آپ شاہ رخ کو نظر لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

شجاع نے قائم علی شاہ کی طرف دیکھا جو ابھی تک وہیں کھڑکی سے ٹیک لگائے کھڑے شاہ رخ کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے نظروں ہی نظروں میں دل میں اتار رہے ہوں۔ سید قائم علی شاہ چونکے اور شجاع کے بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"نہیں میں دیکھ رہا تھا کہ شارو اتنے بہت سارے سالوں میں کتنا تبدیل ہوا ہے۔ اتنا چھوٹا سا تھا جب میں بڑی حویلی سے نکلا تھا۔ اور ایک بار پھر میں نے اسے دیکھا تھا۔"

"کب۔ کہاں۔۔۔ کتنی عمر میں۔"

شاہ رخ نے حیرت سے پوچھا۔

"کب کہاں؟" سید قائم علی شاہ کھو سے گئے۔ وہ حویلی سے چلے تو گئے تھے لیکن ان کا دل جیسے وہاں ہی رہ گیا تھا کتنی بار انہوں نے شاہ جی سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ معافی طلب کی تھی لیکن داجی اور شاہ جی نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر بھی ان کا دل تھا کہ مچلتا رہتا تھا۔ انہیں تو سید پور کی گلیاں بھی یاد آتیں تو بے چین ہو جاتے تھے۔ تب انہیں دنوں کینیڈا کے لیے کچھ جابز نکلی تھیں۔ حمنہ اور انہوں نے اپلائی کیا۔ اور حمنہ نے کینیڈا اسیٹل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ یوں وہ پاکستان سے چلے گئے ورنہ یہاں رہ کر حویلی اور حویلی کے مکینوں سے دور رہنا ان کے بس میں کہاں تھا۔ وہ تو حمنہ کے ساتھ بھی بے چین رہتے تھے۔ داجی کی وفات کی خبر انہیں کینیڈا میں

ملی تھی۔ وہ تڑپ کر رہ گئے تھے۔ وہ داجی کے لاڈلے تھے جبکہ اظہار شاہ اور مقیم شاہ بڑے شاہ جی کے پیارے۔ کتنا جی چاہا تھا ان کا کہ وہ اڑ کر حویلی پہنچ جائیں۔ داجی کو ایک نظر دیکھ لیں لیکن ان دنوں حمنہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں اور ان کی طبیعت بہت خراب تھی۔ ڈاکٹرز زیادہ پرامید نہ تھے۔ ماں یا بچہ شاید ایک کو بچایا جاسکے۔ لیکن پھر خدا نے کرم کیا ماں اور بچے دونوں کو اللہ نے زندگی دی۔ حمنہ ہاسپٹل سے آئیں تو وہ ان کی گود میں سر رکھ کر تڑپ تڑپ کر روئے۔ انہوں نے حمنہ کو تو پالیا تھا لیکن کتنی بہت ساری محبتوں سے محروم ہوگئے تھے۔ مگر پھر جب سید اظہار علی شاہ کا انتقال ہوا وہ اس روز پاکستان میں تھے اپنے دوست محسن جعفری کے گھر بیٹھے ہوئے وہ انہیں اس سیمینار کی تفصیل بتا رہے تھے جس میں شرکت کے لیے وہ حمنہ کے ساتھ ایک ہفتے کے لیے پاکستان آئے تھے اور سیمینار کے اختتام پر وہ محسن سے ملنے راولپنڈی چلے آئے تھے یوں ان کے قیام وطعام کا انتظام اسلام آباد ہوٹل میں تھا۔ تب اچانک ہی محسن کے فون کی بیل بج اٹھی تھی۔ اور فون کریڈل پر رکھنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے تھے۔

”کس کا فون تھا محسن خیریت تو ہے نا۔“

انہیں یوں اپنی طرف دیکھتے پاکر وہ گھبرا سے گئے تھے۔

”سید پور سے ابرار شاہ کا فون تھا۔“ ابرار شاہ سید اظہار علی شاہ کے بڑے بیٹے تھے اور محسن جعفری کے چھوٹے بھائی کے دوست تھے۔ اور یہ محسن جعفری ہی تھے جن سے انہیں سید پور کی خبریں ملتی رہتی تھیں۔ ان کا بہت آنا جانا تھا وہاں۔

”شاہ۔“ محسن جعفری نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”سید اظہار علی شاہ کا انتقال ہوگیا ہے۔“

”لالہ جی کا۔“ انتہائی ضبط کی کوشش میں انہوں نے اپنے ہونٹ چبا ڈالے تھے۔ کتنا عرصہ بیت گیا تھا انہیں دیکھے ہوئے۔ جب وہ حویلی سے نکلے تھے تو سید اظہار علی شاہ ملتان میں مجسٹریٹ تھے۔ شروع سے ہی ان کا مزاج مختلف تھا۔ وہ سید پور میں کم رہے تھے۔ ان کے بچے بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے تھے۔ سال میں ایک بار جب عدالتوں میں چھٹیاں ہوتیں تو وہ بچوں سمیت سید پور میں چھٹیاں گزارتے اور ان کا زیادہ تر وقت اونچی حویلی کی شاندار لائبریری میں کتابوں کے مطالعے میں گزرتا تھا۔ چونکہ وہ زیادہ تر باہر رہتے تھے پھر سب سے بڑے تھے اور قائم علی شاہ سے عمر میں تقریباً پندرہ سولہ سال بڑے تھے اس لیے وہ ان سے زیادہ بے تکلف نہ تھے تاہم وہ ان سے متاثر ضرور تھے گو وہ مختلف نظریات رکھتے تھے لیکن بڑے شاہ جی یا داجی کے فیصلوں میں انہوں نے کبھی دخل نہیں دیا تھا آج کل سیشن جج کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ مستقل سید پور میں ہی تھے اور زمینوں کے کام میں دلچسپی لینے لگے تھے اور بہت سی بنجر زمین کو آباد کیا تھا۔ ابرار علی شاہ کے تعاون سے جنہوں نے زرعی یونیورسٹی سے ماسٹر کیا تھا۔ سید قائم علی شاہ نے سوچا تھا کہ وہ حویلی سے نکل کر ملتان چلے جائیں گے لیکن جب انہوں نے لاہور سے فون کرکے سید اظہار علی شاہ کو ساری صورت حال بتائی تھی تو انہوں نے بھی وہی مشورہ دیا تھا کہ وہ داجی کی بات مان لے اور حمنہ کو طلاق دے دے۔ جہاں تک بچے کی بات ہے بڑی حویلی میں نہ سہی ان کے پاس پل جائے گا۔ اور سید اظہار علی شاہ کی بات سے وہ اتنے مایوس اور دلگرفتہ ہوئے تھے کہ پھر دوبارا انہوں نے ان سے رابطہ ہی نہیں کیا۔ انہیں یقین تھا کہ سید اظہار علی شاہ جو اتنے براڈ مائنڈڈ ہیں ضرور ان کی حمایت کریں گے آنسو بے اختیار باوجود ضبط کے پلکوں کا بند توڑ کر رخساروں پر بہہ آئے تو محسن جعفری نے بازو پھیلا دیئے اور اس وقت انہیں کتنی ضرورت تھی کسی سہارے کی۔ وہ ان کے گلے لگے تو ضبط کے سارے بند ٹوٹ گئے۔ کتنی ہی دیر وہ ان کے گلے لگے روتے رہے۔ تب وہ خود کو ان کے جنازے میں جانے سے نہ روک سکے اور محسن جعفری اور ان کے بھائی احسن جعفری کے ساتھ وہ سید پور آگئے۔

اونچی حویلی کے باہر سینکڑوں لوگ جنازے میں شرکت کے لیے جمع تھے آس پاس کے سارے ہی گاؤں امڈ

ے تھے چادر میں چہرہ چھپائے وہ بھی اس ہجوم میں کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ پھر جنازہ حویلی سے باہر آیا۔ ڑ چہرہ دیکھنے کو ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ بھی ہجوم میں راستہ بناتے وہاں پہنچ گئے تھے۔ اور جھک کر بھائی کا چہرہ دیکھا۔ آنسو بہاتے پیچھے ہٹے تو شاہ رخ کو دیکھا تھا دبلے پتلے سے شاہ رخ جو غالباً میٹرک کے اسٹوڈنٹ ہوں گے تب شاہ ی کے ساتھ کھڑے آنسو بہا رہے تھے۔ ان کا جی چاہا تھا کہ وہ اسے بانہوں میں لے لیں لیکن وہ شاہ جی کے بالکل اتھ کھڑے تھے وہ چادر میں چہرہ چھپائے کچھ اور پیچھے ہوگئے تھے۔ پھر جنازہ اٹھالیا گیا۔ شاہ جی، ابرار شاہ، اعزاز شاہ ب ہی باری باری جنازے کو کندھا دینے لگے۔ ان کا بھی جی چاہا جس بھائی نے بچپن میں انہیں کندھوں پر بٹھا کر کھمایا ہے اس کے جنازے کو بھی کندھا دیں اور جب شاہ رخ نے جنازے کو کندھا دیا تو جذبات سے مغلوب ہو کر وہ بھی بے اختیار آگے بڑھے تھے اور بہتی آنکھوں کے ساتھ اس سے کندھا دینے کی درخواست کر بیٹھے تھے۔ شاہ رخ نے ایک نظر انہیں دیکھا تھا اور کوئی عقیدت مند جان کر خاموشی سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔ لیکن وہ چند قدم سے زیادہ نہ چل سکے تھے انہیں لگتا تھا جیسے ان کا دل پھٹ جائے گا۔ اور شاہ رخ کو یاد آگیا ہاں ایسا ہوا تو تھا لیکن تب انہوں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا ہی کب تھا۔ کتنے لوگ تھے جو باری باری آگے آرہے تھے کندھا دینے کو۔

”سر گاڑی آگئی ہے۔“

سید شجاع کے ڈرائیور نے اندر آکر بتایا تو سید قائم علی شاہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

”جی تو نہیں چاہتا کہ جاؤں ابھی جی بھر کر تمہیں دیکھا بھی نہیں۔ لیکن حمنہ پریشان ہوگی۔ میں فون سنتے ہی اسے کچھ بتائے بغیر چلا آیا تھا۔“

”بابا آپ جائیں اب شاہ رخ کہیں جانے کے نہیں۔ ہم انہیں چھوڑیں گے نہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں بہت جلد انہیں لاہور لے کر آؤں گا۔ مما کو میرے متعلق تفصیل مت بتایئے گا۔ اور نہ ہی شاہرم کو کچھ بتایئے گا۔ وہ ڈسٹرب ہوجائے گا۔“

شجاع نے لیٹے لیٹے ہی ہاتھ آگے بڑھایا۔ سید قائم علی شاہ نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی پیشانی چومی۔

”یار خوامخواہ ڈاکوؤں سے پنگا مت لیا کرو۔ یہ ضرور ان ہی کی کارستانی ہے۔“

شجاع زیر لب مسکرایا اور شاہ رخ کی نظریں جھک گئیں۔ سید قائم علی شاہ اس سے گلے ملے اور کتنی ہی دیر تک بازوؤں میں بھینچے رہے۔

”میری جان اپنے چاچو کو بھولنا مت۔ ہم تو اب ہمیشہ کے لیے پاکستان میں آگئے ہیں۔ ملتے رہنا۔“

”کیوں نہیں چاچو۔ اتنے سالوں بعد آپ کو پایا ہے اب کھونے نہیں دوں گا۔“

”بیٹا کبھی زینی کو بھی لانا لاہور، بہت دل چاہتا ہے اس سے ملنے کو۔ اور تم لوگوں نے بتایا ہی نہیں کہ کیسے ملے تم کیسے پہچانا ایک دوسرے کو۔“

”پھر کبھی تفصیل بتاؤں گا بابا اب دیر ہو رہی ہے آپ کو اور انشاءاللہ شاہ رخ اور میں بہت جلد پھپھو کو لے کر آئیں گے لاہور۔“

”زینی کو بہت دعا اور پیار کہنا میری طرف سے۔“ جاتے جاتے انہوں نے ایک بار پھر اسے گلے لگایا شجاع کی پیشانی چومی اور ان کے جانے کے بعد شاہ رخ شجاع کی طرف متوجہ ہوئے۔

”شجاع شاہ۔“

”شجی۔“

شجاع شاہ کے چہرے پر مسکراہٹ بہت بھلی لگتی تھی۔

”تم مجھے شجی کہہ سکتے ہو شاہ رخ اور میں۔ میں نے تو خود ہی تکلف کی دیوار ڈھادی ہے۔ اتنے طویل انتظار کے بعد تو ہم ملے ہیں۔ جان برادر جو تھوڑا بہت وقت ہے اسے تکلف کی نذر نہیں کیا جاسکتا۔“ شاہ رخ

مسکرائے۔ وہ معذرت کرنا چاہتے تھے اور بتانا چاہتے تھے اس سے کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا ہے وہ اس کے لیے بہت نادم ہیں اگر انہیں بروقت خبر ہو جاتی تو۔

"تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو شاہ رخ میں وہ جانتا ہوں۔ تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" شجاع بلا کا ذہین تھا۔

"مجھے صرف ایک بات کا افسوس ہے کہ جن مجرموں کے پیچھے میں تھا وہ اس حادثے سے فائدہ اٹھا کر نکل گئے۔ بہرحال۔"

اس نے سر جھکائے بیٹھے شاہ رخ کو دیکھا۔

"انہوں نے پیچھے سے حملہ کیا تھا اور پہلی ہی لاٹھی نے سر پھاڑ دیا تھا ورنہ میں اتنا بھی کمزور نہیں ہوں۔"

"میں کیا کہوں شجی میرے پاس کہنے کے لیے لفظ نہیں ہیں۔"

"تم کچھ بھی مت کہو۔ مجھے اپنے متعلق بتاؤ کچھ۔" اور شاہ رخ ہولے ہولے اپنے متعلق بتانے لگے۔

***

"ماہا آپی یہ سوال تو سمجھا دیں۔"

نرمل نے ٹی وی لاؤنج میں اپنے اردگرد کتابیں پھیلائے بیٹھی ماہ نور سے کہا تو ماہ نور نے قلم بند کر کے نیچے رکھتے ہوئے نرمل کی طرف دیکھا۔

"ہاں دکھاؤ سمجھا دیتی ہوں کیا سوال ہے۔"

"آپی۔" نرمل اس کے قریب ہی کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"یہ آپ کیا لکھ رہی ہیں؟"

"کل کے لیکچر کے لیے نوٹس بنا رہی تھی۔ ذرا نوٹس بنے ہوں تو آسانی رہتی ہے۔"

اس نے کتابیں سمیٹ کر ایک طرف رکھیں۔

"آپی یہ پڑھانا تو بہت مشکل کام ہے پہلے پڑھو پھر پڑھاؤ۔ میں تو ڈاکٹر بنوں گی۔ کیا میں ڈاکٹر بن سکوں گی۔"

"کیوں نہیں دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں ہے۔ محنت کرو گی تو ضرور اتنے نمبر آجائیں گے کہ میڈیکل کالج میں داخلہ مل سکے۔"

"محنت تو خیر میں کر ہی رہی ہوں اور نمبر بھی شاید آجائیں لیکن میڈیکل کالج کے اخراجات کہاں سے اور کیسے پورے ہوں گے۔"

"یہ تمہارے سوچنے کی بات نہیں ہے روما۔ دوسری باتوں کے متعلق مت سوچو۔"

"کیسے نہ سوچوں آپی کبھی کبھی تو پڑھنے سے جی اچاٹ ہو جاتا ہے کہ کیا فائدہ اتنی محنت کا اگر میڈیکل کالج میں داخلہ نہ لے سکی تو۔"

"تم میڈیکل کالج میں داخلہ ضرور لوگی انشاء اللہ دیکھو روما اچھے نمبر لوگی تو ظاہر ہے اسکالرشپ بھی ملے گا اور ہمیشہ مثبت سوچ رکھا کرو۔" ماہ نور نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ سے کتاب اور کاپی لے کر اسے سوال سمجھانے لگی۔

"ہاں یاد آیا آپی صبح آپ کے کالج جانے کے بعد خضر بھائی آئے تھے کہہ رہے تھے ماہ نور کو کہنا شام کو تیار رہے وہ آفس سے واپسی پر آپ کو لے جائیں گے۔"

"میرا موڈ نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ ابا جاگ رہے ہیں کیا؟"

"میں جب ادھر آئی تھی تب تو سو رہے تھے۔ منوں بھی ٹیوشن پڑھنے چلا گیا تھا۔ حالانکہ اس نے ابا سے کوئی ضروری بات پوچھنا تھی لیکن اماں نے جگانے سے منع کر دیا کہ رات بھر جاگتے رہے ہیں۔"

"کیا ابا کی طبیعت بہت خراب تھی۔ مجھے پتا ہی نہ چلا۔"

"ہاں کچھ زیادہ خراب نہیں تھی۔ بس نیند نہیں آرہی تھی اس لیے جاگتے رہے۔ کچھ کمر میں درد بھی شدید

تھا۔ کہہ رہے تھے ریڑھ کی ہڈی کے آخری مہرے میں درد ہے۔"

"صبح تو آرام تھا۔ پھر بھی میں نے منوں سے کہا ہے وہ کل چھٹی کر کے ابا کو ہاسپٹل لے جائے گا۔"

ماہ نور نے سوال حل کر کے کاپی نرمل کو دے دی۔

"تم ایسا کرو روما ہر روز مجھ سے ایک گھنٹہ پڑھ لیا کرو۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" نرمل اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں صبح کے لیے اپنے کپڑے استری کرنے جا رہی ہوں۔ آپ خضر بھائی کے ساتھ جائیں گی تو بتا دیں۔ میں آپ کے کپڑے بھی استری کر دیتی ہوں۔"

"نہیں میرا موڈ نہیں ہے پھر ابھی ٹیوشن والی لڑکیاں بھی آجائیں گی۔"

"آپی ان لڑکیوں کو میں پڑھا دوں گی۔"

"نہیں تمہیں خود بھی پڑھنا ہوتا ہے بلکہ میں سوچ رہی ہوں کہ جن لڑکیوں کو تم پڑھا رہی ہو ان کو بھی میں پڑھا دوں گی۔ تم اپنی ساری توجہ پڑھائی پر دو۔"

"نہیں آپی آپ خود تھکی ہوئی ہوتی ہیں۔ میں بڑے آرام سے پڑھا لیتی ہوں۔"

"اچھا۔"

ماہ نور نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ یہ اچھا ہے کہ ہم سب اپنا اپنا بار خود اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ سب دادی اماں اور ابا کی تربیت کا اثر ہے۔ مطمئن اور پرسکون صابر و شاکر۔

"علینہ ناراض تو ہوگی میرے نہ آنے پر۔" اس نے سوچا۔

لیکن موڈ ہی نہیں بن رہا تھا جانے کا حالانکہ اس روز علینہ نے کہا تھا کہ کسی روز وہ اپنے یونیورسٹی فیلوز کو گھر انوائیٹ کر کے اسے بھی ملوائے گی ان سے اور اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا آنے کا لیکن پتا نہیں کیوں اس روز آنٹی کا رویہ اسے عجیب سا لگا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے اس نے ایسا کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اس روز جب خضر اسے چھوڑنے آنے لگا تو آنٹی نے اسے روک لیا۔

"تم رہنے دو خضر ولی چھوڑ آئے گا۔"

"مگر مجھے تو جانا ہی تھا ایک دوست کی طرف۔ ماہا کو بھی ڈراپ کر دوں گا۔ ولید پڑھ رہا ہے۔ ڈسٹرب ہوگا۔"

"نہیں ہوتا ڈسٹرب میں نے کہا ہے نا ولی چھوڑ آئے گا۔" پتا نہیں آنٹی کا لہجہ تھا ہی سخت یا اسے محسوس ہوا تھا۔

اس سے پہلے تو کبھی آنٹی نے خضر کو اس کے ساتھ جانے سے منع نہیں کیا تھا۔ لیکن آج وہ محسوس کر رہی تھی کہ آنٹی کو اس کا خضر کے ساتھ آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اور شاید اس لیے وہ اسے منع کر رہی تھیں۔ حالانکہ خضر تو بچپن سے ہی ان کے ہاں آرہا تھا اور آنٹی کے رویے سے تو کچھ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ خضر کا ان کے ہاں آنا پسند نہیں کرتیں۔ خضر باقیوں کے مقابلے میں زیادہ ہی آتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ جب افضال ماموں آتے اور انہیں اصرار کر کے گھر بلاتے تو آنٹی بھی اتنا ہی اصرار کرتی تھیں۔ افضال ماموں اکثر سب کے سامنے ہی انہیں کہا کرتے تھے۔

"سعدیہ بیگم یہ طیبہ خاتون ہماری بہن ہیں اور نصیر خان بھائی۔ اس طرح ڈبل رشتہ داری ہے طیبہ تمہاری نند بھی ہے اور دیورانی بھی۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ ہنستے ہوئے کہتی تھیں۔

"دونوں رشتوں کے تعلق سے طیبہ مجھے بہت پیاری ہے۔"

لیکن اب آنٹی کا رویہ کتنا رکھا رکھا سا تھا بلکہ اس نے غور کیا۔ جب سے افضال ماموں امریکہ گئے تھے وہ صرف ایک بار ہی آئی تھیں وہ بھی طیبہ بیگم سے کچھ پردے سلوانے تھے تب۔ ہاں خضر باقاعدگی سے آتا تھا۔

"ممکن ہے میرا وہم ہو۔" وہ سر جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

شاید آنٹی کو خضر سے کوئی کام ہو گا ورنہ پہلے تو خضر بھائی اسے اور نرمل کو چھوڑنے آتے رہتے تھے اور انہوں نے کبھی منع نہیں کیا تھا۔ بس ان کے لہجے میں حاکمیت ہے۔ افضال ماموں بھی تو کہتے تھے کہ بھئی ہماری بیگم کا مزاج حاکمانہ ہے انہیں تو ملک کا وزیراعظم ہونا چاہیے تھا۔

دھوپ ڈھل گئی تھی۔ باہر موسم اچھا تھا۔ دادی اپنے تخت پر آ کر بیٹھ گئی تھیں اور موحل کو قرآن پڑھا رہی تھیں۔ وائی اور زوبی صحن کے ایک کونے میں کرکٹ کھیل رہے تھے وہ دادی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"جاگ گئی ہو بیٹی۔" دادی نے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں دادی میں تو سوئی ہی نہیں تھی۔"

"بیٹا کچھ آرام بھی کر لیا کرو رات کو بھی جاگتی رہتی ہو کبھی میرے لیے کبھی باپ کے لیے۔ اس طرح تو بیمار پڑ جاؤ گی۔ تھک جاؤ گی۔"

"نہیں پیاری دادی بالکل نہیں تھکوں گی۔" وہ مسکرا رہی تھی۔ دادی نے حیرت اور دکھ سے اسے دیکھا۔ یہ ماہ نور کہہ رہی تھی۔ جسے ذرا سا کوئی کام کرنا پڑتا تو تھک جاتی تھی۔ وہ تو چائے بنانے بھی مشکل سے کچن میں جاتی تھی اور طیبہ خاتون جھنجھلا تیں۔

وہ دادی کی بے حد لاڈلی تھی لیکن وقت اور حالات کتنی تبدیلیاں لے آتے ہیں۔ نصیر خان کے ساتھ ہونے والے حادثے نے اسے کتنا سمجھدار بنا دیا تھا۔ کالج سے آتے ہی کچن میں گھس جاتی تھی جانتی تھی کہ ماں پر کام کا کتنا بوجھ ہے۔ نصیر خان کی تیمارداری پھر سلائی کا کام وہ پوری کوشش کرتی تھی کہ طیبہ خاتون کو زیادہ سے زیادہ آرام دے سکے۔ خود بخود ہی ساری ذمہ داریاں اس نے سنبھال لی تھیں اتوار کے دن سب کے کپڑے دھونا۔ رات کو سب کے یونیفارم استری کر کے رکھنا۔ صبح ناشتہ بنانا۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو ان کی تیاری میں مدد دینا اور اب تو اس نے نوکری بھی کر لی تھی۔ ٹیوشن بھی پڑھا رہی تھی اور اگر آغا جان زندہ ہوتے تو یہ دکھ کے دن آتے ہی کیوں۔ آج پھر انہیں آغا جان کی یاد بہت شدت سے آئی تھی۔

نصیر سے کتنا پیار تھا انہیں۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ "یہ میرا سب سے چھوٹا اور لاڈلا بیٹا ہے۔ اسے تو میں اعلا تعلیم دلواؤں گا۔ بھئی اسے میں نے ڈرائی فروٹ کا بیوپاری نہیں بنانا۔ تین بہت ہیں فروٹ کے بیوپاری یہ تو بڑا افسر بنے گا۔" انہوں نے ہمیشہ ہی اسے بیٹا کہا تھا لیکن تقدیر، تقدیر اچھی ہوتی تو پہلے نصیر کے ابا ہی کیوں جدا ہوتے۔ بس اچانک ہی جانے کے لیے تیار ہو گئے تھے۔ بتایا تک نہیں کہاں جا رہے ہیں۔

"سلمیٰ جلد ہی تمہارے لیے ایک خوشخبری لے کر آؤں گا۔"

"لیکن کیسی خوشخبری۔" انہوں نے پوچھا تھا۔

"ابھی نہیں آ کر بتاؤں گا۔" وہ بہت خوش اور مطمئن لگ رہے تھے۔

"کچھ دن لگ جائیں گے شاید ایک ہفتے سے زیادہ سلمیٰ میں تمہیں معتبر کر دوں گا۔"

"میں اب بھی نا معتبر نہیں ہوں۔"

اور پھر وہ چلے گئے تھے اور جاتے ہوئے ربیعہ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ جو ان کے ساتھ جانے کی ضد کرنے لگی تھی۔ دو سالہ ربیعہ میں ان کی جان اٹکی ہوئی تھی۔

"سلمیٰ ربی کو بھی ساتھ لے جاؤں اتنی ضد کر رہی ہے۔"

"ہاں لے جائیں آپ میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور یہ آپ کے بعد مجھے بہت تنگ کرے گی۔ مجھے اس کی ضدیں اچھی نہیں لگتیں۔ بی پی ہائی ہو جاتا ہے۔"

"چلو تم اسے تیار کر دو۔ میں ساتھ لے جاتا ہوں۔ بلکہ اچھا ہے اس کو ساتھ ہی لے کر جاؤں۔" کاش وہ ربیعہ کو روک لیتیں۔ کاش انہیں پتا ہوتا کہ وہ پھر کبھی ربی کو نہ دیکھ سکیں گی تو جی بھر کر اسے پیار ہی کر لیتیں۔

"دادی آپ کیا سوچنے لگی ہیں۔" ماہ نور نے پوچھا تو وہ چونکیں۔

"کچھ نہیں۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"یوں ہی اپنے آغا جان اور ربی بی جان کے متعلق سوچ رہی تھی۔ تم جا کر چائے بنا لو۔ نرمل کپڑے استری کر رہی ہے اور تمہاری ماں صبح سے مشین پر بیٹھی ہے تھک گئی ہو گی۔"

"جی دادی میں چائے ہی بنانے جا رہی تھی یوں ہی آپ کے پاس بیٹھ گئی تھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میری بیٹی بہت سمجھدار ہو گئی ہے۔" سلمیٰ بیگم نے پیار سے اسے دیکھا۔

"سمجھدار ہو نہیں گئی بلکہ ہمیشہ سے ہی سمجھدار ہوں۔" وہ ہنسی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ سلمیٰ بیگم نے اسے جاتے دیکھا اور بے اختیار ان کے لبوں سے اس کے لیے دعا نکلی۔

چائے بنا کر وہ نصیر احمد خان کے کمرے میں آئی تو طیبہ خاتون مشین بند کر چکی تھیں اور اب کپڑے سمیٹ رہی تھیں۔ وہ عموماً نصیر احمد خان کے کمرے میں سلائی کا کام کرتی تھیں۔ تاکہ ایک تو انہیں تنہائی کا احساس نہ ہو۔ دوسرا اگر کوئی ضرورت پڑ جائے تو وہ پاس ہی ہوں۔ نصیر خان تکیے سے ٹیک لگائے خاموشی سے طیبہ خاتون کو دیکھ رہے تھے۔ وہ نصیر احمد خان کے پاس چائے رکھ کر طیبہ خاتون کی چائے لے کر ان کے پاس ہی نیچے دری پر بیٹھ گئی۔

"اماں آج آپ نے بہت دیر تک کام کیا اب پانچ بجنے والے ہیں اس طرح تو آپ بیمار ہو جائیں گی۔"

"بس یہ دو سوٹ کل ضروری دینے تھے اس لیے۔"

"بس آپ زیادہ سے زیادہ ایک سوٹ روز سی لیا کریں۔ سر کہہ رہے تھے وہ اگلے ماہ سے میری تنخواہ بڑھا دیں گے۔"

"اتنی جلدی۔" نصیر احمد خان کو حیرت ہوئی۔

"ابھی تو تمہیں کام کرتے ہوئے صرف ایک ماہ ہی ہوا ہے۔"

"ہاں..... لیکن سر کا خیال ہے کہ چونکہ میں سائنس ٹیچر ہوں اس لیے میری تنخواہ زیادہ ہونا چاہیے۔ دراصل ان کے پاس اور کوئی سائنس ٹیچر بھی تو نہیں ہے نا اور وہ بہت اچھے انسان ہیں۔ ذہانت اور لیاقت کی قدر کرتے ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"ویسے ابا میں سوچ رہی ہوں کہ اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ کر لوں تو اس کے بعد گورنمنٹ جاب مل سکتی ہے۔ گورنمنٹ جاب میں تنخواہ بھی زیادہ ملے گی اور تحفظ بھی ہے۔ حنا کی باجی کہہ رہی تھیں بہت آسان ہے بی ایڈ کرنا بس تھوڑا پیسہ خرچ ہوتا ہے۔"

نصیر احمد خان نے کچھ نہیں کہا تو اس نے طیبہ خاتون کے سلے ہوئے کپڑے اور سامان سمیٹا اور نصیر احمد خان کے پاس بیٹھ گئی۔

"ابا آپ پریشان لگ رہے ہیں کیا بات ہے۔"

"نہیں تو بیٹا میں کب پریشان ہوں۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"نہیں ابا آپ پریشان ہیں۔ پریشان مت ہوا کریں۔ دادی کہتی ہیں اللہ پر یقین اور بھروسہ پختہ ہو تو سارے کام حل ہو جاتے ہیں۔ آزمائش بھی تو انسانوں پر ہی آتی ہے اور پھر سب کچھ تو ٹھیک ہی ہے۔"

"ہاں سب کچھ ٹھیک ہے۔ اس خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ جس نے صالح اور نیک اولاد دی ہے" نصیر خان نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"اچھا ابا آپ چائے پئیں۔ بیل ہو رہی ہے شاید ٹیوشن والی لڑکیاں آ گئی ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور اماں آپ چائے پی کر آرام کر لیں۔ میں کچن کا کام دیکھ لوں گی روٹی بھی بنا لوں گی۔ آپ بے فکر ہو کر آرام کریں۔"

"تمہیں خضر کے ساتھ نہیں جانا تھا کیا۔" طیبہ خاتون نے پوچھا۔

"نہیں اماں۔"

"علینہ ناراض ہو جائے گی تم چلی جاؤ۔ رومہ سالن بنا لے گی میں روٹیاں ڈال لوں گی ویسے خضر آیا نہیں ابھی تک پانچ بجے آنے کو کہہ رہا تھا۔"

"کوئی کام پڑ گیا ہو گا۔ یوں بھی مجھے نہیں جانا۔" وہ طیبہ خاتون کی بات کا جواب دے کر باہر نکل آئی۔ خضر برآمدے میں دادی کے پاس کھڑا ان کی خیریت پوچھ رہا تھا۔ مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم تیار نہیں ہوئیں مگر خیر ٹھیک ہی لگ رہی ہو۔ چلو جلدی۔ اینا کا موڈ خراب ہو گا۔"

"مگر خضر بھائی میں تو نہیں جا رہی آپ کے ساتھ اور آپ کیسے ہیں۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔" خضر نے بغور اسے دیکھا۔

"تم کچھ تھکی تھکی لگ رہی ہو۔"

"نہیں تو آپ بیٹھیں نا۔" وہ دادی کے تخت پر ٹک گئی اور خضر سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اور گھر میں سب کیسے ہیں۔ ماموں جان کا فون آیا۔"

"سب اچھے ہیں ابو سے بھی بات ہوتی رہتی ہے لیکن یہ تم نے ابھی کیا کہا تھا کہ تم نہیں جا رہی ہو۔"

"ہاں میں نہیں جا رہی۔ ابھی لڑکیاں پڑھنے بھی نہیں آئیں۔ آج کچھ دیر کر دی ہے انہوں نے پھر کھانا وانا بھی بنانا ہے۔ اماں آج سارا دن سلائی کرتی رہی ہیں اور رومہ کا صبح ٹیسٹ ہے۔" اس نے وجہ بتائی۔

"اور ادھر اینا جو ہنگامہ کرے گی۔" خضر نے کہا۔

"اسے میں منا لوں گی بلکہ کل اسکول سے سیدھی ادھر ہی آ جاؤں گی یوں بھی ہاف ڈے ہے نا۔"

"دادی جان آپ کہاں جا رہی ہیں۔" ماہ نور نے دادی کو جاتے دیکھ کر پوچھا۔

"بیٹا وضو کروں گی اور کچھ دیر نصیر کے پاس بیٹھوں گی۔"

"ہاں ابا جاگ گئے تھے اور بہت اداس لگ رہے تھے۔ آپ سے باتیں کر کے ان کا موڈ اچھا ہو جائے گا۔"

"انکل سوچتے بہت ہیں۔" دادی کے جانے کے بعد خضر نے کہا۔

"ہاں جب سے میں نے جاب کی ہے۔ وہ بہت چپ چپ رہنے لگے ہیں پہلے کی طرح ہنستے بولتے نہیں ہیں۔"

"شاید وہ سوچتے ہوں کہ اگر ان کے ساتھ حادثہ نہ ہوتا تو تمہیں جاب نہ کرنا پڑتی۔" خضر نے خیال ظاہر کیا۔

"سوچنے کے لیے اور بھی بہت کچھ ہے ان کے پاس ایک چلتا پھرتا ہر دم متحرک شخص بستر پر ناکارہ ہو کر پڑ جائے تو زندگی اس کے لیے بوجھ ہو جاتی ہو گی جب اس کے بہت سارے خواب بھی ہوں۔ پتا نہیں ابا کیا سوچتے ہیں خضر بھائی لیکن میں نے عہد کیا ہے کہ انشاءاللہ ابا کے سارے خواب ضرور پورے کروں گی۔"

"ماہا۔" خضر نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

شام کے ملگجے سے اندھیرے میں دادی کے تخت پر بیٹھی کچھ تھکی تھکی سی وہ ہمیشہ کی طرح اسے بہت اپنی سی لگی

"میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں ماہ کبھی کہیں کسی مقام پر تھکنے لگو تو مجھے پکار لینا اس یقین کے ساتھ کہ تمہاری ایک آواز بھی مجھے جہاں کہیں بھی میں ہوا وہاں سے کھینچ لائے گی۔ میں تمہاری خودداری اور انا کو مجروح نہیں کرنا چاہتا تھا ورنہ انکل کی طرح میرا بھی جی نہیں چاہتا کہ تم جاب کرو لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا جاب کرنا تمہارے لیے بہت ضروری ہے۔ تمہارے اندر اعتماد اور یقین دیکھ کر مجھے خوشی ہوتی ہے ماہ نور۔ بچپن سے تم سب میرے بہت قریب رہے ہو۔ مجھے ہمیشہ لگا کہ تمہارے مسائل میرے مسائل ہیں اور تمہاری خوشیاں میری خوشیاں۔ کبھی بھی کوئی پرابلم ہو تو مجھ سے کہتے ہوئے جھجکنا مت۔"

"مجھے معلوم ہے اور ہر مشکل میں ہم آپ ہی کی طرف تو آتے ہیں۔ آپ ہوں یا افضال ماموں آپ کے سوا ہمارا ہے ہی کون۔" ماہ نور نے کسی قدر حیرت سے خضر کو دیکھا۔

"میں نے سوچا یاد دہانی کرا دوں۔" خضر مسکرایا۔

"آپ نے یہ ضرورت کیوں محسوس کی۔" ماہ نور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم کچھ اجنبی اجنبی لگنے لگی ہو ان دنوں اس لیے۔" تب ہی نرمل کمرے سے باہر نکلی اور خضر کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"آپ آ گئے خضر بھائی۔"

"ہاں لیکن یہ خاتون جانے کے لیے تیار ہی نہیں اور میں سوچ رہا ہوں مجھے اینا کے غصے سے کون بچائے گا۔"

"اپنی مدد آپ کے اصول پر عمل کرنا چاہیے ہمیشہ۔" نرمل ہنسی۔

"اور ہاں اسفر بھائی کی کوئی خیر خبر کوئی فون کوئی خط" اسے اچانک ہی اسفر کا خیال آ گیا تھا۔

"پتھر دل لوگوں میں جا کر وہ بھی پتھر ہو گئے۔" ماہ نور نے زیر لب کہا تو خضر مسکرا دیا۔

"نہیں وہ سب سے مختلف ہیں۔ بلکہ وہاں سب پتھر دل نہیں ہیں۔ ہاں پھوپھا جان ہیں سخت دل۔"

"اسفی کا فون آتا رہتا ہے۔ اینا بتا رہی تھی کہ شاید کچھ دنوں تک چکر لگے ان کا کراچی کا اور ہاں ایک خبر اور حمنہ پھپھو بھی آ گئی ہیں پاکستان لاہور میں ہی سیٹل ہوئے ہیں وہ لوگ۔"

"حمنہ خالہ کیسی ہیں خضر بھائی۔" نرمل کو بہت اشتیاق تھا انہیں دیکھنے کا ان سے ملنے کا۔

"وہ خاندان کی پہلی ڈاکٹر تھیں اور اب ان کے بعد میں ڈاکٹر بنوں گی اور میں سرجری میں اسپیشلائز کروں گی اور ایک دن ملک کی مشہور سرجن بنوں گی مشہور سرجن ڈاکٹر نرمل نصیر احمد خان۔" اس کی آنکھوں میں موجود اس کے خوابوں کا رنگ اس کے چہرے کو بھی گلرنگ کر رہا تھا۔

"اور تب ہمیں مشہور سرجن ڈاکٹر نرمل نصیر خان سے ملنے کے لیے ٹائم لینا پڑے گا جب کبھی میں اور ماہ نور ملنے آئیں گے تو جواب ملے گا ڈاکٹر صاحب مصروف ہیں۔"

"جی نہیں آپ دونوں کے لیے ہمارے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے اور یہ آپ آپی کے ساتھ ہی کیوں آئیں گے۔" نرمل بہت تیز تھی اور شریر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں اس کے ساتھ ہی کیوں اکیلا بھی آ سکتا ہوں۔"

"میں اور ماہ نور۔" اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔ اور دل کی دھڑکنوں میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔ بے اختیاری میں کہی گئی بات نے اندر ہلچل مچا دی تھی۔

"یہ کیا کیا میں نے۔۔۔ میں اور ماہ نور یہ کون سا جذبہ ہے۔ کون سا احساس ہے جو اب تک پنہاں تھا اور اب اچانک ہی لو دینے لگا ہے۔ کیا میں ماہ نور سے۔۔۔" اس نے خود سے پوچھا۔

"اور اگر ایسا ہے بھی تو اس میں برائی کیا ہے۔ ماہ نور ایک مکمل لڑکی ہے خوب صورت خوب سیرت" ایک دلکش مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔ بچپن سے ہی وہ ہر موقع پر ماہ نور کو سپورٹ کرتا آ رہا تھا۔ ایک بار جب ان کے ہاں دعوت تھی تو کچن کیبنٹ سے گلاس نکالتے ہوئے ماہ نور کا ہاتھ لگنے سے کاؤنٹر پر پڑے قیمتی ڈنر سیٹ کی ایک پلیٹ نیچے گر کر ٹوٹ گئی تھی۔ اور اس نے الزام اپنے سر لے لیا تھا۔ ماہ نور کا رنگ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ اس نے تشکر سے اسے دیکھا تھا اور پلیٹ کے ٹکڑے اٹھا کر خود ہی مما کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"مما یہ پلیٹ مجھ سے ٹوٹ گئی ہے۔"

کالج یا اسکول کے کسی فنکشن میں جانا ہوتا۔ انکل مصروف ہوتے تو وہ فوراً ہی اپنی خدمات پیش کر دیتا۔

"کوئی بات نہیں انکل ماہ نور فنکشن اٹینڈ کر لے میں لے آؤں گا۔"

ایک بار ماہ نور سیڑھیوں سے گر پڑی تھی تو ماہ نور سے زیادہ وہ خود رویا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے بڑا تھا۔ سب نے مذاق اڑایا تھا کہ وہ بزدل ہے۔ خون دیکھ کر ڈر گیا ہے۔ حالانکہ وہ خون دیکھ کر تو نہیں ڈرا تھا۔ وہ تو ماہ نور کی تکلیف کا احساس کر کے رویا تھا اور ایسی ہی کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں۔ جب ماہ نور کا بچپن بیت گیا تھا جب وہ جوانی میں قدم رکھ رہی تھی تب بھی وہ اپنی چھوٹی بڑی بات اسی سے شیئر کرتی تھی۔ گویا وہ جذبہ جواب اس کے دل میں ابھر رہا تھا۔ اس کی بنیاد بچپن میں ہی کہیں اس کے دل میں رکھ دی گئی تھی۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"خضر بھائی سچ سچ بتائیں آپ کیا سوچ سوچ کر مسکرا رہے ہیں" نرمل ماہ نور کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی۔
"کچھ نہیں۔" اس نے ماہ نور پر ایک نظر ڈالی اور نرمل کی طرف متوجہ ہو گیا۔
"کچھ تو ہے جس کی پرداداری ہے۔"
نرمل پتا نہیں کیوں شوخ ہو رہی تھی۔
"کچھ ایسی خاص پرداداری بھی نہیں۔" خضر نے بات بتائی۔
"میں ذرا اینا کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ بلی مجھے اکیلا آتے دیکھ کر کیا رد عمل ظاہر کرے گی۔"
"جو بلیاں کرتی ہیں۔ یعنی ناخن مارے گی۔" نرمل ہنسی۔
"رومی آج ٹیوشن والی لڑکیاں نہیں آئیں۔" ماہ نور کو پھر ان کا خیال آگیا۔
"وہ مجھے بتانا یاد نہیں رہا جب آپ چائے لے کر ابا کے کمرے میں گئی ہوئی تھیں تو ان کا پیغام آگیا تھا کہ آج چھٹی کریں گی۔"
"تھینک گاڈ۔" ماہ نور نے ایک پرسکون سانس لیا۔
"آج میں بہت تھک گئی تھی۔"
"اپنی ہمت سے زیادہ کام مت کرو ماہ۔" خضر کے لہجے میں اس کے لیے محبت پیار شفقت سب کچھ تھا۔ ماہ نور نے ایک ممنون سی نظر اس پر ڈالی۔
"تم ٹیوشن چھوڑ دو صرف جاب کی طرف دھیان دو۔"
"نہیں خضر بھائی ایسی کوئی بات نہیں۔ بہت آسانی سے سب ہو رہا ہے۔ رات ابا کی وجہ سے جاگتی رہی ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے کچھ سست ہو رہی ہوں۔ آپ سے چائے کا تو پوچھا ہی نہیں' بناؤں؟"۔
"نہیں۔" خضر اٹھ کھڑا ہوا۔
"انکل سے مل لوں تو پھر چلتا ہوں اینا سے تم خود ہی نمٹ لینا۔" تب ہی بیل ہوئی۔
"شاید منوں آگیا ہے۔ دانی دروازہ کھولو۔" نرمل نے دانیال سے کہا تو وہ بیٹ پھینک کر دروازے کی طرف بڑھا اور پھر وہاں سے ہی آواز لگائی۔
"آپی بھائی نہیں آپ کے مہمان آئے ہیں۔"
"میرے مہمان۔" ماہ نور نے کسی قدر حیرت سے جیسے اپنے آپ سے کہا "اور اس وقت مگر کون" تب ہی دانیال نے گیٹ کھول دیا اور ذاکر صاحب ہاتھ میں پھلوں کا شاپر اٹھائے اندر داخل ہوئے۔

■■■

"یہ لو سمن ابا جی نے بھجوائے ہیں۔ انہیں فل کر کے شبی کو دے دو۔" انعم نے سمن کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو سمن جو آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹی ہوئی تھی اس نے اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا کر انعم کی طرف دیکھا۔
"یہ کیا ہے۔"
"تمہارے ایڈمیشن فارم ہیں۔"
"لیکن مجھے ایڈمیشن نہیں لینا اب۔" اس نے پھر بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔
"لیکن یہ تو تمہاری خواہش تھی سومی اور بالآخر ابا جی نے تمہاری بات مان لی ہے۔ حالانکہ اس کے لیے تمہیں اپنی جان پر کھیلنا پڑا۔ خدا کا شکر ہے تم حرام موت سے بچ گئی ہو۔ اب بھی سوچتی ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سومی یہ تم نے اچھا نہیں کیا تھا ہمارے ساتھ بھی اور اپنے ساتھ بھی۔ تمہیں کچھ ہو جاتا تو امی جان تو جیتے جی مر جاتیں۔ سمن میری جان زندگی میں پھر کبھی ایسی جذباتی غلطی نہ کرنا۔"
"پلیز آپی آپ اس موضوع پر کوئی بات مت کریں کبھی نہیں۔۔۔ میں نے جو کچھ کیا اچھا تھا یا برا لیکن اس وقت میں بہت شدید ہرٹ ہوئی تھی۔ میری وجہ سے اسفر بھائی کو اتنی باتیں سننا پڑیں۔"
"اچھا یہ فارم لے لو دو دن رہ گئے ہیں صرف۔"

"نہیں آپی میں اس طرح ابا جی کو جھکانا نہیں چاہتی تھی۔ میں میں سچ مچ مرجانا چاہتی تھی۔۔۔" اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
"سومی۔" انعم اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"زندگی اتنی انمول شے ہے کہ اسے اتنی ذرا سی بات پر۔"
"میرے لیے یہ اتنی ذرا سی بات نہیں تھی آپی۔ ابا جی منع کر دیتے نہیں مانتے بات مگر اسفر بھائی کو اس طرح اتنی باتیں تو نہ سناتے ان کی اتنی بے عزتی نہ کرتے۔"
"ان کی تو عادت ہے اس طرح کی باتیں کرنے کی۔ چلو شاباش یہ فارم لو۔ جب سے ہاسپٹل سے آئی ہو کمرے سے باہر نہیں نکلی ہو۔ چیراپ اٹھو فریش ہو جاؤ اور پھر کچن میں آجاؤ۔ بے چارہ رمضان بہت اداس ہو رہا ہے۔" انعم نے ہولے سے اس کا ہاتھ ہلایا۔
"پلیز آپی کچھ مت کہیں مجھے ابا جی کو بلیک میل نہیں کرنا تھا۔ آپ نہیں سمجھ رہیں۔" اس نے یونہی کروٹ بدلے بدلے ہی کہا۔
انعم لمحہ بھر کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر فارم ہاتھ میں لیے باہر چلی گئی۔ میاں صلاح الدین برآمدے میں ہی اسے مل گئے۔ وہ غالباً دکان پر جا رہے تھے۔ انعم کے ہاتھ میں فارم دیکھ کر رک گئے۔
"ہو گئے فل"
"وہ ابا جی۔" انعم گھبرا گئی۔ "وہ اب ایڈمیشن نہیں لینا چاہتی۔"
"کیوں۔" ان کی آواز خاصی بلند تھی۔
"اسی لیے تو اس نے وہ سب کچھ کیا تھا۔ کچھ ہو جاتا تو کتنی بے عزتی ہوتی' کتنی کہانیاں بنتیں' اخبارات میں آجاتا کہ میاں صلاح الدین کی بیٹی نے خودکشی کر لی۔ کسی کو کیا پتا اتنی چھوٹی سی بات کے لیے۔ کون یقین کرتا اور اب کیوں' کیوں انکار کر رہی ہے اب کیا کرنا چاہتی ہے۔"
"شاید وہ شرمندہ ہے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔" انعم نے دبی ہوئی زبان میں کہا۔
وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے اور پھر ہاتھ بڑھائے "فارم مجھے دے دو۔"
میاں صلاح الدین نے فارم اس سے لے کر مبشر کو آواز دی۔
"جی ابا جی۔" مبشر فوراً ہی کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔
"تم آج کالج نہیں جا رہے۔"
"نہیں ابا جی جانا ہے لیکن ذرا دیر سے جاؤں گا پہلا پیریڈ فارغ ہے۔"
"تو ٹھیک ہے۔ یہ فارم لو اور سمن کے لیے فل کر کے جمع کروا دو اور سنو گاڑی لے جانا۔ میں نے پتا کروایا تھا۔ [illegible] رہتے ہیں آج ہی جمع کروا دینا۔"
"جی اچھا" مبشر نے فارم لے لیے اور واپس اپنے کمرے میں چلا گیا۔ سمن میاں صلاح الدین کی آواز سن کر اٹھ بیٹھ گئی تھی۔
"[illegible]م کی خواہش کرنا کوئی غلطی یا گناہ تو نہیں ہے آپی پھر تم نے ابا جی سے کیوں کہا کہ میں شرمندہ ہوں اپنی [illegible]"
"[illegible]پی میں ابا جی کی اجازت سے پڑھنا چاہتی تھی۔ انہیں قائل کر کے۔ اس طرح ان کی ایک مخالف بن کر ان کی مرضی کے بغیر نہیں یہ تو سراسر بلیک میلنگ ہے نا۔ جو حرکت میں نے کی تھی وہ جذباتیت تھی میری میں اتنی [illegible]نی تھی کہ زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی۔"
"[illegible] سومی۔ زندگی نہ جانے کتنی ظالم ہے اور اس کے دامن میں نہ جانے کیا چھپا ہے۔ کسے خبر ہے کہ کیا ہو گا [illegible] آدمی یونہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر حوصلہ ہارنے لگے تو زندگی تو بہت مشکل ہو جائے اس کے لیے۔ خودکشی کو

اسی لیے تو حرام قرار دیا گیا ورنہ تو لوگ معمولی باتوں پر زندگی ختم کر ڈالتے۔ سومایہ دراصل نا امیدی اور بے یقینی ہے۔ خدا پر بھروسہ اور یقین ہو تو سارے کام سہل ہو جاتے ہیں۔ امید کا ایک دیا ہمیشہ آدمی کے اندر جلتا رہتا ہے اور امید کا یہی دیا زندہ رہنے کا حوصلہ اور مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت عطا کرتا ہے۔ یہ دیا بجھ جائے تو زندگی کرنے کا حوصلہ دم توڑ دیتا ہے۔ ساری بات یہ تھی کہ تم نے یہ امید کا دیا اپنے اندر جلنے ہی نہیں دیا اور مایوس ہو کر زندگی ختم کرنے کی کوشش کر بیٹھیں۔"

سمن حیرت سے منہ کھولے انعم کی باتیں سن رہی تھی انعم بہت کم گو تھی اس کی اور مبشر کی باتوں پر مسکراتی رہتی تھی لیکن ابھی جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ سمن کے دل کو چھو رہا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ انعم بھی اس طرح کی باتیں کر سکتی ہے۔

"سومی میرے ساتھ وعدہ کرو گڑیا امید کا یہ دیا اپنے اندر ہمیشہ جلائے رکھو گی۔ کبھی بجھنے نہیں دو گی۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی نا امیدی کفر ہے سمن یہ یاد رکھنا نا امید وہی ہوتا ہے۔ جسے خدا پر بھروسہ اور یقین نہیں ہوتا۔"

"آپی کیا آپ کے اندر بھی امید کا یہ دیا جل رہا ہے۔ کیا ابھی بھی آپ کو امید ہے کہ کسی روز ڈاکٹر بن سکیں گی۔ آپ ڈاکٹر بننا چاہتی تھیں" سمن کو شروع سے ہی بحث کی عادت تھی۔ انعم مسکرا دی۔

"لیکن۔" سمن نے کچھ کہنا چاہا مگر انعم نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میری بات مان لو سومی۔ آج تم کالج جاؤ گی تو کل اروناکے لیے بھی راستہ کھل جائے گا۔"

"کیا سوچنے لگی ہو۔" انعم نے پیار سے پوچھا۔

"آپی شاید میں اب کبھی نہ پڑھ سکوں۔ میرے اندر سے جذبہ ختم ہو گیا ہے۔" اس نے اپنی کیفیت بتائی۔

"یہ وقتی کیفیت ہے سومی۔ اس حادثے کا اثر ہے۔ جب کالج جانا شروع کرو گی تو خود بخود یہ کیفیت ختم ہو جائے گی۔ جو لوگ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ علم سے محبت کرتے ہیں وہ زیادہ عرصہ تک خود کو اس سے دور نہیں رکھ سکتے۔" انعم نے سمجھایا۔

"چلو اب اٹھو ایک ایک کپ چائے ہو جائے۔"

"امی جان کہاں ہیں۔" سمن نے پوچھا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔ قرآن پاک پڑھ رہی ہیں۔"

"ان کی طبیعت کیسی ہے اب۔"

"ٹھیک ہیں۔" انعم نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا تو سمن بھی کھڑی ہو گئی۔ ابھی تک نقاہت محسوس ہو رہی تھی اس نے قدم اٹھایا تو اسے لگا جیسے ٹانگوں میں ہلکی لرزش ہو۔

"اسفی بھائی نے کیا سب کے ساتھ ناشتہ کیا۔" اس نے انعم کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تمہیں پتا ہے وہ ناشتہ نہیں کرتے۔ رمضان نے چائے ان کے کمرے میں پہنچا دی تھی۔"

"آپی کیا اسفی بھائی بھی مجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔"

"کیوں وہ بھلا کیوں خفا ہونے لگے۔"

"میری اس حرکت پر۔" سمن نے دل ہی دل میں شرمندگی محسوس کی۔

"نہیں خفا تو نہیں لیکن تمہارے لیے وہ پریشان بہت تھے۔ میں سمجھتی تھی کہ اسفی بھائی ہم سے دور رہے ہیں تو شاید انہیں ہم سے محبت نہیں ہے۔ لیکن یقین کرو سومی وہ تو دو دن ہاسپٹل سے ہلے تک نہیں اور ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔" انعم کچن کے پاس رکی۔

"رمضان دو کپ چائے بنا دو بہترین سی"

"دو کپ آپ کے لیے۔" حسب عادت اس نے پوچھا۔

"نہیں ایک سومی کے لیے۔"

اس نے صافی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کچن سے باہر کھڑی سومی کو دیکھا۔

"سومی بی بی آپ اب بالکل ٹھیک ہیں نا۔" سمن نے سر ہلا دیا۔

"آپ کو ویسے ہوا کیا تھا۔ مجھے تو کوئی بتا تا ہی نہیں تھا۔ ویسے میں نے دعا کی تھی آپ کے لیے۔"

"دعا کا شکریہ رمضان اور مجھے کیا ہوا تھا۔ کمال ہے تمہیں کسی نے نہیں بتایا۔"

"نہ جی قسم لے لیں جو کسی نے بتایا ہو۔ بیگم صاحب نے تو ڈانٹ دیا۔ آنی بی بی کچھ بولتی ہی نہ تھیں اور شبی صاحب تو بہ ہے جی ایسے گھور کر دیکھا جیسے کچا ہی کھا جائیں گے۔"

"دراصل وہ سب پریشان تھے میری وجہ سے اور مجھے بیماری شماری کچھ نہیں ہوئی تھی۔ اصل میں" سمن کی آنکھوں میں شرارت سے جگنو دمکے اور اس نے آواز آہستہ کر لی۔

"وہ۔۔۔۔ وہی والا بھوت آ گیا تھا غلطی سے۔ ڈھونڈ تو وہ تمہیں ہی رہا تھا لیکن۔"

"نہ جی۔۔۔۔ خدا نہ کرے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"سمن بی بی تو اپنا ہر وقت مزاخ (مذاق) ہی کرتی رہتی ہیں۔" وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

"بھائی رمضان کبھی تم باجی کہتے ہو کبھی بی بی ایک بار فیصلہ کر لو کیا کہہ کر بلانا ہے۔" سمن نے اس کی طرف دیکھا۔

"مقصد تو جی صرف عزت دینا ہے اور دونوں لفظوں سے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ ادھر جہاں میں پہلے کام کرتا تھا وہاں بی بی کہتا تھا ساری باجیوں کو ادھر آیا تو انعم بی بی نے کہا باجی کہا کرو تو بس پھر کبھی کبھی اپنا گڑبڑ ہو جاتی ہے۔" اس نے وضاحت کی۔

"اچھا مسٹر اپنا اب چائے بنا کر لاؤ فٹافٹ" سمن مسکرا رہی تھی انعم کو ازحد اطمینان ہوا پھر وہ دونوں برآمدے میں آ کر بیٹھ گئیں چقیں ہٹی ہوئی تھیں اور ہلکی ہلکی دھوپ برآمدے میں آ رہی تھی۔

"سومی تم کیا مضامین رکھو گی۔"

"پتا نہیں یہ میں نے ابھی سوچا نہیں ہے۔ تاہم یہ طے ہے کہ مجھے ڈاکٹر نہیں بننا۔"

"مگر سومی تمہارے اتنے اچھے نمبر ہیں۔ تم تو آسانی سے ڈاکٹر بن سکتی ہو۔"

"ہاں شاید لیکن مجھے نہ ڈاکٹر بننے سے دلچسپی ہے اور نہ ٹیچر بننے سے دراصل میں نے کچھ بننے کے متعلق ابھی سوچا ہی نہ تھا ابھی تو میں صرف یہ سوچتی تھی کہ مجھے میٹرک سے آگے پڑھنا ہے۔"

"یہ تم یہاں بیٹھی ہو اچھی بات ہے۔

"سبجیکٹ بتاؤ پری میڈیکل یا پری انجینئرنگ۔"

"نہیں Maths تو مجھے بہت برا لگتا ہے۔"

"پھر بائیو لکھ دیتا ہوں ڈاکٹر بن کر غریبوں کو لوٹنا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے شبی ابا جی مجھے ڈاکٹر بننے دیں گے۔ ممکن ہے ایف ایس سی کے بعد مزید نہ پڑھنے دیں۔"

"ممکن تو سب کچھ ہے لیکن سسٹر دنیا بہ امید قائم است اور اگر ابا جی نے منع کر دیا تو پھر والیوم فائیو۔"

انعم نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے فوراً زبان دانتوں تلے دبالی اور فارم سمن کی طرف بڑھایا۔

"دستخط کر دو۔"

"تم ہی کر دو۔" سمن سستی سے ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی تھی۔

"کیا نکاح کے فارم پر بھی مجھ سے دستخط کراؤ گی۔"

"بیٹیاں بھی بیٹیوں اور بہنوں کی زندگیوں کے فیصلے باپ بھائی ہی کیا کرتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی مرضی کب ہوتی ہے اور ان کی اپنی زندگی۔"

"سومی۔" نعم نے پیار سے اس کی طرف دیکھا۔

"پھوہی قنوطیت۔"

"میں اس گھر میں بغاوت کے جراثیم دیکھ رہا ہوں۔ آئی کوئی انقلاب آنے والا ہے۔ لگتا ہے ظل الٰہی کا سولڈ کمزور ہو گیا ہے کچھ۔" اس نے ناک سکوڑی۔

"فضا میں انقلاب کی بو ہے۔"

"کس چیز کی بو ہے۔"

اسفر تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلے تھے۔ سب کے کمروں کے دروازے برآمدے کے اس حصے میں کھلتے تھے۔ جہاں ڈائننگ ٹیبل اور کرسیاں پڑی تھیں۔

"انقلاب کی بھائی جان۔ میری آنکھیں آنے والے انقلاب کی سرخ آندھی تیزی سے ادھر بڑھتی دیکھ رہی ہیں۔ ظل الٰہی کی ڈکٹیٹر شپ کے خلاف آواز اٹھائی جانے والی ہے۔"

"شبی تم ٹی وی کے ڈراموں میں کیوں نہیں حصہ لیتے" اسفر مسکرائے۔

"ہائے۔" مبشر نے ایک گہری سانس لی۔

"اکبر اعظم زندہ چنوا دیں گے دیواروں میں انار کلی کی طرح۔"

"مذاق نہیں یار ایکٹنگ اچھی کر لیتے ہو۔"

"میرے اساتذہ کا بھی یہی خیال تھا اور ایک بار انہوں نے مجھے اسکول کے ایک ڈرامے میں رکھا تھا ظل الٰہی کو خبر ہوئی تو انہوں نے سیدھے اسکول جا کر ہیڈ ماسٹر سے کہا۔

"ہم معزز لوگ ہیں بھانڈ نہیں ہیں کہ آپ ہمارے بچوں سے بھانڈوں والا کام لیں۔"

"اوہ۔۔۔" اسفر نے بے اختیار ہونٹ سکیڑے اور پھر سمن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہماری گڑیا کیسی ہے۔"

"ٹھیک ہوں۔" سمن مسکرا دی۔

"گڈ۔"

"آپ کہیں جا رہے تھے بھائی۔" نعم نے پوچھا۔

"ہاں باہر جا رہا تھا ایک دوست سے ملنا ہے۔ اباجی چلے گئے کیا؟"

"ہاں لیکن انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ کے پاس فرصت ہو تو ایک چکر دکان کا لگا لیجیے گا۔"

"میں۔" اسفر کو حیرت ہوئی۔

اس سے پہلے تو میاں صلاح الدین نے اس طرح کی کبھی کوئی بات نہیں کی تھی کتنا عرصہ ہو گیا تھا انہیں آئے ہوئے۔ انہوں نے کبھی انہیں دکان پر آنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ بلکہ جب کبھی وہ شیخوپورہ جاتے تب بھی مبشر کو ہی دکان پر جانے اور دیکھ بھال کرنے کے لیے کہتے تھے۔ گو دونوں دکانوں پر ملازم موجود تھے پھر بھی کسی اپنے کو نگرانی تو کرنا ہی چاہیے۔ یہ ان کا خیال تھا۔ ایک بار میاں صلاح الدین کو فیکٹری جانا تھا۔ آڑھت والوں نے آنا تھا اور مبشر کو بخار تھا۔ تب بھی انہوں نے اس سے ہی کہا تھا کہ ذرا طبیعت سنبھلے تو ہمت کر کے دکانوں پر چکر لگا لے حالانکہ اسفر کا خیال تھا کہ وہ چلا جائے گا اور اسے افسوس ہوا تھا کہ اباجی اس پر اعتبار نہیں کرتے اور اسے غیر سمجھتے ہیں۔"

"ہاں شاید کوئی کام ہو۔" نعم نے انہیں سوچتے دیکھ کر کہا۔

"لیکن مجھ سے بھلا انہیں کیا کام ہو سکتا ہے۔ مجھ سے تو وہ بات بھی نہیں کرتے" وہ بڑبڑائے۔

"لیں جی چائے۔" رمضان نے چائے ٹیبل پر رکھی۔

"میں نے تو اپنا دو کپ چائے بنائی ہے اور یہاں خیر سے چار بندے ہیں۔"

"قہوہ تو تم نے زیادہ ہی دم کیا ہو گا نا۔" نعم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ تو جی میں ہمیشہ ہی چائے دانی بھر کے چائے دم کرتا ہوں۔"

"پھر دو کپ اور لے آؤ آپ پئیں گے نا اسفی بھائی۔" نعم نے اسفر کی طرف دیکھا۔

"چائے اور کافی سے تو میں نے کبھی انکار ہی نہیں کیا۔ خضر کہتا تھا اس کے آگے مٹکا رکھ دو تب بھی پیٹ نہیں بھرتا اس کا چائے سے۔" اسفر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے سمن کی بیماری نے خود بخود ہی تکلف کی دیواریں ڈھا دی تھیں۔

"اوہ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ آپ کا کراچی سے خط آیا ہوا ہے۔ شاید خضر بھائی کا ہی ہو گا سومی کی ٹینشن میں آپ کو بتانا یاد ہی نہیں رہا۔ یہ ہاسپٹل میں تھی تب آیا تھا میں نے اپنے کمرے میں رکھ دیا تھا" مبشر نے ٹیبل سے فارم اٹھائے اور کمرے میں سے خط لے کر واپس آیا۔ اسفر نے خط لے لیا۔ ان کی توقع کے مطابق یہ خط علینہ کا ہی تھا اس کی رائٹنگ وہ پہچانتے تھے۔ بے اختیار مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا اور انہوں نے خط پاکٹ میں ڈال لیا۔ کبھی کبھی وہ علینہ کے متعلق سوچ کر بہت حیران ہوتے تھے۔ جب وہ کراچی میں تھے تو اس نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کہی تھی جس سے انہیں خیال آتا کہ وہ ان کے لیے اپنے دل میں ایک خاص جذبہ رکھتی ہے۔ یوں تو ایک ساتھ پلنے کی وجہ سے وہ سب ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ خضر علینہ ولید اریج اور وہ خود ایک دوسرے سے بے حد بے تکلف تھے۔ علینہ حسین تھی دلکش تھی اور کسی بھی شخص کے دل کی دھڑکن ہو سکتی تھی۔ جب وہ کراچی میں تھے تو انہوں نے کبھی اس کے لیے اپنے دل میں کوئی اور جذبہ محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن جب یہاں آنے کے کچھ دنوں بعد ہی علینہ کا خط ملا تو وہ کچھ دیر کو حیران سے رہ گئے۔ اس نے لکھا تھا۔

"یہاں سب آپ کو بہت مس کرتے ہیں اسفر آپ کیوں چلے گئے۔" اور علینہ کا خط ملتے ہی انہوں نے فون کیا تھا اور اتفاق سے علینہ نے ہی اٹھایا تھا۔

"کیا تم بھی مجھے مس کرتی ہو اینا۔"

"ہاں بہت زیادہ اسفر مجھے تو یوں لگتا ہے جیسا میرا کچھ کھو گیا ہے۔ پورا گھر خالی خالی لگتا ہے۔"

"میں۔۔۔ میں بھی تمہیں بہت مس کرتا ہوں اینا۔" وہ ایک بے اختیار سا لمحہ تھا جب وہ اظہار کر بیٹھے تھے۔ علینہ ایک لمحہ کو خاموش سی ہو گئی تھی۔ پھر آہستگی سے کہا تھا۔

"پتا نہیں یہ کیا ہے۔ لیکن میں آپ کو بہت سوچنے لگی ہوں۔ بہت زیادہ۔ آپ جب یہاں تھے تو میں نے اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا اسفر۔" اور وہ شاید ممانی جان کے مزاج کی وجہ سے کبھی بھی علینہ کے متعلق اس طرح نہ سوچتے لیکن یہ علینہ تھی جس نے ان کے دل میں چھپے جذبے کو کھوجا تھا وہ انہیں لمبے لمبے خط لکھتی تھی۔ لفظ لفظ محبتوں کی پھوار میں ڈوبا ہوا اور ہر گزرتا دن علینہ کے لیے ان کے دل میں موجود جذبوں کو گہرائی بخش رہا تھا انہیں لگنے لگا تھا جیسے وہ اور علینہ ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے اور نامکمل۔

"اور شاید ہم ایک دوسرے کے لیے تخلیق کیے گئے ہیں۔" ایک بار علینہ نے لکھا تھا۔ کبھی کبھی وہ خوفزدہ سی ہو جاتی تھی۔

"اسفی آپ امریکہ جا کر مجھے بھلا دیں گے۔"

"یہ ناممکن ہے اینا۔ دنیا کی ساری خوب صورتیاں اور رنگینیاں محبت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ محبت اتنی کمزور نہیں ہوتی یار میں نے تم سے محبت کی ہے اینا اور یہ محبت یونہی میری زیست کے آخری لمحے تک ایسی ہی رہے گی۔" اور پتا نہیں اینا نے آج کیا لکھا ہے۔ جب بھی اس کا خط آتا تھا وہ اس خط کو پچاس بار پڑھتے تھے۔ پھر بھی سیری نہ ہوتی تھی۔ اسے خط لکھنے کا قرینہ آتا تھا وہ لفظ برتنے کے ہنر سے آشنا تھی۔ لفظوں کی شہزادی۔

وہ اسے کہتے "کہاں کہاں سے لفظ ڈھونڈ کر لاتی ہو علینہ۔ میں تو ان کے سحر میں جکڑا جاتا ہوں۔۔۔" وہ اس کا خط ملتے ہی فون کرتے تھے۔

انہیں خط لکھنا مناسب نہ لگتا تھا اور انہوں نے اس کی وضاحت علینہ سے بھی کر دی تھی۔

”دیکھو علینہ میں خط لکھتے ہوئے خود کو روک نہ پاؤں گا۔ ہر جذبہ عیاں کرتا جاؤں گا۔ وہ سب جو تمہارے حوالے سے میرے دل میں آتا ہے۔ اپنی بے قراریاں اور بے چینیاں سب لکھ دوں گا حرف حرف اور اگر کسی نے پڑھ لیا تو۔ اپنا تمہاری عزت اور احترام مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔“

”بھائی چائے لے لیں نا۔ کیا سوچنے لگے آپ۔“ انعم نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا اور پھر پیچھے کھڑے رمضان کی طرف دیکھا۔

”امی جان سے بھی پوچھ لو۔ کیا خبر ان کا بھی جی چاہ رہا ہو پینے کو۔“

”وہ تو چائے پینے سے انکار نہیں کریں گی لیکن پہلے ہی ان کا بی پی ہائی ہے اور چائے تو گرم ہوتی ہے۔“

”یہ خود سب سے بڑا ڈاکٹر ہے۔“ مبشر اس کی طرف دیکھ کر ہنسا۔ تب ہی فون کی بیل ہوئی فون انعم کے نزدیک تھا۔ اس نے ریسیور اٹھایا۔

”جی ابا جی آپ۔“

”جل تو جلال تو۔“ مبشر نے کانوں کو ہاتھ لگائے تو اسفر مسکرا دیے۔

”میرا پوچھیں تو کہہ دیں چلا گیا ہے۔“

اس نے آہستہ سے کہا تو انعم نے سر ہلا دیا وہ فون کی طرف متوجہ تھی۔

”جی۔۔۔ جی ابا جی میں بتا دیتی ہوں امی جان کو وہ ابھی کمرے میں ہی ہیں۔“

”شام کو کتنے بجے تک۔“

”جی تیار رہیں گے۔“ سمن اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کہاں جانا ہے۔“ جیسے ہی اس نے ریسیور رکھا اس نے پوچھا۔ انعم نے پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کیے۔

”وہ ابا جی کہہ رہے ہیں شام کو شیخوپورہ جانا ہے سب تیار رہیں۔“

”شیخوپورہ مگر کیوں۔“ سمن نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ حاجی عبدالستار ہیں نا ابا جی کے دوست ان کی بیٹی سے بات طے کر دی ہے ابا جی نے شبی کی۔“

”نہیں۔“ سمن نے بے اختیار مبشر کی طرف دیکھا جو ششدر بیٹھا ہوا تھا۔

”انہوں نے کہا ہے آج شام ہی انگوٹھی بھی پہنا دینی ہے۔ ان کی بات ہو گئی ہے حاجی صاحب سے منگنی کا فنکشن بعد میں ہوتا رہے گا۔ آج صرف انگوٹھی پہنا کر بات پکی کر دینی ہے۔“

”لیکن یہ ظلم ہے زیادتی ہے۔“ انعم کو مبشر کی آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ اٹھی اور مبشر کی کرسی کے پیچھے کھڑے ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ اس کے بازوؤں پر رکھ کر جیسے اسے تسلی دی۔ وہ ہونٹ بھینچے بیٹھا تھا اور اسفر حیران سے صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اچانک ہی سمن نے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا اور روتے ہوئے عذرا بیگم کے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

■■■

”شارو ابھی تک نہیں آیا۔“ سیدہ اسما شاہ نے کوئی اٹھارہویں بار زینت فاطمہ سے پوچھا تو سیدہ اسما نے بے حد حیران ہو کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

”پھپھو کیا بات ہے آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔ شاہ رخ بھائی تو بتا کر گئے تھے کہ وہ کسی بے حد ضروری کام سے شہر جا رہے ہیں۔“

”ہاں بتایا تو تھا لیکن پتا نہیں کیوں دل گھبرا رہا ہے۔“ وہ سیدہ اسما کے بیڈ پر ہی اس کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

”وہ مخدوم کو بھی تو ساتھ لے کر نہیں گیا نا شاید اس لیے۔“ انہوں نے بہانہ بنایا اب وہ اسما شاہ کو کیا بتاتیں کہ

دل کو کیا بے چینی لگی ہے۔ وہ کیوں اتنی مضطرب ہیں رات ہی تو شاہ رخ نے انہیں بتایا تھا کہ کمالے اور فضل داد نے اسے بتایا ہے کہ انہوں نے شاہ رخ کو مارا ہے لیکن زیادہ نہیں۔ مگر ان کے دل کو تو پنکھے لگے ہوئے تھے پتا نہیں کتنا مارا ہو گا انہوں نے اسے پتا نہیں کیا حالت ہو گی اس کی' پتا نہیں وہ زندہ بھی ہو گا یا نہیں پھر ان کی آنکھوں کے سامنے حویلی کا کشادہ صحن آ جاتا اور اس کے درمیان پڑی چارپائی پر آنکھیں موندے لیٹا عباس مرزا جس کے پاؤں چارپائی سے نیچے لٹک رہے تھے اور پھر حویلی کے گیٹ سے باہر نکلتی ایمبولینس۔

پوری رات انہوں نے بیٹھے بیٹھے گزار دی تھی حالانکہ شاہ رخ نے انہیں بہت تسلی دی تھی اور کہا تھا کہ صبح ہوتے ہی وہ شہر جا کر شجاع کی خبر لے آئے گا اور پھر وہ ناشتہ کرتے ہی نکل بھی گیا تھا لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتیں جسے کسی پل چین نہیں تھا۔ آنکھوں کے آگے سارے منظر آ رہے تھے۔ کبھی قائم علی شاہ آنکھوں کے سامنے آ کھڑے ہوتے پیارے گل گوتھنے سے شجاع کو گود میں اٹھائے۔

”آپی یہ آپ کا ہے۔ آپ کا بیٹا۔“ کبھی حمنہ تصور میں آ جاتیں۔ قائم علی شاہ کی گود سے شجاع کو لے کر ان کی گود میں ڈالتے ہوئے۔

”آپی جس روز شجی پیدا ہوا تھا تو قامی نے کہا تھا یہ ہمارا بیٹا نہیں ہے۔ آپی کا ہے۔ انہوں نے بڑی محروم زندگی گزاری ہے اور میں نے دل میں عہد کیا تھا کہ اپنی پہلی اولاد ان کو ہی دے دوں گا۔“ تب شجاع کو گود میں لے کر بے تحاشا چومتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔

”تمہارے بڑے لالہ جی اور شاہ جی کے بچے بھی میرے ہی ہیں قامی۔“

”لیکن یہ بالکل آپ کا اپنا ہو گا۔ اس کے متعلق ہر فیصلہ آپ کا ہو گا۔ آپ اسے پڑھانا لکھانا جو چاہے بنانا۔ ہم اس سے دستبردار ہو گئے ہیں۔“ اور ان کا دل قائم علی شاہ اور حمنہ کی کشادہ دلی پر بھر آیا تھا اور وہ آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو بالکل بھی نہ روک سکی تھیں اور تب قائم علی شاہ نے ان کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا تھا۔

”آپی جس روز میں حمنہ اور شجی کو لے کر حویلی آؤں گا اس روز شجی کو آپ کی گود میں ڈال دوں گا۔ تب تک یہ حمنہ کی گود میں آپ کی امانت ہے۔“

اور پھر منظر بدل جاتا اور عباس مرزا اونچی حویلی کے گیٹ سے باہر جاتا نظر آتا۔ سانولے رنگ کا اونچا لمبا عباس مرزا جس کی آنکھوں میں عجیب مقناطیسی چمک تھی اور اس کی ان اچانک اٹھ جانے والی نظروں میں عجب رنگ کے سراہے جانے والے جذبے تھے۔

”پھپھو آپ یونہی پریشان ہو رہی ہیں۔ شاہ رخ بھائی تو اکثر اکیلے ہی چلے جاتے ہیں اور وہ تو بہت محتاط ڈرائیونگ کرتے ہیں۔“

”ہاں بس پتا نہیں کیوں دل گھبرا رہا ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

”پھپھو بیٹھیں نا آپ ابھی تو آئی ہیں۔“ اس نے ہاتھ پکڑ کر انہیں بٹھا دیا۔

”اکیلے کمرے میں اور بھی زیادہ دل گھبرائے گا۔“

”اچھا۔“ وہ بیٹھ گئیں اور سوچا۔

”کیا خبر شارو کو کوئی اور کام بھی ہو۔ ورنہ اتنی دیر تو نہ کرتا۔ ڈیڑھ گھنٹے کا تو رستہ تھا۔ اور وہ صبح سے گیا ہوا تھا اور اب شام ہونے والی تھی کیا خبر شجاع کی طبیعت زیادہ خراب ہو اور کیا پتا۔ نہیں خدا نہ کرے۔ میرے مولا میرے بھائی کے دل کو ٹھنڈا رکھنا۔“ انہوں نے زیر لب کہا تو اسما نے چونک کر انہیں دیکھا۔

”آپ نے مجھ سے کچھ کہا پھپھو۔“

”نہیں تو۔“ وہ چونکیں تب ہی بی بی جان اندر آ گئیں۔

”ارے زینت فاطمہ تم یہاں بیٹھی ہو۔ میں تمہارے کمرے میں دو بار دیکھ چکی ہوں۔“

”بس یونہی دل گھبرا رہا تھا تو اسما کے پاس چلی آئی آپ کو کوئی کام تھا کیا۔“

"نہیں کام کیا ہونا تھا۔ بس آج رات اونچی حویلی جانا تھا۔ شاہ زیب کی تاریخ لینے اور یہ شاہ رخ پتا نہیں کہاں رہ گیا۔ کہا بھی تھا جلد آجانا۔ رات کا کھانا بھی ادھر ہے اور شاہ رخ کا کچھ پتا نہیں۔" وہ اسماء کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"اور ہاں تمہیں بھی ساتھ چلنا ہے اس لیے تمہاری طرف گئی تھی۔"

"میں نے۔" زینت فاطمہ نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تم شاہ زیب کی اکلوتی پھپھو ہو اور پھر کون سا ہم نے **جمگھٹا** اکٹھا کرنا ہے۔ گھر کے لوگ ہی ہیں۔ مٹھائی میں نے منگوالی تھی اور بھی سب کچھ تیار ہے۔" زینت فاطمہ خاموش ہو گئیں وہ جانتی تھیں کہ ان سے کچھ کہنا بیکار ہے۔ خوامخواہ ناراض ہو جائیں گی۔

یوں بھی وہ کہتی تھیں کہ انہیں شاہ زیب سے پیار نہیں۔ وہ صرف شاہ رخ سے پیار کرتی ہیں۔ حالانکہ انہیں تو دونوں ہی پیارے تھے لیکن شاہ رخ خود زیب کی نسبت ان سے زیادہ پیار کرتا تھا اور ان سے زیادہ قریب تھا۔ اور یہ تو ان کا دل ہی جانتا تھا کہ اونچی حویلی جا کر کون کون سے زخموں کے ٹانکے کھل جاتے تھے کیسے درد جاگ اٹھتے تھے۔ وہ ایک اجنبی وہ اس کی پرشوق نظریں۔۔۔ اور پھر اس کا بے جان جسم حالانکہ بڑے لالہ جب سے ریٹائر ہو کر مستقل طور پر اونچی حویلی میں رہنے لگے تھے۔ وہ اکثر انہیں اپنے پاس بلاتے اپنے ساتھ رہنے کی ضدیں کرتے تھے۔ ان کے بچے بھی بہت احترام کرتے تھے زینت فاطمہ کا اور بھابی بھی محبت سے پیش آتیں وہ ان کی نسبت بہت نرم دل اور مختلف مزاج کی تھیں لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتیں جو ایک لمحے کا اسیر تھا۔ وہاں انہیں عباس مرزا بہت یاد آتا۔ وہ اس کا مڑ کر دیکھنا وہ ایک نظر جو تب اتنی اہم نہ تھی لیکن اس کے جانے کے بعد بہت اہم ہو گئی تھی اور وہ جو کبھی شادی کے لیے رضامندی نہ دے سکی تھیں شاید اسی وجہ سے شاید انہیں عباس مرزا سے محبت ہو گئی تھی وہ عباس مرزا جس پر انہوں نے ایک غیر ارادی نظر ڈالی تھی اور بس لیکن عمر بھر کے لیے اسیر کر گیا تھا انہیں لگتا تھا جیسے وہ کسی اور کے ساتھ انصاف نہ کر سکیں گی وہ کبھی کسی سے محبت نہ کر سکیں گی۔

عباس مرزا ہمیشہ کے لیے ان کے دل ان کی روح میں بس گیا تھا تب ہی انہوں نے داجی کے پاؤں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے تھے۔

"داجی مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کیجئے۔" ان دنوں آپا کے سسرال سے سید عبدالغفار شاہ کے پھوپھی زاد بھائی کا رشتہ آیا ہوا تھا اور سید عبدالغفار شاہ کی طرح وہ بھی تین شادیاں کر چکا تھا پہلی دونوں بیویاں حیات تھیں جبکہ تیسری کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ اولاد کی آرزو میں شادیوں پر شادیاں کیے جا تا تھا۔

"داجی خود بھی کچھ متذبذب سے تھے۔ جوان بیٹی کی موت قائم علی شاہ کا گھر سے چلے جانا۔۔۔ اندر سے وہ کچھ ڈھے سے گئے تھے اس لیے وہ زینت فاطمہ کی بات رد نہ کر سکے تھے اور خاموشی سے جھنگ انکار کہلا بھیجا تھا اور زینت فاطمہ نے سکون کا سانس لیا تھا پھر اس کے بعد ان کا کوئی رشتہ نہ آیا تھا حالانکہ بڑے لالہ یعنی اظہار علی شاہ نے دو ایک بار داجی سے کہا بھی تھا۔

"داجی زینت فاطمہ کی شادی ہو جاتی تو اچھا تھا۔ لوگ کہتے ہیں ہم جان بوجھ کر لڑکیوں کی شادیاں نہیں کرتے تاکہ گھر کی جائیداد باہر نہ جائے۔"

"سید اظہار شاہ تم جانتے ہو ایسا نہیں ہے۔ ہم نے تو سید عبدالغفار کے شادی شدہ ہونے کے باوجود سیدہ ام کلثوم کا رشتہ دے دیا تھا اور اس کے حصے کی جائیداد بھی ان کے حوالے کر دی تھی۔ لیکن ہماری بچی۔۔۔ ہمارا دل نہیں مانا اظہار شاہ کہ ہم زینت فاطمہ کو بھی اسی جہنم میں جھونک دیں جبکہ وہ خود بھی رضامند نہیں تھیں۔ لوگ کیا کہتے ہیں ہمیں اس کی پروا نہیں۔ اگر تمہارے پاس زینت فاطمہ کے جوڑ کا کوئی سید رشتہ ہے تو لے آؤ۔ ہم ابھی نکاح کر دیتے ہیں۔" اور سید اظہار شاہ خاموش ہو گئے تھے کہ دور و نزدیک زینت فاطمہ کے جوڑ کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ اپنے طور پر یہ انہوں نے کوشش کی تھی لیکن شاید زینت فاطمہ کے نصیب میں یہ ہی لکھا تھا۔ سو انہیں زینت فاطمہ کا بہت خیال رہتا تھا وہ انہیں ضد کر کے اونچی حویلی لے جاتے تھے۔ لیکن زینت فاطمہ کا دل گھبراتا تھا وہاں

اور اب بھی بی بی جان سے اونچی حویلی جانے کا سن کر وہ پریشان سی ہو گئی تھیں۔

"شاہ رخ نے کچھ بتایا نہیں تھا کہ جا کہاں رہا ہے۔" بی بی جان نے سیدہ اسماء سے پوچھا۔

"یہ تو نہیں بتایا تھا انہوں نے بس کہا تھا شہر جا رہے ہیں شام سے پہلے لوٹ آئیں گے۔"

"میرے پاس بھی کھڑے کھڑے آیا۔ میں گندم نکلوا رہی تھی مشین پر پسوائی کے لیے بھیجنی تھی بات بھی پوری نہیں سنی۔ اس لڑکے کے تو ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے قاسم خود تو چلا گیا ہے اور اپنی روح اس لڑکے میں چھوڑ گیا ہے۔ وہی اپنے چاچا والا انداز ہے وہی طور طریقہ ہے۔ اب دیکھ لو شادی اس کی ہونا تھی لیکن ایک ہی ضد کہ زیب کی کر دیں۔ میں ابھی زنجیر نہیں ڈالنا چاہتا پاؤں میں۔ مجھے ہائر ایجوکیشن کے لیے باہر جانا ہے تمہارے شاہ جی نے تو کہا تھا کہ شادی کر کے چلے جاؤ لیکن ایک ہی ضد باندھ لی کہ واپس آ کر کروں گا مجھے تو اس کے طور اطوار صحیح نہیں لگتے" زینت فاطمہ کہیں باہر تو دل نہیں لگا رکھا اپنے چاچا کی طرح۔"

"آپ یونہی وہم کرتی ہیں۔ شاہ رخ واقعی پڑھنے کے لیے جانا چاہتا ہے۔ اس نے اپلائی بھی کیا ہے ایک دو یونیورسٹیوں میں۔" زینت فاطمہ نے آہستگی سے کہا۔

"اب اپنی زارا میں کمی کیا ہے۔ اتنی خوب صورت پڑھی لکھی سچ تو یہ ہے کہ بڑے لالہ جی زندہ تھے تو میں نے شاہ رخ کے لیے بات کی تھی بڑے لالہ سے کہ زارا کو تو میں شاہ رخ کے لیے لاؤں گی پر اب ظاہر ہے وہ زارا کو بٹھا نہیں سکتے تھے عمر بھر۔ ادھر شاہ زیب کی بھی شادی کرنا تھی۔ سو شاہ جی نے بھابی جان سے زارا کو شاہ زیب کے لیے مانگ لیا۔ اگر شاہ رخ یوں رسی نہ تڑواتا تو زارا اس کی ہی دلہن بننا تھی۔" اور اندر آتا شاہ زیب وہاں ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ بی بی جان کی عادت بلا سوچے سمجھے بولنے کی تھی اور جب وہ بولنے لگتیں تو بولتی ہی چلی جاتیں کدھر کی اینٹ کدھر کا روڑا۔ انہیں کچھ پتا نہ چلتا تھا کون سی بات کرنا ہے۔

"بی بی جان آپ بھی کیسی بات کرتی ہیں۔ زارا اب شاہ زیب کی منکوحہ ہے۔ رہی بچپن کی بات تو بچپن میں آدمی ہزاروں باتیں سوچتا ہے سب پوری تو نہیں ہوتیں۔ خدا زارا اور شاہ زیب کو زندگی کی ہر خوشی دے۔" زینت فاطمہ نے کہا۔

"خدا نہ کرے میرا بھی کوئی ایسا مطلب نہ تھا خدا دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔ مجھے تو شاہ رخ پر غصہ ہے کہ کہاں جا کر بیٹھ گیا۔ بڑا بھائی ہے اب اس کے بنا جاتے اچھا لگے گا۔ بس اسی غصے میں اول فول بکے جاتی ہوں۔"

"آجائے گا۔ اسے پتا تو ہے نا آج تاریخ لینے جانا ہے رخصتی کی۔ دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔" زینت فاطمہ نے جیسے خود اپنے آپ کو تسلی دی۔ تب ہی اسما کی نظر شاہ زیب پر پڑی جو ادھ کھلے دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ پیشانی کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔

"شاہ زیب بھائی آپ وہاں کیوں کھڑے ہو گئے۔" سیدہ اسما نے سر پر دوپٹا درست کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"السلام علیکم پھپھی جی" شاہ زیب نے اندر آ کر پہلے زینت فاطمہ اور پھر بی بی جان کو سلام کیا۔

"اور تم کہاں تھے صبح سے میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا آج نہ جانا شکار کے لیے۔ دوستوں کو ٹال دینا میرے دل میں وہم آتے ہیں زیب اب زارا کی رخصتی تک گھر پر ہی رہو گی بی بی جان نے شاہ زیب کو سرزنش کی۔

"میں شکار کے لیے نہیں گیا تھا۔ شاہ جی کے پاس تھا۔" شاہ زیب بے حد سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"اور میرے دوست بھی واپس چلے گئے تھے شہر۔ البتہ مردانے میں مصروفیت رہی۔ شاہ جی کے پاس علاقے کے لوگ آئے ہوئے تھے۔ وہ چاہ رہے تھے کہ شاہ جی الیکشن کے لیے کھڑے ہوں لیکن شاہ جی نہیں مان رہے تھے۔"

"تو صحیح کہہ رہے ہیں۔ ابھی ایک الیکشن ختم نہیں ہوتا تو دوسرا شروع ہو جاتا اور پھر شاہ جی کی علاقے میں پہلے ہی بڑی عزت ہے۔"

"خیر ابھی شاہ جی نے حتمی فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن اگر شاہ جی کھڑے نہ ہوئے تو میں کھڑا ہو جاؤں گا۔"

"میں تو کہتی ہوں چھوڑو یہ الیکشن سیاست میں کیا رکھا ہے۔ فضول کی خواری ہمارے خانوادے کی تو آس پاس کے سارے ہی علاقے میں بڑی عزت و تکریم کی جاتی ہے۔"

"آپ نہیں سمجھ سکتیں بی بی جان آپ سے بحث فضول ہے۔" شاہ زیب کا انداز بیزاری لیے ہوئے تھا۔

"میں اس لیے آیا تھا کہ شاہ جی آپ کو بلا رہے ہیں۔ نور دین زیور کا ایک سیٹ لایا ہے جڑاؤ۔ کسی معزز زمیندار کا ہے اور وہ بیچنا چاہتا ہے۔ شاہ جی چاہ رہے ہیں کہ آپ آکر دیکھ لیں اگر آپ کو پسند آئے تو لے لیں۔"

"اچھا۔" بی بی جان اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تمہاری بری کی تو ہر چیز تیار ہے مع زیورات کے لیکن دیکھ لیتی ہوں اگر اچھا ہے تو اسما کے لیے لے لوں گی۔"

"بہت خوب صورت سیٹ ہے۔ بہت نفیس ہے لیکن کسی مجبوری کے تحت بیچنا پڑ گیا ہے۔" شاہ زیب نے بتایا۔

"اگر خوب صورت ہو تو ضرور لے لیجیے گا مجھے پرانے زمانے کے زیورات بہت اٹریکٹ کرتے ہیں۔" اسما نے اشتیاق سے کہا۔ بی بی جان سر ہلاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔

"سیدہ اسما ذرا گلاب بی بی سے کہیے۔ میرے لیے ایک کپ چائے بنا دے۔" شاہ زیب نے اسماء سے کہا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شاہ زیب بیٹا تھکے تھکے سے لگ رہے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" زینت فاطمہ نے بغور اسے دیکھا۔

"جی پھپھو جان۔"

"کچھ الجھے الجھے سے ہو۔"

"کوئی خاص وجہ نہیں ہے لیکن پھپھو جان پلیز مجھے ایک بات بتائیں گی۔"

سیدہ اسما کے جانے کے بعد انہوں نے زینت فاطمہ سے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں کیا بات ہے۔"

"یہ زارا کیا بچپن میں اس کی بات شاہ رخ سے طے تھی۔"

"نہ نہ۔" زینت فاطمہ چونک پڑیں۔

"بات وات تو کوئی طے نہ تھی البتہ تمہاری بی بی جان کہہ رہی ہیں کہ بچپن میں انہوں نے بڑے لالہ جی سے ذکر کیا تھا کہ وہ زارا کو اپنی بہو بنائیں گی شاہ رخ بڑا تھا سو قدرتی بات ہے دھیان اسی کی طرف گیا ہو گا۔ لیکن اظہار لالہ تو بہت روشن خیال اور مختلف مزاج کے تھے وہ بچپن کی منگنی وغیرہ کے قائل نہ تھے کہ نہ جانے بڑے ہو کر کیا رجحان ہو کسی کا یوں بھی یہ مقدر کی بات ہے زارا تمہارا نصیب تھی اور۔"

"اور اگر ایسی بات تھی بی بی جان کے دل میں تو سارا کو محفوظ رکھتیں شاہ رخ کے لیے اور۔"

اس کے لہجے کی تلخی زینت فاطمہ نے بڑی شدت سے محسوس کی۔

"نہیں بیٹا ایسی بات نہیں کرتے۔ زارا تمہارے ہی مقدر کا ستارا تھی سو اسے تمہارے آسمان پر ہی سجنا تھا۔ زارا بہت اچھی بہت سلجھی ہوئی اور محبت کرنے والی لڑکی ہے۔" شاہ زیب کی کشادہ پیشانی کی لکیریں اس کے بھنچے ہونٹ اس بات کے غماز تھے کہ وہ کچھ سوچ رہا ہے —— زینت فاطمہ دل ہی دل میں کانپ گئیں۔ شاہ زیب تو شاہ جی کی کاپی تھا۔ وہی غصہ وہی ضد۔ زارا انہیں بے حد عزیز تھی۔

"خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔ انہوں نے بے اختیار دعا کی۔

"کسے دعائیں دی جا رہی ہیں پھپھو جان۔" شاہ رخ نے اندر قدم رکھے اور مسکرائے۔

"شاہ زیب اور زارا کے لیے دعا کر رہی تھی۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے شاہ رخ کی طرف دیکھا۔ شاہ رخ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں تسلی دی اور پھر شاہ زیب کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"پھر تو زوردار آمین کہنا چاہیے اور میری طرف سے بھی بہت ساری دعائیں اس میں شامل کر لیں۔"

"کیوں نہیں۔" زینت فاطمہ مسکرا دیں۔

"اور یہ تم کہاں رہ گئے تھے تمہاری بی بی جان پریشان ہو رہی تھیں۔"

"بس پھپھو دیر ہو گئی جس دوست کے پاس گیا تھا اس نے آنے ہی نہیں دیا۔ بہت مشکل سے اجازت لے کر آیا ہوں کہ آج میرے بھائی کی شادی کی تاریخ طے ہونا ہے۔" وہ ابھی تک کھڑے تھے۔

شاہ رخ کے چہرے پر پھیلے اطمینان سے زینت فاطمہ کو بھی اطمینان ہوا کہ یقیناً "سب خیریت ہی ہے۔

"ویسے جانا کب ہے۔" انہوں نے زینت فاطمہ سے پوچھا۔

"بی بی جان مغرب کے بعد جانے کو کہہ رہی تھیں۔"

"پھر تو اذان ہونے والی ہے۔ میں جلدی سے غسل کر کے چینج کر لوں۔

"کیا دولہا بھی ساتھ چلے گا۔"

"پتا نہیں میرا خیال ہے بی بی جان نے ایسا کچھ کہا تو نہیں ہے۔" زینت فاطمہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"ہمارے گھر میں یہ پہلی شادی ہے۔ اگر میری عدم موجودگی میں ہوتی تو مجھے اس میں شریک نہ ہونے کا بہت افسوس ہوتا۔ تھینک گاڈ کہ بی بی جان جلدی ہی تاریخ رکھ رہی ہیں۔"

"ویسے جانے کا پروگرام کب تک ہے۔" شاہ زیب پہلی بار شاہ رخ سے مخاطب ہوئے۔

"تین چار ماہ مزید لگ جائیں گے۔" زینت فاطمہ کے ساتھ ساتھ باہر نکلتے ہوئے شاہ رخ نے بتایا تو شاہ زیب بھی اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ باہر نکل آیا۔

"زیب۔" شاہ رخ نے محبت سے بھائی کی طرف دیکھا۔

"اگر تمہارا دل چاہ رہا ہو جانے کا تو بی بی جان سے سفارش کروں کیا خیر زارا کی کوئی جھلک دکھائی دے جائے۔"

شاہ زیب کی پیشانی کے بل کھل گئے اور ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ بھرے بھرے ہونٹوں کے اندر سے خوب صورت دانت جھلکنے لگے۔ شاہ زیب کے دانت بہت خوب صورت تھے۔ بالکل ہموار اور ذرا ذرا فاصلے پر ترتیب سے جیسے مکئی کے بھٹے پر مکئی کے دانے۔ اس کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی۔

"ہاں اگر سفارش کر ہی دیں تو اچھا ہے۔" زینت فاطمہ مضطرب سی ہولے ہولے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

"پھپھو جان نماز سے فارغ ہو کر میں حاضر ہوتا ہوں۔" شاہ رخ نے جو زینت فاطمہ کے اضطراب اور بے چینی کو شدت سے محسوس کر رہے تھے بلند آواز میں کہا۔

زینت فاطمہ نے مڑ کر دیکھا لیکن وہ شاہ زیب کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور اس کے گلے میں باہیں ڈالے ہولے ہولے کچھ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے جبکہ شاہ زیب کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ زینت فاطمہ نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا ورنہ کچھ دیر پہلے اس کی سنجیدگی نے انہیں ڈرا دیا۔ جس طرح اور جس انداز میں اس نے شاہ رخ اور زارا کی بات طے ہونے کے متعلق پوچھا تھا اس سے وہ پریشان ہو گئی تھیں۔ یوں بھی شاہ زیب کا مزاج اور ڈھنگ نرالے تھے۔ نماز پڑھ کر وہ دیر تلک سب کے لیے دعا مانگتی رہیں۔ نماز پڑھ کر وہ ابھی جائے نماز پر ہی بیٹھی تھیں کہ شاہ رخ نماز پڑھ کر اور فریش ہو کر آ گئے۔

"جی پھپھو جان۔" وہ ان کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئے۔

"شجاع بالکل ٹھیک ہیں۔ معمولی سے زخمی ہوئے تھے ہاسپٹل میں ایک آدھ روز اور رہیں گے۔"

"یا رب العالمین تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" زینت فاطمہ نے بے اختیار اللہ کا شکر ادا کیا۔

"اور میں قائم چاچو سے بھی ملا تھا۔"

"قائم سے۔" انہوں نے یکدم شاہ رخ کا چہرہ دونوں ہاتھوں کے کٹوروں میں تھام لیا۔

"کیسا تھا وہ۔" ان کی آواز میں ہلکی کپکپاہٹ تھی۔

"بالکل ٹھیک اور بالکل ایسے ہی جیسے۔ آپ کے تصور میں ہیں بچی پھپھو وہ تو بالکل بھی بوڑھے نہیں ہوئے۔ شجاع کے بڑے بھائی لگ رہے تھے۔"

"اچھا۔" زینب فاطمہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"اور انہوں نے آپ کے لیے بہت ساری محبتیں اور دعائیں بھیجی ہیں۔"

"اور حسنہ۔۔۔ حسنہ کیسی تھی۔ ملے ہو تم اس سے۔" زینت فاطمہ کی آواز بھیگ گئی۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔

"نہیں چاچو تو ہاسپٹل میں ملے تھے اور حسنہ آنٹی لاہور میں ہیں۔"

"لیکن تم تو کہہ رہے تھے وہ شہر میں ہیں۔"

"ہاں میں نے یہی سمجھا تھا لیکن اب پتا چلا کہ وہ لوگ لاہور میں ہی سیٹل ہوئے ہیں آ کر۔ یہاں شہر میں صرف شجاع ہیں۔"

"پھپھو جان۔"

شاہ رخ نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"جیسے ہی مجھے موقع ملے گا میں کسی بہانے آپ کو لاہور لے جاؤں گا۔ آپ پریشان مت ہوں۔"

"نہیں میں پریشان تو نہیں ہوں۔" انہوں نے آنکھوں کے کونوں میں اکٹھے ہو جانے والے آنسو پونچھے۔

"اچھا اب بتاؤ تفصیل سے ساری بات۔" اور تب شاہ رخ نے ایک ایک بات انہیں تفصیل سے بتائی تب کہیں جا کر ان کی تسلی ہوئی۔

"شجی ٹھیک تو ہو جائے گا نا جلدی۔" شاہ رخ اٹھے تو انہوں نے پھر تسلی چاہی۔

"انشاء اللہ وہ تو ڈاکٹر اسے اجازت نہیں دے رہے ورنہ وہ تو ایک دن بھی ہاسپٹل میں رہنے کو تیار نہیں۔" وہ خوامخواہ زینت فاطمہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ ابھی تو کم از کم وہ ایک ہفتہ تک ہاسپٹل میں ہی تھا۔ ڈاکٹر سے ان کی تفصیلی بات ہوئی تھی۔

"اوکے پھپھو میں اب جاؤں ذرا شاہ جی کے پاس بیٹھوں گا۔۔۔ شاید کوئی کام ہو۔"

"ہاں جاؤ میں بھی تیار ہو جاؤں۔ تمہاری بی بی جان کہہ رہی تھیں مجھے بھی ضرور ساتھ چلنا ہے۔"

"آپ بھی چلیں گی پھپھو" انہوں نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں نہ گئی تو شاہ زیب ناراض ہو گا اور تمہاری اماں تو بہت ناراض ہوں گی۔"

"ہاں پھپھو اس بات پر ناراض ہونا ان کا حق بنتا ہے اور پھر آپ تو کہیں آتی جاتی بھی نہیں ہیں۔ اس روز اعزاز بھائی بھی گلہ کر رہے تھے کہ پھپھو ان کی طرف تو بالکل آتی ہی نہیں۔"

"کیا کروں بیٹا۔ جی ہی نہیں چاہتا حویلی سے باہر نکلنے کو۔" وہ اداسی سے مسکرائیں۔

"خوش رہا کریں پھپھو۔ ہم سب ہیں نا آپ کے اور پتا ہے پھپھو میں نے تو سوچ رکھا ہے میں جہاں بھی رہوں گا آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھوں گا۔"

"خدا تمہیں زندگی دے بیٹا۔" انہوں نے دعا دی اور شاہ رخ ان سے اجازت لے کر باہر نکلے۔ پھر طویل برآمدہ اور کشادہ صحن عبور کر کے وہ مردانے کی طرف مڑے ہی تھے کہ انہیں کمالا بھی ادھر آتا دکھائی دیا۔ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے شاہ جی کی نشست گاہ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ کمالے نے انہیں آواز دی۔ تب بے حد ناگواری سے انہوں نے کمالے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ وہ جی شاہ بابا اپنے کمرے میں بے ہوش پڑے ہیں۔"

"کیا۔" وہ پوری طرح اس کی طرف مڑ گئے۔

"وہ جی میں ادھر سے گزر رہا تھا۔ تو میں نے سوچا کہ شاہ بابا کو سلام کرتا جاؤں۔ کبھی کبھی سلام کو چلا جاتا ہوں جی

۔ بڑا سکون ملتا ہے ان کے پاس بیٹھ کر اللہ والے ہو گئے ہیں جی۔"

"کمالے۔" شاہ رخ کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئیں۔

"وہ جی بتانے لگا ہوں۔" کمالا گھبرا گیا۔

"جی میں اندر گیا تو نماز کی چوکی کے پاس گرے پڑے تھے۔ سیدھا کیا۔ نبض دیکھی۔ بے ہوش تھے جی۔ ابھی تک ایسے ہی بے ہوش پڑے ہیں۔ میں نے پانی شانی ڈالا پر۔۔۔"

اور شاہ رخ شاہ جی کی نشست گاہ کی طرف جاتے جاتے پلٹ پڑے۔ شاہ بابا کی رہائش حویلی کے مردانے حصے میں تھی اور وہ بھی خاصے فاصلے پر بنے کمروں میں تھی۔ یہ حصہ مردانہ حصے سے کافی دور تھا۔ کسی زمانے میں یہاں مرید آ کر ٹھہرا کرتے تھے۔ لیکن اب یہ کمرے خالی پڑے تھے اور ان سے ملحق مشرق کی طرف درگاہ شریف تھی اور اس کا ایک دروازہ اسی سمت اندر کی طرف کھلتا تھا۔ شاہ رخ نے جب سے ہوش سنبھالا تھا شاہ بابا کو انہی کمروں میں سے ایک کمرے میں دیکھا تھا۔ دو تین بار انہوں نے شاہ جی سے کہا بھی تھا کہ وہ انہیں حویلی کے رہائشی حصے میں لے آئیں۔ مردانے کی طرف کئی کمرے خالی پڑے تھے۔ مہمان خانہ بھی تھا۔ لیکن شاہ جی نے ان کی بات پر زیادہ غور نہیں کیا تھا۔ وہ جب بھی سید پور آتے تو باقاعدگی سے شاہ بابا کے پاس جاتے تھے۔ شاہ بابا موڈ میں ہوتے تو کوئی بات کر لیتے۔ ورنہ خاموش بیٹھے رہتے۔ اور شاہ رخ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر چلے آتے۔ انہیں شاہ بابا سے عجیب سی عقیدت تھی بچپن سے ہی وہ سمجھتے تھے کہ شاہ بابا جو دعا کریں گے وہ ضرور قبول ہو گی جس روز رزلٹ آنا ہوتا تھا وہ صبح ان کے پاس جا کر دعا کی درخواست کرتے تھے اور اگر شاہ بابا دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیتے تو انہیں یقین ہو جاتا کہ وہ ضرور اچھے نمبر لے کر کامیاب ہوں گے اور انہیں ان کی مطلوبہ پوزیشن مل جائے گی۔ وہ تیز تیز قدموں سے ان کمروں کی طرف بڑھ رہے تھے جو زیادہ تر بند تھے اور جن کی تعداد دس تھی۔ کمالا ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ دروازہ کھلا تھا وہ اندر داخل ہوئے شاہ بابا نماز کی چوکی کے پاس ہی سیدھے لیٹے تھے۔ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے شاہ رخ نے سب سے پہلے ان کی نبض چیک کی جو بہت آہستہ تھی۔

"پتا نہیں کب سے یونہی پڑے ہیں۔" انہوں نے سوچا اور کمالے سے پوچھا۔

"ان کا کھانا کون لاتا ہے۔"

"وہ جی بدرالدین کی ہی ڈیوٹی ہے جی وہ۔"

"بلاؤ اس کو۔" شاہ رخ نے غصے سے اس کی بات کاٹی۔ کمالا پلٹ گیا اور شاہ رخ ہولے ہولے انہیں پکارنے لگے۔

"شاہ بابا۔۔۔ شاہ بابا۔" لیکن وہ ساکت پڑے تھے شاہ رخ نے بغور انہیں دیکھا۔ نورانی چہرہ جو اس وقت پیلا ہو رہا تھا۔ غلافی آنکھیں بھوری رنگت۔

شاہ رخ نے ہوش سنبھالنے کے بعد جب انہیں دیکھا تھا تو تب ان کی داڑھی میں آدھے بال سفید تھے اور آدھے سیاہ لیکن اب تو ایک بھی سیاہ بال نہ تھا۔ شاہ جی کے متعلق ایک بار زینت فاطمہ نے ہی انہیں بتایا تھا کہ شاہ جی نے اپنی جوانی میں کسی غیر سید لڑکی سے شادی کر لی تھی اور کچھ عرصہ تک یہ بات چھپی رہی جب بیٹا ہوا تو وہ بیوی اور بیٹے کو گھر لے آئے۔ ان دنوں حضرت بابا درگاہ شریف میں کوئی چلہ کاٹ رہے تھے اور جب وہ حویلی آئے تو انہوں نے شاہ جی کے سامنے دو تجاویز رکھیں یا تو حویلی چھوڑ دو اور بیوی بچے کو ساتھ لے جاؤ یا پھر بیوی کو طلاق دے دو اور بچہ حویلی میں رکھ لو۔ حویلی چھوڑنے کی صورت میں پہلی بیوی اور بچے سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔

اور پھر شاہ جی نے بیوی کو طلاق دے دی اور بچہ حویلی میں پلنے لگا کہ دونوں تجاویز میں ان کے لیے نقصان ہی تھا۔ دوسری تجویز ماننے کی صورت میں وہ کم نقصان میں رہتے۔ کہتے ہیں کہ ان کی بیوی پاگلوں کی طرح سید پور کی گلیوں میں چکراتی پھرتی تھی۔ یا پھر حویلی کے گیٹ پر بیٹھی رہتی اور حویلی میں آنے جانے والے

ہر شخص کی منت کرتی کہ اسے اس کے بیٹے سے ملوا دیا جائے۔ بڑے شاہ جی کو ان دنوں حضرت بابا نے سندھ بھجوا دیا تھا تاکہ ایک تو وہ سنبھل جائیں۔ دوسرا اس ڈر سے کہ کہیں پاگل عورت کی بے چینی اور اضطراب دیکھ کر وہ پگھل نہ جائیں۔ سنا ہے ایک بار اس نے درگاہ شریف میں جا کر حضرت بابا کے پاؤں تھام لیے انہیں واسطے دیے منتیں کیں۔ لیکن حضرت بابا نے اسے دھتکار دیا۔ پھر وہ کسی کو نظر نہ آئی۔ ایک طویل عرصہ تک وہ بچہ حویلی میں پرورش پاتا رہا۔ لیکن اسے وہ حیثیت نہ مل سکی جو داجی کو تھی۔ داجی شاہ جی کی پہلی خاندانی بیوی سے تھے۔ بلکہ وہ بچہ ایک طرح سے ملازموں کی طرح حویلی میں پلتا رہا۔ پھر جب وہ بچہ چودہ سال کا ہوا تو اچانک سید پور میں کہیں سے ایک پگلی آ گئی جو سارا دن درگاہ شریف کے باہر یا حویلی کے گیٹ پر بیٹھی رہتی تھی اور وہ بچہ مکرم علی شاہ اکثر اس پگلی کے پاس بیٹھا دکھائی دیتا۔ حالانکہ اس پگلی کا لباس انتہائی غلیظ تھا۔ ننگے پاؤں جگہ جگہ سے زخمی تھے اور ان سے خون رستا رہتا تھا۔ جن پر مکھیاں بھنبھناتی رہتیں۔ بالوں میں جیسے سالوں سے کنگھی نہ کی گئی تھی۔ لیکن مکرم علی شاہ بہت اشتیاق سے اس کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ جانے چپکے چپکے وہ اس سے کیا باتیں کرتی تھی۔ پھر ایک صبح وہ گیٹ پر اکڑی پڑی تھی اور مکرم شاہ نے شاہ جی سے جا کر کہا تھا۔

"شاہ جی گیٹ پر میری ماں کی لاش پڑی ہے۔ ازراہ کرم اسے دفنا دیجئے" اور پھر اس شام پگلی کو دفنا کر قبرستان سے مکرم علی شاہ گھر واپس نہ آیا۔ حویلی میں کسی کو اس کے جانے سے فرق نہ پڑا تھا۔ ہاں شاہ جی کبھی کبھی کاظم شاہ کو دیکھتے تو انہیں وہ بے طرح یاد آتا تھا۔ شاہ جی کا صرف ایک ہی بیٹا تھا اور اگر وہ بھی ہوتا تو آج وہ خود کو مضبوط محسوس کرتے۔ لیکن وہ جانے کہاں کھو گیا تھا۔ پھر بارہ سال بعد ایک صبح وہ اچانک آ گیا۔ حضرت بابا وفات پا چکے تھے اور بڑے شاہ جی انہیں پہچان نہ سکے تھے۔

"میں مکرم علی شاہ ہوں۔" وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا تھا "اور میری ولدیت کے خانے میں آپ کا نام درج ہے۔ میں بھی آپ کا ایسا ہی بیٹا ہوں جیسا کاظم علی شاہ زمین و جائیداد میں شرعاً" اور قانوناً" برابر کا حصے دار لیکن میں آپ کے پاس یہاں جائیداد میں حصہ لینے نہیں آیا۔ مجھے صرف آپ کے نام کا اعتبار چاہیے۔"

اور یہ بات وہاں موجود ملازمین سے حویلی کے رہائشی حصے تک پہنچی تھی۔ پھر تنہائی میں بڑے شاہ جی اور مکرم علی شاہ کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں اس کے متعلق کوئی نہیں جانتا۔ اگلی صبح لوگوں نے حویلی سے مکرم کو رخصت ہوتے دیکھا اور پھر تین سال گزر گئے۔ بڑے شاہ جی ان کا انتظار ہی کرتے رہے۔ کئی بار انہوں نے ملازمین سے پوچھا۔ مکرم تو نہیں آیا تھا اور پھر کاظم شاہ کی طرف دیکھا۔

"کہیں تم نے مکرم کو تو نہیں لوٹا دیا" اور جب وہ مایوس سے ہو گئے تھے تو ایک دن مکرم علی شاہ کاظم شاہ کے ساتھ آ گئے۔ اس طرح کہ انہیں اپنا کوئی ہوش نہ تھا۔ کاظم شاہ نے بتایا کہ وہ انہیں درگاہ شریف کے باہر بیٹھے ہوئے ملے تھے۔ سید پور کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ مجذوب ہو چکے ہیں اور کاظم شاہ نے جنہیں سب داجی کہہ کر پکارتے تھے انہیں حویلی کے یہ دو کمرے خالی کروا دیے تھے جو مردانہ حصے کے نزدیک تھے۔ وہ تو ہوش و خرد سے اتنے بیگانہ ہو چکے تھے کہ بڑے شاہ جی کو بھی نہیں پہچانتے تھے۔ بس خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتے رہتے تھے۔ بڑے شاہ جی جب تک زندہ رہے وہ اکثر شام کو ان کی طرف جاتے اور پوچھتے تھے۔

"مکرم شاہ مجھے پہچانا۔" لیکن وہ خاموش سر جھکائے بیٹھے رہتے تھے۔ بڑے شاہ جی کی وفات کے بعد کاظم شاہ نے انہیں حویلی کے اس حصے میں منتقل کر دیا۔ جہاں مریدوں کے لیے بنائے گئے کمرے تھے۔

کاظم علی شاہ کو مکرم شاہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے کبھی مکرم شاہ کی بیماری میں بھی ان کی خبر گیری نہ کی تھی۔ ایک ملازم کی ڈیوٹی لگا دی گئی تھی کہ وہ انہیں کھانا پہنچا دیا کرے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھا کرے۔ بڑے شاہ جی نے اپنی زندگی میں کئی بار کاظم شاہ سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ مکرم شاہ کو لاہور لے جا کر کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھانا چاہتے ہیں۔ لیکن کاظم شاہ نے ہمیشہ آج کل پر ٹال دیا اور پھر بڑے شاہ جی کی زندگی نے وفا نہ کی تھی وہ مکرم شاہ کے آنے کے کوئی سال بھر بعد ہی وفات پا گئے تھے۔ ورنہ اگر وہ زندہ رہتے تو شاید کبھی ڈاکٹر کے پاس

لے ہی جاتے۔

"یہ جی بدر الدین آ گیا ہے۔" کمالے اور بدر الدین ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تو شاہ رخ نے شاہ بابا کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"بدر الدین جب تم انہیں شام کی چائے دینے آئے تھے تو۔"

"وہ جی شام کی چائے تو شاہ بابا پیتے ہی نہ تھے اور بہت عرصہ سے دن کا کھانا بھی چھوڑ رکھا تھا انہوں نے۔ میں تو بس صبح ناشتہ دینے کے بعد پھر رات کو ہی آتا تھا۔ آج صبح آیا تو شاہ بابا نے صرف آدھا کپ چائے لی تھی بس تب تو ٹھیک تھے۔ چوکی پر بیٹھے تھے اور تسبیح پڑھ رہے تھے۔" اس نے تفصیل بتائی۔

"اور پتا نہیں کب سے اس حالت میں پڑے ہیں۔" شاہ رخ بڑبڑائے اور ان کی کلائی ہاتھ میں لے کر ان کی نبض چیک کی اور مڑ کر بدر الدین سے کہا۔

"بدر الدین جا کر مخدوم سے کہو گاڑی نکالے۔ میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔ شاہ بابا کی حالت مجھے ٹھیک نہیں لگتی۔" پھر وہ شاہ بابا کی کلائی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کمالے سے کہا۔

"کمالے تم شاہ بابا کا خیال رکھو اور بدر الدین آتا ہے تو شاہ بابا کو اٹھا کر چارپائی پر لٹاؤ۔ ان کے ہاتھ پاؤں ملو گلوکوز ملا کر پانی میں پلاؤ۔ اتنے میں شاہ جی کو بتا کر میں ڈاکٹر کی طرف جاتا ہوں۔"

وہ تیز تیز قدم اٹھاتے شاہ بابا کی نشست گاہ کی طرف بڑھ گئے۔

***

"مجھ سے بات مت کرو۔" علینہ نے ماہ نور کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

"یار اب غصہ تھوک بھی دو۔"

ماہ نور نے پیچھے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں تو علینہ نے ذرا سا رخ موڑ کر اس کی طرف ناراضگی سے دیکھا۔

"تمہیں پتہ ہے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی۔ حفصہ اور سارا سے میں نے بطور خاص انہیں تم سے ملوانے کے لیے بلایا تھا اور تم اب آ رہی ہو اتنے دنوں بعد حالانکہ خضر بھائی کہہ رہے تھے کہ تم دوسرے دن آؤ گی۔"

"سوری عینا کہا نا کہ ابا کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ رات بھر جاگتی رہی تھی میں اور پھر اگلے چند دن بہت مصروفیت رہی اسکول میں گھر میں اماں کو بھی فلو ہو گیا تھا۔"

"سن چکی ہوں یہ سب دراصل تم آنا ہی نہیں چاہتی تھیں۔ پتا نہیں تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔" علینہ کے لہجے میں ابھی تک خفگی تھی۔

"اب آ تو گئی ہوں آج۔"

ماہ نور نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ اب اسے کیا بتاتی کہ کیا مسئلہ ہے۔ اسے کیا بات آنے سے روکتی ہے۔

"تم نے تو نہیں بلایا آج۔"

"اچھا ہے تو پھر میں چلی جاتی ہوں۔" ماہ نور اٹھ کھڑی ہوئی۔

پچھلے پندرہ منٹ سے وہ اسے منانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن علینہ کا غصہ کم ہی نہیں ہو رہا تھا۔

"اچھا اب زیادہ پھیلو مت بیٹھو۔"

علینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

"تم اسکول سے آ رہی ہو نا سیدھی۔ کھانا بھی نہیں کھایا ہو گا۔"

"ہاں اور پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں لیکن تم ناراض تو ہو لو پہلے پھر پوچھنا کھانے کا۔" ماہ نور نے بے تکلفی سے کہا۔

"مجھے بہت غصہ آیا تھا تم پر جب خضر نے آ کر بتایا کہ تم نہیں آ رہی ہو۔ پتا ہے میں نے اپنی ساری دوستوں سے تمہاری اتنی تعریف کی تھی کہ ان سب کو تم سے ملنے کا شوق ہو رہا تھا خاص طور پر سارا کو۔"

علینہ کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا اس کا غصہ بس اتنی ہی دیر کا ہوتا تھا۔ بعض اوقات وہ بڑی سے بڑی بات پر در گزر کر جاتی اور بعض اوقات چھوٹی سی بات پر غصہ آجاتا اور ناراض ہو جاتی تھی لیکن یہ ناراضگی بس تھوڑی دیر کی ہوتی تھی۔

"مجھ میں ایسا کیا قابل تعریف ہے۔"

اس نے آہستگی سے کہا تو علینہ نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"تمہیں خود اس کا احساس نہیں ہے لیکن تم بہت خوب صورت ہو ماہ۔"

"خوب صورت تو تم بھی ہو۔"

"لیکن تم سے کم۔"

علینہ ہنسی۔

"اور یہی بات میں نے سارا سے کہی تھی کہ تم مجھے خوب صورت کہہ رہی ہو میری کزن کو دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔"

ماہ نور بھی ہولے سے ہنس دی۔

"اچھا تم بیٹھو میں کھانا لگانے کو کہہ دوں۔ ہم نے بس ابھی تمہارے آنے سے کچھ دیر پہلے کھانا کھایا ہے۔ میں تو یونیورسٹی گئی نہیں تھی۔ ممی کو کہیں جانا تھا اور ولید کے کالج میں کوئی فنکشن تھا۔ سو کھانا جلدی کھا لیا ورنہ ولید اور خضر کے آنے کے بعد ہی کھا لیتے ہیں۔ ممی اور اریج تو چلی گئی تھیں کھانے کے بعد۔"

علینہ نے تفصیل بتائی تو آنٹی کے گھر پر نہ ہونے کا سن کر ماہ نور نے دل ہی دل میں بڑا اطمینان محسوس کیا اور وہ قدرے بے تکلفی سے دونوں پاؤں بیڈ پر رکھ کر نیم دراز سی ہو گئی۔ آج بے حد تھک گئی تھی مسلسل کھڑے کھڑے کمر دکھنے لگی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دو پیریڈ پہلے ہی چھٹی لے لے گی۔ اماں کو اس نے بتا دیا تھا کہ وہ اسکول سے ہی افضال ماموں کی طرف چلی جائے گی۔ مسز مراد اس کی کولیگ تھیں ان کا گھر افضال ماموں کے گھر کے نزدیک ہی تھا۔ ان کے میاں باہر ہوتے تھے اور وہ محض وقت گزاری کے لیے ہی جاب کر رہی تھیں۔ دو تین دن پہلے ہی اسے پتا چلا تھا اور اس نے اماں کو تسلی دے دی تھی کہ جانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن شام کو منوں کو بھیج دیں لینے کے لیے۔

"ولید یا خضر کے ساتھ آجانا۔ منوں کو ٹیوشن پڑھانے بھی جانا ہوگا۔"

"ولید کے ایگزام ہونے والے ہیں۔ وہ اکثر شام کو اکیڈمی چلا جاتا ہے اور خضر کا پتا نہیں۔ اکثر لیٹ آتے ہیں۔ تو پھر بہت دیر ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے میں منوں سے کہہ دوں گی کہ وہ یونیورسٹی سے سیدھا تمہیں لینے چلا جائے گا۔"

منصور صبح پڑوس میں ایک بچے کو پڑھانے چلا جاتا تھا۔ ناشتہ آکر کرتا تھا۔ ماہ نور اس کے آنے سے پہلے اسکول چلی جاتی تھی۔ لیکن ذاکر صاحب نے اسے چھٹی نہیں دی تھی۔

"نہیں بھئی اس طرح کلاسز ڈسٹرب ہوتی ہیں۔"

"مگر سر میرے اور مسز مراد کے آخری دونوں پیریڈ فارغ ہیں۔"

"ہاں لیکن آپ آج ہی لیب کا سامان چیک کر کے لسٹ بنالیں فزکس اور بائیو لیب دونوں کا۔"

ہر الماری سے سامان نکال کر چیک کرنا ان کی لسٹ بنانا اور پھر دوبارہ انہیں الماریوں میں رکھنا۔ اچھا خاصا مشکل اور دیر طلب کام تھا۔ بمشکل آخری تین پیریڈ میں وہ صرف فزکس لیب کے سامان کی لسٹ تیار کر سکی تھی کام کے دوران کئی بار ذاکر صاحب لیب میں آئے تھے۔

وہ منشور گن کر رکھ رہی تھی کہ وہ اچانک ہی لیب میں آئے تھے۔

"کام ہو رہا ہے۔"

انہوں نے جھک کر ٹیبل سے منشور اٹھاتے ہوئے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

"یہ آپ کے کزن کیا آپ کے ہی گھر میں رہتے ہیں۔"

"نہیں تو۔"

وہ غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

انہوں نے منشور واپس ٹیبل پر رکھا۔

"دراصل اس روز بھی وہ آپ کے ساتھ تھے نا تو مجھے گمان گزرا ویسے کرتے کیا ہیں موصوف..... فارغ لگتے ہیں۔"

"نہیں تو آرکیٹیکٹ ہیں۔ اپنی کنسٹرکشن کمپنی ہے۔"

"اوہ اچھا پھر تو بڑی چیز ہیں بھئی۔"

ان کا انداز خاصا معنی خیز سا تھا وہ جز بز سی ہو کر الماری میں منشور رکھنے لگی تھی۔ خضر سے متعلق ان کا یہ تجسس بہت عجیب سا لگا تھا۔ لیکن پھر اس نے خود ہی سوچ لیا 'ہوتے ہیں کچھ لوگ اس طرح کی فطرت کے 'کرید کرنے کی عادت ہوتی ہے اور غالباً' ذاکر صاحب بھی اسی فطرت کے ہیں زیادہ تر اسٹاف ممبر نے ان کی تعریف ہی کی تھی اور خود اسے بھی اس روز انہیں اپنے گھر میں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ واقعی ذاکر صاحب اپنے اسٹاف ممبرز کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ پہلے روز انٹرویو کے دوران اس نے سرسری انداز میں ابا کی بیماری کا ذکر کیا تھا اور وہ ان کی مزاج پرسی کو چلے آئے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے انہیں انٹرٹین کرے۔ ان کا اس طرح گھر آنا اس کے لیے قطعی غیر متوقع تھا۔ وہ تو خضر تھا اس کی موجودگی سے اسے خاصی ڈھارس ہوئی تھی۔

وہی انہیں ابا کے کمرے میں لے کر گیا تھا اور اس نے ہی ان سے تعارف کروایا تھا اور جتنی دیر تک وہ ابا کے پاس بیٹھے تھے اس نے انہیں کمپنی دی تھی ورنہ وہ تو بہت گھبرا گئی تھی۔ ان کے اس طرح آنے پر ابا نے تو کچھ نہیں کہا تھا البتہ دادی کو ان کا آنا پسند نہیں آیا تھا۔

"یہ کیا بھئی جمعہ جمعہ آٹھ دن نوکری کرتے ہوئے ہیں اور پرنسپل صاحب گھر آگئے مزاج پرسی کو۔"

"دادی اب بھلا میں کیا کروں وہ خود ہی آگئے ہیں اب کیا دروازے سے لوٹا دیتی کہہ رہے تھے ادھر سے گزر رہا تھا تو سوچا کہ آپ کے والد کی مزاج پرسی کر لوں۔"

"خیر اب اتنی بدتہذیبی بھی مناسب نہیں تھی لیکن بیٹا کسی روز مناسب لفظوں میں بات کر دینا کہ ہمارے گھروں کا ایسا ماحول نہیں ہے۔ ایک بار آگئے ٹھیک ہے۔ لیکن یہ نہ ہو تا کہ آئے روز چلے آئیں۔ احسان کرنے کو۔"

اور خضر نے بھی دادی کی تائید کی تھی۔

"ماہ نور دادی جان صحیح کہہ رہی ہیں۔ مجھے بھی ان کا اس طرح آنا اچھا نہیں لگا۔ کسی روز تم انہیں اپنے گھر کے ماحول کے متعلق بتا دینا۔"

"وہ برے آدمی نہیں ہیں خضر سارا اسٹاف ان کی اس بات کی تعریف کرتا ہے کہ وہ سب کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔"

"میں ان کی نیت پر شک نہیں کر رہا ماہ۔ لیکن ہر گھر کے اپنے طور طریقے ہوتے ہیں۔ ہم یہ کبھی نہ چاہیں گے کہ کوئی تمہارے حوالے سے فضول بات کرے۔"

اور اتنے دن گزر گئے تھے۔ وہ ذاکر صاحب سے ایسی کوئی بات کر ہی نہ سکی تھی اور اب لیب میں جب وہ خضر کے متعلق پوچھ رہے تھے اور ابا کی صحت کا بھی پوچھا تھا تو اس کا جی چاہا تھا کہ وہ کسی طرح ان سے بات کر دے کہ دادی وغیرہ نے ان کا گھر آنا پسند نہیں کیا۔ لیکن پھر سمجھ نہ آئی تو اس نے سوچ لیا کہ پھر کبھی وہ آئے تو منع کر دے گی۔ حالانکہ اسے یقین تھا کہ پھر بھلا انہیں آنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو اتفاق تھا محض کہ وہ ہمارے گھر کے پاس سے گزر رہے تھے تو ابا کی مزاج پرسی کو چلے آئے۔ اب کتنا عجیب سا لگتا ہے نا ان سے کہنا کہ پلیز آپ ہمارے گھر نہ آئیے گا۔ چاہے انہوں نے آئندہ آنا ہی نہ ہو۔

ان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ تب ہی علینہ نے کمرے میں قدم رکھا۔

"خیریت یہ خود ہی خود کیوں مسکرایا جا رہا ہے۔"

"کچھ نہیں تمہارے متعلق سوچ رہی تھی۔" اس نے بات بنائی۔

"کیوں کیا میں کوئی لطیفہ ہوں۔"

"نہیں میں سوچ رہی تھی کہ تم میں اور اسفر بھائی میں کوئی بھی قدر مشترک نہیں ہے۔ وہ اتنے دھیمے مزاج کے اور تم اڑا کا بلی ہو۔ پھر یہ..." اس نے ایک شرارت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"پھر کیسے ہوا" یہ سب۔"

"یہ سب کیا۔"

علینہ نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی۔

"یہ سب جو تم نہیں جانتیں۔"

ماہ نور کا موڈ بھی شرارت کا ہو رہا تھا۔

"پتا نہیں یہ سب کیا ہے ماہ نور لیکن بہت خوب صورت ہے۔"

علینہ اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئی اس کے چہرے پر رنگ سے بکھر گئے تھے۔

"میں جب سفر کے متعلق سوچتی ہوں تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں جسے اسفر جیسے شخص کی محبت حاصل ہے۔ اسفر بہت بہترین انسان ہیں۔ تم انہیں بہت زیادہ نہیں جانتی ہو۔ لیکن میں نے بہت قریب سے دیکھا ہے انہیں بہت نفیس، بہت محبت کرنے والے اور کیئرنگ ہیں وہ اماں جی کا خیال اس طرح رکھتے تھے جیسے وہ کوئی نازک اور قیمتی شے ہوں۔ پاپا نے بھی کبھی ان کا اس طرح خیال نہیں رکھا اور پھر سب سے بڑی خوب صورتی جوان کی ذات میں میں نے دیکھی اور جس نے مجھے بہت متاثر کیا وہ عورت کا احترام ہے۔ یقین کرو میں نے اسفر کو جس طرح ہر عورت کا احترام کرتے دیکھا ہے۔ کسی اور کو نہیں دیکھا۔"

"تم نے پہلے تو کبھی ان کی ان ساری خوبیوں کے متعلق نہیں بتایا تھا۔"

"بکو مت۔"

علینہ نے حسب عادت اس کی پیٹھ پر دھمو کا لگایا۔

"تم ان جذبوں کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتیں اس لیے کہ تمہارا دل ابھی ان سے آشنا نہیں ہوا۔"

"ہاں شاید تم صحیح کہتی ہو۔"

ماہ نور نے آہستگی سے کہا اور سوچا۔

اس کے پاس وقت ہی کہاں ہے ایسے جذبوں کے لیے اس کی منزل تو بہت طویل اور کٹھن ہے اسے اپنے ابا کے دیکھے گئے خوابوں کو تکمیل تک پہنچانا ہے اور پتا نہیں اس منزل تک پہنچنے میں کیا کیا کچھ سہنا پڑے گا۔

"کھانا لگا دیا ہے۔"

یاسمین نے کمرے کے دروازے سے جھانک کر بتایا۔ یاسمین ملازم لڑکی تھی

"اوہ بھئی اس تردد کی کیا ضرورت تھی۔"

ماہ نور نے علینہ کی طرف دیکھا۔

"ایک پلیٹ میں کچھ ڈال کر یہیں لے آتیں۔"

"خضر بھائی بھی آنے والے ہوں گے۔ کچھ دیر پہلے ان کا فون آیا تھا یاسمین نے بتایا ہے مجھے" تب ہی بیل ہوئی۔

"لو وہ آ گئے" اس نے گیٹ پر ہوتی بیل سن کر کہا۔

"تم چلو کھانا شروع کرو۔ اتنے میں خضر بھائی بھی شامل ہو جائیں گے۔"

"آ جائیں تو پھر۔"

"تمہارے پیٹ میں تو چوہے دوڑ رہے تھے۔ تم چلو وہ تو ابھی آئے ہیں فریش ہوں گے۔ چینج کریں گے اتنے میں تم شروع کر دو۔"

ماہ نور اٹھ کھڑی ہوئی۔

لاؤنج میں سے خضر کی آواز آئی۔ وہ غالباً "یاسمین سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ ماہ نور علینہ کے ساتھ باہر نکلی تو وہ لاؤنج سے جا چکا تھا وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی ڈائننگ روم میں آئیں۔ حسب معمول دو تین طرح کی ڈشز تھیں۔ ماہ نور نے اپنے لیے تھوڑا سا چکن پلیٹ میں ڈالا۔

"تم بھی لو نا کچھ۔"

اس نے علینہ سے کہا۔

"یار بتایا تو ہے تمہیں تمہارے آنے سے پہلے کھایا ہے۔ خضر بھائی آ رہے ہیں نا تمہارا ساتھ دیتے ہیں۔"

کچھ دیر بعد خضر منہ ہاتھ دھو کر قمیص کی آستین فولڈ کرتا ہوا اندر آیا۔

"السلام علیکم خضر بھائی۔"

اس نے سر کی جنبش سے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی۔ بہت گہری اندر تک اترتی نظر اور اس کی طرف دیکھتی ماہ نور نے یک دم نظریں جھکا لیں۔ یہ پتا نہیں خضر بھائی آج کل اس طرح کیوں دیکھتے ہیں۔

"کیسی ہو ماہ۔"

"ٹھیک۔" وہ مسکرائی۔

"انکل اور پھپھو جان ٹھیک ہیں۔" اس نے پلیٹ اپنی طرف کھسکائی۔

"جی۔"

باری باری سب کی خیریت پوچھنے کے بعد خضر نے اپنے لیے پلیٹ میں سالن نکالا۔

"یہ کوفتے لو نا ماہ یاسمین بہت اچھے بناتی ہے۔"

"نہیں میں نے چکن لے لیا۔ بہت اچھا بنا ہے۔"

ماہ نور نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں خضر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"تمہاری عادتیں نہیں بدلیں گی۔ کبھی قسم توڑ بھی لیا کرو۔"

اس نے کوفتہ اس کی پلیٹ میں ڈالا۔ وہ صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کی عادت تھی بچپن سے ہی میز پر دس کھانے بھی ہوں وہ صرف اپنی پسند کا ایک سالن لے لیتی تھی اور باقی چیزوں کی طرف دیکھتی بھی نہ تھی اور یہ عادت اس نے اپنی دادی سے لی تھی۔

"ماما اور اریج آنٹی کی طرف گئی ہیں کیا۔"

اب خضر علینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ماما تو شاپنگ کرنا تھی لیکن وہ کہہ رہی تھیں کہ شاپنگ کے بعد کچھ دیر کے لیے آنٹی کی طرف جائیں گی۔"

علینہ نے بتایا۔ تب ہی یاسمین نے اندر آ کر بتایا۔

"... صاحب کا فون آیا ہے۔"

علینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"شاید ماما آنٹی کی طرف ہی چلی گئی ہیں۔ اور ان کا پروگرام دیر سے آنے کا ہے۔ تب ہی فون کیا ہے۔"

"... سیٹ کر لیا انہوں نے۔"

علینہ کے جانے کے بعد ماہ نور نے پوچھا۔

"... نہیں کون سا خود سیٹ کرنا تھا ہو گیا سیٹ۔"

"... اب یہاں ہی پاکستان میں مستقل رہیں گے۔"

"معلوم نہیں۔"

خضر نے کندھے اچکائے۔

"تم بتاؤ ماہ کوئی پرابلم تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"ذاکر صاحب تو پھر تشریف نہیں لائے۔ تم نے انہیں کہہ دیا تھا کہ ہمارے گھر کا ماحول۔"

"نہیں موقع ہی نہیں ملا نہ ہی انہوں نے پھر کبھی ابا کا حال پوچھا صبح اسمبلی پر صرف ملاقات ہوتی ہے۔ہاں آج وہ لیب میں آئے تھے لیکن مجھے مناسب نہیں لگا کچھ کہنا۔ یوں ہی بلاوجہ ہاں اگر کبھی پھر انہوں نے آنے کا کہا تو منع کر دوں گی۔"

"او کے اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تو یونہی ایک بات کر دی تھی۔"

خضر نے اسے کھانا چھوڑتے دیکھ کر کہا۔

"تم کھانا کھاؤ اطمینان سے..... دراصل تم نہیں جانتیں ماہ میں تمہارے لیے بہت پریشان رہتا ہوں۔ تم بہت معصوم ہو۔ بہت انوسنٹ اور یہ دنیا بہت ظالم ہے۔ باہر کی دنیا میں قدم قدم پر بھیڑیے بیٹھے ہیں۔ ڈر لگتا ہے مجھے بہت بری ہے یہ دنیا کاش اے کاش۔"

اس کی آواز آہستہ ہو گئی۔

"میں تمہارے لیے کچھ ایسا کر سکتا کہ تمہیں گھر سے باہر نہ نکلنا پڑتا۔"

اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔ ماہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا خضر بھائی۔"

"کچھ نہیں۔"

وہ چونکا۔

"تم ایک بہادر لڑکی ہو ماہ اور مجھے یقین ہے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"مجھے کس نے نقصان پہنچانا ہے خضر بھائی۔" ماہ نور کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"کسی نے نہیں پاگل لڑکی ابھی میں نے کیا کہا تھا تم نے سنا نہیں۔"

"میں نے سنا تو ہے لیکن سمجھ نہیں پائی۔ خضر بھائی۔ دنیا اچھی ہو یا بری مجھے اس سے کیا۔ مجھے تو بس کچھ کرنا ہے۔ سب کے لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ سب کچھ حاصل کر لوں جس کی میرے گھر کے افراد کو ضرورت ہے۔ ان کی وہ ساری خواہشیں پوری کروں جو ان کے دل میں جنم لیتی ہیں۔ ابا کے خوابوں کی تعبیر پالوں ابا ٹھیک ہو جائیں۔ اماں کو یوں دن رات محنت نہ کرنا پڑے۔"

"خدا تمہاری آرزو ضرور پوری کرے گا ماہ لیکن کسی بھی خواہش کے حصول میں حد سے مت بڑھنا۔ کبھی کسی خواہش کو سر پر سوار مت کرنا جنون مت بنانا۔"

"آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں خضر بھائی۔" اس نے شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"میں تمہیں کیسا سمجھتا ہوں۔ یہ تم ابھی نہیں جانتیں ماہ۔"

خضر کی آواز بھاری ہو گئی۔

"اور ابھی میں تمہیں بتانا بھی نہیں چاہتا۔"

اس نے پانی کا گلاس اٹھایا۔ ماہ نے حیرت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

بھلا خضر بھائی کیسا سمجھتے ہیں اسے اس کی پیشانی پر شکنیں سی نمودار ہوئیں۔

"خضر بھائی آپ جانتے ہیں مجھے گھر سے باہر نکل کر جاب کرنے کا کبھی کوئی شوق نہیں رہا۔ میں تو پڑھنا چاہتی تھی بہت سارا....."

اس کی آواز بھرا گئی۔

"اور آپ پتا نہیں کیا سمجھ رہے ہیں۔"

"پاگل ہو تم ماہا..... میری بات کا کچھ اور مطلب تھا۔ مجھے تو اچھا لگا تھا تمہارا یہ جذبہ کہ تم جاب کر کے پھپھو کا ہاتھ بٹانا چاہتی ہو۔ تم بھول گئی ہو کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں اور یاد رکھنا میں تمہیں کبھی غلط نہیں سمجھ سکتا۔ میں تو تمہیں تم سے زیادہ جانتا ہوں بیوقوف لڑکی....."

خضر نے اسے سرزنش کی اور سوچا۔

"تم کیا جانو ماہ تم میرے اندر موجود ہو۔ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں تم جب بات کرنے کے لیے لب وا کرتی ہو تو مجھے پتا ہوتا ہے کہ تم کیا کہنے والی ہو۔ میں تو تمہارے چہرے کی شکن سے تمہارے اندر کی کیفیات بھانپ لیتا ہوں۔"

"خضر بھائی ممی کا فون تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے گاڑی ولید کو لینے کے لیے بھیج دی ہے لہٰذا آپ انہیں پک کر لیں۔ وہ شاپنگ کرنے نہیں گئیں سیدھی خالہ جان کی طرف ہی چلی گئیں۔ غالباً" انہوں نے میسج کیا تھا۔"

"لیکن میں تو آفس جا رہا ہوں صرف کھانے کے لیے آیا تھا۔ ایک پراجیکٹ کے پیپرز سائن کرنے تھے۔"

"تو آفس سے ادھر ہی چلے جائیے گا۔ ممی نے ابھی تو آنے کے لیے نہیں کہا۔"

"ٹھیک ہے۔"

خضر اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہ بھی کھانا کھا چکی تھی۔

"یاسمین برتن سمیٹ لو۔"

علینہ نے یاسمین کو آواز دی۔

چائے بھی بنانے کو کہہ دینا اسے۔ میں چائے پی کر آفس کے لیے نکلوں گا اور تم۔"

بات کرتے کرتے وہ ماہ نور سے مخاطب ہوا۔

"تم کیسے جاؤ گی گھر۔ میں ممی کو لے کر آؤں گا تو تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا' پھپھو اور انکل سے ملاقات ہو جائے گی۔"

"وہ منوں آ جائے گا لینے۔"

"لیکن اسے تو ٹیوشن پڑھانے جانا ہوتا ہے۔"

"ہاں' لیکن وہ یونیورسٹی سے سیدھا ادھر ہی آئے گا۔"

"اتنی جلدی یعنی تم اتنی جلدی واپس چلی جاؤ گی۔ اتنے تھوڑے سے وقت کے لیے آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

علینہ کا موڈ خراب ہونے لگا۔

"تین تو بج چکے ہیں اور منوں کتنے بجے تک آتا ہے' یونیورسٹی سے کبھی ساڑھے تین کبھی تین۔"

"ہاں۔"

ماہ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تم منوں کو واپس بھیج دینا عمنا میں نے کہا نا کہ میں چھوڑ آؤں گا۔"

اور پھر ایک شکایت کرتی نظر اس پر ڈالی۔

"اور پھر تم کہتی ہو کہ تم تکلف نہیں کرتیں۔ آخر منوں کو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ خوامخواہ وہ اب اتنی دیر لگا کر یہاں آئے گا بس یا ویگن پر خوار ہوتا۔ میں یا ولید تمہیں چھوڑ کر نہیں آ سکتے تھے کیا؟؟"

"میں نے سوچا تھا کہ آپ نہ جانے کب آئیں آفس سے۔ بہت دیر ہو گئی تو اماں اور ابا پریشان ہو جائیں گے۔ ولید کی پڑھائی کا حرج ہو گا۔"

”بھائی دیکھا یہ کچھ بدل نہیں گئی۔ پہلے تو ایسی نہیں تھی۔“

علینہ کو بھی موقع ملا۔ ماہ نور نے بے بسی سے دونوں کی طرف دیکھا اور خاموشی سے علینہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ خضر سمجھتا تھا اس کا گریز اور اسے ممی کے رویے پر بھی حیرت ہوتی تھی۔ جب سے خالہ جان کینیڈا سے آئی تھیں۔ ممی ایک بار بھی طیبہ پھپھو کی طرف نہیں گئی تھیں حالانکہ افضال حیدر نے دو تین بار فون پر بھی تاکید کی تھی انہیں کہ وہ ادھر چکر لگا لیں۔ لیکن ممی ابھی تک ادھر نہیں گئی تھیں اور خضر کو بھی دو ایک بار دبے لفظوں میں ادھر زیادہ جانے سے منع کیا تھا۔ وہ ممی کے رویے کا تجزیہ کر رہا تھا اور یقیناً ”ماہ نے بھی اس روز ان کے رویے میں کچھ نہ کچھ محسوس کیا تھا۔ ورنہ پہلے بھی ماہ یا ماما یا ادھر سے کوئی بھی آتا تھا تو وہ لوگ انہیں چھوڑ آتے تھے۔

”تو پھر انتظار کرنا میرا منوں کے ساتھ مت چل پڑنا۔“

انہوں نے علینہ کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جاتی ماہ نور کو دیکھا جو کچھ پریشان سی لگ رہی تھی۔

”میں جانے دوں گی اسے؟ اتنے دنوں بعد تو محترمہ تشریف لائی ہیں۔“

ماہ نور کے بجائے علینہ نے جواب دیا۔ تو خضر مطمئن سا ہو کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

علینہ بہت دیر تک اسے ندا حفصہ اور سارا کے متعلق بتاتی رہی۔ ”ندا اس روز میرے گھر نہیں آئی تھی۔ دراصل وہ لوگ بہت کنزرویٹو ہیں۔ اسے کسی کے گھر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ یونیورسٹی میں بھی عبایا پہن کر آتی ہے۔ البتہ حفصہ اور سارا کا تعلق جن گھرانوں سے ہے وہ خاصے ماڈ ہیں۔ خاص طور پر سارا۔ سارا کی مام اسپینش ہیں۔ بہت کیوٹ سی ہیں۔ سارا کو ڈراپ کرنے آئی تھیں تو ملی تھی میں ان سے۔“

علینہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”ویسے مجھے ندا سب سے اچھی لگی ہے۔ لیکن وہ خاصی کم گو سی ہے۔ مجھے محسوس ہوا ہے کہ وہ کسی سے بھی دوستی رکھنا پسند نہیں کرتی۔“

”کبھی چلوں گی تمہارے ساتھ جامعہ تو ملاقات ہو جائے گی۔“

”ہاں لیکن تم آجاتیں اس روز خضر بھائی کے ساتھ تو کتنا اچھا ہوتا۔“

علینہ کو ابھی تک افسوس تھا۔

”اسفی بھائی کا پھر کوئی فون آیا۔“

ماہ نور نے بات بدل دی۔

”ہاں وہ تو تقریباً“ ہر روز ہی فون کرتے ہیں۔ چاہے صرف ایک منٹ ہی بات کیوں نہ کریں۔“

اسفر کے ذکر پر علینہ کے رخساروں پر جو رنگ بکھرتے تھے اور ہونٹوں پر جو مسکراہٹ کھل اٹھتی تھی وہ بہت دلکش ہوتی تھی۔

”تم بہت لکی ہو عینا۔“

ماہ نور نے بے اختیار کہا۔

”اور خدا کرے کہ خوشیاں ہمیشہ تمہارا مقدر بنیں۔“

”تھینک یو ماہ۔“

علینہ مسکرا دی۔ اسفر کی چاہت کا احساس اسے اندر تک خوش کر دیتا تھا۔ پھر بہت دیر تک وہ ماہ نور سے اسفر کی باتیں کرتی رہی۔ اپنا ایک ایک احساس اس سے شیئر کیا۔

”میں یہ ساری باتیں کسی اور سے شیئر نہیں کر سکتی ماہ تم جانتی ہو۔ اس لیے جب تم مہینوں غائب ہو جاتی ہو تو مجھے تم پر غصہ آتا ہے۔“

”خدا کا خوف کرو علینہ ابھی تو کوئی دس دن پہلے میں آئی تھی اور خود تم..... تم آجایا کرو نا لیکن تم امیر لوگ بھلا ہم غریبوں کے ہاں.....“

”فضول باتیں مت کرو۔“

علینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم جانتی ہو ہمارے درمیان ایسا کوئی احساس کبھی پیدا نہیں ہوا۔ پپا نے بچپن سے ہی ہمیں یہ باور کروایا ہے کہ تم ہماری پھپھو کی بیٹی ہو۔ اگرچہ وہ پپا کی سگی نہیں بلکہ ماموں زاد بہن ہیں لیکن پپا نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ طیبہ پھپھو، عذرا پھپھو اور حسنہ پھپھو تینوں ان کے لیے ایک جیسی ہیں انہوں نے کبھی تینوں میں فرق نہیں کیا تو پھر ہم کیوں ایسا سوچیں لیکن تم ہمیشہ ایسی باتیں کر کے دل توڑ دیتی ہو۔“

علینہ نے تفصیل سے بات کی۔

”سوری ڈیئر مذاق کر رہی تھی تم سیریس ہو گئیں۔“

ماہ نور نے ہاتھ جوڑ دیے۔

”تم ایسی ہی دل جلانے والی بات کرتی ہو۔“

علینہ کا منہ پھولا ہوا تھا۔ تب ہی باہر گیٹ پر بیل ہوئی۔

”شاید منوں ہو گا۔“

ماہ نور نے کہا اور علینہ کی طرف دیکھا اور اٹھنے لگی۔

”میرا خیال ہے مجھے منوں کے ساتھ چلا جانا چاہیے۔“

”بیٹھی رہو آرام سے۔“

علینہ نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا۔

”کہا تو تھا خضر بھائی نے وہ تمہیں چھوڑ آئیں گے۔“

”لیکن۔“

”چپکی بیٹھی رہو۔“ علینہ نے اسے گھرکا۔

”ماہا سے کہو چلے۔“

لاؤنج سے منصور کی آواز آئی تو علینہ دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

”بیٹھو منصور.....“

”وہ ماہا کہاں ہے۔“

منصور فائل ہاتھ میں پکڑے لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔

علینہ نے یاسمین کو آواز دی۔

”نہیں پلیز مجھے دیر ہو جائے گی ماہ کو چھوڑ کر مجھے ٹیوشن کے لیے بھی جانا ہے۔ پہلے ہی لیٹ ہو گیا ہوں۔“

علینہ نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔ چہرے پر تھکاوٹ تھی اور سنجیدگی اسے ایک دم اس پر ترس آنے لگا۔ بچپن میں کتنا ہنس مکھ اور شرارتی ہوتا تھا۔ میں پپا سے کہوں گی کہ وہ منوں کی تعلیم کے اخراجات دے دیا کریں۔

وہ ایسی ہی تھی ایک دم غصہ آتا ایک دم دل پسیج جاتا تھا۔ ماہ نور بھی باہر نکل آئی تھی۔

”چلیں۔“

منصور نے اس کی طرف دیکھا۔

”خضر بھائی چھوڑ آئیں گے ماہ کو اتنے دنوں بعد تو ملاقات ہوئی ہے۔“

”ابھی تک جی نہیں بھرا باتیں کر کے۔“

منصور کے سنجیدہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ بہت بھلی لگی تھی وہ دونوں کی اس گہری دوستی سے واقف تھا۔

”نہیں منوں بچی ابھی تو اتنی ساری باتیں ہیں کرنے کو۔“

علینہ نے معصومیت سے کہا اور لاؤنج کے صوفے پر ہی آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"پتا نہیں تم لڑکیوں کے پاس اتنی باتوں کا ذخیرہ کہاں سے اکٹھا ہو جاتا ہے۔"

"خیر باتوں میں تم لڑکے بھی کم نہیں ہو کسی سے۔"

علینہ مسکرائی۔۔۔ اور ماہ نور کو بھی بیٹھنے کا اشارا کیا۔ یاسمین پیپسی لے آئی تھی۔ منصور پیپسی پی کر فوراً ہی نکل گیا تھا۔ علینہ کے اصرار پر بھی رکا نہیں تھا۔ علینہ نے ٹی وی آن کر دیا تھا۔

کوئی بہت اچھی مووی آ رہی تھی وہ دونوں ٹی وی دیکھتے ہوئے باتیں کرنے لگیں۔ علینہ کے پاس واقعی بہت ساری باتیں تھیں۔ اس دوران انہوں نے چائے بھی پی لی تھی وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا جب خضر آنٹی کو لے کر آیا تو ماہ نور نے گھبرا کر کلاک پر نظر ڈالی۔

"اوہ آٹھ بج گئے۔"

"دو منٹ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں کچھ پیپرز لے لوں کمرے سے مجھے واپسی پر وہ رزاق صاحب کو پہنچانے ہیں۔"

خضر اسے رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"کب آئی تھیں تم۔" سعدیہ بیگم نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ڈھائی بجے کے قریب۔"

وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"خضر کے ساتھ آئی ہو گی۔"

ان کا لہجہ بے حد سادہ اور چہرہ سپاٹ تھا۔

اریج سے گلے ملتے ہوئے اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"نہیں اپنی ایک کولیگ کے ساتھ آئی تھی۔"

پتا نہیں کیا بات تھی اسے ان کے سادہ سے لہجے میں بھی کاٹ محسوس ہوتی تھی۔

"اوہ اچھا اچھا۔ تم نے بتایا تو تھا اس روز کہ تمہاری کوئی کولیگ ادھر قریب ہی رہتی ہیں اور ہاں عینا۔" وہ بات کرتے کرتے علینہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ایک خوشخبری ہے۔"

"کیا۔"

علینہ کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔

"بھئی حمیرا کہہ رہی تھی کہ ماشاءاللہ خضر اب اپنا کام کر رہا ہے اس کی شادی ہو جانا چاہیے۔ کوئی لڑکی دیکھو میں نے کہہ دیا مجھے باہر لڑکیاں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سحرش' نازش تو ہیں نا۔ حمیرا تو بہت خوش ہوئی کہ تمہاری اپنی ہیں۔ میں نے بھی سحرش کے لیے کہہ دیا ہے حمیرا سے خضر کے ساتھ بہت سوٹ کرے گی اور یوں بھی وہ بڑی ہے۔ تمہارے پپا آ جائیں تو بات پکی کر دیں گے۔" چادر اوڑھتی ماہ نور کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے تھے لیکن پھر وہ چادر اوڑھنے لگی۔ سعدیہ بیگم نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی سپاٹ سا چہرہ کسی جذبے کو عیاں نہ کر رہا تھا اور پھر مڑ کر خضر کو دیکھا جس نے کمرے سے باہر آتے ہوئے ان کی ساری بات سنی تھی اور اب آنکھوں میں حیرت اور دکھ لیے ساکت کھڑا تھا اور اس کا چہرہ لمحہ لمحہ رنگ بدل رہا تھا۔

سعدیہ بیگم نے فوراً ہی نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں اور ماہ نور کو خدا حافظ کہنے لگیں۔

***

"کیا سچ مچ موبی بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔"

رمضان نے چائے کا کپ انعم کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا تو قریب بیٹھے مبشر نے ایک غصیلی نظر اس پر ڈالی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے مجھے موبی مت کہا کرو۔"

"سوری۔" رمضان نے فوراً سوری کیا۔

"میاں جی کہہ رہے تھے کہ اب جلد ہی وہ شبی بھائی کی شادی کر دیں گے۔ میں نے خود سنا تھا جی۔"

"بکو مت۔"

مبشر دھاڑا۔

"نہیں ہوں میں موبی شبی مبشر ہے میرا نام آئندہ مجھے میرے صحیح نام سے پکارنا سمجھے۔"

"جی' جی۔"

رمضان خوفزدہ ہو گیا۔ انعم نے ایک تاسف بھری نظر اس پر ڈالی۔ وہ ایسا نہیں تھا کبھی بھی ایسا نہیں تھا۔ ہمیشہ سے بہت ہنس مکھ اور فرینڈلی سا تھا۔ کبھی کسی ملازم تک سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اس نے لیکن پچھلے ایک ماہ سے وہ ایسا ہی ہو گیا تھا ذرا ذرا سی بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ میاں صلاح الدین اور عذرا بیگم بچپن سے ہی اسے پیار سے شبی کہہ کر بلایا کرتے تھے۔ سمن ہمیشہ موبی کہتی تھی اور مدثر نے جب بولنا شروع کیا تو اسے شبی بھائی کہہ کر بلایا کرتا تھا۔ گھر میں جس کا جو جی چاہتا اسے کہہ کر بلاتا رہتا تھا اس نے کبھی برا نہیں منایا تھا۔

"ویسے شبی بھائی کہتے تو صحیح ہیں نا۔"

رمضان نے سرگوشی کی جو سرگوشی ہرگز نہ تھی۔

"اب دلہن بیگم آ جائیں گی تو ان کے سامنے اچھا تو نہیں لگے گا کہ ہم انہیں شبی بھائی یا موبی بھائی کہیں۔ اب تو ہم انہیں مبشر بھائی ہی کہا کریں گے۔"

انعم نے آہستگی سے اسے جھڑکا۔

"رمضان فضول باتیں مت کیا کرو اور جاؤ جا کر دیکھو مدثر اٹھ گیا ہے یا نہیں اور اگر نہیں اٹھا تو اٹھا دو جا کر قاری صاحب آنے والے ہوں گے۔"

"ویسے آنی باجی بھائی کی شادی کب ہو رہی ہے۔"

اس نے جاتے جاتے پوچھا۔

"بھاگو یہاں سے اور اب اپنی شکل مت دکھانا۔"

مبشر نے غصے سے اسے گھورا۔

"بہت شوق ہو رہا ہے نا تمہیں شادی کا تو خود کروا لو اپنی شادی۔"

"میری شادی۔۔۔ آپ بھی مذاق کرتے ہیں موبی بھائی' نہیں شبی بھائی۔ میں تو ابھی بچہ ہوں۔"

"اور میں تو جیسے بوڑھا ہو گیا ہوں نا۔" وہ جھنجلایا۔

"ریلیکس مبشر۔" انعم نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"کیسے ریلیکس ہو جاؤں آنی آپ ہی بتائیں کیسے۔۔۔"

"وہ اچھی خوب صورت لڑکی ہے۔"

انعم کا لہجہ سمجھانے والا تھا۔

"بلکہ بہت خوب صورت ہے۔"

"تو میں کیا کروں خوب صورتی کو۔" مبشر جھنجلایا ہوا تھا۔

"کیا میں اتنا ناقابل اعتبار ہوں آنی۔ آخر کیا' کیا دیکھا مجھ میں ابا جان نے کہ ایک عذاب مجھ پر مسلط کر رہے ہیں۔"

"بات اعتبار کی نہیں ہے شبی۔ بس ابا جان کی اپنی فلاسفی ہے اپنی سوچ ہے۔"

"عجیب سوچ ہے۔ کیا دنیا میں واحد میں خوب صورت ہوں۔ جی چاہتا ہے اس خوب صورت چہرے پر تیزاب پھینک دوں جس کی بنا پر ابا جان نے میرے لیے یہ سزا تجویز کی ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔"

انعم کانپ گئی۔ اسے یکدم سمن کا خیال آ گیا تھا۔ اگر خدانخواستہ۔ اس نے جھرجھری سی لی۔

"وعدہ کرو تم آئندہ ایسی فضول بات نہیں سوچو گے۔ اور قسم کھاؤ امی جان کے سر کی۔ کوئی ایسی حرکت نہیں کرو گے۔ ابھی تو سمن نے جو کچھ کیا ہے اس کی وحشت دل سے کم نہیں ہوئی۔ وعدہ کرو شبی پلیز۔"

"آنی۔"

مبشر نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور ہونٹ کاٹنے لگا۔

"دیکھو شبی ابھی فوراً تو شادی نہیں ہو رہی ابا جان نے کہا ہے تمہارے ایگزام کے بعد رخصتی کروائیں گے۔ ابھی تو صرف منگنی کا فنکشن ہو گا۔"

"اور ایگزام میں کون سی صدیاں ہیں۔ زیادہ سے زیادہ نو دس ماہ بعد ہو جائیں گے۔"

"پہلے زمانے میں بھی تو کم عمری میں شادیاں ہو جایا کرتی تھیں۔ خود ابا جان بھی تو کہہ رہے تھے کہ جب ان کی شادی ہوئی تو ان کی عمر۔"

"بات کم عمری کی نہیں ہے آنی۔"

مبشر نے انعم کی بات کاٹ دی۔

"بات تو اعتبار کی ہے۔ ابا جان کا خیال ہے کہ میں بگڑ جاؤں گا اس لیے مجھے پہلے ہی پابند کر دیا جائے تاکہ میرے بگڑنے کا امکان نہ رہے ان کا خیال ہے کہ کیبل دیکھ دیکھ کر لڑکے وقت سے پہلے ہی بڑے ہو رہے ہیں لہٰذا۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"کیا میں ایسا لگتا ہوں آپ کو بھی کہ میں۔"

وہ بہت ڈسٹرب تھا اور انعم کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اسے تسلی دے اور کیسے سمجھائے کہ اس کے دل پر چھایا غبار کم ہو جائے "اگر ابا جان کہتے کہ انہیں میری شادی کا شوق ہے وہ گھر میں کوئی خوشی دیکھنا چاہتے ہیں تو بخدا میں ہرٹ نہیں ہوتا۔ لیکن اب یہ شادی نہیں سزا ہے آنی اور میں اگر بگڑنا چاہوں تو اس کے بعد بھی بگڑ سکتا ہوں اور کیا شاہی محلے میں جانے والے چار چار چھ چھ بچوں کے باپ نہیں ہوتے ہیں۔ کیا شادی شدہ بیویوں والے مرد نہیں بگڑ سکتے بلکہ میرا خیال ہے کہ زیادہ تر ایسی جگہوں پر جانے والے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔"

انعم حیرت سے سر اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ مبشر چند ہی دنوں میں کتنی بڑی بڑی باتیں کرنے لگا تھا۔ چند دن پہلے تک مدثر اور سمن سے لڑتا جھگڑتا شرارتیں کرتا۔ معصوم بچوں ایسی حرکتیں کرنے والا مبشر۔ اس وقت پیشانی پر شکنیں ڈالے سنجیدہ سا بیٹھا باتیں کرتا پہلے والے مبشر سے کتنا مختلف لگ رہا تھا۔

انعم کا دل بے حد دکھا۔

اس گھر میں سمن اور مبشر کی وجہ سے ہی رونق تھی اور دونوں ہی خاموش ہو گئے تھے۔ سمن نے کالج میں ایڈمیشن بھی لے لیا تھا۔ لیکن زیادہ تر خاموش رہتی تھی۔ بہت کم بات کرتی تھی۔ میاں صلاح الدین نے تو اس سے بات کرنا تو درکنار اس کی طرف دیکھنا تک چھوڑ دیا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے ٹیبل پر کبھی اسے مخاطب نہیں کیا۔ کبھی دیکھا نہیں حالانکہ پہلے وہ سمن سے تو ضرور کوئی نہ کوئی بات کرتے تھے بلکہ سمن خود ہی ان سے باتیں کرتی رہتی تھی۔ کبھی اسکول کی کوئی بات کبھی کسی سہیلی کا ذکر کبھی مدثر اور اروبا کی کوئی معصوم سی بات اور وہ پوری توجہ سے اس کی بات سنتے تھے۔

سمن کے ایڈمیشن فارم جمع ہو گئے تھے اور اس روز چھٹی کا دن تھا اور حسب معمول میاں صلاح الدین برآمدے میں بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے جب سمن کمرے سے نکلی اور ان کی کرسی کے پاس زمین پر بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیے۔

"ابا جی۔"

بمشکل اس کے لبوں سے نکلا تھا اور پھر آنسوؤں نے اس کا گلا گھونٹ دیا۔

وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دیں۔ میں اس طرح ایڈمیشن نہیں لینا چاہتی تھی۔ آپ کو ناراض کر کے خفا کر کے میں تو قائل کر کے آپ کی اجازت سے پڑھنا چاہتی تھی۔"

"یہ قائل کرنے کا اچھا طریقہ سوچا تھا تم نے سارے شہر میں میاں صلاح الدین کی پگڑی اچھلتی' وہ تو خدا نے رحم کیا ورنہ تم نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی ابا جی میں نہیں پڑھوں گی مجھے نہیں پڑھنا ابا جی مجھے معاف کر دیجئے۔"

انہوں نے اس کے ہاتھ گھٹنوں سے ہٹا دیے تھے اور چہرہ موڑ لیا جیسے وہ اب مزید اس سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔

"ابا جی بچوں سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ وہ شرمندہ ہے تو آپ پلیز اسے معاف کر دیں۔"

اسفر نہ جانے کب کمرے سے نکل کر باہر آئے تھے۔

"آپ سے کتنی بار کہا ہے اسفر میاں آپ میرے معاملے میں مت بولا کریں۔ میں بہتر جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

اسفر کے چہرے کا رنگ ذرا سا بدلا تھا پھر ان کی نظر روتی ہوئی سمن پر پڑی تو انہوں نے اسی دھیمے اور نرم لہجے میں پھر درخواست کی تھی۔

"ٹھیک ہے ابا جی لیکن یہ بچی ہے بہت ڈسٹرب ہے۔ آپ ایک بار اسے معاف کر دیں۔"

انہوں نے ایک غصیلی نظر اسفر پر ڈالی تھی اور اخبار وہاں ہی پھینک کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ تب اسفر نے آگے بڑھ کر سمن کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

"چلو اٹھو گڑیا ہولے ہولے ابا جی خود ہی معاف کر دیں گے۔ ابھی انہیں غصہ ہے نا" انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"لیکن اسفی بھائی میں' میں اس گھر میں سب سے زیادہ ابا جی سے محبت کرتی ہوں۔ مجھ سے ان کی یہ بے اعتنائی برداشت نہیں ہوتی اسفی بھائی۔" اور اسفر ہولے ہولے اسے تھپکتے رہے۔ بہلاتے رہے۔

وہ کھانے کی ٹیبل پر بیٹھتی تو بڑی پر امید نظروں سے انہیں دیکھتی تھی کہ شاید آج ابا جی اسے مخاطب کریں لیکن شاید انہوں نے اپنا دل پتھر کر لیا تھا۔ اور سمن وہ تو جیسے خود پتھر ہوتی جا رہی تھی اور انعم پریشان سی سارے گھر میں بولائی پھرتی تھی اور اب مبشر۔

اس روز میاں صلاح الدین کے ساتھ وہ شیخوپورہ گئے تھے۔ البتہ سمن نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ حاجی عبدالستار بھی انعم کو میاں صلاح الدین کی طرح ہی لگے تھے۔ اور غزالہ ان کی بیٹی شکل و صورت میں بے مثل تھی لیکن تعلیمی لحاظ سے کچھ بھی نہیں۔

"تیسری جماعت میں پڑھائی چھوڑ دی تھی اس نے حالانکہ میں تو چاہتی تھی کہ کم از کم اردو لکھنا پڑھنا ہی سیکھ لے۔ لیکن یہ بیمار ہوئی تو اس کے ابا جان نے اٹھا لیا اسکول سے اپنے ابا جان کی بہت لاڈلی ہے اور بھائی بھی جان چھڑکتے ہیں اس پر" بیگم حاجی عبدالستار نے بتایا تھا۔

انعم نے محسوس کیا تھا کہ وہ عمر میں مبشر سے ایک دو سال بڑی ہی ہو گی لیکن چہرے پر معصومیت اور بچپنا تھا بظاہر وہ اسے اچھی ہی لگی تھی۔ اگر عام حالات میں خوشگوار موڈ کے ساتھ سب کی رضامندی سے یہ رشتہ طے پاتا تو شاید وہ سب خوش ہوتے لیکن اس وقت سب کے دل بجھے ہوئے تھے۔ حاجی عبدالستار کے بڑے سے ڈائننگ روم میں وہ سب چپ چاپ بیٹھے تھے صرف غزالہ کی والدہ بول رہی تھیں۔ ملحقہ ڈرائنگ روم میں مرد تھے سب۔ اسفر کو میاں صلاح الدین ساتھ لائے تھے مدثر انعم کے پاس بیٹھا تھا۔

"مبشر کو بھی آپ لے آتے تو اچھا تھا۔ بات تو طے پا چکی ہے۔"

بیگم عبدالستار نے کہا تو عذرا بیگم نے ایک نظر انہیں دیکھا۔
''اب آتا رہے گا۔ آپ تشریف لائیے گا نا۔''
''جی، جی وہ حاجی صاحب کہہ رہے تھے جمعہ کو چلیں گے ہم سب۔''
''اچھا۔''
عذرا بیگم کو دکھ سا ہوا میاں صلاح الدین نے ان سے کوئی ذکر نہ کیا تھا وہ تو سمجھ رہی تھیں کہ فی الحال وہ رشتہ مانگنے جا رہے ہیں۔ لیکن یہاں تو سب کچھ طے پا چکا تھا ان کی نسبت حاجی عبدالستار کی بیگم زیادہ باخبر تھیں۔
''میں نے تو کہہ دیا ہے حاجی صاحب سے ہماری اکلوتی بیٹی ہے ہم تو دھوم دھام سے منگنی کریں گے اپنی بچی کی۔''
عذرا بیگم اور کیا کہتیں۔
''جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی کریں گے۔''
''ویسے بہن ماشاء اللہ آپ کا بڑا لڑکا بھی بڑا سمجھدار اور پڑھا لکھا ہے۔ شکل و صورت کا بھی بھلا پھر آپ نے اس کی بات پہلے کیوں نہیں چلائی۔''
''دراصل اسفر کو ابھی باہر جانا ہے پڑھنے کے لیے تین چار سال تو لگ جائیں گے تو میاں صاحب کا خیال ہے کہ کسی دوسرے کی بیٹی کو خوامخواہ پابند نہیں کرنا چاہیے۔''
''ماشاء اللہ بھائی صاحب بہت سمجھدار ہیں۔''
کھانے تک بیگم عبدالستار مسلسل بولتی رہیں۔ انعم نے چاہا کہ وہ غزالہ سے بات کرے لیکن وہ مسلسل شرماتی رہی اور بہت کم بولی۔ بہرحال انعم کو وہ بری نہیں لگی تھی..... گھر آتے ہی سمن نے جو پہلا سوال کیا وہ میاں صلاح الدین کے متعلق تھا۔
''کیا ابا جی نے میرا پوچھا آپی کہ میں کیوں نہیں آئی۔''
''نہیں۔''
انعم نے نظریں چرالی تھیں اس میں سمن کا مایوس چہرہ دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔
''ایک بار بھی نہیں آپی۔''
سمن کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔
''ابھی انہیں بہت غصہ ہے سومی۔ تھوڑا سا وقت تو لگے گا نا گڑیا۔''
''اور وہ..... وہ کیسی ہے جسے ابا جی نے شبی کے لیے پسند کیا ہے۔''
اس کا کتنا جی چاہ رہا تھا کہ وہ اسے دیکھے کہ وہ کیسی ہے وہ ہمیشہ ہی مبشر سے کہا کرتی تھی۔
''دیکھو مولی کے بچے تمہاری دلہن میں نے پسند کرنا ہے۔ کہیں خود نہ پسند کر لینا۔''
''پہلے تو تصحیح کر لو..... مولی نہیں شبی۔ (اسے مولی بالکل پسند نہ تھا) اور پھر ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ ہم نے تمہاری درخواست قبول کی۔''
وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کرتا تھا۔
اور اب ابا جی نے بالا ہی بالا سب کچھ کر لیا تھا۔
''یہ صحیح نہیں ہے ہرگز صحیح نہیں ہے۔''
مبشر نے زور سے میز پر مکا مارا تو انعم چونکی اور اس نے مبشر کا ہاتھ تھام لیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر گہرا تناؤ تھا۔ انعم کو خوف محسوس ہوا۔
''کول ڈاؤن شبی۔''
''اور اگر میں بھی ایسا ہی کروں۔ ایسا ہی جیسا ابا جی نے میرے ساتھ کیا ہے۔''

اس نے سرخ سرخ آنکھوں سے انعم کی طرف دیکھا۔
''عین نکاح کے وقت انکار کر دوں کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے تو پھر کیا عزت رہ جائے گی ابا جی کی۔''
وہ عجیب طرح سے ہنسا۔
''ہیں نا آپی۔''
''اس وقت ظل الٰہی کا چہرہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔'' وہ پھر ہنسا۔
انعم کا رنگ زرد پڑ گیا تھا وہ پریشان اور خوفزدہ سی ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔
''نہیں شبی تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔ تمہیں بھلا ابا جی کی بے عزتی کر کے کیا حاصل ہوگا۔''
اس کی آواز آہستہ اور نم آلود تھی۔
''شاید کچھ بھی نہیں لیکن میرے دل کو تسکین مل جائے گی کہ میں، میں بھی اپنی ذات کے حوالے سے کچھ فیصلے کر سکتا ہوں اپنے لیے۔''
وہ سترہ اٹھارہ سال کا لڑکا عمر کے جس حصے میں تھا وہ ایسی عمر تھی کہ جس میں جذباتیت پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔ سمن تو عمر میں اس سے بڑی تھی۔ پھر بھی اس نے جذباتی ہو کر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا تھا اور مبشر نہ صرف عمر میں اس سے چھوٹا تھا بلکہ لڑکا تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ انعم نے تصور میں بھری محفل میں مبشر کو نکاح سے انکار کرتے دیکھا اور پھر میاں صلاح الدین کا اڑتا رنگ ان کی شرم سے جھکی نظریں۔
''نہیں۔''
انعم نے سختی سے میز پر رکھے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبا لیا۔
''نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے شبی تم ابا جی کو بے عزت کرنا پسند نہیں کر سکتے۔''
''ہاں میں ایسا نہیں کر سکتا۔''
مبشر کی آواز ڈھے گئی۔
''میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں بزدل ہوں میں ابا جی سے ڈرتا ہوں یا پھر میں ابا جی کا احترام کرتا ہوں اور تم سب سے بہت محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں چھوڑ کر تم سے الگ ہو کر جی نہیں سکتا۔ آپ صحیح کہتی ہو آپی میں ایسا نہیں کر سکتا۔''
وہ میز پر سر رکھ کر رونے لگا۔ دونوں بازوؤں سے چہرا چھپائے وہ ہولے ہولے سسک رہا تھا انعم کا ہاتھ اس کے کندھے پر تھا۔
''شبی مولی پلیز۔''
وہ ہولے ہولے اسے پکار رہی تھی۔ لیکن وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔ بس ہولے ہولے سسکیاں لے رہا تھا۔
''شبی، شبی مت کرو ایسا مت رو پلیز اچھا دیکھو میں ابا جی سے بات کروں گی۔ میں کہوں گی ان سے ابھی تو صرف بات ہی طے ہوئی ہے نا۔ ابھی تو وہ لوگ ہمارے گھر بھی نہیں آئے اور ابھی منگنی کا فنکشن بھی دو ہفتے بعد ہے۔ میں وعدہ کر رہی ہوں نا..... میں بات کروں گی ابا جی سے'' انعم کی اپنی آواز میں آنسوؤں کی آمیزش تھی اور وہ بمشکل خود پر قابو پائے کھڑی تھی۔ ورنہ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ خود بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے تب ہی عذرا بیگم اپنے کمرے سے باہر نکلیں۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھیں قریب آ کر انہوں نے میز پر جھکے مبشر کو ایک نظر دیکھا اور پھر انعم کو۔
''انعم بیٹا تیار ہو جاؤ ابھی ڈرائیور آئے گا۔ تمہارے ابا جی کا فون آیا ہے کہ دلہن کے لیے ڈریس پسند کر کے آرڈر دے آئیں۔''
انعم نے مڑ کر عذرا بیگم کو دیکھا۔
''اور تمہارے ابا جی کہہ رہے تھے گو رخصتی مبشر کے ایگزام کے بعد ہوگی لیکن نکاح منگنی کے ساتھ ہی کر دیا جائے گا۔ اس لیے جوڑا شاندار ہونا چاہیے۔''

مبشر نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"میں ایسا نہیں کر سکتا آنی لیکن آپ دیکھ لینا میں ایسا ہی کروں گا عین نکاح کے وقت اور تب' تب پتا چلے گا ظل الٰہی کو۔"

وہ ایک دم اٹھا کرسی کو گھسیٹا اور تیز تیز قدموں سے پورچ کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں ہاتھ کرسی کی بیک پر رکھے انعم ساکت کھڑی اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

"یہ' یہ کیا کہہ رہا ہے۔ کیا کرنے جا رہا ہے یہ انعم اسے روکو۔ خدا کے لیے انعم کہیں یہ کچھ کر نہ بیٹھے۔" عذرا بیگم دونوں ہاتھ دل پر رکھتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئیں۔ انعم نے ان کی زرد ہوتی رنگت کو دیکھا اور بے اختیار اس کے لبوں سے چیخ نکلی۔

"شبی۔۔۔ ای۔" اور پورچ کی سیڑھیوں سے اترتا مبشر اس کی چیخ سن کر رکا اور پھر یکدم بھاگتا ہوا واپس مڑا۔ اس نے انعم کو ای ای پکارتے سنا اور اسے لگا جیسے کچھ غلط ہو گیا ہے۔ اس کے لبوں سے بے ساختہ نکلا نہیں اور وہ نہیں' نہیں کی تکرار کرتا ہوا وہیں بیٹھتا چلا گیا۔

■■■

"شاہ رخ۔"

رات بارہ بجے جب شاہ رخ نے حویلی کے برآمدے میں قدم رکھا تو بی بی جان کو آواز پر ٹھٹک کر رک گئے وہ برآمدے میں پڑی ایزی چیئر پر بیٹھی غالباً انہیں کی منتظر تھیں۔

"جی بی بی جان خیریت آپ یہاں اس وقت" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے پلٹ کر ان کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

بی بی جان نے ایک غصیلی نظر ان پر ڈالی۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی شاہ رخ شاہ۔"

"جی۔"

شاہ رخ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"کہاں تھے تم اب تک۔"

"اوہ۔" ایک مدھم سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"تو آپ میرے کان کھینچنے کے لیے یہاں بیٹھی ہیں۔ حالانکہ میں نے فضل داد سے کہا تھا کہ اندر اطلاع بھجوا دے کہ میں شاہ بابا کو لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں' کیا اس نے اطلاع نہیں بھجوائی۔"

"اطلاع مل گئی تھی لیکن شاید تم بھول گئے تھے کہ آج تمہیں کہیں جانا تھا۔"

"کہاں جانا تھا۔"

وہ بے حد تھکے ہوئے تھے یہاں سے امن آباد کے ہاسپٹل تک کا راستہ پورے ایک گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا۔ پھر شاہ بابا کی حالت کافی خراب تھی۔ وہ تو اتفاق تھا کہ انہیں ایمرجنسی میں ایک واقف کار ڈاکٹر مل گیا تھا۔ جس نے بہت اچھی طرح سے شاہ بابا کو دیکھا تھا۔ ان پر شدید کمزوری کا حملہ ہوا تھا۔ کافی دیر کی ٹریٹمنٹ کے بعد کہیں جا کر انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں اور بے حد اجنبی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"شاہ بابا۔"

انہیں دوبارہ آنکھیں بند کرتے دیکھ کر شاہ رخ نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی۔"

"اچھا ہوں۔"

ان کی آنکھوں میں ہنوز اجنبیت تھی۔

"شاہ بابا میں شاہ رخ ہوں آپ نے پہچانا نہیں۔"

"اچھا۔"

انہوں نے یونہی سر ہلا دیا۔

"تم شاہ رخ ہو۔"

شاہ رخ کو ان کے رویے پر حیرت ہو رہی تھی وہ تو اکثر ان کے پاس جایا کرتے تھے۔ آتے جاتے ان کا احوال پوچھتے تھے اور وہ بھی بہت محبت سے ان کی باتوں کے جواب دیا کرتے تھے۔ ورنہ ان کی تو عادت تھی کہ وہ اکثر خاموش رہتے تھے لیکن شاہ رخ سے تو بچپن سے ہی بہت خوش ہو کے بات کیا کرتے تھے اور یہ صحیح تھا کہ پچھلے پندرہ سولہ دنوں سے وہ شاہ بابا کی طرف نہیں جا سکے تھے لیکن اتنے دنوں میں بھلا وہ انہیں بھول سکتے تھے۔ ہاسٹل سے تو وہ مہینوں بعد آیا کرتے تھے لیکن شاہ بابا کی آنکھوں میں ایسی اجنبیت تو انہوں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔

"شاہ بابا مجھے کچھ صحیح نہیں لگ رہے ڈاکٹر۔"

"شاید نقاہت نے ان کے ذہن پر اثر ڈالا ہے کچھ آپ یوں کریں انہیں یہاں ایڈمٹ کروا جائیں۔ کل ہمارے سینئر ڈاکٹر راجہ صاحب آئیں گے تو وہ بھی چیک کر لیں گے یوں بھی ان کے لیے بہتر ہے کہ دو چار روز ہاسپٹل میں ہی رہیں۔ ہم انہیں انڈر آبزرویشن رکھیں گے فی الحال تو ہم نے عارضی ٹریٹمنٹ دی ہے انہیں۔"

ڈاکٹر کے مشورے پر انہوں نے شاہ بابا کو وہاں ہی ایڈمٹ کروا دیا تھا۔ ان کے لیے کمرا لینے اور سارا بندوبست کرنے میں گیارہ بج گئے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ حویلی سے کسی کو بھیج دیں گے جا کر شاہ بابا کے پاس رہنے کے لیے۔

"تو کیا یہ بھی ہمیں یاد دلانا پڑے گا کہ آج ہمیں بڑی حویلی جانا تھا شاہ زیب کی تاریخ رکھنے۔"

"اوہ۔"

انہوں نے ایک گہرا سانس لیا۔

"سوری بی بی جان لیکن شاہ بابا کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔۔۔ بڑی دیر بعد انہیں ہوش آیا۔ اس حالت میں انہیں چھوڑ کر کیسے واپس آ جاتا۔"

"ان کے ساتھ کسی نوکر کو بھی بھیجا جا سکتا تھا شاہ رخ۔" بی بی جان ازحد ناراض تھیں۔

"تم جانتے ہو وہاں سب نے تمہارا کتنا پوچھا اور شاہ زیب نے کتنا برا محسوس کیا تمہارے نہ ہونے پر۔"

"یہ اتنی اہم تقریب نہ تھی جہاں میرا ہونا بہت ضروری تھا۔"

"تمہارے لیے شاید نہ ہو لیکن ہمارے لیے بہت اہم تقریب تھی۔"

"کیا ایک انسان کی زندگی سے زیادہ اہم تھی بی بی جان۔"

ان کے لہجے میں حیرت اور دکھ تھا۔

"وہ عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں اس طرح کی بیماریاں لگی رہتی ہیں۔"

"بی بی جان۔"

شاہ رخ کے لہجے کا دکھ بڑھ گیا۔

"کیا جب والدین بوڑھے ہو جائیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ بیمار ہوں تو یہ کہہ کر کہ بڑھاپا ہے انہیں تڑپتے دیکھتے رہیں۔"

"شاہ رخ تم بحث بہت کرتے ہو۔"

وہ غصے سے بولتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔

"تمہارا کیا رشتہ ہے ان سے وہ تمہارے والد کے سوتیلے چچا ہیں۔۔۔ یہی نا' یہی رشتہ ہے نا تمہارا ان سے اور شاہ زیب تمہارا بھائی ہے سگا بھائی۔"

"میرا ان سے کیا رشتہ ہے۔ بی بی جان میں نے یہ ہرگز نہیں سوچا تھا میرے لیے وہ ایک انسان تھے اور میرے لیے انسانی زندگی بے حد قیمتی ہے اور اسے بچانے کی کوشش کرنا میں نے اپنا فرض سمجھا تھا۔"

"تم فرض نبھاتے رہو اور بھائی کو ناراض کر دو۔"

"وہ میرا بھائی ہے بی بی جان میں اسے منالوں گا لیکن آپ کی ناراضگی قطعی بے جا ہے۔"

"شاہ رخ تم میری ناراضگی کو بے جا کہہ رہے ہو حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ تم اپنے کیے پر شرمندہ ہوتے۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا بی بی جان جس پر مجھے شرمندگی ہو اور رہی اونچی حویلی نہ جانے کی بات تو میں شاہ زیب سے بھی صبح معذرت کر لوں گا اور ابصار، اعزاز اور ابرار بھائی وغیرہ سے بھی اور آپ بھی اب جائیے آرام کیجیے بہت رات ہو گئی ہے۔"

شاہ رخ انہیں آرام کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے خود اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ ان کی طبیعت از حد مکدر ہو گئی انہیں بی بی جان کا رویہ اور گفتگو بالکل پسند نہیں آئی تھی۔ کیا شاہ بابا انسان نہیں ہیں۔ وہ بستر پر لیٹے تو بچپن سے لے کر اب تک کے سارے واقعات ان کی نگاہوں کے سامنے آنے لگے۔

شاہ بابا کے ساتھ شاہ جی کا سلوک ان کا اس طرح حویلی سے الگ بنے کمروں میں رہنا۔ شاہ جی نے کبھی ان کا اس طرح کا احترام نہیں کیا تھا جس طرح اپنے کسی بزرگ کا یا بڑے کا کیا جاتا ہے۔ وہ سوتیلے ہی سہی لیکن تھے تو ان کے چچا ہی۔ ان کی رگوں میں بھی وہی خون دوڑ رہا تھا جو ان کے والد کی رگوں میں تھا۔ انہیں یاد آیا کہ جب وہ چھوٹے تھے تو شاہ بابا بظاہر بہت صحت مند تھے ہاں ذہنی حالت کچھ ٹھیک نہ لگتی تھی۔ کسی رشتے کو پہچانتے نہ تھے۔ کبھی روتے تو روتے چلے جاتے ہنستے تو بے تحاشا ہنستے رہتے۔ یا پھر خاموش بیٹھے جانے کیا سوچتے رہتے تھے۔ وہ شکلوں سے تو سب کو پہچانتے تھے۔ لیکن کس کے ساتھ ان کا کیا رشتہ تھا یہ وہ نہیں جانتے تھے۔ شاہ رخ نے کبھی شاہ جی کو ان کے لیے پریشان ہوتے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی شاہ جی نے انہیں کسی ڈاکٹر کو دکھانے کی کوشش کی تھی۔ پتا نہیں وہ ہمیشہ سے ذہنی طور پر اپ سیٹ تھے یا بعد میں کبھی ایسا ہوا تھا۔

"پھپھو۔"

ان کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔

"پھپھو یقیناً" اس سلسلے میں ان کی راہنمائی کر سکتی ہیں۔ اگر وہ پیدائشی طور پر ہی ایسے نہیں تھے۔ تو یقیناً "اب بھی ان کے علاج کے سلسلے میں کوشش کی جا سکتی ہے وہ انہیں امن آباد سے شہر بھی لے جا سکتے ہیں اور کسی اچھے اسپیشلسٹ کو دکھا سکتے ہیں۔"

وہ نہ جانے کب شاہ بابا کے متعلق ہی سوچتے ہوئے سو گئے۔ صبح ان کی آنکھ کھلی تو نماز کا وقت نکل گیا تھا۔ بے حد پشیمان سے ہو کر وہ اٹھے قضا نماز پڑھی اور باہر نکلے تو شاہ زیب انہیں صحن میں ایزی چیئر پر نیم دراز نظر آ گیا تو وہ سیدھے اسی کی طرف گئے۔

"سوری یار۔"

انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بی بی جان کہہ رہی تھیں تم رات میرے شامل نہ ہونے پر بہت ناراض ہو۔ دراصل شاہ بابا کی حالت اتنی خراب تھی کہ میں نہیں سمجھ رہا تھا کہ وہ سروائیو کر پائیں گے یا نہیں۔ وہ ذرا سے سنبھلے تو میں بھاگا لیکن دیر ہو گئی تھی۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔"

شاہ زیب نے آہستگی سے ان کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹا دیا۔

"شاہ بابا شاید مجھ سے زیادہ اہم ہیں آپ کے لیے۔"

"بات اہمیت کی نہیں ہے یار۔ بات انسانی زندگی کی ہے۔" وہ پیچھے سے ہٹ کر اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تم تو سمجھ دار ہو یار تو تم بی بی جان کی طرح بات مت کرو۔"

ان کے لہجے میں گلہ در آیا۔

"تم میرے بھائی ہو تمہاری اہمیت میری نظر میں کیا ہے۔ تم میرے لیے کیا ہو۔ تم نہیں جان سکتے میری جان تم بہت اہم ہو بہت عزیز ہو۔ خود کو شاہ بابا سے کمپیئر مت کرو۔ تمہارے لیے تو میں جان بھی دے سکتا ہوں زیب۔ بہرحال ایک چھوٹی سی تقریب میں شرکت سے زیادہ اہم ایک انسانی زندگی ہے۔"

"آپ صحیح کہتے ہیں۔"

شاہ زیب کی آواز آہستہ تھی اور چہرہ سپاٹ لیکن شاہ رخ نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اور مسکرائے تھے۔

بہرحال زندگی کے نئے سفر میں قدم رکھنے کی تاریخ طے ہونے پر بہت مبارک ہو۔"

"تھینکس۔"

شاہ زیب نے ایک گہری کھوجتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔ وہ ایک خوش کن سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے دیکھ رہے تھے۔

"خدا تمہیں اور زارا کو ایک ساتھ زندگی کی ساری خوشیاں دیکھنی نصیب کرے۔"

"اور کیا واقعی شاہ رخ کو میری شادی زارا کے ساتھ ہونے کا کوئی دکھ نہیں ہے۔"

شاہ زیب نے ایک بار پھر شاہ رخ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سوچا۔ پتا نہیں بی بی جان کی کہی بات اس کے ذہن سے کیوں نہیں نکل رہی تھی۔ رات جب شاہ رخ نہیں آئے تو اسے گمان گزرا تھا کہ وہ جان بوجھ کر تقریب میں شریک نہیں ہوئے۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا کہ کوئی بات اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی تو بمشکل ہی نکلتی تھی۔ حالانکہ پھپھو جان نے اسے سمجھایا بھی تھا کہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے اور پھر شاہ رخ نے خود ہی شادی سے منع کیا ہے۔ انہیں زارا شاہ کی شادی شاہ زیب سے ہونے کا دکھ ہوتا تو وہ انکار ہی کیوں کرتے بھلا۔

"بھائی۔"

شاہ زیب سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"ایک بات بتائیں گے۔"

"ایک نہیں یار دس باتیں پوچھو کیا زارا کے سلسلے میں کوئی مشورہ درکار ہے۔ لیکن میری جان میں اس معاملے میں بالکل ناتجربہ کار ہوں۔ نہ مجھے کسی منگنی وغیرہ کا تجربہ ہے اور نہ ہی آج تک دل کو کوئی لڑکی اس طرح بھائی ہے کہ نامہ و پیام کا کوئی تجربہ ہو۔"

ان کے ہونٹوں پر بڑی دلکش سی مسکراہٹ تھی۔

"لگتا ہے یہ ایک مہینہ گزارنا مشکل ہے۔"

وہ اس وقت بڑے بھائی نہیں بلکہ دوستوں کی طرح چھیڑ رہے تھے اسے۔

"نہیں وہ۔"

شاہ زیب تھوڑا سا جھجکا۔

وہ شادی سے پہلے اس کانٹے کو نکالنا چاہتا تھا۔

"آپ نے زارا سے شادی سے انکار کیوں کیا۔"

"واٹ۔"

شاہ رخ کے مسکراتے لب بھینچ گئے اور انہوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ بلکہ بی بی جان نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ اور شاہ جی چاہتے ہیں میری شادی کرنا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میرا ارادہ باہر جانے کا ہے۔ مجھے ایم ایس سی کرنا ہے اور میں نے مختلف یونیورسٹیوں میں اپلائی کیا ہوا ہے۔ ایسے میں کسی لڑکی کو شادی کے بندھن میں باندھ کر چھوڑ جانا انتہائی ظلم ہے اس پر۔ ہو سکتا

ہے میں ایم ایس سی کے بعد ایم فل کے لیے اپلائی کر دوں اور مجھے دو سال سے زیادہ وقت لگ جائے۔ یار تم خود سوچو اس لڑکی کے ساتھ یہ کتنی ناانصافی ہے۔ وہ زارا ہو یا کوئی اور' اور پھر یہ بھی تو ممکن ہے کہ میں وہاں کہیں انوالو ہو جاؤں بشری خامیاں تو مجھ میں بھی ہیں۔ میں بھی خود کو کنٹرول نہ کر پاؤں تو وہ بے چاری کس جرم کی سزا پائے۔"

شاہ زیب بہت دھیان سے ان کی بات سن رہا تھا۔ وہ صحیح کہہ رہے تھے شاید۔

"اور پھر یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ میں نے صرف زارا کے ساتھ شادی سے انکار کیا ہے۔ بی بی جان نے تو کوئی نام تک نہیں لیا تھا۔ پہلی شادی کی بات ہوئی تھی۔ زارا کے متعلق کوئی وہم تمہارے ذہن میں ہے تو وہ نکال دو۔ وہ ایک بہت اچھی اور مکمل لڑکی ہے۔

اس میں وہ ساری صلاحیتیں ہیں جو ایک اچھی لڑکی میں ہو سکتی ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ ایک اچھی بیوی ہو گی۔ یو آر لکی مائی برادر۔"

وہ اس کی ذہنی کیفیت سے بے خبر اسے سمجھا رہے تھے۔ انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ شاید وہ زارا سے متعلق متذبذب ہے۔

"وہ ہماری تایا زاد ہے زیب ڈیئر اس کا بچپن اس کا لڑکپن جوانی سب کچھ تو ہمارے سامنے ہے۔ وہ ایک بہترین لڑکی ہے اور تمہاری بہترین شریک حیات ہو گی۔"

"اور اگر آپ انکار نہ کرتے شادی سے تو یہ خوش قسمت شخص آپ بھی ہو سکتے تھے۔"

شاہ زیب نے سوچا لیکن کہا نہیں البتہ چہرے کی سختی میں ہلکی سی نرماہٹ گھل گئی اور کسی قدر مطمئن ہوتے ہوئے اس نے شاہ بابا کے متعلق پوچھا۔

"شاہ بابا کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

"معمولی سی بہتر ہوئی تھی تو میں آ گیا۔ وہ ابھی ہاسپٹل میں ہی ہیں۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ انہیں کچھ دن انڈر آبزرویشن رکھیں گے۔ کچھ ٹیسٹ وغیرہ بھی تجویز کیے ہیں انہوں نے میرا جہاں تک خیال ہے نقاہت کا یہ شدید اور اچانک حملہ کم خوراکی کی وجہ سے ہوا ہے۔ بہرحال آج جاؤں گا تو پتا چلے گا۔" انہوں نے شاہ زیب کو تفصیل بتائی۔

"جب سے ہم نے ہوش سنبھالا ہے شاہ بابا کو ایسے ہی دیکھ رہے ہیں۔ ان کے بیوی بچے نہیں غالباً" ان کی شادی وغیرہ نہیں ہوئی تھی۔"

شاہ زیب اب بے حد ریلیکس ہو کر بات کر رہا تھا۔

"میرے خیال میں شاہ بابا پیدائشی طور پر ہی ذہنی ویک ہوں گے۔"

شاہ رخ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں لیکن وہ مجھے کبھی بھی پیدائشی ذہنی معذور نہیں لگے.... کبھی کبھی تو وہ بڑے پتے کی بات کر دیتے تھے۔ گو میں بہت کم شاہ بابا کی طرف گیا لیکن بچپن میں کئی بار ان کی کسی بات نے مجھے حیران کر دیا۔" شاہ زیب نے بتایا۔

"انسانی ذہن بہت پیچیدہ ہوتا ہے اسے سمجھنا بہت مشکل ہے ہو سکتا ہے کسی حادثے نے انہیں ایسا کر دیا ہو۔"

شاہ رخ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ وہ تو اکثر شاہ بابا کی طرف چلے جاتے تھے۔ کھیلتے ہوئے بھی کئی بار وہ شاہ بابا کے کمرے میں گھس جاتے تھے اور غالباً" گھر میں سب سے زیادہ مانوس وہ شاہ رخ سے ہی تھے۔ جب بھی وہ چھٹیوں میں سید پور آ کر انہیں ملنے جاتے تھے تو ان کی آنکھیں چمک اٹھتی تھیں اور کئی بار انہوں نے شاہ رخ کو اس کے نام سے بھی بلایا تھا بدرالدین اور کمالا وغیرہ بھی بتاتے تھے کہ ان کی عدم موجودگی میں وہ ان کے متعلق پوچھتے تھے کہ شاہ رخ نہیں آیا۔ کب آئے گا۔

"میں سوچ رہا ہوں زیب کہ شاہ بابا کی طبیعت کچھ ٹھیک ہو تو انہیں لاہور لے جاؤں۔ ایک اچھے بھلے انسان کو ناکارہ کر کے جانوروں کی طرح ہم نے ایک کوٹھری میں بند کر رکھا ہے اور صبح و شام کھانا دے دیتے ہیں۔"

ابھی شاہ زیب نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ اندر سے ایک ملازمہ نے آ کر شاہ رخ سے کہا۔

"اگر آپ جاگ گئے ہوں تو شاہ جی آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے میں جاگ گیا ہوں۔ کیوں" شاہ زیب وہ مسکرائے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شاہ جی کہاں ہیں۔"

"جی اندر حویلی میں ہی ہیں بی بی جان کے کمرے میں۔"

"چلو میں آ رہا ہوں۔"

"او کے شاہ زیب۔"

انہوں نے شاہ زیب کی طرف دیکھا۔

"اب ناراض مت رہنا اور یاد رکھنا کہ تمہاری خوشیاں میرے لیے زندگی کی ہر بات سے زیادہ اہم ہیں۔"

وہ بات مکمل کر کے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

سید مقیم علی شاہ کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے جبکہ بی بی جان ایک طرف اپنے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

"لگتا ہے شاہ جی غصے میں ہیں۔"

شاہ رخ نے انہیں دیکھتے ہوئے سوچا۔ ان کی عادت تھی کہ وہ جب غصے میں ہوتے تھے تو ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھتے تھے۔

سلام کر کے وہ بی بی جان کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ سر کے اشارے سے سلام کا جواب دے کر شاہ جی نے ایک تیز نظر ان پر ڈالی تھی۔

"جی شاہ جی۔" ہاتھ میں پکڑی تسبیح ایک طرف رکھ کر انہوں نے پوچھا۔

"رات تم کہاں چلے گئے تھے۔"

یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا کہ ہر شخص ان سے بازپرس کر رہا تھا۔ دل ہی دل میں ناگواری محسوس کرتے ہوئے شاہ رخ نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ شاہ جی کی طرف بتانے گئے تھے لیکن شاہ جی اپنی نشست گاہ میں نہیں تھے سو وہ واپس پلٹ آئے تھے۔

"بی بی جان نے نہیں بتایا۔"

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

"شاہ بابا کو ہاسپٹل لے کر گیا تھا۔"

شاہ رخ نے نگاہیں جھکا لیں۔

"کیوں۔"

شاہ جی کی نظریں ان کے چہرے پر تھیں۔

"ان کی طبیعت خراب تھی بے حد۔"

شاہ رخ کی آواز دھیمی تھی۔

"ڈاکٹر کو یہاں بھی بلایا جا سکتا تھا۔"

"لیکن ان کی طبیعت ایسی تھی میرا خیال تھا کہ انہیں ہاسپٹل ایڈمٹ کروانا پڑے گا۔"

"آپ نے انجینئرنگ کی ڈگری لی ہے مجھے علم نہیں تھا کہ ڈاکٹری میں بھی شدبد ہے آپ کو۔" ان کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"اور آپ نے انہیں ہاسپٹل ایڈمٹ کروا دیا ہے۔ نیکی کمانے کا شوق ہے۔ ریفارمر بننا چاہ رہے ہیں آپ۔"

ان کا لہجہ مزید طنزیہ ہو گیا تو شاہ رخ نے بے اختیار ان کی طرف دیکھ کر احتجاج کیا۔

"شاہ جی آپ...."

"خاموش رہو۔"

وہ گرجے۔

"تم مجھ سے زیادہ ہمدرد ہو ان کے۔" وہ غصے میں کبھی تم اور کبھی آپ کہہ کر مخاطب کر رہے تھے شاہ رخ کو۔

"تمہیں چاہیے تھا کہ تم مجھے اطلاع دیتے بیماری کی اور پھر میں جیسے مناسب سمجھتا کرتا۔ لیکن آپ کو تو نیکی کمانے کا شوق ہوا تھا۔ کتنا ثواب کمالیا آپ نے۔"

"شاہ جی پلیز آپ اس طرح اور اس لہجے میں بات مت کریں۔ ایک انسان مر رہا تھا۔ نہ جانے کب سے وہ بے ہوش پڑے تھے اور ان کی تو۔۔۔"

"آپ نے انہیں بچالیا۔"

شاہ جی نے ان کی بات کاٹ دی۔

"بچانے والی ذات تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ انسان تو صرف وسیلہ بنتا ہے۔"

شاہ رخ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"بچانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے تو کیا امن آباد میں نعوذباللہ کوئی دوسرا خدا ہے۔"

ان کا لہجہ ہنوز طنزیہ تھا۔ شاہ رخ بل کھا کر رہ گئے انہیں شاہ جی کا یہ انداز بے حد تکلیف دے رہا تھا۔

"بہرحال۔"

انہوں نے لہجہ بدلا۔

"اب تمہیں امن آباد جانے کی ضرورت نہیں ہے میں نے بھیجا ہے فضل داد کو مخدوم حسین کے ساتھ انہیں واپس لانے کے لیے۔"

"لیکن شاہ جی۔"

شاہ رخ بے چین سے ہوگئے۔ آج انہیں ڈاکٹر راجہ نے چیک کرنا تھا اور مختلف ٹیسٹ ہونے تھے ان کے تاکہ اس اچانک نقاہت اور بے ہوشی کی وجہ سمجھ آسکے۔

"کب گیا ہے فضل داد میں چلتا ہوں منع کرتا ہوں اسے۔ اگر دو تین روز انہیں ہاسپٹل میں ہی رہنا ہے" وہ کھڑے ہوگئے۔

"بیٹھ جاؤ شاہ رخ۔ فضل داد آٹھ دس منٹ میں حویلی پہنچنے والا ہے ان کو لے کر۔"

انہوں نے ایک لحہ ٹھہر کر شاہ رخ پر ایک نظر ڈالی جو از حد حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اور آئندہ کبھی شاہ بابا کو کسی ہاسپٹل میں لے جانے کی حماقت مت کرنا۔"

وہ بات مکمل کرتے ہی تیز تیز چلتے کمرے سے باہر نکل گئے اور شاہ رخ حیران کھڑے انہیں جاتے دیکھتے رہے۔

■■■

"ممی پلیز آپ مجھے سمجھنے کی کوشش کریں۔"

خضر نے بے بسی سے سعدیہ بیگم کی طرف دیکھا وہ تین دن کی کشمکش کے بعد آج ان کے سامنے بیٹھا تھا "کیا سمجھنے کی کوشش کروں۔"

انہوں نے ناراضگی سے کہا۔

"کیا یہ کہ تمہیں والدین سے اختلاف ہے۔"

"یہی بات تو میں آپ کو سمجھا رہا ہوں ممی کہ مجھے آپ سے اختلاف نہیں ہے لیکن یہ پوری زندگی کی بات ہے ایز آ لائف پارٹنر مجھے سحرش پسند نہیں ہے۔"

"کیا خرابی ہے اس میں۔"

انہیں خضر پر بے حد غصہ آرہا تھا۔ جب سے ان کی بہن اور بچیاں پاکستان آئی تھیں وہ خضر اور سحرش کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ گو انہوں نے ابھی حمیرا سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی تھی اور محض ماہ نور اور خضر کے تاثرات جاننے کے لیے انہوں نے خضر اور سحرش کا ذکر کیا تھا۔ ورنہ افضال حیدر کی عدم موجودگی میں وہ ایسی

بات نہ کر سکتی تھیں۔ تاہم انہوں نے دل میں ٹھان رکھا تھا کہ وہ خضر کی شادی سحرش یا نازش سے ہی کریں گی حمیرا ان کی بہن تھیں اور وہ سحرش اور نازش کے لیے بہت پریشان تھیں اور ان کے پاکستان آکر ٹھہرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ لڑکیوں کے لیے اچھے رشتے مل جائیں۔ گو انہوں نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا۔ تاہم سعدیہ بیگم کو اندازہ تھا کہ حمیرا کی شدید خواہش ہے کہ سحرش یا نازش میں سے کوئی ایک سعدیہ بیگم کی بہو بنے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا مما کہ اس میں کوئی خرابی ہے لیکن میرے ذہن میں اپنے لائف پارٹنر کا جو تصور ہے وہ ایسی نہیں ہے۔ مے بی کسی اور کے لیے وہ آئیڈیل لڑکی ہو لیکن۔۔۔"

"بائے دا وے تمہاری آئیڈیل لڑکی کیسی ہے؟"

ان کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔

"میں نے اس کے متعلق کچھ نہیں سوچا ابھی، میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔ بلکہ پانچ سال تک میرا کوئی ارادہ نہیں ہے شادی کا مجھے اپنا کیریر بنانا ہے۔ اپنے فیوچر کا سوچنا ہے۔"

"کیا ہے تمہارے فیوچر کو سب کچھ تو سیٹ ہے۔ یہ بتاؤ کسی اور کو پسند کر بیٹھے ہو کون ہے وہ جس کے لیے ماں سے بحث کر رہے ہو۔"

انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بتایا تو ہے مما فی الحال ایسا کوئی نہیں۔"

خضر نے نظریں چرالیں۔

وہ ابھی ماہ نور کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ ابھی تو وہ خود اس نئے نئے جذبے کو محسوس کر رہا تھا۔ اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر ان تین دنوں میں اس نے بہت کچھ سوچا اور جانا تھا۔ خالہ جان کے کینیڈا سے آنے کے بعد ممی کا رویہ، ماہ نور کا یہاں آنے سے گریز، مما کا اس کی منگنی کا اچانک ذکر بغیر اس سے یا گھر میں کسی اور کی رائے لیے۔

اس کی نظر شروع سے ہی بہت گہری تھی۔ وہ ممی کا منشا اور مقصد سمجھ گیا تھا۔ گو وہ اپنی ذات میں بہت مضبوط تھا اور اپنے فیصلوں پر عمل کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا پھر بھی یہ تین دن اس نے انتہائی پریشانی میں گزارے تھے۔ وہ ممی کو ناراض کر کے گھر کی فضا خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے ممی کا فیصلہ بھی منظور نہیں تھا اس روز اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پالیا تھا یوں جیسے اس نے ان کی بات سنی ہی نہ ہو اور ماہ نور سے مخاطب ہوا تھا۔

"چلو ماہ دیر ہو رہی ہے۔ پھپھو پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

اور ماہ نور سب سے مل کر اس کے ساتھ چلی آئی تھی۔ راستہ بھر دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔

"کیا سوچ رہی ہو ماہ اپنی پرابلم۔"

خضر نے اپنے اندر اٹھتے طوفان پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"کچھ نہیں۔"

وہ مسکرائی۔

لیکن خضر کو اس کی مسکراہٹ بجھی بجھی سی لگی تھی۔

کیا ضروری تھا کہ مما یہ اعلان اس کے سامنے ہی کرتیں۔ لیکن مما کو یہ اعلان اس کے سامنے ہی کرنا تھا۔

اس کے ذہن میں اچانک کوندا سا لپکا تھا اور اس نے بغور ماہ نور کو دیکھا تھا۔ جو اپنے ہاتھوں کی انگلیاں غیر ارادی طور پر مروڑتی ہوئی اسے کچھ مضطرب سی لگی تھی۔

"مبارک ہو خضر بھائی۔"

اسے اپنی طرف تکتے پا کر ماہ نور نے آہستگی سے کہا۔

”کس بات کی مبارک۔“

خضر نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

”آنٹی کہہ رہی تھیں انہوں نے سحرش سے آپ کی بات طے کردی ہے۔“

اس کا لہجہ سادا تھا لیکن خضر کو اس میں آنسوؤں کی نمی سی محسوس ہوئی۔

”ربش۔“

اس نے کندھے اچکائے اور مسکرایا۔

”اور تم نے مما کی بات کا یقین کرلیا ماہ۔“

”تو اس میں یقین نہ کرنے والی کون سی بات ہے۔“

ماہ نور کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”اور اس میں یقین کرنے والی بھی کوئی بات نہیں ماہ۔“ وہ ہولے سے ہنسا۔

”وہ میری بات پکی کرنے کی بات کررہی ہیں اور میں ہی اس سے بے خبر ہوں۔۔۔ یہ میری زندگی کا فیصلہ ہے اور میری مرضی کے بغیر کیسے طے ہوسکتا ہے۔“

”کیوں کیا آپ کو سحرش پسند نہیں وہ تو اتنی خوب صورت اور ماڈ سی ہیں۔“

ماہ نور کی حیرت ختم نہیں ہوئی تھی۔

”یقیناً“ سحرش ایسی ہی ہوگی جیسا تم نے کہا۔ لیکن زندگی گزارنے کے لیے صرف یہ دو چیزیں ہی کافی نہیں ہوتیں۔“

”تو کیا آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں کسی اور سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے اس نے ذرا سا رخ موڑ کر پاس بیٹھی ماہ پر ایک بھرپور نظر ڈالی تھی اور اس کا جی چاہا تھا وہ کہہ دے کہ ہاں میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں اور صرف پسند ہی نہیں کرتا بلکہ اسے شریک زندگی کرنے کا فیصلہ کرچکا ہوں اور اس کے علاوہ کسی اور کو دیکھنا سوچنا یا پسند کرنا میرے نزدیک خیانت ہے اور ماہ تم جانتی ہو وہ لڑکی تم ہو تم ماہ۔

لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس کے چہرے سے نظر ہٹا کر سامنے سڑک پر دیکھ رہا تھا۔

”میں فی الحال شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میرے پلان میں فی الحال شادی نہیں ہے ماہ۔ مجھے انتظار کرنا ہے ہوسکتا ہے یہ انتظار طویل ہوجائے اور ہوسکتا ہے بہت طویل نہ ہو۔“

”کس کا انتظار خضر بھائی۔“

ماہ نور جانے کس دھیان میں تھی کہ اس کی بات نہ سمجھ سکی۔

”ایک شاندار کیریر اور برائیٹ فیوچر کا۔“

”لیکن آپ کا کیریر تو اب بھی بہت شاندار ہے۔“

”لیکن مجھے ابھی اور آگے جانا ہے ماہ۔“

اس نے کن انکھیوں سے ماہ نور کے الجھے الجھے چہرے پر نظر ڈالی۔

وہ ابھی ماہ سے کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتا تھا۔ جس سے وہ الجھ جائے اور زندگی اس کے لیے مشکل ہوجائے۔ اس کے لیے پہلے ہی کچھ کم پرابلم نہ تھے۔ حالانکہ اس سمے اس کے الجھے الجھے چہرے پر نظر جمائے اس کا کتنا جی چاہا تھا کہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے نئے نویلے جذبے کو اس کے ساتھ شیئر کرلے۔ اسے بتائے کہ ماہ میں‘ تمہارے لیے کچھ مختلف سوچنے لگا ہوں۔ ایسا مختلف جو بہت خوب صورت اور دلکش ہے لیکن اسے اپنے جذبوں پر بہت اختیار تھا۔ سو وہ دھیرے سے مسکرادیا تھا۔

”ہاں ماہ میرے ارادے بہت بلند ہیں۔“

”لیکن آنٹی نے تو بات کرلی ہے پھر۔“

”تو خالہ جانی سے ہی بات کی ہے نا۔۔۔ کون سا منگنی ہوگئی ہے پاگل میں آج جاکر مما کو بتادوں گا۔“

”مگر وہ بہت ناراض ہوں گی آپ سے۔“

ماہ نور فکر مند ہورہی تھی۔

”وہ سمجھیں گی شاید آپ‘ آپ کسی اور سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

”ہاں مما ایسا سوچ تو سکتی ہیں ماہ لیکن میں دیکھ لوں گا ڈونٹ وری۔“

گو ماہ نور نے اس کے بعد کوئی بات نہیں کی تھی اس کے متعلق لیکن وہ اسے الجھا الجھا دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ کوئی اندازہ نہیں کرپارہی تھی یا اس کے لیے فکر تھی بہرحال مما سے بات کرکے وہ ماہ کو بتادے گا۔ کہ ایسا کچھ نہیں ہے اور مما اس کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں کریں گی۔ اس نے سوچا تھا۔

”تو پھر سحرش میں کیا برائی ہے۔ فی الحال تمہارے پپا کے آنے پر منگنی کی تقریب کردیں گے۔ شادی جب تم نے کہا تب ہوجائے گی۔“

اسے سوچ میں گم پاکر سعدیہ بیگم نے نرمی سے کہا۔

”اوہ مما پلیز۔“

خضر بیزار سا ہوگیا۔

”آپ میری بات سمجھ ہی نہیں رہی ہیں۔ مجھے سحرش سے شادی نہیں کرنا۔ نہ اب نہ پھر کبھی۔ آپ پلیز اس سلسلے کو ختم کردیں اور خالہ جانی سے معذرت کرلیں۔“

”تمہیں ۔۔۔ سحرش پسند نہیں ہے تو نازش بھی تو ہے سحرش سے زیادہ خوب صورت ہے۔“

”پلیز مما۔۔۔ سحرش ہو یا نازش کوئی بھی نہیں۔“

”تو تم اب مجھے حمیرا کے سامنے شرمندہ کرنا چاہتے ہو خضر۔“

ان کا غصہ بڑھ گیا۔

”ابھی بات صرف آپ کے اور خالہ جان کے درمیان ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابھی ختم کرلیں اور پھر غلطی آپ کی ہے۔ مجھ سے پوچھے بنا آپ نے خالہ جان سے بات ہی کیوں کی زندگی مجھے گزارنی تھی۔ نہ کہ آپ کو۔“

اس کی آواز آہستہ تھی لیکن اس میں خفگی کا رنگ جھلک رہا تھا۔

”مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم میرے فیصلے سے اختلاف کروگے۔“

سعدیہ بیگم نے آنکھوں میں آنسو بھر کر خضر کو دیکھا۔

”مما پلیز اب آپ اس طرح رو کر مجھے بلیک میل مت کریں اور آپ خالہ جان سے بات مت کریں میں خود کرلوں گا اور وہ آپ سے بہتر میرا نقطہ نظر سمجھ سکیں گی۔“

”کوئی ضرورت نہیں تمہیں حمیرا سے بات کرنے کی۔“ وہ غصے سے کھڑی ہوگئیں۔

”میں خود یہ کہہ دوں گی کہ میرا بیٹا میرے کہے میں نہیں ہے۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے مجھے معاف کردو۔“

خضر انہیں دیکھ کر رہ گیا۔ وہ اب مما سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دو روز بعد پپا آرہے تھے۔ وہ یقیناً اس کی بات کو سمجھ سکیں گے یہ بات وہ جانتا تھا۔ اس لیے انہیں وہاں ہی کھڑا سوچ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ماہ نور کے لیے اس کے دل میں محبت کا جذبہ نہ ہوتا تو بھی سحرش ایسی لڑکیاں اسے کبھی پسند نہیں رہی تھیں۔ جو مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی تھیں۔ سحرش نے بچپن سے لے کر اب تک کا وقت کنیڈا میں گزارا تھا۔ وہ مغربی تہذیب سے از حد متاثر تھی اور شادی کو بھی محض ایک بندھن سمجھتی تھی۔ شخصی آزادی میں رکاوٹ۔ وہ آزاد رہو اور آزاد رہنے دو کے فلسفے کی قائل تھی اور اپنی ان غیر ملکی دوستوں کو رشک کی نظر سے دیکھتی تھی جو آزاد زندگی بسر کر

رہی تھیں۔ خضر اس کے خیالات سے اچھی طرح آگاہ تھا بلکہ دو تین بار ان کے درمیان اچھی خاصی بحث ہو چکی تھی۔ پھر پتا نہیں مما کو اس میں کیا نظر آیا تھا اور ماہ نور پر ان کی نظر نہیں پڑی تھی۔ حالانکہ ماہ نور تو ان کے سامنے ہی پلی بڑھی تھی۔ ماہ نور کے تصور سے ایک ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"دراصل ساری بات پیسے کی ہے۔"

اس نے فوراً ہی کیلکولیٹ کر لیا تھا کہ مما کی نظر میں ماہ نور اس لیے قابل توجہ نہیں ٹھہری تھی کہ وہ حمیرا خالہ جتنی دولت مند نہیں تھی۔ لیکن دولت خضر کے لیے کبھی بھی اہم نہیں رہی تھی۔

وہ لاؤنج میں تھوڑی دیر کو رکا اور متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ رات غالباً گاڑی کی چابیاں اس نے یہاں ٹیبل پر ہی رکھی تھیں۔ اس کی نگاہ کونے والے صوفے پر دونوں پاؤں رکھے چادر میں لپٹے ولید پر پڑی جو اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"یہ تم صبح صبح کیوں کڑک مرغی کی طرح دبکے بیٹھے ہو۔ کیا آج کالج نہیں جانا۔"

"نہیں آج مابدولت کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"کیا ہوا۔"

خضر نے چونک کر پوچھا۔

"مسٹر فلو نے حملہ کر دیا ہے لیکن خیر ہم نے بھی دفاع کی پوری تیاریاں کر رکھی ہیں۔ امید ہے جلد ہی دشمن کو بھگا دیں گے۔ آپ بتائیں آپ کیوں مسکرا رہے تھے۔ کیا مما نے کوئی خوشی کی خبر دے دی ہے۔"

"خوشی کی خبر۔"

خضر نے ناگواری سے سوچا اور ولید کی طرف دیکھا۔

"فی الحال مما کے پاس میرے لیے کوئی خوشی کی خبر نہیں ہے ڈیر برادر۔"

"اوہ۔ ہاں۔"

ولید سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"عینا نے کچھ ذکر تو کیا تھا کہ خدانخواستہ آپ کو پابہ زنجیر کیا جا رہا ہے اور وہ بھی ایسی جیل میں پھینکے جانے کی سازش کی جا رہی ہے جہاں رہنے سے بہتر مر جانا خوب صورت ہے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے ولی میں مما کی اس بات سے اتفاق کر سکتا ہوں۔"

"کوئی عقلمند آدمی تو ایسا نہیں کر سکتا۔"

ولید سنجیدہ ہو گیا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مما کو آخر یہ سوجھی کیا سحرش کے مزاج سے کیا وہ بے خبر ہیں۔ اس روز وہ مما کے سامنے ہی تو کہہ رہی تھی کہ اسے پاکستان میں رہنا ہرگز پسند نہیں ہے اور یہ دن جو یہاں گزار رہی ہے اس کی مجبوری ہے۔ گویا مما نے اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ آپ کو سحرش کے ساتھ رخصت کر دیں گی۔۔۔۔ اوہ نو بھائی ہرگز نہیں۔ میں اس سلسلے میں بھرپور احتجاج کرتا ہوں۔ آپ نے مما سے بات کی۔"

اور جہاں تک عینا اور اریج کی بات ہے تو انہیں اپنے ساتھ ہی سمجھئے کہ وہ آپ کو ہرگز کینیڈا رخصت کرنے کو تیار نہیں ہوں گی۔ اریج کا تو آپ کو پتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک دو روز کے لیے بھی کہیں جائے تو رو رو کر برا حال کر لیتی ہے۔ باقی رہ گئے پپا تو وہ یقیناً "اکثریت کا ساتھ دیں گے اور مما اتنی اپوزیشن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی سو بے فکر ہو جائیے۔"

ولید کی اتنی لمبی چوڑی بات پر خضر مسکرا دیا اور حقیقت میں بھی اسے اپنے دل سے بوجھ ہٹتا ہوا سا محسوس ہوا۔ اسے لگا جیسے ولید صحیح کہہ رہا ہے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ولید ایسا ہی تھا لمحوں میں ہر بات کا حل نکال لیتا تھا۔ خضر نے اسے کبھی کسی بات پر پریشان ہوتے نہیں دیکھا تھا اسے خدا پر کامل یقین اور بھروسہ تھا۔

"ہونا وہی ہے جو اللہ چاہے گا۔ سو پریشان ہونے سے فائدہ۔"

یہ اس کا یقین تھا۔

"ڈاکٹر کی طرف چلنا ہے تو لے چلوں۔"

خضر نے ایک شفقت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"نو۔۔۔ معمولی فلو ہے اور مجھے چونکہ اس سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے سو سارے تیر بہدف نسخے زبانی یاد ہیں۔"

"اوکے پھر میں چلتا ہوں۔"

خضر جانے کے لیے مڑا۔

"بھائی ایک بات کہوں۔"

"ہاں کہو۔"

خضر نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"ارے یہ گاڑی کی چابیاں تو آپ یہاں ہی چھوڑے جا رہے ہیں۔"

"اوہ تھینکس۔"

خضر نے ولید کے پاس پڑی چھوٹی ٹیبل سے چابیاں اٹھائیں۔

"اور کہو کیا کہنا تھا۔"

"کچھ خاص نہیں۔ ویسے سوچ رہا تھا مما کی نزدیک کی نظر کچھ کمزور نہیں ہے کیا۔"

"کیا مطلب۔"

خضر سمجھ نہ سکا۔

"لگتا ہے آپ ابھی تک اپ سیٹ ہیں بھائی سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیجیے۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے میرا اشارہ ماہ نور آپی کی طرف تھا۔"

ایک لمحے کو خضر کا دل اس کے سینے میں زور سے دھڑکا۔

"مجھے ماہ نور آپی بہت پسند ہیں۔ آپ کے ساتھ وہی سوٹ کرتی ہیں نہ کہ سحرش۔"

خضر دل کی تیز ہوتی دھڑکنوں کو محسوس کرتا ہوا ولید کو دیکھ رہا تھا۔

"میں صحیح کہہ رہا ہوں خضر بھائی ماہ نور آپی ہر لحاظ سے ایک بہترین لڑکی ہیں۔ حسنِ صورت، حسنِ سیرت۔"

خضر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ولید کو کیا کہے۔۔۔ اسے ولید کی بات سے اتفاق تھا۔ لیکن کم از کم اس اسٹیج پر وہ ماہ نور کا نام نہیں لینا چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ کم از کم پانچ سال تک ماہ نور کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے شادی کرنے کا اس روز اس نے خضر سے ہر بات ڈسکس کی تھی اپنے عزائم اور پروگرام سب۔

"میں کچھ غلط نہیں کہہ رہا خضر بھائی آپ کو چاہیے کہ مما کو ماہ نور کے متعلق بتا دیں۔"

"نہیں ولی، نہیں۔"

"مگر کیوں۔"

ولید کی آنکھوں کی حیرت واضح تھی۔

"میرا تو خیال تھا کہ آپ ماہ نور آپی کو پسند کرتے ہیں۔" وہ ولید کے مشاہدے اور گہری نظر کا قائل ہو گیا۔

"میں نے کب کہا کہ وہ مجھے پسند نہیں ہے وہ بہت اچھی لڑکی ہے لیکن۔"

"لیکن کیا آپ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔" ولید کو شاک سا لگا تھا۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

خضر مسکرایا۔

"فی الحال میرا شادی کا ارادہ نہیں ہے۔ ہاں اگر ایسا ارادہ ہوا تو تمہاری پسند کو ہی ترجیح دوں گا۔"

خضر نے ولید کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دبایا۔

”مطمئن رہو۔“

ولید نے الجھی ہوئی نظروں سے خضر کو دیکھا اور پھر جیسے سمجھتے ہوئے مسکرا دیا۔

”آئی سی۔“

”فی الحال سحرش سے جان بچ جائے اتنا ہی کافی ہے۔“

”خیر وہ تو بچ ہی جائے گی۔ ہم ہیں نا۔“

ولید نے سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا سر خم کیا۔ تب ہی علینہ اپنے کمرے سے نکلی۔ شولڈر بیگ کندھوں پر لٹکائے ہاتھ میں چادر پکڑے وہ غالباً یونیورسٹی جانے کے لیے نکلی تھی۔

”تھینک گاڈ آپ ابھی ہیں۔“

اس نے خضر کی طرف دیکھ کر شکر ادا کیا۔

”میں سوچ رہی تھی کیسے جاؤں گی۔“

”کیوں تم اریج کے ساتھ نہیں گئیں۔“ خضر نے پوچھا۔

”میری آنکھ ذرا دیر سے کھلی تھی اور اریج کو دیر ہو جاتی۔ میں نے سوچا تھا پوائنٹ سے چلی جاؤں گی۔ ڈرائیور کو اریج کو چھوڑ کر خالہ جان کی طرف جانا تھا۔ مما نے ان کے کپڑے بھجوائے تھے۔ کل ہی وہ ٹیلر سے لائی ہیں۔“

”بھئی مما کو چاہیے کہ اب خالہ جانی کو خود کام کرنے دیں..... ساری ذمہ داریاں انہوں نے ہی اٹھا رکھی ہیں۔“ ولید نے تبصرہ کیا۔

”وہاں کنیڈا میں تو خالہ جانی خود ہی کام کرتی تھیں۔ یہاں دراصل انہیں ابھی اتنا پتا نہیں ہے مما نے خود ہی کہا تھا کہ اپنے ٹیلر سے کپڑے سلوا دیں گی۔ سحرش وغیرہ کے پاس کوئی خاص پاکستانی ڈریس نہیں ہیں۔ ایک دو شلوار قمیص ہی ہیں۔“

علینہ نے لمبی بات کی۔

”میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا تم کیوں صفائی پیش کر رہی ہو۔“

ولید نے اسے چڑایا۔

”ظاہر ہے میری خالہ جان ہیں۔“

”صرف خالہ جان ہی رہیں تو اچھا ہے مستقبل قریب میں کہیں کوئی اور رشتہ نہ جوڑ لینا۔“

”کیا مطلب۔“

علینہ کا دل ڈوب سا گیا۔

”کیا مما نے کچھ کہا۔“

”کہا تو نہیں لیکن ان کے ارادے خاصے خطرناک ہیں۔“

ولید شاید سب سے زیادہ باخبر تھا۔ یا پھر اس نے اندھیرے میں تیر چلایا تھا۔

”فضول باتیں مت کیا کرو ولی۔ مما کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ تو سحرش اور خضر بھائی کے لیے کہہ رہی تھیں۔“

”ہاں تو تمہارا کیا خیال ہے سحرش خضر بھائی کے لیے مناسب نہیں۔“

”میرا خیال۔“

علینہ نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

اس نے مما کی بات سنی تو تھی لیکن غور نہیں کیا تھا۔ جب سے اس کا دل محبت آشنا ہوا تھا۔ وہ اپنے آپ میں ہی گم رہتی تھی۔ خوابوں اور تصورات میں رہنے والی علینہ کے تصورات کو اسفر کی چاہت اور محبت نے رنگ بخش

دیے تھے۔ وہ ان رنگوں میں کھوئی لفظ تراشتی رہتی۔

”ہاں تمہارا خیال۔“

ولید نے اپنی بات دہرائی۔

”میرے خیال میں تو سحرش بالکل مختلف مزاج کی لڑکی ہے اور مجھے نہیں امید کہ وہ کسی ایسے لڑکے سے شادی کے لیے تیار ہو جائے جو پاکستان میں رہتا ہو..... حمیرا آنٹی کا ذاتی خیال ہو سکتا ہے یہ سحرش کی مرضی نہیں۔“

اس نے حسب معمول طویل بات کی۔

”اور پھر خضر بھائی اور سحرش کا کوئی جوڑ نہیں مما نے پتا نہیں ایسا کیوں سوچا۔“

ولید کے احساس دلانے پر علینہ نے بھی سوچ کر کہا تو ولید نے خضر کی طرف دیکھا۔

”لیجیے یہ ووٹ بھی پکا ہوا۔“

خضر نے مسکرا کر ولید کی طرف دیکھا۔

”میرے خیال میں علینہ کو دیر ہو جائے گی۔ تم جیسے سپورٹر کے ہوتے مجھے بے فکر ہو جانا چاہیے۔“

علینہ نے سوالیہ نظروں سے ولید اور پھر خضر کی طرف دیکھا۔

”فی الحال تو تم جاؤ یونیورسٹی پھر آ کر بات ہو گی۔“

ولید نے علینہ سے کہا اگرچہ علینہ اس سے بڑی تھی لیکن وہ اس کا نام ہی لیتا تھا جبکہ ماہ نور کو آپی کہہ کر بلاتا تھا۔ علینہ خضر کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”خضر بھائی یہ ووٹ کی کیا بات ہے۔“

”یہ تمہیں ولید ہی بتائے گا۔“

خضر نے جان بوجھ کر وضاحت نہ کی۔ لیکن علینہ راستہ بھر سحرش کے ساتھ اس کی بات طے کرنے کے مما کے فیصلے پر تبصرہ کرتی رہی۔ خضر خاموشی سے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے سنتا رہا۔

”ویسے خضر بھائی آپ کا اپنا کیا خیال ہے اس کے متعلق۔“

بات کرتے کرتے علینہ نے پوچھا اور پھر اچانک اس کی نظر اسٹاپ پر پڑی۔

”پلیز، پلیز خضر بھائی گاڑی روکیے۔ اسٹاپ پر میری فرینڈز کھڑی ہیں۔“

خضر نے گاڑی ریورس کی علینہ نے شیشہ ہٹا کر سر باہر نکال کر آواز دی۔

”حفصہ.....“

اسٹاپ پر کھڑی لڑکی نے چونک کر دیکھا۔

”ارے یہ تو علینہ ہے.....“ اس نے ساتھ کھڑی لڑکی سے کہا۔

”آجاؤ۔“

علینہ نے ہاتھ ہلایا اور خضر نے لاک کھولا۔ دونوں لڑکیاں دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ ایک لڑکی عبایا اور حجاب میں تھی۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں جب کہ دوسری نے گلے میں صرف دوپٹا ڈال رکھا تھا۔ ”یہ تم یہاں کیوں کھڑی تھیں۔“

علینہ نے پیچھے مڑ کر پوچھا۔

”دراصل میرا پوائنٹ نکل گیا تھا۔“

دوپٹے والی لڑکی نے بتایا۔ ”میں انتظار کر رہی تھی کہ ندا بھی آ گئی اس کی گاڑی ورکشاپ میں تھی۔“

”خضر بھائی یہ حفصہ اور ندا ہیں۔ ہم ایک ہی ڈپارٹمنٹ میں ہیں۔“

خضر نے سر ہلا دیا غیر ارادی طور پر اس کی نظر بیک ویو مرر کی طرف اٹھی تھیں۔ سیاہ حجاب میں چھپی لڑکی کی لانبی پلکوں والی آنکھوں میں حیرت اور اشتیاق تھا۔ اس نے نظریں ہٹا لیں۔ دوپٹے والی لڑکی مسلسل بول رہی تھی

جبکہ حجاب والی لڑکی بالکل خاموش تھی اور گاہے گاہے جھکی پلکیں اٹھا کر خضر کی طرف دیکھتی اور پھر نظریں جھکا لیتی۔ خضر نے گاڑی ایک سائیڈ پر کھڑی کرتے ہوئے علینہ سے پوچھا۔

"واپسی کا کیا پروگرام ہے۔"

"وہ تو ڈرائیور آجائے گا۔"

علینہ نے اترتے ہوئے کہا۔ خضر نے لاک کھول دیا تھا دونوں لڑکیاں اتر آئیں۔ دوپٹے والی لڑکی نے خضر کا شکریہ ادا کیا۔

"اس میں شکریے کی کیا بات مجھے جامعہ ہی تو آنا تھا۔" خضر کے بجائے علینہ نے جواب دیا اور دونوں باتیں کرتے ہوئے چل پڑیں جبکہ حجاب والی لڑکی نے مڑ کر خضر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔ یقیناً "یہ لڑکی بہت خوب صورت ہوگی۔"

خضر کی نظریں اس کے ہاتھوں پر تھیں۔ لانبی انگلیوں والے نازک سفید ہاتھ خوب صورتی سے تراشے ناخنوں پر ہم رنگ نیل پالش لگی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ شاید وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ شاید شکریہ ادا کرنا چاہتی ہے۔ تب ہی علینہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

"اے ندا تم کہاں رہ گئی ہو۔"

اور وہ رخ موڑ کر ان کی طرف بڑھ گئی اور خضر کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہوگئی۔

شاید اس لڑکی میں کانفیڈنٹ کی کمی ہے اپنی دوسری سہیلی کی نسبت ـــــ حالانکہ شکریہ ادا کرنا کوئی ایسا ضروری بھی نہیں تھا۔

"امی جان امی جان پلیز آنکھیں کھولیے۔"

مبشر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا تھا اور اس نے عذرا بیگم کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام رکھے تھے اور اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ عذرا بیگم نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"مبشر ـــــ"

ان کے ہونٹ کانپے۔

"مبشر"

انہوں نے پھر کہا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

"نہیں نہیں پلیز امی جان آپ مت اٹھیں۔"

سمن اور انعم نے ایک ساتھ کہا تو انہوں نے ڈبڈبائی آنکھوں سے انعم کی طرف دیکھا۔

"یہ یہ کیا کرنے جا رہا تھا۔"

"کچھ نہیں کچھ نہیں امی جان۔"

انعم نے فوراً جواب دیا۔ مبشر ابھی تک اسی انداز میں بیٹھا تھا۔ عذرا بیگم کی آنکھوں سے آنسو نکل کر ان کے رخساروں تک بہہ آئے۔

"امی جان پلیز مت روئیں۔"

مبشر نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے ہونٹ بھینچ کر آنسو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ مسلسل بہے جا رہے تھے۔ انعم کی چیخ سن کر وہ پلٹا تھا اور پھر اس نے برآمدے میں قدم رکھتے ہوئے عذرا بیگم کے سر کو کرسی کی پشت پر رکھے گہرے گہرے سانس لیتے دیکھا تھا اور وہیں بیٹھتا چلا گیا تھا۔

"نہیں۔"

اس نے اپنے آپ سے کہا تھا۔

"نہیں امی جان کو کچھ نہیں ہو سکتا۔" انعم مسلسل انہیں پکارے جا رہی تھی اور اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ

سمن اپنے کمرے سے بھاگتی ہوئی باہر نکلی تھی۔

"کیا ہوا کیا ہوا امی جان کو۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم مبشر کو روکو۔"

عذرا بیگم بار بار آنکھیں بند کرتیں اور کھولتی تھیں۔ پھر جیسے بے دم سی ہو کر انہوں نے سر کرسی کی پشت پر رکھ دیا تھا۔

"شبی ـــــ"

سمن تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی اور اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا۔ "شبی ـــــ شبی اٹھو دیکھو امی جان کو کیا ہو گیا ہے۔" اس کی آواز پھٹی ہوئی اور وحشت زدہ سی تھی وہ جیسے چونکا تھا اور پھر بمشکل وہ کھڑا ہوا تھا اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی ٹانگوں میں جان ہی نہیں ہے پھر تقریباً خود کو گھسیٹتا ہوا ان تک آیا تھا اور پھر تینوں نے مل کر انہیں چارپائی پر لٹایا تھا۔ رمضان بھاگ کر صحن میں کھڑی چارپائی لے آیا تھا۔ عذرا بیگم گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں اور اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ دیوانوں کی طرح انہیں پکار رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ذرا کی ذرا آنکھیں کھولتی تھیں پھر ان کی آنکھیں بند ہو جاتی تھیں۔ سب سے پہلے سمن کو ہی ڈاکٹر کا خیال آیا تھا۔

"ڈاکٹر، ڈاکٹر کو بلاؤ۔"

"میں جاتا ہوں ڈاکٹر صاحب کو لینے۔" رمضان نے فوراً کہا۔

ساتھ ہی ایک گھر چھوڑ کر ڈاکٹر لائبہ رحمٰن رہتی تھیں۔ گھر میں ہی کلینک کھول رکھا تھا۔ اور عذرا بیگم سے کافی اچھے تعلقات تھے۔

"ہاں جاؤ بھاگو۔" روتی ہوئی سمن نے رمضان کی طرف دیکھا تھا اور رمضان کے جانے کے بعد مبشر نے عذرا بیگم کے ہاتھ تھام لیے تھے انعم اور سمن مسلسل رو رہی تھیں۔

"امی جان پلیز مت روئیں آپ جو کہیں گی میں وہی کروں گا۔ لیکن خدا کے لیے ایسا مت کریں۔" مبشر نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیے۔

"دیکھیں آپی اور سمو کتنا رو رہی ہیں۔"

عذرا بیگم نے رخ موڑ کر دونوں کو دیکھا اور ایک بار پھر اٹھنے کی کوشش کی انعم نے سہارا دے کر انہیں اٹھا دیا۔

مبشر زمین سے اٹھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اور ہولے ہولے ان کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر سہلانے لگا۔

"شبی ـــــ وعدہ کرو ـــــ وعدہ کرو مجھ سے تم کچھ نہیں کرو گے۔ سمو کی طرح کی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔"

عذرا بیگم اسے دیکھ رہی تھیں۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا امی جان۔"

"میرے سر کی قسم کھاؤ شبی۔"

عذرا بیگم کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"امی جان میں قسم کھا رہا ہوں نا کہ ایسا نہیں کروں گا جیسا سمو نے کیا تھا۔"

مبشر نے روہانسی آواز میں کہا تو عذرا بیگم نے اسے کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور اس کے گھنے بالوں والے سر پر پیار کرتے ہوئے آنسو مسلسل ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"بہت اچھی ہے۔ بہت خوب صورت ہے جیسے تم ہو۔" ان کا لہجہ تسلی دینے والا تھا۔

"تمہارے ابا جان کا طریقہ اور انداز غلط تھا لیکن بیٹا انہوں نے تمہارے لیے خوب صورت لڑکی ڈھونڈی ہے۔ اور پھر میں کوشش کروں گی کہ شادی کچھ دیر سے ہو۔"

اور ان کے سینے پر سر رکھے رکھے کتنے ہی آنسو مبشر کے حلق کو نمکین کر گئے۔ بات حسن اور خوب صورتی کی

نہیں تھی۔ بات یہ بھی نہیں تھی کہ کم عمری میں ابا جان اس کی شادی کر رہے تھے۔ بات تو اعتماد اور یقین کی تھی جو کرچی کرچی ہو رہا تھا۔ کتنی بے دردی سے میاں صلاح الدین نے اس کے پرخچے اڑا دیے تھے۔

"تم جیسے خوب صورت لڑکوں کے بگڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اچھا ہے جائز طریقے سے برائی کی راہ میں بند باندھ دیا جائے۔"

جیسے ہی ابا جان کی گفتگو یاد آتی ان کے لفظ اندر الاؤ دہکا دیتے تھے۔

"کیا برائی دیکھی ابا جان نے میرے کردار میں کیا غلط دیکھا انہوں نے اور پھر یہ بات انہوں نے اپنے دس جاننے والوں سے بھی کی مارکیٹ میں، جس نے بھی پوچھا انہوں نے بتایا اور پھر گردن یوں اکڑا لی جیسے وہ بہت عقلمند ہوں جیسے دس پشتوں میں کسی نے ان جیسا عقلمندانہ فیصلہ نہ کیا ہو۔"

اس نے آہستگی سے عذرا بیگم کے بازو ہٹائے اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں آنسو روکنے کی کوشش میں سرخ ہو رہی تھیں۔ اپ کا مسئلہ امی جان نہیں سمجھ رہی تھیں اور شاید نہ ہی کوئی اور سمجھ سکے گا۔ وہ خود اپنی کیفیات و احساسات کو لفظ نہیں دے پا رہا تھا جو کچھ وہ محسوس کر رہا تھا جو کچھ اس کے دل پر گزر رہی تھی وہ کسی کو سمجھا نہیں سکتا تھا۔ بس دل جیسے ریزہ ریزہ ہو کر بکھرتا جا رہا تھا اور وہ خود کو سنبھال نہیں پا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ دیواروں سے سر ٹکرا کر چیخ چیخ کر روئے پھر شاید دل پر دھرا بوجھ کم ہو جائے۔

"شبی میرے بچے۔"

عذرا بیگم نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

"تم انعم سے پوچھو وہ بہت پیاری ہے۔"

"وہ بد صورت بھی ہوتی تو بھی کیا فرق پڑتا امی جان۔"

اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور سوچا یہ جو ٹوٹ پھوٹ اتنے دنوں سے میرے اندر ہو رہی ہے اس کے اثرات تو صدیوں میں بھی ختم نہ ہوں۔

"نکاح بھلے ہو جائے لیکن میں کہوں گی تمہارے ابا جان سے کہ رخصتی تمہارے گریجویشن کے بعد ہو تب تک تم کچھ میچور ہو جاؤ گے۔"

"آپ کی نظروں میں امی جان۔"

مبشر کے لہجے کی چبھن عذرا بیگم نے اپنے دل میں محسوس کی۔

"ابا جان کی نظروں میں تو میں میچور ہو چکا تب ہی تو انہیں میرے بگڑ جانے کا خیال پیدا ہوا۔"

وہ اپنے لہجے کی تلخی نہ چھپا سکا۔

"شادی کے بعد بھی میں اگر بگڑنا چاہوں تو مجھے کون روک سکے گا کیا وہ اکبر اعظم کی تلاش کردہ حسین ترین لڑکی یا خود اکبر اعظم۔"

"مبشر بیٹیا۔"

عذرا بیگم نے پریشان ہو کر اسے دیکھا اور دونوں ہاتھوں کے کٹورے میں اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

"مجھے اپنی تربیت اور اپنی اولاد پر یقین ہے۔ نہ اب نہ بعد میں کبھی بھی تم ایسا کچھ نہیں کرو گے جو غلط ہو۔ میں جانتی ہوں۔"

"ہاں لیکن یہ یقین آپ کے مجازی خدا کو نہیں ہے اسی لیے تو زنجیریں ڈال رہے ہیں میرے پاؤں میں لیکن نہیں جانتے کہ زنجیریں توڑی بھی جا سکتی ہیں۔ اگر کوئی توڑنا چاہے تو کون روک سکتا ہے۔"

عذرا بیگم نے پریشانی ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا تو چونکیں۔

"تمہیں تو بخار ہے شاید۔"

انہوں نے مڑ کر انعم کی طرف دیکھا۔

"دیکھو تو اس کی نبض، بہت تیز بخار لگتا ہے۔" تب ہی رمضان ڈاکٹر کا بیگ اٹھائے برآمدے میں قدم رکھا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اس کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر لائبہ آ رہی تھیں۔

"ارے کیا ہوا آنٹی صبح صبح خیریت ہے۔"

انعم نے کرسی کھینچ کر چارپائی کے قریب کر دی اور تفصیل بتانے لگی۔

ڈاکٹر لائبہ نے چیک کرتے ہوئے ساری تفصیل سنی۔ اچھی طرح چیک اپ کیا۔

"سب ٹھیک ہے ڈیپریشن ہے شاید اور تھوڑا سا بی پی لو ہے۔ انعم آپ انہیں کافی بنا کر دے دیں اور آنٹی آپ زیادہ سوچا مت کریں۔ کسی بھی بات کی ٹینشن نہ لیا کریں۔"

"تمہیں خواہ مخواہ تکلیف دی بس ذرا دل گھبرایا اور چکر آ گیا تو یہ رمضان دوڑتا چلا گیا۔"

"نہیں آنٹی تکلیف کی کیا بات ہے۔"

وہ بیگ بند کر کے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ پلیز بیٹھیں چائے پی کر جائیے گا۔"

مبشر کو ہی خیال آیا تھا۔

"چار منگ بوائے تمہاری چائے پھر کبھی اس وقت کلینک میں پیشنٹ بیٹھے ہیں۔"

ڈاکٹر لائبہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"آنٹی پلیز اسے بھی چیک کر لیں۔ بخار ہے شاید۔"

ثمن نے درخواست کی تو ڈاکٹر لائبہ نے تھرما میٹر نکال کر مبشر کی طرف بڑھایا۔ مبشر نے بہت انکار کیا لیکن لائبہ نے ڈانٹ ڈپٹ کر اسے بخار چیک کرنے کو کہا۔ مبشر نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور تھرما میٹر لے لیا۔

"ٹھیک سے زبان کے نیچے رکھو گڈ بوائے۔"

ڈاکٹر لائبہ بہت ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھیں تین بچیاں تھیں بڑی بیٹی تیرہ چودہ سال کی تھی۔ بیٹا کوئی نہیں تھا اس لیے قدرتی طور پر انہیں مبشر سے بہت لگاؤ تھا۔

"ارے یہ بخار کیسے چڑھا لیا۔ اچھا خاصا فیور ہے تقریباً ۱۰۲ ڈگری ہے۔"

اس کے ہاتھ سے تھرما میٹر لے کر چیک کرتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں یہ دوائیں لکھ رہی ہوں۔ دو دن دیں اگر بخار نہیں اترتا تو پھر میرے پاس آئیے گا۔ ویسے آنٹی سے چھپا کر رکھا کریں نظر لگ جاتی ہو گی۔"

وہ ہنسیں اور خدا حافظ کہتے ہوئے اجازت چاہی۔

کسی اور موقع پر اگر ڈاکٹر لائبہ نے یہ بات کہی ہوتی تو مبشر بہت خوش ہوتا۔ کالر پکڑ کر جھٹکا دیتے ہوئے ثمن کی طرف دیکھتا۔ لیکن اس وقت اس نے بے حد بیزاری سے ڈاکٹر لائبہ کی طرف دیکھا اور سوچا۔

"نظر نہ لگنے کا بندوبست تو کر دیا ہے والد صاحب نے۔"

"خوش رہا کرو مائی سن۔"

جاتے جاتے ڈاکٹر لائبہ نے اس کے بیزار چہرے کو دیکھ کر مشورہ دیا۔ مبشر خاموش بیٹھا رہا۔

انعم ڈاکٹر لائبہ کے ساتھ باہر تک انہیں چھوڑنے گئی اور گیٹ سے اندر آتے اسفر نے ڈاکٹر لائبہ کو اور اس کے ساتھ بیگ اٹھائے باہر جاتے رمضان کو دیکھا تو پریشان سے ہو گئے ابھی وہ رمضان کو آواز دینا ہی چاہتے تھے کہ ان کی نظر واپس جاتی انعم پر پڑی تو وہ تیز تیز چلتے ہوئے گیٹ سے اندر داخل ہوئے اور بے قراری سے انعم کو آواز دی۔

"انعم۔ انو کیا ہوا۔ یہ ڈاکٹر کیوں آئی تھیں۔"

انعم نے رک کر انہیں دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے نا۔ خیریت ہے نا ثمن امی جان۔"

ان کی سوالیہ نظریں انعم کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"جی بھائی جان سب ٹھیک ہے آپ پریشان نہ ہوں امی جان کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی اچانک لی پی لو ہو جاتا ہے ان کا۔"

"پھر ڈاکٹر نے کیا کہا۔"

انعم کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ بے حد تشویش سے پوچھ رہے تھے۔

انعم نے مختصرا" انہیں سب بتایا اور انہوں نے اپنے آپ کو بے حد بے بس محسوس کیا۔ وہ مبشر کے لیے ... نہیں کر سکتے تھے حتی کہ ابا جان سے بات بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس روز جب میاں صلاح الدین نے انہیں دکا... پر بلایا تھا تو انہیں از حد حیرت ہوئی تھی۔ ایک لمحہ کو انہوں نے اپنے اندر ایک خوشی کی کونپل کو کھلتے محسوس ... تھا۔ کیا ابا جان نے بلا جواز ناراضگی ختم کردی ہے۔ لیکن میاں صلاح الدین سے بات کر کے یہ کونپل اندر ہی ... گئی تھی۔ دکان سے ملحق اپنے آفس میں وہ ان کے منتظر تھے۔

"آیئے بیٹھیے۔"

ان کے لہجے میں وہی اجنبیت تھی۔ اسفر کا چمکتا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

"میں نے مبشر کی نہ صرف بات طے کردی ہے بلکہ احتیاطا" منگنی کے ساتھ ہی نکاح بھی رکھ دیا ہے۔"

انہوں نے ساری تفصیل بتائی اسفر سر جھکائے سنتے رہے۔

"آپ کو میں نے اس لیے زحمت دی ہے اسفر میاں کہ آپ کی عادت ہے ہر بات میں ٹانگ اڑانے کی م... نہیں چاہتا کہ آپ مبشر کو ورغلائیں۔"

اسفر نے بے حد حیران ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا ابا جان۔"

"مطلب تو بہت واضح ہے میاں۔"

ان کے لہجے میں طنز در آیا تھا۔

"آپ ٹھہرے جدید اور ماڈرن خیالات کے اور میں نہیں چاہتا کہ آپ مبشر کو کوئی پٹی پڑھائیں کہ اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے یا میں نے اس پر اپنا فیصلہ مسلط کر دیا ہے۔ اور آپ کے کہنے پر وہ بھی ثمن کی طرح بغاوت کردے۔" اور اسفر جو بہت تحمل سے میاں صلاح الدین کی بات سن رہے تھے اس الزام پر تڑپ اٹھے۔

"آپ کا کیا مطلب ہے ابا جان کہ ثمن سے میں نے ایسا کچھ کرنے کو کہا تھا۔"

"براہ راست تو نہیں لیکن لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کی تقریریں آپ نے ہی کی ہوں گی ان کے سامنے جب ... تو۔۔۔"

ایک توقف کے بعد انہوں نے حیران بیٹھے اسفر پر ایک طنزیہ نظر ڈالی تھی۔

"اور کیا میں نہیں جانتا ثمن کو چڑیا جیسا تو دل ہے اس کا 'کاکروچ اور چھپکلی تک کو دیکھ کر چیخیں مارنے لگتی ... اور وہ مبشر بچپن میں دھاگے سے کاکروچ باندھ کر اس کے پیچھے پیچھے بھاگتا تھا تو چیخیں مار کر میری گود میں یا ماں کی گو... میں چھپ جاتی تھی اور مبشر نے صرف اس بات پر بچپن میں مجھ سے مار کھائی کہ کہیں خوف سے ثمن کا ہارٹ فیل ہی نہ ہو جائے اور اس نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اسفر میاں کیسے۔۔۔ صرف تمہاری شہ پر" نچلے ہونٹ کو سختی سے دانتوں تلے دبائے اسفر نے میاں صلاح الدین کی پوری بات سنی تھی اور پھر بے انتہا ضبط سے کام لیتے ہوئے انہوں نے مودب لہجے میں ان کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے ابا جان یہ ثمن کی اپنی خواہش تھی بلکہ انعم بھی مزید پڑھنا چاہتی تھی لیکن ثمن کا مزاج ا...

...سے مختلف ہے وہ انعم کی طرح آپ کے فیصلے پر سر نہ جھکا سکی اور اپنا حق سمجھ کر اس نے آپ سے مزید تعلیم کی خواہش کا اظہار کیا۔ شاید اسے امید تھی کہ آپ اس کی بات مان لیں گے اور امید ٹوٹی تو یہ حرکت کر بیٹھی۔ ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ایسا کہ بزدل سے بزدل شخص بھی کبھی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے جس کی ہم اس سے توقع نہیں رکھتے کبھی ایسے زاویے سے چوٹ لگتی ہے کہ سب کرچی کرچی ہو جاتا ہے چاہے چوٹ معمولی ہی کیوں نہ ہو۔ یہ انسانی نفسیات ہے۔"

"تم مجھے انسانی نفسیات مت بتاؤ۔ میں تم سے زیادہ تجربہ اور عمر رکھتا ہوں۔" انہوں نے ناگواری سے اس کی بات کاٹ دی تھی۔ اسفر کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے وہ جانتے تھے کہ میاں صلاح الدین ان کی بات سمجھ نہ پائیں گے ان سے کچھ کہنا بیکار تھا۔ انہیں خاموش دیکھ کر میاں صلاح الدین نے پھر کہا۔

"میں نے آپ کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ آپ اب مبشر میاں کو حق کا سبق مت پڑھائیے گا میں مزید کوئی ایسی بات برداشت نہیں کر سکوں گا۔"

اسفر بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے میاں صلاح الدین ان سے اتنے بدگمان تھے کہ کچھ کہنا بیکار تھا۔

"آپ کا بھی قصور نہیں اسفر میاں مرحومہ پھوپھی جان نے آپ کی تربیت ہی ایسی کی ہے۔ خود افضال بہت ماڈرن ہیں سنا ہے بیٹی کو یونیورسٹی میں پڑھا رہے ہیں اور وہ بے پردہ یونیورسٹی جاتی ہے کیا نام ہے اس کا علینہ۔"

اور اسفر اپنی ناگواری چھپانے میں ناکام سے ہو گئے۔

"پلیز ابا جان' اماں جی اب اس دنیا میں نہیں ہیں اور مجھے فخر ہے کہ میری تربیت اماں جی جیسی ہستی نے کی ہے۔"

اور پھر وہ میاں صلاح الدین کی مزید کوئی بات سنے بغیر تیزی سے ان کے اس آفس نما کمرے سے باہر نکل آئے تھے۔

"تم آگئے ہو بیٹا کام ہوا۔"

عذرا بیگم نے پوچھا تو وہ چونکے انعم کے ساتھ چلتے چلتے اپنی ہی سوچوں میں گم وہ برآمدے تک آگئے تھے۔ سب کو سلام کر کے انہوں نے باری باری سب پر ایک نظر ڈالی۔ مبشر کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ثمن خاموش اور افسردہ سی کھڑی تھی وہ ایک گہری سانس لے کر عذرا بیگم کے پاس بیٹھ گئے۔

"امی جان آپ اپنا خیال نہیں رکھتیں۔"

اسفر نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "اگر خدانخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو یہ سب تو بے موت مر جائیں گے۔"

ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"بس یونہی چکر آگیا تھا بیٹا۔"

انہوں نے دلی کیفیت اسفر سے چھپائی وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اسفر مبشر کے معاملے میں میاں صلاح الدین سے الجھے۔ وہ ان کے خیالات سے واقف تھیں۔ اسفر ان کی بات سمجھ کر مسکرائے۔

"یونہی چکر کیوں آیا ہے ویک نیس ہے آپ کو' میرے ساتھ چلیے گا میں آپ کو کسی اسپیشلسٹ کو دکھاتا ہوں۔"

"تمہارے کام کا کیا بنا یہ نہیں بتایا تم نے۔"

عذرا بیگم نے موضوع بدلا۔

"پیپرز جمع کروا آیا ہوں۔ ویزے کے لیے بھی اپلائی کیا ہے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔"

"خدا کرے آپ کو ویزا مل جائے۔"

مبشر نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"ورنہ یہاں اس محل میں ظل الٰہی آپ کا گلا گھونٹ دیں گے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیں گے۔"
اسفر نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں جیسے انگارہ ہو رہی تھیں۔
"شبی۔"
اسفر نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور گھبرا کر اٹھا لیا۔
"بہت تیز بخار ہے۔"
انہوں نے باری باری انعم اور عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔
"رمضان ڈاکٹر لائبہ کو چھوڑ کر شبی کی دوائیں لیتا آئے گا۔" انعم نے بتایا اسفر بہت غور سے مبشر کو دیکھ رہے تھے جس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ بکھری تھی۔
"آپ کو پتا ہے اسفی بھائی یہاں۔" کھڑے ہوتے ہوئے اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔
"یہاں اس محل میں ظل الٰہی کا حکم چلتا ہے اور انہوں نے ایک بار۔۔۔"
اس کا لہجہ سرگوشی جیسا ہو گیا تھا۔
"انار کلی کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا تھا اور اب وہ سلیم کو شہزادہ سلیم کو بھی زندہ دیواروں میں چنوا۔ بندوبست کر رہے ہیں۔ آئیے یہاں سے بھاگ چلیں۔"
اس نے ایک قدم اسفر کی طرف بڑھایا جو اسے کھڑے ہوتے دیکھ کر خود بھی کھڑے ہو گئے تھے۔
"مبشر۔۔۔ آؤ اندر کمرے میں چل کر آرام کرو۔ ٹمپریچر بڑھ گیا ہے۔ ابھی میڈیسن آتی ہیں تو لے لو۔"
اس نے جیسے ان کی بات نہیں سنی اور یکدم زمین پر بیٹھتے ہوئے ان کے پاؤں پر اپنے ہاتھ رکھے۔
"ہمیں ظل الٰہی کے عتاب سے بچا لیجیے اسفر بھائی۔"
"مبشر۔۔۔ بیٹا۔"
اسفر نے تڑپ کر اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنی بانہوں کا حصار اس کے گرد قائم کرتے ہوئے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔
"بخار سر کو چڑھ گیا ہے۔"
عذرا بیگم نے ہول کر انعم اور سمن کی طرف دیکھا۔ سمن کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور انعم لب بستہ ساکت کھڑی تھی۔
"بختیار کہاں ہے۔ وہ شہزادہ سلیم کا دوست ہے اسے بلائیے اسفی بھائی شاید وہ ہماری مدد کرے۔"
وہ ان کے سینے سے لگا سسکنے لگا۔
"ہمیں بچا لیجیے اسفی بھائی بچا لیجیے نا۔"
اور وہ میاں صلاح الدین کی ہر تنبیہہ بھول کر اسے تھپکنے لگے۔
"ریلیکس۔۔۔ ریلیکس میری جان میں بات کروں گا میں بات کروں گا ابا جان سے۔"
"آپ بات کریں گے۔"
اس نے سر اٹھا کر پر امید نظروں سے اسفر کو دیکھا۔
"نہیں۔۔۔ وہ آپ کی بات نہیں مانیں گے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور پھر ان کے کندھے پر سر رکھ کر دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔

■■■

شاہ رخ بے چینی سے مردانے میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے جب بدر الدین نے اندر آ کر بتایا۔
"شاہ بابا سو رہے ہیں۔"
شاہ رخ نے ایک نظر اسے دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر پہلے انہوں نے بدر الدین کو شاہ بابا کی خبر لینے بھیجا تھا اور خود یہاں مردانے میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کل سے وہ سوچ سوچ کر تھک گئے تھے لیکن کوئی سرا

ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک سرا پکڑنے کی کوشش کرتے تو دوسرا ہاتھ سے چھوٹ جاتا اور دوسرا پکڑتے تو پہلا گم ہو جاتا۔ شاہ بابا کو ہاسپٹل لے جانے پر جو رد عمل شاہ جی نے ظاہر کیا تھا وہ شاہ رخ کے لیے انتہائی حیران کن تھا اور اگر اس وقت شاہ جی انہیں مل جاتے تو پھر شاید شاہ بابا کو ہاسپٹل لے جانے کی اجازت بھی نہ دیتے۔ لیکن کیوں کیوں شاہ جی ایسا نہیں چاہتے اور اگر شاہ بابا کو بروقت طبی امداد نہ مل پاتی تو شاید وہ نہ بچ پاتے لیکن شاید اللہ کو ان کی زندگی منظور تھی کہ جب وہ شاہ جی کو شاہ بابا کا بتانے آئے تو وہ حویلی سے باہر جا چکے تھے۔۔۔ اور پھر ان کے رد عمل نے انہیں الجھا دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ شاہ رخ پر بے حد ناراض ہوئے تھے بلکہ شاہ بابا کو ہاسپٹل سے بلوا بھی لیا تھا حالانکہ ڈاکٹر کے خیال کے مطابق ان کا ابھی کچھ دن ہاسپٹل رہنا بے حد ضروری تھا پھر وہ ڈاکٹر راجہ سے بھی مشورہ لینا چاہ رہے تھے لیکن شاہ جی نے بہت سختی سے انہیں شاہ بابا کے معاملات میں دخل دینے سے منع کر دیا تھا اور اس صورت حال نے شاہ رخ کو پریشان کر دیا تھا۔ گو وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ شاہ بابا شاہ جی کے سوتیلے چچا ہیں جو بڑے شاہ جی کی غیر سید بیوی سے تھے۔ لیکن آج سے پہلے انہوں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ شاہ جی کا ان کے ساتھ ایسا سلوک کیوں ہے۔ وہ مریدوں والے کمروں میں کیوں رہتے ہیں۔ ان کی ذہنی حالت ایسی کیوں ہے۔ وہ اپنے آپ سے اتنے بیگانہ کیوں ہیں۔ لیکن کل سے وہ مسلسل ہر بات پر غور کر رہے تھے۔ برسوں پہلے بنت فاطمہ سے جو کچھ انہوں نے سنا تھا شاہ بابا کے متعلق وہ اس کی کڑی سے کڑی ملا رہے تھے۔
مکرم علی شاہ وہ کم عمر لڑکا جو ماں کو دفنانے کے بعد پھر کبھی حویلی میں نظر نہ آیا تھا۔ شاید ماں کی ایسی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکا ہو اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا ہو لیکن پھر اتنے سالوں بعد اس کی حویلی میں آمد۔
نہیں وہ ہوش و حواس سے بیگانہ تو ہرگز نہیں ہو گا تب ہی تو وہ دوبارہ حویلی تک آیا تھا۔ لیکن پھر پھر کیا ہوا تھا اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا تھا کہ تین سال بعد دیوانگی کے عالم میں وہ درگاہ کے باہر بیٹھا ملا تھا۔
کاظم علی شاہ۔۔۔ اور مکرم علی شاہ ایک ہی باپ کے بیٹے بڑے شاہ جی کی اولاد' ساری زمین و جائیداد میں برابر کے حصے دار تو کیا کاظم علی شاہ یعنی دا جی نے اپنے سوتیلے بھائی کے ساتھ کچھ ایسا کیا تھا کہ وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئے۔
ایک لمحہ کو انہوں نے سوچا لیکن پھر خود ہی انہوں نے اس خیال کو رد کر دیا۔ دا جی کا نورانی چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آ گیا۔
"نہیں دا جی ایسا کچھ نہیں کر سکتے پھر' پھر کیا ہوا تھا مکرم علی شاہ کے ساتھ۔"
اس بڑی حویلی کے جہاں وہ اس وقت کھڑے تھے آدھے حصے کے وہ مالک تھے۔ لیکن وہ مریدوں کے لیے بنائی گئی کوٹھریوں میں سے ایک میں رہتے تھے کیا ان کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس حویلی کے کسی کمرے میں رہائش رکھ لیں۔
یہ خیال پوری رات انہیں پریشان کرتا رہا تھا اور وہ یہی بات پوچھنے کے لیے صبح صبح مردانے کی طرف آئے تھے لیکن شاہ جی سیر کے لیے جا چکے تھے۔ ان کی عادت تھی کہ نماز وغیرہ وہ مردانے میں ہی پڑھتے اور پھر وہاں سے ہی سیر کے لیے نکل جاتے تھے اور لمبی واک کے بعد واپس آ کر ناشتہ کرتے اور ناشتے کے بعد پھر مردانے میں آ کر دوسرے معاملات نمٹاتے تھے۔ ادھر آتے ہوئے انہیں بدر الدین ملا تھا اور انہوں نے شاہ بابا کی خیریت پوچھی تھی۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے تھک گئے تو بیٹھ گئے۔
"کم۔۔۔ یہ اتنی بڑی حویلی جس کے ہم مالک بنے بیٹھے ہیں در حقیقت ہمارا حصہ اس میں کتنا ہے۔ آدھی حویلی تو شاہ بابا کی ملکیت ٹھہری اور باقی آدھی حویلی میں اظہار شاہ اور قائم چاچو کا حصہ بھی ہے۔ لیکن ہم نے سب کا حق دبا رکھا ہے۔ چلیں اظہار تاؤ نے تو خود ہی اونچی حویلی بنوا کر اس حویلی میں کوئی حصہ لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن قائم چاچو کا حصہ تو ہے اور پھر شاہ بابا۔۔۔" شاہ رخ کو لگا جیسے ان کا دم گھٹنے لگا ہو۔ ان کا مزاج ایسا ہی تھا وہ کسی بھی قسم کی کوئی ناانصافی برداشت نہ کر پاتے تھے اور شاہ بابا کے ساتھ ناانصافی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی جائیداد کے مالک ہوتے ہوئے وہ اتنی بے آرام سی جگہ پر رہ رہے تھے اور وہ۔۔۔ انہیں اپنے آرام دہ کمرے کا خیال آیا تو وہ پھر بے چین سے ہو گئے۔

"پھپھو۔"

انہیں خیال آیا۔

"ہاں پھپھو ضرور کچھ نہ کچھ جانتی ہوں گی کچھ مزید جس سے وہ ابھی تک بے خبر ہیں۔" شاہ جی ابھی تک سیر سے نہیں لوٹے تھے وہ مردانے سے نکلے اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے حویلی کے اندرونی رہائشی حصے کی طرف بڑھے۔

زینت فاطمہ قرآن پاک پڑھ رہی تھیں انہوں نے شاہ رخ کو اپنے کمرے میں آتے دیکھا تو پریشان ہو کر قرآن پاک کو بند کر دیا۔

"خیریت ہے تم پریشان لگ رہے ہو۔"

"ہاں خیریت ہے۔"

شاہ رخ تھکے تھکے سے ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

"نہیں شارو تم پریشان ہو۔ سب ٹھیک ہے ناشجی کیسا ہے۔"

"ٹھیک ہیں۔"

شاہ رخ نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں الجھا کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"پھپھو جب بارہ سال بعد شاہ بابا یہاں آ کر بڑے شاہ جی سے ملے تھے تو کیا وہ اس وقت نارمل تھے میرا مطلب ہے ان کی ذہنی حالت بالکل ٹھیک تھی۔"

"ہاں۔"

زینت فاطمہ نے ایک گہری سانس لی۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ شاہ رخ اتنے الجھے ہوئے اور پریشان کیوں لگ رہے ہیں۔ شاہ جی نے جس طرح شاہ بابا کو ہاسپٹل لے جانے پر غصے اور ناراضگی کا اظہار کیا تھا اس نے یقیناً شاہ رخ کو الجھا دیا تھا۔

"پھر تین سال بعد ان کی یہ حالت کیسے ہو گئی اور یہ تین سال انہوں نے کہاں گزارے۔"

"معلوم نہیں۔"

زینت فاطمہ نے قرآن شریف کو جزدان میں لپیٹ کر بند کیا اور اٹھ کر الماری کے اوپر والے خانے میں رکھا۔

"کسی نے معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔"

"بڑے شاہ جی نے ادھر ادھر سے بہت پتا کروایا کہ شاید کسی کو معلوم ہو کہ شاہ بابا یہ تین سال کہاں رہے لیکن پتا نہ چل سکا۔ بس اچانک ہی صبح وہ درگاہ کے گیٹ پر بیٹھے نظر آئے تھے۔"

"کیا آپ کو یقین ہے پھپھو کہ جب وہ بارہ سال پہلے آئے تھے تو ایسی دیوانگی کے عالم میں نہ تھے۔"

شاہ رخ پتا نہیں کیا جاننا چاہتے تھے کہ انہوں نے پھر وہی سوال کیا۔

زینت فاطمہ نے واپس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے شاہ رخ کو بغور دیکھا۔

"اس روز میں برآمدے میں کھیل رہی تھی جب وہ بڑے شاہ جی کے کمرے سے باہر نکلے تھے۔ مجھے تھوڑا تھوڑا یاد ہے میں نے کھیلتے ہوئے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔ تو وہ بھی میری طرف دیکھنے لگے تھے اور پھر مجھے دیکھ کر مسکرائے تھے۔ وہ داجی کی طرح نہیں تھے۔ بلکہ وہ مجھے بہت خوب صورت لگتے تھے اور بہت ہی اچھے بھی۔"

"تم کاظم بھائی کی بیٹی ہو۔"

"داجی کی۔" میں بدستور سر اٹھائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ہاں تم سب بہن بھائی انہیں داجی کہتے ہو۔ لیکن کیوں۔"

"پتا نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"تم جانتی ہو میں کون ہوں۔" انہوں نے پھر پوچھا تھا اور میں نے پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں تمہارا چچا ہوں۔۔۔ مکرم علی شاہ ہے میرا نام۔"

مجھے یاد ہے پھر داجی اپنے کمرے سے نکلے تھے اور انہوں نے مڑ کر ہنستے ہوئے ان سے کہا تھا۔

"بھائی صاحب یہ گڑیا بہت حیران ہو رہی ہے کہ اس کا چچا کہاں سے اگ آیا ہے اچانک۔"

اور پھر وہ داجی کے ساتھ ہی باتیں کرتے ہوئے حویلی سے باہر چلے گئے تھے۔

"داجی کے ساتھ۔"

شاہ رخ پتا نہیں کیا سوچ رہے تھے۔

"شارو بیٹا کیوں الجھا رہے ہو خود کو پرانی باتیں کریدنے سے فائدہ۔"

"ہاں پرانی باتیں کریدنے سے کیا فائدہ لیکن پھپھو جان۔"

انہوں نے تاسف سے کہا۔

"مجھے افسوس اس بات پر ہو رہا ہے کہ آدھی زمین و جائیداد کا مالک اس حویلی کے آدھے حصے کا مالک لاوارثوں کی طرح مریدوں والی کوٹھری میں اتنے سالوں سے پڑا ہے لیکن آپ میں سے کسی نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ اظہار تاؤ تو بہت لبرل تھے انہوں نے کبھی شاہ بابا کے سلسلے میں کچھ نہیں کہا اور نہ ہی داجی حالانکہ شاہ بابا داجی کے بھائی تھے سگے نہ سہی سوتیلے ہی سہی لیکن ان کی رگوں میں دوڑنے والا خون تو ایک ہی تھا۔"

"شارو میری جان کیوں پریشان کر رہے ہو خود کو بیٹا یہاں کسی کی مرضی نہیں چلتی تھی پہلے داجی اور اب شاہ جی ہم اگر احتجاج بھی کریں تو کیا۔۔۔ کہ ہم تو خواتین ٹھہریں۔"

"لیکن یہ ظلم ہے۔"

شاہ رخ نے پرزور انداز میں کہا۔

"میں شاہ جی سے بات کروں گا۔ مجھے غاصب بننا پسند نہیں ہے۔ بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ قائم چاچو کو بھی ان کا حصہ دے دیا جائے سچ کہہ رہا ہوں پھپھو میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جتنا سوچتا ہوں سینے میں سانس الجھنے لگتا ہے۔"

"شارو۔"

دل کے اندر کسی یاد نے چٹکی لی اور وہ سسکی لے کر رہ گئیں۔ برسوں انہوں نے بھی سوتے جاگتے چلتے پھرتے خاموش لبوں سے دہرایا تھا۔

"یہ ظلم ہے۔۔۔ یہ ظلم ہے۔"

اور اندر لہو کے قطرے گرتے تھے لیکن وہ تو ایک بار بھی شاہ جی سے احتجاج نہ کر سکی تھیں۔ ایک بار بھی کسی سے نہ کہہ سکی تھیں کہ اس اجنبی نوجوان پر جس کا کوئی قصور نہ تھا کتنا بڑا ظلم ڈھایا گیا تھا۔

"شارو۔"

انہوں نے پھر دہرایا ان کی آواز بھرا گئی تھی تب ہی موبائل کی بیپ ہوئی تو شاہ رخ نے پاکٹ سے موبائل نکالا۔

"ہیلو شاہ رخ شاہ۔۔۔"

"کہاں غائب ہو ڈیر برادر پھر مڑ کر خبر ہی نہیں لی۔"

دوسری طرف شجاع تھا۔

"اوہ شجاع کیسے ہو سوری میں نہیں آ سکا آج آؤں گا۔"

"تم کچھ پریشان ہو شاہ رخ۔"

شجاع کی آواز میں تشویش تھی۔

"نہیں۔"

اسے شجاع کی تشویش پر حیرت ہوئی۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا۔"

"تمہاری آواز اور لہجے سے وہاں حویلی میں تو سب خیریت ہے نا۔"

"ہاں سب ٹھیک ہے اللہ کا شکر ہے۔ ذرا شاہ بابا کی طبیعت خراب تھی تو انہیں ہاسپٹل لے جانا پڑا اس لیے حسب وعدہ آنہ سکا۔ تم جانتے ہو نا شاہ بابا کو۔"

"ہاں بھئی مجھے تو حویلی کے ہر ملازم تک کے متعلق پتا ہے۔ اب کیسے ہیں شاہ بابا۔"

شجاع نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے تم کب ڈسچارج ہو رہے ہو ہاسپٹل سے۔"

"یار ڈاکٹر تو اجازت نہیں دے رہے تھے لیکن وہ جو ہماری مام ہیں نا۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔

"بس وہ فون پر فون کیے جاتی ہیں کہ فوراً "لاہور آجاؤں ورنہ وہ خود آجائیں گی دیکھنے۔ ڈاکٹر ہیں نا دیکھ نہیں لیں گی تو تسلی نہیں ہوگی اور ہمارے بابا جان بھی کمال ہیں صبر نہیں ہو سکا اور بتا دیا مما کو..... اور وہ جو ہمارے بالکے ہیں شاہرام صاحب انہوں نے بھی فون کر کر کے ناک میں دم کر رکھا ہے سو ایک ہفتے کی چھٹی لے کر جا رہا ہوں لاہور۔"

شجاع نے تفصیل بتائی۔

"تو ٹھیک ہے پھر واپسی پر ملاقات ہوگی انشاء اللہ۔"

"لاہور کا چکر نہیں لگے گا۔"

"شاید لگ جائے۔"

"شجی ہے نا..... شارو۔"

زینت فاطمہ سے صبر نہ ہو سکا۔

"ہاں پھپھو شجی ہی ہے۔ شجی یار پھپھو سے بات کرو گے۔" شاہ رخ نے پوچھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔" شجاع کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"پھپھو یہ لیں بات کریں شجاع سے۔"

شاہ رخ نے موبائل ان کی طرف بڑھایا۔ تب ہی ان کی نظر کھلے دروازے سے باہر پڑی۔ شاہ جی ادھر ہی آ رہے تھے اس نے یکدم ہاتھ پیچھے کر کے شجاع سے کہا۔

"میں ابھی رنگ بیک کرتا ہوں۔"

اور موبائل آف کر کے پاکٹ میں رکھا۔ اگرچہ شاہ جی نے زینت فاطمہ کو موبائل کی طرف ہاتھ بڑھاتے یا شاہ رخ کو موبائل انہیں دیتے ہوئے نہ دیکھا تھا پھر بھی شاہ جی کی اچانک آمد سے زینت فاطمہ کا رنگ یکدم پیلا پڑ گیا تھا اور شاہ رخ بھی تھوڑا گھبرا گئے تھے۔

"تم یہاں ہو شاہ رخ اچھا ہوا مجھے تم سے بھی بات کرنا تھی۔"

اور پھر شاہ رخ کو جو احتراماً کھڑا ہو گیا تھا بیٹھنے کا اشارا کرتے ہوئے انہوں نے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے زینت فاطمہ۔"

"جی، جی شاہ جی بس یونہی ذرا سر میں درد تھا۔"

"خیر کوئی دوا لے لو ٹھیک ہو جائے گا۔ سیدہ اسما شاہ کے پاس ہوگی کوئی ٹیبلٹ سر درد کی۔"

"جی۔"

زینت فاطمہ کی نظریں جھکی تھیں انہوں نے کبھی شاہ جی کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھا عجیب خوف آتا تھا انہیں، کھوئے منظر آنکھوں کے سامنے زندہ ہو جاتے تھے۔

"شاہ رخ شاہ آپ کل صبح سیدہ اسما شاہ اور سید شاہ میر کے ساتھ لاہور چلے جائیں اور انہیں ہاسٹل میں سیٹ کر دیں۔ کوشش کریں کہ انہیں الگ روم مل جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو دیکھ بھال لیجئے گا کہ روم میٹ اچھے اور خاندانی ہوں۔ ویسے تو میرا اپنا خیال تھا جانے کا۔ لیکن کل آس پاس کے علاقے سے کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ الیکشن کے سلسلے میں شاہ زیب کی ضد ہے کہ مجھے الیکشن کے لیے ضرور کھڑا ہونا چاہیے۔"

"کیوبکلز روم میں بھی ایک دو لڑکے تو مزید ہوں گے ہی شاہ جی۔ ہاسٹل میں جگہ کم ہوتی ہے الگ کمرہ تو مشکل ہے۔"

شاہ رخ نے کہا۔

"ٹھیک ہے اچھی طرح دیکھ بھال لینا تم خود اتنا عرصہ لاہور رہے ہو۔ جو ضروری بات ہو سمجھا دینا اور پرنسپل سے بات کر لینا کہ پندرہ بیس دن تک دونوں کو ہفتہ بھر کی چھٹی درکار ہوگی شاہ زیب کی شادی کے لیے۔"

"جی بہتر۔"

"سیدہ اسما کے سلسلے میں خاص احتیاط کرنا۔ تمہارے تو جاننے والے ہوں گے لاہور میں' ہاسٹل کے ماحول کے متعلق چھان بین کر لینا۔ وارڈن کیسی ہے۔ کس کردار کی ہے۔"

"جی بہتر۔"

"شاہ زیب کی شادی سے فارغ ہو کر میں لاہور کا چکر لگاؤں گا وہاں گھر لے لیں گے اور ملازمین یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"لیکن شاہ جی ہاسٹل میں بھی کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔"

"لڑکوں کی پریشانی نہیں ہوتی شاہ رخ شاہ میں سیدہ اسما شاہ کے لیے یہ چاہ رہا ہوں اور زینت فاطمہ..... "انہوں نے بات کرتے کرتے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"تم بھی صبح ان کے ساتھ ہی چلی جانا۔ لڑکیوں سے مل لینا جنہیں اسماء کے کمرے میں رہنا ہے اور پھر لاہور سے چھوٹی موٹی شاپنگ بھی کرنا ہے۔ تمہاری بی بی جان نے لسٹ بنا رکھی ہے لے لینا جانے کا پروگرام تو اس کا تھا لیکن رات سے اس کی طبیعت کچھ اپ سیٹ ہے۔"

"کیا ہوا۔" زینت فاطمہ نے پوچھا۔

"وہی معدے کا پرابلم ہے۔"

انہوں نے لاپروائی سے جواب دیا اگر وہ اس وقت زینت فاطمہ کی طرف دیکھ لیتے تو حیران رہ جاتے۔ کچھ دیر پہلے کا زرد چہرہ گلابی ہو رہا تھا اور آنکھیں دمک رہی تھیں۔ اور دل کی دھڑکن معمول سے زیادہ تھی۔ لیکن وہ ان کی طرف دیکھے بغیر باہر چلے گئے۔

"شارو میں لاہور میں قامی سے مل سکوں گی نا۔" انہوں نے کانپتی آواز میں پوچھا تو شاہ رخ نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی اور جیب سے موبائل نکال کر بے تابی سے سید شجاع علی شاہ کا نمبر ملانے لگے۔

سلمیٰ خانم برآمدے میں بچھے لکڑی کے تخت پر پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں جبکہ ماہ نور ان کی گود میں سر رکھے آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی اس نے ان سے سر میں تیل لگوایا تھا اور تیل لگوانے کے بعد وہ ان کی گود میں ہی سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ سر بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ دادی سے تیل لگوا کر اسے بڑا سکون ملا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ یونہی آنکھیں موندے لیٹی رہے اور دادی اپنے نرم نرم ہاتھوں سے اس کے سر میں مساج کرتی رہیں۔

"ماہ بچے۔" سلمیٰ خانم کی انگلیوں کی پوریں اب بھی اس کے سر میں گردش کر رہی تھیں۔

"اتنی محنت نہیں ہوتی تجھ سے تو چھوڑ دے یہ نوکری جو نصیب میں لکھا ہے وہ تو ملے گا ہی، تو خود کو ہلکان مت

کر۔ کتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں تجھے کتنی تھکی تھکی لگ رہی ہے۔"

"نہیں تو دادی جان! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ مجھے تو پڑھانا بہت اچھا لگ رہا ہے۔"

اس نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور مسکرائی۔

"اتنے پیارے پیارے بچے ہیں دادی جی اور اتنی پیاری باتیں کرتے ہیں۔ میں تو بڑی کلاسز کو پڑھاتی ہوں۔ ایک دو بار پیریڈ لگا تو اب جیسے ہی دیکھتے ہیں بھاگ کر سلام کرنے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں۔ مس! آپ ہماری کلاس میں کیوں نہیں آتیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! لیکن پھر کیا بات ہے' اتنے دنوں سے چپ چپ کیوں لگ رہی ہو۔ کیا اماں نے کچھ کہہ دیا ہے۔"

"انہوں نے پیار سے اس کی پیشانی تک آئے بال پیچھے کیے۔

"نہیں بھلا اماں نے کیا کہنا ہے۔"

ماہ نور اٹھ کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے بال سمیٹ کر جوڑا بنایا۔

"بس کئی دنوں سے سر میں درد ہو رہا تھا۔"

"سر میں درد تھا تو کوئی دوائی لی ہوتی لیکن دوائی کھانے کی تو تم ہمیشہ سے چور ہو۔ بچپن میں کبھی بیمار پڑتی تھیں تو رو رو کر برا حال کر لیتی تھیں کہ گولی نہیں کھاؤں گی۔ میں دیکھتی ہوں' تمہاری اماں کے پاس ضرور کوئی گولی ہو گی سر درد کی اور نہ بھی ہوئی تو زولی کو بھیج کر منگواتی ہوں۔"

وہ اٹھیں تو ماہ نور نے ان کا ہاتھ پکڑا۔

"نہیں دادی جان! اب تو سر درد نہیں ہو رہا۔ آپ نے تیل لگایا ہے نا تو سر بالکل ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہے۔"

"ابھی تک بچپنا نہیں گیا تمہارا۔"

سلمیٰ خانم مسکرائیں۔

"اتنے دنوں سے سر درد لیے پھر رہی ہو اور گولی کا نام سنتے ہی سر درد غائب ہو گیا۔"

"سچ دادی جان! بالکل درد نہیں ہو رہا اب۔"

ماہ نور نے انہیں یقین دلانے کی کوشش کی تو انہوں نے ایک مشکوک سی نظر اس پر ڈالی جیسے اس کی بات کا یقین نہ ہو۔

"اچھا ٹھیک ہے لیکن اگر پھر درد ہوا تو گولی کھا لینا۔"

انہوں نے تخت کے نیچے سے چپل نکال کر پہنتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

"چار دن میں کملا کر رہ گئی ہو تم۔ میں کہتی ہوں چھوڑ دو یہ نوکری۔ پڑھانا کوئی آسان تو نہیں۔ نری سر کھپائی ہے۔ اتنی کمزور ہو گئی ہو۔"

"مگر دادی جان! مجھے پسند ہے نا پڑھانا۔ میں تو بچپن سے ہی سوچتی تھی کہ بڑی ہو کر ٹیچر بنوں گی اور پھر آپ کو لگ رہی ہوں کمزور۔ جب کہ میری کولیگز مجھے موٹی کہتی ہیں۔"

ماہ نور نے انہیں قائل کرنا چاہا۔

"خدا نظر بد سے بچائے۔ کیا ان کے گھر سے کھاتی ہو جو تمہیں جانچنے لگیں۔ چار انچ کی تو کمر ہے تمہاری۔"

دادی کی بات پر ماہ نور کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

"دادی! آپ بھی بس۔ اگر واقعی میری کمر چار انچ ہوتی تو کس قدر مضحکہ خیز لگتی میں۔"

اسے مسکراتے دیکھ کر سلمیٰ خانم کو اطمینان سا محسوس ہوا۔

"میں تمہارے ابا کے کمرے میں جا رہی ہوں اور تم ابھی فوراً ہی نہانے نہ بیٹھ جانا۔ دو چار گھنٹے تیل لگا رہنے دینا۔" "جی اچھا۔"

ماہ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سلمیٰ خانم نے جاتے جاتے پھر ایک گہری نظر اس پر ڈالی تھی اور ایک ٹھنڈی سانس لے کر منہ ہی منہ میں کچھ بدبدا کر نصیر خان کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

"یہ کیسی بے نام سی اداسی ہے۔"

دادی کے جانے کے بعد وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور سوچا۔

"آخر کیا ہے مجھے۔ کیا میں واقعی چند دنوں میں تھک گئی ہوں کہ گھر کا ہر فرد محسوس کر رہا ہے؟ دادی ہی نہیں' اماں اور نرمل بھی پوچھ چکی تھیں کہ وہ اتنی خاموش اور تھکی تھکی سی کیوں لگ رہی ہے؟"

"کیا اسکول میں کوئی بات ہوئی ہے؟"

نرمل نے کل شام ہی پوچھا تھا۔

"نہیں تو۔" اس نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"بھلا اسکول میں کیا ہونا ہے۔"

"آپ کچھ دنوں سے بہت اداس اداس اور خاموش لگ رہی ہیں۔ میں نے سوچا شاید کسی ساتھی ٹیچر سے جھگڑا ہو گیا ہو۔ ہوتا ہے نا ایسا۔ کبھی کبھار پرانی ٹیچرز نئی کو قبول نہیں کرتیں۔"

"ہوتا ہو گا لیکن یہاں تو سب ٹیچرز بہت اچھی ہیں۔ مسز مراد اور مس آمنہ سے تو ٹھیک ٹھاک دوستی ہو گئی ہے اور حنا کی آپی تو یوں ہی بہت خیال رکھتی ہیں میرا۔"

"تو کیا بہت ٹف جاب ہے۔ مشکل لگ رہا ہے آپ کو پڑھانا؟"

نرمل بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں تو ایسا تو کچھ نہیں ہے رومی! کچھ بھی مشکل نہیں لگ رہا مجھے۔"

نرمل نے پھر بحث نہیں کی تھی' اسے حیرت ہو رہی تھی کہ بھلا نرمل نے ایسا کیوں سوچا لیکن جب اماں نے بھی یہی پوچھا کہ جاب مشکل تو نہیں ہے تو وہ چونکی تھی۔

"تو کیا میں شکل سے بہت تھکی تھکی اور پریشان لگ رہی ہوں جو نرمل اور اماں۔۔۔"

تب اس نے آئینے میں غور سے خود کو دیکھا تھا۔ "ہاں کچھ ایسا ہے تو لیکن کیوں۔"

اور اب دادی بھی یہی بات کہہ رہی تھیں۔ بہت زیادہ بولتی تو وہ پہلے بھی نہیں تھی اور ابا کے حادثے کے بعد وہ کچھ سنجیدہ بھی ہو گئی تھی۔

لیکن ایسی چپ اور خاموش تو وہ کبھی نہیں رہی تھی۔ نرمل سے ہلکی پھلکی بات چیت پڑھائی میں تھوڑی بہت مدد۔ زینب' دانیال اور مومل سے بھی اس کی بات چیت ہوتی تھی۔ کبھی پڑھا دیا' کبھی لڈو کھیل لی' کبھی کوئی کہانی سنا دی لیکن ان بیتے پندرہ سولہ دنوں میں اس نے ان پر بھی کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ بس اپنے آپ میں ہی گم' جانے کیا سوچتی رہتی تھی۔

"تو کیا واقعی چند دنوں میں ہی جاب سے تھک گئی ہوں جبکہ مجھے تو ابھی ایک لمبا سفر طے کرنا ہے۔ رومی کو ڈاکٹر بننا ہے۔ روبی' دانی' مومو۔۔۔ سب کے لیے ایک اچھے اور روشن مستقبل کے لیے جدوجہد کرنا ہے۔ ابھی اکیلے اور پھر کچھ دنوں تک منوں بھی میرے ساتھ شامل ہو جائے گا اور ایک دن ایسا آئے گا جب سب اپنی اپنی منزل پا لیں گے اور اس دن کے آنے میں ابھی بہت دیر ہے اور میں۔۔۔"

اس نے دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی کو دبایا۔

"آخر کون سی بات ہے جو مجھے پریشان کر رہی ہے؟ اور میری پریشانی سب کو محسوس بھی ہو رہی ہے؟ لیکن میں خود نہیں سمجھ پا رہی کہ وہ کیا بات ہے جس نے میرے اندر اداسیاں پھیلا دی ہیں۔ حالانکہ ان بیتے دنوں میں کئی ایسی باتیں تھیں جن پر خوش ہوا جا سکتا تھا لیکن وہ خوش نہیں ہوئی تھی اور اگر خوش ہوئی بھی تو اس

نامعلوم اداسی کے غبار نے اس خوشی کو دھندلا کر دیا تھا۔

نصیر احمد خان کی ٹانگ میں معمولی حرکت پیدا ہوگئی تھی 'تھراپی کا کچھ اثر ہوا تھا اور یہ ایسی بات تھی کہ جس پر وہ جتنا بھی خوش ہوتی 'کم تھا۔ سب ہی بہت خوش تھے۔ اس معمولی حرکت نے نصیر احمد خان کی آنکھوں میں امید کے دیے روشن کر دیے تھے 'ان کی بجھی بجھی آنکھوں میں چمک دیکھ کر وہ اندر تک سرشار ہوگئی تھی۔

"ابا! مجھے یقین ہے ایک روز آپ پھر سے چلنے لگیں گے۔"

ان کا ہاتھ تھام کر وہ رو پڑی تھی اور ان کی آنکھوں کی مایوسی میں جھلملاتے امید کے رنگ کتنے اچھے لگ رہے تھے اسے۔

تہجد کی نماز میں اس نے بہت دیر تک ان کے لیے دعا کی تھی لیکن جب وہ سونے کے لیے لیٹی تو دل ویسا ہی بوجھل تھا اور اندر پھیلے اداسی کے سائے اتنے ہی گہرے تھے۔

اور پھر افضال ماموں کی آمد بھی کچھ کم خوشی کا باعث نہ تھی۔

بچپن سے وہ ان کے خاصے قریب تھی اور وہ بھی اس کے لاڈ بیٹیوں کی طرح ہی اٹھاتے تھے۔

لیکن وہ ان کے آنے کا سن کر خوش نہ ہوئی تھی۔ جب اماں نے اسے بتایا کہ افضال بھائی آگئے ہیں تو اس نے سرسری انداز میں "اچھا" کہا اور نرمل کے متعلق پوچھنے لگی۔

"نرمل اندر ہوگی 'تمہارے ابا کے کمرے میں۔"

اماں کچن میں تھیں اور وہ کچھ دیر پہلے ہی اسکول سے آئی تھی۔ بیگ اور چادر تخت پر رکھ کر وہ ان کے پاس کچن میں ہی آگئی تھی۔

عموماً اس کے آنے سے پہلے نرمل کالج سے آچکی ہوتی تھی۔

اور روٹیاں وہ بنالیتی تھی۔ اماں کو کچن میں دیکھ کر وہ ادھر ہی آگئی تھی۔

"اچھا آپ اٹھیں 'میں روٹی بنالیتی ہوں۔"

"نہیں 'تم تھکی ہوئی ہوگی۔ میں بنالیتی ہوں 'تم چل کر بیٹھو ابا کے کمرے میں اور نرمل کو کہو 'وہ پلیٹیں لگادے۔ روبی اور دانی بھی آتے ہوں گے۔"

اماں نے اس کے اصرار کے باوجود منع کر دیا۔

"افضال ماموں کا کس نے بتایا ہے 'کیا خضر بھائی آئے تھے؟"

اس نے سرسری انداز میں پوچھا تھا۔

"نہیں 'افضال بھائی خود آئے تھے ملنے۔ تمہیں بہت یاد کر رہے تھے اور تمہارے یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہ لینے پر خفا ہو رہے تھے۔ رات کے کھانے پر بلا گئے ہیں سب کو۔ کہہ رہے تھے سب سے ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

اماں نے تفصیل بتائی لیکن وہ ابا کے پاس رہنے کا بہانہ کر کے نہ گئی۔ حالانکہ دادی نے کتنا ہی کہا "نہیں جائیں گی لیکن اس نے دادی کو زبردستی بھیج دیا تھا۔

"دادی! آپ جائیں 'میں ہوں نا ابا کے پاس اور پھر مجھے ٹیسٹ چیک کرنے ہیں۔ نئی نئی جاب ہے نا اور میں نہیں چاہتی کہ ذاکر صاحب کو شکایت ہو۔ صبح منتھلی ٹیسٹ کی مارکس شیٹ دینی ہے مجھے۔"

ولید سب کو لینے آیا تھا۔ اس نے بھی کہا لیکن وہ نہ مانی۔

سب ہی اس کے نہ جانے پر حیران تھے۔

"علینہ آپی تو ناراض ہو رہی تھیں آپ سے۔" نرمل نے بتایا۔

"میں اتوار کو جا کر مل لوں گی ماموں جان سے۔"

اماں کے بار بار کہنے پر کہ افضال بھائی تمہیں یاد کر رہے تھے 'اس نے انہیں کہا تھا لیکن پھر۔

دو اتوار گزر گئے تھے 'وہ افضال ماموں کی طرف نہیں گئی تھی۔

"دو اتوار یعنی پندرہ سولہ دن ہوگئے ہیں۔" دونوں بازو گھٹنوں کے گرد حمائل کرتے ہوئے اس نے گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھتے ہوئے سوچا۔

"خضر بھائی بھی نہیں آئے۔ حالانکہ وہ ہفتے میں ایک چکر ضرور لگاتے تھے۔ عموماً" اتوار کو آتے تھے لیکن اب۔۔۔ شاید مصروف ہوں گے۔ کیا خبر منگنی کی شاپنگ کر رہے ہوں سحرش کے ساتھ یا پھر۔۔۔ لیکن وہ تو کہہ رہے تھے کہ۔۔۔ خیر مجھے کیا 'وہ منگنی کریں یا نہ کریں۔"

اس نے اپنے آپ سے کہا اور سامنے دیکھا دھوپ صحن سے ہو کر دیوار تک پہنچ گئی تھی۔

"آج بھی خضر بھائی نہیں آئے۔"

اس نے مایوسی سے سوچا اور پھر ایک دم چونکی۔

"تو کیا میں خضر کا انتظار کر رہی ہوں؟"

"آپی۔۔۔ آپی۔۔۔"

نرمل اسے پکارتی ہوئی کمرے سے باہر نکلی۔ "آپ کو پتا ہے حمنہ خالہ آرہی ہیں کل۔"

نرمل اس کے پاس ہی تخت پر بیٹھ گئی۔

"پتا ہے مجھے بہت شوق ہے ان سے ملنے کا 'انہیں دیکھنے کا لیکن ضروری نہیں انہیں بھی تم سے ملنے کا شوق ہو۔"

ماہ نور کے لہجے کی سنجیدگی پر نرمل نے غور نہیں کیا۔

"انہیں بھی ضرور شوق ہوگا ہم سے ملنے کا۔ پتا ہے بتا رہی تھیں کہ حمنہ خالہ اور عذرا خالہ ان سے بالکل سگی بہنوں سا پیار کرتی تھیں اور پتا ہے مجھے ان سے ملنے کا کیوں شوق ہے۔"

اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"ایک تو اس لیے کہ وہ ڈاکٹر ہیں اور دوسرے اس لیے کہ وہ بہت خوبصورت ہیں۔

اماں کہہ رہی تھیں۔ حمنہ خالہ اتنی خوبصورت ہیں کہ ایک بار تو بندہ مبہوت رہ جاتا ہے اور بے اختیار اللہ کی صناعی کی تعریف کرتا ہے۔

میں نے تو اماں سے کہہ دیا ہے کہ ہم کل ہی جائیں گے حمنہ خالہ سے ملنے 'افضال ماموں کی طرف۔

جب اریج نے مجھے بتایا تھا ان کے آنے کا تو میں نے اس سے کہہ دیا تھا کہ میں آؤں گی اماں کے ساتھ۔"

"تم خوامخواہ اتنی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہو روما! حمنہ خالہ کو پتا نہیں اماں یاد بھی ہوں گی یا نہیں۔"

ماہ نور کے چہرے پر بدستور سنجیدگی تھی۔ نرمل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"واہ 'کیوں یاد نہیں ہوں گی اماں انہیں۔ اماں بتا رہی تھیں 'گو حمنہ بڑی تھیں پھر بھی دوستوں جیسی تھیں۔

"اماں تو عذرا خالہ کی محبتوں کا بھی بہت ذکر کرتی ہیں۔"

ماہ نور نے اسے ٹوک دیا۔

"کتنا یاد رکھا ہوا ہے انہوں نے اماں کو؟ کتنی بار آئیں ان سے ملنے؟ کتنی بار خط لکھا؟"

"وہ تو ماموں جان ہی اتنے سخت مزاج کے ہیں کہ بے چاری عذرا خالہ ان کی مرضی کے بغیر کچھ کر ہی نہیں سکتیں۔"

نرمل نے آہستگی سے کہا۔

"ایک تو کم عمری میں شادی ہوگئی تھی۔ ماموں جان نے جیسا چاہا انہیں اپنے رنگ میں رنگ لیا۔"

"نرمل بی بی! تم بہت خوش فہم ہو۔"

ماہ نور کے لہجے میں تلخی گھل گئی تھی۔

"سفر بھائی کے علاوہ تم نے کبھی عذرا خالہ کی کسی اولاد کو دیکھا ہے یا ملی ہو۔ راہ چلتے کبھی وہ تمہارے پاس سے گزر جائیں تو تم نہ جان سکو کہ یہ تمہارے ماموں کی اولاد ہیں اور تمہاری اماں کی سگی پھوپھو زاد بہن کی بھی۔"

"آپی۔۔۔"

نرمل نے سر اٹھا کر بغور اسے دیکھا۔

"آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ اتنی تلخ کیوں ہو رہی ہیں۔"

"ظاہر ہے' وہ لوگ لاہور میں ہیں نہ۔ وہ کبھی یہاں آئے نہ ہم لوگ کبھی وہاں گئے تو پھر ظاہر سی بات ہے کیسے پہچانیں گے؟"

ماہ نور خاموش رہی' وہ دل ہی دل میں کچھ شرمندہ سی ہو گئی تھی کہ میں بھلا کیوں تلخ ہو رہی ہوں۔

"اماں کہہ رہی تھیں۔" اسے خاموش دیکھ کر نرمل پھر بتانے لگی۔

"کہ وہ حمنہ خالہ کی دعوت کریں گی۔ اتنے عرصہ بعد تو وہ واپس آئی ہیں کینیڈا سے۔"

"وہ تو جیسے اماں کی دعوت قبول ہی کر لیں گی۔"

ماہ نور کے ہونٹوں پر استہزائیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بے وقوف لڑکی! آج کل صرف دولت کے رشتے ہوتے ہیں۔ خون کے رشتے قطعی غیر اہم ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس دولت ہے تو آپ کے سب رشتہ دار ہیں آپ کے پاس۔ دولت نہیں ہے تو کوئی بھی آپ کا رشتہ دار نہیں۔"

"خیر اب ایسی بھی بات نہیں ہے۔"

نرمل نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی۔

"افضال ماموں جان نے تو کبھی ہمیں اس کا احساس نہیں دلایا کہ ہم غریب ہیں اور جہاں تک حمنہ خالہ کی بات ہے تو اماں کہہ رہی تھیں کہ حمنہ جب بھی کراچی آتیں ان سے ملنے ضرور آتی تھیں۔ اور سب کے لیے گفٹ لاتی تھیں اور جب تم پیدا ہوئی تھیں تو اتنی خوش ہوئی تھیں تمہاری پیدائش پر اور جب کراچی آئی تھیں تو جتنے دن رہیں' روز آتی تھیں اماں کی طرف۔ یقین نہ آئے تو دادی سے پوچھ لیں۔" نرمل کھڑی ہو گئی۔ "آپی کیا علینہ یا خضر بھائی سے آپ کی کوئی بات ہو گئی ہے۔"

وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں تو۔۔۔"

ماہ نور نے چونک کر کہا۔

"بھلا ان سے میری کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"دراصل میں نے غور کیا ہے کہ جب سے آپ ادھر سے ہو کر آئی ہیں' تب سے ہی چپ چپ سی ہیں اور پھر خضر بھائی بھی نہیں آئے اتنے دنوں سے اور آپ افضال ماموں سے بھی ملنے نہیں گئیں۔"

"تم خوامخواہ قیاس آرائیاں مت کرو' خضر بھائی اگر نہیں آئے تو انہوں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا یہاں ہر ہفتے چکر لگانے کا اور بھی مصروفیات ہو سکتی ہیں ان کی۔"

نرمل نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ اندر سے اماں نے آواز دی۔

"تم جاؤ' اماں بلا رہی ہیں۔ میں ابھی ہاتھ لے کر چائے بنا دیتی ہوں۔"

اس نے شعوری کوشش سے لہجے کو نرم کیا۔

"مت بتائیں' میں کل عینا باجی یا خضر بھائی سے خود ہی پوچھ لوں گی۔"

نرمل کندھے جھٹکتے ہوئے کتاب اٹھا کر ابا کے کمرے کی طرف چلی دی۔

"آخر کیا ہو گیا ہے مجھے' کیوں خوامخواہ ہر بات پر اسے ٹوک رہی تھی۔ خاموشی سے سن لیتی' کتنے شوق سے حمنہ خالہ کا ذکر کر رہی تھی۔"

ماہ نور کو ندامت سی ہونے لگی۔ آج تک اس نے کبھی کسی سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی پھر کیوں۔۔۔

اس نے بے بسی سے مٹھیاں بھینچیں اور بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

اس نے سر گھٹنوں پر رکھ لیا تھا اور آنکھیں موندے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی جو بلاوجہ ہی آئے چلے جا رہے تھے' وہ اس طرح خود میں گم تھی کہ اسے خضر کی آمد کا پتا ہی نہ چلا۔

"ہیپی برتھ ڈے ماہ۔۔۔"

اس نے یکدم سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے خضر کو دیکھا۔

"آپ۔۔۔"

اس کے لب کانپے۔ اندر ایک ساتھ بہت سے دیے جل اٹھے تھے۔ وہ ہمیشہ کی طرح بھولا نہیں تھا۔ خود تو اسے یاد بھی نہیں تھا کہ آج اس کی برتھ ڈے ہے اور اسے تو کبھی بھی یاد نہیں رہتا تھا۔

خضر نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"وہ۔۔۔ آپ بہت دنوں بعد آئے۔"

وہ کچھ گھبرا گئی۔ حالانکہ پہلے تو وہ اس طرح کبھی نہیں گھبرائی تھی۔

خضر نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"کیا تمہیں انتظار تھا میرا؟"

"ہاں۔ وہ۔۔۔ آپ پچھلے سنڈے کو بھی نہیں آئے تھے نا۔" اس نے وضاحت کی۔

"اس کا مطلب ہے تم نے میرے نہ آنے کو محسوس کیا۔"

خضر کی آنکھوں میں جگمگاہٹیں سی اتر آئیں۔

"سوری۔ آج بھی کچھ لیٹ ہو گیا۔ دراصل میں اسلام آباد میں تھا۔ چند گھنٹے پیشتر ہی لوٹا ہوں۔ اور پچھلے سنڈے کو بھی میں یہاں نہیں تھا۔ ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں حیدر آباد جانا پڑ گیا تھا۔"

"میں سمجھی شاید وہ منگنی۔۔۔" اس کے لبوں سے غیر ارادی طور پر نکلا۔

"منگنی۔۔۔؟"

خضر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہ آپ کی اور سحرش کی منگنی۔۔۔"

اس نے کسی قدر اعتماد سے کہا اور پھر فوراً ہی پلکیں جھکا لیں تو خضر کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"تو یہ بات تھی ماہ؟"

اس نے آہستگی سے کہتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے شاپرز تخت پر رکھے۔

"تم اس لیے پریشان تھیں؟"

خضر کے ہونٹوں پر ابھی تک مسکراہٹ تھی اور اس کی نظریں ماہ نور کے چہرے پر تھیں۔

"نہیں تو بھلا میں کیوں پریشان ہوتی۔ یہ تو اچھی بات ہے' خوشی کی بات ہے۔ ہماری فیملی میں ابھی تک کسی کی منگنی یا شادی نہیں ہوئی۔"

وہ کچھ گھبرائی گھبرائی سی کھڑی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

"اچھا۔۔۔"

خضر کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تو پھر رومی صحیح کہہ رہی تھی ہم جاب سے تھک گئی ہو میں نے تو پہلے۔۔۔"

"نہیں نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ روما تو یونہی کہہ رہی ہے۔ دراصل۔۔۔"

اس نے خود کو سنبھالا۔

"وہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی' سر میں بہت درد تھا۔"

وہ زمین کو دیکھ رہی تھی۔

"ادھر میری طرف دیکھو ماہ! کیا ہم اچھے دوست نہیں ہیں۔ کیا آج تک تم نے اپنا ہر مسئلہ مجھ سے شیئر نہیں کیا تو پھر آج کیوں ایسا کر رہی ہو۔ مجھے بتاؤ' تم کیوں پریشان ہو۔ تم پہلے سے بھی ملنے نہیں آئیں۔ آنٹی بتا رہی تھیں کہ تم کچھ تھکی تھکی اور پریشان لگتی ہو۔ نرمل نے بھی اس کی تائید کی تھی۔ کچھ تو ہے نا ماہ! میں اسی روز آنا چاہ رہا تھا لیکن نہ آسکا۔ سولی بھی کہہ رہا تھا کہ اس نے تمہیں بہت کہا لیکن تم نے آنے سے انکار کر دیا۔"

خضر کا لہجہ نرم تھا ہمیشہ کی طرح ماہ نور کا من بھیگنے لگا۔

"کچھ بھی تو نہیں ہے خضر بھائی!"

اس نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائیں اور پھر فوراً ہی جھکا لیں۔ آنکھوں کی سطح گیلی ہو رہی تھی۔

"میں جانتا ہوں کیا ہے۔"

خضر نے ایک گہری سانس لی۔

"اس روز واپس آتے ہوئے میں نے تمہیں کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی ماہ! لیکن تم سمجھ نہیں پائی ہو شاید۔ کچھ باتیں قبل از وقت ہوتی ہیں۔ میں وقت سے پہلے تم سے کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ ابھی اس کا وقت نہیں ہے اور ابھی بھی میں کچھ نہیں کہوں گا لیکن ماہ! ایک بات ذہن میں بٹھا لو کہ سحرش سے میری منگنی کا خیال سراسر مما کا ہے۔ گھر کا کوئی اور فرد مجھ سمیت اس سے متفق نہیں ہے۔ میں نے پہلے سے بات کر لی ہے۔ سو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں ۔۔۔ میں اس لیے تو پریشان نہیں ہوں۔" اس نے پھر تردید کی۔

"ہو سکتا ہے تم ایسا سمجھتی ہو ماہ! لیکن ایسا ہی ہے۔ تم غور کرو گی تو تمہیں خود اس کا جواب مل جائے گا۔ بعض اوقات ہمیں خود اپنے جذبوں کی خبر نہیں ہوتی لیکن اچانک کوئی لمحہ ہوتا ہے جب آپ پر انکشاف ہوتا ہے کہ آپ کا دل تو کسی کا اسیر ہو چکا اور ایسے ہی ایک لمحے میں مجھ پر بھی انکشاف ہوا کہ میرے دل نے زندگی کے سفر کے لیے جس رفیق سفر کی چاہ کی ہے وہ سحرش ہرگز نہیں ہے۔"

اس کا لہجہ دھیما لیکن یقین دلاتا ہوا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر خضر کی طرف دیکھا۔ اس سمے ماہ نور کی طرف دیکھتی اس کی نظریں کیا کہہ رہی تھیں' اس کے چہرے پر کون سے رنگ تھے' ماہ نور کے دل کی دھڑکنیں یکدم تیز ہو گئیں۔ اتنی تیز کہ وہ خود اپنے دل کی دھڑکن سن رہی تھی۔

"ماہ!" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔

"وہ لڑکی تم ہو' ماہ! تم ۔۔۔"

"یہ بات میں نے ابھی تم سے نہیں کہنا تھی لیکن صرف اس لیے کہہ دی کہ تم بدگمان نہ ہو جاؤ۔ تمہاری پریشانی جیسے سب محسوس کر رہے ہیں' ماہ اس نے مجھے بے چین کر دیا۔ یقین کرو ماہ میں وہاں اسلام آباد میں بھی صرف تمہیں ہی سوچتا رہا۔

آنٹی اور روما کی بات پریشان کرتی رہی کہ تم پریشان ہو' تھکی ہوئی ہو' اداس ہو۔"

ماہ نور کی نظریں جھکی ہوئی تھیں' پلکیں اتنی بوجھل ہو رہی تھیں۔ یوں جیسے ان پر منوں بوجھ آگرا ہو۔ رخسار تپ رہے تھے' خضر نے بمشکل اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔

"اوکے' ناؤ ریلیکس۔"

"میرے خیال میں اتنا کافی ہے ۔۔۔ ہے نا۔" اس کا لہجہ شگفتہ تھا اور آنکھوں میں شوخی۔

"اب یہ شاپر اٹھایئے محترمہ! اور اندر انکل کے کمرے میں چلیے' وہاں جا کر کیک کاٹیے۔"

ہمیشہ کی طرح وہ کیک لایا تھا۔ وہ کبھی بھی اس کے برتھ ڈے پر کیک لانا نہیں بھولتا تھا۔ اس کی وجہ صرف اس کی وجہ سے یہ دن کتنا اہم ہو جاتا تھا سب کے لیے۔

"آپ چلیے' میں ہاتھ لے کر آتی ہوں۔"

اس نے بمشکل پلکیں اٹھائیں۔

"ابھی تیل لگوایا تھا دادی جان سے۔"

"اوکے۔"

اس نے جھک کر شاپر زا اٹھائے۔ ماہ نور اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ جوڑا ڈھیلا ہو کر کھل گیا تھا۔ سلکی بالوں کا آبشار پشت پر بکھرا ہوا تھا۔ کچھ بالوں نے دائیں رخسار کے حصے کو ڈھانپ لیا تھا۔

سیدھا ہوتے ہوئے اس کی نظر ماہ نور کے کھلے بالوں پر پڑی تھی۔

گو ان میں تیل لگا تھا لیکن پھر بھی اس کی نظریں ان میں الجھ گئیں۔

اتنے خوبصورت' اتنے لمبے' اتنے سلکی بال۔ ماہ نور ہمیشہ ہی چٹیا کیے رکھتی تھی۔ آج سے پہلے اس نے اس کے بالوں کو یوں کھلے ہوئے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھوں میں ان بالوں کی نرمی اور ملائمت کو محسوس کیا اور پھر یک ٹک ماہ نور کو دیکھے چلا گیا جس کی آنکھیں اور چہرا سرخ رنگ ہو رہا تھا۔

***

"تم اب کیسا محسوس کر رہے ہو شبی!"

انعم نے مبشر کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا تو اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک ہوں' آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے پھر آنکھیں موندلیں۔ انعم یونہی اس کے بیڈ کے پاس کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

چند ہی دنوں میں اس کا دمکتا ہوا رنگ ماند پڑ گیا تھا۔

چہرے پر زردیاں گھل رہی تھیں۔ وہ پورا ایک ہفتہ ہاسپٹل میں رہا تھا۔ اس کا بخار یکدم ہی بہت تیز ہو گیا تھا۔ اس روز اسفر اسے تھپک رہے تھے' بہلا رہے تھے۔

"حوصلہ میری جان ۔۔۔ یہ کیا ذرا سے بخار میں ہمت ہار بیٹھے۔"

"انعم ۔۔۔ انو ۔۔۔ شبی بے ہوش ہو گیا ہے۔"

بے حد گھبرا کر انہوں نے انعم سے کہا تھا اور پھر اسے وہیں چارپائی پر لٹا دیا۔

عذرا بیگم رونے لگیں' سمن اور انعم آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"یہ ۔۔۔ یہ شبی ۔۔۔"

سمن کی آنکھوں میں دحشت تھی۔ اسفر کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس کو حوصلہ دے۔ وہ کبھی مبشر کے ہاتھ ملتے' کبھی اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے اور کبھی بے بسی سے عذرا بیگم کی طرف دیکھتے۔

"رمضان ۔۔۔ رمضان ۔۔۔"

انعم کو ہی سب سے پہلے خیال آیا تھا۔

"بھاگ کر جاؤ اور ڈاکٹر لائبہ کو بلا لو۔" ڈاکٹر لائبہ جو ابھی کلینک میں پہنچی ہی تھیں' اس کی بے ہوشی کا سن کر واپس آگئیں۔

"ٹمپریچر یکدم شوٹ کر گیا ہے۔" انہوں نے اسفر کو بتایا۔

"پٹیاں رکھتے رہیں' جب تک ایک سو ایک ڈگری تک نہ ہو جائے۔"

اور وہ رات کیسی پریشان کن تھی۔ انعم اور اسفر پوری رات جاگ کر پٹیاں رکھتے رہے تھے۔ ذرا دیر کو ٹمپریچر کم ہوتا تو مبشر آنکھیں کھول کر انہیں دیکھتا اور الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتا اور کچھ دیر بعد پھر بخار بڑھ جاتا۔

دوسرے روز ڈاکٹر لائبہ کے مشورے پر انہوں نے مبشر کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دیا تھا اور وہاں بھی یہی حال رہا تھا۔ اگر دن کو بخار اتر جاتا اور امید ہوتی کہ اب ٹھیک ہو جائے گا تو رات کو پھر وہی کیفیت ہو جاتی۔ پورا ایک ہفتہ ہاسپٹل رہنے کے بعد وہ کل ہی گھر آیا تھا۔

"دودھ لے آؤں۔ پیو گے یا ساگودانہ لے لو تھوڑا سا۔"

"نہیں! کچھ نہیں چاہیے۔"

مبشر نے آنکھیں کھولے بغیر کہا۔

"شبی! کچھ تھوڑا سا لے لو، صبح سے تم نے کچھ نہیں لیا۔ اس طرح تو تم بستر سے نہیں اٹھ پاؤ گے۔ کتنے ویک ہو گئے ہو۔" انعم نے منت کی۔

"آپی! پلیز کھانا میرا جی نہیں چاہ رہا۔" مبشر نے بیزاری سے کہا۔

"جی نہیں چاہ رہا بیٹا! تو بھی کچھ لے لو۔ تھوڑا تھوڑا سا کر کے لے لو۔ دودھ اور ساگودانہ نہیں تو جو تمہارا دل چاہ رہا ہے وہ کہو۔"

عذرا بیگم نے اندر آتے ہوئے کہا تو مبشر نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور اٹھنے کی کوشش کی۔

"لیٹے رہو بیٹا!"

عذرا بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے اسے لیٹے رہنے کو کہا لیکن وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگالی۔ عذرا بیگم اس کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئیں۔

انہوں نے ایک شفقت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"ماں کی تو جان نکال لی تھی تم نے بیٹا! شکر ہے اللہ کا جس نے تمہیں صحت و زندگی دی۔"

مبشر خاموش رہا، اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور کیا تھا اگر یہ بخار میری جان ہی لے لیتا۔ اس بے اعتباری کی زندگی سے جان چھوٹتی۔ ایسی زندگی جینے سے کیا فائدہ جس میں ہر لحہ یہ احساس ہوتا رہے کہ آپ ناقابل اعتبار ہیں۔ آپ کا کردار مشکوک ہے۔ کسی بھی وقت کسی بھی لحہ آپ سے کوئی غلط حرکت سرزد ہو سکتی ہے۔" اس نے بے دکھ سے سوچا۔

اور پتا نہیں آگے کی زندگی کیسی ہوگی، پل پل یہ احساس مجھے مارتا رہے گا کیا میں نارمل زندگی جی پاؤں گا۔

"ہیلو۔ کیا ہو رہا ہے، کیسے ہو؟"

اسفر اندر داخل ہوئے اور پھر عذرا بیگم کی طرف دیکھ کر احتراماً" تھوڑا سا سر جھکایا۔

"السلام علیکم۔ امی جان! کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں، بیٹھو تم۔"

انہوں نے ایک شفیق نظر ان پر ڈالتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

اسفر نے کرسی کھینچ کر مبشر کے بیڈ کے قریب کرلی۔

"تم نے تو ڈرا ہی دیا تھا یار!" وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

"اب جلدی سے صحت بناؤ، تمہاری پڑھائی کا بہت حرج ہو رہا ہے۔"

"کیا کروں گا پڑھ کر۔" مبشر کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"علم انسان کو شعور دیتا ہے شبی!"

اسفر نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"جینے کا سلیقہ دیتا ہے اور غم سہنے کا قرینہ سکھاتا ہے۔ بی بریو۔"

انہوں نے اس کے ہاتھ کو ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

"اور تم نے پڑھنا ہے، بہت آگے جانا ہے۔"

"مجھے تو لگتا ہے جیسے میں یہاں ہی رک گیا ہوں، پتھر ہو گیا ہوں۔" مبشر نے سوچا۔

"بس ایک دن اور آرام کر لو اور پرسوں سے کالج جاؤ۔"

اسفر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مسکرائے اور ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

"کوشش کروں گا۔" مبشر نے ایک گہری سانس لی۔ اسفر کو اپنا دل جیسے کسی بھاری بوجھ تلے دبتا محسوس ہوا۔ کیسی ویرانی تھی اس کی آنکھوں میں، کیسا کرب تھا اس کے چہرے پر اور پتا نہیں ابھی کتنا وقت لگے گا اسے سنبھلنے میں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ہنستا مسکراتا شرارتیں کرتا مبشر آگیا۔ جب شروع میں وہ یہاں آئے تھے تو وہ اگرچہ کسی سے بے تکلف نہیں تھے لیکن ثمن اور اس کی نوک جھونک سن کر محظوظ ہوتے تھے۔

یہ گھر یہ درودیوار کیسے اجنبی تھے ان کے لیے اور ان میں رہنے والے بھی سب اجنبی لگتے تھے۔ گو ان کا ان کے ساتھ خون کا رشتہ تھا۔

ثمن والے واقعہ — اور میاں جی کی تنبیہہ کے بعد انہوں نے سوچا تھا کہ وہ خود کو ان کے کسی بھی معاملے میں انوالو نہیں کریں گے۔

لیکن وہ تو روز بروز انوالو ہوتے جا رہے تھے۔ انہیں کچھ عرصہ بعد ملک سے باہر چلے جانا تھا پھر جانے کب واپسی ہو اور وہ کسی کو اپنا عادی نہیں بنانا چاہتے تھے اور نہ خود کسی کے ساتھ اتنا اٹیچ ہونا چاہتے تھے۔

عذرا بیگم کو پریشان دیکھ کر بار ہا ان کا جی چاہا تھا کہ وہ ان کے پاس بیٹھیں، انہیں تسلی دیں، انہیں احساس دلائیں کہ وہ ان کے بیٹے ہیں وہ ہر مشکل میں ان کے ساتھ ہیں۔ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ جائیں۔ اپنی باتوں سے ان کی اداس آنکھوں میں ہنسی بکھیر دیں لیکن وہ خود کو روک لیتے تھے، سمجھاتے تھے کہ "نہیں، مجھے خود کو یہاں انوالو نہیں کرنا۔

مجھے تو یہاں سے چلے جانا ہے۔ میں تو ابھی تک اماں جان کا گھر، وہ کمرہ، ان کی محبتیں اور وہ لوگ کسی کو نہیں بھلا تو یہاں والوں کو کیسے بھلا پاؤں گا۔"

لیکن ان کے سوچنے سے کیا ہوتا تھا۔ پہلے ثمن اور اب مبشر کی بیماری نے انہیں سب کے قریب تر کر دیا تھا۔ مبشر کی بیماری کے دنوں میں ثمن، انعم حتیٰ کہ عذرا بیگم بھی ہر لحہ ان کی طرف دیکھتی تھیں، ان سے ہی اپنی پریشانی شیئر کرتی تھیں۔

انہیں کراچی جانا تھا، کتنا عرصہ ہو گیا تھا انہیں کراچی گئے ہوئے اور اب تو انہیں جانا ہی تھا، انہیں امریکہ میں ایڈمیشن کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور رقم ہی نہیں، انہیں یہاں اپنے کسی اکاؤنٹ میں رقم شو بھی کرنا تھی۔

وہ میاں صلاح الدین سے کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ وہ افضال ماموں یا خضر سے ذکر کریں گے کہ انہیں تھوڑے عرصہ کے لیے کچھ رقم درکار ہے۔

وہاں جاتے ہی وہ پارٹ ٹائم جاب کر لیں گے اور ان کی رقم واپس کر دیں گے۔ وہ جانتے تھے کہ افضال ماموں ایک بار بھی انکار نہیں کریں گے بلکہ وہ تو خوش تھے کہ وہ ایم ایس سی کرنا چاہتے ہیں اور پھر افضال ماموں کے اکاؤنٹ کی رقم شو کی جا سکتی ہے کہ وہ ان کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں لیکن جب عذرا بیگم نے کہا۔

"اسفر! تمہارے یہاں ہونے سے بہت سہارا ہے مجھے۔" تو انہوں نے سوچا..... پھر سہی مبشر ٹھیک ہو جائے تو وہ کراچی چلے جائیں گے۔ وہ ان سے الگ نہیں تھے۔ ان سب کے دکھ سکھ سے وہ چاہتے ہوئے بھی نظر نہیں چرا سکتے تھے۔

ثمن کے آنسو اور مبشر کی وہ بہکی بہکی باتیں ان کا دل چیر گئی تھیں۔ وہ کیسے انہیں ان سب کو یوں پریشانی میں چھوڑ کر جا سکتے تھے اور وہ ثمن..... وہ چوہیا جیسے دل والی ثمن جس نے مبشر کی بیماری میں رو رو کر برا حال کر لیا تھا۔

ہلکی سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا اور انہوں نے خاموش بیٹھے مبشر کی طرف دیکھا۔

"تمہیں پتا ہے تمہاری بیماری میں سب سے زیادہ دعائیں ثمن نے کی ہیں اور سب سے زیادہ روئی بھی وہی ہے۔"

"آج جا رہی ہے کیا؟"

"ہاں لیکن آج نہیں گئی۔ میں نے ہی انعم کو جگانے سے منع کر دیا تھا۔ تمہاری صحت کے لیے نفل ماننے تھے۔

ساری رات جاگ کر پڑھتی رہی ہے۔ صبح کی نماز پڑھ کر سوگئی تھی۔"

انعم چائے اور سلائس ٹرے میں رکھ کر لے آئی تھی اور بیڈ سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے اس نے اسفر کی طرف دیکھا۔

"آپ حمنہ خالہ کی طرف جائیں تو انہیں کہیے گا کہ گھر ضرور آئیں۔ ہماری تو ہاسپٹل میں ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔"

"کیا وہ ہاسپٹل آئی تھیں؟" مبشر نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں' دوبار۔" انعم نے بتایا۔

"اس روز انہوں نے گھر فون کیا تھا تو میں نے بتایا کہ امی تو تمہارے پاس ہاسپٹل میں ہیں تو وہ ہاسپٹل گئی تھیں پہلی بار انکل کے ساتھ پھر دوسری بار اکیلی گئی تھیں۔"

مبشر نے سر ہلا کر چائے کا کپ اٹھایا۔

"تم نے کب جانا ہے ادھر۔" عذرا بیگم نے اسفر سے پوچھا۔

"اتنے سالوں بعد ملاقات ہوئی اور۔۔۔"

انہوں نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہوگئیں۔ ان کی آمد پر میاں صلاح الدین نے کس قدر ناگواری کا اظہار کیا تھا' وہ شروع سے ہی حمنہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔

اور اس کی وجہ ان کی پسند کی شادی تھی۔ اب ہاسپٹل میں بھی ان کا رویہ بہت روکھا سا تھا۔

"امی جان۔۔۔" اسفر نے ان کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیا اور ہمیشہ کی طرح ان کا دل دکھ سا گیا۔

حمنہ خالہ ان سے عمر میں سال بھر ہی چھوٹی ہوں گی۔ گو شادی عذرا بیگم کی بہت پہلے ہوئی تھی لیکن حمنہ خالہ کے مقابلے میں وہ کتنی فریش تروتازہ اور ینگ لگ رہی تھیں۔

"حمنہ خالہ کو آج کل میں کراچی جانا تھا افضال ماموں کی طرف میں آج فون کروں گا۔ میرا خیال تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ چلا جاؤں۔"

"تم کراچی جارہے ہو اسفی!"

عذرا بیگم نے دہل کر انہیں دیکھا۔ مبشر اور انعم بھی ان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"جی امی جان!"

"کب آؤ گے؟" کتنے دنوں کے لیے جارہے ہو؟"

انہوں نے کسی قدر حیرت سے عذرا بیگم کی طرف دیکھا جو یکدم پریشان سی ہوگئی تھیں۔ انہوں نے اپنے سارے سال ان سے دور کراچی میں گزارے تھے۔ کیا تب بھی ان کی جدائی عذرا بیگم کو ایسے ہی محسوس ہوتی تھی۔

وہ کچھ مضطرب سے ہوگئے اور اندر بے چینی سی پھیل گئی۔

"تم نے بتایا نہیں۔" انہوں نے پھر پوچھا۔

"کب آؤ گے واپس۔"

لہجے میں پریشانی چھپی تھی' آواز میں ہلکی لرزش تھی۔

وہ کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ میاں صلاح الدین اندر داخل ہوئے اور مبشر کو مخاطب کیا۔ اسفر احتراماً کھڑے ہوگئے تھے لیکن وہ مبشر کو دیکھ رہے تھے۔

"کیسے ہو صاحبزادے۔"

"جی ٹھیک ہوں۔"

اس نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا اور دانتوں سے سلائس کو تھوڑا تھوڑا توڑتا ہوا چائے کی چسکیاں لیتا رہا۔

"اور یہ کیا۔۔۔ چائے اور سوکھے ڈبل روٹی کے ٹکڑوں سے طاقت آئے گی۔ عذرا بیگم! آپ بھی خوب ہیں۔ میں نے کل رات ہی چھ دیسی چوزے منگوائے تھے' ان کی یخنی بنوائیں اور اسے دیں۔"

"یخنی صبح ہی بنادی تھی لیکن اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔" عذرا بیگم نے جواب دیا۔

"خیر کچھ دیر بعد دے دیجیے گا۔"

"جی۔"

"اور ہاں اسفر میاں۔۔۔" انہوں نے اسفر کی طرف دیکھا۔

"اپنی والدہ کے ساتھ ذرا چاند میاں کی طرف چلے جایئے گا آج کسی ٹائم اور وہاں آپ سیٹ پسند کرلیں جا کر اور لے آئیں۔"

وہ پھر عذرا بیگم کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"نکاح میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں اور ابھی تک زیور نہیں آیا۔ یہ آپ کے سوچنے کی باتیں ہیں لیکن آپ۔۔۔"

انہوں نے ایک طنزیہ نظر ان پر ڈالی۔

"خیر ایک لاکٹ سیٹ کافی ہوگا' کیا خیال ہے؟"

اور پھر ان کے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی بولے۔

"چھ چوڑیاں بھی لے لیں۔ چھوٹی بڑی ہوگئیں تو بعد میں تبدیل کی جاسکتی ہیں۔ مزید لینا ہو تو آپ کی مرضی اور چاند میاں سے کہہ دیجیے گا بل دکان پر بھجوادے۔" مبشر نے آدھا کھایا سلائس اور چائے کا کپ ٹرے میں رکھ دیا۔ "وہ۔۔۔"

عذرا بیگم نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"شبی ابھی بہت ویک ہے۔ نکاح کی تاریخ اگر کچھ آگے ہو جائے تو۔۔۔"

"کون سا اس نے جوتا ہے شبی نے جا کر یا پیدل جانا ہے اور پھر ابھی چار دن ہیں۔ بہتر ہو جائے گا تب تک۔"

اسفر نے ایک نظر مبشر پر ڈالی جو ساکت بیٹھا تھا۔ غیر ارادی طور پر بیڈ کے بالکل قریب ہوتے ہوئے انہوں نے اپنا ایک ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"اور ہاں۔۔۔" وہ جاتے جاتے مڑے۔

"مختصر سی تقریب ہوگی' صرف گھر کے افراد ہوں گے لیکن چند قریبی جاننے والوں کو بھی کہہ دینا اور وہ تمہاری بہن محترمہ حمنہ بیگم بھی یہاں ہیں۔ تم انہیں بھی بلانا چاہو گی۔ گو میں نہیں سمجھتا کہ ان کی شمولیت تقریب میں ضروری ہے لیکن بہرحال کہہ دینا انہیں بھی۔"

"وہ کراچی میں۔۔۔"

"نکاح کی تقریب ہے' مختصر سی۔ باہر سے کسی کو نہیں بلوانا۔" انہوں نے حتمی انداز میں کہا۔

"اور کوئی نہ سہی لیکن طیبہ تو بہن ہیں آپ کی اور مبشر بھتیجے ہیں ان کے۔"

وہ لکھے اور ایک طنز بھری مسکراہٹ ان کے لبوں پر آگئی۔ "ہاں سوتیلی بہن لیکن ضرورت نہیں بلانے کی۔ وہ نہیں آپائے گی۔ شوہر چارپائی پر ہے اور اتنی فضول خرچی وہ افورڈ نہیں کرسکتی۔"

وہ بے دردی سے کہتے باہر نکل گئے۔

اسفر حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ طیبہ پھپھو کیسے احترام اور محبت سے ان کا ذکر کرتی ہیں اور یہ۔۔۔

مبشر نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"بھائی۔۔۔ بھائی جان۔۔۔"

مبشر کے ہاتھ ہولے ہولے کانپ رہے تھے۔

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیا ہوا شبی! کہو۔"

"آپ... آپ کراچی نہ جائیں۔ مجھے یوں چھوڑ کر اکیلا۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"میرا دم گھٹ جائے گا بھائی! میرا دل پھٹ جائے گا۔"

"نہیں جاؤں گا۔"

انہوں نے اس کا سر اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ایسے تمہارے نکاح کی تقریب چھوڑ کر کہاں جاؤں گا یار! میرے بھائی کی زندگی میں ایک نیا موڑ آئے گا اور میں چلا جاؤں' بعد میں چلا جاؤں گا۔ تمہارے نکاح کے لڈو لے کر۔ وہاں سب حیران ہوں گے اور یہ تم نے ایسا منہ کیوں بنایا ہوا ہے۔ ایک خوبصورت لڑکی کی رفاقت ہمیشہ کے لیے تمہارے نام لکھی جانے والی ہے۔ مسکراؤ' خوشی کا اظہار کرو۔"

"مسکراہٹ... خوشی... اسفر بھائی! آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں؟"

اس کے لہجے میں ناراضی تھی۔ اس نے آہستہ سے اپنا سر پیچھے کر لیا۔

"مبشر!"

اسفر تکیہ ہٹا کر اس کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئے۔ "اگر میں تمہارے لیے کچھ کر سکتا تو ضرور کرتا جان دے کر ہی لیکن تم ابا جان کو مجھ سے بہتر جانتے ہو کہ وہ اپنا فیصلہ نہیں بدلتے اور پھر یہ کچھ ایسا برا فیصلہ بھی نہیں ہے۔"

وہ مسکرائے۔

"اور پھر یہ تو سوچو' وہ تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ جب تم ہاسپٹل میں تھے تو کس قدر پریشان تھے۔ وہ دو بکرے تو انہوں نے صدقے کے دیے اور اب سن رہے تھے نا تم کہ تمہارے لیے خود دیسی چوزے لے کر آئے ہیں اور..."

"لیکن یہ کیسی محبت ہے بھائی کہ وہ ہمارے دلوں میں نہیں جھانک سکتے' ہمارے احساسات کو محسوس نہیں کر سکتے جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی تو روح تک میں جھانکا جا سکتا ہے۔"

مبشر نے ان کی بات کاٹی تو اسفر خاموش رہے۔ وہ چاہ رہے تھے کہ وہ بول کر دل کی بھڑاس نکال لے۔

"اچھا لباس اچھا کھانا مہیا کر دینا' بیمار ہو جائیں تو صدقے کے بکرے دے دینا کیا صرف یہی محبت ہے اسفر بھائی! ہم کیا چاہتے ہیں' یہ تو انہوں نے کبھی پوچھا ہی نہیں۔ بس ہر بات میں اپنا فیصلہ مسلط کر دیا' جب دل چاہا بے عزت کر کے رکھ دیا' دس باتیں کہہ لیں۔ محبت تو اعتبار کا دوسرا نام ہے لیکن انہوں نے کبھی ہم پر اعتبار نہیں کیا۔ خوشبو لگائی تو انہیں شک ہوا کہ کوئی خاص مقصد ہے۔ ذرا خوش ہوئے ہنس دیے تو وہم ہونے لگا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے' چکر ہے۔ جب آپ کسی پر اعتبار کرتے ہیں اسفر بھائی تو اعتبار کی خاطر بندہ سولی پر بھی ہنسی خوشی چڑھ جاتا ہے۔"

وہ تھک کر چپ ہو گیا تو اسفر نے ہولے سے اس کے کندھے تھپکے۔

"جان برادر! تم تو خوب بولتے ہو میں تو سمجھ رہا تھا تمہیں بس شرارتیں کرنا ہی آتا ہے۔"

ان کا انداز ہلکا پھلکا تھا۔

"دیکھو میری جان!" اسفر نے جو اس کے قریب ہی بیٹھے تھے' اپنا وایاں بازو اس کی کمر میں حمائل کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔

"مانا یہ جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے کچھ ناوقت اور کچھ غلط طریقے سے ہو رہا ہے لیکن اس سے اس ایونٹ کا حسن ختم نہیں ہو جاتا۔ کسی بھی مرد یا عورت کی زندگی کا یہ ایک خوبصورت ترین ایونٹ ہوتا ہے۔ اس اہم خوبصورت ایونٹ کو اس طرح ناراض ہو کر منہ بسور کر' خفا ہو کر تو مت قبول کرو یار! دیکھو یہ لمحہ پھر دوبارہ تمہاری زندگی میں نہیں آئے گا۔ کچھ بے وقت ضرور ہے لیکن انجوائے کرو' اس خوبصورتی کو محسوس کرو۔"

وہ ہولے ہولے اسے سمجھا رہے تھے۔ ان کے لہجے اور لفظوں میں کچھ ایسا تھا کہ مبشر نہ صرف یہ کہ پوری توجہ سے ان کی بات سن رہا تھا بلکہ اس کے دل پر چھایا غبار بھی کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔

اسفر کی باتوں سے اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تو عذرا بیگم نے دل میں بے حد اطمینان سا محسوس کیا۔

اسفر بات کر رہے تھے تو خود بھی انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ اس طرح بول سکتے ہیں اور قائل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ تو بچپن سے بہت کم گو تھے بہت کم بولتے تھے۔ علینہ کتنا گلہ کرتی تھی ان کے کم بولنے کا اور شاید یہ علینہ کی محبت ہی تھی جس نے انہیں گویائی عطا کی تھی اور انہیں اتنے ڈھیروں لفظوں سے مالا مال کر دیا تھا۔

مبشر کے دل کی کیفیت میں تبدیلی آ رہی تھی' اندر کہیں ہلچل سی ہوئی تھی۔ ایک لڑکی' ایک خوبصورت لڑکی صرف چند دن بعد صرف چند ماہ بعد وہ اس کے ساتھ اس کے کمرے کو شیئر کرنے آ جائے گی۔ تصور میں اس نے ایک نرم و گداز اور خوبصورت لڑکی کی قربت محسوس کی۔ اس کے کان کی لویں سرخ ہو گئیں' چہرہ تپ سا گیا اور ایک شرمگیں سا احساس سارے وجود پر چھا گیا۔ دل میں گدگدی سی ہونے لگی۔

"غزالہ..." اس نے زیرِ لب کہا۔ "یہی نام بتایا تھا آنی نے' غزالہ..." اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔

عذرا بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم دونوں باتیں کرو میں تیار ہو جاؤں۔ تمہارے ابا جان ابھی گاڑی بھیج دیں گے۔"

اسفر نے سر ہلا دیا اور پھر مبشر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"شکر ہے اللہ کا اسفر ہے یہاں۔ کیسے سمجھا رہا تھا' کتنی محبت سے اور احترام سے بات کرتا ہے۔ بہن بھائیوں سے۔ حالانکہ سب سے دور رہا ہے پھر بھی کتنی محبت کرتا ہے سب سے۔ اللہ اسے زندگی دے۔"

عذرا بیگم ذرا سی دیر باہر برآمدے میں رکیں۔ "یہ تو بتایا ہی نہیں میاں جی نے کہ کتنے وزن کا اور کیسا سیٹ ہو' چوڑیاں کیسی ہوں؟ اقصم کو ساتھ لے جاؤں لیکن نہیں مبشر کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے گو بخار نہیں ہے پھر بھی۔ ہمو تو سو رہی ہے۔ حمنہ......"

انہیں ایک دم حمنہ کا خیال آیا۔ "اسے ساتھ لے لیتی ہوں' اس کی پسند اچھی ہے۔ بہت سمجھ دار ہے۔ فون کرتی ہوں تیار رہے یا پھر چاند میاں کی دکان پر آ جائے۔ میاں صلاح الدین سب زیور انہیں سے بنوایا کرتے تھے۔ دکان کا سمجھا دیتی ہوں۔ وہ ہو گی تو دونوں مل کر کوئی سیٹ پسند کر لیں گے۔ یہ ٹھیک ہے۔"

انہوں نے خود سے کہا اور فون اسٹینڈ کی طرف بڑھتے بڑھتے انہیں یکدم وہ دن یاد آ گئے جب وہ اور حمنہ کراچی میں طارق روڈ کے چکر لگاتے تھے اور حمنہ ہمیشہ کہتی تھی۔ "عذرا کی پسند بہت اچھی ہے۔ اس کی چوائس' اس کی میچنگ سب سے اچھی ہوتی ہے۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

ان دنوں وہ کتنی پر اعتماد ہوا کرتی تھیں۔ طیبہ تو خیر ہر بات پوچھتی تھی حمنہ بھی ان سے مشورے لیا کرتی۔ کبھی کبھی تو وہ لاہور سے فون کرتی۔

"یار! کل ہمارے کالج میں فلاں فنکشن ہے۔ جلدی بتاؤ کون سا ڈریس پہنوں۔"

وہ فنکشن کی تفصیل بتاتی۔

اور اب جیسے انہیں اپنے اوپر ذرا اعتماد نہیں رہا تھا۔ ہر بات کے لیے وہ میاں صلاح الدین کی طرف دیکھتیں۔ وہ کم عمر تھیں' ابھی انہوں نے ایف اے ہی کیا تھا کہ ان کی شادی ہو گئی۔ انہوں نے والدین کی مرضی پر سر جھکا دیا تھا لیکن وہ زندگی میں پچھتائی کبھی نہیں تھیں۔

انہیں میاں صلاح الدین کی کئی باتوں سے اختلاف ہوتا تھا لیکن انہوں نے بحث کبھی نہیں کی تھی۔ اماں جی بھی افسردہ ہوتیں' افسوس کرتیں کہ شاید انجانے میں بھائی کی محبت میں انہوں نے ان کے ساتھ زیادتی کر دی ہے تو وہ انہیں سمجھاتیں۔

"کیا پتا کسی اور جگہ میری شادی ہوتی تو حالات کیسے ہوتے اس سے بھی برے۔"
مگر اب زندگی میں پہلی بار اتنے برسوں بعد جب بچے جوان ہو رہے تھے' انہیں پچھتاوے کا سا احساس ہو رہا تھا۔

یہ کیسی زندگی گزار دی میں نے اس شخص کے ساتھ۔ سمن کی خودکشی کی کوشش' مبشر کے نکاح کا فیصلہ انہیں اندر سے توڑ رہا تھا۔ کتنے اچھے دن تھے' جب وہ کراچی میں اپنے ماں باپ کے گھر تھیں' کتنی ڈھیر خوشیاں تھیں۔ حمنہ اور ان کی باتیں ہی ختم نہ ہوتی تھیں اور اگر کبھی طیبہ آجاتی پھر تو مزے ہی ہو جاتے۔

طارق روڈ کے چکر لگ رہے ہیں' آئس کریم کھانے جا رہے ہیں' سمندر پر جایا جا رہا ہے۔
کیسی خوبصورت زندگی تھی' وہ کتنا ہنستی تھیں تینوں' یوں ہی بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر۔ فیشن میگزین دیکھ دیکھ کر کپڑے ڈیزائن کیے جاتے۔ پسندیدہ موویز منگوا کر دیکھی جاتیں۔

"تم سمندر دیکھ دیکھ کر بور نہیں ہوتی ہو۔" طیبہ کے آنے پر جب بھی سمندر پر جانے کا پروگرام بنتا افضال ضرور کہتا۔

"نہیں۔۔۔ سمندر ہر بار نئے رنگ میں نظر آتا ہے ہمیں" اور وہ نظم جو انہوں نے سمندر پر لکھی تھی' حمنہ کو کتنی پسند آئی تھی اور اس نے لاہور میں اپنی سب سہیلیوں کو سنائی تھی اور وہ کتنے فخر سے کہتی تھی۔
"یہ میری بہن لفظوں کی بادشاہ ہے۔ ایسی ایسی نظمیں کہتی ہے کہ میں حیران رہ جاتی ہوں۔"
اور اب تو میاں صلاح الدین کے سامنے ایک جملہ بولتے ہوئے بھی گھبرا جاتی تھیں۔ آج پتا نہیں کیوں گزرا ہر پل یاد آ رہا تھا۔ اتنی شدت سے اور وہ نظم۔

وہ فون اسٹینڈ کے پاس ہی پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ وہ نظم کیا تھی' ہاں سمندر۔۔۔

سمندر دور تک پھیلی ہوئی اک نیلگوں وسعت
سمندر زندگی ہے
زندگی کا استعارا ہے
ہواؤں کو نمی دیتا

سمندر
ساحلوں کا لمس پیتا
ہزاروں سینکڑوں لعل و گہر
موتی' صدف پارے
بچھاتا ساحلوں کی ریت پر
اپنے خزانوں کو لٹاتا
لکھ داتا

سمندر استعارہ ہے سخاوت کا۔

بیٹھے بیٹھے انہوں نے کئی مصرعے دہرا ڈالے اور پھر ہولے سے سر جھٹکا اور زیر لب بولیں۔
"یہ میں بھی کن باتوں میں کھو گئی ہوں۔ مجھے تو حمنہ کو فون کرنا تھا۔ اس روز حمنہ نے نمبر دیا تو تھا۔ انعم سے کہا تھا یہاں ہی ڈائری پر لکھ دو۔" انہوں نے ڈائری اٹھائی' پہلے ہی صفحہ پر مار کر سے لکھا تھا حمنہ خالہ۔
انہوں نے ریسیور اٹھایا اور حمنہ کا نمبر ملانے لگیں۔

***

"شارو۔"
سیدہ اسما شاہ کے سامان کو ہاسٹل میں اور خود اسے کالج چھوڑ کر جب وہ گاڑی میں بیٹھے تو زینت فاطمہ نے انہیں پکارا۔

ان کی آواز میں لرزش تھی۔
"بیٹا شاپنگ بعد میں کر لیں گے' پہلے قامی کی طرف چلو۔"
شاہ رخ نے مڑ کر ایک تسلی بھری نظر ان پر ڈالی۔ وہ ان کا اضطراب سمجھ رہے تھے بلکہ حویلی سے لے کر اب تک انہوں نے ان کی بے چینی و اضطراب کو ہر ہر پل محسوس کیا تھا۔
پچیس سال کوئی کم عرصہ نہیں ہوتا۔ ان کے دل پر جو گزر رہی تھی' وہ سمجھتے بھی تھے اور محسوس بھی کر رہے تھے لیکن فاصلوں کو پاٹنا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ ان کے بس میں ہوتا تو وہ گھنٹوں کا فاصلہ لمحوں میں طے کر لیتے۔ وہ صبح چار بجے حویلی سے روانہ ہوئے تھے اور سات بجے کے قریب لاہور پہنچے تھے۔ آج سے چند سال پہلے تو چھ سات گھنٹے لگ جاتے تھے لاہور پہنچنے میں۔ حویلی سے امن آباد تک زیادہ سڑک کچی تھی اور پھر وہاں سے آگے لاہور تک بھی سڑک اتنی اچھی نہ تھی اور اب تو حویلی سے امن آباد تک بھی سڑک پکی ہو گئی تھی اور انہوں نے رفتار بھی معمول سے زیادہ رکھی تھی پھر بھی تین گھنٹے لگ گئے تھے۔ ناشتے کے بعد وہ شاہ میر کے ساتھ گئے تھے۔

گورنمنٹ کالج لاہور ان کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ انہوں نے خود یہاں سے ایف ایس سی کیا تھا۔ کئی جانے پہچانے چہرے نظر آئے تھے۔ سو کچھ زیادہ مسئلہ نہیں ہوا تھا۔ ہاسٹل میں کمرا الاٹ ہو چکا تھا۔ کالج سے فارغ ہو کر وہ سیدھے ہاسٹل آئے تھے۔ جو کمرا شاہ میر کو ملا تھا' اس میں دو لڑکے پہلے سے آچکے تھے اور فول بننے کے خوف سے کمرے میں چھپے بیٹھے تھے۔ بہرحال دونوں لڑکے انہیں اچھے لگے تھے' فیملی بیک گراؤنڈ بھی اچھا تھا۔
شاہ جی نے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ ان کی فیملی کے متعلق اچھی طرح معلوم کر کے آنا۔ سو انہوں نے ساری معلومات لے لی تھیں۔
"آج آرام کر لو' کل سے کالج چلے جانا۔ کوئی بھی مسئلہ ہو سر رشید سے بات کرنا۔" انہوں نے تاکید کی۔
سر رشید انگلش کے پروفیسر تھے۔ انہوں نے شاہ میر کو ان سے متعارف کروا دیا تھا۔ سر رشید کے چھوٹے بھائی ان کے کلاس فیلو تھے' سو ان سے کالج چھوڑنے کے بعد بھی ملاقات رہتی تھی۔
"تم شاہ میر کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ شاہ رخ! میں ہر طرح سے اس کا خیال رکھوں گا۔"
شاہ میر کو چھوڑ کر وہ اسماء کے کالج آئے تھے۔ پرنسپل نے اسماء سے چند ایک سوال کیے' گو ایڈمیشن ہو چکا تھا۔ ہاسپٹل میں بھی اور کالج میں بھی پرنسپل صاحبہ نے چند ایک سوال پوچھے تھے۔
"روم نمبر آپ کو مسز بخاری سے مل جائے گا' وہ وارڈن ہیں ہاسٹل کی۔"
وہ اسماء کے ساتھ پرنسپل کے آفس سے نکلے۔ زینت فاطمہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔
"میرا خیال ہے اب ہاسٹل میں چلیں۔"
انہوں نے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا جو اپنے آپ میں گم تھیں۔
"ہاں چلیں۔"
اور پھر زینت فاطمہ سیدہ اسماء کے ساتھ ہی ہاسٹل گئی تھیں۔ کمرہ دیکھا تھا' ابھی اس میں صرف ایک لڑکی آئی تھی۔
"اچھی خاندانی لڑکی ہے۔"
واپس آکر انہوں نے بتایا۔
"لیکن کہہ رہی تھی کہ ایک لڑکی اور آئے گی۔ بہت چھوٹا کمرا ہے۔"
"ہوسٹل میں تو ایسا ہی ہوتا ہے پھپھو جی۔"
شاہ رخ مسکرایا تھا۔
"بڑے کمروں میں تو آٹھ آٹھ لڑکیاں ہیں۔" اسماء شاہ نے بتایا۔
"ہاں کیونکہ سنگل روم کے لیے شاہ جی نے کسی سے کہا تھا تب تمہیں یہ کمرہ ملا ہے۔"

”لیکن وارڈن تو کہہ رہی تھیں ایک لڑکی سے کہ میرٹ کی بنا پر الاٹ منٹ ہوتی ہے۔“

”سب کہنے کی باتیں ہیں ڈیر سسٹر! یہاں ہر جگہ ہر محکمے میں جی بھر کے بے انصافی ہوتی ہے۔“

اسماء شاہ پہلی بار گھر سے جدا ہوئی تھی۔ سو بے حد گھبرائی ہوئی سی تھی۔ زینت فاطمہ سے ملتے ہوئے آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

”گھبراؤ نہیں امی! میں آتا رہوں گا وزیٹرڈے پر اور ابھی تو ہفتے بھر بعد تمہیں لے کر ہی جانا ہے اور پھر فون ہے تمہارے پاس، روز بات ہو جائے گی۔“ شاہ رخ اسے تسلی دے کر آ گئے تھے۔

”کتنی دور ہے اس کا گھر۔“

”بس پھپھو! کچھ زیادہ نہیں۔“

”اچھی طرح سمجھ لیا تھا نا راستہ۔“

”جی پھپھو!“

تب ہی ان کے سیل فون پر سید قائم علی شاہ کا نمبر جگمگایا۔

”ادھر بھی اتنی ہی بے چینی ہے۔“

انہوں نے مسکرا کر زینت فاطمہ کو دکھا۔

”السلام علیکم چاچو!“

”کب پہنچ رہے ہو شاہ رخ؟ انتظار کر کے تھک گیا ہوں۔“

”بس چاچو! اب ادھر ہی آ رہا ہوں۔“

”کہو تو ”گورے“ کے پاس آ جاؤں۔“

”نہیں۔ ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے۔ گورے سے دائیں طرف مڑتا ہے نا۔ اور نمبر 112H ہے۔“

”ہاں ہاں۔“

”او کے۔“

شاہ رخ نے فون آف کر کے گاڑی آگے بڑھائی۔

”قامی تھا نا۔“

زینت فاطمہ نے یقین دہانی چاہی۔

”جی، وہی تھے۔“

شاہ رخ سامنے سڑک پر دیکھ رہے تھے۔ وہ لمحہ کیسا ہو گا جب اتنے سالوں بعد بہن بھائی ملیں گے۔ وہ کیفیات کیسی ہوں گی۔ زینت فاطمہ کے جو احساسات اور کیفیات تھیں، خود ان کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

پچیس منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ایک بڑے سے براؤن گیٹ کے سامنے تھے۔ انہوں نے مڑ کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا جو گم صم سی بیٹھی تھیں اور ہارن بجایا۔

گیٹ فوراً ہی کھل گیا تھا۔ وہ گاڑی اندر لے گئے اور گاڑی سے اتر کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

”صاحب اندر ہیں لاؤنج میں۔“

چوکیدار نے مودب انداز میں بتایا۔ ان کا خیال تھا جس طرح سید قائم علی شاہ بیتاب تھے اور بار بار فون کر رہے تھے، وہ گیٹ کے آس پاس ہی کہیں ہوں گے لیکن انہوں نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھولا اور زینت فاطمہ کو سہارا دیا۔ ان کے پورے وجود پر ہلکی ہلکی کپکپی طاری تھی۔

”پھپھو ریلیکس۔“

انہوں نے ہولے سے زینت فاطمہ کا ہاتھ دبایا اور ان کا ہاتھ تھامے تھامے پورچ کی سیڑھیاں طے کر کے لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔

دروازہ لاک نہیں تھا، سامنے ہی سید قائم شاہ بیٹھے تھے، انہیں دیکھ کر یکدم کھڑے ہوئے۔ زینت فاطمہ بیتابی سے آگے بڑھیں۔

”قامی۔“

اور پھر جیسے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ سید قائم علی شاہ کا ہاتھ جو ان کے سر کی طرف اٹھا تھا، نیچے گر گیا تھا اور انہوں نے یکدم زینت فاطمہ کو اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

”چھوٹی آپا۔“

ان کے لبوں سے نکلا۔

”بہت تڑپا ہوں آپ لوگوں کے لیے، بہت یاد کیا ہے سب کو میں نے۔“ زینت فاطمہ ان سے لگی رو رہی تھیں۔

گھر کا ماحول ایسا تھا کہ کبھی بھائیوں سے شیک ہینڈ بھی نہیں کیا تھا۔ بس بھائی سر پر ہاتھ رکھ دیتے تھے۔ قائم علی شاہ گو چھوٹے تھے پھر بھی جب زنانے میں آتے تو بڑے بھائیوں کی طرح سر پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ اب وہ ان سے لپٹی کھڑی تھیں۔ کبھی ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگاتیں، چومتیں کبھی بازو کو ہاتھوں میں بھینچ لیتیں۔

شاہ رخ ساکت کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

”بہت رویا ہوں میں۔ سب سے بچھڑ کر کبھی خوش نہیں ہو سکا۔“

بہت دیر بعد شاہ رخ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”ناؤ ریلیکس، پلیز چاچو!“

”ہاں ہاں، چھوٹی آپا بیٹھیں، بیٹھیں ادھر۔“ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے انہوں نے زینت فاطمہ کو بازو سے پکڑ کر صوفے پر بٹھایا اور پھر شاہ رخ سے گلے ملے۔

”سوری یار۔“

”اٹس او کے چاچو!“

شاہ رخ مسکرائے۔

”کل رات سے..... جانتے ہو شاہ رخ کل رات سے میں سویا نہیں۔ جب سے شجاع نے بتایا کہ زینی پھپھو آ رہی ہیں شاہ رخ کے ساتھ، تب سے ایک ایک لمحہ صدی بن کر گزرا ہے۔ لفظوں میں ان لمحات کا کرب سمویا نہیں جا سکتا۔ بس یوں سمجھو جیسے جان کنی کا عالم ہو اور دل خوش بھی ہو کہ محبوب سے وصل نصیب ہونے والا ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے جب تم نے بتایا کہ تم میرے گھر کی طرف ہی آ رہے ہو تو میں نے کتنے ہی چکر لاؤنج سے گیٹ تک لگائے پھر وہاں پورچ میں ہی کھڑا ہو گیا۔ پتا نہیں کتنی ہی دیر گزر گئی۔ مجھے لگا جیسے میں گر جاؤں گا۔ میری ٹانگوں میں سے جیسے سکت ختم ہو گئی تھی پھر میں اندر آ گیا۔ یہ وقت کیسے گزرا شاہ رخ کیسے.....“

وہ ہولے ہولے بول رہے تھے اور زینت فاطمہ ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

پچیس سال یا شاید کچھ زیادہ یا کم..... وہ قائم علی شاہ جو اس روز حویلی سے رخصت ہوئے تھے، ان کے گھنے بالوں والے سر پر کوئی بال بھی سفید نہ تھا اور اب کنپٹی کے پاس سے بال سفید ہو رہے تھے۔ اس قائم علی شاہ کی آنکھوں میں مستقبل کی امیدیں تھیں۔ خوابوں کی جگمگاہٹ تھی اور اس قائم علی شاہ کی آنکھوں میں مسافتوں کی تھکن تھی، اپنوں سے دوری کا دکھ تھا۔

”حمنہ کہاں ہے؟“

کچھ دیر بعد زینت فاطمہ نے پوچھا۔

”حمنہ اور شاہرم کراچی گئے ہیں اپنے بھائی کے گھر۔ وہ یہاں ہوتی تو بہت خوش ہوتی اور وہ یہاں ہوتی تو انتظار کے ان تکلیف دہ لمحوں کی اذیت بھی بانٹ لیتی۔“ زینت فاطمہ کو افسوس ہوا۔

”وہ جب بھی آئے گی‘ آپ کی آمد کا سنے گی تو اسے بھی بہت دکھ ہوگا لیکن۔۔۔“

ملازم لڑکا جوس لے آیا تھا۔

وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوگئے اور پھر جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے انہوں نے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

”میں نے سوچ لیا ہے کہ میں حویلی آؤں گا‘ شاہ جی سے معافی مانگ لوں گا۔ اتنے عرصہ کی دوری نے ان کا دل ضرور نرم کردیا ہوگا۔ میں اب سب سے دور نہیں رہ سکتا۔ زینی آپا! ملک سے باہر تھا تو اور بات تھی‘ ملک میں رہ کر سب سے دور اور الگ رہنا بہت مشکل ہے۔ حمنہ آجائے تو ہم آئیں گے حویلی۔“

”نہیں قامی! نہیں۔“

ان کو خاموشی سے سنتی زینت فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

”کیوں‘ کیوں نہیں۔“

وہ جیسے مچل کر بولے۔

”بہت جدائیاں سہہ لی ہیں‘ اب تو سزا ختم ہوجائے۔ عمر قید کے مجرم کی سزا بھی اتنی لمبی نہیں ہوتی۔“

”تم نہیں جانتے قامی! یہ زمین‘ جائیداد یہ۔۔۔“

زینت فاطمہ کی آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر گئیں۔

”لیکن مجھے زمین‘ جائیداد کسی چیز کا لالچ نہیں ہے زینی!“ انہوں نے تڑپ کر کہا۔

”مجھے صرف اپنوں سے ملنا ہے‘ کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ اللہ نے مجھے بہت کچھ دیا ہے‘ کوئی کمی نہیں ہے۔ یہ گھر ابھی عارضی طور پر لیا ہے میں نے۔ ڈیفنس میں ایک گھر پسند کیا ہے میں نے۔ شجاع آئے تو لے لیں گے‘ حمنہ کو بھی پسند ہے اور یہ گھر بھی ایک کنال کا ہے۔ یہاں آتے ہی ایک پرائیویٹ ہاسپٹل میں ہم دونوں کو بہت اچھی جاب بھی آفر ہوئی ہے۔ بخدا ہمیں کوئی لالچ نہیں ہے۔“

”مجھے علم ہے‘ مجھے پتا ہے تمہارا قامی! لیکن۔۔۔“

زینت فاطمہ کچھ کہتے کہتے چپ ہوگئیں۔ شاہ رخ جو ان کے رد عمل پر کچھ حیران سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہیں خاموش ہوتے دیکھ کر چونکے اور سید قائم علی شاہ کو مخاطب کیا۔

”پھپھو صحیح کہہ رہی ہیں چاچو! ابھی اتنی جلدی مت کریں۔ میں پہلے شاہ جی سے بات کروں گا پھر آہستہ آہستہ ان کا دل نرم کروں گا۔“

شجاع کے سلسلے میں ان کا اور بی بی جان کا رد عمل‘ ان کی تنبیہہ شاہ رخ کو یاد آگئی تھی۔

”لیکن کب تک‘ کب تک اور انتظار کروں شارو؟“

انہوں نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تو شاہ رخ نے اپنے اندر ایک گہرے درد کو اترتے اور پھیلتے محسوس کیا۔ چاچو نہیں جانتے کہ سید شجاع کو زخمی کرنے والے کون تھے اور یہ جان لینے کے باوجود کہ وہ سید قائم علی شاہ کا بیٹا ہے انہیں اس پر ندامت نہیں ہوئی تھی‘ رتی بھر بھی نہیں کہ وہ انجانے میں اپنے ہی بھائی کے بیٹے کو تکلیف پہنچا چکے تھے۔

”نہیں پھوٹی آپا نہیں۔“ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”سید مقیم علی شاہ اتنے ظالم نہیں ہوسکتے کہ اپنے ہی بھائی کو کوئی نقصان پہنچائیں۔ تم دونوں غلط سوچ رہے ہو‘ بہت غلط۔“

”پتا نہیں انہوں نے غلط سوچا تھا یا صحیح لیکن زینت فاطمہ کی آنکھوں کے سامنے عباس مرزا آگیا تھا۔ حویلی کے صحن میں خون میں لت پت چارپائی پر پڑا جس کے پاؤں چارپائی سے نیچے لٹک رہے تھے اور جس کی جوانی پر حویلی کے ملازمین بھی آنسو بہا رہے تھے لیکن وہ سید مقیم علی شاہ کا کچھ نہیں تھا اور سید قائم علی شاہ تو سگے بھائی تھے‘ کچھ تو فرق ہوگا نا۔

زینت فاطمہ کا جی چاہا وہ ان کی تائید کردیں۔ ہاں وہ غلط سوچ رہی ہیں‘ سید قائم علی شاہ عباس مرزا نہیں ہیں۔ رگوں میں دوڑنے والا خون ایک ہے‘ دونوں نے ایک ماں کا دودھ پیا ہے پھر بے چین و مضطرب سے قائم علی شاہ کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا وہ شاہ رخ سے کہیں وہ اپنے چاچو کو اپنے ساتھ ہی حویلی لے جائیں۔ برسوں کے بچھڑے مل جائیں لیکن پھر ان کے کانوں میں بین گونجنے لگے۔

عباس مرزا کی ماں بہنوں کے بین جو انہوں نے سنے نہیں تھے لیکن ان کے کانوں میں رونے کی آوازیں آتی تھیں۔ میرا کڑیل بیٹا ایسا سجیلا ایسا بانکا۔۔۔

انہوں نے ایک جھرجھری سی لی۔

”نہیں قامی! تم وہاں نہیں جاؤ گے۔ نہیں۔“

انہوں نے سختی سے کہا۔

شاہ رخ نے ایک گہری نظر ان پر ڈالی۔

”چاچو! پھپھو اگر ایسا کہہ رہی ہیں تو کسی وجہ سے ہی کہہ رہی ہوں گی۔“

شاہ رخ نے انہیں تسلی دی۔

”کبھی تو حالات سازگار ہوں گے ہی۔“

”ہاں شاید۔“

سید قائم علی شاہ نے سر جھٹکا اور ملازم کو آواز دے کر کھانا لگانے کا کہا اور پھر زینت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ڈھیروں باتیں تھیں کرنے اور سننے والی۔

کھانے کی ٹیبل یہاں سے وہاں تک بھری ہوئی تھی لیکن بھوک جیسے سب کی اڑ چکی تھی۔ کھانے کے دوران بھی باتیں ہوتی رہیں‘ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔

شاہ رخ کو ہی خیال آیا۔

”بہت دیر ہوگئی ہے پھپھو ابھی کچھ شاپنگ بھی کرنا ہے۔“

”آج رک جاؤ شارو ابھی تو جی بھر کر باتیں بھی نہیں کیں۔“

سید قائم علی شاہ نے کہا تو شاہ رخ مسکرائے۔

”نہیں شاہ جی نے کہا تھا رات کو واپس آنا ہے۔“

”میں مخدوم کو بھی ساتھ نہیں لایا تھا۔ حالانکہ شاہ جی نے بہت کہا تھا کہ دیر ہوجائے گی تو بہتر ہے کہ مخدوم حسین کو ساتھ ہی لے کر جاؤں لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ساتھ آئے۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ میں ڈرائیو کرلوں گا خود اس کی گھر میں بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ بی بی جان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ تب کہیں انہوں نے اکیلے آنے دیا لیکن تاکید کی تھی کہ ٹائم پر نکل آؤں۔“

”اچھا۔۔۔“ انہوں نے افسردگی سے کہا۔

”برسوں کی تشنگی لمحوں میں تو ختم نہیں ہوتی۔ جو پیاس سمندر مانگتی ہو وہ قطرے سے کہاں بجھتی ہے۔“

”اب تو ملاقات ہوتی رہے گی۔ سیدہ اسماء اور شاہ میر ہیں یہاں ان سے ملنے کے بہانے پھپھو کو بھی لاتا رہوں گا۔“

اور ان سے۔۔۔ ان سے نہیں ملواؤ گے۔“ انہوں نے پوچھا تو شاہ رخ نے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔ اور پھر جیسے ان کے چہرے پر پھیلے تاثرات سے جواب اخذ کیا۔

”ابھی نہیں۔ لیکن جلد ہی اسماء سے تو جلد ملواؤں گا۔ اور پھر ابھی تو شاہ زیب کی شادی ہے۔ کچھ دن مصروفیت رہے گی۔ شاہ میر اور اسماء بھی ہفتے تک حویلی واپس آجائیں گے۔“

سید قائم علی شاہ نے ایک گہری سانس لی۔ اور خاموشی سے کھڑے ہوگئے۔

زینت فاطمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"قامی اپنا خیال رکھنا حمنہ کو بہت پیار اور سلام کہنا شاہرم اور شجاع کو بھی۔"
انہوں نے سرہلاتے ہوئے جیب سے دس ہزار روپے نکالے۔
"یہ رکھ لیں بھائی کے گھر پہلی بار آئی ہیں۔"
"نہیں قامی۔۔۔"
"پلیز۔۔۔ بہنیں خالی ہاتھ نہیں جاتیں۔ حمنہ ہوتی تو پتا نہیں کیا کیا خرید لاتی۔ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ کیا لوں۔۔۔ اپنی پسند سے خرید لیں۔"
"رکھ لیں پھپھو۔"
شاہ رخ نے کہا۔
"لیکن میں کیا کروں گی ان کا۔"
"شاہ زیب کی شادی کے لیے شاندار سے کپڑے خریدیے گا۔"
شاہ رخ ہنسا۔
"لیکن وہ تو بی بی جان لے آئی تھیں۔"
"جو بھی کیجیے گا رکھ لیں۔ چاچو ڈاکٹر ہیں اور یہ تو ان کی آدھے دن کی کمائی ہے۔"
شاہ رخ نے خوشگوار انداز میں کہا وہ ماحول کی اداسی دور کرنا چاہتا تھا۔
زینت فاطمہ نے پیسے لے لیے اور آنکھوں میں آئے آنسو چھپاتے ہوئے تیزی سے رخ موڑ لیا۔
"میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں کیا خریدنا ہے۔"
سید قائم علی شاہ کو خیال آیا کہ کچھ وقت اور ساتھ گزار لیں۔
"بی بی جان نے لسٹ دی تھی کچھ چیزیں خریدنے کے لیے پھپھو کے پاس ہے۔"
شاہ رخ نے بتایا تو انہوں نے لسٹ لے کر دیکھی۔
"یہ سب چیزیں ایک ہی مارکیٹ سے مل جائیں گی۔"
وہ چوکیدار کو گیٹ بند کرنے کا کہہ کر شاہ رخ کے سامنے ہی گاڑی میں بیٹھ گئے۔
پھر شاپنگ کرنے میں بھی کچھ وقت لگ گیا ـــــــ جب انہوں نے سید قائم علی شاہ کو ان کے گھر کے گیٹ کے پاس ڈراپ کیا تو سات بج رہے تھے۔ اور حویلی پہنچتے پہنچتے ساڑھے دس ہو گئے تھے۔ لیکن شاہ جی ابھی تک مردانے میں تھے اور علاقے کے لوگ ان کے پاس آئے بیٹھے تھے۔ غالباً" الیکشن کے سلسلے میں ہی کوئی لائحہ عمل ترتیب دیا جا رہا تھا۔
زینت فاطمہ کو اندر پہنچا کر۔۔۔ وہ مردانے کی طرف بڑھے تاکہ شاہ جی کو اپنی آمد کا بتا دیں کہ نیم اندھیرے میں انہیں گیٹ کے چبوترے کے پاس شاہ بابا بیٹھے نظر آئے شاہ بابا اپنے کمرے سے اول تو نکلتے ہی نہیں تھے اور اگر نکلتے بھی تھے تو بس باہر نکل کر بیٹھ جاتے تھے۔
"السلام علیکم شاہ بابا۔"
وہ تیزی سے ان کے قریب پہنچے۔
"آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں ٹھیک تو ہیں۔"
"ہاں مجھے جانا ہے۔"
انہوں نے کھوئی کھوئی نظروں سے شاہ رخ کی طرف دیکھا۔
"کہاں جانا ہے' آپ کو شاہ بابا۔"
"پتا نہیں۔"
انہوں نے بے بسی سے کہا۔ "لیکن مجھے جانا ہے جلدی جانا ہے۔ سب پریشان ہوں گے۔"

"کون سب۔۔۔"
شاہ رخ نے متجسس نظروں سے انہیں دیکھا۔
"پتا نہیں۔"
ان کے چہرے پر الجھن تھی۔ وہ کچھ دیر شاہ رخ کو دیکھتے رہے' پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔
"مجھے جانے دو۔"
"لیکن اس وقت تو رات ہو رہی ہے شاہ بابا صبح چلے جایئے گا۔"
"تو صبح مجھے جانے دو گے نا۔۔۔"
"ہاں ہاں کیوں نہیں' آپ جہاں کہیں گے آپ کو لے جاؤں گا۔ ابھی چل کر آرام کیجیے۔"
"اچھا" انہوں نے سر ہلا دیا اور واپس اپنے کمرے کی طرف مڑ گئے۔ شاہ رخ وہیں کھڑے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

■■■ ■■■

"تمہارے گھر میں فون لگ گیا ہے ماہ نور تو اپنا نمبر لکھ دو۔" کاپیاں چیک کرتے کرتے اچانک ہی مسز مراد نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو ماہ نور جو Bio کی جماعت نہم کی کتاب کھولے جانے کس دھیان میں تھی چونکی۔
"ہاں فون تو لگ گیا ہے نمبر آپ کو دے دیتی ہوں۔"
"یہ تم نے اچھا کیا فون لگوا لیا۔۔۔ آج کل تو ہر گھر کی ضرورت ہے۔"
انہوں نے ریڈ بال پین کو یونہی کاپی میں رکھ کر کاپی بند کر دی۔ وہ دونوں اس وقت اسٹاف روم میں تھیں اتفاق سے دونوں کا فری پیریڈ ایک ہی تھا۔ مسز مراد کاپیاں چیک کر رہی تھیں جبکہ وہ اگلے پیریڈ کے لیے لیسن دیکھ رہی تھی اس کی عادت تھی کہ وہ رات میں ہی ہر کلاس کو پڑھانے والا سبق اچھی طرح دیکھ کر ضروری پوائنٹس نوٹ کر لیتی تھی لیکن رات بہت مصروفیت رہی تھی۔ حمنہ خالہ اور افضال ماموں سب کی دعوت تھی سو بستر پر لیٹے لیٹے ایک بج گیا تھا سب کے جانے کے بعد اس نے اور نرمل نے مل کر برتن وغیرہ دھو کر سمیٹے تھے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ صبح ان کے جانے کے بعد اماں پر سارا بوجھ پڑ جائے۔ حمنہ خالہ اس کی سوچ کے بالکل برعکس تھیں بالکل اماں ہی جیسی اماں نے بتایا تھا وہ اب بھی اتنی خوب صورت تھیں کہ سفید لباس میں آسمان سے اتری کوئی حور لگ رہی تھیں وہ مبہوت سی ہو کر انہیں دیکھے گئی تھی اور پھر کتنی جلدی وہ سب سے بے تکلف ہو گئی تھیں۔ کتنے سالوں بعد اس کے گھر میں سب لوگ یوں دل کھول کر ہنس رہے تھے حتیٰ کہ ابا اور دادی بھی۔ وہ اپنے چھوٹے بیٹے شاہرم کے ساتھ آئی تھیں اور شاہرم تو ان سے بھی دو ہاتھ آگے تھا۔ اس نے اتنے لطیفے سنائے تھے کہ وہ سب ہنستے ہنستے بے دم ہو گئے تھے۔
"آج کل تو یوں بھی بغیر سفارش کے کنکشن دے رہے ہیں۔ پی ٹی سی ایل والے۔"
مسز مراد نے گود میں رکھی کاپیاں ٹیبل پر رکھیں۔
"ہاں۔"
ماہ نور پھر چونکی۔
"رہا کہہ رہی تھی کہ فون لگوا لیا جائے پڑوس میں فون سننے جانا پڑتا تھا۔ کبھی وقت بے وقت کسی کا فون آ جاتا تو ہمسایوں کی تکلیف کے خیال سے بڑی ندامت ہوتی تھی۔"
"بہت اچھا کیا تم نے اس روز میرا بہت دل گھبرا رہا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کوئی ہو جس سے بات کروں تاکہ یہ بے چینی اور گھبراہٹ کم ہو جائے اس رات میں نے بے اختیار سوچا تھا کاش تمہارے گھر فون ہوتا۔"
"تو یہ جو اچانک ہمارے گھر فون لگ گیا ہے تو اس لیے کہ آپ نے ایسا سوچا اور وہ کوئی لمحہ شنید تھا کہ اللہ نے آپ کی دعا سن لی۔"
ماہ نور اب پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
"شاید۔"

مسز مراد کچھ اداس سی لگ رہی تھیں۔

"بھلا مسز مراد کو کیا پریشانی اور گھبراہٹ ہو سکتی ہے۔" ماہ نور نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے سوچا۔ قدرے گد جسم کی وہ اچھی خاصی خوش شکل خاتون تھیں۔ رنگت بے حد شفاف، آنکھیں بے انتہا خوبصورت ناک تھو سی چپٹی اسٹیپ میں کٹے براؤن بال، ڈیفنس میں خوبصورت گھر شاندار گاڑی کہیں کوئی کمی نظر نہیں آئی تھی ماہ کو۔

"بڑی عجیب سی بات ہے ماہ نور مجھے اس اسکول میں جاب کرتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں۔ لیکن کسی س میری انڈر اسٹینڈنگ نہیں ہو سکی پتا نہیں تم میں ایسا کیا ہے ماہ نور کہ تھوڑے ہی دنوں میں تم بہت اپنی اپنی لگنے لگی ہو۔ اس رات میں بہت بے چین ہوئی تو تمہارے متعلق سوچا حالانکہ تم عمر میں مجھ سے چھوٹی ہو بہت از کم چودہ پندرہ سال۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے مسز مراد دوستی میں عمروں کا تفاوت بے معنی ہوتا ہے۔"

اس نے پرس سے قلم نکال کر میز پر پڑی کاپی کا آدھا صفحہ پھاڑ کر فون نمبر لکھ کر انہیں دیا۔

"آپ مجھ سے ہر بات شیئر کر سکتی ہیں۔ نرمل کی مہربانی سے فون تو لگ ہی گیا ہے۔" وہ ذرا سا مسکرائی۔

اس روز خضر کیک کے ساتھ افضال ماموں کے لائے ہوئے گفٹ بھی لائے تھے۔ افضال ماموں جب بھی کہ باہر جاتے تھے سب کے لیے کچھ نہ کچھ گفٹ ضرور لاتے تھے۔ اس بار بھی سب کے لیے گفٹ لائے تھے نصیر خان کے لیے بہت خوب صورت موبائل تھا۔

"لیکن میں اسے کیا کروں گا بیٹا افضال نے بھی فضول پیسہ خرچ کیا اس پر۔"

"ابا ہم کنکشن لے لیتے ہیں۔ بچی کتنا پرابلم ہوتا ہے فون نہ ہونے پر۔"

نرمل ابا کا موبائل ہاتھ میں لیے بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"بچی ابا میں کتنے دنوں سے سوچ رہی تھی کہ ہم بھی فون لگوا لیں۔ اس روز میڈم زبیری نے پریکٹیکل کے روکا تو سب لڑکیوں نے گھر میں فون کر دیے کہ وہ لیٹ آئیں گی۔ میں نے بھی تین چار بار پڑوس میں فون کیا لیکن ادھر سے کوئی اٹھا ہی نہیں رہا تھا مجبوراً اماں اور دادی کے پریشان ہو جانے کے ڈر سے میڈم سے اجازت لے کر گھر آ گئی۔"

اس نے لمبی بات کی تھی نصیر احمد خان اس دوران خاموشی سے اسے دیکھتے رہے تھے۔

"ٹھیک ہے خضر بیٹا تم اس کا کنکشن لے لو۔"

انہوں نے موبائل سیٹ نرمل کے ہاتھ سے لے کر خضر کی طرف بڑھایا۔

"جی انکل میرا خیال ہے فون کے لیے ہی درخواست دے دیتا ہوں۔ آج کل یوں بھی آسانی سے کنکشن مل رہا ہے۔ یوں بھی منوں کو ضرورت پڑتی رہتی ہے انٹرنیٹ کونیکٹ کرنے کے لیے تو نیٹ کیفے جانا پڑتا ہے۔"

"تو پھر موبائل کا کنکشن مت لو۔"

نصیر احمد خان نے منع کیا لیکن خضر نے نہ صرف فون لگوایا تھا بلکہ موبائل کا کنکشن لے کر کارڈ ڈلوا کے نصیر احمد خان کو دے دیا تھا۔

"انکل آپ یہ اپنے پاس رکھیں اور اپنے دوستوں سے گپ لگایا کریں۔ بلکہ سب سے زیادہ تو پپا کو فائدہ ہو گا آپ کے اس فون سے جب جی چاہے گا آپ سے بات کر لیں گے۔"

"تم پھر اپنے ماموں کی طرف نہیں گئیں۔"

مسز مراد نے پوچھا تو وہ چونکی۔

"نہیں بس ایک بار گئے تھے سب خضر بھائی۔" وہ تھوڑا سا جھجکی اور پھر بات مکمل کی۔

"خضر بھائی لینے آئے تھے دراصل میری خالہ آئی ہوئی ہیں کینیڈا سے تو ہم سب ان سے ملنے گئے تھے۔"

"اچھا۔" مسز مراد آج کچھ سنجیدہ اور چپ چپ سی لگیں۔

"تمہاری سگی خالہ ہیں۔"

"نہیں اماں کی پھوپھو زاد بہن ہیں۔ سگی بہن تو اماں کی کوئی نہیں ہے۔"

"وہ وہاں سیٹل ہیں۔" مسز مراد نے پوچھا۔

"سیٹل تھے لیکن اب پاکستان آ گئے ہیں۔ حسنہ خالہ ڈاکٹر ہیں اور ان کے ہسبینڈ بھی ڈاکٹر ہیں۔ دو بیٹے ہیں ان کے اور ان کا خیال ہے کہ بہت باہر رہ لیے اب اپنے وطن کی مٹی کا حق ادا کرنا چاہیے۔" اس نے خود ہی تفصیل بتائی۔

"آپ کے ہسبینڈ بھی تو باہر ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"آپ کیوں نہیں گئیں ان کے ساتھ۔"

"میں کیوں نہیں گئی۔" مسز مراد نے اپنی طرف اشارا کیا۔

"وہ مجھے لے کر ہی نہیں گئے۔" وہ عجیب طرح سے ہنسیں۔

"جب سب ضرورتیں یوں ہی پوری ہو جاتی ہوں تو بیوی کا دم چھلا ساتھ لگانے کی کیا ضرورت ہے پندرہ سال ہو گئے ہیں میری شادی کو تب میری عمر بیس سال تھی میں نے بی اے کیا تھا مزید پڑھنے کا ارادہ نہیں تھا والدین نے شادی کروا دی۔ مراد دور پار کے رشتہ دار تھے۔ شادی کے صرف تین ماہ بعد وہ امریکہ چلے گئے۔ میں نے بہت روکا لیکن وہ نہیں مانے۔ بہت سارے وعدے کر کے مجھے جلد بلانے کا کہہ کر گئے پہلے چند سال تو گرین کارڈ کے چکر میں گزر گئے پھر یونہی ٹالتے رہے۔ ابھی جاب اچھی نہیں کچھ پیسے اکٹھے کر لوں۔ اچھا سا گھر لے لوں۔ ہم پہلے بھی کسی بڑے گھر میں نہیں رہتے تھے سمن آباد میں ایک کنال کی کوٹھی تھی جو مراد کے والد نے بنوائی تھی اور گھر میں صرف میں اور مراد کی والدہ تھیں۔ وہ سات سال بعد آئے اور صرف ایک ماہ رہ کر واپس چلے گئے۔"

"بہت جلد تمہیں اور اماں کو بلا لوں گا۔ اب سیٹ ہو گیا ہوں۔" جاتے ہوئے انہوں نے کہا۔ لیکن ماہ نور جانتی ہو وہ پانچ سال بعد آیا وہ بھی اماں کی بیماری کا سن کر اور پھر اماں کو دفنا کر سمن آباد کا گھر بیچ کر یہاں ڈیفنس میں گھر لے دیا۔ وہاں تو دل لگ جاتا تھا لیکن یہاں تو دم گھٹتا ہے میرا اکیلے گھر میں۔"

"آپ بالکل اکیلی رہتی ہیں۔" ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"ملازم ہیں چوکیدار ہے۔ ایک لڑکی ہے کام والی۔ لیکن ان سے اکیلا پن تو دور نہیں ہوتا۔ اسی لیے میں نے مراد کی والدہ کی وفات کے بعد جاب کر لی ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بس وقت کاٹنے کے لیے جاب لی ہے میں نے ورنہ تو دم گھٹ جائے میرا اب تو مراد کو مجھے بلا لینا چاہیے تھا لیکن نہیں بلایا۔ میں نے کہا تھا بہت ساتھ لے جائے میں ماں جی کے بعد اکیلی کیسے رہوں گی لیکن تین سال ہو گئے ہیں اسے گئے ہوئے کبھی بلانے کا نہیں کہا۔"

"کیا کبھی فون وغیرہ بھی نہیں کیا۔"

ماہ نور نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"کرتا ہے مہینے میں ایک دو بار پیسے بھی باقاعدگی سے بھیجتا ہے لیکن یہ سب اس کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے نا۔"

مسز مراد کی آواز بھرا گئی تو ماہ نور نے ان کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"ہو سکتا ہے ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہو۔ آپ انہیں کہتی رہیں اپنی تنہائی کا احساس دلاتی رہیں۔"

"تمہارا کیا خیال ہے ماہ نور کہ میں نہیں کہتی جب بھی فون آتا ہے یہی ایک بات تو کہتی ہوں۔ لیکن ہر بار وہ یہی کہتا ہے کہ کوشش کر رہا ہوں آسان نہیں ہے بلانا۔"

انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو پونچھا جن میں نمی پھیلتی جا رہی تھی۔

"میں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا۔"

اپنی طرف دکھ اور افسوس سے دیکھتی ماہ نور کو دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

"نہیں تو مسز مراد آپ نے اچھا کیا کسی سے دل کی بات کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ کسی دن آیئے ہمارے گھر اماں اور دادی سے ملواؤں گی۔"

"ہاں ضرور۔" مسز مراد نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

"تم بھی جب آؤ اپنے ماموں کے گھر تو میری طرف ضرور آنا۔"

"جی آؤں گی۔"

ماہ نور کو مسز مراد کی تنہائی اور اکیلے پن پر دکھ ہوا تھا بظاہر مسز مراد کتنی خوش لگا کرتی تھیں۔ دوسری کولیگز تو ان پر رشک کرتی تھیں کہ کتنی خوش قسمت ہیں میاں ڈالر پہ ڈالر بھیجے جاتے ہیں۔ عیش کر رہی ہیں۔"

"کبھی کبھی سوچتی ہوں کوئی بچہ ہی ہو جاتا تو دل بہل جاتا۔" مسز مراد نے پھر کاپی کھول لی تھی اور غلطیوں کو انڈر لائن کر رہی تھیں۔

"آپ کے والدین بھائی بہن۔"

ماہ نور کو اچانک ہی خیال آیا تھا۔

"بہن کوئی نہیں دو بھائی ہیں۔ والدہ کا میری شادی کے چند سال بعد انتقال ہو گیا تھا۔ والد کا دو سال قبل انتقال ہوا وہ جب تک زندہ رہے چکر لگاتے رہتے تھے۔ لیکن مہینہ بھر سے زیادہ نہیں رہ پاتے تھے پوتے پوتیوں کے لیے اداس ہو جاتے تھے اور اب تو وہ بھی نہیں رہے۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"بھائی دونوں ملتان میں ہی ہیں بس کبھی کبھار سال میں دو تین بار فون پر بات ہو جاتی ہے۔ بھائی کسی کام سے لاہور آئیں تو ملنے ضرور آجاتے ہیں۔ چھٹی میں ایک دو دن کے لیے میں بھی چکر لگا لیتی ہوں بس۔"

"مسز مراد آپ نماز پڑھ کر دعا کیا کریں۔ انشاءاللہ اللہ ضرور آپ کی سنے گا۔"

مسز مراد افسردگی سے مسکرا دیں اور دوسری کاپی چیک کرنے لگیں تب ہی پیون نے اندر جھانکا۔

"مسز خان آپ کو سر بلا رہے ہیں۔"

"کیوں۔"

ماہ نور گھبرا گئی۔

"پتا نہیں جی۔"

پیون جواب دے کر چلا گیا تو اس نے مسز مراد کی طرف دیکھا۔

"جاؤ شاید کسی بچے کے متعلق بات کرنا ہو۔ پرائیویٹ اسکولوں میں تو اکثر والدین آتے رہتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی مسئلہ لے کر۔"

"تو۔۔۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے مسز مراد کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں جو بات ہوئی اسی حساب سے بات کر لینا۔"

مسز مراد نے تسلی دی تو وہ ڈرتے ڈرتے ذاکر صاحب کے آفس میں آئی آتے ہی اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ آفس میں اور کوئی نہیں تھا۔ دل ہی دل میں کچھ اطمینان محسوس کرتے ہوئے اس نے ذاکر صاحب کی طرف دیکھا۔

"جی سر آپ نے مجھے بلایا ہے۔"

"بیٹھیے مس خان۔"

انہوں نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔ ماہ نور بیٹھ گئی۔

"اور کیسی ہیں آپ۔"

"جی سر ٹھیک ہوں۔"

"کوئی پرابلم تو نہیں۔"

"نو سر۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کے گھر میں سب لوگ کیسے ہیں خصوصاً" آپ کے والد۔"

"جی اچھے ہیں سب۔"

ماہ نور کو حیرت ہو رہی تھی کہ کیا انہوں نے یہ سب پوچھنے کے لیے بلایا تھا۔

"اور وہ۔۔۔ کیا نام ہے ان کا وہ آپ کے کزن۔" انہوں نے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھا "خضر صاحب ان کا کیا حال ہے؟"

"جی وہ بھی اچھے ہیں۔"

ماہ نور کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا تھا۔ چند دنوں میں زندگی کا رنگ بدل گیا تھا سوچ بدل گئی تھی۔ یہ کیسی آگاہی دی تھی خضر نے کہ دل کے اندر یہاں وہاں ہر جگہ چراغاں ہو گیا تھا۔ کب دل نے خضر کو وہ جگہ دی تھی اسے تو خبر ہی نہ ہو سکی تھی۔ خضر نے کچھ زیادہ نہیں کیا تھا پھر بھی اسے مالا مال کر دیا تھا۔ وہ تو لمحوں میں امیر ہو گئی تھی۔

"خیر اچھے تو وہ ہیں۔"

ذاکر صاحب نے قہقہہ لگایا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں کی حیرت واضح تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ کے کزن ہیں تو اچھے تو ہوں گے ہی۔"

پھر جیسے اپنی ہی بات پر محظوظ ہو کر وہ کچھ دیر مسکراتے رہے اور پھر جیسے اچانک کچھ یاد کرتے ہوئے بولے۔

"مس خان میں نے آپ کو اس لیے بلوایا تھا کہ آپ کے گھر سے فون آیا تھا۔"

"جی۔"

وہ گھبرا گئی۔

"سر سب خیریت تو ہے نا کیوں فون آیا تھا ابا تو ٹھیک ہیں نا۔"

"جی خیریت ہی ہے۔"

ذاکر صاحب کی نظریں مسلسل اس پر جمی تھیں۔

"آپ کی سسٹر کا فون تھا۔ عجیب سا نام تھا۔"

"نرمل۔"

ماہ نور کے لبوں سے نکلا۔

"ہاں یہی۔"

"کیا کہہ رہی تھی وہ۔"

ماہ نور از حد بے چین ہو گئی تھی۔

"دیکھیے مس خان۔ میں نے ایک اصول بنایا ہے کہ کوئی بھی ٹیچر یہاں آفس میں فون اٹینڈ نہیں کر سکتی۔ کسی ایمرجنسی کی صورت میں میسج دیا جا سکتا ہے۔ اب دیکھیں نا مجھے کیا خبر کہ کس کا فون ہے اور مجھے اپنے اسکول کی پوزیشن بے حد عزیز ہے میں نہیں چاہتا کہ کوئی ایسی ویسی بات ہو اس لیے تو یہ پابندی لگا رکھی ہے میں نے۔"

ان کا لہجہ یکدم سخت ہو گیا تھا۔

"جی جی ٹھیک ہے سر۔"

ماہ نور نے لبوں پر زبان پھیری۔

"ولیکن نرمل نے کیا میسج دیا تھا۔"

"message ۔۔۔ ہاں آپ کی سسٹر نے کہا تھا کہ وہ سب لوگ اپنے ماموں کے ہاں جارہے ہیں لہٰذا آپ چھٹی کے بعد گھر جانے کی بجائے ادھر ہی آجائیں۔"

"اوہ۔"

ماہ نور نے ایک طویل سانس لی۔

صبح جب وہ اسکول آرہی تھی تو اماں نے بتایا تو تھا کہ شام کو وہ حمنہ خالہ سے ملنے جائیں گی کیونکہ انہیں ا۔۔ روز صبح کی فلائیٹ سے واپس جانا تھا اور نرمل کہہ رہی تھی کہ وہ بھی ان کے ساتھ جائے گی لیکن یوں اس طر۔۔ سب کے جانے کا اور وہ بھی اس وقت کوئی پروگرام نہ تھا۔ نرمل نے آج چھٹی کر رکھی تھی اسے اماں کے سا۔۔ حمنہ خالہ کے لیے سوٹ لینے جانا تھا۔ اگر ذاکر صاحب اسے بلا لیتے تو وہ نرمل سے پوچھ لیتی کہ سب اور کیا ابا۔۔ دادی بھی جارہے ہیں۔ ابا کیسے جائیں گے جب سے یہ حادثہ ہوا تھا اور وہ چارپائی پر پڑے تھے صرف ایک بار خا۔۔ زبردستی انہیں لے گیا تھا۔

"اب مجھے کیا خبر وہ آپ کی سسٹر ہی تھیں یا کوئی اور سسٹر بن کر فون کر رہا تھا۔"

ذاکر صاحب نے عجیب سے لہجے میں کہا ماہ نور کا رنگ یکدم سرخ ہو گیا لیکن وہ ضبط کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہوتا ہے ہوتا ہے نا ایسا مس خان۔ کیا خبر کسی اور نے اس طرح آپ کو بلایا ہو۔"

"سر۔" ماہ نور کا ضبط جواب دے گیا۔

"میں اس طرح کی لڑکی نہیں ہوں۔" غصے کی شدت سے اسے اپنا وجود کانپتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"جانتا ہوں جانتا ہوں۔" ذاکر صاحب نے سر ہلایا۔

"میں نے تو یونہی ایک بات کہی تھی کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے دیکھیں نا مس خان آپ جب صبح گھر سے آئی تھیں تو۔"

"سر۔"

اسے لگا جیسے وہ ابھی رو دے گی لیکن اسے خضر کی بات یاد آئی۔

"سنو ماہ کبھی کسی کے سامنے رو کر خود کو کمزور مت ظاہر کرنا ورنہ باہر لوگ تمہیں جینے نہ دیں گے۔" خضر کی بات یاد آتے ہی اس نے خود کو بہت پر اعتماد اور مضبوط محسوس کیا۔

"جب میں صبح گھر سے آئی تھی تو پروگرام شام کو جانے کا تھا۔ میری خالہ آئی ہوئی تھیں انہیں واپس جانا تھا ہو سکتا ہے میرے آنے کے بعد پروگرام تبدیل ہو گیا ہو۔"

"اوہاں ٹھیک ہے۔" ذاکر صاحب نے فوراً اپنا لہجہ بدل لیا۔

"میں تو یوں کہہ رہا تھا کہ۔"

"سر میں جاؤں۔"

اسے سر ذاکر سے یکدم بیزاری اور چڑ سی محسوس ہوئی۔

"ہاں ہاں جائیے۔"

"تھینک یو سر۔"

وہ مڑی۔

"مس ہمس خان وہ۔۔۔"

ذاکر صاحب نے جیسے کچھ یاد کیا۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے رخ پھیر کر انہیں دیکھا۔

"وہ آج میں آپ کی سروس بک پر دستخط کرنے لگا تو دیکھا آپ کی سالگرہ تھی اسی منتھ میں آپ نے ذکر تک نہیں کیا۔ خیر کچھ تاخیر سے ہی سہی۔ ہیپی برتھ ڈے۔"

ماہ نور پل پل لہجے کے رنگ بدلتے ذاکر صاحب کو حیرت سے دیکھ رہی تھی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

ذاکر صاحب میز کے پیچھے سے باہر آئے اور میز پر سجے گلدان میں سے گلاب کا ایک پھول توڑ کر اسے پیش کیا۔

"لیجیے مس خان میری طرف سے اپنی سالگرہ پر یہ تحفہ قبول کریں۔ آپ نے بتایا ہوتا بروقت تو شاید کچھ بہتر پیش کر سکتے۔"

ماہ نور ہکا بکا سی ذاکر صاحب کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی اور ذاکر صاحب آنکھوں میں اشتیاق کا ایک جہان لیے پھول ہاتھ میں لیے قدم بہ قدم اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"شبی۔"

سمن نے مبشر کو برآمدے سے گزرتے دیکھ کر آواز دی۔

"کہیں جا رہے ہو کیا؟"

"ہاں۔"

اس نے مڑ کر اپنے کمرے کی دہلیز پر کھڑی سمن کو دیکھا۔

"کہاں۔"

سمن اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"یونہی باہر جا رہا تھا کسی خاص جگہ نہیں جا رہا شاید کسی دوست کی طرف چلا جاؤں یا پھر شاید یونہی گھوم کر واپس آجاؤں۔"

"تو پھر ادھر آجاؤ کتنے دن ہو گئے ہیں شبی تم ہمارے پاس آکر نہیں بیٹھے ہم سے باتیں نہیں کیں۔ ہم سے ناراض ہو کیا۔۔۔"

سمن کے لہجے میں اداسی گھل گئی۔

"نہیں بھلا تم سے کیوں ناراض ہونے لگا۔"

وہ واپس مڑا تو سمن کا چہرہ کھل اٹھا۔

مبشر ہولے ہولے چلتا ہوا کمرے میں داخل ہوا انعم نیم دراز کوئی میگزین دیکھ رہی تھی یکدم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اس کا چہرہ بھی کھل اٹھا تھا۔

"ادھر آجاؤ شبی یہاں۔"

اس نے بیڈ پر پڑا ہوا کمبل ایک طرف کیا۔ مبشر وہاں ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

واقعی کتنے دنوں بعد سمن اور انعم کے کمرے میں آیا تھا۔ زندگی میں یکدم کتنی تبدیلی آگئی تھی۔ سب کچھ ویسا تھا لیکن اندر کہیں کچھ بدل گیا تھا۔ بلکہ شاید بہت کچھ بدل گیا تھا۔ اسے خود اپنی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کبھی کبھی خیال اسے نارمل کر دیتا کہ ایک لڑکی اس کے نکاح میں آگئی تھی۔ وہ دوستوں کے ساتھ مل کر پہلے کی طرح ہنستا کھیلتا خوب قہقہے لگاتا لیکن پھر یکایک اس پر قنوطیت طاری ہو جاتی دل چاہتا کہ وہ گھر چھوڑ کر کہیں چلا جائے۔ پھر پلٹ کر نہ آئے ایسے میں وہ گھبرا کر باہر نکل جاتا لیکن باہر بھی کہیں چین نہ تھا۔ رات کو بستر پر لیٹتا تو ذہن میں کچھ دیر کو ایک انجانا سا چہرہ آجاتا۔ "غزال۔" وہ زیر لب دہراتا۔

جانے کیسی ہو گی وہ۔ لحہ بھر کو دل دھڑک اٹھتا لیکن پھر اس پر جھنجلاہٹ طاری ہو جاتی۔

"ابا جی آپ نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"

وہ مٹھیاں بھینچتا غصے سے بیڈ کی پٹی پر ہاتھ مارتا اور پھر بے بس سا ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگتا۔ ایسے میں اسے اسفر بھائی بہت یاد آتے "وہ ہوتے یہاں تو شاید میں اس کیفیت سے جلد نکل جاتا" لیکن اسفر اس کے نکاح کے دوسرے ہی دن اپنے کسی دوست کے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے چلے گئے تھے۔ اگرچہ شادی تو ہفتہ بھر بعد تھی لیکن وہ پہلے ہی چلے گئے تھے ان کا پروگرام ہفتہ بھر اسلام آباد میں ٹھہرنے کا تھا۔ جہاں انہیں کسی جاب کے سلسلے میں انٹرویو بھی دینا تھا۔ اسفر نے ان گزرے دنوں میں اس کا بہت خیال رکھا تھا۔ ابا جی کی ناراضگی کے باوجود

ہر لمحہ اس کے ساتھ رہے تھے حالانکہ اباجی کو ہمہ وقت اسفر کا اس کے ساتھ رہنا کچھ پسند نہ تھا۔ اس کے سے ایک روز پہلے ہی انہوں نے اسفر کو کتنا ڈانٹا تھا۔ یوں ہی بلاوجہ اس روز سب ہی اس کے کمرے میں تھے رمضان مشین کا ڈھکن اٹھا لایا تھا۔

"یہ کیا جی سب نے مسونی (اداسی) ڈالی ہوئی ہے شادی ہے کوئی مذاق تو نہیں میں تو گانے گاؤں گا شبی بھائی کے نکاح پر۔"

اور کسی نے اسے روکا نہیں شاید سب ہی اس اداسی کے حصار کو توڑنا چاہتے تھے وہ ڈھکن بجا بجا کر گانے لگا۔

چھوٹا سا بلما مورا۔
انگنا میں گلی کھیلے

اب پتا نہیں وہ جان بوجھ کر یہ گا رہا تھا یا پھر اسے اسی گیت کے بول اس وقت یاد آرہے تھے۔ دراصل مبشر پڑھائی سے فارغ ہوتا تھا تو دادا جان کے وقت کا اسٹور میں پڑا ہوا گراموفون نکال لیتا اور پھر وہ اور رمضان ریکارڈ لگا لگا کر سنا کرتے تھے۔

بلما بیمار ہے۔
اچھا آج اتوار ہے۔

ریکارڈ دونوں بہت شوق سے سنتے تھے۔ شاید انہی ریکارڈوں میں یہ گیت بھی تھا لیکن مبشر کے چہرے پر پھیل گئی تھی۔ وہ بیڈ پر نیم دراز تھا۔ اسفر نے ہی کہا تھا کہ کم از کم آج کے دن اسے مکمل ریسٹ کرنا چاہیے عذرا بیگم سمیت سب ہی اس کے کمرے میں آئے ہوئے تھے۔

چھوٹا سا بلما مورا۔

آنکھیں بند کیے رمضان پورے جوش و خروش سے گا رہا تھا۔ پڑھا کو سا مدثر پہلے تو اس کی آواز کے ساتھ ملا کر گانے کی کوشش کرتا رہا پھر اٹھ کر گانے کے بولوں کے ساتھ ٹھمکے لگانے لگا۔ گاتے گاتے رمضان نے گیت کے بول بدلے۔

میرے ماہیا کالج جاویں نہ۔

"شٹ اپ۔"

مبشر کا ضبط جواب دے گیا وہ تیزی سے اٹھا اور باہر کی طرف لپکا اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں رنگ۔ اسے لگ رہا تھا جیسے ہر شخص اس کا مذاق اڑا رہا ہے حتی کہ رمضان بھی اسفر بڑی تیزی سے اس کے باہر آیا تھا۔

"شبی رکو کہاں جا رہے ہو۔" اس نے مڑ کر اسفر کو دیکھا۔ بے حد شاکی نظریں تھیں۔

"ارے یار کیا ہو گیا۔"

اس کے قریب آکر اس کی کمر میں بازو ڈال کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"کیا انہیں حق نہیں ہے میری جان کہ وہ تھوڑا سا خوش لیں اور یہ خوشی کا ہی موقع ہے۔ کتنے دنوں بعد آج نے سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی ہے۔ آج پہلی بار میں نے امی جان کے چہرے پر وہ طمانیت اور مسرت چمک دیکھی ہے جو ایک ایسی ماں کے چہرے پر ہوتی ہے جو اپنا بیٹا بیاہنے جا رہی ہو۔"

مبشر نے کچھ نہ کہا وہ یونہی خاموش کھڑا تھا وہ ہولے ہولے اپنے دلنشین انداز میں اسے سمجھا رہے تھے۔

"یار ایک لڑکی تمہارے ساتھ منسوب ہو رہی ہے۔ یہ بڑا خوش کن تصور ہے۔ اپنے آپ کو خوش قسمت گردانو۔ سچ بتاؤ کیا تمہارے فرینڈز تم پر رشک نہیں کر رہے۔"

"میں نے کسی دوست کو اس سانحے کی اطلاع نہیں دی۔"

اس کا انداز روٹھا روٹھا سا تھا۔ اسفر یکدم مسکرا دیے۔

"سانحہ نہیں یار ایک حسین موڑ۔"

"کاش یہ حسین موڑ اس وقت اس طرح میری زندگی میں نہ آتا۔"

اس کے لہجے میں شکستگی تھی۔

"مجھے اپنا آپ بہت نامعتبر لگنے لگا ہے بھائی۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"یوں لگتا ہے جیسے سب مجھے ہی دیکھ رہے ہوں دل دل میں مجھ پر ہنس رہے ہوں کہ دیکھو یہ ہے مبشر ہے جس کے باپ کو خوف ہے کہ یہ بگڑ جائے گا۔ آوارہ ہو جائے گا اس لیے اسے پابہ زنجیر کر دو۔"

"یہ سب تمہارے اپنے احساسات ہیں ورنہ کیا سب نہیں جانتے اباجی کو۔ ان کے مزاج کو ان کی حاکمیت کو۔"

"حمنہ خالہ نے جب اس روز امی جان سے پوچھا تھا کہ ایسی جلدی کیا تھی ابھی تو اسفر بڑے تھے تو میرا جی چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔ وہ تو امی جان تھیں بھائی۔ انہوں نے کہا کہ اسفر باہر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور تمہارے بھائی صاحب کو شوق چرایا ہے کہ ذرا بیٹے کی شادی کریں بہت پیارا اور لاڈلا ہے شبی ان کا ــــ اور جو ہوتے اباجی۔"

وہ طنز سے ہنسا۔

"ریلیکس یار ــــ"

اسفر نے اسے کچھ اور قریب کر لیا تھا۔

"کم آن اندر چلتے ہیں۔"

تب ہی میاں صلاح الدین اپنے کمرے سے نکلے تو برآمدے میں یوں دونوں کو سرگوشیاں کرتے دیکھ کر چونکے اور ہولے سے کھنکارے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے اسفر میاں کیا پٹیاں پڑھا رہے ہو میرے بیٹے کو۔"

"کچھ نہیں اباجی یوں ہی سمجھا رہا تھا اسے کہ کل تک ایک دم فٹ اور فریش ہو جائے۔"

"آپ اپنا سمجھانے کا کام رہنے ہی دیں میاں میری اولاد کو ورغلانے کی ضرورت نہیں۔" اسفر کا رنگ تیزی سے بدلا تھا لیکن وہ ہونٹ بھینچے خاموش کھڑے رہے۔ انہوں نے میاں صلاح الدین کی کسی بھی بات پر کبھی گستاخی نہیں کی تھی۔ نہ ہی زیادہ سوال و جواب کرتے تھے۔ مبشر نے گھبرا کر انہیں دیکھا تھا۔

"وہ اباجی۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"تم نہیں جانتے ان کی نانی اور ماموں کے گھر کے طور طریقے فرنگیوں جیسے ہیں ادھر وہ حمنہ بی بی ہیں اپنی مرضی اور پسند سے شادی رچائی ہے انہوں نے لڑکا اکیلا آیا تھا صرف دوستوں کے ساتھ۔" وہ انکشاف کر کے مسکرائے۔

"غیرت نہیں ہے ذرا بھی کسی میں میں نہیں چاہتا میاں۔"

وہ پھر اسفر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کہ جو بے غیرتی کا سبق وہاں سے سیکھا ہے آپ نے یہاں ان بچوں کو سکھائیں۔"

ضبط کی کوشش میں اسفر کا چہرہ سرخ ہو گیا اور جسم دہکنے لگا لیکن وہ خاموش کھڑے رہے۔ میاں صلاح الدین انکشاف کر کے اور زہر اگل کر جا چکے تھے۔

"اسفی بھائی۔"

مبشر نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”آئم سوری میری وجہ سے۔“

”تمہاری وجہ سے کیوں۔“

وہ زبردستی مسکرائے اور بمشکل خود کو کمپوز کیا۔

”اباجی کی تو عادت ہے میں برا نہیں مانتا۔“

اور پھر اس کا ہاتھ تھام کر وہ کمرے کی طرف پلٹے۔

”چلو اندر۔“ سب خاموش بیٹھے تھے رمضان بھی ایک طرف سر جھکائے سہما بیٹھا تھا۔

”ارے تم لوگ خاموش کیوں ہو گئے۔“ وہ زبردستی ہنسے مبشر ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

”گاؤ نا اور رمضان تم اپنی ڈھولکی بجاؤ۔“

”وہ شبی بھیا۔“ رمضان نے ناراض ناراض سے مبشر پر نظر ڈالی۔

”ناراض ہوں گے۔“

”ارے کوئی ناراض وراض نہیں ہے۔“ اب ان کے لہجے میں شگفتگی آ گئی تھی۔

”دراصل اسے گلہ ہے کہ رمضان اس کی شادی پر یہ سڑے بسے ۱۹۲۰ء کے گانے گا رہا ہے کوئی آج کے دور کے گانے گاؤ۔“

”وہ تو شادی کے لیے میں یاد کر لوں گا ابھی تو اچھا۔“

اس نے سر کھجایا کچھ سوچا اور سوالیہ نظروں سے مبشر کی طرف دیکھا۔

”وہ گالوں میرا یار بنا ہے دولہا۔“

”ہاں ہاں۔“

اسفر ہنستے ہوئے اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔

میرا یار ہے بنا ہے دولہا

اور پھول کھلے ہیں دل کے۔

میری بھی شادی ہو جائے دعا کرو سب مل کے

وہ بھی تالیاں بجا بجا کر اس کے ساتھ گانے لگے سب کے بجھے ہوئے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”آمین“ آمین۔“

سب نے بلند آواز سے کہا تھا اور مبشر اسفر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے یکایک اپنے دل میں ان کے لیے بے حد محبت محسوس کی۔

”اسفی بھائی۔“

اس نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

اسفر نے مڑ کر اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو گئے اور ڈانس کرنے لگے۔

”یہ کیا۔“

وہ شرمایا جھجکا لیکن وہ اس کا ہاتھ پکڑے بھنگڑا ڈال رہے تھے۔

”لڑکیو اچھا سا گیت گاؤ۔ ہم دونوں بھنگڑا ڈالیں گے۔“

”مگر یہ تو دولہا ہیں۔“

رمضان نے کہا۔

”کوئی بات نہیں تمہاری شادی ہو گی تو تم بھی اپنی شادی پر بھنگڑا ڈالنا۔“

”میں تو ابھی چھوٹا ہوں۔“

”میں تو جیسے بوڑھا ہو گیا ہوں۔“ مبشر نے جل کر کہا تھا۔

”بوڑھے ہوتے تو بے چاری لڑکی سر پر ہاتھ رکھے رو رہی ہوتی۔“

میں کیا کروں رام مجھے بڈھا مل گیا۔

ہائے بڈھا مل گیا۔

انہوں نے باریک سی آواز نکالی۔ سب ہی ہنس دیئے۔ مبشر حیران سا سوچ رہا تھا کہ ”اتنے سنجیدہ سے اسفر بھائی ایسی گفتگو بھی کر سکتے ہیں اور اگر اس وقت اباجی یہاں آ جائیں تو۔“ اس سوچ سے بے اختیار اسے ہنسی آ گئی۔

”پھر تو ظل الٰہی کا جلال دیکھنے لائق ہو گا۔“

”اگر مناسب سمجھو تو ہمیں بھی اپنی سوچ میں شریک کر لو۔“ اسفر نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”کچھ نہیں۔“

ہنسی بدستور اس کے لبوں پر بکھری ہوئی تھی۔

”یونہی ظل الٰہی کا خیال آ گیا تھا کہ اگر اس وقت وہ یہاں آپ کو بھنگڑا ڈالتے دیکھ لیں تو کیا کہیں گے۔“

”یہی کہ تم میری اولاد کا اخلاق خراب کر رہے ہو۔“ اسفر نے بظاہر لاپرواہی سے کہا تھا لیکن اندر کہیں دور تک تلخی گھل گئی تھی۔ عذرا بیگم نے تڑپ کر ان کی طرف دیکھا۔ کیا وہ ان کی اولاد نہیں تھا۔

”شبی تم نے تصاویر ابھی تک نہیں دھلوائیں۔“

سمن نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا وہ بیڈ کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

”ہاں بس یاد نہیں رہا۔“ وہ چونکا اور آہستگی سے کہا۔

”تمہیں ذرا بھی شوق نہیں ہے غزالہ کو دیکھنے کا۔“ سمن کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”پتا ہے میری فرینڈز مجھ سے روز کہتی ہیں کہ اپنی بھابی کی تصاویر لے کر آؤ۔“

”اچھا دھلوا دوں گا کسی روز۔“

”شبی۔“

انعم نے آہستہ سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔

”اتنی بیگانگی ذرا سا اشتیاق تو ہونا چاہیے نا۔“

”ہاں شاید پتا نہیں۔ مجھے خود اپنی کیفیات کی سمجھ نہیں آ رہی ہے۔“

”وہاں بھی ایک بار شبی نے غزالہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔“

سمن نے گویا شکایت کی۔

نکاح کے بعد غزالہ کی سہیلیوں اور کزن کے اصرار پر کچھ دیر کے لیے مبشر کو اندر خواتین میں لایا گیا تھا اور غزالہ کے ساتھ بٹھا کر تصاویر بنائی گئی تھیں۔ سمن نے بھی جو اسفر کا کیمرہ لے کر ساتھ گئی ہوئی تھی اور غزالہ کی کئی تصاویر بنا چکی تھی مزید تصاویر بنائی تھیں۔ سمن نے محسوس کیا تھا کہ حاجی عبدالستار کے ہاں اتنی سختی یا پابندی نہیں ہے اس نے ٹی وی لاؤنج میں ٹرالی میں وی سی آر بھی پڑا دیکھا تھا۔

”ہمارا شبی شریف بچہ ہے۔“

انعم نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”اور وہ جو حاجی عبدالستار صاحب کی دختر نیک اختر تھیں وہ تو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شبی کو دیکھ رہی تھیں۔ جیسے ابھی نظر لگا دیں گی۔“

”ہم چیز ہی ایسے ہیں۔“

مبشر نے خود کو کمپوز کرتے ہوئے کالر جھٹکے لیکن لہجے میں وہ پہلے سی بات نہیں تھی۔ سمن کے دل میں جیسے کوئی کانٹا سا چبھا لیکن اس نے دل کا درد چھپا کر مبشر کی طرف دیکھا۔

”ہاں تو اور کیا حسنہ خالہ بھی کہہ رہی تھیں کہ اپنا شبی تو ماشاءاللہ اتنا خوب صورت لگ رہا ہے کہ جی چاہ رہا ہے

اسے گھر میں ہی چھپالیں۔ وہ تو باقاعدہ نظر کی دعا پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہی ہیں تم پر۔"

"ہاں تو اور کیا۔"

انعم نے بھی اس کی تائید کی۔

وہ سب چاہتے تھے کہ مبشر پہلے کی طرح نارمل ہو جائے۔ وہ جو میاں صلاح الدین کے اس اچانک فیصلے سے شاک سا لگا ہے اس کیفیت سے نکل آئے۔

"ویسے ایک بات ہے شبی غزالہ بھابی بھی کم خوب صورت نہیں ہیں۔ سچی تم دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے بہت خوب صورت لگ رہے تھے بالکل چاند سورج کی جوڑی۔"

"اچھا۔"

مبشر کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ جب حاجی صاحب نے میاں صلاح الدین سے درخواست کی کہ کچھ دیر کے لیے مبشر میاں کو اندر بلا رہے ہیں تو میاں صلاح الدین تھوڑے سے جز بز ہوئے پہلو بدل کر حاجی عبدالستار کو دیکھا۔

"نکاح تو ہو چکا میاں صاحب اب مبشر میاں محرم ہوئے بچیوں کی خواہش ہے شاید کچھ تصاویر وغیرہ بنانا چاہتی ہیں۔"

میاں صلاح الدین نے اسے جانے کے لیے کہا تو اس نے گھبرا کر اسفر کی طرف دیکھا۔ لیکن حاجی صاحب نے اسے اسفر کی طرف دیکھتے دیکھ کر فوراً وضاحت کی۔

"بس صرف مبشر میاں چلیں گے اندر۔"

اور اس کا دل جیسے ڈوب سا گیا صبح سے اسفر اس کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اس کے ڈریس کا انتخاب۔ اس کی تیاری سب وہ ہی کر رہے تھے۔ اس کے تو ہاتھ پیر بے جان سے ہو رہے تھے اور وہ وہی کچھ کر رہا تھا جس طرح اسفر کہہ رہے تھے حتی کہ اس کے تیار ہونے کے بعد پرفیوم بھی اسفر نے ہی اسپرے کیا تھا۔

یہ Cigar ہے ماموں جان نے مجھے گفٹ کیا تھا۔ بہت پیاری خوشبو ہے۔ نوابوں اور لارڈز کی پسندیدہ خوشبو ہے اور میرا بھائی کسی نواب سے کم ہے۔"

وہ یونہی ہلکی پھلکی گفتگو بھی کرتے جاتے تھے۔

وہ بیگم عبدالستار کے ساتھ اندر آیا تھا۔ حسنہ خالہ فوراً ہی اس کے صوفے کی پشت پہ آکھڑی ہوئی تھیں سمن بھی ان کے ساتھ تھی۔ لڑکیوں نے مذاق کیے تھے اس سے جن کا جواب حسنہ خالہ نے ہی دیا تھا پھر کوئی غزالہ کو لے آیا تھا۔ گو رخصتی نہیں تھی پھر بھی اس کی فرینڈز نے اسے دلہن کی طرح ہی تیار کیا تھا۔ غزالہ اس کے قریب بیٹھ گئی تھی لیکن اس کے دل میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی اس نے غزالہ کو دیکھنے کی کوشش کی تھی۔

"غزل تمہارا دولہا بڑا شرمیلا ہے۔"

کسی نے فقرا کسا تھا۔

"لیکن غزل بالکل بھی شرمیلی نہیں ہے۔ دیکھ لو۔ کیسے چوری چوری دیکھ رہی ہے۔" کسی اور نے کہا تھا۔

غزالہ کی کوئی کزن یا سہیلی تصاویر بنا رہی تھی۔ سمن نے انعم کو کیمرہ دے دیا تھا۔ ڈھیروں تصاویر بنا ڈالی تھیں انہوں نے۔

یکایک اس کا دل گھبرانے لگا۔ جیسے دم گھٹ رہا ہو۔ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"اگر تصاویر بن چکی ہوں تو میں جاؤں۔"

"ارے کچھ دیر تو بیٹھیے یہ موقع تو قسمت نے دیا ہے۔"

کسی نے کہا تھا۔

"شریف بچہ ہے بھئی نامحرموں کے ہجوم میں زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا۔ جانے دو بے چارے کو۔" وہی شوخ سی آواز آئی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

سانولے رنگ کی پرکشش سی لڑکی آنکھوں میں بے تحاشا چمک لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کا جی چاہ رہا ہے تو نہیں جاتا۔ جب جی بھر جائے مجھے دیکھ کر تو بتا دیجیے گا۔"

بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا تھا۔ جس پر ایک قہقہہ پڑا تھا۔ لیکن لڑکی بھی بے حد شوخ تھی۔

"آپ کو دیکھنے سے تو عمر بھر جی نہ بھرے گا۔ تو کیا ساری عمر بیٹھے رہیں گے۔"

"آپ حکم تو کر کے دیکھیں۔"

ایک لمحہ کو جیسے وہ سب کچھ بھول کر پرانا کھلنڈرا اور شوخ سا مبشر بن گیا تھا۔

لڑکی نے جھینپ کر نگاہیں جھکالیں۔

"ہم تو سمجھ رہے تھے دولہا گونگا ہے لیکن اب پتا چلا بولتا بھی ہے۔"

کسی اور لڑکی نے کہا تھا۔ تب ہی بیگم عبدالستار نے آکر کہا۔

"لڑکیو بس کرو کھانا لگ گیا ہے۔ چلو بیٹا آؤ حاجی صاحب بلا رہے ہیں۔"

"شبی یہ صحیح نہیں ہے۔ Its not fair۔"

اسے پھر سوچوں میں کھوئے دیکھ کر سمن نے کہا۔

"تم ہمارے ساتھ اچھا نہیں کر رہے ہو بالکل بھی اچھا نہیں کر رہے ہو۔"

سمن کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اباجی کے کیے کی سزا ہمیں تو نہ دو پلیز میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ تم سے بات کرنے کو ترس گئی ہوں۔"

"سزا تو میں خود بھگت رہا ہوں سمو۔"

اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا لیکن بولا نہیں۔ سمن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کے دل میں جیسے دکھ کی ایک گہری لکیر بن گئی۔

سمن جو اس سے عمر میں بڑی تھی لیکن دونوں میں کتنی بے تکلفی تھی بچپن سے دوستوں کی طرح تھے وہ دونوں۔ انعم کا وہ بہت احترام کرتا تھا۔ لیکن سمن سے تو اس کی نوک جھونک لڑائی جھگڑا رہتا تھا وہ روٹھتے مَنتے اور پھر مل کر شرارتیں کرنے لگتے تھے۔ عذرا بیگم کہتی تھیں۔ یہ دونوں میرے گھر کی رونق ہیں۔ وہ دونوں ہی اباجی کے لاڈلے تھے سمن بچپن میں اپنی بیماری کی وجہ سے انہیں بہت عزیز ہو گئی تھی اور وہ اپنی بے حد خوب صورتی اور ذہانت کی وجہ سے اور پھر اسفر کے چلے جانے سے ان کی ساری توجہ اسی کی طرف مبذول ہو گئی تھی شاید اسفر کے حصے کا پیار بھی انہوں نے اسے ہی دے دیا تھا۔ ان کے بے تحاشا پیار نے اسے تھوڑا سا بے باک بنا دیا تھا گو وہ ان سے ڈرتا بھی بہت تھا لیکن ان کی عدم موجودگی میں انہیں ظل الٰہی کہہ کر بلاتا اور کبھی جو ان کی سختی کا گلہ کرتا تو سمن برا مان جاتی تھی اسے اباجی سے بے تحاشا محبت تھی۔ اس کے مقابلے میں وہ بہت زیادہ احترام کرتی تھی ان کا شاید بیٹیوں کو قدرتی طور پر ہی باپ سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

"ایویں ہی مت گلہ کرو۔ اتنا تو خیال رکھتے ہیں اباجی ہمارا سب سے بہترین لباس ہوتا ہے تمہارا کبھی تم نے غور کیا۔ کبھی کسی بات کی کمی ہوئی تمہیں۔" اور یہ حقیقت ہی تھی۔ اس کی ڈریسنگ کی اس کے دوست ہی نہیں ٹیچرز بھی تعریف کرتے تھے۔

"بس ذرا سا ان کا مزاج سخت ہے۔ پرانے اصول ہیں ان کے۔"

سمن ہمیشہ ان کا دفاع کرتی تھی۔

اور اب اسی سمن سے اباجی ناراض تھے اس سے بات نہیں کرتے تھے اس کی طرف دیکھتے نہ تھے اور اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ اسے میری بہت ضرورت تھی اور میں۔

اس نے بغور سمن کو دیکھا اسے سمن کا چہرا بجھا بجھا سا لگا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ انگلیوں کی پوروں سے

رخساروں تک بہہ آنے والے اس کے آنسوؤں کو پونچھا۔

"پاگل ہو تم بھلا میں ایسا کیوں کروں گا۔ بس ذرا طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ ابھی تک کمزوری سی محسوس ہوتی ہے۔ اچھا ایک بات تو بتاؤ سچ سچ۔"

وہ شعوری کوشش سے مسکرایا۔

"یہ تمہاری بھابی صاحبہ بھینگی سی نہیں ہیں کچھ۔"

"بھینگی۔۔۔ نہیں تو۔"

سمن کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"صرف بھینگی ہی نہیں لنگڑی بھی ہے۔"

"واؤ۔"

اس نے قہقہہ لگایا۔

اور باہر سے گزرتی عذرا بیگم ایک لمحہ کو ٹھٹک کر رک گئیں۔

"یہ تو معجزہ ہے۔"

"شکر ہے رب کا آج اس کی ہنسی تو سنی۔"

ان کا کئی دن سے بے چین دل ٹھہر سا گیا۔

■■■

شاہ رخ تیز تیز چلتے ہوئے حویلی کے اندرونی گیٹ سے نکل کر صحن عبور کرنے لگے ان کا رخ شاہ بابا کے کمرے کی طرف تھا کہ پیچھے سے خادم نے آواز دی۔

"مہمان آئے ہیں آپ کے۔"

"کون۔"

انہوں نے مڑ کر اس کے عقب میں دیکھا۔

"لاہور سے آپ کے دوست آئے ہیں میں نے انہیں مہمان خانے میں ٹھہرا دیا ہے۔"

"اچھا۔"

وہ واپس پلٹ پڑے۔

"اسفر اور بلند بخت آئے ہوں گے۔"

انہوں نے دونوں کو ہی انوائیٹ کیا تھا اور بہت تاکید کی تھی آنے کی۔ یوں تو یونیورسٹی میں کئی لڑکوں سے اچھی خاصی سلام دعا تھی لیکن گہری دوستی صرف اسفر اور بلند بخت سے ہی ہو پائی تھی۔ تینوں روم میٹ تھے اسفر پہلے کراچی سے آئے تھے اور بلند بخت کا تعلق اسلام آباد سے تھا۔ بعد میں اسفر لاہور ہی شفٹ ہو گئے تھے۔ ان کا دونوں سے رابطہ تھا۔ کل شاہ زیب کی مہندی تھی اور پرسوں یعنی اتوار کو بارات تھی اور سوموار کو ولیمے کا فنکشن تھا۔ حویلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ اندرونی حصے سے ڈھولکی بجنے کی آواز آ رہی تھی۔ گاؤں کی لڑکیاں دو تین دن سے صبح سے ہی حویلی میں جمع ہو جاتی تھیں۔ خاص طور پر جب سے اسما لاہور سے آئی تھی۔ شاہ جی کی اجازت سے اس نے ڈھولکی منگوالی تھی۔ شاہ جی نے اس معاملے میں کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ دل کھول کر پیسہ خرچ کر رہے تھے۔ بی بی جان نے سب کے لیے جدید ڈیزائن کے کپڑے بنوائے تھے۔ حویلی میں رونق سی لگی تھی اور وہ خود بے حد مصروف تھے۔ شاہ جی نے کئی کاموں کی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔ کیونکہ وہ خود ان دنوں الیکشن کے سلسلے میں اردگرد کے لوگوں سے ملنے میں مصروف تھے انہوں نے صوبائی اسمبلی کی سیٹ کے لیے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ ان دنوں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ باوجود کوشش کے شاہ بابا کے پاس نہیں جا سکے تھے۔ ایک دن بمشکل وقت نکال کر گئے بھی تو شاہ بابا سو رہے تھے۔ ذہن میں الجھن سی

پیدا ہو گئی تھی۔ شاہ بابا کہاں جانا چاہتے ہیں کون ان کا انتظار کر رہا ہے۔ کیا شاہ بابا کی یادداشت پلٹ رہی ہے۔ کیا انہیں ماضی کا کچھ سرا مل رہا ہے۔ وہ بہت بے چین تھے ان سے ملنے کو لیکن وقت تھا کہ ان کے ہاتھ سے پھسل پھسل رہا تھا۔ اسی روز وہ کیٹرنگ والوں سے معاملات طے کرنے کے لیے امین آباد روانہ ہو گئے تھے۔ پھر رات گئے لوٹے تھے اور اگلی صبح ہی میاں جی نے انہیں لاہور اسما اور شاہ میر کو لانے کے لیے بھیج دیا۔ لاہور جا کر وہ قائم علی شاہ سے نہ ملتے یہ ممکن ہی نہ تھا۔ راستے میں ہی موبائل پر انہوں نے سید قائم علی شاہ کو اپنے آنے کی اطلاع دے دی تھی۔ خادم کو شاہ میر کے پاس ہوسٹل چھوڑ کر وہاں سے وہ ٹیکسی میں جوہر ٹاؤن پہنچے تھے قائم علی شاہ نے ہمیشہ کی طرح انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا اور بہت دیر تک بازوؤں میں لیے کھڑے رہے۔

"کیسے ہو میری جان۔"

"ٹھیک ہوں چاچو آپ کیسے ہیں۔"

"کیسا ہو سکتا ہوں جان جگر۔۔۔۔ تم سب سے دور رہنا بہت مشکل ہے۔ بہت حوصلے سے جی رہا ہوں۔ شاہ جی بی بی جان، سیدہ زینت فاطمہ سب کیسے ہیں۔"

"سب اچھے ہیں پھپھو نے آپ کے لیے بہت دعائیں اور سلام بھیجا ہے۔"

"میری طرف سے بھی جا کر آداب کہہ دینا۔"

اور تب ہی وہ اس کے گرد بازو حمائل کیے اسے اندر لائے۔

"حمنہ آؤ تمہیں شارو سے ملواؤں۔"

اور حمنہ سے مل کر شاہ رخ کو بہت خوشی ہوئی تھی اگر قائم چاچو حمنہ کے اسیر ہو گئے تھے تو کچھ غلط بھی نہ تھا۔ وہ ایسی ہی تھیں اور سید قائم علی شاہ کے لیے تو زندگی کا ہمسفر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ حمنہ کو اس بات کا بے حد دکھ تھا کہ زینت فاطمہ سے ان کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ "پھر لے کے آؤ نا کسی روز زینت آپا کو۔" وہ بار بار کہتی رہیں اور پھر شاہ ہرم سے بھی وہ پہلی بار ملا تھا۔ ہلکی گرینش آنکھوں والا شاہ ہرم بہت حد تک حمنہ کی شباہت چرا لایا تھا۔ اس کے مزاج میں بڑی شوخی تھی آنکھوں میں بے حد چمک ذہانت سے بھرپور تھی۔

"اوہ ٹریجڈی ہے نا پاپا۔"

شاہ زیب کی شادی کا سن کر اس نے مصنوعی سنجیدگی خود پر طاری کر لی تھی۔

"میرے فرسٹ کزن کی شادی ہو اور میں یہاں صرف چند گھنٹے کی مسافت پر بیٹھا کڑھتا رہوں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا شاہ رخ بھائی کہ میں بھی اس شادی میں شریک ہو سکوں۔"

"نہیں فی الحال تو ممکن نہیں۔"

شاہ رخ کو زینت فاطمہ کا خوف اور انتباہ یاد آ گیا۔

"ویسے میں آ جاؤں تو کسی کو کیسے پتا چلے گا کہ میں سید قائم علی شاہ کا بیٹا ہوں۔ سب کہتے ہیں میں سارا کا سارا اپنی ماما پر گیا ہوں۔" اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"نہیں پلیز بالکل نہیں۔"

شاہ رخ نے بے اختیار کہا۔

"آج کل شاہ جی بہت مصروف ہیں جیسے ہی ذرا فرصت ملتی ہے ان سے بات کروں گا۔"

سید قائم علی شاہ بھی بہت جذباتی ہو رہے تھے۔

"بہن شارو وہاں حویلی میں تو بہت رونق ہو گی۔۔۔۔ پتا ہے تمہارے شاہ جی کی شادی کے بعد یہ پہلا فنکشن ہے اس طرح کا سچی میرا بھی بہت دل چاہتا ہے لیکن۔۔۔۔"

انہوں نے بے بسی سے سر جھکایا تو حمنہ تڑپ اٹھیں۔

"کبھی کبھی میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں کہ میری وجہ سے آپ اپنے پیاروں سے دور ہو گئے ہیں۔"

"فضول مت بولا کرو۔"

سید قائم علی شاہ ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے اور شاہ رخ سوچنے لگا تھا کہ کس طرح شاہ جی اور بی بی جان کا دل نرم کرے کہ وہ سید قائم علی شاہ کو معاف کر دیں۔ پھپھو سے کہوں گا کہ وہ کچھ کریں ان سے سید قائم علی شاہ کی بے قراری دیکھی نہیں جا رہی تھی اور واپس آتے ہی انہوں نے موقع دیکھ کر زینت فاطمہ سے اپنی خواہش کا اظہار بھی کر دیا تھا۔ "پھپھو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ شاہ زیب کی شادی پر چاچو کو بھی انوائیٹ کر لیا جائے۔"

اور زینت فاطمہ کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے شارو۔"

ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

"اگر آپ شاہ جی سے بات کریں تو۔"

"نہیں۔"

"شاہ جی نہیں مانیں گے میں جانتی ہوں۔"

"تو پھر کیا چاچو ساری زندگی یونہی تڑپتے رہیں گے۔ یہ اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے کہ انھیں ۔۔ معاف نہ کیا جا سکے۔"

"تم ایسا کہہ سکتے ہو شاہ رخ لیکن شاہ جی نہیں۔"

ان کی آنکھوں کے سامنے وہ پر اشتیاق نظریں آ گئیں۔ پتا نہیں یہ نظریں کیوں ہر وقت ان کا حصار کیے رکھتی تھیں۔

"سنو تم شاہ جی سے بات مت کرنا پلیز۔"

خوف ان کی آنکھوں سے جھانک رہا تھا اور وہ اپنے خشک لبوں پر زبان پھیر رہی تھیں۔

"او کے نہیں کروں گا پلیز ریلیکس۔"

انہوں نے آہستہ سے زینت فاطمہ کا ہاتھ ہٹایا۔

"پتا نہیں پھپھو اتنی خوفزدہ کیوں ہو جاتی ہیں۔" وہ کتنی ہی دیر تک سوچتے رہے تھے اور ان کا ارادہ فی الحال شاہ جی سے بات کرنے کا ہرگز نہ تھا۔ پھر کسی روز وہ پھپھو سے اس خوف کی وجہ پوچھیں گے۔ ڈسکس کریں گے ان سے اس سارے معاملے کو۔ لیکن اس روز جب امین آباد جاتے ہوئے شاہ جی نے انہیں کچھ آفیسرز کو ولیمے کے کارڈ دینے کے لیے کہا تو کارڈز پر سے نام پڑھتے ہوئے وہ چونکے تھے۔ یہ سارے کارڈ جو ان کے ہاتھ میں تھے تقریباً امین آباد کی ساری انتظامیہ کے نام تھے اس میں ڈی ایس پی غلام مرتضیٰ ڈی سی صاحب سب ہی تھے۔

"کیا آپ نے ایس پی شجاع شاہ کو بھی کارڈ دیا ہے۔"

کارڈز کو الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے بے اختیار ہی ان کے لبوں سے نکل گیا تھا۔

"کون شجاع شاہ۔"

شاہ جی نے کمال بیگانگی سے کہا تھا۔

"ایس پی شجاع شاہ۔ قائم چاچو کے بیٹے" دبی زبان میں شاہ رخ نے وضاحت کی۔

"آپ اس سے ملتے ہیں شاہ رخ۔" شاہ رخ نے نظریں چرا لیں۔

"آپ نے ساری انتظامیہ کے آفیسرز کو بلایا ہے اس لیے پوچھا ہے۔"

"انتظامیہ کے آفیسرز کو بلانا ضروری تھا۔ یہ ہمارا بازو ہوتے ہیں۔ وقت ضرورت کام آتے ہیں۔ آگے الیکشن میں بھی ہو سکتا ہے ہمیں ان کی مدد درکار ہو۔" خلاف توقع ان کا لہجہ نارمل تھا۔

"تو وہ بھی میرا مطلب ہے شجاع شاہ بھی تو انتظامیہ میں شامل ہے۔"

شاہ رخ بات کرتے ہوئے جھجک گئے۔

"ہاں۔"

شاہ جی کی نظریں ان کے چہرے پر تھیں اور ان کی آنکھوں کی سرخی میں غصہ کروٹیں لے رہا تھا۔ لیکن اس غصے کے باوجود ان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"شامل تھا۔"

"لیکن اس ہفتے نیا ایس پی چارج لے رہا ہے اس کا ٹرانسفر ہو گیا ہے۔"

اس سیدھے سادے جملے میں شاہ رخ کو عجیب سفاکی سی محسوس ہوئی۔ وہ حیران سے سر اٹھائے شاہ جی کو دیکھ رہے تھے۔ جن کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ میں بھی شاہ رخ کو وہی سفاکی محسوس ہوئی۔

"ہم قائم علی شاہ یا اس کے خاندان کے کسی فرد کو دیکھنا تک پسند نہیں کرتے چہ جائیکہ اس کا بیٹا یہاں ہمارے علاقے میں بیٹھ کر ہم پر حکومت کرے۔"

وہ اپنی بات مکمل کر کے چلے گئے تھے جبکہ سید شاہ رخ شاہ کتنی ہی دیر تک ساکت کھڑے تھے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے سید قائم علی شاہ آ رہے تھے۔ بے چین اور مضطرب سے شاہ زیب کے متعلق پوچھتے ہوئے۔

"کیسا ہے وہ عادتاً "مزاجاً "شکلاً"۔"

"وہ بالکل شاہ جی کی کاپی ہے۔" انہوں نے بتایا تھا۔

"کاش میں اسے دولہا بنے دیکھ سکتا۔" کیسی حسرت تھی ان کے لہجے میں اور شاہ جی کے پاس تو کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس سے شاہ رخ کا دل بہت برا ہوا تھا لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ شجاع کو فون کر رہے تھے۔

"کیسے ہو یار من۔"

"اچھا ہوں۔"

شجاع کی شگفتہ آواز سنائی دی تھی۔

"آپ نے تو بھلا ہی دیا۔"

"ارے نہیں میں بہت مصروف تھا۔ زیب کی شادی کی وجہ سے۔ آج مجھے ایک کام سے امین آباد آنا ہے۔ تم سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"واہ اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔"

شجاع نے بے ساختہ کہا۔

"میں بھی صبح سے سوچ رہا تھا کہ کوئی سبیل ہو جائے ملنے کی تو۔ صبح میں جا رہا تھا لاہور میری ٹرانسفر اٹک ہو گئی ہے۔ ہفتہ بھر کی چھٹی میں لاہور میں گزار کر پھر اٹک چلا جاؤں گا۔"

"یعنی میں فون نہ کرتا تو تم چلے جاتے۔ خود بھی تو فون کر سکتے تھے یار میرا موبائل نمبر ہے تو سہی تمہارے پاس۔"

"ہاں لیکن میں نے سوچا شادی کے ہنگاموں میں ہو سکتا ہے تمہارا موبائل کہیں ادھر ادھر ہو کسی اور کے پاس ہو......"

اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تو شاہ رخ دل ہی دل میں نادم ہو گئے۔

"او کے پھر آج ملاقات ہوتی ہے۔ عصر تک آؤں گا۔"

امین آباد سے رات گئے ہی واپسی ہوئی تھی اور پھر کئی اور چھوٹے موٹے کاموں میں الجھ گئے تھے کہ شاہ بابا کے پاس جانا ہی نہ ہو سکا تھا اور "پتا نہیں شاہ بابا انتظار کرتے ہوں میرا۔ خیر اسفر اور بلند بخت سے مل کر شاہ بابا کی طرف جاتا ہوں۔ ویسے بھی اتنے لمبے سفر کے بعد وہ کچھ آرام کریں گے۔"

مہمان خانے کے دروازے پر وہ لمحہ بھر کو رکے اور پھر اندر داخل ہو گئے۔ اسفر سامنے ہی صوفے پر بیٹھے تھے اور واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ غالباً" بلند بخت واش روم میں تھا۔

"السلام علیکم۔"

دونوں بازو پھیلائے وہ آگے بڑھے۔ اسفر سے گلے مل کر وہ اس کے سامنے ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تھینک یو اسفر تمہاری آمد کا بہت شکریہ۔"

"کیا ہمارے تعلقات میں تھینک یو وغیرہ کی ضرورت ہے۔ یا پھر چند ماہ کی دوری نے یہ ضرورت پیدا کردی ہے۔"

اسفر نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ ہنس دیے۔

"اوہ نو یار۔۔۔ یہ تو یونہی کہہ دیا کہ حقیقتاً" تمہارے آنے کی بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے مجھے۔ بہت تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ شاہ میر چھوٹا ہے ابھی اور شاہ زیب صاحب دولہا ہیں مجال ہے جو کسی کام میں ہاتھ بٹا دیں۔ میں نے کارڈز پر نام لکھنے کو کہا تو صاف انکار کر دیا کہ وہ اپنی شادی کے کارڈ کیا اب خود لکھیں۔"

"بالکل صحیح۔" اسفر ہنسے۔

"شادی زندگی میں بار بار تھوڑی ہوتی ہے ایک بار ہی ہوتی ہے اور دولہا کو پورا حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی منوائے اور کسی کی نہ مانے اور مکمل ریسٹ کرے۔"

"مجھے یاد ہے اظہر بھائی نے تو اپنی شادی میں بہت سارے کام خود اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ وہ تینوں بھائی اپنے گھر میں مصروف ہیں۔" شاہ رخ واقعی تھکے ہوئے لگ رہے تھے۔

"چلو خیر اب میں آگیا ہوں مجھے بتاؤ کیا کام باقی ہے۔ کچھ ذمہ داریاں میں اٹھا لیتا ہوں۔" اسفر نے اسے تسلی دی۔

"اور اس بلند بخت کو دیکھو مجھ سے کہہ رہا تھا فکر نہ کرو ہفتہ بھر پہلے آجاؤں گا اور اب صبح بارات ہے اور اب تشریف لا رہے ہیں حضرت۔۔۔ ذرا واش روم سے باہر نکلے تو پوچھوں۔"

"لیکن بخت تو اب بھی نہیں آیا۔"

اسفر نے بتایا۔

"کیا اور یہ واش روم میں کون ہے۔" شاہ رخ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"دراصل بخت کو کچھ گھریلو مسئلہ تھا کہہ رہا تھا ولیمے میں پہنچنے کی کوشش کروں گا اور واش روم میں میرا کزن ہے۔ میرے ساتھ آیا ہے لاہور سے آج کل چھٹیاں تھیں اس کی یونیورسٹی میں بور ہو رہا تھا۔ میں ساتھ لے آیا کہ کمپنی رہے گی اور وہ بھی انجوائے کرلے گا۔"

"ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ بلند بخت میں ابھی اس سے پوچھتا ہوں کہ آخر ایسا کیا مسئلہ ہے۔" انہوں نے جیب سے موبائل نکالا اور تب ہی واش روم کا دروازہ کھلا۔ تولیے سے بالوں کو پونچھتے ہوئے شاہرم کو دیکھ کر وہ یکدم کھڑے ہوگئے۔

"تم۔۔۔ شاہرم۔"

شاہرم کے ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی اور اسفر حیرت سے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

■■■

"ماہ نور! کیا تم پریشان ہو؟"

علینہ نے چائے دانی میں پتی ڈالتے ہوئے اس کی طرف دیکھا چائے کے برتن ٹرالی میں لگاتی ہوئی ماہ نور چونکی۔

"نہیں تو۔"

"جھوٹ مت بولو، تم کچھ الجھی الجھی سی لگ رہی ہو۔ جب سے تم آئی ہو، میں نوٹ کر رہی ہوں، کھانا بھی تم نے برائے نام ہی کھایا ہے۔"

چائے دانی علینہ نے ٹرالی میں رکھی۔

"دراصل بریک میں سموسے کھالیے تھے، سو بھوک نہیں تھی۔"

"چلو مان لیا۔"

علینہ نے اب کبابوں کی ڈش اسے پکڑائی جسے ماہ نور نے اس کے ہاتھ سے لے کر ٹرالی میں رکھا۔

"لیکن تمہاری پریشانی کی وجہ کیا ہے۔ یہ بھی بتا دو۔"

"کچھ بھی نہیں یار!"

ماہ نور نے اپنائیت بھری مسکراہٹ سے علینہ کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔

"بس بہت تھک گئی ہوں، تھکن ہے صرف۔" وہ دونوں اس وقت کچن میں کھڑی تھیں۔ اس نے دل ہی دل میں علینہ کی فیس ریڈنگ کو سراہا۔ وہ ذاکر صاحب کے رویے کی وجہ سے حقیقتاً" پریشان تھی۔ ذاکر صاحب نے جس طرح اچانک اسے پھول پیش کیا اس سے وہ ششدر رہ گئی تھی۔ وہ میز کے پیچھے سے نکل کر بالکل اس کے سامنے آکھڑے ہوئے تھے۔ پھول ہاتھوں میں لیے ان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ یکدم گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"آپ تو یونہی ڈر گئیں مس خان! جیسے میں نے پھول نہیں کانٹے پیش کیے ہوں۔"

وہ اپنی بات پر خود ہی ہنسے۔

"جی۔۔۔ جی وہ۔۔۔"

وہ ابھی تک حیرت میں مبتلا تھی۔

"پلیز۔"

وہ ایک قدم اور آگے بڑھ آئے تھے۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔ ایک لمحہ کو اس نے جی چاہا وہ ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ میں سے پھول لے کر ان کے منہ پر مارے اور جاب چھوڑ کر گھر چلی آئے لیکن باہر کی دنیا تو ایسی ہی تھی۔ خضر نے کہا تھا۔

"ماہ تمہیں مضبوط بنانا ہے خود کو۔" جاب اس کی ضرورت تھی۔ یہاں سے جاب چھوڑ کر وہ اگر کہیں اور جاب کرے گی تو کیا ضمانت ہے کہ وہاں ذاکر صاحب جیسے بندے نا ہوں گے پھر یہاں وہ بہرحال کسی دفتر میں جاب کرنے کے مقابلے میں زیادہ محفوظ ہے۔ سب لیڈی ٹیچرز ہیں، بچے ہیں اور پھر دو بجے تک چھٹی ہو جاتی ہے۔ گھر بھی نزدیک ہے۔ اسے وہیں کھڑے کھڑے بچپن میں اپنے نصاب کی کتاب میں پڑھی ایک کہانی یاد آگئی۔

You Should be strong enough to say "No"

سو اسے بھی اتنا اسٹرونگ ہونا ہے کہ وہ No کہہ سکے۔

"سوری سر!"

اس نے فیصلہ کرنے کے بعد اس نے اپنے اندر بے حد اعتماد اور قوت محسوس کی۔

"میں نا تو سالگرہ کا اہتمام کرتی ہوں نا تحفے وصول کرتی ہوں۔"

وہ بات کرکے یکدم پلٹی تھی اور ذاکر صاحب کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر باہر آگئی تھی۔ گو اس کے بعد اس نے تین پیریڈ بھی لیے تھے لیکن نا تو ذاکر صاحب نے اسے بلایا تھا اور نا ہی کچھ کہا تھا بلکہ چھٹی کے وقت بھی نارمل انداز میں سب ٹیچرز کو خدا حافظ کہتے ہوئے اس کے پاس سے گزرے تھے، ورنہ دل ہی دل میں وہ خوفزدہ اور منتظر تھی کہ شاید ابھی چپراسی آکر اسے کہتا ہے کہ "ذاکر صاحب نے آپ کی چھٹی کر دی ہے۔" ایسا کچھ نہیں ہوا تاہم پھر بھی وہ الجھی الجھی سی تھی۔

"اور کیا پتا، کل۔۔۔ ہاں، کل وہ اسے اسکول سے فارغ کردیں۔"

اسی الجھن میں وہ پوری طرح سب کی باتوں کو انجوائے بھی نہیں کر سکی تھی۔ حسنہ خالہ نے بصد اصرار سب کو بلایا تھا اور انہوں نے کہا تھا۔ رات کا کھانا ان کی طرف سے ہوگا ہوٹل میں اور دن کا کھانا گھر پر۔ سو پروگرام تبدیل ہوگیا تھا۔

راحل نے اسے تفصیل بتائی۔

"چلو چائے کے بعد کچھ دیر آرام کرلینا بلکہ باتھ لے کر فریش ہو جاؤ۔ نرل تمہارے کپڑے لے آئی تھی۔"

علینہ نے ٹرالی میں پڑے سامان کو چیک کیا۔

"دراصل حمنہ پھپھو خود ہی گئی تھیں سب کو لینے۔ اور انہوں نے ہی روما سے کہا تھا کہ تمہارے کپڑے لے لیں۔"

"یہ کپڑے بھی تو ٹھیک ہی ہیں۔"

ماہ نور نے اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی۔

"ہاں ٹھیک ہے لیکن ہوٹل میں جانا ہے۔ فریش ہو کر کپڑے تو چینج کرنا ہی تھے۔ مان لو کہ حمنہ پھپھو ہر بات کا خیال رکھتی ہیں۔ چلو' یہ ٹرالی لے آؤ۔"

اس نے سنک میں برتن رکھتی ملازمہ سے کہا اور دونوں باہر نکل آئیں۔ لونگ روم میں سب ہی موجود تھے لیکن اپنے اپنے گروپ بنا رکھے تھے سب نے' ولید اور شاہرم ٹی وی کے سامنے براجمان تھے جبکہ اریج اور نرل ایک کونے میں سر جوڑے بیٹھی تھیں۔ افضال صاحب نصیر احمد خان کے قریب بیٹھے نا جانے کون سا مسئلہ ڈسکس کر رہے تھے۔ طیبہ خاتون' حمنہ اور سعدیہ بھی اپنی باتوں میں مصروف تھیں۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ شبی کے نکاح کی ایسی کیا جلدی تھی بھائی صاحب کو۔"

ماہ نور نے طیبہ خاتون کو کہتے ہوئے سنا۔

"بڑے اسفر تھے' اصولاً" پہلے اسفر کا ہونا چاہیے تھا۔"

"ہاں میں نے بھی کہا تھا عذرا سے لیکن عذرا کیا کر سکتی ہے۔ یہ بھائی صاحب کا فیصلہ ہے۔"

حمنہ نے ایک مسکراتی نظر ماہ نور پر ڈالی اور تھوڑا کھسک کر صوفے پر اس کے بیٹھنے کی جگہ بنائی۔

"ادھر یہاں میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

"دراصل بھائی صاحب اپنی مرضی کرتے ہیں' عذرا بے چاری کس گنتی میں ہے۔"

طیبہ خاتون نے آہستگی سے کہا۔

"سچ تو یہ ہے کہ اپنی عجبی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے طیبہ! تمہیں یاد ہو گا کتنا انجوائے کرتے تھے ہم تینوں اور عذرا تو اس قدر برجستہ بولتی تھی اور اشعار کتنے اسے یاد تھے لیکن۔۔۔۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"بہت بدل گئی ہے۔ میں تو حیران رہ گئی۔ بہت سہمی سہمی سی لگی مجھے۔ حالانکہ جوان بچوں کی ماں ہے۔"

"بھائی صاحب مزاج کے سخت ہیں اور عذرا ان کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔"

طیبہ خاتون کی آواز اب پہلے سے بھی آہستہ تھی جیسے اپنے بڑے سوتیلے بھائی کے مزاج کی سختی کے لیے وہ قصوروار ہوں۔

"لیکن عذرا تو بالکل بھی کچھ نہیں کہہ پاتی۔ شبی کی ابھی عمر ہی کیا ہے' لے کے نکاح کر دیا اور غالباً" اس کا ایف ایس مکمل ہوتے ہی رخصتی بھی کروالیں گے۔ شبی خاصا ڈسٹرب لگا مجھے اور سچی بات یہ ہے کہ

حمنہ نے بےلاگ تبصرہ کیا۔

"مجھے لگتا ہے جیسے بھائی صاحب اسفی کو بالکل اہمیت نہیں دیتے بلکہ وہ اسے اماں جان کا بیٹا ہی سمجھتے ہیں اور اسفی بھی وہاں کچھ سیٹ نہیں لگتا مجھے۔ اسے یہاں سے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ ظاہر ہے اتنی چھوٹی عمر میں وہ یہاں آیا تھا تو۔۔۔"

"لیکن اماں جان کے بعد اس کے یہاں رہنے کی کوئی تک بھی نہیں بنتی تھی۔ ماں باپ کے ہوتے یہاں رہ کر کیا کرتا تھا اس نے۔"

سعدیہ بیگم جو خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ یکدم بول اٹھیں تو حمنہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ پھر

بھر دیکھتی رہیں پھر ہولے سے مسکرائیں۔

"آپ صحیح کہتی ہیں۔ میں تو بس اس لیے کہہ رہی تھی کہ اسفی کچھ چپ چپ سا لگا تھا۔ میں نے سوچا۔ شاید دل نہیں لگ رہا اس کا۔"

"ماں باپ کا گھر ہے' بہن بھائی ہیں۔ دل تو لگ ہی جائے گا۔"

سعدیہ نے جواب دیا تو طیبہ خاتون نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"عذرا سے بھی کہتیں تمہارے ساتھ ہی آجاتی بہت عرصہ ہو گیا ہے اسے یہاں آئے۔ میرا خیال ہے پھوپھی جان کی ڈیتھ پر آئی تھی۔"

"میں نے کہا تھا عذرا سے کہ چلی چلو۔ پرانی یادیں تازہ کریں گے' خوب گھومیں گے' سمندر پر جائیں گے' شاپنگ کرنے جائیں گے اور بس بیتے وقت کو کچھ دیر کے لیے پکڑنے کی کوشش کریں گے لیکن عذرا ابھی کچھ پریشان سی تھی شبی کے اچانک نکاح سے۔"

"بھئی تمہاری چائے کدھر گئی۔"

حمنہ نے مسکرا کر علینہ کی طرف دیکھا جو نرل اور اریج کے پاس رک گئی تھی اور اب ان کی طرف آئی تھی۔

"چائے تو تیار تھی' نازو لا رہی ہے بلکہ وہ آبھی گئی۔"

اس نے ٹرالی کے ساتھ اندر آتی نازو کی طرف دیکھا اور مڑ کر سب کو سرو کرنے لگی۔ "لیجیے حمنہ پھپھو! یہ کباب ہیں۔"

اس نے کباب ان کی پلیٹ میں رکھا اور خود بھی ان کے سامنے سعدیہ بیگم کے قریب بیٹھ گئی۔

"انعم اور سمن کیسی ہیں پھپھو! میں نے تو بچپن میں انہیں دیکھا تھا جب دادی جان فوت ہوئیں تو پھپھو کے ساتھ صرف مدثر اور اروتا آئے تھے۔"

"دونوں بہت پیاری اور سلجھی ہوئی بچیاں ہیں۔"

حمنہ نے جواب دیا۔

"انعم نے تو غالباً" پڑھائی چھوڑ دی ہے اسفر۔۔۔۔!" علینہ نے یکدم لب دانتوں تلے دبا لیے تو ماہ نور نے ایک شرارت بھری نظر اس پر ڈالی۔

"ہاں بھائی صاحب کا تو پتا ہی ہے تم سب کو' انہیں لڑکیوں کی زیادہ تعلیم پسند نہیں ہے۔ میٹرک کیا ہے اس نے' البتہ سمن نے فرسٹ ایر میں ایڈمیشن لیا ہے۔ بھائی صاحب نے جانے کیسے اجازت دے دی ہے اسے۔ عذرا بتا رہی تھی وہ بہت لاڈلی ہے ان کی۔"

"مبشر کا تو نکاح کر دیا بھائی صاحب نے لیکن انعم کا کچھ نہیں سوچا انہوں نے۔"

"میں تو سوچ رہی ہوں انعم کو اپنی بہو بنا لوں۔ شجعی لاہور آئے تو اس سے بات کروں گی بہت لونگ اور کیئرنگ ہے۔ بہت دھیمے مزاج کی ہے شجعی کی طرح۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے حمنہ!"

طیبہ خاتون خوش ہو گئیں۔

"شجاع نے اتنا عرصہ ملک سے باہر گزارا ہے اور انعم تو بہت دبو سی لڑکی ہو گی سیدھی سادی شرمیلی سی۔"

سعدیہ کے لہجے میں ناگواری سی تھی۔

"نہیں' ایسا تو نہیں ہے۔ عذرا نے بہت اچھی تربیت کی ہے اس کی۔ بہت بااعتماد اور سمجھ دار ہے۔ جہاں تک شجاع کی بات ہے تو ظاہر ہے میں اس سے پوچھے بغیر تو بات نہیں کروں گی۔ زندگی تو اس نے گزارنی ہے۔ ہاں مجھے وہ بہت اچھی لگی۔ سچی بات ہے آج تک کوئی لڑکی نظر میں جچی ہی نا تھی۔ انعم کو دیکھتے ہی میں نے سوچ لیا تھا کہ شجعی سے بات کر کے عذرا سے بات کرتی ہوں۔" حمنہ نے لمبی بات کی اور ماہ نور کے ہاتھ سے چائے کی پیالی لے لی۔

"ارے بھئی حمنہ گڑیا! تمہارا وہ سرپرائز کیا ہوا جس کا اعلان کر کے تم نصیر اور اس کی فیملی کو اغوا کر کے لے آئی ہو۔"

افضال حیدر نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے حمنہ کو مخاطب کیا۔

"بس بھائی جان! چائے ختم ہو جائے تو سرپرائز بھی دیتی ہوں۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے پاس ہی پڑا اپنا موبائل اٹھا کر خضر کا نمبر ملایا۔

"کہاں ہو بھئی۔"

"گھر کے بالکل قریب۔"

"اوکے۔"

انہوں نے آف کر کے موبائل پاس رکھا اور ماہ نور کی طرف دیکھنے لگیں۔

"بیٹا! تم جاؤ' تھوڑی دیر ریسٹ کرو۔ یہ پڑھانا در حقیقت بہت تھکا دینے والی جاب ہے۔"

"نہیں' کوئی خاص تھکن نہیں۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"لیکن میری جان! تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم کتنی تھکی ہوئی ہو۔"

تب ہی خضر نے اندر داخل ہوتے ہوئے بلند آواز میں سب کو سلام کیا تو ماہ نور کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا۔ چاہتے ہوئے بھی نظر نا اٹھا پائی۔ اس روز کے بعد جب خضر نے اپنی محبتوں کی آگاہی دی تھی' آج ہی اس کا خضر سے سامنا ہوا تھا۔ خضر نے اس کی جھکی نظروں کو دیکھا تو ایک مہان سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور فوراً ہی اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا لیں اور نصیر احمد خان کی طرف بڑھ گیا۔ ماہ کا دل ابھی تک اسی شدت سے دھڑک رہا تھا "یہ محبت ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"اور محبت کرنا یا نا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہوتا۔ میں نے کب سوچا کہ —— خضر افضال حیدر مجھ جیسی بے مایہ لڑکی سے محبت کرے گا۔ وہ میرے لیے سوچے گا۔ میرے ساتھ زندگی کا سفر طے کرنے کی خواہش رکھے گا۔ خضر جو بہت مہان ہے۔ زندگی اور محبت جیسا مہان اور ماہ نور نصیر احمد خان تم کس قدر خوش قسمت ہو کہ خضر نے تمہیں چنا ہے۔" محبت کے احساس نے اندر جو حدت بکھیری تھی' وہ رخساروں پر بھی جھلک آئی علینہ نے بہت دلچسپی سے اسے دیکھا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم روز بروز خوبصورت ہوتی جا رہی ہو ماہ! یہ کس کا اعجاز ہے۔"

اس نے گھبرا کر علینہ کو اور پھر خضر کی طرف دیکھا جو ملازم سے وہیل چیئر لے رہا تھا۔

"یہ تھا میرا سرپرائز۔"

حمنہ اپنی جگہ سے اٹھیں تو سب ہی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہ نصیر بھائی کے لیے ہے۔"

وہ اٹھ کر نصیر احمد خان کی طرف گئیں اور پھر افضال کی طرف دیکھا۔

"کمال ہے بھائی جان کسی کو اس بات کا خیال ہی نہیں آیا اور نصیر بھائی صرف کمرے تک ہی محدود ہو گئے سارا دن بستر پر بیٹھے اور لیٹے زندگی نہیں گزرتی۔

نصیر بھائی! میرا یہ گفٹ کیسا لگا آپ کو۔"

حمنہ نے ان کے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑا سا ان کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

"حمنہ۔"

نصیر احمد خان نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا شدت جذبات سے ان کی آواز بھرا گئی۔

"ایک چلتے پھرتے کام کرتے شخص کی زندگی یکایک ساکت ہو جائے' ٹھہر جائے' وہ ایک عضو معطل ہو کر بوجھ بن کر رہ جائے تو مرجانے کو جی چاہتا ہے۔"

پاس بیٹھے منصور نے یکدم ہی اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ ماہ نور کے اندر بھی آنسوؤں کی برسات ہونے لگی۔ افضال حیدر ماحول کا بوجھل پن اور اداسی دور کرنے کے لیے ہولے سے ہنسے۔

"حمنہ گڑیا! یہ خیال تمہارے ذہن میں آیا۔ ہم میں سے کسی نے اس طرح سوچا نہیں۔ بہرحال دیر آید درست آید۔"

"آپ جانتے ہیں نصیر بھائی! اس کی وجہ کیا تھی۔ آپ سے ان سب کی بے حد محبت' شدید محبت کہ انہوں نے چاہا کہ آپ کو تکلیف نا ہو' آپ کو آرام پہنچایا جائے۔ سب کچھ خدمت میں حاضر کر دیا جائے۔"

"ہوں۔"

ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کے کونے پونچھتے ہوئے نصیر احمد نے سر ہلایا۔

"منصور۔۔۔ بیٹا تم ابو کو شام کو باہر لے جایا کرو' تمہارے گھر کے قریب اتنا بڑا میدان ہے۔ ان کے دوستوں سے ملاقات کرواؤ۔"

"جی۔"

منصور نے آہستگی سے کہا۔

"نصیر بھائی! یہ چیز جو میں نے منگوائی ہے اس کو آپ خود بھی ہینڈل کر سکتے ہیں۔ خضر آپ کو سب سمجھا دے گا۔" سب ہی مشکور نظروں سے حمنہ کو دیکھ رہے تھے جبکہ موحل' ذوہیب اور دانیال ایک طرف کھڑے ہنس رہے تھے۔

"تم تینوں وہاں کیا کھسر پھسر کر رہے ہو۔"

حمنہ کی نظر اچانک ہی ان پر پڑی تھی۔

تینوں نے فوراً اپنے منہ بند کیے لیکن موحل کی ہنسی نکل گئی۔

"یہ زوہی کہہ رہا تھا حمنہ خالہ اتنی بڑی ہیں اور انکل انہیں گڑیا کہہ رہے ہیں۔"

موحل کی بات پر سب نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں بھائی' واقعی یہ اتنی بڑی ہو گئی ہے لیکن میں کیا کروں میں تو بچپن سے ہی اسے گڑیا کہتا آ رہا ہوں۔ زبان پر چڑھا ہوا ہے۔"

"دیکھ لیں افضال بھائی جان! اب احتیاط کیا کریں۔ یہ میرا لاڈلا بھی منہ نیچے کیے مسکرا رہا ہے۔"

انہوں نے شاہرم کی طرف اشارا کیا جو ہولے ہولے مسکرا رہا تھا۔

"حمنہ خالہ بالکل ویسی ہی ہیں جیسا روما نے بتایا تھا اور ہم نے کتنا مشکل وقت کاٹا ہے اور اگر حمنہ خالہ یہاں پاکستان میں ہوتیں تو شاید وہ مشکل وقت اتنا مشکل نا لگتا۔" ماہ نور ان کی طرف ہی دیکھ رہی تھی کہ علینہ نے آہستہ سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آؤ اپنے کمرے میں چلتے ہیں ہم کچھ ریسٹ کر لو پھر باتھ لے کر فریش ہو جانا۔"

اس نے طیبہ خاتون کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ واقعی بے حد مضمحل محسوس کر رہی تھی۔ کچھ دیر کو لیٹنا چاہتی تھی' آنکھیں بند کر کے اعصاب کو پرسکون کرنا چاہتی تھی۔ بار بار ادب صاحب کا خیال آ جاتا تھا اور بار بار وہ خود سے کہتی تھی۔

I am strong enough to say "No"

کمرے میں آ کر بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہوتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ لونگ روم سے سب کے ہنسنے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ولید مختلف ہوٹلز کے نام لے رہا تھا۔ جہاں اس کے خیال میں اچھا کھانا کھایا جا سکتا تھا۔

علینہ اسے کمرے میں جانے کا کہہ کر خود کچن میں چلی گئی تھی اس نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ

بند کیا تو آوازیں مدھم ہو گئیں۔

علینہ ہنستی ہوئی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"باہر حمنہ پھپھو کو لوٹنے کی منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔ بقول ولید کے کینیڈا کی کمائی ہے۔" ماہ نور نے ذرا ذرا آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

"اے آنکھیں کھولو۔"

علینہ نے ہولے سے اس کا بازو ہلایا۔

"میرے پاس بہت ساری خبریں ہیں تمہیں سنانے کے لیے۔"

"مثلاً۔"

ماہ نور نے لیٹے لیٹے ہی پوچھا۔

"اسفر کا فون آیا تھا۔"

"اس میں نئی بات کیا ہے' وہ تو آتا ہی رہتا ہے۔"

ماہ نور کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"یہ ہے بد تمیز کہ اسفر کراچی آ رہے ہیں۔"

"یہ بات بھی پرانی ہو چکی۔ وہ تو کب سے کراچی آنے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ یہ بتاؤ' وہ تمہیں پرپوز کر رہے ہیں۔"

"اسفر نے کہا ہے کہ وہ کراچی آئیں تو پاپا سے بات کریں گے۔"

"تمہارے پاپا سے وہ خود بات کریں گے۔ ماموں جان یا خالہ جان کو بات کرنا چاہیے۔"

"دراصل ابھی انہوں نے پھپھو سے بات نہیں کی' وہ چاہ رہے تھے کہ پہلے پاپا سے بات کر لیں۔ اگر پاپا سے سپورٹ ملی تو تب وہ تمہارے ماموں جان سے بات کریں گے۔ پاپا سے وہ بہت فرینک ہیں۔ تمہیں پتا تو ہے۔"

"لیکن علینہ! اگر تمہارے پاپا نے کوئی امید نا دلائی تو۔۔۔"

"نہیں' ایسا مت کہو پلیز۔"

علینہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

"تم نہیں جانتیں میرے لیے اسفر کتنے اہم ہو چکے ہیں۔ میں تو ان کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ محبت ایسی ہی ظالم ہوتی ہے ماہ! جب کوئی شخص دل کے اندر جاگزیں ہو جاتا ہے تو پھر اسے دل سے نکالنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ بس وہ ایک شخص زندگی کے سفر میں ساتھ ہو تو پھر کتنے خار چبھیں' کتنے آبلے پھوٹیں زندگی کا سفر مشکل نہیں لگتا۔ من چاہا ہم سفر ہو تو زندگی پھولوں کی سیج لگنے لگتی ہے۔ اسفر نہیں تو کوئی نہیں ماہ!"

"علینہ۔"

ماہ نور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم جانتی ہو نا آنٹی اسفر بھائی کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتی ہیں پھر اتنا آگے کیوں نکل آئی ہو۔"

"یہ سب اختیار سے باہر ہوتا ہے ماہ نور! لیکن تم اسے ابھی نہیں سمجھو گی کہ محبت کیسے انسان کو ذرے سے آفتاب بنا دیتی ہے۔"

"ہاں محبت انسان کو واقعی ذرے سے آفتاب بنا دیتی ہے۔"

ماہ نور نے زیر لب کہا اور سوچا۔

"میں بھی تو ذرے سے آفتاب بن گئی ہوں۔ محبت کے محض چند لفظوں نے مجھے بلند کر دیا ہے۔ ایک شخص نے' چاہے جانے کے یقین نے کیسے اندر ست رنگی روشنیاں بکھیر دی ہیں جیسے کائنات کا سارا حسن اس ننھے

دل میں سمٹ آیا ہو۔"

"اور مزید خبر یہ ہے۔"

وہ ہولے سے ہنسی اور اس کی آنکھوں میں جگنو سے چمکے۔

"وہ میری کلاس فیلو ہے ناندا' بتایا تھا نا تمہیں۔ وہ جو عبایا پہنتی ہے اور حجاب لیتی ہے۔"

"ہاں بتایا تھا تم نے کہ بہت پیاری ہے۔"

"ہاں' وہی۔ اس روز خضر مجھے چھوڑنے جا رہا تھا یونیورسٹی تو میں نے اسے روڈ پر پوائنٹ کے انتظار میں کھڑے دیکھ لیا تھا۔ وہ۔۔۔ وہ دل و جان سے خضر بھائی پر فریفتہ ہو گئی ہے اور یہ بات مجھے اس کی ایک دوست نے بتائی ہے۔"

وہ نچلے ہونٹ کا کونا دانتوں تلے دبا کر مسکرائی۔

"لہٰذا بی بی کو بتا دو کہ یہاں چانس بالکل نہیں۔"

علینہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھی لیکن ماہ نور تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ تھوڑے سے ہونٹ وا کیے' آنکھوں میں حیرت بھرے وہ ساکت بیٹھی تھی۔

❖❖❖

سمن بیڈ پر تصویریں بکھیرے بیٹھی تھی۔

"اپنا شبی کتنا پیارا لگ رہا ہے' ہے نا آپی!"

اس نے پاس ہی کرسی پر بیٹھی انعم کی طرف دیکھا جو نہایت انہماک سے اخبار پڑھ رہی تھی۔

"ہاں' اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔"

انعم اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"بس اپنے شعور اور سوچ کی بات ہوتی ہے سمو!"

"ابا جی ایسا نہیں سوچتے۔ ان کے خیال میں زیادہ تعلیم سے لڑکیاں بگڑ جاتی ہیں۔ اس کے لیے وہ ہمیشہ حمنہ خالہ کی مثال دیتے ہیں کہ انہوں نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی اور۔۔۔"

"اپنی پسند کی شادی کرنا کوئی جرم تو نہیں ہے نا آپی!"

سمن نے اس کی بات کاٹ دی۔

"جب اس میں والدین کی مرضی بھی شامل ہو۔ مجھے امی جان نے بتایا تھا کہ افضال ماموں اور نانا جان' نانی اماں سب ہی اس شادی پر رضامند اور خوش تھے۔"

انعم نے اس بار کوئی تبصرہ نہیں کیا اور پھر سے اخبار اٹھا لیا۔

"آپی! میں سوچتی ہوں۔ اگر ہمارے ہاں ہماری فیملی میں ایسی کوئی بات ہو جائے یعنی اسفر بھائی تم میں یا مبشر ہی اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتے تو ابا جان تو اسے قتل ہی کر دیتے۔ بقول شبی ظل الٰہی۔"

"کیا فضول باتوں میں الجھی ہو۔ ادھر دو مجھے تصاویر میں امی جان کو دکھا دوں۔"

انعم کو اس کی اس لایعنی بات سے الجھن سی ہوئی۔

"انعم! تم ادھر ہو۔"

عذرا بیگم نے تھوڑا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"جی امی جان! کوئی کام تھا آپ کو۔"

"نہیں بس ایسے ہی۔"

عذرا بیگم اندر آ گئیں۔

"اسفر کا پوچھنا تھا کب تک آنے کا کہا تھا۔"

"یہ یاد تو نہیں تھا کہ کب تک آئیں گے لیکن ظاہر ہے شادی کا فنکشن ختم ہو گا تو آ جائیں گے۔"

"خیریت' آپ کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔"

انعم نے بغور انہیں دیکھا۔

"نہیں' پریشان تو نہیں ہوں' بس یوں ہی۔"

وہ سمن کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"امی جان! یہ تصاویر غزالہ اور شبی کے نکاح کی دیکھیے۔ آج ہی شبی دھلوا کے لایا ہے۔"

"ہاں' دکھاؤ۔"

وہ تصاویر دیکھنے لگیں۔

"ماشاءاللہ دونوں کی جوڑی خوبصورت ہے' تمہارے ابا جان نے جلدی تو کی لیکن لڑکی پیاری ہے۔"

انہوں نے تصاویر لفافے میں رکھیں۔

"صرف پیارا ہونا ہی اہم نہیں ہوتا امی جان! اللہ کرے عادات و مزاج کی اچھی ہو' اپنے شبی جیسی ہو۔ دونوں میں انڈراسٹینڈنگ ہو۔"

"ہاں بیٹا! تم صحیح کہتی ہو۔" انہوں نے انعم کی طرف دیکھا۔

"حمنہ بھی یہی کہہ رہی تھی۔"

"آپ کی بات ہوئی تھی ان سے۔"

سمن نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں' کل ہی بات ہوئی تھی۔"

"کراچی سے آنے کے بعد انہوں نے چکر ہی نہیں لگایا ادھر کا۔ وہاں سب کیسے ہیں۔ میں نے ان سے کہا تھا تصاویر لائیے گا۔ کچھ بتایا کہ تصاویر لائی ہیں یا نہیں۔"

وہاں سب اچھے ہی ہیں اور مجھے تو تصاویر کا کچھ نہیں بتایا۔ میں سوچ رہی تھی اسفر ہوتا تو ایک چکر لگا آتی اس کی طرف۔ وہ بھی کہہ رہی تھی کہ چکر لگا جاؤں۔"

"وہ خود ہی آجاتیں۔"

"وہ آتے ہی مصروف ہو گئی ہے' ہاسپٹل جوائن کر لیا ہے اور پھر شاہرم بھی اسفر کے ساتھ گیا ہوا ہے۔"

اسفر بھائی کے ساتھ۔"

سمن نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ حمنہ بتا رہی تھی کراچی سے آتے ہی دو دن بعد اسفی کے ساتھ چلا گیا اس کے دوست کے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے۔"

"آپ اباجی سے پوچھ لیں تو میں اور شبی چلتے ہیں آپ کے ساتھ۔ سچی' بہت جی چاہ رہا ہے ان سے ملنے کو۔ اتنی اچھی باتیں کرتی ہیں حمنہ خالہ کہ دل پر دھرا بوجھ کم ہو جاتا ہے۔"

"اچھا ابھی تمہارے ابا جان آئیں گے کھانا کھانے تو پوچھتی ہوں۔ ویسے اسفر نے کوئی نمبر وغیرہ نہیں دیا تھا وہاں کا۔"

"نہیں۔" انعم نے ایک گہری نظر ان پر ڈالی۔

"لیکن شاید شاہرم نے حمنہ خالہ کو بتایا ہو پھر میرا خیال ہے شاہرم کے پاس پاک ٹیل بھی ہے۔ آپ ادھر جائیں گی تو پوچھ لیجیے گا لیکن....."

"کیا بات ہے امی جان! اباجی نے کچھ کہا ہے اسفر بھائی کے متعلق۔"

"نہیں۔ انہوں نے تو اسفی کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ بس یونہی آجاتا تو اچھا تھا۔ دل اداس ہو رہا ہے۔"

"اتنے سارے سال کیسے گزارے آپ نے ان کے بغیر۔"

سمن ہولے سے ہنسی۔

"پتا نہیں لیکن اب تو اسے جدا کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ وہ امریکہ جانے کی بات کرتا ہے تو میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔"

"میں بھی سوچتی ہوں وہ چلے گئے تو ہم سب کتنے تنہا ہو جائیں گے۔ حالانکہ وہ ہمیشہ سے ساتھ نہیں رہے لیکن پھر بھی ان کے ہونے سے کتنے تحفظ کا احساس ہوتا ہے' ہے نا آنی!"

"ہاں انعم!"

عذرا بیگم اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئیں۔

"رات تمہارے اباجی کہہ رہے تھے کہ شبی کے ایگزام کے فوراً بعد کی کوئی تاریخ وہ رکھ رہے ہیں شادی کے لیے تو اس طرح تو بہت تھوڑا سا وقت ہے۔ کب ہو رہے ہیں اس کے پیپر۔"

"میرا خیال ہے اپریل کے اینڈ تک۔"

سمن نے بتایا۔

"تو ابھی نومبر ہے۔ کچھ وقت نکال کر تھوڑی تیاری شروع کرو۔ خاص طور پر کام کے لیے کپڑا پسند کر کے لے لیں۔ چھ سات جوڑے تو بھاری کام والے ہوں گے۔ کچھ ہلکے کام اور کڑھائی وغیرہ کے' وقت گزرتے پتا ہی نہیں چلے گا۔"

"جی امی جان کچھ شروع کرتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ غزالہ سے بھی اس کی پسند وغیرہ پوچھ لی جائے۔"

"پرسوں ان کے ہاں دعوت ہے' رات کا کھانا ہے۔ تم پوچھ لینا غزالہ سے۔"

"کس خوشی میں۔"

سمن نے پوچھا۔

"بس یونہی دعوت مل بیٹھنے کا بہانہ ہے اور کیا' جب آپس میں رشتے ہوتے ہیں تو اس طرح کی دعوت کے سلسلے تو چلتے رہتے ہیں۔"

عذرا بیگم کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"تمہارے چھوٹے ماموں اللہ اسے جنت نصیب کرے' منگنی ہوئی تھی تو آئے دن دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ تمہارے نانا ابو بھی شوقین تھے اور ادھر وحیدی کے سسرال والے بھی' خوب رونق لگی رہتی تھی۔"

"اسفی بھائی اس روز بتا رہے تھے کہ ماموں جان کے ہاں اب بھی خوب رونق ہوتی ہے اور ماموں جان سب کے ساتھ مل کر گپ شپ لگاتے ہیں' کیرم کھیلتے ہیں اور بالکل دوستوں کی طرح سب سے ٹریٹ کرتے ہیں۔"

"ہاں بھائی جان ایسے ہی ہیں' میرے ابا جان بھی ایسے ہی تھے۔ بہت دوستی تھی ان کی ہم سے امی جان سے ہمیں تھوڑا خوف آتا تھا لیکن ابا جان سے تو بالکل بھی نہیں۔ افضال بھائی اور وحید کو کوئی بات منوانا ہوتی تو ہمیں آگے کرتے تھے اور وہ میری اور حمنہ کی کوئی بات کبھی نہیں ٹالتے تھے۔"

سمن کی آنکھوں اور چہرے پر حسرت کے رنگ بکھر گئے۔

اور یہاں ہم جائز بات بھی نہیں کر سکتے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا اور عذرا بیگم سے کہا۔

"امی جان کراچی چلیں نا۔ کسی روز پروگرام بنا لیں۔ میں تو بچپن میں کراچی گئی تھی آپ کے ساتھ۔ مجھے تو کسی کی شکل تک یاد نہیں اور پھر وہ لوگ بھی یہاں نہیں آتے۔"

"ہاں' جی تو میرا بھی چاہ رہا ہے' بہت۔ بھائی جان سے' بچوں سے ملنے کو۔ اسفر کہہ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ہی کراچی کا پروگرام بنا لوں۔ دیکھو تمہارے ابا جان کیا کہتے ہیں۔"

"وہ مجھے جانے دیں گے۔"

سمن نے بچوں کی سی معصومیت سے پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

عذرا بیگم نے نظریں چرا لیں۔

میاں صلاح الدین نے کبھی بھی اس بات کو پسند نا کیا تھا کہ وہ بچوں کو ساتھ لے کر جائیں۔ ذرا بچے بڑے ہوئے تو وہ گھر پر ہی انہیں روک لیتے تھے یہ کہہ کر "اس آزاد ماحول میں ان کے بگڑ جانے کا خطرہ ہے۔" اور عذرا بیگم نے بھی کبھی اصرار یا ضد نا کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد وہ بہت کم کراچی گئیں۔

"یوں بھی تمہاری پڑھائی کا حرج ہو گا۔"

"تو اگلے ماہ کا پروگرام بنا لیں۔ دسمبر میں چھٹیاں ہوں گی۔ سب چلیں گے۔ ماموں جان اتنا بلاتے ہیں۔"

"اچھا۔"

عذرا بیگم نے آہستگی سے کہا۔

"ویسے ایک بات ہے امی جان! ہم نہیں جاتے تو ماموں جان بھی تو نہیں آتے یہاں۔ میں نے اپنے ہوش میں زیادہ سے زیادہ تین چار بار انہیں دیکھا جب وہ یہاں آئے۔"

"دراصل امی جان اور ابا جان بیٹیوں کے گھر زیادہ جانا پسند نہیں کرتے۔"

عذرا بیگم نے بتایا۔

"خیر میں تو جب جاؤں گی کراچی تو ماموں جان سے ضرور گلہ کروں گی۔"

سمن نے کسی کو مخاطب کیے بغیر کہا اور پھر اپنی طرف کسی قدر حیرت سے دیکھتی انعم کو دیکھا۔

"تم حیران ہو رہی ہو آپی کہ اس سے پہلے تو میں نے کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کیں۔"

اس کی آواز میں ہلکی سی افسردگی در آئی تھی۔

"اس سے پہلے کبھی میرا دل یوں گھبرایا بھی نہیں تھا آپی! لیکن اب جی چاہتا ہے کچھ دیر کو کہیں اور کسی ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں یہ سب بھول کر خوب ہنسوں، خوب خوش ہوں جہاں یہ سب نا ہو۔ اباجی کی بے اعتنائی، ان کی خاموش نظروں کی مار، شبی کی اداسی اور اسفر بھائی کی بے بسی کچھ بھی نہیں۔ بہت دم گھٹتا ہے کبھی کبھی میرا۔"

انعم نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"تم دراصل بہت سوچتی ہو بہت حساس ہو گئی ہو۔ اباجی زیادہ عرصہ ناراض نہیں رہیں گے تم سے۔"

"شاید۔"

اس کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ عذرا بیگم دکھ اور بے بسی کا احساس لیے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ابھی کل رات بھی انہوں نے میاں صلاح الدین سے کہا تھا۔

"میاں جی، وہ تو آپ کی بہت لاڈلی بیٹی ہے۔ اس کی نادانی کو معاف کر دیں۔ وہ بہت ڈسٹرب رہتی ہے۔"

"لاڈلی بیٹی تھی۔"

انہوں نے تصحیح کی۔

"اور اس کی خواہش پوری تو کر دی۔ اب جتنا جی چاہے پڑھے جھنڈے گاڑے۔"

"لیکن آپ اس سے بولتے نہیں، بات نہیں کرتے تو بہت روتی ہے۔"

"کس لیے روتی ہے۔"

انہیں غصہ آ گیا۔

"میری پروا کی اس نے جو اب روتی ہے۔ میری عزت کا خیال رکھا اس نے۔"

"بچی ہے اور آپ کا رویہ ڈسٹرب کر رہا ہے۔"

"تو پھر ایک بار خود کشی کر لے جو عزت اس وقت بچ گئی تھی کر دے سر بازار نیلام۔"

ان کے لہجے نے عذرا بیگم کے اندر آنسو بھر دیے لیکن وہ ضبط کیے بیٹھی رہیں۔

"اور ہاں، حاجی صاحب نے ایک رشتہ بتایا ہے انعم کے لیے۔ اس سے پہلے کہ یہ بی بی بھی بہن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بغاوت کر دیں، میں چاہتا ہوں عزت و آبرو سے اسے اپنے گھر کا کر دوں۔"

"میاں جی۔" عذرا بیگم نے تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔

"خدانخواستہ ہماری بچیوں میں کوئی غلط بات نہیں ہے۔ سمجھ دار ہیں، نیک اور فرمانبردار ہیں۔"

"سمجھ داری کا ثبوت دیا تو تھا آپ کی بچی نے۔" لہجے میں طنز اور تلخی تھی۔

"پڑھنے کی خواہش ہی تو کی تھی اس نے۔ یہ کوئی ایسا بڑا گناہ نہیں تھا۔"

"اور اس خواہش کو پورا کروانے کے لیے جو حرکت کی اس نے کیا وہ گناہ نہیں تھا۔ آپ تو خود پڑھی لکھی ہیں۔ اتنا علم تو آپ کو ہو گا ہی یا میں بتاؤں کہ خود کشی کرنے والے کے لیے کیا کہا گیا ہے۔"

اور عذرا بیگم خاموش ہو گئی تھیں کہ ان سے حجت اور بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا اور سمن سے شاید ہی کبھی ان کا دل صاف ہو۔ وہ ایسے ہی تھے۔ ایک بار جس کے لیے دل میں کوئی بات رکھ لیتے تھے، وہ ہمیشہ ان کے دل میں رہتی تھی۔ اتنے برس گزر گئے تھے، انہوں نے حمنہ کی غلطی معاف نہیں کی تھی۔ حالانکہ جب تک حمنہ کی شادی نہیں ہوئی تھی، ان کا حمنہ کے ساتھ سلوک بہت اچھا تھا۔ ہنسی مذاق بھی کرتے تھے اور اپنی بہن کے مقابلے میں اس کا زیادہ خیال کرتے تھے، اسے ڈاکٹرنی کہہ کر بلاتے تھے لیکن جب سید قائم شاہ کا رشتہ آیا تو انہوں نے بہت مخالفت کی تھی۔ یہ سن کر کہ لڑکا حمنہ کا کلاس فیلو ہے اور اس کے والدین رضامند نہیں ہیں اس شادی پر۔

"ڈاکٹرنی نے چکر چلا لیا وہاں۔" وہ طنز کرتے تھے اور تب سے لے کر اب تک ان کا رویہ حمنہ کے ساتھ خاصا کھردرا سا تھا بلکہ وہ پسند نہیں کرتے تھے ان کا گھر آنا جانا۔ وہ تو شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی کینیڈا چلی گئی تھیں، ورنہ اکثر عذرا بیگم کو تنبیہہ کرتے رہتے تھے کہ بہن صاحبہ لاہور آ گئی ہیں تو یہ نا ہو کہ صبح شام بہن کے گھر کے چکر لگتے رہیں۔

اور اب جبکہ حمنہ واپس آئی تھیں تو اس روز ہاسپٹل میں ہی بغیر کسی لحاظ کے انہوں نے عذرا بیگم سے کہہ دیا تھا کہ "میں حمنہ بیگم کا زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتا۔ یہ نا ہو کہ آئے دن وہ اپنے بیٹوں کو لیے ادھر آئی ہوئی ہوں اور تم بچیوں کو لے کر ادھر پہنچ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ ان کا اخلاق خراب ہو۔ اب تک انگریزوں والی ساری خرابیاں پیدا ہو چکی ہوں گی اس کی اولاد میں۔"

اور اب سمن کہہ رہی تھی کہ وہ حمنہ کے گھر جانا چاہتی ہے اور اگر انہوں نے منع کر دیا، انہوں نے کہہ دیا کہ میں نے پہلے ہی تمہیں کہا تھا کہ حمنہ کے گھر بچیوں کو لے کر مت جانا۔ سمن کو تو بہت افسوس ہو گا۔ ویسے ہی اتنی چپ چپ رہنے لگی ہے۔ وہ اس کی شرارتیں، اس کی ہنسی، چھیڑ چھاڑ سب ختم ہو گئی ہے۔ کوئی اور نہیں ملتا تھا تو رمضان کو ہی تنگ کرنے لگتی تھی اور اب کتنی خاموشی ہو گئی ہے پورے گھر میں۔ تبھی بھی خاموشی سے کالج سے آ کر کمرے میں گھس جاتی ہے۔ اسفر بھی نہیں تھا اور وہ چاہ رہی تھیں کہ حمنہ کی طرف جائیں اور سید قائم شاہ سے کہیں کہ وہ ذرا اپنے طور پر اس لڑکے کے متعلق پتا کروائیں۔ کون ہے، کیسا ہے، کیا کرتا ہے، عادات و اطوار کا کیسا ہے۔ میاں صاحب نے تو کوئی خاص تفصیل نہیں بتائی تھی، سوائے اس کے کہ لڑکا طویل عرصہ سے جرمنی میں ہے۔ والدین نہیں ہیں، بھائی ہیں، حاجی صاحب کے جاننے والے ہیں اور بقول ان کے بہت اچھے اور معقول لوگ ہیں۔ لڑکا بھی بہت اچھا ہے، پچھلے سال جب وہ پاکستان آیا تھا تو ان کی ملاقات ہوئی تھی لڑکے سے۔ میاں صلاح الدین تو بہت مطمئن تھے لیکن پتا نہیں کیوں عذرا بیگم کا دل گھبرا رہا تھا۔ پتا نہیں کیوں انہیں لگ رہا تھا کہ یہ رشتہ اچھا نہیں ہے اور میاں صلاح الدین کو اگر لوگ پسند آ گئے تو انہوں نے ہتھیلی پر سرسوں جمانی ہے۔

"کاش اسفر آ جائے۔"

انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"امی جان! میں تیار ہو جاؤں۔"

سمن کی آنکھوں میں وہی اشتیاق تھا۔

"اپنے ہوش میں پہلی بار میں اپنے کسی قریبی عزیز کے گھر جاؤں گی۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

وہ اس کا دل نا توڑ سکیں۔

"میں تمہارے اباجی سے پوچھتی ہوں۔ شبی گھر میں ہے، اسی کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم بھی آجانا۔" سمن کی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھے۔

"انعم! ذرا نمبر تو ملاؤ اپنے اباجی کا۔"

"جی اچھا۔"

وہ ان کے ساتھ ہی اٹھ کر لاؤنج میں آئی اور نمبر ملا کر ریسیور ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"وعلیکم السلام۔"

دوسری طرف سے میاں صلاح الدین کی آواز سنائی دی۔ "اچھا ہوا آپ نے فون کر لیا، میں ابھی آپ کو فون کرنے ہی لگا تھا۔"

"جی خیریت۔" عذرا بیگم نے پوچھا۔

"پہلے بتائیے، آپ نے کیوں فون کیا تھا۔"

"وہ میں دراصل حمنہ کی طرف جانا چاہ رہی تھی۔ وہ جب سے کراچی سے آئی ہے، جانا نہیں ہو پایا۔ نا ہی وہ آسکی ہے۔"

"کراچی سے آئی ہے، کوئی حج کر کے تو نہیں آئی کہ جانا بہت ضروری ہے۔"

حسب معمول طنزیہ لہجے میں جواب ملا تو ایک لمحہ کو عذرا بیگم کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"خیر آپ اپنی بہن صاحبہ سے کل مل لیجیے گا۔ ابھی حاجی صاحب کا فون آیا تھا، وہ لوگ شام کو آرہے ہیں انعم کو دیکھنے۔ کچھ بازار سے منگوانا ہو تو ڈرائیور کے ہاتھ لکھ کر بھجوا دیجیے گا۔ زیادہ لوگ نہیں ہوں گے۔ حاجی صاحب کی بیگم اور لڑکے کی بھابھی اور بھتیجی ہو گی۔"

"جی۔"

ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے انہوں نے ریسیور رکھ کر سمن کی طرف دیکھا۔

"شام کو کچھ لوگ انعم کو دیکھنے آرہے ہیں، تم بیٹا! میرے ساتھ کچن میں آؤ اور انعم! تم تیار ہو جانا شام کو۔"

انعم کے ہاتھ سے اخبار نیچے گر پڑا۔ وہ کچھ دیر حیرت سے انہیں دیکھتی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"امی جان! آپ بتا دیجیے کیا کرنا ہے، میں اور سمن کر لیتے ہیں۔" عذرا بیگم نے ایک شفقت بھری نظر انعم پر ڈالی اور دل ہی دل میں اس کے اچھے نصیب کی دعا مانگتے ہوئے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئیں۔

■■■

"شاہ رخ بھائی گلے تو مل لیں یا پہچانا نہیں۔"

"شاہرم! تم یہاں کیسے آگئے۔ میں نے منع کیا تھا تمہیں۔" انہوں نے کسی قدر گھبرا کر پیچھے دیکھا اور پھر اپنی طرف بڑھتے شاہرم کو۔

"میں اپنے کزن کے دوست کے بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے اس کے ساتھ آیا ہوں۔ آپ کو اعتراض ہے کیا۔"

"ہاں، نہیں تو۔"

انہوں نے اسے گلے لگایا تو بے اختیار مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا۔

"ویسے تم ہو بہت بولڈ یار! جیسا کہا تھا، ویسا ہی کیا۔"

"بخدا شاہ رخ بھائی! وہ صرف ایک مذاق تھا اور تب میرا ایسا کوئی ارادہ نا تھا لیکن جب اسفی بھائی نے بتایا کہ وہ جا رہے ہیں اپنے دوست شاہ رخ کے بھائی شاہ زیب کی شادی میں شرکت کے لیے اور یہ جان کر کہ وہ شاہ رخ آپ ہی ہیں تو میں نے فوراً "پروگرام" بنا لیا۔"

"یہ بتاؤ چاچو اور چچی جان کو پتا ہے کہ تم اسفر کے ساتھ کہاں آئے ہو، کس کی شادی میں شرکت کے لیے۔"

"نہیں، بالکل نہیں۔" وہ تھوڑا سا ہنسا۔

"جا کر بتاؤں گا۔"

اس نے مڑ کر حیران سے بیٹھے اسفر کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے شاہ رخ بھائی! اسفر بھائی بہت حیران ہیں، ان کا تجسس تو ختم کریں۔"

"ہاں، ہاں۔"

شاہ رخ نے حیران بیٹھے اسفر کی طرف دیکھا۔

"شاہرم کے والد سید قائم علی شاہ میرے سگے چاچو ہیں۔ ایک بار میں نے تم سے ذکر کیا تھا نا ان کا۔"

"ہاں ہاں، جنہوں نے اپنی پسند سے شادی کی تھی۔" اب اسفر کی آنکھوں میں خوشگوار سی حیرت تھی۔

"بالکل وہی۔"

شاہ رخ کے ہاتھ میں ابھی تک شاہرم کا ہاتھ تھا۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر خوش بھی ہو رہے تھے اور گھبراہٹ سی بھی تھی۔ شاہ جی کا تلخ لہجہ، شجاع شاہ کی ٹرانسفر اور نفرت کا اتنا شدید اظہار۔

"اور تمہارے چاچو کی وائف ڈاکٹر حمنہ حیدر میری سگی خالہ ہیں۔"

"رئیلی اسفی!"

شاہ رخ بہت حیران ہو رہے تھے۔

"کیسی حیران کن بات ہے۔ یعنی اس طرح تو ہم تم قرابت دار بھی ہو گئے۔ واؤ۔"

"کاش میں یہاں اس حیثیت سے تمہارا تعارف کروا سکتا۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"لیکن۔۔۔ ابھی احتیاط کرنا شاہرم کے والد کا نام نا بتانا کسی کو۔ کسی کو شک بھی نا ہو کہ شاہرم کس کا بیٹا ہے۔ شاہ جی اسے پسند نہیں کریں گے، بالکل بھی نہیں۔"

شاہ رخ کے لہجے میں تشویش تھی۔

"تمہارے شاہ جی بہت سخت مزاج ہیں، پہلے تو تم نے کبھی بتایا نہیں۔"

"اس سے پہلے مجھے خود بھی پتا نہیں تھا کہ شاہ جی کا مزاج ایسا ہے۔ میں نے تو ہمیشہ انہیں بہت محبت کرنے والا اور بھائی پایا۔ شاہ جی اور ان کے بچوں سے، ہم سے ہمیشہ ہی انہوں نے پیار اور محبت کا سلوک روا رکھا لیکن چاچو کے ساتھ ان کا رویہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ خیر چھوڑو ہم لوگوں نے چائے پانی پیا۔"

"ہاں، پی لیا۔"

اسفر نے جواب دیا۔ شاہرم چاروں طرف کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تو تم باتھ لے کر فریش ہو جاؤ، تب تک چائے آجائے گی۔ چائے پی کر تم لوگ آرام کرنا، سفر بھی لمبا ہے۔ اپنی ... نا ہو تو لاہور سے یہاں تک چھ سات گھنٹے تو لگ جاتے ہیں پھر کھانے پر ملاقات ہو گی۔"

"ہاں، میں واقعی تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ شاہرم تو راستہ بھر انجوائے کرتا رہا اور قدرت کو سراہتا رہا۔ ویسے ویلی بہت ہے۔ اتنی گرینری، اتنا سبزہ، پہاڑ سب بہت اٹریکٹ کر رہے تھے۔"

"ہاں، ہمارا علاقہ خوبصورت بہت ہے۔"

شاہ رخ نے جواب دے کر شاہرم کی طرف دیکھا۔

"تم تو یوں جائزہ لے رہے ہو شاہو ڈیر! جیسے ڈاکو سیندھ لگانے کے لیے جائزہ لیتے ہیں۔"

"یہ گیسٹ روم بہت وسیع اور خوبصورتی سے ڈیکوریٹ کیا ہوا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا کہ کسی بہت اچھے کاریگر نے یہ لکڑی کا کام کیا ہے۔ یہ باتھ اور ساتھ میں ڈریسنگ روم۔"

"مستقبل کے انجینئر ہونا۔"

شاہ رخ کی نظروں میں اس کے لیے بڑے بھائیوں جیسی چاہت تھی۔

"باقی لوگوں سے کب ملاقات کروائیں گے۔"

"رات کو فنکشن میں ملاقات ہوگی لیکن شاہو میری جان اپنے آپ کو بے اختیار نہ ہونے دینا۔"

"پھپھو سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے کیا؟"

"مشکل ہے' ہمارے ہاں خواتین کا انتظام بالکل الگ ہوتا ہے۔ تاہم کوشش کروں گا۔" شاہ رخ سنجیدہ تھے۔

"اور گھر۔۔۔ کیا میں گھر دیکھ سکتا ہوں۔"

"حویلی کا مردانہ حصہ تو دیکھ لینا لیکن اندر جانا ناممکن ہے۔"

"یہ حویلی جہاں میرے پاپا نے جنم لیا' پلے بڑھے' چلے پھرے۔ بابا کا کمرہ کون سا تھا۔ اب اس کمرے میں کون ہوتا ہے۔"

"چاچو کا کمرا اندر حویلی میں ہی تھا' اب شاہ میر کے پاس ہے وہ کمرا۔ میرا خیال ہے وہی کمرا پہلے چاچو کا ہوتا تھا۔"

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تو شاہ رخ خاموش ہو گئے۔

"آجاؤ۔"

وہ دروازے کی طرف ہی دیکھ رہے تھے۔

ملازم چائے اور لوازمات لایا تھا۔ اس نے سینٹر ٹیبل پر سامان رکھا' پیچھے ایک اور ملازم تھا۔

"یار! ہم نے کھانا بھی کھانا ہے۔"

اسفر نے اتنے لوازمات دیکھ کر کہا۔

"کھانے میں ابھی بہت دیر ہے۔"

"پھر تو میں سو جاؤں گا کچھ دیر۔ بہت دنوں سے ٹھیک سے سو نہیں پایا۔"

ملازم نے سامان ٹیبل پر لگا دیا تو شاہ رخ نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"اپنی مدد آپ کرو گے یا میں مدد کروں۔"

"نہیں بھائی! ہم اپنی مدد خود کر لیں گے۔"

شاہرم نے جو کھڑکی کے پاس کھڑا اس کا معائنہ کر رہا تھا' مڑ کر پلیٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں اسفی! تم بتاؤ سب ٹھیک ہیں وہاں۔ شبی! اب کیسا ہے۔ اس نے صورت حال کو قبول کر لیا ہے۔"

"ہاں کچھ بہتر ہے اب۔"

شاہرم نے رول پلیٹ میں رکھتے ہوئے اسفر کی طرف دیکھا۔

"آپ کے اور شاہ رخ بھائی کے درمیان دوستی کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ ایک دوسرے کے ہر دکھ سکھ سے واقف ہیں آپ۔"

"ہاں ہم تین دوست ہیں اور ہم تینوں میں سے کوئی بھی اپنی کوئی بات دوسرے سے نہیں چھپاتا۔"

شاہ رخ نے شاہرم کو بتایا۔

"بلند بخت کسی وجہ سے نہیں آ سکا۔ شاید کل تک آجائے۔"

"مجھ میں اور شاہ رخ میں کئی باتیں مشترک ہیں۔"

اسفر مسکرائے۔

"یعنی ہم دونوں انجینئر ہیں۔ ہم دونوں کے چھوٹے بھائیوں کی شادیاں ہم سے پہلے ہو رہی ہیں۔ ہم دونوں باہر تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ہم دونوں کے والد ہم سے ناراض رہتے ہیں۔ میرے والد تو خیر بہت زیادہ اور شاہ رخ کے کچھ کم لیکن بہرحال آج کل کچھ ناراض ضرور رہتے ہیں۔"

"ناراض تو نہیں' ہاں کچھ اختلاف ضرور ہو جاتا ہے' کسی نا کسی بات پہ۔"

شاہ رخ نے اپنے لیے چائے بنائی۔

"ایک بات تم میں ہے جو مجھ میں نہیں۔"

"کیا۔"

اسفر نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارا دل محبت آشنا ہو چکا جبکہ یہاں فی الحال دور دور تک اس کے آثار نہیں۔"

"ہیں۔۔۔ کیا۔۔۔"

شاہرم اچھلا۔

"یعنی شاہ رخ بھائی! آپ کا مطلب ہے اسفر بھائی۔۔۔"

"اوہ نو۔۔۔ یہ تو بڑے سیریس سے ہیں۔"

"تو کیا سیریس بندہ محبت نہیں کر سکتا۔" شاہ رخ مسکرائے۔

"ہاں خیر محبت کی تو کوئی قید نہیں لیکن اسفر بھائی کیا یہ سچ ہے۔" اسفر صرف مسکرا دیے۔

"یعنی دال میں کچھ کالا ہے مگر وہ محترمہ کون ہیں؟"

"ابھی یہ بات پردے میں ہے سو پردے میں ہی رہنے دو شاہو ڈیر!"

"اگر ایسا تھا اسفر بھائی! تو پھر پہلے آپ کی شادی ہو جانا چاہیے تھی۔ بے چارے مبشر کو پھنسایا آپ نے۔"

"میں نے نہیں۔ بابا جی نے۔"

"خالو جان بھی کمال کرتے ہیں۔ میں تو بس ایک دفعہ مما کے ساتھ گیا تو ملاقات ہوئی اور خوامخواہ ہی رعب طاری ہو گیا تھا مجھ پر۔ مما نے اتنی نصیحتیں کی تھیں۔ یوں کرنا' یوں نا کرنا کہ سارا ٹائم شرمیلی لڑکیوں کی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا۔"

"حالانکہ تم شرمیلے ہرگز نہیں ہو۔"

"اب اپنی تعریف میں خود کیا کروں۔"

شاہرم نے چائے کا ایک لمبا گھونٹ بھر کے پیالی خالی کر کے نیچے رکھ دی۔

"ٹھیک ہے پھر کھانے پر ملاقات ہوگی۔ تم لوگ آرام کرو۔"

شاہ رخ کھڑے ہو گئے۔

"میں ملازم کو بھیجتا ہوں' وہ سامان لے جائے گا اور اگر کوئی کپڑے وغیرہ بھی پریس کروانے ہوں تو اسے دے دینا۔"

"میں بھی چلوں آپ کے ساتھ۔"

"تم آرام نہیں کرو گے۔"

"نہیں' مجھے بالکل تھکن محسوس نہیں ہو رہی۔ آپ کو کہاں جانا ہے؟"

"ابھی تو میں شاہ بابا کی طرف جا رہا تھا پھر رات کو سہرابندی کی رسم ہے' کھانا ہے سب کا ادھر۔ کچھ اس کی تیاری کرنا ہے' لائٹنگ کا شاہ جی کہہ رہے تھے صحیح انتظام نہیں ہے۔ باہر رات کے کھانے کے لیے مردوں کے لیے ٹینٹ لگوانے ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے میں آپ کی ہیلپ کرواتا ہوں۔ ہم کوئی آرام کے لیے تو نہیں آئے نا۔"

"اسفر بھائی کی تو طبیعت کچھ ٹھیک نہیں' تھوڑا آرام کر لیتے ہیں۔"

"نہیں' ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ کوئی کام ہے تو چلتا ہوں۔"

اسفر بھی کھڑے ہو گئے۔

"نہیں یار! تم ابھی آرام کرو۔ کام ہوا تو بلا لیں گے تمہیں۔ یہ ہیں نا چھوٹو میاں۔"

شاہ رخ نے شرارت بھری مسکراہٹ سے اس کی طرف دیکھا۔

اور اسے پیچھے آنے کا اشارا کرتے ہوئے باہر نکلے۔

"یہ جو شاہ بابا ہیں' کیا کوئی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔"

شاہ رخ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شاہرم نے پوچھا۔

"نہیں یار! ایسی کوئی بات نہیں۔ ان کی یادداشت اچانک ختم ہو گئی تھی اور کچھ مینٹل پرابلم تھا شاید۔ میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے' انہیں اسی حالت میں دیکھا ہے۔ ابھی تو بوڑھے ہو گئے ہیں لیکن جب ینگ تھے تب بھی زیادہ بات نہیں کرتے تھے۔ اپنے آپ میں مگن اور خاموش۔ ملازم کھانا دے دے تو کھا لیتے' نا دے تو مانگا نہیں کبھی۔ تمہیں پتا ہی ہو گا شاہ جی کے چچا ہیں' سوتیلے۔ اس طرح رشتے سے تمہارے بھی دادا ہوئے۔"

وہ باتیں کرتے کرتے ان کے کمرے کی طرف مڑ گئے۔ شاہ بابا اپنے کمرے کے باہر بچھی چارپائی پر بیٹھے تھے۔ بان کی چارپائی پر نا کوئی چادر تھی' نا تکیہ۔ غالباً کسی ملازم نے اپنے لیے رکھی ہو گی۔ شاہ بابا کمرے سے کبھی کبھار ہی نکلتے تھے۔ شاہرم ان کے کمرے کے ساتھ بنے باقی کمروں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ کوٹھڑی نما کمرے ایک ہی لائن میں تھے۔

"یہ کمرے کس مقصد کے لیے بنائے گئے ہیں۔"

اس نے پوچھا۔

"پھپھو بتا رہی ہیں' کسی زمانے میں یہاں حضرت جی کے مرید ٹھہرا کرتے تھے۔"

"کیا پیری مریدی کا سلسلہ اب بھی ہے۔"

"نہیں۔"

شاہرم کی بات کا جواب دے کر شاہ رخ شاہ' بابا کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"السلام علیکم شاہ بابا' کیسے ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں۔"

انہوں نے بے نیازی سے کہا۔

"یہاں باہر کیوں بیٹھے ہیں۔"

"دھوپ کو دیکھ رہا ہوں۔"

انہوں نے نگاہیں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

"دھوپ کو۔"

شاہ رخ نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"ہاں' اتنے سالوں بعد دیکھی ہے نا' اچھی لگ رہی ہے۔ اتنے سال اندر جو بند رہا۔"

"اندر کہاں شاہ بابا۔"

شاہ رخ کی آنکھوں میں یکدم دلچسپی نظر آنے لگی۔ شاہرم نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"یہاں اندر اور کہاں۔"

انہوں نے سر موڑ کر پیچھے کمرے کی طرف اشارا کیا۔

"مگر یہاں تو دروازہ کھلا رہتا تھا۔ آپ باہر آ کر دیکھ لیتے دھوپ۔"

انہوں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"دروازہ تو بند تھا۔"

ان کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

"دروازہ تو بند تھا۔"

انہوں نے پھر دہرایا۔

"چلیں اب تو کھل گیا ہے' آپ کو کہیں جانا ہے۔"

"نہیں میں نے تو دھوپ دیکھنی ہے۔ دیکھ رہا ہوں۔"

"لیکن آپ کہہ رہے تھے اس روز کہ آپ نے کہیں جانا ہے۔ تو بتائیے کہاں جانا ہے۔"

"نہیں میں نے کہیں نہیں جانا۔"

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"اچھا جب جانا ہو تو مجھے بتائیے گا' لے چلوں گا اور یہ میرے دوست کا بھائی ہے شاہرم' آپ سے ملنے آیا ہے۔"

"ٹیکہ لگائے گا کیا؟" وہ خوفزدہ سے ہو کر پیچھے ہٹے۔

"نہیں' آپ سے ملنے آیا ہے۔ بہت شوق تھا آپ سے ملنے کا اسے۔"

"اچھا۔"

انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر کچھ دیر یونہی دیکھتے رہے۔

"اس کی آنکھیں۔"

انہوں نے شاہ رخ کو مخاطب کیا۔

"اس کی آنکھیں سبز ہیں' سبز رنگ کی آنکھیں۔"

"ہاں ہاں' شاہ بابا اور کس کی آنکھیں سبز ہیں۔" شاہ رخ نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

انہوں نے نگاہیں جھکا لیں۔

"سبز آنکھیں اچھی ہیں۔"

شاہ رخ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"آؤ شاہرم! میں کتنے دنوں سے سوچ رہا تھا کہ شاید شاہ بابا کی یادداشت واپس آ رہی ہے' شاید کچھ بھولا ہوا انہیں یاد آ رہا ہے لیکن شاید شاہ بابا یونہی اپنی رو میں کچھ نا کچھ کہہ جاتے ہیں۔"

"آپ صحیح سوچ رہے تھے۔"

شاہرم نے تائید کی۔

"میرے خیال میں شاہ بابا اس پراسس سے گزر رہے ہیں' کہیں کوئی تارا چمکتا ہے پھر بجھ جاتا ہے۔ اگر کسی سائیکالوجسٹ کی خدمات حاصل کی جائیں تو شاید بہتری کی توقع کی جا سکتی ہے۔ ویسے ان کی یہ حالت ہوئی کیسے تھی۔"

"نہیں۔ یہاں کسی کو اس کا علم نہیں ہے۔"

"ایک بات پوچھوں شاہ رخ بھائی رشتے میں شاہ بابا آپ کے دادا ہی لگتے ہیں تو پھر وہ اندر حویلی میں رہنے کی بجائے یہاں کیوں ہیں۔"

شاہرم کی ذہانت سے وہ اس سوال کی توقع کر رہے تھے' لہٰذا ایک پھیکی سی مسکراہٹ سے انہوں نے شاہرم کی طرف دیکھا۔

"یہی بات میں نے بھی شاہ جی سے پوچھی تھی لیکن انہوں نے کہا تھا کہ مجھے اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔"

"اب میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ شاہ جی آپ سے خفا کیوں رہتے ہیں۔"

شاہرم کھل کر ہنسا تب ہی سامنے سے آتے ملازم کو دیکھ کر شاہ رخ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

"شاہ جی باہر میدان میں ٹینٹ سروس والوں کے پاس کھڑے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم جاؤ میں آتا ہوں۔"

ان کی نظریں شاہرم سے ملیں تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ اپنے اندر ایک ہیجان آمیز خوشی کو محسوس کر رہا تھا اس لیے بنا کچھ کہے شاہ رخ کے ساتھ چل پڑا۔

■■■

"آپی میں ان چھٹیوں میں لاہور جاؤں گی۔ حمنہ خالہ نے اماں سے کہا تھا کہ وہ مجھے چھٹیوں میں ضرور ان کے پاس بھیجیں اور اماں نے وعدہ بھی کر لیا تھا کتنا مزا آئے گا نا!"

زرل نے کینو چھیل کر ایک پھانک منہ میں ڈالی۔

"ہاں لیکن ابھی تو چھٹیوں میں بہت دیر ہے۔" ماہ نور نے جو اس کے پاس ہی بیٹھی مٹر چھیل رہی تھی مصروف سے انداز میں اسے دیکھا۔ آج سنڈے تھا اماں کی طبیعت صبح سے کچھ ناساز تھی۔ چند دن پہلے انہیں فلو ہوا تھا بگڑ گیا تھا۔ اس لیے ماہ نور نے صبح ہی صبح زرل کے ساتھ مل کر سارے گھر کی صفائی کر لی تھی اور اب دھوپ میں بیٹھ کر سبزی کاٹ رہی تھی تاکہ جلدی جلدی ہانڈی بنا کر جماعت دہم کے داخلہ ٹیسٹ کے پیپرز چیک کر سکے۔ کوشش کرتی تھی کہ زرل زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی کو دے۔

"دیر کہاں میں دسمبر کی چھٹیوں کی بات کر رہی ہوں۔" زرل نے جتایا۔

"لیکن روبا ڈیئر دسمبر کی چھٹیاں تو صرف آٹھ دن کی ہوتی ہیں۔ تم اتنی دور کیا صرف چند دن کے لیے جاؤ گی۔" ماہ نور کو اس کا پروگرام جان کر حیرت ہوئی۔

"ہاں' یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔ دسمبر کی چھٹیاں تو صرف آٹھ ہوں گی۔" زرل نے کینو چھیل کر اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں روبا تم کھاؤ بہت کھٹے ہیں۔" ماہ نور نے انکار کر دیا۔

"تب ہی تو مزے کے لگ رہے ہیں۔ نمک لگا کر کھاؤ۔"

"نہیں ابھی موڈ نہیں ہے۔"

"گرمیوں کی چھٹیوں میں تو ابھی بہت دیر ہے۔ پانچ چھ ماہ بعد ہوں گی مجھے سب سے ملنے کا بہت شوق ہو رہا ہے۔ انعم آپی' سمن' شبی' مدثر سب سے ملنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔ اتنی قریبی رشتہ داری ہے اور ہم نے آج تک دیکھا نہیں ان کو۔ حمنہ خالہ کہتی ہیں انعم اور سمن بہت پیاری ہیں اور وہ سب سے چھوٹی اروناتو بالکل پری ہے۔ مجھ سے اتنا انتظار نہیں ہوتا میں تو ان ہی چھٹیوں میں جاؤں گی۔" زرل نے پاس پڑی ٹوکری سے ایک کینو اٹھایا۔

"لیکن ڈیئر سسٹر! آٹھ دنوں میں دو دن تو آنے جانے میں لگ جائیں گے' ایک دن تو سامان تیاری میں لگ جائے گا اور ظاہر ہے چھٹی ختم ہونے سے ایک دن پہلے تو آنا ہی ہوگا تاکہ سفر کی تھکاوٹ دور کر کے اگلے روز کالج جا سکو اور تمہارے پاس بچیں گے صرف چار دن۔"

"اوہ آپی۔" زرل ہنس پڑی۔

"آپ نے تو میرا سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ میں نے تو اریج کو بھی تیار کر لیا تھا ساتھ جانے کو۔"

"منع کر دینا۔ بہتر ہے کہ گرمیوں کی چھٹیوں میں ہی جاؤ جون کے اینڈ تک ایگزام سے فارغ ہو جاؤ گی بے فکر جانا اور جتنے دن جی چاہے رہنا۔" ماہ نور نے مشورہ دیا۔

"اور پھر میرا خیال ہے اگست میں شبی کی شادی بھی ہے۔ اچھا ہے شادی میں بھی شرکت ہو جائے گی۔"

"گڈ۔" زرل نے چٹکی بجائی۔

"یہ صحیح ہے میں نے اتنی گہرائی میں نہیں سوچا تھا۔ لیکن کیا ماموں جان شادی میں ہمیں بھی انوائیٹ کریں گے؟" زرل نے ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"کرنا تو چاہیے۔" ماہ نور نے چھلکے سمیٹ کر ٹوکری میں رکھے۔

"آخر کو اماں ان کی بہن ہیں سوتیلی ہی سہی۔ دل سے نہ سہی رسم دنیا نبھانے کو سہی۔"

"نکاح پر تو نہیں بلایا تھا۔" زرل کو یاد آیا۔

"وہ تو صرف گھر کے لوگ تھے افضال ماموں وغیرہ کو بھی تو نہیں بلایا تھا۔ حمنہ خالہ نے بتایا نہیں تھا کیا۔"

"ہاں ٹھیک ہے لیکن کیا اماں جائیں گی۔" زرل نے پھر پوچھا۔

"ظاہر ہے جانا تو پڑے گا ہی۔"

ماہ نور نے لاپروائی سے جواب دیتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"پھر تو شادی میں پہننے کے لیے بھی تین چار جوڑوں کی ضرورت ہوگی۔"

زرل نے بلند آواز سے سوچا اور پھر ماہ نور کی طرف دیکھا جو سامان سمیٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"کیا اس تنخواہ میں سے مجھے اچھے سے دو جوڑے بنوا دیجئے گا شادی کے لیے اور دو پھر بعد میں ظاہر ہے ایک ماہ تو نہیں بن سکیں گے۔ گفٹ وغیرہ بھی دینا ہوگا۔" وہ دل ہی دل میں حساب لگا رہی تھی۔

ماہ نور سر اثبات میں ہلاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔ اس کی خواہش تھی کہ آج ہر صورت پیپرز چیک کر کے لسٹ بنا کر کے صبح ذاکر صاحب کو دے دے۔ آدھا سیٹ رہتا تھا۔ اور ذاکر صاحب کا موڈ ان دنوں بہت خراب تھا۔ وہ ہی سب کو ڈانٹ رہے تھے۔ کل ہی اسٹاف روم میں بریک کے وقت جب وہ اسٹاف روم میں بیٹھی تھی اس کے علاوہ مسز مراد اور کچھ پرائمری کلاسز کی ٹیچرز تھیں۔ کچھ ٹیچرز باہر دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھیں اسے چونکہ کام کرنا تھا۔ اس لیے وہ اسٹاف روم میں ہی بیٹھی تھی اور اس وقت مسز مراد کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی جب اچانک ہی ذاکر صاحب آ گئے تھے۔

"اوہ! یہاں گپ لگائی جا رہی ہے۔" بغیر کسی کو مخاطب کیے انہوں نے اسے ڈھیروں باتیں سنا ڈالی تھیں۔ ان کی نظریں ماہ نور پر تھیں۔

"میں منتظر ہوں کہ کب مجھے داخلہ ٹیسٹ کا رزلٹ ملے اور میں دیکھوں کہ کتنے بچے اس قابل ہیں کہ ان کا ایڈمیشن بھجوایا جا سکے۔ داخلہ فارم میرے آفس میں پڑے ہیں۔ کیا میں لیٹ فیس کے ساتھ بھجواؤں گا اور کیا یہ لیٹ فیس آپ اپنی تنخواہ سے ادا کریں گی۔"

وہ مسلسل اسے اپنی نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ اس نے بولنا چاہا تھا لیکن یکدم حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ ابھی چار دن ہی تو ہوئے تھے ٹیسٹ لیے۔ وہ جماعت دہم کے دونوں سیکشنز کو کیمسٹری اور فزکس پڑھاتی تھی۔ ہر سیکشن میں تقریباً چالیس طلبا و طالبات تھے اور اتنے تھوڑے دنوں میں وہ اتنے زیادہ پیپرز کیسے چیک کر سکتی تھی۔ حالانکہ دو دن سے وہ رات بارہ بجے تک جاگ کر پیپرز چیک کر رہی تھی۔

"دراصل ذاکر صاحب نے اس دن کا غصہ نکالا ہے۔" ان کے جانے کے بعد اس نے پرسکون سی سانس لی ورنہ اس کا خیال تھا کہ اس کے اس طرح آفس سے آ جانے کے بعد ذاکر صاحب ضرور اسے نوکری سے نکال دیں گے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

بہرحال غنیمت ہے کہ انہوں نے صرف ڈانٹنے پر ہی اکتفا کیا۔ ورنہ پھول نہ لینے کو اپنی توہین سمجھ کر وہ کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن اتنے دن کی خاموشی کے بعد گویا اب انہوں نے غصہ نکالا تھا۔

"پریشان مت ہونا ماہ' ذاکر صاحب کی تو عادت ہے بلاوجہ غصہ کرنے کی آخر ہیڈ جو ہوئے۔"

"القرآل باس ہیں۔" ایک ٹیچر ہنسی۔

"لیکن اتنے زیادہ پیپرز اتنے تھوڑے دنوں میں کیسے چیک ہو سکتے ہیں مسز مراد۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"ذاکر صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ ایک ہفتے پہلے ٹیسٹ لے لیتے۔"

"ڈونٹ وری یار۔" ایک اور ٹیچر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مسز مراد صحیح کہتی ہیں ذاکر صاحب کی تو عادت ہے بلاوجہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی ورنہ ابھی ایڈمیشن جانے میں بہت دن ہیں غالباً" دسمبر کے سیکنڈ یا لاسٹ ویک میں جائیں گے۔"

اس کی کولیگ اسے تسلی دے کر اسٹاف روم سے باہر نکل گئی تو مسز مراد نے پوچھا۔

"اس روز کے بعد پھر تم سے بات ہی نہ ہو سکی۔ کوئی فری پیریڈ ہی نہیں ملا اور بریک میں سب ٹیچرز ہوتی ہیں مجھے خیال ہی نہیں رہا پوچھنے کا تمہاری خالہ چلی گئیں کیا۔"

"ہاں انہیں تو اگلے روز ہی جانا تھا اسی لیے تو سب ماموں جان کے گھر اکٹھے ہوئے تھے۔" ماہ نور نے مسز مراد کو بتا کر کاپی اٹھالی۔

"تم بہت خوب صورت ہو ماہ۔" کچھ دیر بعد جب باقی ٹیچرز بھی باہر چلی گئیں تو مسز مراد نے کہا۔

"اور ذاکر صاحب کوئی بہت اچھے آدمی نہیں ہیں اس لیے محتاط رہنا۔"

"کیا مطلب؟" کاپی ماہ نور کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی۔

"خوب صورتی ان کی کمزوری ہے۔ سنا ہے ان کی وائف کم صورت ہیں اور یہ خود کو شہزادہ گلفام سمجھتے ہیں مظلوم شو کرتے ہیں کہ ان کے والدین نے ان کے ساتھ زیادتی کی۔ تمہیں تمہاری دوست کی باجی نے بتایا کہ پہلی سائنس ٹیچر کیوں چھوڑ کر چلی گئی تھی اچانک۔"

"نہیں۔" ماہ نور نے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"وہ تو کہہ رہی تھیں کہ ذاکر صاحب بہت اچھے اور مہربان آدمی ہیں۔"

"ہاں ان پر تو واقعی مہربان ہیں۔" مسز مراد کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی ماہ نور نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا جیسے ان کی بات سنی نہ ہو۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ پہلی سائنس ٹیچر کیوں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

"اوہ ہاں۔" مسز مراد نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر آواز قدرے آہستہ کر لی۔

"وہ اچھی خاصی خوش شکل لڑکی تھی۔ تم اسے خوب صورت کہہ سکتی ہو۔ منگنی شدہ تھی۔ گھریلو حالات ٹھیک تھے۔ کوئی مالی پرابلم نہیں تھا۔ یونہی شوقیہ جاب کر رہی تھی۔ لیکن ذاکر صاحب تو اس کے پیچھے ہی پڑ گئے پہلے اس کے گھر کے چکر لگانے لگے۔ پھر ہوٹل میں دعوتیں دینے لگے۔ کبھی کسی بہانے کبھی کسی بہانے۔ وہ بھی سر کی دعوت پر چلی گئی لیکن عقلمند تھی ساتھ میں کسی بھائی، بہن کو لے گئی۔ تب ایک روز ذاکر صاحب نے شادی کی آفر کر دی۔ وہ اسی وقت ریزائن دے کر چلی گئی۔ اسے کیا ضرورت تھی چار بچوں کے باپ سے شادی کرنے کی جب کہ اس کا اپنا منگیتر پڑھا لکھا اور اچھی پوسٹ پر فائز تھا۔"

"آپ کو یہ سب کیسے پتا چلا۔" ماہ نور ہونق بنی انہیں دیکھ رہی تھی۔

"بھئی جانے سے پہلے وہ یہاں اسٹاف روم میں سب کے سامنے ان کا سارا کچا چٹھا کھول کر گئی تھی ورنہ اس سے پہلے تو سب ہی ذاکر صاحب کو بہت اچھا اور شریف آدمی سمجھتے تھے۔ اس کے جانے کے بعد آپ کی ... سب سے کہنے لگیں کہ وہ خود ذاکر صاحب میں انٹرسٹڈ تھی تو جب ذاکر صاحب نے گھاس نہیں ڈالی تو ... صاحب کے خلاف بکواس کر کے چلی گئی۔ بہرحال گاڈ نوز بیٹر۔ یہاں ٹیچرز تو کہتی ہیں کہ مس ہما اور ذاکر صاحب ... خیر ہمیں کیا۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"بس تم محتاط رہنا۔"

تب ہی ٹیچرز اسے گہری کھوجتی نظروں سے دیکھتی ہیں اور جب کبھی ذاکر صاحب اسے دفتر بلاتے تھے ... فرسٹ فلور کی ٹیچرز کو واپس آتے ہوئے اپنے رومز کے دروازے پر یا باہر کھڑے دیکھا تھا ان کی متجسس نظریں

کی طرف اٹھتی تھیں اور اس سے بڑے عجیب انداز میں پوچھتی تھیں۔

"کیا ہوا مس خان خیریت تھی سر نے کیوں بلایا تھا؟" اور پھر ان کی دبی دبی مسکراہٹیں۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے۔

"تو کیا میں جاب چھوڑ دوں مسز مراد؟" ہاتھوں کی پشت سے پسینہ صاف کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"نہیں بس انسان کو خود مضبوط ہونا چاہیے پھر کوئی کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر اللہ نہ چاہے تو۔" مسز مراد نے اسے تسلی دی۔

"یہ تو ہے۔" اس نے سوچا۔

خضر نے بھی تو یہی کہا تھا کہ اسے اگر باہر نکلنا ہے تو خود کو مضبوط بنانا ہوگا چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھبرا جانا آنسو بہانا۔ انسان خود کو کمزور اور دوسرے کو شیر بنا دیتا ہے۔

"آپ جانتی ہیں مسز مراد جاب میری ضرورت ہے اور میں فی الحال جاب نہیں چھوڑ سکتی۔ میرے سامنے میرے بہن، بھائیوں کا مستقبل ہے۔ ابا کی بیماری اماں کی خراب صحت، دادی کا بڑھاپا لیکن میں خضر بھائی سے کہوں گی کہ وہ میرے لیے کوئی اچھی جاب تلاش کریں۔" اس نے جھک کر زمین پر گری کاپی اٹھائی اور مطلوبہ صفحہ تلاش کرنے کے لیے اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

"تم تو پریشان ہو گئی ہو ماہ۔ میرا مقصد تمہیں پریشان کرنا نہ تھا۔ لیکن میں چاہتی تھی کہ تمہیں ذاکر صاحب کے متعلق کچھ تھوڑا بہت معلوم ہو جائے تاکہ تمہیں ان کے کردار کا اندازہ ہو اور تم محتاط رہو۔ اس روز جب تم چھٹی کے بعد اپنے ماموں کے گھر گئی تھیں اور ذاکر صاحب نے تمہیں فون سننے کے لیے آفس میں بلایا تھا تو تم آفس سے بہت پریشان سی نکلی تھیں۔ تمہارا چہرہ بھی سرخ ہو رہا تھا اور تم کچھ نروس لگ رہی تھیں۔"

بات نامکمل چھوڑ کر انہوں نے حیرت سے منہ کھولے اپنی طرف تکتی ماہ نور کو دیکھا تو تھوڑی سی شرمندہ ہوئیں۔

"سوری! وہ دراصل مجھے مس عامرہ نے بتایا تھا کہ تم، خیریت تھی نا سر ذاکر نے تو کچھ ـــــ" انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔ ایک لمحہ صرف ایک لمحہ کے لیے ماہ نور نے سوچا پھول پیش کرنے والی بات مسز مراد کو بتا دے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سوچ چکی تھی کہ اسے مسز مراد سے ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔ ابھی وہ انہیں اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔ سو ان پر اعتماد کرنا حماقت ہوگی۔

"ماہ سنو! مجھے خوشی ہے کہ تم جاب کر کے اپنے گھر کو سپورٹ کرنے کے لیے اور اپنے ابا کے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے گھر سے باہر نکلی ہو لیکن دیکھو باہر کسی پر اعتماد مت کرنا۔ باہر کی دنیا بڑی عجیب ہے۔ مرد ہوں یا عورت سب نے اپنے چہروں پر نہ جانے کتنے نقاب چڑھا رکھے ہیں اور ان نقابوں تلے چھپے چہروں کو دیکھنا آسان نہیں ہوتا۔ وقت خود ہی ان چہروں کو بے نقاب کرتا ہے۔"

"نہیں مسز مراد۔" اس نے رکی ہوئی سانس بحال کی۔

"سر نے تو ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی مجھ سے کہ میں پریشان ہو جاتی۔ البتہ فون کا سن کر میں از حد اپ سیٹ ہو گئی تھی کہ خدانخواستہ ابا کی طبیعت زیادہ خراب نہ ہو گئی ہو۔ رات کو بھی ان کا بی پی ہائی تھا۔ اور کبھی کبھی ایک دم ڈاؤن کر جاتا ہے۔ لیکن یہ مس عامرہ مجھے حیرت ہے ان کی نظروں نے کیسے جانچ لیا کہ۔"

"بس ماہ ایسا ہی ہے۔ سب کی نظروں میں یہاں ایکسرے مشین فٹ ہیں جب سے وہ سائنس ٹیچر یہاں اسٹاف روم میں وہ سب کہہ کر گئی ہے تب سے ہر کوئی دوسرے کو مشکوک نظر سے دیکھتا ہے چاہے میری اور مسز وہاب جیسی شادی شدہ خواتین ہی کیوں نہ ہوں۔" وہ ہولے سے ہنسیں۔

"ویسے تم نے غور کیا ماہ ہمارے اسکول میں سب ہی ٹیچرز خوش شکل ہیں۔"

ماہ نور نے کاپی کھول لی تھی اور چاہ رہی تھی کہ بریک ختم ہونے تک ساری کاپیاں چیک کر لے تاکہ اگلے فری

پیریڈ میں کچھ پیپرز چیک ہو سکیں۔ آج اتفاق سے سب ٹیچرز حاضر تھیں اس لیے فری پیریڈ میں کہیں جانے کا خطرہ نہ تھا۔ اس نے مسز مراد کی بات پر کوئی تبصرہ نہ کیا لیکن اس کے ذہن میں بار بار مسز مراد کی باتیں آ رہی تھیں۔

"حنا کی باجی نے اس سب کا ذکر تک نہیں کیا اور اگر وہ بتاتیں تو شاید وہ کبھی بھی جاب نہ کرتی کم از کم ہماں لیکن ہما باجی نے۔"

"ماہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے؟" مسز مراد نے اچانک پوچھا تو وہ چونکی اور کاپی بند کر دی۔ کاپی تو اس نے یونہی کھول رکھی تھی ابھی تک ایک لفظ بھی چیک نہیں کیا تھا اس نے۔

"نہیں۔" اس نے مختصراً کہا۔

"تمہارا یہ کزن کیا نام ہے خضر کیا اس سے ارادہ ہے تمہارے والدین کا۔"

"پتا نہیں۔" اس کے رخساروں پر سرخی بکھر گئی۔ اور دل کی دھڑکن معمول سے بڑھ گئی تھی۔

"میں نے اس لیے پوچھا ہے کہ بعض اوقات باقاعدہ منگنی نہیں ہوتی لیکن رشتہ داروں میں آپس میں جنہوں نے بات طے کر رکھی ہوتی ہے۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"نہیں ابھی تو ایسا کچھ نہیں۔" اس نے بظاہر نارمل لہجے میں جواب دیا لیکن دل میں خضر کے نام پر جو دھڑکنوں کا رقص شروع ہوا تھا وہ اسی طرح جاری تھا۔

"دراصل۔" مسز مراد ذرا سا جھجکیں۔

"مجھے ابھی میرے دل میں ایک خیال آیا تھا۔ پلیز تم برا مت ماننا میرا بھتیجا ڈاکٹر ہے ایک روز میری بھابی کہہ رہی تھیں کہ کوئی اچھی لڑکی ہو تمہاری نظر میں تو بتانا۔ یوں تو میں بھابیوں یا بھائیوں کے معاملات میں دخل نہیں دیتی۔ میرا کوئی ایسا ارادہ نہ تھا کسی لڑکی کے متعلق انہیں بتانے کا اور یقیناً" انہوں نے بھی رسماً ہی کہا ہو گا لیکن تمہیں دیکھ کر اچانک خیال آیا تم کہو تو میں اپنی بھابی سے ذکر کروں۔"

"نہیں پلیز نہیں۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا۔

"میرا ابھی ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے میں نے آپ کو بتایا ہے نا کہ میرے سامنے ایک بڑا مقصد ہے اور وہ ہے اپنے بہن بھائیوں کی تعلیم ان کا مستقبل۔"

"ہوں۔" مسز مراد لحہ بھر اسے دیکھتی رہیں۔

"تو پھر تمہیں چاہیے کہ تم گورنمنٹ کی جاب کی کوشش کرو اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے بی ایڈ کر لو۔"

"جی مسز مراد بی ایڈ کے متعلق میں بھی سوچ رہی تھی خضر بھائی نے کہا تھا وہ میری مدد کریں گے میں آج ان سے کہوں گی۔"

"خضر تمہارے ڈیفنس والے ماموں کے بیٹے ہیں نا۔" مسز مراد نے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تمہارے یہ ماموں تو بہت اسٹیبلشڈ ہیں۔ تم لوگوں کی مدد نہیں کرتے۔"

"ماموں جان نے تو ہمیشہ ہی چاہا کہ وہ ہماری مدد کریں میرے یونیورسٹی چھوڑنے پر بھی خاصے ناراض ہوئے لیکن ہم کسی کی مدد لینا نہیں چاہتے۔ انسان کو اپنے لیے خود ہی کچھ کرنا چاہیے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" مسز مراد نے اپنا پرس اٹھایا اور ٹیبل پر پڑا قلم اٹھا کر اس میں رکھا۔

"یہ خضر عمر میں تم سے بڑے ہیں کیا؟"

"ہاں ماموں جان کے دو بیٹے ہیں خضر بڑے اور ولید چھوٹے ہیں۔"

"تمہیں علم نہیں ہو گا ماہ لیکن یقیناً" تمہارے والدین نے اندر ہی اندر بات طے کر رکھی ہو گی ورنہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اتنی پیاری لڑکی کو خاندان سے باہر جانے دیا جائے۔" پورے یقین سے کہتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ایک شرمگیں سی مسکراہٹ نے بے اختیار لبوں پر آ کر دل کا چور ظاہر کیا تو اس نے یکدم ہی جو جھکا کر بے مقصد ہی کاپی کے صفحے الٹنے لگی۔ اندر پھر دھڑکنوں کا تال میل شروع ہو گیا تھا۔ والدین میں طے ہوا تھا

لیکن خضر نے بہرحال طے کر رکھا تھا کہ اسے صرف اور صرف ماہ کو ہی شریک سفر کرنا ہے اور پھر خضر ہے بھی کتنا اچھا مہربان اور دوست تو پہلے بھی تھا۔ اب تو لگتا تھا جیسے آسمان کی طرح اس پر سایہ کیے ہوئے ہو اور اگر کبھی اس پر کوئی مصیبت آئی تو وہ اسے ہر طوفان سے بچا لے گا۔

اس روز علینہ سے ندا کا ذکر سن کر وہ پریشان ہو گئی تھی اور اس پریشانی پر اس کا اختیار ہرگز نہ تھا۔ اگر کوئی لڑکی اپنے دل میں خضر کے لیے کوئی جذبہ رکھتی ہے تو اس میں خضر کا کیا قصور اور یہ ندا جیسی لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں ہر اچھے ہینڈسم لڑکے پر فدا ہو جانے والی اسے اپنی وہ کلاس فیلوز یاد آ گئیں جنہوں نے کسی نہ کسی ہیرو کو اپنے دل میں براجمان کر رکھا تھا اور بے چارے ہیرو کے فرشتوں تک کو خبر نہ تھی کہ وہ کسی لڑکی کا آئیڈیل بن چکا ہے۔ وہ تمر علی جو شکیل پر دل و جان سے فدا تھی۔ اب اگر ندا نے ایسی کوئی بات کہی تھی تو اسے پریشان ہونے کی ضرورت نہ تھی لیکن وہ اپنے اس دل کا کیا کرتی جو نیا نیا محبت کے درد سے آشنا ہوا تھا۔ ندا کا نام سن کر وہ بے چین سی ہو گئی تھی اور یہ بے چینی و اضطراب خضر سے چھپ نہ سکا تھا ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے کئی بار اس نے اسے نظروں کے حصار میں لیا تھا اور پھر واپسی پر جب وہ اور ولید انہیں ڈراپ کرنے آئے تھے تو وہ دانستہ کچھ دیر کو باہر ہی تخت کے پاس رک گیا تھا۔ جہاں ماہ نور تخت پر جوتوں سمیت لیٹ جانے والے زیب کو اٹھا رہی تھی۔

"اٹھو زوبی چلو کمرے میں چل کر سو جاؤ۔ یہاں اتنی سردی میں کہاں لیٹ گئے ہو۔"

"بہت نیند آ رہی ہے آپی۔"

"یار گاڑی میں بھی سارا راستہ سوئے رہے ہو۔" خضر نے قریب آ کر خوش دلی سے کہا تھا۔ منصور نصیر احمد خان کی وہیل چیئر اندر لے گیا تھا۔ باقی سب بھی اندر ہی چلے گئے تھے جب کہ خضر گاڑی لاک کر کے قدرے بعد میں اندر داخل ہوا تھا۔ ہوٹل سے وہ سیدھے گھر آئے تھے۔ ولید کی گاڑی میں اماں' دادی' نرمل' موبل اور وہ تھیں جبکہ خضر کی گاڑی میں ابا زوبی' دانی اور منصور تھے۔ حمنہ خالہ اور علینہ وغیرہ افضال حیدر کے ساتھ گھر گئی تھیں۔ سب اندر کمرے میں چلے گئے تھے لیکن وہ برآمدے میں پڑے تخت پر لیٹ جانے والے زوبی کے پاس رک گئی تھی کہ اسے پتا تھا وہ منٹوں میں سو جائے گا۔ اس نے رخ موڑ کر ایک نظر قریب کھڑے خضر کو دیکھا اور گھبرا کر لیٹے ہوئے زوبی کا بازو پکڑا۔

"اٹھو نا زوبی۔" خضر اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوا۔ وہ اس کے قریب کھڑا تھا ماہ نور پر خوامخواہ ہی گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی دل جیسے جسم کے ہر حصے میں دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔

"اٹھو یار۔" خضر نے جھک کر زیب کو گدگدی کی تو وہ خضر کا ہاتھ پکڑتا اور ہنستا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے کمرے کی طرف بھاگ گیا۔

"ماہ۔" خضر کی آنکھیں جذبے لٹا رہی تھیں۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے کہ تم نے مجھ سے بات کرنا تو درکنار میری طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا ہے کیا خفا ہو مجھ سے۔"

"نہیں۔" اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔

"میں جانتا ہوں میں نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا ہے حالانکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں تو اپنے جذبوں کو سینت سینت کر سنبھال کر رکھ رہا تھا مناسب وقت کے انتظار میں لیکن ماما کی بات سے تم ڈسٹرب ہو گئی تھیں۔ بہت اپ سیٹ تھیں اس لیے میں نے تم سے وہ سب کہا تھا ماہ لیکن تم اب بھی پریشان ہو۔"

"میں اس وجہ سے تو پریشان نہیں ہوں۔" اس نے بمشکل اپنی پلکیں اٹھائیں۔ وہ اس کے سامنے کھڑا گہری نظروں سے اسے تک رہا تھا اور اس کی نظروں کی حدت سے اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ رہی تھی۔

"پھر کیوں پریشان ہو۔ تم نے مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کیوں نہیں کی ماہ۔ کیا اظہار کر دینے سے میں تمہارے لیے پرایا اور اجنبی ہو گیا ہوں۔ نہیں ماہ میں وہی خضر ہوں۔ جس سے تم اپنی ہر پریشانی اور ہر مسئلہ بے تکلفی سے

ڈسکس کرتی تھیں۔ میں چاہتا ہوں اب بھی تم اتنی ہی بے تکلفی سے اسی طرح ہر بات ہر مسئلہ مجھ سے کہو۔ اب بتاؤ کیوں پریشان ہو۔"

"نہیں میں تو بالکل بھی پریشان نہیں ہوں۔" ماہ نے نگاہیں نہیں اٹھائیں۔

"ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو ماہ اور مجھے اصل بات بتاؤ کیا اسکول میں کوئی پرابلم ہے۔"

"نہیں وہ ندا۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا اس نے فوراً ہی اپنے ہونٹ کو دانتوں تلے دبا لیا تھا لیکن خضر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"یعنی اس بیوقوف لڑکی نے تمہیں بھی بتا دیا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ تو بڑی مشکل ہو جائے گی ماہی۔" اس کی نظریں ماہ نور کے چہرے پر تھیں اور وہ اس کی نظروں کی حدت سے پگھل رہی تھی۔

"کیا تم ہر لڑکی پر پابندی لگا دو گی کہ وہ میری طرف نہ دیکھے۔ تم اتنی پوزیسو ہو ماہ۔"

اس کی آنکھوں میں لحہ بھر کو حیرت اتری تھی، پھر وہ دلچسپی سے اس کے چہرے پر کھلتے رنگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کی اٹھتی گرتی پلکوں کو اس کے ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ کو۔

"تم بہت خوب صورت ہو ماہ۔" اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ بلند نہ تھی۔

"تم یہاں اکیلی بیٹھی ہو ماہ نور۔" مس ہما نے اچانک ہی اندر اسٹاف روم میں قدم رکھتے ہوئے کہا تو وہ چونکی۔

"ہاں فری تھی کاپیاں چیک کر رہی تھی۔"

"سنو ماہ!" وہ اس کے بالکل قریب آ کر بولی تھی۔

"آج چھٹی کے بعد رکنا مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔" اور پھر وہ ماہ نور کا جواب سنے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی اور ماہ نور حیران سی کچھ دیر تک تو اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتی رہی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے چھٹی کے بعد نہ رکنے کا فیصلہ کر لیا تھا خضر نے کہا تھا۔

"ماہ آف ٹائم کے بعد کبھی بھی نہ رکنا اگر ذاکر صاحب کہیں تب بھی نہیں۔" اور ہما باجی کو کوئی بات کرنا ہوئی تو گھر بھی آ سکتی ہیں۔ اس نے سوچا تھا اور چھٹی کی بیل ہوتے ہی بہت جلدی بچوں کے ساتھ ہی گیٹ سے باہر نکل آئی تھی۔

"آپی!" نرمل نے کچن کے دروازے پر آ کر اسے پکارا تو وہ چونکی اور مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"روما تم جاؤ بڑھو میں کر لوں گی سب۔"

"وہ ہما باجی، آئی ہیں آپ سے ملنے میں نے انہیں بٹھایا ہے آپ جائیے میں دیکھتی ہوں کچن کا کام۔"

"ہما باجی!" وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔

"کیا بات ـــــ کیا بات کرنا ہے انہیں مجھ سے۔" مسز مراد کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔ "No
"I am strong enough to say
اس نے اپنے آپ سے کہا اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔

◼◼◼

"کیسی لگیں وہ خواتین آپ کو؟" میاں صلاح الدین نے اخبار پڑھتے پڑھتے نظر اٹھا کر پاس ہی دوسری کرسی پر خاموش بیٹھی عذرا بیگم کو دیکھا تو وہ چونکیں۔

"بظاہر دیکھنے میں تو کچھ معقول ہی لگی تھیں لیکن۔" وہ کچھ متذبذب سی ہو کر میاں صلاح الدین کو دیکھنے لگیں۔

"لیکن کیا۔" انہوں نے ہاتھ میں پکڑا اخبار نیچے رکھ دیا۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ لڑکے کی بھابی انہیں بالکل پسند نہیں آئی تھیں۔ کافی تیز طرار لگی تھیں وہ انہیں انداز گفتگو میں بھی جاہلانہ پن اور نودولتیا رنگ جھلکتا تھا۔ لڑکے کی بھابی اور بھتیجی کے ساتھ بیگم حاجی عبدالستار بھی تھیں۔ بھابی نے ڈرائنگ روم میں قدم دھرتے ہی پہلے تو

چاروں طرف تنقیدی نظروں سے دیکھا تھا اور شاید ابھی کچھ دیر مزید جائزہ لیتیں لیکن بیگم حاجی عبدالستار نے ان سے بیٹھنے کی درخواست کی۔

"بیٹھیے نا بھابی جی آپ۔" اور وہ صوفے پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے بیٹھ گئیں۔ بیٹھنے کے بعد کچھ دیر تو وہ اپنی ہی تعریف میں رطب اللسان رہیں۔

"میں بیاہ کر اس گھر میں آئی تو میری ساس چند سال بعد ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ نند وغیرہ تو کوئی بھی نہیں دو بھائی ہی تھے صرف میرے میاں اور میرے دیور یوں سمجھئے اپنے دیور کو میں نے ہی پالا ہے۔ آج کل جرمنی میں ہے۔ لاکھوں روپے ماہوار کما رہا ہے میرا دیور تو ہیرا ہے ہیرا۔ جس لڑکی کا نصیب بنے گا وہ تو دولت میں کھیلے گی۔"

"دولت تو آنی جانی شے ہوتی ہے بہن۔" عذرا بیگم نے آہستگی سے کہا۔

"اصل چیز تو خاندانی شرافت و نجابت ہے۔ لڑکا اچھا ہو خاندانی ہو کوئی اخلاقی برائی نہ ہو، پڑھا لکھا ہو اور بیوی کی قدر کرنے والا ہو۔ باقی رہا روپیہ پیسہ تو وہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے ہماری بچی کی قسمت میں ہوا تو ضرور ملے گا۔"

عذرا بیگم کی بات سن کر پہلے تو انہوں نے آنکھیں مٹکائی تھیں اور پھر بیٹی کی طرف دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارا کیا۔ طنز سے مسکرائیں۔

"بہن یہ تو صرف زبانی جمع خرچ ہوتا ہے۔ دولت کے بغیر تو کچھ بھی نہیں یہ ساری خوبیاں جن کا آپ نے ذکر کیا بغیر دولت کے بیکار ہیں۔ اب میں نے اپنی بچی کا رشتہ جہاں کیا ہے۔ خوب کھاتے پیتے دولت مند لوگ ہیں۔ اے بہن خالی شرافت کو چاٹنا ہے کیا اور جہاں تک میرے دیور کی بات ہے وہ تو میں نے کہا نا کہ ہیرا ہے۔ سیدھا سادا شریف لڑکا اوپر سے دولت کما رہا ہے دونوں ہاتھوں سے آپ کی بیٹی تو عیش کرے گی۔"

ان کی گفتگو میں بریک اس وقت آیا جب رمضان جوس لے کر آیا۔

"لو بھئی اب تو سردیاں شروع ہو گئیں۔ ٹھنڈے کی بجائے تو۔"

پاس بیٹھی بیٹی نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ یکدم خاموش ہو گئیں بیگم عبدالستار نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"جوس ہے بھابی جی۔"

"اچھا اچھا مالٹے کا ہے یا موسمی کا۔"

"نہیں جی ایپل جوس ہے ویسے اورنج جوس بھی ہے وہ لے آؤں؟" رمضان نے گلاس ان کی طرف بڑھایا۔

"نہیں نہیں بس یہ ہی ٹھیک ہے۔" انہوں نے گلاس پکڑ لیا۔

"ہاں تو میں کہہ رہی تھی میرے دیور کے پاس دولت بہت ہے روپے پیسے میں کھیلے گی لڑکی۔"

"روپے پیسے کی یہاں بھی کوئی کمی نہیں ہے ماشاء اللہ میاں صاحب۔" حاجی صاحب کی بیگم کو شاید ان کی گفتگو اچھی نہیں لگ رہی تھی کہ وہ بول اٹھیں مگر جوس کا بڑا سا گھونٹ لیتے ہوئے انہوں نے بیگم عبدالستار کی بات کاٹ دی۔

"ہاں ہاں وہ حاجی صاحب نے میرے میاں کو بتایا تھا۔ خیر اب بچی کو بھی لائیے نا ..... ہمیں دراصل جلدی تھی۔ کچھ شاپنگ بھی کرنا تھی میری بچی کے سسرال والوں نے کل کھانے پر آنا تھا۔"

"جی میں بلواتی ہوں۔" عذرا بیگم اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ بیٹھیے میں لاتی ہوں انعم کو۔" بیگم عبدالستار اٹھ کر باہر چلی گئیں اور عذرا بیگم نے سوچا تھا۔ اچھا ہوتا اگر میں حسنہ کو بھی بلوا لیتی کئی دفعہ دل میں خیال بھی آیا تھا لیکن پھر میاں صلاح الدین کے خوف سے چپکی ہو رہیں۔ حسنہ کم از کم انعم کو ہی تیار کروا کے لے آئی۔ ثمن کو تو میاں صلاح الدین نے سامنے آنے سے منع کر دیا تھا۔

"ثمن کو بھی ان کے سامنے مت بٹھا دینا یہ نہ ہو کہ وہ بڑی کی بجائے چھوٹی کو پسند کر لیں۔"

"خدا نہ کرے انعم میں کیا کمی ہے ماشاء اللہ حسن صورت میں ثمن سے بڑھ کر ہے۔"

"ہاں ہاں جانتا ہوں لیکن ایک چیز اور بھی ہوتی ہے اور وہ ہے عمر۔ لڑکے والے ہمیشہ لڑکی کم عمر ہی مانگتے ہیں۔"

"انعم کون سی بوڑھی ہو گئی ہے میاں جی۔" عذرا بیگم کو میاں صلاح الدین کی یہ بات ہرگز پسند نہ آئی تھی۔

"ہاں لیکن دیکھا ہے میں نے اکثر گھروں میں بڑی کے لیے رشتہ آیا اور چھوٹی کو پسند کرلیا۔" تب وہ چپ کر گئی تھیں کہ میاں جی کی اپنی سوچ اور اپنا انداز فکر تھا لیکن سمن کو منع کرنا انہیں خاصا مشکل لگا تھا۔ سمن کی عادت تھی جرح کرنے کی لیکن خلاف عادت وہ خاموش رہی تھی۔

"ٹھیک ہے امی جان ابا جان نے منع کیا ہے تو نہیں جاؤں گی۔" اور تب ہی انعم نگاہیں جھکائے اندر داخل ہوئی ہلکے سے کلر کے سادہ سے سوٹ اور ہم رنگ نفیس سی شال اوڑھے بغیر کسی میک اپ کے وہ اتنی خوب صورت اور معصوم لگ رہی تھی کہ بھابی صاحبہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور ان کی بیٹی تو فرط اشتیاق سے کھڑی ہو گئی تھی۔

"ارے آپ' آپ ہیں انعم۔" وہ ایک قدم آگے بڑھی تھی اور پھر مڑ کر ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"اماں یہ انعم تو اسی اسکول میں پڑھتی تھی جس میں میں تھی اور یہ تو مجھ سے بھی ایک سال جونیئر تھی اور چاچو تو۔"

"اچھا اچھا ادھر آکے بیٹھ۔" انہوں نے فوراً ٹوکا تو بات ادھوری چھوڑ کر اس نے دانتوں تلے انگلی دبا لی اور دوبارا مڑ کر انعم کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ نے مجھے پہچانا میں آپ سے ایک سال سینئر تھی۔"

"جی۔" انعم نے اس کی طرف دیکھا اور پھر عذرا بیگم کے پاس بیٹھ گئی۔

"اچھا تو یہ ہے آپ کی بیٹی۔" لڑکے کی بھابی اب بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔

"پڑھ رہی ہے ابھی یا پڑھ چکی ہے۔"

"میٹرک کیا ہے اس نے آپ کو بتایا تھا میں نے۔" بیگم عبدالستار نے جواب دیا۔

"ہائے اس زمانے میں بچی کو صرف دس جماعتیں پاس کروائی ہیں آج کل کے لڑکے تو سولہ جماعت پاس لڑکیاں مانگتے ہیں۔ خیر دل نہ لگتا ہوگا اس کا پڑھائی میں ہوتی ہیں کچھ لڑکیاں۔ دماغ کمزور ہوتا ہے ان کا پڑھ نہیں سکتیں ورنہ آج کل کے زمانے میں کون گھر بٹھاتا ہے۔"

عذرا بیگم نے انعم کی طرف دیکھا۔ جس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلملا رہے تھے اور رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

"ہائے نہیں اماں انعم تو ہمیشہ فرسٹ آتی تھی۔ بہت لائق تھی۔ میں جب دسویں میں تھی تو تب ہی آل راؤنڈ بیسٹ اسٹوڈنٹ کا ایوارڈ اسے ہی ملا تھا۔" ماں نے اسے گھور کر دیکھا اور معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

"تو پھر کوئی اور وجہ ہوگی۔"

"نہیں دراصل میاں صاحب کو لڑکیوں کو زیادہ تعلیم دلوانا پسند نہیں ہے ان کا خیال ہے کہ لڑکیوں کے لیے اتنی تعلیم کافی ہوتی ہے۔" عذرا بیگم نے بہت تحمل سے جواب دیا۔

"لیکن وہ جو ہمارے دیور صاحب ہیں وہ تو اللہ بخشے میری ساس سے کہتے تھے۔ "اماں اور کچھ ہو نہ ہو لڑکی پڑھی لکھی ضرور ہو کم از کم چودہ جماعتیں۔" خود تو سولہ جماعتیں پڑھ رکھی تھیں اس نے ان دنوں میری ساس لڑکیاں دیکھ رہی تھیں بیٹے کے لیے کہ ایک رات ایسی سوئیں کہ صبح آنکھ ہی نہ کھل سکی۔"

عذرا بیگم کو حیرت ہوئی ابھی کچھ دیر پہلے تو وہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے دیور کو پالا تو کیا جوان جہان لڑکے کو پالا پوسا۔ وہ دل ہی دل میں لڑکے کی عمر کا اندازہ لگانے لگیں۔

"میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے عذرا بیگم مجھے یہ اس طرح کی ادھوری گفتگو پسند نہیں ہے۔" انہیں مسلسل خاموش دیکھ کر میاں صلاح الدین کی پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئی تھیں۔

"وہ لڑکے کی بھابی کچھ عجیب سی باتیں کرتی رہیں سارا وقت۔" عذرا بیگم نے چونک کر میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا۔

"کبھی کہتی تھیں تعلیم کم ہے میرے دیور نے تو پڑھی لکھی لڑکی کے لیے کہا ہے' کبھی کہتی تھیں کہ اتنا پیسہ

تو ڈیفنس میں گھر کیوں نہیں لیا۔ ہم نے تو ڈیفنس میں پلاٹ لیا ہے۔" عذرا بیگم نے مختصراً" ساری بات بتا دی۔

"لاحول ولا۔" انہوں نے اخبار پھر اٹھا لیا۔

"یہ تم عورتوں کی باتیں ہیں جو منہ میں آتا ہے بولتی چلی جاتی ہو۔ لڑکے کا بھائی تو بہت مہذب اور خاصا معقول شخص تھا۔ بڑی اچھی گفتگو کی اس نے بلکہ میں تو بہت متاثر ہوا تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ تبلیغی دوروں پر جاتا رہتا ہے اور حاجی صاحب نے انعم کی تعلیم اور ہمارے گھر' خاندان' کاروبار سب کے متعلق بتا دیا تھا انہیں۔"

"جی۔" عذرا بیگم نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ یہ انعم کی پوری زندگی کا معاملہ تھا اور اسے وہ محض میاں صاحب پر نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ جب تک ان کی اپنی تسلی نہ ہو جاتی۔

"لڑکا تو ابھی جرمنی میں ہے نہ جانے عادات واخلاق اور کردار کا کیسا ہے اور پھر غیر ممالک میں رہنے والے لڑکوں کا کیا اعتبار وہاں نہ جانے کیا کرتے ہیں۔ سینکڑوں واقعات پڑھ رکھے ہیں کہ باہر کے لالچ میں رشتہ دے دیا اور وہاں جا کر لڑکے نے۔"

"ایک تو یہ تم پڑھی لکھی خواتین ہر بات میں مین میخ بہت نکالتی ہو۔ اتنا بیوقوف نہیں ہوں میں۔ ساری تحقیق کی ہے میں نے۔ حاجی صاحب نے بتایا ہے کہ لڑکا صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے۔ گو جرمنی میں رہتا ہے لیکن سگریٹ تک نہیں پیتا حاجی صاحب لڑکے کو ذاتی طور پر جانتے ہیں اور لڑکے سے مل چکے ہیں۔"

"پھر بھی میاں جی۔" عذرا بیگم نے کوشش کی کہ میاں جی کو قائل کر سکیں۔

"جب تک لڑکے سے آپ خود نہ مل لیں ہاں تو نہیں کی جاسکتی۔"

"گو مجھے حاجی صاحب کی بات پر پورا اعتبار اور یقین ہے پھر بھی میں نے اس کے بھائی سے یہی کہا ہے کہ جب تک میں خود لڑکے سے مل نہ لوں کوئی جواب نہیں دے سکتا۔"

اس ساری گفتگو کے دوران پہلی بار عذرا بیگم کے چہرے پر اطمینان کی جھلک نظر آئی۔ ورنہ وہ تو ساری رات سو ہی نہ سکی تھیں کہ کہیں میاں صلاح الدین ہاں ہی نہ کہہ دیں۔ لڑکے کی بھابی انہیں ایک نظر نہیں بھائی تھیں اور جس طرح جاتے جاتے انہوں نے رشتے کی بات کی تھی وہ انتہائی تحقیر آمیز تھا۔

"آپ کی لڑکی خوب صورت تو خیر ہے لیکن صرف دس جماعتیں پاس ہے۔ ہمیں تو پی ایچ ڈی لڑکیوں کے رشتے مل رہے تھے لیکن جب حاجی صاحب نے ادھر کی بات کی تو ظاہر ہے انہیں تو نہ نہیں کہہ سکتے ہم۔"

اور بیگم عبدالستار کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ خاتون کے انداز گفتگو سے وہ شرمندگی محسوس کر رہی ہیں اور جاتے جاتے انہوں نے اس کا اظہار بھی کر دیا تھا اور عذرا بیگم سے معذرت کی تھی۔

"ان کی باتوں کا برا مت مانئے گا بہن حاجی صاحب کہہ رہے تھے لڑکا اچھا ہے انعم بیٹی کو ساتھ ہی لے جائے گا۔"

لیکن بیگم عبدالستار کے اطمینان دلانے کے باوجود انہیں اطمینان نہیں تھا۔ عجیب سی بے چینی تھی۔ وہ بار بار اٹھ کر بیٹھ جاتی تھیں۔

اسفر سے بات کریں۔

انہوں نے سوچا لیکن پھر خود کو روک لیا وہ کچھ دیر پہلے ہی تھکا ہارا آیا تھا نہ جانے کتنا لمبا سفر تھا۔ شاید آتے ہی سو گیا تھا کہ رمضان کے بتانے پر کہ اسفر میاں آگئے ہیں جب وہ باہر نکلیں تو وہ کمرے میں جا چکا تھا۔

"رمضان تم نے کھانے کا پوچھا تھا۔"

"وہ کہہ رہے تھے کھانا نہیں کھاؤں گا آرام کروں گا اور انہوں نے منع بھی کیا تھا کہ بہت دیر ہو چکی ہے اس لیے آپ کو نہ بتاؤں ان کے آنے کا۔ لیکن آپ کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی دروازہ کھلا تھا تو میں نے کہا بتا دوں۔" "اچھا ٹھیک ہے تم جا کر سو جاؤ اب اور سب کو دودھ دے دیا تھا۔"

"جی۔"

"اسفر سے دودھ یا چائے کا پوچھ لیتے۔"

"پوچھا تھا جی وہ کہہ رہے تھے کچھ نہیں لوں گا بس سوؤں گا۔" اور وہ اسفر کے کمرے کی طرف جاتے جاتے واپس پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی تھیں۔ میاں صلاح الدین سو رہے تھے۔ وہ جب سوتے تو بہت گہری نیند سوتے تھے۔ رات کو جلدی سونا صبح جلدی اٹھنا ان کا اصول تھا۔ وہ کچھ دیر تو یونہی کرسی پر بیٹھی رہیں پھر ہولے سے دروازہ کھول کر باہر نکلیں۔ سمن جاگ کر پڑھ رہی تھی جبکہ انعم سو چکی تھی۔

"امی جان خیریت۔" سمن نے انہیں دیکھ کر کتاب رکھ دی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں۔" انہوں نے آہستگی سے کہا اور سمن کے پاس اس کے بیڈ پر ہی بیٹھ گئیں۔

"پھر کیا بات ہے امی جان۔" سمن ان کا متفکر چہرہ دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔

"سمو مجھے وہ خاتون اچھی نہیں لگیں۔ چھچھوری سی تھیں۔"

"تو ضروری تو نہیں کہ ابا جان اس رشتے کو پسند ہی کر لیں۔ ہو سکتا ہے لڑکے سے مل کر وہ خود ہی انکار کر دیں۔" ساری بات سن کر سمن نے انہیں یقین دلایا تھا۔ پھر بھی دل تھا کہ تڑپ رہا تھا اور اب کو میاں صلاح الدین کے کہنے پر کہ وہ لڑکے کو دیکھنے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کریں گے بظاہر کچھ اطمینان تو ہوا تھا پھر بھی دل کو دھڑکا سا لگا تھا۔

■■■

"لڑکا اگلے ماہ آ رہا ہے ایک ماہ کی چھٹی پر۔" میاں صلاح الدین نے اخبار سے نظر ہٹا کر عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"میں سوچ رہا ہوں اگر لڑکا مجھے پسند آ جاتا ہے تو پھر میں اپریل میں انعم اور شیبی دونوں کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔" عذرا بیگم بغیر کچھ کہے کھڑی ہو گئیں۔

"آپ کے لیے اور چائے بنواؤں۔"

"ہاں بنوا دیجیے تو مہربانی ہو گی۔" وہ ذرا سا مسکرائے۔

"اور اگر آپ کے صاحبزادے جاگ گئے ہوں تو انہیں ادھر بھیج دیجیے گا۔ وہی انگریزوں والے طور طریقے دوپہر تک سوتے رہنا۔"

"وہ رات بہت دیر سے آیا تھا۔" عذرا بیگم نے ہمیشہ کی طرح ان کا دفاع کیا۔ مگر میاں صلاح الدین کے لبوں پر بکھری طنزیہ مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"آپ کے صاحبزادے نے نوکری کر لی ہے۔ کیا امریکہ جانے کا بھوت اتر گیا ہے یا ماموں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا ہے بڑا اکڑ کر کہتا تھا آپ سے مدد طلب نہیں کروں گا اور اب خاک میں مل گئے سارے دعوے۔" وہ اپنے مخصوص طنزیہ انداز میں ہنسے۔

عذرا بیگم جاتے جاتے رک گئیں۔

"کیا اسفر نے جاب کر لی کیا اس نے باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔" یہ احساس جیسے اندر پورے وجود پر سکون کی پھوار بن کر اترا۔

"لیکن میاں صاحب کو کیسے پتا چلا۔ اسفر تو اتنے دن بعد رات ہی اتنی دیر سے آیا ہے اور ابھی تک سو رہا ہے۔" میاں صلاح الدین نے شاید ان کی سوچ پڑھ لی تھی کہ خود ہی بولے۔

"اپائنٹمنٹ لیٹر آیا ہے کل صاحبزادے کا۔ اب چند ہزار روپے کی نوکری کریں گے۔ اتنے ہزاروں روپے تو میں اپنے منشی کو دے دیتا ہوں۔ باپ کے کاروبار میں مدد نہیں کر سکتے دو ٹکے کی نوکری کریں گے۔"

"آپ نے اس سے کہا کبھی کاروبار میں ہاتھ بٹانے کا۔"

"میں کیا کہوں اس سے۔ خود اسے نہیں معلوم کہ میں اکیلا ہوں اور دو دو جگہ کام دیکھتا ہوں۔ کم از کم اتنے مہینوں سے گلی گلی جوتیاں چٹخاتا پھر رہا ہے۔ ہوزری والی فیکٹری کا کام ہی سنبھال لے۔"

"خود سے وہ کیسے کام سنبھال لیتا میاں صاحب آپ کہتے تو اسے وہ انکار نہ کرتا۔"

"دو سال پہلے کہا تو تھا کہ ضرورت نہیں ہے انجینئر بننے کی میرے ساتھ کام سنبھال لو لیکن خیر۔" وہ عجیب طرح سے ہنسے۔

"آپ جائیے چائے بھجوا دیجیے اور اگر صاحبزادے کی نیند پوری ہو گئی ہو تو۔" عذرا بیگم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر کچھ کہے بنا کچن کی طرف مڑ گئیں۔ رمضان کو چائے کا کہہ کر وہ اسفر کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں اور دروازے پر دستک دی۔

"آ جائیے۔" اندر سے اسفر کی آواز آئی تو وہ دروازے کو آہستگی سے کھولتے ہوئے اندر چلی آئیں۔ اسفر کمرے کے وسط میں کھڑے تولیے سے بال خشک کر رہے تھے۔

"ارے امی جان آپ۔" وہ تولیہ بیڈ پر پھینک کر بے اختیار ان کی طرف بڑھے۔

"میں بس آ ہی رہا تھا آپ کی طرف۔ دراصل رات دیر سے آیا تھا۔ پھر نیند بھی بہت دیر سے آئی صبح جلد اٹھ ہی نہیں سکا۔" انہوں نے معذرت کرتے ہوئے سر تھوڑا سا جھکایا۔ عذرا بیگم نے دونوں ہاتھوں میں ان کا چہرہ تھام کر ان کی پیشانی چومی۔

"اتنے دن لگا دیے اسفر میں بہت اداس ہو گئی تھی۔ بلکہ میں ہی کیا سب ہی اداس تھے۔ تمہارے بغیر۔"

"بس امی جان شاہ رخ نے آنے ہی نہیں دیا۔ کہتا تھا پہلی بار آئے ہو تو کچھ دن رہو۔ پھر اس نے شکار کا پروگرام بنا لیا۔ ادھر سید پور کے نواح میں شکار بہت ملتا ہے۔ شاہرم بھی ساتھ تھا اور اس کا تو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا آنے کو۔ ادھر سید پور سے باہر شاہ رخ کے بابا جان کی ذاتی شکار گاہ ہے بلند بخت میں شاہ رخ اور شاہرم شادی کے بعد وہاں ہی ٹھہرے رہے۔" اسفر نے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر انہیں بیڈ پر بٹھاتے ہوئے معذرتی انداز میں بتایا۔

"اور ہم تینوں دوست بہت دنوں بعد اکٹھے ہوئے تھے۔" انہوں نے مزید وضاحت کی۔

"اور بلند بخت کا تو پتا ہے نا کوئی ارادہ کر لے تو پھر کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ اس کا موڈ بن گیا تھا کچھ دن رہنے کا حالانکہ اس کی امی اور نانا کے فون دن میں تین تین بار آتے تھے۔" ان کے پاس بیٹھتے ہوئے اسفر نے بغور انہیں دیکھا۔

"یوں بہت دن تو نہیں ہوئے۔"

"ہاں لیکن مجھے لگ رہا ہے جیسے مہینے ہو گئے ہوں تم سے بچھڑے۔"

عذرا بیگم نے بس ایک نظر اسفر کے فریش چہرے پر ڈالی تھی اور پھر نظریں جھکا لی تھیں کہ کہیں ان کی نظر نہ لگ جائے وہ اتنا ہی اچھا لگ رہا تھا۔ بہت دنوں بعد انہوں نے اسفر کے چہرے پر اور آنکھوں میں وہ چمک دیکھی تھی جو اماں جان کی زندگی میں ان کے چہرے اور آنکھوں میں دیکھتی تھیں۔

"اچھا ہے کچھ وقت دوستوں کے ساتھ گزار لیا تو کچھ فریش ہو گئے ہو۔"

"جی امی جان۔" اسفر نے خوش دلی سے کہا۔

"بہت انجوائے کیا ہم سب نے۔ شاہ رخ کے کزنز بھائی سب ہی بہت محبت کرنے والے لوگ ہیں اور پھر وہ تقریباً پورا علاقہ ان کی اپنی جاگیر ہے۔ جہاں جاتے لوگ بڑی عزت دیتے تھے۔"

"شاہرم تو بور نہیں ہوا۔" انہوں نے پوچھا۔

"ارے نہیں۔" وہ ہنسے۔

"وہ بیالاک لڑکا اس نے تو۔۔۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر عذرا بیگم کے چہرے کی طرف دیکھا۔ جو کچھ الجھی الجھی سی ہوئی تھیں۔ "خیریت تو ہے نا امی جان؟"

"ہاں کہو تم کیا کہہ رہے تھے۔" وہ سوچ رہی تھیں کہ اس وقت اسفر سے انعم کے رشتے والی بات کریں یا نہ کریں۔

"وہ امی جان شاہ رخ' شاہرم کے سگے تایا کا بیٹا ہے اور میرے لیے یہ سرپرائز تھا اور اس چالاک لڑکے نے یہاں مجھ سے ذکر تک نہ کیا تھا۔ میں بھی حیران تھا کہ میرے دوست کے بھائی کی شادی میں یہ حضرت جانے کو کیوں تیار ہو گئے۔" اسفر نے تفصیل بتائی اس نئے رشتے سے وہ بھی بے حد خوش ہو رہے تھے۔ عذرا بیگم بھی حیران ہوئیں۔

"ہاں حمنہ بتاتی تھی کہ قاسمی بھائی کا خاندان بہت معزز ہے لیکن ان کے والدین اس رشتے پر رضامند نہ تھے۔"

"امی جان شاہ رخ کی فیملی تو اپنے علاقے کی مالک ہے ایک طرح سے لوگ پیروں کی طرح عزت و تعظیم دیتے ہیں انہیں۔"

"اور تمہارے اباجی ہمیشہ کہتے ہیں۔ نہ جانے حمنہ نے کس خاندان میں شادی کرلی۔ بھئی ہمیں کیا پتا منہ سے تو آج ہر کوئی سید بنتا ہے۔ پارٹیشن کے بعد تو سب نے ہی اپنی ذاتیں بدل لی ہیں۔ کوئی سید بن گیا تو کوئی شیخ۔ جس لڑکے نے خاندان کو متعارف نہ کروایا اس کی ذات برادری بھی مشکوک ہے۔"

"اباجی تو اباجی ہیں۔" اسفر ہولے سے ہنسے۔

"آپ تو شاہ رخ سے مل چکی ہیں۔"

"ہاں ہاں صورت شکل گفتگو سے ہی اعلا خاندان کا لگتا ہے۔" جب اسفر کراچی آکر رہنے لگے تھے تو کئی بار شاہ رخ اور بلند بخت ان کے ساتھ گھر آئے تھے اسفر نے انہیں عذرا بیگم سے ملوایا تھا۔

"اور سب ٹھیک ہیں نا شبی' انعم' ثمن' اروبا' مدثر سب۔" انہوں نے عذرا بیگم کو اداس دیکھ کر موضوع بدل دیا۔ وہ جان گئے تھے کہ میاں صلاح الدین کی بات انہیں کتنی تکلیف دیتی ہے۔

"ہاں۔" عذرا بیگم ایک بار پھر انعم کے متعلق سوچنے لگیں۔ اسفر کم از کم کچھ تحقیق تو کر سکتا ہے کہ کون لوگ ہیں کیسے ہیں۔ کیا خبر حاجی صاحب بھی بہت زیادہ نہ جانتے ہوں اور خدانخواستہ انعم غلط اور برے لوگوں میں پھنس گئی تو اس خیال سے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"امی جان کیا بات ہے پلیز کچھ مت چھپائیں مجھ سے۔" اسفر تڑپ اٹھے۔ عذرا بیگم کی آنکھوں میں مچلتے آنسو رخساروں تک بہہ آئے وہ تو کل سے کسی کندھے کی تلاش میں تھیں جہاں سر ٹکا کر دل کا غبار نکال سکیں۔

اسفر نے اپنا دایاں بازو ان کے گرد حمائل کرکے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

"امی جان پلیز مت روئیے آپ کے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔ میں اگرچہ اباجی کے سامنے بہت بے بس ہو جاتا ہوں۔ بہت تڑپتا ہوں آپ سب کے لیے کہ کچھ نہیں کر سکتا مگر امی جان اس طرح روئیں تو مت کچھ تو بتائیں مجھے۔"

ان کا چمکتا چہرہ ماند پڑ گیا تھا اور چند لمحے پہلے لہجے سے جو خوشی جھلک رہی تھی وہ مفقود ہو گئی تھی ان کے لہجے کی دکھن اور بے بسی کے احساس نے عذرا بیگم کو تڑپا دیا انہوں نے دونوں ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے اور مسکرانے کی کوشش کی۔

"کچھ بھی نہیں ہوا اسفی بس یوں ہی دل بھر آیا اتنے دنوں بعد دیکھا ہے نا تمہیں۔" اپنا بازو ان کے کندھے پر رکھے اسفر نے ان کی طرف دیکھا۔

یہ ان کو جنم دینے والی ماں تھی جس نے اپنے شوہر کے اصرار پر انہیں اپنی ماں کی گود میں ڈال دیا تھا اور اتنے سارے سال وہ ان سے بہت دور پلتے رہے کیا تب بھی وہ میرے لیے یوں ہی بے چین اور مضطرب ہوتی ہوں گی۔ کیا تب بھی میری جدائی انہیں یوں ہی تڑپاتی ہو گی۔ کیا رشتہ ہے یہ ماں کا بھی وہ آنکھوں میں عقیدت و احترام لیے انہیں دیکھنے لگے۔

"یار ایک دن رک جاؤ مزید تو تمہیں سید پور سے نیچے شاہ پور میں لے چلتا ہوں بہت خوب صورت علاقہ ہے چاروں طرف درخت پانی کے چشمے۔۔۔" شاہ رخ نے بلند بخت کی طرف دیکھا جو نیچے کارپٹ پر بیٹھا اپنے بیگ میں کپڑے رکھ رہا تھا۔

"لگاؤ مت یار اگر میں ایک دن بھی مزید رک گیا نا تو میرے نانا نے یہاں پہنچ جانا ہے اپنے سارے بھائیوں کی فوج ظفر موج لے کر۔ تو نہیں جانتا کتنی مشکل سے اجازت لی ہے میں نے یہاں آنے کی۔ ایک اکیلی میری جان اور مجھے روکنے والے بہت۔ لیکن داد دو مجھے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ بیگ میں رکھ کر خود ہی اپنے بازو پر تھپکی دی۔

"میں اکیلا بالآخر سب پر بھاری ہو گیا اور شکر کرو ولیمہ والے روز بھی پہنچ گیا۔"

"لیکن وہ کیوں روک رہے تھے تمہیں۔ تمہارے ابی جان' امی' نانا سب سے ہی تو میری ملاقات ہو چکی ہے وہ مجھے جانتے ہیں۔" شاہ رخ کو حیرت ہوئی۔

"دراصل ہمارے ننھیال میں ایک ٹریجڈی ہو چکی ہے میرے نانا کے کسی بھائی کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ بس نانا ہی صاحب اولاد تھے۔ بڑے بھائی کے ہاں اولاد ہوئی تو لیکن کم سنی میں ہی اللہ کو پیاری ہو گئی۔ بس نانا کی دو اولادیں میری امی اور میرے ماموں ہی سب کی آنکھوں کا تارا تھے پھر ماموں عین عالم جوانی میں ایک حادثے میں گزر گئے ان کی وفات کے بعد صرف امی ہی رہ گئیں اور امی کے اکلوتے سپوت ہونے کا شرف مجھے حاصل ہے۔ اللہ نے امی جان کو بھی صرف دو ہی اولادیں دیں میں اور چھوٹی بہن چچاؤں' پھوپھیوں' تایاؤں کے ہاں فراوانی ہے اولاد کی لیکن اپنے ننھیال کی محبتوں کے ہم اکلوتے حق دار ہیں۔" بلند بخت نے تفصیل سے بات کی۔

"لیکن پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا تمہاری امی جان نے کبھی نہیں روکا تمہیں کہیں جانے سے۔" اسفر واش روم میں جاتے جاتے رک گئے تھے۔

"ہاں لیکن پتا نہیں کیوں اس بار۔ امی جان اور نانو نے تو رو رو کر راستے میں دیواریں کھڑی کر دی تھیں کہ وہم آتا ہے مت جاؤ۔ لیکن شاہ تیری خاطر میں چلا آیا۔ صرف تیری خاطر۔"

"تھینک یو یار۔" شاہ رخ متاثر ہوئے۔

"تم سب کی آمد نے جہاں مجھے خوشی دی ہے۔ وہاں شاہ جی اور شاہ زیب بھی بہت خوش ہوئے ہیں۔"

"میں نے یہاں آکر بہت انجوائے کیا۔ تمہارا علاقہ بہت خوب صورت ہے اور یہاں کے لوگ بھی بہت اچھے اور محبت کرنے والے اور تمہاری فیملی کا تو خیر کہنا ہی کیا۔ میں ضرور ایک دن اور رک جاتا لیکن یار شاہ! امی جان بہت پریشان ہو گئی ہیں رات فون پر رو پڑیں۔ مجھے یہاں گزارے دن ہمیشہ یاد رہیں گے خاص طور پر جو دن شکار میں گزرے ہاسٹل کے دنوں کی یاد تازہ ہو گئی۔" اس نے کپڑے ہاتھوں میں لیے کھڑے اسفر کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ رک جاؤ نا۔" کھڑکی سے باہر جھانکتے شاہرم نے مڑ کر اسفر کی طرف دیکھا۔

"نہیں' نہیں ہم تمہارے ساتھ ہی چلیں گے۔ انشاءاللہ اب ملتے رہیں گے۔ شاہ رخ بھی تو اب لاہور آتا رہتا ہے۔" اسفر نے جواب دیا اور واش روم کی طرف بڑھ گئے۔

"میں ہاتھ لے لوں تو پھر نکلتے ہیں۔" شاہرم کا جی چاہا وہ اسفر سے کہے کہ دو دن اور رک جائیں لیکن وہ کچھ کہے بغیر دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کھڑکی سے حویلی کے باہر والا حصہ نظر آتا تھا۔ گیٹ کے ساتھ بنا چبوترا جس کے دونوں اطراف درخت تھے۔

یہاں اس گھر میں بابا نے اپنی زندگی کے پچیس چھبیس سال گزارے تھے۔ کیسے کیسے ان کا دل نہ مچلتا ہو گا یہاں آنے کے لیے لیکن کچھ محبتیں بہت پاورفل ہوتی ہیں ہر جذبے ہر رشتے کو بہا کر لے جاتی ہیں۔ شاید ماما کی محبت بھی اتنی ہی پاورفل تھی۔ لیکن شاید محبت نہیں۔۔۔۔ بابا کہتے تھے محبت سے زیادہ وہ عہد مضبوط تھا جو انہوں نے ماما سے کیا تھا وہ عہد شکنی نہیں کر سکتے تھے اور اس ایک عہد کے نبھانے میں بابا سے کیا کیا چھوٹ گیا تھا۔ بھائی'

بہن، ماں، باپ سب کچھ رشتے مٹی تلے چھپ گئے تھے اور کچھ جو زندہ تھے باقی تھے انہوں نے بابا کے لیے اپنا دل پتھر کر لیا تھا۔

وہ جب پہلی بار شاہ جی سے ملا تھا تو اس کے اندر ہیجان برپا تھا اگر شاہ رخ اس کے ساتھ نہ ہوتے اور اس کا ہاتھ دبا کر تنبیہہ نہ کرتے تو شاید وہ خود کو نہ چھپا پاتا۔ شاہ جی کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ جذباتی ہو گیا تھا۔ شاہ رخ کے لیے دوسرا ددھیالی رشتہ تھا جس سے وہ مل رہا تھا۔ وہ سرخ و سفید بارعب شخص جو اس کے سامنے کھڑا تھا اس کے بابا کا سگا بھائی تھا۔ دونوں نے ایک ہی ماں کی گود میں پرورش پائی تھی۔ دونوں کی رگوں میں ایک ہی باپ کا خون تھا۔ بچپن میں دونوں میں ایسی ہی دوستی اور محبت ہو جیسی اس میں اور شجاع میں ہے۔ شاید بچپن میں وہ بھی ایک دوسرے کی تکلیف پر ایسے ہی تڑپ اٹھتے ہوں گے جیسے وہ انہیں سامنے پا کر بے قراری سے دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف بڑھا تھا۔ شاہ جی نے اسے گلے لگایا تھا لیکن ان کی آنکھوں میں حیرت سی تھی۔ رسمی سے خیر مقدمی انداز میں اسے گلے لگا کر انہوں نے شاہ رخ کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ اسفر کا کزن ہے لاہور سے اسفر کے ساتھ ہی آیا ہے شادی میں شرکت کے لیے۔" شاہ رخ نے فوراً تعارف کروایا تھا اور ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر گویا اسے محتاط رہنے کو کہا تھا اس نے فوراً ہی اپنی نظریں جھکا لی تھیں جو شکایتی انداز میں شکوہ کرتی ہوئی شاہ جی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

شاہ جی کچھ دیر تو سینے سے لگے رہنے دیتے تاکہ میں واپس جا کر بابا کو بتا سکتا تھا کہ شاہ جی نے جب مجھے گلے لگایا تھا تو میں نے کیسی حرارت محسوس کی تھی۔ کیسی خوشبو آئی تھی ان کے وجود سے۔ بابا جیسی یا کچھ مختلف لیکن انہوں نے فوراً ہی اسے الگ کر دیا تھا اور اب پوچھ رہے تھے۔

"مہمانوں کو کوئی تکلیف تو نہیں شاہ رخ شاہ۔"

"نہیں شاہ جی۔" شاہ رخ نے مودب انداز میں جواب دیا تھا۔

"بچے کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا تکلف کہئے گا۔ اسے اپنا ہی گھر سمجھئے۔"

"جی۔۔۔" اس نے سر ہلایا تھا۔

یہ گھر اپنا ہی تو تھا لیکن بیگانہ بنا دیا گیا تھا۔

"شاہ رخ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کام کیسے ہو گا تمہاری اس روز میر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکی تھی اور کارڈ رہ ہی گیا۔ کسی نوکر کے ہاتھ بھجوانا تو گویا ان کو ناراض کرنا ہے اور ایسے وقت میں ان کی ناراضگی میں افورڈ نہیں کر سکتا۔ میں چاہ رہا تھا آپ بذات خود جا کر انہیں کارڈ دے آئیں۔ آنے جانے میں ڈیڑھ دو گھنٹے لگ جائیں گے اور ادھر سارا انتظام بھی آپ کو کرنا ہے' کیٹرنگ والے کون ہیں۔ ان سے کیا ڈیل کی ہے آپ نے کل بارات ہے اور کارڈ ولیمہ کی دعوت کے لیے ہے۔ کارڈ آج ہر صورت پہنچ جانا چاہیے انہیں۔"

"شاہ جی! آپ فکر نہ کریں شاہ رخ بھائی کارڈ لے جائیں ہم یہاں کام دیکھ لیں گے۔ اسفر بھائی ہیں میں ہوں شاہ میر ہیں۔" اس نے فوراً ہی آفر کی تھی شاہ جی کی آنکھوں میں اس نے اپنے لیے ستائش دیکھی تھی۔

"جی شاہ جی شاہ ہرم صحیح کہہ رہا ہے میں چلا جاتا ہوں۔ اسے اور اسفر کو سب سمجھا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے اور تم میر صاحب کو بتا دینا کہ تم پہلے ایک چکر لگا چکے ہو اور وہ لاہور گئے ہوئے تھے تب۔" دو تین دنوں میں وہ شاہ جی کے بہت قریب چلا گیا تھا اور شاہ جی نے اسفر سے اس کی بہت تعریف کی تھی۔

"بھئی اسفر بیٹے آپ کے بھائی نے تو ہمیں اپنا اسیر کر لیا ہے۔ پتا نہیں کیا کشش ہے اس میں۔ ماشاءاللہ اس کے والدین نے اس کی بہت اچھی تربیت کی ہے۔ آج کل کے دور میں ایسے فرماں بردار اور بزرگوں کا ادب کرنے والے لڑکے میں نے کم ہی دیکھے ہیں۔ کبھی لاہور آیا تو اس کے والدین سے ملوانا اور میری طرف سے انہیں مبارک باد دینا کہ خدا نے انہیں اتنے اچھے بیٹے سے نوازا ہے۔"

"جی۔" اسفر گھبرا سے گئے تھے۔

"خالہ جان تو کراچی میں ہیں یہ دراصل ہمارے گھر آئے ہوئے تھے تو میں ساتھ لے آیا۔"

"اچھا اچھا۔۔۔ بہت خوش نصیب ہیں آپ کی خالہ اور خالو۔" شاہ صاحب کے جانے کے بعد شاہ رخ نے مصنوعی حیرت سے شاہ ہرم سے پوچھا تھا۔

"یہ تم نے شاہ جی پر کیا جادو کر دیا ہے بھئی شاہ جی اور کسی کی تعریف کریں۔"

"دیکھ لیجئے دل سے دل مل گیا ہے۔" شاہ ہرم نے کالر جھاڑے تھے۔

"خوشامدی۔" شاہ رخ خوش دلی سے ہنسے تھے۔

"کیسے شاہ جی کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے تم' ولیمہ والے دن اور کیا باندھ باندھ کر جھوٹ بولے جا رہے تھے۔"

"کیا ہوا تھا۔" اسفر اس سارے قصے سے لاعلم تھا۔

"کچھ نہیں۔" شاہ رخ ہنسے۔

یہ ولیمہ کا فنکشن ہے اور پتا ہے ان حضرت نے کیا شگوفہ چھوڑا کہنے لگا۔ "جی۔۔۔ جی بالکل شاہ جی آپ نے صحیح فرمایا ابھی پچھلے دنوں میرے رشتے کی بہن کی شادی ہوئی کیا بتاؤں کیسے کیسے جتن نہیں کئے دولہا والوں نے کہ دلہن کو باہر اسٹیج پر بٹھایا جائے لیکن میرے بابا جان نے صاف انکار کر دیا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں وہ اپنے اصول نہیں توڑ سکتے بھلے وہ لوگ دلہن کو چھوڑ جائیں۔" شاہ جی نے فوراً ہی اس کی تائید کی تھی۔ "اصول تو اصول ہوتے ہیں اور اعلیٰ خاندان کے لوگوں کی یہی تو پہچان ہے۔"

"شاہ ہرم مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ تم اتنے جی دار ہو۔ ویسے یہ رشتے کی کس بہن کی شادی تھی۔۔۔" اور شاہ ہرم ہنس دیا تھا۔

"میں دراصل شاہ جی کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کر رہا ہوں کیا خبر کسی روز گھر میں بھی جگہ نکل آئے۔" جانے اس کے لہجے میں کیا تھا کہ شاہ رخ نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"انشاءاللہ شاہ ہرم ایک روز گھر میں بھی جگہ نکل آئے گی۔"

ولیمہ کے فنکشن کے بعد جب شاہ زیب روایت کے مطابق اپنی دلہن کے ساتھ اونچی حویلی میں چلا گیا تو شاہ رخ ان سب کو ساتھ لے کر شکار گاہ میں آ گیا تھا چھوٹا سا گھر ہر طرح کی سہولتوں سے آراستہ تھا۔ یہ سید پور سے باہر جنگل کے قریب تھا۔ اطراف میں ٹیلے اور پہاڑ تھے ایک سائیڈ پر گہری کھائی تھی۔ بالکل شمالی علاقہ جات کا سا منظر تھا۔

"شاہ ہرم کیا سوچ رہے ہیں آپ۔" بلند بخت نے بیگ کی زپ بند کی اور کھڑا ہو گیا۔

"کچھ نہیں بس وہ اس خرگوش کے متعلق سوچ رہا تھا جو میری گولی کا نشانہ بنا۔" شاہ ہرم کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔

"اس روز کا واحد شکار وہ خرگوش ہی تھا۔" شاہ رخ بھی مسکرائے۔

"مجھے شکار کرنا پسند نہیں ہے۔ معصوم پرندوں اور جانوروں کا۔" بلند بخت نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"ہاں تب ہی تم نے ایک بھی گولی نہ چلائی تھی۔"

"میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار شکار کیا لیکن مجھے جھجک محسوس نہیں ہوئی۔" شاہ ہرم نے کہا تو بلند بخت نے اس کی طرف دیکھا۔

"بھئی تمہاری رگوں میں بھی تو جاگیرداروں کا خون ہے اور ہم ٹھہرے سیدھے سادے شہری بقول شاہ رخ کے لاہوری کے بزدل۔"

"تم بزدل نہیں ہو بلند بخت تمہارا دل ایک شاعر کا ایک فنکار کا دل ہے۔ حساس نرم و نازک پھول کی پتی سے کٹ جانے والا۔ لالے کے پھول کی طرح شبنم کے قطرے سے داغ دار ہو جانے والا دل ہے تمہارا۔ تم کیسے کسی کا خون کر سکتے ہو۔"

شاہ رخ کی نگاہوں میں اس کے لیے محبت تھی اور یہ حقیقت بھی تھی کہ بلند بخت بہت شاعرانہ مزاج رکھتا اور بے حد حساس تھا۔

"ارے بھئی شاہرم تم یونہی کھڑے ہو پیکنگ نہیں کی۔" اسفر ہاتھ لے کر باہر نکلے تو بیڈ پر پڑے شاہرم کوٹ پر ان کی نظر پڑی۔

"میرے سارے کپڑے بیگ میں ہی ہیں اور یہ کوٹ مجھے پہننا ہے۔ آپ تیار ہو جائیں تو پھر شاہ جی سے مل چلتے ہیں۔" وہ کچھ دیر پہلے ہی شکار گاہ سے حویلی پہنچے تھے اور ابھی تک کسی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

"شاہ تم نے اپنے شاہ بابا سے بھی نہیں ملوایا اتنا ذکر کرتے تھے تم ان کا۔" بلند بخت کو اچانک یاد آیا۔

"ولیمہ کے فنکشن میں بھی وہ نظر نہیں آئے۔"

"ہاں اس روز شاید ان کی طبیعت خراب تھی۔" شاہ رخ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اس نے فضل کو بہت تاکید کی تھی کہ شاہ بابا کو بھی لے آئے اتنی رونق دیکھ کر خوش ہوں گے لیکن فضل داد نے بتایا تھا کہ شاہ بابا تو سرِ شام ہی سو گئے تھے۔ بہت جگانے کی کوشش کی ہے لیکن ناراض ہوتے ہیں۔"

"چلو پہلے شاہ بابا سے مل لیتے ہیں۔" شاہ رخ کھڑے ہو گئے۔

"تم لوگ جاؤ میں اتنے میں تیار ہو جاتا ہوں۔" اسفر ڈریسنگ کے سامنے کھڑے بال بنا رہے تھے۔

"یار اسفی تم بھی چلو اپنی محبت کے لیے کچھ دعا شعا کروا لینا۔" بلند بخت نے اس کے کانوں میں سرگوشی کی۔ علینہ کے خیال سے اسفر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"بہت ناراض ہو گی۔ خیر کراچی جانا ہے اب تو منا لوں گا۔"

"چلو۔" برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر وہ ان کے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔

شاہ بابا اپنے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھے۔ شاہ رخ کو بلند بخت کو یہاں لاتے ہو تھوڑی سی جھجک محسوس ہوئی تھی کہ بلند بخت کے ذہن میں بھی یہ خیال آ سکتا ہے کہ شاہ بابا اتنے قریبی ہونے کے باوجود یہاں الگ تھلگ کیوں ہیں۔

"السلام علیکم شاہ بابا کیسے ہیں آپ؟"

شاہ رخ ان کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"یہ میرے دوست ہیں شاہ زیب کی شادی میں شرکت کے لیے آئے تھے آج واپس جا رہے ہیں۔ آپ کو خدا حافظ کہنے آئے ہیں۔"

"تم نے کہا تھا مجھے ولیمہ میں لے جاؤ گے لیکن پھر لے کر نہیں گئے میں انتظار کرتا رہا۔"

"میں نے فضل داد سے کہا تھا کہ آپ کو لے آئے لیکن وہ کہہ رہا تھا آپ سو گئے ہیں۔"

"میں تو بڑی دیر تک جاگتا رہا۔" ان کے لہجے میں اداسی تھی۔ شاہرم نے آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام کر انہیں سلام کیا۔ وہ نگاہیں اٹھائے اسے دیکھتے رہے۔

"سبز آنکھیں۔۔۔ اچھی آنکھیں پیاری آنکھیں۔" وہ ہولے ہولے بڑبڑا رہے تھے۔

"تم نہ جاؤ۔" انہوں نے یکدم ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھا لیا۔

"ادھر میرے پاس رہو۔"

"آپ چلیں نا میرے ساتھ لاہور۔"

"میں۔" انہوں نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں میرے ساتھ چلیں میرے گھر میں رہیں۔"

"چلا جاؤں۔" انہوں نے شاہ رخ سے پوچھا۔

"جی شاہ بابا۔" شاہ رخ سٹپٹا گئے۔

"تو چلو۔" انہوں نے شاہرم کا ہاتھ تھام کر اٹھنے کی کوشش کی۔

"شاہ بابا ابھی آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں کمزوری ہے یہ دور ہو جائے تو میں لے چلوں گا آپ کو۔ شاہرم کے گھر لاہور۔" شاہ رخ نے تسلی دی۔

"مجھے پتا ہے تم نہیں لے کر جاؤ گے۔ تم مجھے یہاں سے بھی جانے نہیں دو گے۔ باہر تالا لگا دو گے۔" انہوں نے شاہرم کا ہاتھ چھوڑ دیا اور چارپائی پر لیٹتے ہوئے ان کی طرف سے کروٹ بدل لی۔

شاہ بابا کا یہ انداز یہ گفتگو سب نیا تھا شاہ رخ کے لیے۔ شاہ بابا نے اس طرح کبھی بات نہیں کی تھی جس طرح پچھلے چند دنوں سے کر رہے تھے۔

"یار شاہرم۔" واپس آتے ہوئے انہوں نے شاہرم کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی کوشش کی۔

"تم میں ایسا کیا ہے کہ پہلے شاہ جی کو اور اب شاہ بابا کو بھی تم نے اسیر کر لیا ہے۔"

"تیری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے۔" بلند بخت گنگنایا۔

"کیا مطلب۔" شاہرم نے بلند بخت کو گھورا۔

"یعنی میری آنکھوں کے سوا مجھ میں کوئی خوب صورتی نہیں ارے میری اماں سے پوچھو جا کر جو یونیورسٹی جانے سے پہلے ہر روز سات مرچیں جلاتی ہیں کہ کہیں مجھے نظر نہ لگ جائے۔" اس کا انداز لڑاکا عورتوں کا سا تھا۔ تینوں بے اختیار ہنس دیے۔ ہنستے ہنستے شاہ رخ کی نظر اٹھی تھی۔ حویلی کے اندرونی گیٹ سے زینت فاطمہ باہر آ رہی تھیں۔ سفید بڑی سی چادر کو اپنے گرد لپیٹے صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں ان کی۔ وہ اس وقت پختہ روش پر ہوئے مہمان خانے کی طرف مڑے تھے۔

"شاہرم پھپھو!" انہوں نے غیر ارادی طور پر شاہرم کا ہاتھ دبایا تھا۔ شاہرم بے اختیار دو قدم ان کی طرف بڑھ کر پیچھے ہٹا تھا اور عین اسی وقت بلند بخت کی نظریں بھی اٹھی تھیں گو اس نے فوراً ہی نظریں جھکا کر رخ قدرے موڑ لیا تھا لیکن زینت فاطمہ کی نگاہیں جیسے اٹھی کی اٹھی رہ گئی تھیں۔ وہ وہاں ہی ساکت کھڑی ہو گئی تھیں۔

"نہیں۔" ان کے لب کھلے اور بند ہوئے تھے۔

"عباس مرزا" دل میں ایک نام سرگوشی کی طرح ابھرا۔ بالکل وہی اونچا لمبا سانولا بڑی بڑی خوابناک آنکھوں والا چھوٹی چھوٹی مونچھیں مسکراتی آنکھیں۔

"نہیں یہ وہ تو نہیں اس کی آنکھوں میں وہ چمک نہیں شاید اس کا رنگ بھی زیادہ سانولا ہے۔۔۔ لیکن۔" پھر بجلی سی چمکی تھی۔ بلند بخت نے کچھ کہنے کے لیے شاہ رخ کی طرف دیکھا تھا۔

"تم لوگ چلو گیسٹ روم میں 'میں ذرا پھپھو کو سلام کر لوں اور پوچھ لوں کہ وہ اس وقت کہاں جا رہی ہیں۔"

زینت فاطمہ وہاں ہی کھڑی تھیں اور ان کے ساتھ کھڑی ملازمہ پوچھ رہی تھی۔

"بی بی آپ رک کیوں گئیں۔"

"پھپھو۔" شاہ رخ ان کے قریب پہنچا تو ملازمہ خود ہی چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"وہ۔" انہوں نے خالی خالی آنکھوں سے شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

"وہ مار دیں گے اسے۔ یہاں کیوں آیا ہے وہ۔" ان کا لہجہ سرگوشی جیسا تھا۔

"نہیں شارو۔۔۔ اسے بھگا دو نہیں۔" انہوں نے شاہ رخ کے ہاتھ تھام لیے۔

"پھپھو۔" شاہ رخ نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ۔" عمر نے اعصاب کمزور کر دیے تھے اور غم نے دل کھوکھلا کر دیا تھا۔ برسوں پرانا منظر بار بار آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔

"وہ پُر اشتیاق نظریں، سانولے چہرے پر مدھم مسکراہٹ اور پھر صحن میں پڑی چارپائی پر ساکت لیٹا وجود وہ سیاہ

بوٹوں والے پاؤں جو چارپائی سے نیچے لٹک رہے تھے۔ شاہ جی کا سفاک لہجہ۔

"نہیں" ان کے لبوں سے نکلا۔

"نہیں۔" انہوں نے پھر کہا اور لہرا سی گئیں۔ شاہ رخ نے یکدم آگے بڑھ کر انہیں بانہوں میں لے لیا۔ ان کے لبوں سے نہیں' نہیں کی آواز نکل رہی تھی اور آنکھیں بند ہو رہی تھیں جبکہ شاہ رخ انہیں بازوؤں میں بے تابی سے پکار رہے تھے۔

■■■

سوری ہما باجی! میں چھٹی کے بعد رک نہ سکی۔ میں سوچ رہی تھی' ابھی کام سے فارغ ہو کر آپ کی طرف آتی ہوں۔ بہت دنوں سے حنا سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس سے بھی مل لوں گی اور آپ سے بھی پوچھ لوں گی کہ کیا کام تھا۔" دوپٹے کے پلو سے ہاتھ پونچھتی ماہ نور نے ہما کے سامنے پڑے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے معذرت کی۔ لمحہ بھر میں ہما نے بغور اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں' میرا مطلب ہے کچھ خاص نہیں۔ یونہی میں سوچ رہی تھی' تم سے ڈسکس کر لوں کہ کن بچوں کو ایڈمیشن بھیجا جائے۔ ذاکر صاحب کہہ رہے تھے کہ نالائق بچوں کا ایڈمیشن ہرگز نہیں بھجواتا۔ اس سے اسکول کی ریپوٹیشن خراب ہوتی ہے اور میرے پاس ابھی سے سفارشیں آنا شروع ہو گئی ہیں والدین کی۔"

"اچھا!"

ماہ نور نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ خواہ مخواہ وہ کل سے الجھ رہی تھی' پریشان ہو رہی تھی۔

"دراصل۔"

ہما نے اتنی تفصیلی بات کرنے کے بعد پھر وضاحت کی۔

"میرے پاس تو فری پیریڈ ہے ہی نہیں اور بریک میں دوسری ٹیچرز بھی ہوتی ہیں تو میں نے تمہیں رکنے کا کہا تھا۔ دراصل وہ جو راحم ہے نا' میری فرینڈ کا بھتیجا ہے اور وہ مجھے بہت مجبور کر رہی ہے کہ اس کا ایڈمیشن بھیج دیں۔"

"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ تو واقعی بہت کمزور ہے۔"

ماہ نور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں چاہ رہی تھی کہ تم اپنے مضامین میں اسے پاس کر دو۔ میرے پیپر میں تو پاس ہے۔ باقی کی بات میں ذاکر صاحب سے کر لوں گی اور یہ بات میں سب ٹیچرز کے سامنے نہیں کرنا چاہتی تھی تم سے۔"

"لیکن۔"

ماہ نور نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"راحم نے تو صرف تین چار سطریں لکھی ہیں۔"

"یہ بات ہے تو پھر رہنے دو۔ ہاں اگر گنجائش ہوتی تو خیر۔"

وہ غیر ارادی طور پر دوپٹے کے پلو کو انگلیوں پر بار بار لپیٹ اور کھول رہی تھیں۔ ماہ نور نے ان کی اس حرکت کو حیرت سے دیکھا۔

"ویسے میری کلاس تمہارے مضامین میں کیسی ہے۔"

"اچھی ہے۔ پڑھائی میں دلچسپی لیتی ہے۔"

وہ دہم بی کی ٹیچر انچارج تھیں۔

"لیکن دہم اے کی لڑکیاں زیادہ اچھی ہیں۔"

"آج کل الٹ حساب ہے۔"

مس ہما ہنسیں۔

"لڑکے دلچسپی ہی نہیں لیتے پڑھائی میں اور لڑکیاں خوب محنت کرتی ہیں۔ ہمارے اپنے گھر میں حنا اور ثنا کو دلچسپی ہے پڑھائی سے جبکہ دونوں بھائیوں کو پڑھنا بیگار لگتا ہے۔"

انہوں نے دوپٹے کے پلو سے ماتھے کا پسینہ پونچھا۔

ماہ نور کو وہ کچھ بے چین سی لگیں۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔"

اس نے سادگی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔" وہ کسی خیال سے چونکیں۔

"میں چلتی ہوں اب۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ بیٹھیے۔ روما چائے لا رہی ہو گی۔"

"نہیں' پلیز اسے منع کر دو۔ میں ابھی چائے پی کر ہی نکلی تھی۔"

بات کرتے کرتے وہ خود اٹھ کر کمرے کے دروازے تک آئیں اور نرمل کو آواز دی۔

"نرمل گڑیا چائے مت بنانا میرے لیے۔"

"لیکن۔" نرمل نے کچن سے جھانک کر کچھ کہنا چاہا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں گڑیا! میں چائے پی کر ہی نکلی ہوں۔ کچھ بھی کھانے پینے کا موڈ نہیں۔" وہ دروازے پر کھڑی تھیں کچھ متذبذب سی۔

"چلیں چائے مت پئیں' کچھ دیر بیٹھیے۔"

نانی باجی ہونے کی وجہ سے ماہ نور ان کا بہت احترام کرتی تھی۔

"ہاں بس چلوں گی۔"

وہ ہاتھوں پر دوپٹا لپیٹ رہی تھیں۔

"وہ تم سیٹ تو ہو گئی ہو نا۔"

"ہاں۔"

"کوئی مسئلہ تو نہیں۔"

"نہیں۔" وہ بدستور دروازے پر کھڑی تھیں۔

"کوئی پرابلم ہو تو مجھے بتانا بلا جھجک۔"

"جی۔"

ماہ نور بھی انہیں کھڑے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"اور ہاں۔" انہوں نے جیسے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

"مسز مراد سے تمہاری اچھی خاصی گپ شپ ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے بوریت تو نہیں ہوتی ہو گی۔"

ماہ نور مسکرائی۔

"ہفتے میں دو دن ہمارے پیریڈ اکٹھے فری ہوتے ہیں تو کچھ بے تکلفی ہو گئی ہے۔"

"مسز مراد کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا ادھر جاب کرتے ہوئے لیکن اچھی ٹیچر ہیں۔ پہلے کسی اور اسکول میں تھیں۔"

"جی بتایا تھا انہوں نے۔"

"اور کیا بتاتی ہیں تمہیں۔"

انہوں نے دوپٹے کا پلو ہاتھ سے چھوڑ کر ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں جکڑ لیا تھا اور براہ راست ماہ نور کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"جی۔"

ماہ نور کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"میرا مطلب ہے کہ تمہاری اور ان کی ایج میں فرق ہے۔ وہ میرڈ ہیں تو ظاہر ہے تمہاری دلچسپی کی باتیں تو نہ

کرتی ہوں گی۔"

ماہ نور نے پہلی بار ہما کے اس متجسس انداز سے بیزاری محسوس کی لیکن اس نے اپنی بیزاری کو چھپا کر نارمل انداز میں جواب دیا۔

"میرے خیال میں ایج سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ باہمی دلچسپی کی بات تو نکل ہی آتی ہے لیکن ابھی تک کوئی مسئلہ زیر بحث نہیں آیا۔ انہوں نے مجھے اپنے متعلق بتایا ہے اور کبھی کبھار اسکول کے حوالے سے ہو جاتی ہے۔"

ماہ نور کو مس ہما کا تجسس سمجھ آگیا تھا۔ وہ جاننا چاہتی تھیں کہ مسز مراد نے اس سے کیا کیا باتیں کی ہیں۔

انہوں نے بھنویں اچکائیں۔

دونوں ہاتھ کھل گئے تھے اور ایک بار پھر دوپٹے کے پلو کو انگلیوں پر لپیٹنے اور کھولنے کا شغل شروع ہو گیا تھا۔

"اسکول کے متعلق کیا۔"

ماہ نور بات کر کے پچھتائی، تاہم اس نے بڑے سلیقے سے جواب دیا۔

"یہی کہ پڑھائی اچھی ہے۔ دوسرے اسکولوں کے مقابلے میں سیلری زیادہ ہے۔ ٹیچرز محنتی ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔"

مس ہما نے جیسے نہ جانے کب کا رکا ہوا سانس بحال کیا۔

"ہاں، یہ تو ہے۔"

وہ مسکرائیں۔

"اور یہ سب ذاکر صاحب کی وجہ سے ہے۔ وہ اگر سخت ڈسپلن نہ رکھیں تو ٹیچرز محنت کرنے کے بجائے ہانکتی رہیں، سارا وقت۔ وہ تم سے پہلے سائنس ٹیچر تھی نا اس کا تو کلاس میں جانے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ ذاکر صاحب راؤنڈ لے کر آفس میں گئے، ادھر وہ کمرے سے باہر نکل کر کبھی کسی ٹیچر کے پاس کھڑی ہوتی کبھی کسی کے پاس۔"

انہوں نے کن انکھیوں سے ماہ نور کی طرف دیکھا لیکن ماہ نور کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ دھیان سے بات سن رہی تھی۔

"بڑی عجیب لڑکی تھی۔"

مس ہما نے دروازے پر رکھا ہاتھ اٹھایا۔

"اب چلوں، حنا نے شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ بی ایڈ کے لیے کچھ کتابیں لینی ہیں۔ تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔"

"نہیں ہما باجی کچھ نہیں چاہیے۔"

"میرے لیے تم حنا جیسی ہی ہو۔ کسی کی باتوں پر اعتبار مت کرنا اور ہاں۔"

چلتے چلتے انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"ذاکر صاحب تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔"

"کس بات کی۔"

ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"تمہارے وے آف ٹیچنگ کی۔ کہہ رہے تھے بہت محنتی ٹیچر ہے۔ ذاکر صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔" وہ کہتے کہتے تیزی سے پیچھے آتی ماہ نور کو دیکھے بغیر مین گیٹ کھول کر باہر نکل گئیں۔ ماہ نور کچھ دیر کھڑی رہی۔ مسز مراد کہتی ہیں کہ ذاکر صاحب اچھے آدمی نہیں ہیں۔ حنا کی باجی کہتی ہیں کہ وہ اچھے آدمی ہیں اور۔ پتا نہیں مس... نے سائنس ٹیچر کے متعلق صحیح کہا ہے یا مسز مراد نے۔ بہرحال جو بھی ہو مجھے کیا۔

I am strong enough to say Nô

ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"اور پھر خضر ہے نا۔"

اس نے گندے برتن سمیٹ کر سنک میں رکھے۔

اس روز اس نے کتنے یقینی اور حتمی لہجے میں کہا تھا۔

"ماہ! تم خود کو کبھی بھی اکیلا مت سمجھنا اور کبھی مجھ سے کچھ مت چھپانا۔ ہر مسئلہ، ہر بات تم مجھ سے ڈسکس کر سکتی ہو اور جہاں تک ندا کی بات ہے تو ایسی لڑکیاں تمہاری جگہ نہیں لے سکتیں۔ یہ یقین کبھی نہ کھونا ماہ... تم نہیں جانتیں کہ تمہاری محبت کی جڑیں کتنی گہری ہیں۔ میں بار بار اظہار محبت کا قائل نہیں ہوں لیکن اتنا چاہتا ہوں کہ تمہارا اعتماد ہمیشہ مجھ پر رہے۔ کوئی ندا! اس اعتماد کو متزلزل نہ کر سکے۔ ندا کو تو میں نے نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔ یہ پہلی بار ہے ماہ لیکن میں بار بار وضاحتیں نہیں دوں گا۔ آج تمہارا ردعمل مجھے اچھا لگا، میں نے اس سے جانا کہ تم میرے لیے کتنا سوچتی ہو لیکن بار بار اس طرح کا ردعمل بیزار کر دیتا ہے۔ میں چاہوں گا تم ہمیشہ میرے لیے اپنے اندر ایک ایسا یقین رکھو جسے کوئی متزلزل نہ کر سکے اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ماہ کہ خضر کی زندگی میں صرف ماہ نور کی گنجائش ہے اور کسی کی نہیں۔"

وہ نادم سی ہو گئی تھی اور اس نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن خضر نے اسے روک دیا۔

"کوئی سوری نہیں۔"

اس نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور مسکرایا تھا۔

"میں نے تم سے کہا ہے کہ آج مجھے اچھا لگا۔ کم از کم مجھے اتنا تو پتا چلا کہ تم مجھے... خیر چھوڑو۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"میں تم سے ایک اور بات بھی کہنا چاہتا ہوں۔ گو میں سمجھتا ہوں تم خود بہت سمجھ دار ہو اور تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی میرے پاس تمہارے لیے بہت کچھ ہے، بہت سارے خوبصورت لفظ۔ بہت سے جذبے، بہت دل آویز اور دلنشیں۔ وقت آنے پر میں سب تمہاری نذر کروں گا جو تمہارا ہے، وہ تمہارے لیے ہی ہوگا۔ کسی ایک لفظ کی خیانت نہیں ہوگی لیکن وقت سے پہلے ایسی کوئی آرزو مت کرنا۔ بار بار تجدید محبت کی ضرورت وہاں ہوتی ہے، جہاں جذبوں میں کھوٹ ہوتا ہے۔ میرے جذبوں میں کھوٹ نہیں ہے۔ ہمیں صرف اپنا ہی نہیں سوچنا، ہمیں ان سب کو بھی دیکھنا ہے جو اس گھر میں رہتے ہیں۔ ہمیں ان کے لیے اچھی مثال بننا ہے،"

ماہ نور نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔

"خضر! آپ مجھے..."

"پاگل، میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا، میں تم سے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا لیکن لڑکیاں نازک ہوتی ہیں، کمزور دل ہوتی ہیں۔ جلد بدگمان ہو جاتی ہیں۔ چاہتی ہیں کہ وہ شخص جس نے اپنا دل..."

"میں ایسی نہیں ہوں۔"

اس نے خضر کی بات کاٹ دی تھی۔ اس کا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔

"پھر کیسی ہو۔"

خضر کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"مجھے نہیں پتا۔"

اس کی آنکھوں میں پانی پھیل گیا تھا۔

"بری بات..."

خضر نے آہستگی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں تم کیسی ہو اور جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، تم خود بھی نہیں جانتیں۔ بس اپنا یقین کبھی نہ کھونا،

چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

وہ کام کرتے ہوئے بھی مسلسل خضر کے متعلق ہی سوچتی رہی۔ چند دنوں میں ہی خضر نے کیسے ذہن و دل کو اسیر کر لیا تھا اور خضر نے کہا تھا وہ بے فکر ہو جائے۔ سو وہ بے فکر ہو گئی تھی۔ کام سے فارغ ہو کر وہ نصیر احمد خان کے کمرے میں آئی۔ نصیر احمد خان اپنی وہیل چیئر پر نیم دراز اخبار پڑھ رہے تھے۔ پاس ہی سلمٰی خانم ان کے بیڈ پر بیٹھی تھیں اور دوسری چارپائی پر طیبہ خاتون لیٹی ہوئی تھیں۔

"اماں! آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔"

وہ سلمٰی خانم کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"ٹھیک ہوں' ایسا کون سا مرض لاحق تھا' فلو ہی تو تھا لیکن تم خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہو۔"

انہوں نے ایک محبت بھری نظر ماہ نور پر ڈالی۔

"بہرحال آج مکمل ریسٹ کریں گی آپ! یاد ہے نا' پچھلی بار بھی فلو بگڑ گیا تھا آپ کا۔"

نصیر احمد خان نے اخبار ذرا سا نیچے کر کے باری باری دونوں پر نظر ڈالی۔

"اور آپ کیسے ہیں ابا؟"

"ایک دم اچھا۔"

وہ مسکرائے تو ماہ نور کو وہ پہلے سے بہت بہتر لگے۔ ان کے چہرے پر آج اداسی اور مایوسی کے رنگ اتنے گہرے نہیں تھے جتنے اس حادثے کے بعد ہمیشہ ماہ نور کو دکھائی دیتے تھے اور یہ سب حمنہ خالہ کی وجہ سے تھا۔

"تھینک یو حمنہ خالہ!"

اس نے دل ہی دل میں حمنہ خالہ کا شکریہ ادا کیا۔ بعض اوقات بالکل سامنے کی بات ذہن میں نہیں آتی۔ کسی نے وہیل چیئر کے متعلق سوچا ہی نہیں' افضال انکل اور خضر نے بھی نہیں اور ابا نے کتنی اذیت اٹھائی۔ ایک چلتا پھرتا دوڑتا بھاگتا شخص یکدم عضو معطل ہو کر بستر پر پڑ جائے تو زندگی اس کے لیے کتنی اذیت ناک ہو جاتی ہے' اس کا اندازہ اسے ابا کو دیکھ کر ہوتا تھا اور اب منصور انہیں باہر بھی لے جاتا تھا۔ دو تین بار وہ دوستوں سے ملنے جا چکے تھے بلکہ کل شام تو وہ نبیل کے ساتھ ہی اپنے دوست کے پاس چلے گئے تھے۔

"حمنہ کا فون آیا تھا' تمہیں بہت پیار کہہ رہی تھی۔"

نصیر احمد خان نے جیسے اس کے دل میں جھانک لیا تھا کہ وہ حمنہ کے متعلق سوچ رہی ہے۔

اس نے مسکرا کر نصیر احمد خان کی طرف دیکھا۔

"اور کیا کہہ رہی تھیں حمنہ خالہ!"

"کہہ رہی تھیں' چھٹیوں میں بچیوں کو لاہور بھیجنا۔"

نصیر احمد خان نے بتایا۔

"روما کا بہت جی چاہ رہا ہے لاہور جانے کو۔"

"تو چلی جائے گی۔"

نصیر احمد خان کی بجائے سلمٰی خانم نے جواب دیا۔

"ہماری بچیاں کہاں کبھی گھر سے نکلی ہیں اور پھر حمنہ بہت محبت کرنے والی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یوں تو عذرا اور حمنہ دونوں بہنیں ہیں لیکن حمنہ کی طرف دل بہت کھنچتا ہے' بہت محبت کرنے والی ہے۔ عذرا بھی حمنہ کی طرح ہی ہے' بہت شفیق اور محبت کرنے والی۔ مجھے تو دونوں سے ایک جیسی محبت ہے۔ بس عذرا دور ہے اور پھر بھائی صاحب کا مزاج۔"

طیبہ خاتون خاموش ہو گئیں۔

"اب نرمل لاہور جائے گی تو دو چار روز ماموں کی طرف بھی رہ آئے گی۔ فاصلوں سے دوریاں بڑھتی ہیں۔ بندہ

قریب ہو' ایک دوسرے سے تعلق رکھے' ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہو تو محبتیں بڑھتی ہیں۔ دور ہو جائے تو ایک دن بالکل ہی بھلا دیا جاتا ہے۔"

"بھائی صاحب نزدیک تھے تب کون سا انہوں نے قریب ہونے کی کوشش کی تھی۔"

ان دنوں ابا میاں نے کراچی میں کاروبار شروع کیا تھا اور یہاں ہی رہائش تھی۔ لاہور کا کام بھائی صاحب سنبھالتے تھے اور یہ وہ دن تھے جب ابا میاں اکثر ہی اسے گھر لے جاتے تھے اور بھائی صاحب مہینے میں ہفتہ بھر کے لیے آتے تھے اور کبھی اس سے کلام تک نہ کیا تھا۔ تب ان کی شادی نہیں ہوئی تھی اور وہ کیسے بھاگ بھاگ کر ان کے کام کرتی تھیں۔ ان کے کپڑے استری کرنا' ان کے کمرے کی صفائی لیکن بھائی صاحب نے کبھی اس پر نظر تک نہ ڈالی تھی۔ تین سال تک ابا میاں کراچی میں ہی رہے تھے لیکن کاروبار نہ جم سکا تو واپسی کی ٹھان لی اور تین سال کے اس عرصہ میں طیبہ خاتون کو یاد نہ تھا کہ کبھی بھائی صاحب نے اس سے بات کی ہو' اس کا حال پوچھا ہو۔ اب ابا میاں کی وصیت سے مجبور ہو گئے تھے جو ان کی شادی میں شرکت کی اور پھر سالوں بعد کبھی کبھار خیریت پوچھ لی۔ بس رسمی سا تعلق ہی تھا۔ سو انہوں نے سلمٰی خانم کی بات پر تبصرہ نہ کیا تھا۔ نصیر احمد خان نے بغور انہیں دیکھا اور پھر سلمٰی خانم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"روما کی چھٹیاں کب ہو رہی ہیں؟"

"ابھی نہیں ابا! وہ تو گرمیوں کی چھٹیوں میں جائے گی۔" ماہ نور نے بتایا۔

"اچھا۔" وہ ہنسے۔

"ابھی تو بہت دیر ہے۔ کیا خبر تب تک میں بھی چلنے لگوں تو پھر ہم باپ بیٹی جائیں گے حمنہ کی طرف۔ کیوں ماہ بیٹے۔"

"جی ابا! انشاء اللہ۔" ماہ نور کی آنکھوں میں پانی چمکا لیکن اس نے پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔ ان کی ہنسی میں کچھ ایسا ہی درد تھا۔

اس نے کرسی پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"انشاء اللہ ابا!" اس نے پھر کہا۔

"ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب آپ اپنے قدموں سے چلیں گے۔ پہلے آپ کی ٹانگ بالکل حرکت نہیں کرتی تھی' اب آپ نے دیکھا اس میں حرکت ہے۔ آپ اسے حرکت دے لیتے ہیں تو یقیناً ایک دن ایسا بھی آئے گا جب۔۔۔"

"شاید۔" نصیر احمد خان نے دل ہی دل میں کہا اور مسکرائے۔

"ارے ہاں یاد آیا۔ عینا کا فون بھی آیا تھا' وہ کچھ دیر تک تمہیں لینے آ رہی ہے۔ تم تیار ہو جاؤ۔"

"لیکن ابا۔۔۔" ماہ نور نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

"مجھے تو آج بہت کام ہے' میں نہیں جا سکتی۔"

"تم چلی جاؤ بیٹا! میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ میں پکا لوں گی کھانا وغیرہ۔" طیبہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں اماں! سالن تو میں نے پکا دیا ہے' دن کے لیے میں روٹیاں بھی پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ آئی ہوں۔ کھانے کے لیے ہی پوچھنے آئی تھی کہ کب کھائیں گے۔"

"تو پھر کیا ہے' تیار ہو جاؤ۔ رات کے لیے روما پھلکے بنا لے گی۔" طیبہ خاتون نے کہا۔

"اتنی محبت سے لینے آ رہی ہے۔"

"لیکن اماں! مجھے پیپر چیک کرنے ہیں۔" وہ پریشان ہو گئی۔

"میں خود فون کر دیتی ہوں اسے۔"

"لیکن اب تو وہ گھر سے نکل گئی ہو گی۔" نصیر احمد خان نے بتایا۔

"کہہ رہی تھی کہ نکلنے لگی ہوں گھر سے' کچھ شاپنگ کرنا ہے پھر سیدھی ادھر آئے گی۔"

"پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ نہیں جانا تو کہہ دیتا اسے۔" سلمیٰ خانم تو ماہ نور کو ذرا سا بھی پریشان نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

"کوئی زبردستی تو نہیں کرے گی تم سے۔"

"جی آپ کے لیے کھانا لاؤں۔"

"منوں آگیا ہے کیا؟" نصیر احمد خان نے پوچھا۔

"نہیں' ابھی تو نہیں آیا لیکن کہاں گیا ہے وہ۔"

"ماں جی کی دوا لینے گیا تھا آتا ہوگا پھر اکٹھے ہی کھائیں گے۔"

"اچھا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ علینہ بھی بس۔ ابھی اس روز تو ملاقات ہوئی ہے جب حمنہ خالہ نے جانا تھا اور آج تو بالکل بھی نہیں جاسکتی۔" ابھی کپڑوں کا ڈھیر پڑا تھا دھونے والا۔ اس نے سوچا تھا۔ پیپرز ختم کرکے دھولے گی یا پھر کل اسکول سے آکر۔ نرمل کو اس نے منع کیا تھا کہ اماں کو بالکل نہ دھونے دینا۔ پانی میں ہاتھ ڈالنے سے طبیعت بگڑنے کا ڈر تھا۔

"روما۔۔۔" اس نے باہر آکر کمرے میں جھانکا۔

"میں ادھر ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر پیپرز چیک کرنے لگی ہوں۔ منوں آیا تو تم کھانا دے دینا ابا کے کمرے میں ہی۔ روبی وغیرہ چھت پر ہیں' بلا لینا انہیں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔"

نرمل کا جواب سنے بغیر وہ ڈرائنگ روم میں آگئی اور ٹیبل پر پڑے پرچوں کا سیٹ اٹھایا اور دیکھنے لگی۔ اسے بہرحال علینہ کے ساتھ نہیں جانا تھا۔ یہ اس نے طے کرلیا تھا۔ وہ پرچے دیکھنے میں محو تھی کہ اسے صحن میں نرمل کی آواز سنائی دی۔

"آ۔۔۔ ہاہا۔۔۔ علینہ باجی آپ۔۔۔ آج یہ چاند کدھر سے طلوع ہوگیا۔"

"کیوں نہیں' کیا میں پہلی بار آئی ہوں یہاں۔" اندر بیٹھے بیٹھے اس نے علینہ کی خوش کن آواز سنی۔

"لیکن مدتوں بعد غریب خانے کو شرف بخشا ہے آپ نے۔" نرمل کے لہجے میں شوخی تھی۔

"کالج میں جاکر بہت تیز ہوگئی ہو۔" علینہ کہہ رہی تھی۔

"اچھا بتاؤ' وہ محترمہ کہاں چھپی ہیں۔ تیار ہیں کیا۔"

"تیار۔" نرمل نے پوچھا۔

"آپ کو کہیں جانا ہے کیا؟"

"میں اسے لینے آئی ہوں' انکل کو کہا تھا کہ اسے بتادیں۔ کہاں ہے وہ۔"

"ڈرائنگ روم میں پیپرز چیک کررہی ہیں۔ میرا خیال ہے ان کا جانے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"ارادہ میں خود بنوالوں گی۔" علینہ کی ہنسی اس نے سنی اور ایک لمحہ کو قلم ٹیبل پر رکھ دیا۔ علینہ کی عادت تھی' ہمیشہ اپنی ہی منواتی تھی اور اسے ماننا بھی پڑتا تھا لیکن آج نہیں۔ وہ ذاکر صاحب سے ڈانٹ نہیں کھانا چاہتی تھی۔ بہرحال کل اسے رزلٹ دینا تھا۔

"ارے۔۔۔" علینہ نے اندر جھانکا۔

"یہ تم اس طرح سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھی ہو۔ دو منٹ میں تیار ہوجاؤ' میں انکل اور آنٹی کو سلام کرکے آتی ہوں۔"

"لیکن عینا! سنو تو۔۔۔" مگر وہ اس کی بات سنے بغیر نرمل کے ساتھ اونچی آواز میں باتیں کرتی ہوئی چلی گئی۔

■■■

میں جدھر گیا میں جہاں رہا
میرے ساتھ تھا وہی ایک سایہ مہرباں

وہی جو اک پارہ ابر تھا سر آسماں
پس ہر گماں وہ جو ایک حرف یقیں تھا
میرے ہر سفر کا امین تھا
وہ جو اک دعا کا چراغ سا
میرے راستوں میں جلا رہا

عذرا بیگم کے کندھے پر اپنا دایاں بازو رکھے رکھے اسفر کو بہت پہلے کی پڑھی ہوئی امجد اسلام امجد کی نظم یاد آگئی۔ یہ نظم بلند بخت نے ایک دن پڑھنے کے لیے دی تھی۔

"یہ نظم دیکھو "ماں" کتنا تاثر ہے اس میں۔"

بلند بخت کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا۔ سینکڑوں نظمیں اور شعراسے زبانی یاد تھے۔ گو تب اس نے یہ نظم سرسری سی پڑھی تھی لیکن پھر بھی چند مصرعے پتا نہیں کیسے ذہن میں رہ گئے تھے۔

میری التجا ہے تو بس یہی
میری زندگی کا جو وقت ہے
کٹے اس کی اجلی دعاؤں میں

انہوں نے زیرلب دہرایا اور عذرا بیگم کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر اس وقت روشنی سی تھی۔ ماتا کی روشنی۔

"ماں" کس قدر مکمل اور خوبصورت رشتہ ہے۔

"ماں۔" انہوں نے ایک لمبی سانس لی اور اپنا ہاتھ ان کے کندھے سے ہٹالیا۔

"میں بہت کم نصیب ہوں امی جان! کہ آپ کی محبتوں سے محروم رہا۔" ان کے لہجے میں یکدم اداسی گھل گئی تھی۔ عذرا بیگم نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"سفی بیٹا! جب تم یہاں نہیں تھے' تب بھی میرا دل تیرے لیے دعا گو رہتا تھا۔ ہر رات سونے سے پہلے میں تمہاری زندگی اور خوشیوں کی دعا کرتی تھی۔ سب میری آنکھوں کے سامنے تھے' بس تم نہیں تھے تو میرا دل تمہارے لیے زیادہ ہی ہمکتا تھا۔ شاید میرے دل میں تمہارے لیے ان سب سے زیادہ محبت ہے۔ میرا دل نہیں چاہتا کہ تم میری نظروں سے اوجھل ہو' دور ہو۔" عذرا بیگم کی آنکھوں میں پھر جگنو چمکنے لگے تھے۔

"امی جان! میں نے کہاں جانا ہے۔ اب یہاں ہی ہوں آپ کے پاس۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا تو یکدم عذرا بیگم کو یاد آیا کہ وہ اسفر کی طرف کیوں آئی تھیں۔

"اوہ۔۔۔ او۔" انہوں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"مجھے خیال ہی نہیں رہا تمہارے ابا جان نے بلایا ہے تمہیں۔"

"خیریت۔" اسفر چونکے اور سوچا۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے' کیا میرے سید پور جانے پر خفا ہیں۔" ان کی سوالیہ نظریں ماں کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"ہاں شاید تمہارا کوئی لیٹر آیا ہوا ہے۔" عذرا بیگم کھڑی ہوگئیں۔

"بیٹا! تم ادھر ادھر نوکری کیوں تلاش کرتے پھر رہے ہو۔ اپنے ابا جان کا ہاتھ بٹاؤ۔ وہ اکیلے ہیں۔"

اسفر نے بس ایک نظر انہیں دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ اب وہ ان سے کیا کہتا کہ وہ ابا جان کے لیے قابل اعتماد نہیں ہے اور پھر ابا جان نے کب ایسی خواہش ظاہر کی ہے' ورنہ اتنے دنوں سے وہ فارغ تھا۔ کم از کم تب تک کے لیے وہ ان کا ہاتھ بٹا سکتا تھا' جب تک اسے جاب نہیں ملتی تھی لیکن انہوں نے کبھی اسے کسی کام کے لیے نہیں کہا تھا بلکہ ہمیشہ مبشر کو ہی کہتے تھے اگر کوئی کام ہوتا۔

"وہ صبح کہہ رہے تھے کہ اسفر میری فیکٹری کیوں نہیں سنبھال لیتا۔" اسے خاموش دیکھ کر عذرا بیگم نے کہا تو اسفر نے کسی قدر حیرت سے انہیں دیکھا اور کھڑے ہو گئے۔

"میرا نہیں خیال کہ ابا جان حقیقتاً "ایسا چاہتے ہیں۔"

وہ عذرا بیگم کی بات جھٹلا نہیں سکتے تھے' اس لیے اپنا خیال ظاہر کیا۔ عذرا بیگم نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر خاموش ہو گئیں۔ باہر سے میاں صلاح الدین کی آواز آئی تھی۔ وہ رمضان کو بلا رہے تھے۔

"اوہ! کیا رمضان نے ابھی تک چائے نہیں دی انہیں' میں دیکھتی ہوں اور ہاں بیٹا! اپنے ابا جان سے بات کر کے تم کہیں چلے نہ جانا' مجھے تم سے کچھ اور بھی بات کرنا ہے۔" عذرا بیگم باہر چلی گئیں تو وہ کچھ دیر یونہی کمرے کے وسط میں کھڑے رہے۔

"پتا نہیں امی جان کو کیا بات کرنا ہے' وہ کچھ پریشان سی بھی لگی تھیں۔ کیا سمن کا کوئی مسئلہ یا پھر شبی کا۔ اور ابا جان نے کیوں بلایا ہے' کیا صرف لیٹر دینے کے لیے لیٹر تو کسی کے ہاتھ بھی بجھوایا جا سکتا ہے۔ کہیں علینہ کا خط نہ ہو اور ابا جان سے کیا بعید کہ انہوں نے پڑھ لیا ہو کھول کر۔ حالانکہ اخلاقاً" انہیں میرا خط نہیں کھولنا چاہیے تھا۔ اس سے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا اور پھر خط تو گھر پر آتے تھے اور انعم ہمیشہ ان کی ڈاک الگ کر کے ان کے کمرے میں رکھ دیا کرتی تھی پھر ابا جان کے ہاتھ یہ خط کیسے لگ گیا اور علینہ۔ وہ تو کیسے اپنے جذبوں کا اظہار کرتی ہے۔ محبت کے اظہار کے ہزاروں رنگ ہیں اس کے پاس اور ہزاروں لفظ ہیں۔" وہ ایک دم گھبرا سے گئے۔ ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھا کر انہوں نے جلدی جلدی بالوں میں دو تین ہاتھ چلائے اور باہر نکل آئے۔ میاں صلاح الدین چائے پی رہے تھے۔ قریب ہی عذرا بیگم کھڑی تھیں۔

"السلام علیکم ابا جان!" اسفر نے قریب آ کر سلام کیا۔

انہوں نے سر کے اشارے سے ان کے سلام کا جواب دیا اور اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ اسفر نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"آپ بیٹھیے نا امی جان!"

"ہاں۔" وہ چونک کر بیٹھ گئیں۔ اسفر نے بھی ڈائننگ چیئر اٹھائی اور عذرا بیگم کے قریب رکھ کر بیٹھ گئے۔ میاں صلاح الدین چائے پیتے ہوئے گاہے گاہے ان پر ایک نظر ڈال لیتے تھے۔ ان کی خاموشی سے اسفر کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"پتا نہیں علینہ نے کیا لکھا ہو گا۔ بہت ناراض ہو گی۔" دو بار کراچی جاتے جاتے رہ گئے تھے وہ۔

"بہرحال اب تو انشاء اللہ ایک دو روز میں کراچی چلا جاؤں گا اور اس کی ساری ناراضگی دور کر دوں گا لیکن اب پتا نہیں ابا جان کیا کہتے ہیں۔ ماموں جان اور اماں جان کو دو چار باتیں سنائیں گے اور کیا۔" انہیں جیسے یقین تھا کہ خط علینہ کا ہی ہو گا۔

"بہرحال جو ہو' سو ہو۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

"بیٹا! تمہارے لیے بھی چائے بنا دوں ایک کپ۔ ویسے میں نے رمضان سے کہا ہے ناشتے کے لیے۔ ابھی سب نے ہی ناشتا کرنا ہے' بس تمہارے ابا جان نے اور میں نے کر لیا ہے۔"

عذرا بیگم کو بھی میاں صلاح الدین کی خاموشی سے گھبراہٹ ہو رہی تھی' اسی لیے انہوں نے اتنی لمبی بات کی۔

"بس ناشتے کے ساتھ ہی ایک کپ چائے لے لوں گا' ابھی رہنے دیں۔" میاں صلاح الدین نے ایک تمسخر بھری نظر ان پر ڈالی۔

"عذرا بیگم! چھٹی کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ بارہ بجے تک سوتے رہیں۔ جائیے' ان کو جگائیے جا کر۔ یہ مسلمانوں کا گھر ہے۔"

"نہیں' خیر سویا ہوا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ نماز کے بعد بس لیٹ جاتے ہیں کچھ دیر کو۔ شبی تو پڑھ رہا ہے اور

سمن' انعم کچن میں ہیں۔ مدثر نے رات پوریوں کی فرمائش کی تھی۔ دونوں تیار کر رہی ہیں۔ آپ تو پوری کھاتے نہیں' اسی لیے میں نے چنوں کے ساتھ پراٹھا بنوا دیا تھا۔"

انہوں نے عذرا بیگم کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اسفر کی طرف دیکھا اور آخری گھونٹ لے کر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھا۔

"تو آپ آ گئے واپس۔ ہو گئی شادی دوست کی۔"

"جی۔" اسفر نے آہستگی سے کہا۔

"تو اب نوکری ڈھونڈی جا رہی ہے۔ کیا امریکہ جانے کا ارادہ موقوف کر دیا یا امریکہ والوں نے وہاں آپ کے داخلے پر پابندی لگا دی ہے۔" اسفر کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی لیکن انہوں نے بدستور دھیمے اور مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

"امریکہ کا پراسیس ہو رہا ہے لیکن ظاہر ہے اس میں وقت لگے گا' اس لیے میں نے سوچا فارغ رہنے کی بجائے جاب کر لوں۔" عذرا بیگم کا دل ڈوب سا گیا' وہ جو کچھ دیر پہلے دل میں خوشی رقص کر اٹھی تھی کہ اسفر نے جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے اب جیسے نڈھال سی ہو کر دل کے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہوں۔" میاں صلاح الدین کا "ہوں" لمبا اور معنی خیز تھا۔

"رمضان..." انہوں نے آواز دی۔

"میرے کمرے میں تکیے کے پاس ایک خط پڑا ہے' لے آؤ۔" یکدم اسفر کا دل زور سے دھڑکا۔

"اور اب کیا انکشافات ہوتے ہیں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"ملک صاحب کے گھر آپ کا یہ اپائنٹمنٹ لیٹر پھینک گیا تھا پوسٹ مین غلطی سے۔ کل دکان پر جا رہا تھا کہ انہوں نے مجھے دیا۔" میاں صلاح الدین نے رمضان کے ہاتھ سے خط لے کر ان کی طرف بڑھایا۔

"اوہ تھینک گاڈ! علینہ کا خط نہیں ہے۔" اتنی دیر میں پہلی بار اسفر نے ریلیکس ہو کر میاں صلاح الدین پر ایک نظر ڈالی تو اسفر کو وہ کچھ مضطرب سے لگے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

"کتنی تنخواہ دیں گے آپ کو وہ۔ آٹھ ہزار تو ہزار۔"

"جی ابتدا میں تقریباً" اتنی ہی۔" انہوں نے لفافے سے لیٹر نکال کر اس پر ایک نظر ڈالی۔

یکم کو انہیں جوائن کرنا تھا۔ چلو ابھی دس پندرہ دن ہیں۔ وہ کراچی کا چکر لگا سکتے ہیں۔

"ملک صاحب کہہ رہے تھے۔" میاں صلاح الدین کھنکارے۔

"کہ آپ کے بچوں کو نوکری کی کیا ضرورت ہے۔ اب لوگ مجھے بتائیں گے کہ میں بیٹوں کو اپنے ساتھ کام پر لگا لوں۔" پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔

"بیٹوں کو خود معلوم نہیں کیا۔" انہوں نے ایک طنزیہ نظر اسفر پر ڈالی۔

"میاں صاحبزادے! دس ہزار تنخواہ مجھ سے لے لیں اور میری فیکٹری میں نوکری کر لیں۔ نوکری ہی تو کرنا ہے آپ کو کہیں بھی ہو۔ کم از کم ملک صاحب جیسے حضرات کو مجھے مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہو گی۔" اسفر کے چہرے کا رنگ بڑی تیزی سے بدلا۔ عذرا بیگم نے بوکھلا کر باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"آپ بھی میاں صاحب کمال کرتے ہیں' اب بچوں سے..."

"رمضان..." انہوں نے آواز دی۔ عذرا بیگم بات مکمل نہ کر سکیں۔

"ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔" وہ کھڑے ہو گئے اور عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"میں ذرا حاجی صاحب کی طرف جا رہا ہوں' کھانے پر انتظار مت کیجیے گا۔ دن کا کھانا میں ان ہی کے ساتھ کھاؤں گا۔"

انہوں نے سر جھکائے بیٹھے اسفر پر ایک نظر ڈالی۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن پھر کوئی بات کیے بغیر تیز

تیز قدموں سے پورچ کی طرف بڑھ گئے۔ عذرا بیگم نے غیر ارادی طور پر اپنا ہاتھ اسفر کے بازو پر رکھ کر گویا میاں صلاح الدین کے الفاظ کا دکھ کم کرنا چاہا۔ اسفر نے خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"بیٹا! تمہارے ابا جان بس یوں ہی بلا سوچے سمجھے بات کر جاتے ہیں۔ برا نہ منانا۔"

"نہیں امی جان! میں ان کی کسی بھی بات کو مائنڈ نہیں کرتا۔"

اپنے بازو پر رکھے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر انہوں نے ہولے سے دبایا۔ اس سے انہیں اپنی ماں پر بہت ترس آیا اور ان کا دھیان بٹانے کے لیے وہ حمنہ خالہ کے متعلق پوچھنے لگے۔

"امی جان! ابا جان چلے گئے کیا۔ سمو نے اچاری بھاجی بنائی تھی۔" انعم نے کچن سے باہر نکل کر پوچھا اور پھر اسفر کو ماں کے پاس بیٹھے دیکھ کر قریب چلی آئی اور قریب آکر سلام کیا۔

"کیسی ہو آپی؟" اسفر نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"جی بالکل ٹھیک ہوں بھائی! آپ ٹھیک ہیں؟"

"بالکل ٹھیک۔"

"آپی بیٹا! تمہارے ابا جان تو ناشتا کر چکے ہیں اور کسی کام سے چلے گئے۔ تم ناشتا لگواؤ۔ ساڑھے دس بج رہے ہیں۔ باقی سب کو بھی بلا لو۔"

"جی امی جان! ناشتا تو تیار ہے بس" وہ مڑ گئی۔

"آپ نے کچھ بات کرنا تھی امی جان!" اسفر نے پوچھا۔

"ہاں۔" انہوں نے انعم پر سے نگاہیں ہٹائیں۔

"انعم سے متعلق ہی بات کرنا تھی۔"

"کیا بات۔"

اسفر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے، تب ہی سمن بھی ہاتھ پونچھتی ہوئی کچن سے باہر آگئی۔ سمن کو پیار کر کے انہوں نے مبشر سے ہاتھ ملایا جو ابھی کمرے سے نکلا تھا۔

"کیسے ہو یار!" انہوں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"بس ٹھیک ہوں۔" مبشر کرسی کھینچ کر ٹیبل کے گرد بیٹھ گیا تھا۔ رمضان جلدی جلدی ناشتا لگانے لگا۔ انعم کچن میں تھی۔ مدثر بھی آنکھیں ملتا ہوا آگیا تھا۔ غالباً انعم نے اسے جگایا تھا۔ مبشر نے ایک بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ شکل و صورت میں ان دونوں سے مختلف تھا۔ سانولی رنگت بڑی بڑی روشن آنکھیں۔

"میں نے نو سمبر ٹیسٹ میں پلس اے گریڈ لیا ہے۔" اس نے بتایا۔

"گڈ۔" اسفر نے اسے پیار کیا۔

"تمہارا انعام پکا۔ کیا لو گے؟"

"مجھے اور اروناکو کے ایف سی لے چلیں۔"

"صرف تمہیں اور اروناکو اور باقی سب۔"

"ہاں۔" مدثر نے سنجیدگی سے کہا۔

"باقی سب کو ابا جان جانے نہیں دیں گے" ان کے لیے پیک کروا کے لے آئیں گے۔"

"دیکھا بھائی جان! ہمارا مدثر کتنا عقلمند ہے۔"

مبشر نے قہقہہ لگایا۔ کھوکھلا سا قہقہہ تھا۔ سمن نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ٹیبل پر پلیٹیں لگانے لگی۔

"جی امی جان! آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

ارونا کو گود میں بٹھا کر وہ پھر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"میں انعم کی بات کر رہی تھی تم سے بیٹا! اس کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے ہیں۔"

"آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"نہیں، حاجی صاحب کے توسط سے رشتہ آیا ہے۔ تمہارے ابا جان تو تقریباً" رضامند ہی ہیں۔" تفصیل بتا کر انہوں نے کہا۔

"لیکن مجھے وہ خاتون کچھ صحیح نہیں لگیں۔"

"فیصلہ تو لڑکے کے آنے کے بعد ہی ہوگا۔" اسفر نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں، تمہارے ابا جان یہی کہہ رہے تھے لیکن میں چاہ رہی تھی بیٹا کہ اگر کسی اور ذریعے سے بھی لڑکے کے خاندان، ماحول، بیک گراؤنڈ کے متعلق معلوم ہو جاتا تو۔"

"ٹھیک ہے امی جان! آپ فکر نہ کریں، میں پتا کروا لوں گا۔ آپ مجھے ایڈریس اور نام وغیرہ دے دیجئے گا۔" انہوں نے عذرا بیگم کو تسلی دی۔ سمن اور مبشر خاموش بیٹھے ان کی بات سن رہے تھے۔

"ویسے حاجی عبدالستار اور ان کی بیگم تو بہت تعریف کر رہی تھیں ان کے لڑکے کی۔" عذرا بیگم نے آہستہ سے جیسے خود کو تسلی دی۔

"اتنا ہی اچھا تھا وہ لڑکا تو اپنی دختر نیک اختر سے کیوں نہ شادی کر دی اس کی۔" مبشر نے یکدم کہا۔

"چپ۔" سمن نے ڈانٹا۔

"اب وہ تمہاری بیوی ہے۔"

"تو۔" اس نے سمن کو گھورا۔

"یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی کہ اگر اتنا ہی اچھا تھا تو انہوں نے مجھے کیوں پھانسا جس کی نہ تعلیم مکمل ہے نہ۔"

سمن خاموش ہو گئی۔ بہرحال اس کی بات میں وزن تھا۔

"بھائی جان!" اسفر اپنی جگہ سے اٹھ کر اسفر کے پاس آگیا۔

"مجھے دال میں کچھ کالا لگتا ہے اور پھر یہ جو غیر ممالک میں رہنے والے لڑکے ہوتے ہیں، یہ تو ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوتے، نہ جانے کتنی کاغذی اور کتنی حقیقی شادیاں کر رکھی ہوتی ہیں انہوں نے۔"

"بس اسی سے میرا دل ڈرتا ہے اسفی!" عذرا بیگم کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"میری انعم تو بہت نازک اور سادہ دل کی ہے۔"

"امی جان! پلیز میں نے کہا آپ بے فکر رہیں۔ انشاءاللہ بہتر ہوگا۔"

"ابا جان کی راج دھانی میں کسی بھی بہتری کی توقع عبث ہے۔" اس کا لہجہ مذاق اڑاتا ہوا سا تھا۔

"فضول مت بولا کرو شبی! آخر ایسا کیا ہو گیا ہے۔ تمہارے ابا جان تم سب سے محبت کرتے ہیں اور اپنی طرف سے تمہاری بہتری کے لیے سوچتے ہیں۔"

عذرا بیگم نے اسے ڈپٹا۔ وہ بہت کم ڈانٹا کرتی تھیں، اس لیے مبشر کو بھی ندامت سی ہوئی اپنے کہے پر اور وہ اپنی کرسی پر واپس آکر بیٹھ گیا اور انعم کو آوازیں دینے لگا۔

"آپی یار! جلدی ناشتا لاؤ، مجھے کہیں جانا ہے۔"

"کیا گاڑی چھوٹی جا رہی ہے۔" سمن نے کہا، تب ہی انعم نے گرم گرم پوریاں لا کر ہاٹ پاٹ میں رکھیں۔

"آئیے، پوریاں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔" اس نے اسفر اور عذرا بیگم سے کہا۔

"میں صرف چائے پیوں گا آپی گڑیا! رمضان سے کہو چائے بھی لے آئے۔"

اسفر کے دل پر ایک دم ہی بھاری بوجھ آگرا تھا۔ گو وہ سب سے باتیں کر رہے تھے لیکن میاں صلاح الدین کی بات اور انداز جیسے دل میں چبھ کر رہ گیا تھا۔

”نہیں‘ خیر گاڑی تو نہیں چھوٹی جا رہی ہے‘ البتہ ظل الٰہی کے لیے کمک پہنچانے جا رہا ہوں۔ جانے صبح صبح کہاں فوجداری کی ہے۔“ مبشر نے سمن کے کان میں سرگوشی کی۔

”تمہارے سسرال میں دھاوا بولا ہے۔“ سمن نے پوری نکال کر اس کی پلیٹ میں رکھی۔

”تو پھر کسی کمک کی امید نہ رکھیں مجھ سے۔“ اس نے اس طرح کہا جیسے سچ مچ ہی میاں صلاح الدین کی مدد کو جا رہا تھا۔ سمن کو ہنسی آ گئی۔

”یہ تم دونوں کیا سرگوشیاں کر رہے ہو بھئی۔“ اسفر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”کچھ نہیں بھائی! آپ یہ بھاجی تو چکھیں نا۔ میں نے بنائی ہے۔“

”امی جان! یہ والد محترم حاجی صاحب کے ہاں آپی کی بات طے کرنے تو نہیں گئے۔“ مبشر کو اچانک ہی خیال آیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

”ابھی آ کر دھماکہ نہ کر دیں کہ رشتہ طے کر آئے ہیں اس جرمن سپہ سالار سے۔ یوں بھی ان کی عادت ہے دھماکا کرنے کی۔“

”آخر ہر طرف دھماکے ہوتے رہتے ہیں تو وہ کیوں پیچھے رہیں۔“

اس کے جلے بھنے انداز پر سمن کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی جبکہ عذرا بیگم نے فوراً تردید کی۔

”نہیں‘ وہ تو اپنے کسی کام سے گئے ہیں حاجی صاحب سے ملنے۔“

”وہ بھلے جس کام سے گئے ہوں لیکن امی جان ایک بات بتا دیجئے گا ان کو کہ آپی کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو‘ اسے اپنی طرح گڑھے میں دھکیلنے نہیں دوں گا میں۔“

”خدا کا خوف کرو شبی! تمہیں کس گڑھے میں دھکیلا ہے میاں صاحب نے۔ غزالہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ حاجی صاحب کی بیگم اور حاجی صاحب صدقے جاتے ہیں تم پر۔“

”چاند کا ٹکڑا ہو یا سورج کی کرن‘ مجھ پر تو ظلم ہو گیا نا۔ میری ذات کے تو پرخچے اڑ گئے نا۔“ وہ ہولے سے بڑبڑایا۔

”یار! اب غصہ تھوک بھی دو‘ ہو گیا جو کچھ ہونا تھا۔“ اسفر نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ”لیکن بھائی اس وقت میں اپنی بات نہیں کر رہا‘ مجھے آپی کی فکر ہے۔“

”انشاء اللہ کچھ نہیں ہو گا‘ تم بے فکر رہو۔“ اسفر نے اسے تسلی دی۔

”اگر وہ لوگ اچھے ہیں تو پھر ایک دن بہرحال بیٹیوں کو رخصت کرنا ہی ہوتا ہے اور اگر اچھے نہیں تو پھر ظاہر ہے‘ ہم انکار کر دیں گے۔“

”مجھے یہی تو ڈر ہے اسفی بھائی کہ ابا جان جب فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر اچھا‘ برا بھلا کچھ نہیں دیکھتے۔“ مبشر پریشان ہو گیا تھا۔

”نہیں‘ خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔ تمہارے معاملے میں تو انہوں نے خوب ڈھونڈ کر پیس نکالا ہے‘ داد دو گے تم ان کی پسند کی۔ بقول امی جان واقعی چاند کا ٹکڑا ہے۔“

سمن نے آج پھر بہت دنوں بعد پہلے کی طرح میاں صلاح الدین کی حمایت کی۔

”اور تم نے بھی تصویریں تو دیکھ لی ہیں۔“

”اچھا تصویریں آ گئیں۔“ اسفر نے شوق سے پوچھا۔

”ہاں‘ میں ابھی دکھاتی ہوں آپ کو۔“ سمن نے چنوں کا ڈونگہ اپنی طرف کھینچا۔

”تو بھئی کیسی لگی غزالہ تمہیں۔“ اسفر نے بے تکلفی سے پوچھا تو مبشر جھینپ گیا۔

”میں نے سرسری سا دیکھا تھا‘ بس ٹھیک ہی ہے۔“

”اچھا یوں ہی۔“ سمن نے اسے چڑایا۔

”میں نے تمہارے کمرے کے دروازے سے جھانکا تھا۔ تم بہت غور سے تصویر دیکھ رہے تھے۔“

”تو تم اسی مقصد کے لیے ہی تصویر میرے کمرے میں رکھ گئی تھیں کہ اچھی طرح دیکھ لوں کہ مستقبل میں جو بلا سر منڈھی جا رہی ہے وہ کیسی ہے؟“

”توبہ ہے شبی‘ تم بھی حد ہی کرتے ہو۔“

”تو تم مت نام لیا کرو اس کا۔“

”وہ نام تمہاری زندگی میں شامل ہو چکا ہے شبی۔“ اسفر نے سنجیدگی سے کہا۔

”اب تم اور وہ الگ نہیں ہیں‘ آنے والے دنوں میں تم دونوں ہی ایک دوسرے کی خوشیوں کے ضامن ہو گے۔ تمہیں اس کا خیال رکھنا ہو گا۔ وہ تمہارا خیال رکھے گی۔ باقی شکل و صورت تو ثانوی چیز ہوتی ہے۔“

”جی۔۔۔“

مبشر شرمندہ سا ہوا‘ پتا نہیں کیوں وہ اس ذکر پر لاشعوری طور پر چڑ جاتا تھا‘ حالانکہ ذہنی طور پر اس نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ اور چپکے چپکے اکیلے میں کئی بار غزالہ کی تصویر دیکھی تھی اور تصویر دیکھتے ہوئے دل میں اندر کہیں گدگدی سی ہوئی تھی۔ حالانکہ تصویر دیکھ کر پہلے تو اسے غصہ آیا تھا کہ ضرور سمن کی شرارت ہے۔ پھر تصویر اٹھا لی تھی۔

خوبصورت سوٹ‘ دلکش آنکھیں‘ دل آویز نقوش‘ وہ کتنی ہی دیر تک محویت سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ اور اندر کہیں پھلجھڑیاں سی چھوٹتی رہی تھیں۔

انعم نے مزید گرم گرم پوریاں لا کر رکھیں تو وہ چونکا۔

”امی آپ بھی آ جائیں نا۔“

”ہاں بس‘ ایک دو رہ گئی ہیں۔“

”رہنے دو بہت ہیں۔“

عذرا بیگم نے محبت سے اسے دیکھا تو وہ رمضان کو چولہا بند کرنے کا کہہ کر بیٹھ گئیں۔ تب ہی فون کی بیل ہونے لگی۔ مدثر نے اٹھ کر دیکھا۔

”حمنہ خالہ کا ہے۔“

عذرا بیگم فون سننے کے لیے اٹھیں تو اسفر بھی کھڑے ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے کہا۔

”آپ نے حمنہ خالہ سے بات کی تھی آپی کے رشتے کی۔“

”نہیں ابھی تک تو نہیں کی۔“

”تو ابھی کر دیجئے گا۔“ پتا نہیں کس خیال سے انہوں نے کہا۔

عذرا بیگم نے سر ہلا کر ریسیور اٹھا لیا وہ ایسے ہی کھڑے انہیں بات کرتے دیکھنے لگے۔

■■■

”زارا اور شاہ زیب آ گئے اونچی حویلی سے۔“

زینب فاطمہ نے عظمیٰ شاہ کے ہاتھ سے دودھ کا گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

”ابا جان اور شاہ جی جا رہے ہیں انہیں لینے۔ ساتھ ہی دعوت بھی دے دیں گے۔ کل رات‘ سب کی دعوت ہے اماں۔“

عظمیٰ شاہ انہیں گلاس پکڑا کر بیٹھ گئی تھی۔ وہ آج صبح بی بی جان کے کہنے پر ان کی خیر خبر ہی کو جا رہی تھیں کہ اچانک ہی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔

”اماں وہ کوئی الوژن تھا۔ پتا نہیں کب یہ منظر آنکھوں سے اوجھل ہو گا‘ اتنی عمر گزر گئی۔ انہوں نے چند گھونٹ

لے کر گلاس پاس پڑی میز پر رکھ دیا۔

”پھپھو پی لیں نا۔۔۔ ویکنس ہے آپ کو۔“

”نہیں چندا اس وقت جی نہیں چاہ رہا۔“

وہ عظمی کی طرف دیکھ کر مسکرائیں۔

”میری طبیعت خراب ہو گئی تھی تو کوئی اور چلا جاتا ادھر۔“

”بی بی جان نے فون کر کے بتا دیا تھا آپ کی طبیعت کا اور کہا تھا کہ شام کو آئیں گے۔“

اس علاقے کا رواج تھا کہ ولیمہ کے بعد جب دلہن میکے جاتی تھی تو پھر سسرال سے کوئی نہ کوئی لینے جاتا تھا۔ ساتھ میں ساس سسر کے جوڑے، مٹھائی، پھل اپنی حیثیت کے مطابق لے کر جاتے تھے۔ شاہ زیب تو دن میں روز ہی گھر آجاتا تھا۔ اور اس نے کہا بھی تھا کہ۔۔۔

”چھوڑیں یہ رسمیں وغیرہ اور زارا کو فون کر دیں کہ آجائے۔ میں ایزی فیل نہیں کرتا ادھر۔“

لیکن بی بی جان نے ڈانٹ دیا تھا۔

”فضول باتیں مت کرو، میں تو ساری رسمیں کروں گی، پھر وہ تمہارے تایا کا گھر ہے، کسی غیر کا نہیں کہ تم وہاں ایزی فیل نہیں کرتے ہو۔“ اور وہ منہ بنا کر رہ گیا تھا، لیکن بہر حال اسے کرنا وہی پڑا تھا جو بی بی جان نے کہا تھا۔

”پھپھو آپ اتنی چپ چپ کیوں رہتی ہیں؟“ عظمی بغور انہیں دیکھ رہی تھی۔

”خوش رہا کریں، زیب بھائی کی شادی میں آپ ہنستی ہوئی بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ شاہ میر نے آپ کی تصویر بنائی تھی جب آپ سہرا بندی کے وقت شاہ رخ بھائی سے بات کر رہی تھیں اور ہنس رہی تھیں۔“

”خوش ہی رہتی ہوں، میری جان، مجھے بھلا کیا غم ہو گا؟“

”ہاں غم تو نہیں، لیکن پھر بھی میں جب آپ کو دیکھتی ہوں تو میرے ذہن میں اداسی کا تصور آتا ہے کہ اگر اداسی کی کوئی مجسم شکل ہوتی تو آپ جیسی ہوتی۔“

”پاگل ہو تم؟“ آپ کے زینت فاطمہ ہنس دیں۔

”نہیں پھپھو۔“ عظمی سنجیدہ تھی۔

”کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی دکھ کوئی گہرا دکھ اندر ہی اندر آپ کے دل کو چھیل رہا ہو۔ اور اس کی اداسی آپ کی آنکھوں میں ٹھہر گئی ہو۔“

”امی سچ کہتی ہیں، عظمی شاہ کہ تمہارے اندر کسی شاعر کی روح ہے۔“

”پھپھو میں آسکتا ہوں۔“

شاہ رخ نے دستک دے کر ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو عظمی کچھ کہتے کہتے چپ کر گئی۔

غیر ارادی طور پر اس نے اپنا دوپٹا درست کیا۔

”کیسا محسوس کر رہی ہیں اب آپ۔۔۔؟“

”ٹھیک ہوں بیٹا بس ذرا سی نقاہت ہے۔ پتا نہیں اچانک کیا ہو گیا تھا، آنکھوں کے آگے اندھیرا آگیا تھا۔ شاید اتنے دنوں کی بے آرامی اور تھکن تھی۔ اس عمر میں تھکن ہو ہی جاتی ہے۔“

شاہ رخ نے بغور انہیں دیکھا۔ صبح سے وہ سوچ رہے تھے ’الجھ رہے تھے۔ پھپھو نے جو کچھ کہا تھا۔ کیا تھا یہ بے ربط جملے۔ کیا انہوں نے شاہرم کو پہچان لیا تھا۔ کیا وہ جان گئی تھیں کہ وہ قائم چاچو کا بیٹا ہے‘ اور خوفزدہ ہو گئی تھیں۔ لیکن انہوں نے تو آج تک شاہرم کو دیکھا نہیں۔ شجاع کو اس کے بہت بچپن میں انہوں نے ایک بار دیکھا تھا لیکن شاہرم تو یہاں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ پھر شجاع میں قائم چاچو کی شباہت تھی جب کہ شاہرم تو۔۔۔ پھر اس وقت تو وہ انہیں سہارا دے کر اندر حویلی میں لے آئے تھے۔ اور جب تک وہ ہوش میں نہیں آگئی تھیں ان کے پاس ہی بیٹھے رہے تھے۔ بے ہوشی میں بھی وہ بے چینی سے ہاتھ پاؤں مارتیں اور نہیں نہیں کہتی رہی تھیں۔

کی طرف سے مطمئن ہو کر وہ مہمان خانے میں آئے تھے۔

”کہاں رہ گئے تھے یار۔۔۔“

”بلند بخت کے گھر سے دوبار فون آچکا ہے۔“ اسفر نے پوچھا۔

”سوری وہ پھپھو کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔“

”کیا ہوا؟“ شاہرم بے چین ہو گیا تھا۔

”کیسی ہیں اب وہ۔۔۔؟“

”بہتر ہیں۔“ شاہ رخ الجھے ہوئے سے تھے۔

”میں۔۔۔ میں دیکھ سکتا ہوں انہیں۔ مل سکتا ہوں۔“

”پاگل مت بنو شارو۔“

”سوری بھائی۔“

شاہرم نادم ہو گیا تھا۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم سوری کرو، لیکن یار ابھی شاید وقت نہیں آیا اس کا لیکن بہت جلد تم نہ صرف حویلی میں قائم چاچو کے بیٹے کی حیثیت سے آؤ گے، بلکہ سب سے ملو گے بھی۔“ انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سمجھایا تھا۔ گو خود انہیں یقین نہیں تھا کہ ایسا کبھی ممکن ہو گا بھی یا نہیں۔۔۔ خاص طور پر پھپھو کی اس کیفیت کے بعد۔

اور اب سب کو رخصت کر کے وہ سیدھے پھپھو کے پاس ہی آئے تھے۔

”اگر آپ بہتر نہ محسوس کر رہی ہوں تو امین آباد لے چلتا ہوں آپ کو۔“

”نہیں میں اب بہتر ہوں۔“

زینب فاطمہ نے فوراً انکار کر دیا۔

”ویسے میں نے مخدوم سے کہا ہے کہ دیکھ لے ڈسپنسری میں اگر لیڈی ڈاکٹر ہو اس وقت تو لے آئے جا کر۔“

”نہیں نہیں میں نے کہا نا ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔ جاؤ بیٹا باہر کسی کو بھیج کر منع کروا دو۔“ انہوں نے عظمی شاہ سے کہا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

”پھپھو۔۔۔“

عظمی کے جانے کے بعد شاہ رخ نے ان کی طرف دیکھا۔

”آپ کو اچانک کیا ہوا تھا۔ کسے دیکھا تھا آپ نے۔ آپ کچھ کہہ رہی تھیں کہ اسے بھگا دو اسے مار دیں گے وہ۔۔۔ پھپھو؟ کون کسے مار دے گا؟“

زینت فاطمہ کا دل سینے کے اندر سوکھے پتے کی طرح لرزا۔

ہاں جب انہوں نے اسے دیکھا تھا عباس مرزا کو اس کی اٹھتی نظروں کو اور پھر۔۔۔ پھر جیسے انہیں کسی بات پر اختیار نہیں رہا تھا انہوں نے شاہ رخ کو اپنی سمت بڑھتے دیکھا تھا۔ اور سوچا تھا کہ شارو۔۔۔ ہاں شارو اسے بھگا دے یہاں سے تو وہ بچ سکتا ہے۔ زمان و مکاں کی قیود سے آزاد ہو گئی تھیں وہ۔ وقت نے جیسے پیچھے کی طرف لمبی زقند لگائی تھی۔

”پتا نہیں میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ میرا سر یکدم چکرایا تھا۔ میرے حواس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ شاید کچھ بے ربط سے جملے نکلے تھے میرے منہ سے لیکن مجھے نہیں خبر کہ میں نے کیا کہا۔“

انہوں نے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا اب وہ شاہ رخ کو کیا بتاتیں کہ ان کے تصور نے کس شخص کو ان کے سامنے مجسم کر دیا تھا۔ وہ جو زندگی ہار چکا تھا لیکن جس کی زندگی بچانے کے لیے وہ اس کی منت کر رہی تھیں۔

”میں نے سمجھا شاید آپ نے شاہرم کو دیکھ کر پہچان لیا ہے۔“

شاہ رخ نے دانستہ اپنی آواز دھیمی کرلی تھی۔

"شاہرم تمہارا مطلب ہے۔"

"جی۔۔۔" وہ ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ہولے سے مسکرائے۔

"لیکن وہ یہاں کیسے۔۔۔ شاہ جی نے کیا کہا وہ خفا تو نہیں ہوئے اس کے آنے پر؟ شارو تم نے اسے منع کیا۔ کیوں آیا وہ یہاں۔"

ان پر یکدم گھبراہٹ طاری ہوگئی تھی۔ اور شاہ رخ کے ہاتھوں میں دبا ان کا ہاتھ کپکپانے لگا تھا۔

"پھپھو جان پلیز ریلیکس ہوجائیں؟"

شاہ رخ نے ان کے ہاتھ کو ہولے سے دبا کر تسلی دی۔

"شاہ جی کو نہیں معلوم کہ۔۔۔" وہ ہولے ہولے بہت دھیمی آواز میں انہیں شاہرم کی آمد کے متعلق بتانے لگے۔

"شاہ جی کو ذرا بھی شک نہیں ہوا۔ شاہ رخ۔"

"نہیں بلکہ شاہ جی نے تو اسے پھر آنے کو کہا بلکہ اس کے والدین سے ملنے کی خواہش کی وہ تو اسفر نے عقل سے کام لے کر جھوٹ بول دیا کہ اس کے والدین کراچی میں رہتے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔!" زینت فاطمہ نے ایک پرسکون سانس لیا۔

"اب کبھی مت لانا اسے یہاں۔"

"پھپھو آپ اتنی خوفزدہ کیوں ہوجاتی ہیں' کیا آپ کو خوف ہے کہ شاہ جی چاچو یا ان کے بچوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتی ہیں کہ انہیں شاہ جی سے جان کا خطرہ ہوسکتا ہے۔"

"پتا نہیں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن مجھے خوف آتا ہے۔" ان کا رنگ زرد ہوگیا۔

"لیکن اس خوف کی کوئی وجہ تو ہوگی پھپھو۔" شاہ رخ نے جرح کی۔

"وجہ۔۔۔ ہاں وجہ۔۔۔" انہوں نے زیر لب کہا۔ اور کئی منظر تصور کے پردے پر لہرائے اور انہوں نے سختی سے لب بھینچ لیے۔

"بتائیے نا پھپھو۔" شاہ رخ نے پھر اصرار کیا۔

"نہیں کوئی وجہ نہیں۔" زینت فاطمہ نے نگاہیں جھکالیں۔

"پھپھو میں چاہتا ہوں آپ شاہ جی سے بات کریں' کوئی مناسب موقع دیکھ کر۔ آپ جانتی نہیں چاچو کتنا ترس رہے ہیں۔ شاہرم اور شجاع کی کتنی خواہش ہے کہ وہ یہاں آئیں۔ انہیں کوئی لالچ نہیں بس وہ اپنوں سے ملنا چاہتے ہیں۔"

زینت فاطمہ ہاتھ گود میں دھرے خاموش بیٹھی تھیں۔

"میں سمجھتا ہوں' آپ کا خوف بے بنیاد ہے۔ خون کا رشتہ ہے۔ سگا بھائی کیسے نقصان پہنچا سکتا ہے دوسرے سگے بھائی کو' بہت ہوا تو شاہ جی غصہ ہوں گے۔ ڈانٹیں' ڈپٹیں گے چاچو سن لیں گے ساری ڈانٹ' اتنا تو حق ہے۔ شاہ جی کا ڈانٹنے ڈپٹنے کا۔" زینت فاطمہ نے اب کے بھی کچھ نہیں کہا۔ بس یونہی خاموش بیٹھی رہیں۔

"تم کیا جانو شارو تمہیں کیا خبر' قاسی بھی ایسے ہی کہتا تھا۔ ایسی ہی باتیں کرتا تھا' لیکن داجی نے کیا کیا۔ سوتیلا سہی' لیکن بھائی تو تھا نا۔۔۔ رگوں میں دوڑنے والا خون تو ایک ہی تھا نا۔۔۔ پھر بھی۔"

انہوں نے جھرجھری سی لے کر شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ بات کروں گی؟"

"تھینک یو پھپھو۔" شاہ رخ ممنون ہوگئے۔

"مجھے شاہرم پر ترس آرہا تھا۔ جب میں نے آپ کا بتایا تھا تو کتنا تڑپ کر کہا تھا کہ وہ آپ کو دیکھ لے۔ مل

حالانکہ وہ آپ سے کبھی ملا نہیں۔" دراصل حمنہ اور قاسی نے اپنے بچوں کو ہر رشتے سے روشناس کرا رکھا ہے۔ انہوں نے اپنے دل میں چھپی محبت کو بچوں میں بھی منتقل کردیا ہے۔" زینت فاطمہ کے چہرے پر پھیلا اضطراب ذرا کم ہوا تھا۔

"حمنہ آنٹی بہت کہہ رہی تھیں کہ کسی روز آپ کو لاؤں۔"

"ہاں دل تو میرا بھی چاہ رہا ہے قاسی سے دوبارہ ملنے کو۔ شاہرم کا بتا دیتے تو دور سے ہی دیکھ لیتی۔" لہجے میں حسرت در آئی۔

"جانے کب جانا ہو اب لاہور؟"

"مجھے جانا ہے' ایک دو روز میں سیدہ اسما کو اور شاہ میر کو چھوڑنے لاہور۔ آپ کو بھی لے چلتا ہوں کسی اسپیشلسٹ کو دکھانے کے بہانے۔"

شاہ رخ کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اور یہ شاید شاہرم کی صحبت کا اثر ہے۔" انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔

"نہیں شاہ رخ ابھی گھر میں شادی ہوئی ہے سو بکھیڑے ہیں۔ ابھی زارا کا جہیز آتا ہے۔ اور پھر زارا بھی بہت گھبرا رہی ہے۔ گو یہ بھی چچا کا گھر ہے۔ لیکن ماحول میں بہت فرق ہے۔ لالہ جی کا مزاج بہت مختلف تھا۔ زارا اکلوتی ہونے کی وجہ سے لاڈلی بھی بہت ہے سب کی۔ اور پھر بہن بھائیوں میں دوستوں کی سی بے تکلفی ہے۔ جب کہ امی' عظمیٰ' شاہ زیب سے بات کرتے ہوئے بھی گھبراتی ہیں۔ تم سے پھر بھی کچھ بات کرلیتی ہیں' لیکن شاہ زیب کو تو دیکھتے ہی رنگ اڑ جاتے ہیں ان کے۔ زارا مجھے کہہ رہی تھی شکر ہے پھپھو آپ ہیں ادھر ورنہ میں تو ایک دن بھی نہ رہ سکوں یہاں۔ لیکن ایڈجسٹ ہوجائے گی۔ ہولے ہولے' بہت سمجھ دار ہے۔ شاہ زیب نے محبت' پیار اور عزت دی تو میکے جانے کو دل ہی نہیں چاہے گا اس کا بہت حساس ہے۔ بہت نازک دل۔ گھر میں تو کوئی اونچی آواز سے بات کرتا تھا تو رونا شروع کردیتی تھی۔ لڑکیوں میں اللہ تعالیٰ نے بہت لچک رکھی ہے شارو جس برتن میں ڈالو گے پانی کی طرح اسی شیپ میں ڈھل جائیں گی۔"

ان کے لہجے میں زارا کے لیے بہت پیار تھا۔ گو وہ کم کم ہی اونچی حویلی جاتی تھیں لیکن اظہار شاہ کے بچوں سے بھی انہیں اتنا ہی پیار تھا۔ جتنا شاہ جی کے بچوں سے' پھر زارا بالکل گڑیا جیسی لگتی تھی۔ انہیں۔

"زارا' تین ساڑھے تین سال کی تھی جب اسماء پیدا ہوئی تھی۔" شاہ رخ خاموشی سے انہیں سن رہا تھا لیکن اس کا ذہن ادھر ادھر بھٹک رہا تھا۔

"کیسے کیا ترکیب ہو کہ شاہ جی کا دل نرم ہوجائے چاچو کے لیے۔ وہ انہیں معاف کر کے گلے لگالیں۔" یکدم ہی اس کے ذہن میں شاہ بابا کا خیال آگیا۔

کیسے کروٹ بدل کے ناراض ہو کر لیٹ گئے تھے۔

"میں شاہ جی سے اجازت لے کر کسی روز انہیں گھمانے لے جاؤں گا۔ ایک ہی جگہ ایک ہی ماحول میں رہتے رہتے بندہ اوب جاتا ہے۔ اور وہ بھی شاید اپنا ذہنی توازن کھو رہے ہیں۔ تب ہی تو اس طرح کی بے معنی اور بے ربط باتیں کررہے ہیں۔ یا پھر شاہرم کے بقول ان کی یادداشت کی واپسی کا عمل شروع ہوگیا ہے۔ شاید کہیں کوئی بیتی بات ذہن کی سطح پر چمکتی ہے۔ اور پھر ایک دم ذہن تاریک ہوجاتا ہے۔"

"پھپھو۔۔۔"

انہوں نے یکدم سر اٹھا کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"یہ جو شاہ بابا ہیں نا ان دنوں کچھ عجیب باتیں کرنے لگے ہیں۔ ایسی باتیں جو انہوں نے اس سے قبل کبھی نہیں کیں' شاہرم کہتا ہے کہ شاید کسی حادثے یا بیماری میں ان کی یادداشت کھو گئی تھی اور اب وہ یادداشت ہولے ہولے واپس پلٹ رہی ہے۔ شاید کسی روز اچانک انہیں سب یاد آجائے۔" زینت فاطمہ کا رنگ یکدم سفید پڑ گیا۔

"شارو۔۔۔!" انہوں نے شاہ رخ کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"یہ۔۔۔ یہ بات شاہ جی سے مت کہنا' انہیں کبھی مت بتانا کہ ان کی یادداشت واپس آ رہی ہے۔"

"لیکن کیوں پھپھو۔۔۔"

شاہ رخ کی سوالیہ نظریں ان کی طرف اٹھیں۔

زینت فاطمہ نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

بہت سال پہلے کی وہ رات۔

انہوں نے آنکھوں کو زور سے بھینچ کر کھولا۔

اس رات حویلی میں صرف بی جی' داجی اور وہ تھیں۔ تینوں بھائی اور بڑی بہن بڑے شاہ جی کے ساتھ کوٹ ادو گئے ہوئے تھے' کسی عزیز کی شادی میں شرکت کے لیے بی جی کو دمے کی تکلیف تھی۔ اور ان دنوں ان کی طبیعت ٹھیک نہ تھی' سو وہ بی جی کے ساتھ حویلی میں ہی رہ گئی تھیں۔ رات اچانک ہی بی جی کو دمے کا دورہ پڑ گیا تھا۔ ان کا سانس اکھڑنے لگا تو وہ گھبرا کر باہر نکلی تھیں۔

داجی کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ لیکن وہ اپنے کمرے میں نہیں تھے۔ یقیناً وہ باہر مردانہ میں ہوں گے۔ ایک لمحہ کے لیے وہ رکی تھیں۔ کبھی کبھار داجی مردانے میں ہی سو جاتے تھے۔ جانے کیا وقت تھا گاؤں میں تو ان دنوں مغرب کے بعد ہی رات کا کھانا کھا لیا جاتا تھا۔ اس وقت حویلی میں خاموشی تھی ملازمین بھی اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ مڑ کر بی جی کے پاس آئیں۔ ان کی حالت ویسی ہی تھی۔ سانس رک رک کر چل رہا تھا۔

"بی جی!" انہوں نے ان کا سینہ سہلایا اور پھر روتی ہوئی اندرونی دروازہ کھول کر باہر کی طرف لپکی تھیں۔ مردانے سے روشنی کی ہلکی سی لکیر دروازے کی جھری سے باہر آ رہی تھی۔

"تو داجی ادھر ہی ہیں۔" انہیں اطمینان ہوا تھا اور پھر دروازے کے باہر رک کر انہوں نے دوپٹا درست کیا اس سے پہلے کہ وہ دستک دیتیں اندر سے داجی کی آواز آئی تھی۔

"مکرم شاہ' دیکھو میری طرف بتاؤ کون ہوں میں۔" انہوں نے جھری سے جھانکا' بالکل سامنے کرسی پر جو کوئی بھی بیٹھا تھا اس کے سر اور داڑھی کے بال بڑھے ہوئے تھے۔ چہرے پر وحشت اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔ وہ اس شخص کو پہچان نہیں پائی تھیں۔ لمحہ بھر کے لیے ان کے ذہن سے بی جی کا خیال نکل گیا تھا۔ وہ متجسس سی ہو کر اندر دیکھ رہی تھیں۔

"میں پوچھ رہا ہوں' مکرم شاہ میں کون ہوں۔" داجی کی آواز آئی اور پھر ایک زوردار تھپڑ سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے چہرے پر لگا تھا۔ اسے صرف داجی کا ہاتھ اور بازو ہی نظر آیا تھا۔ وہ دائیں طرف کھڑے تھے۔ سامنے بیٹھا شخص خوفزدہ ہو گیا تھا۔ تکلیف کی شدت سے اس کی آنکھیں جیسے ابل رہی تھیں۔

"بولو کون ہوں۔"

داجی پوچھ رہے تھے۔ اور وہ نفی میں سر ہلاتا تھا۔ ہاتھ باندھے التجائیں کر رہا تھا۔

"مت مارو۔ مجھے نہیں پتا تم کون ہو۔"

وہ ساکت کھڑی تھیں۔ مانو کسی نے پاؤں کو جکڑ دیا ہو۔

"ہوں۔۔۔"

داجی نے کسی کو مخاطب کیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" پھر وہ ہنسے تھے' زور سے کہا۔

"تو مکرم شاہ تم اپنی پہچان چاہتے تھے۔ پاگل سمجھا تھا مجھے۔۔۔ اور اب پہچان مل جائے گی تمہیں۔"

پھر انہوں نے ایک زوردار لات ماری تھی۔ کرسی پر بیٹھا شخص زور سے چیخ کر دوہرا ہو گیا تھا۔ اس کی چیخ سے زینت فاطمہ جیسے ہوش میں آ گئی تھیں۔

"پھینک دو لے جا کر اسے باہر کہیں۔"

پھر کسی نے اس شخص کو سیدھا کر کے اس کی آستین فولڈ کر کے ایک انجکشن لگایا تھا اور وہ مسلسل چیخ رہا تھا۔ اور اس کی چیخوں سے خوفزدہ ہو کر زینت فاطمہ تیزی سے واپس پلٹ آئی تھیں۔ حویلی کا اندرونی دروازہ بھیڑتی ہوئی وہ تقریباً" دوڑ کر بی جی کے کمرے میں آئی تھیں۔

بی جی کا سانس اب بحال ہو چکا تھا اور وہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا جب دمے کا دورہ پڑتا تو یوں ہی لگتا تھا کہ اکھڑا سانس کبھی بحال نہ ہو گا۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم؟"

بی جی نے پوچھا۔

"وہ میں داجی کی طرف گئی تھی' لیکن وہ کمرے میں نہیں ہیں۔"

وہ بمشکل بتا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں ان کا دل اندر ہی اندر تھرتھرا رہا تھا ابھی تک۔

"مردانے میں چلے گئے ہوں گے اور تم بھی سو جاؤ اب میں ٹھیک ہوں۔"

اور وہ خاموشی سے اپنے بستر پر لیٹ گئی تھیں۔ لیکن ان کے پورے وجود پر تھرتھری طاری تھی۔ چند سال پہلے جب وہ حویلی کے برآمدے میں کھیل رہی تھیں تو یہی شخص تھا جس نے ان کے پاس رک کر ان کے گال کو ہولے سے چھوتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تمہارا چچا ہوں' مکرم علی شاہ۔"

گو انہوں نے پہچانا نہیں تھا لیکن داجی نے اسے اس نام سے ہی پکارا تھا۔ وہ تو داجی کے بھائی ہیں۔ پھر داجی انہیں کیوں مار رہے تھے۔

وہ پوری رات سو نہ سکی تھیں اور صبح کو انہیں بخار ہو گیا تھا۔ اور پھر بخار کی حالت میں ہی انہوں نے سنا تھا کہ درگاہ کے باہر مکرم شاہ مل گئے ہیں۔ لیکن ہوش و حواس سے بے گانہ' کسی کو پہچانتے نہیں۔ ان کے سینے پر بوجھ دھرا تھا۔ کئی بار انہوں نے سوچا تھا وہ کسی سے اس رات کے واقعے کا ذکر کریں۔ بی جی سے بڑے شاہ جی سے یا پھر اور کسی سے نہیں تو آپا سے ہی سہی' دل کا بوجھ ہلکا کر لیں۔ لیکن پتا نہیں کون سا خوف تھا' کون سی طاقت تھی جس نے انہیں کچھ کہنے سے روکے رکھا تھا۔ لیکن۔۔۔

ایک روز انہوں نے یہ سب بڑی بہن سے کہہ دیا تھا۔ وہ راز جو ایک بوجھ کی طرح سینے پر دھرا تھا۔

بہت سالوں بعد جب ان کی شادی ہو رہی تھی اور وہ دونوں بہنیں جاگ رہی تھیں تو برسوں پہلے کی وہ رات انہیں یاد آ گئی تھی۔ بی جی کا ذکر کرتے کرتے وہ اس رات کا بھی ذکر کر بیٹھی تھیں اور کسی کام سے اندر آتے شاہ جی نے سب سن لیا تھا۔

"زینت فاطمہ۔"

ان کی آواز اتنی سرد تھی کہ وہ یکدم خوفزدہ ہو کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

"ابھی جو کچھ آپ نے سیدہ بی بی سے کہا ہے' آج کے بعد آپ کے لبوں سے نہ سنوں۔۔۔" انہوں نے آگے بڑھ کر ان کی کلائی بہت زور سے پکڑ لی تھی۔

"سن رہی ہیں نا آپ؟ آج کے بعد بھول جائیں کہ آپ نے کیا دیکھا اور کیا سنا تھا۔"

انہوں نے جھٹکا دے کر ان کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ اور پھر آپا کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ آج اتنے سالوں بعد بھی انہیں اپنی کلائی پر ان کے ہاتھوں کی سخت گرفت کا احساس ہوا تو انہوں نے گھبرا کر شاہ رخ کے بازو سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔ شاہ رخ ابھی تک ان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"بس یونہی۔" انہوں نے نظریں چرا لیں۔

"کیا آپ کو خوف ہے کہ شاہ جی نہیں چاہیں گے کہ شاہ بابا کی یادداشت واپس آ جائے۔ اور اگر یہ خوف ہے تو اس کی کوئی وجہ تو ہو گی نا پھپھو۔"

شاہ رخ براہ راست ان کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔

”نہیں، وہ شارو۔“ وہ گھبرا گئی تھیں تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ اور شاہ جی سید مقیم علی شاہ اندر داخل ہوئے۔

”کیسی ہیں اب آپ، سیدہ زینت فاطمہ!“

”جی بہتر ہوں شاہ جی۔!“

زینت فاطمہ نے نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

”آپ کی بی بی جان کہہ رہی تھیں کہ آپ ڈائیٹ صحیح نہیں لیتیں۔ دودھ، مکھن، گھی سب گھر کا خالص ہے، پھر بھی اتنی کمزوری۔ آپ سے عمر میں بڑا ہوں، لیکن کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اپنا رنگ دیکھیں کیسے پیلا ہو رہا ہے۔ کچھ دن ڈٹ کر کھائیں پئیں، میں نے بانو کو ہدایت کر دی ہے، آپ کے لیے روزانہ یخنی بنائے اور قیمہ گوشت بھون کر دے۔“

ان کے لہجے میں بڑے بھائی کی شفقت اور محبت تھی۔

”ہاں تو شاہ رخ آپ۔۔۔!“

زینت فاطمہ سے بات کر کے وہ شاہ رخ کی طرف متوجہ ہو گئے جو کچھ الجھے الجھے سے بیٹھے تھے۔

”کل یا پرسوں شاہ میر اور سیدہ اسماء کو ہوسٹل چھوڑ آئیں، بہت حرج ہو رہا ہے پڑھائی کا۔ اور ہاں اس بار ایک دو دن رک کر کسی پراپرٹی ڈیلر سے رابطہ کر کے کسی اچھے ایریے میں گھر لے لیں۔ اگلے سال سیدہ عظمیٰ نے بھی کالج میں ایڈمیشن لینا ہے، میں بچوں اور بچیوں کا ہوسٹل میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ جتنی جلدی ممکن ہو گھر لے لیں۔ زینت فاطمہ وہاں رہیں گی بچوں کے پاس۔ گاؤں سے ملازمین چلے جائیں گے۔“

”جی اچھا، یوں بھی میرا ارادہ کچھ دن وہاں رہنے کا تھا۔ مجھے ایک کمپنی نے بہت اچھی آفر دی ہے، جاب کی اور میں سوچ رہا ہوں جب تک میرا باہر کا پروگرام سیٹ نہیں ہوتا میں جاب کر لوں۔“

”یہ تو اور اچھی بات ہے، تم بھی لاہور رہو گے تو مجھے زیادہ تسلی رہے گی۔ تم کوشش کرنا کہ انہی دنوں میں گھر کا سودا ہو جائے۔“

وہ کھڑے ہو گئے تو شاہ رخ بھی احتراماً کھڑے ہو گئے۔ وہ جاتے جاتے مڑے۔

”شاہ رخ، آپ ذرا میرے ساتھ ہی آیئے، مخدوم کے ساتھ امین آباد چلے جائیں۔ اور ذرا دیکھ بھال کر فروٹ لے آئیں۔ تمہاری بی جان کا خیال ہے صرف مٹھائی کافی نہیں ہے۔“

شاہ رخ نے مڑ کر ایک نظر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا اور پھر شاہ جی کے ساتھ باہر نکل گئے۔

■■■

”مس ہما آپ کو سر بلا رہے ہیں۔“

چپڑاسی نے گراؤنڈ میں ایک طرف کھڑی مس ہما کو آواز دے کر کہا تو لان میں بیٹھی کئی ٹیچرز نے مڑ کر اسے دیکھا اور معنی خیز مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی۔

”جایئے میڈم یاد کیا جا رہا ہے۔“

جونیئر ٹیچرز میں سے ایک نے کچھ اس لہجے میں کہا کہ ماہ نور بھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

وہ اس وقت لان میں مس ہما اور مسز مراد کے ساتھ کھڑی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی بریک ہوئی تھی۔ وہ مسز مراد سے کھڑی باتیں کر رہی تھی۔ ہلکی دھوپ میں کھڑا ہونا اچھا لگ رہا تھا۔ گو کراچی میں خاص سردی تو نہ تھی پھر بھی ہلکی خنکی تھی۔ وہ کچھ دیر کو وہاں ہی کھڑی ہو گئی تھی۔ مس ہما بھی کلاس روم سے نکل کر بجائے اسٹاف روم میں اپنے گروپ کی طرف جانے کے ان کے پاس آ گئی تھیں اور ابھی سلام دعا ہی ہوئی تھی کہ ذاکر صاحب نے انہیں بلا بھیجا تھا۔ مس ہما نے جونیئر ٹیچر کی طرف ایک نظر دیکھا کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر بنا کچھ کہے تیز تیز قدموں سے اسٹاف روم کی طرف چلی گئیں۔ وہ دسمبر کی چھٹیوں کے بعد آج ہی اسکول آئی تھیں۔ سب کھلے کھلے فریش چہروں کے ساتھ ایک دوسرے سے گپ لگا رہی تھیں۔

”چند دن کی چھٹیاں بھی کتنا فریش کر دیتی ہیں۔“ ماہ نور نے ہنستی مسکراتی ٹیچرز کو دیکھ کر سوچا اور مسز مراد کی طرف دیکھا۔ گو انہوں نے تازہ تازہ فیشل کروا رکھا تھا لیکن پھر بھی ان کی آنکھوں میں تھکن تھی اور وہ فریش نہیں لگ رہی تھیں۔

”کیا بات ہے مسز مراد آپ چھٹیوں میں ٹھیک تو رہیں۔“

”ہاں۔“ ایک بجھی بجھی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔

”کہیں گئی تھیں آپ؟“

”میں نے کہاں جانا تھا ماہ۔“

”بھائی بھابی کی طرف۔“

”موڈ ہی نہیں بنا بس گھر پر ہی رہی۔“

”ارے تو پھر آپ آئی کیوں نہیں گھر پر آپ نے کہا تھا کہ چھٹیوں میں اگر یہاں رہیں تو چکر لگائیں گی۔ میں تو سمجھی آپ بھائیوں کے پاس چلی گئی ہوں گی۔“

”ایک روز میں نے فون کیا تھا تمہیں۔ سوچا تھا تمہاری طرف آؤں گی لیکن تمہارے چھوٹے بھائی نے بتایا کہ تم علینہ کے ساتھ کہیں گئی ہوئی ہو۔“

”مجھ سے ذکر ہی نہیں کیا اس نے، منوں نے فون اٹھایا تھا“

”نہیں زوبی نے۔“

”اوہ زوبی کا بچہ تو ہے ہی بھلکڑ۔“

”علینہ تمہاری کزن ہے نا۔ تمہارے افضال ماموں کی بیٹی؟“

”ہاں اس علینہ کی بچی نے پوری چھٹیوں میں مجھے تنگ کیے رکھا اتنے ڈھیروں کام چھٹیوں کے آسرے پر پڑے تھے اور۔۔۔“ ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔ مسز مراد نے ایک حسرت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”کتنی خوش قسمت ہے ماہ! اتنے سارے عزیز رشتہ دار محبت کرنے والے چاہنے والے ہیں اور ایک میں ہوں۔“

”چلو اچھا ہے تمہاری چھٹیاں اپنے کزنز کے ساتھ مصروف گزر گئیں۔ میں تو بور ہی ہوتی رہی۔“ انہوں نے آہستگی سے کہا۔

پوری چھٹیوں میں اسے سانس لینے کی فرصت ہی نہ ملی تھی اس پر علینہ کی ضد اور اصرار۔ ”ابھی آؤ۔ اسی وقت آؤ“ اور وہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتی تھی۔ انکار مشکل ہو جاتا تھا۔ یہ سب ہی تو تھے جنہوں نے ہمیشہ مشکل لمحوں میں ساتھ دیا تھا۔ اس روز بھی وہ فیصلہ کر کے بیٹھی تھی کہ وہ آج تو کم از کم علینہ کے ساتھ نہیں جائے گی۔ علینہ سب کو سلام کر کے کمرے میں آئی تو اسے بیٹھے دیکھ کر آنکھیں پھاڑیں۔

”یہ تم ابھی تک یونہی بیٹھی کیا پیپرز پر دم کر رہی ہو۔ چلو اٹھو۔“

”علینہ پلیز میری بات تو سنو۔“

اس نے بے بسی سے علینہ کو دیکھا۔

”آج میں نے ہر صورت یہ پیپرز چیک کرنے ہیں ورنہ ذاکر صاحب مجھے نوکری سے نکال دیں گے۔“

”وہ تمہیں نوکری سے نکال دیں گے تو کوئی بات نہیں، تمہیں دوسری جگہ نوکری مل جائے گی لیکن میری جان میرے ساتھ تو زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اور زندگی دوسری ہرگز نہیں ملے گی۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

اس نے ہول کر اسے دیکھا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں جگمگاہٹیں اتری ہوئی تھیں اور چہرہ چمک رہا تھا۔

”ہم اس مسئلے کو یہاں بھی تو ڈسکس کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری تو نہیں کہ تمہارے ساتھ چلا جائے۔

بیٹھو اور بتاؤ کیا بات ہے؟"

"یار ماہ ایک تو تم۔۔۔" علینہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"میں تمہیں بتاتی ہوں سب لیکن میرے ساتھ تو تمہیں چلنا ہی پڑے گا وہ۔" اس کے رخساروں پر شفق سی بکھری۔

"اسفر آئے ہوئے ہیں۔"

"اسفی بھائی کب آئے؟" ماہ کو سچ مچ خوشی ہوئی تھی۔

"کل رات آئے تھے۔"

"تب ہی چراغاں ہو رہا ہے آنکھوں میں۔" ماہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"اور تم مجھے کباب میں ہڈی بنانے کے لیے ساتھ کیوں لے جانا چاہ رہی ہو۔ اب تو میں بالکل بھی نہیں جاؤں گی۔" وہ ایزی ہو کر بیٹھ گئی۔

"تم ان کی موجودگی میں یہاں کیا کرنے آئی ہو۔ انہیں اکیلا چھوڑ کر شاننگ۔۔۔"

"بکو مت۔" علینہ نے اسے گھورا۔

"پوری بات تو سنو۔"

"سناؤ۔۔۔ ہمہ تن گوش ہوں۔ اسفر بھائی نے کیا ڈائیلاگ بولے۔"

"اوہ!" علینہ نے برا سا منہ بنایا۔

"تم جانتی ہو اسفی ایسے نہیں ہیں۔ چھچھورے فضول ڈائیلاگ انہوں نے کبھی نہیں بولے۔"

"سوری!" ماہ نے فوراً "سوری" کر لیا تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ اسفر پپا سے بات کریں گے اور ایسا کرنے کے لیے میں نے ہی ان سے کہا تھا کیونکہ مجھے مما کے ارادے بہت خطرناک لگ رہے ہیں۔ خضر بھائی کے واضح انکار کے بعد اب ان کی نظر مجھ پر ہے اور پھر خالہ جان اور ان کا صاحبزادہ بھی انٹرسٹڈ ہے۔ مجھے ایرج نے بتایا تھا۔"

"تو اسفر بھائی نے بات کی ماموں جان سے؟"

"ہاں۔"

"پھر۔" ماہ نور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر کچھ نہیں پپا نے فی الحال ان سے کچھ نہیں کہا۔ اسفر نے ان سے کہا تھا کہ وہ ان کی رائے جاننے کے بعد ہی پھپھو جان اور پھوپھا جان سے بات کریں گے۔ پھوپھا جان کے مزاج کا تو پپا کو بھی پتا ہے۔ لیکن پپا نے فی الحال ان سے کچھ نہیں کہا ہاں مما سے بات کی ہے جس پر مما نے صبح سے شور مچا رکھا ہے۔ شکر ہے اسفر ناشتے کے بعد ہی کسی دوست کی طرف چلے گئے تھے خضر کے ساتھ۔ اسفر نے کل واپس بھی جانا ہے۔"

"اتنی جلدی؟" ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"ہاں انہیں اپنی جاب جوائن کرنا ہے۔"

"لیکن تم نے بتایا تھا وہ امریکہ جانا چاہ رہے ہیں۔ ارادہ کینسل کر دیا کیا؟"

"نہیں فی الحال کچھ عرصہ کے لیے جاب کی ہے۔ لیکن اسے چھوڑو میں۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کیا کروں۔ مما نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ ہرگز اسفر کے ساتھ میری شادی نہیں کریں گی۔"

"تو۔" ماہ حقیقتاً "پریشان ہو گئی تھی۔

"اب کیا ہوگا عینا۔"

"پپا اسفر کو بہت پسند کرتے ہیں۔" علینہ پریشان نہیں تھی۔

"اور انہوں نے مما سے اسفر کی بات نہیں کی بلکہ ابھی صرف اپنا خیال ظاہر کیا ہے۔ مما تی وی لاؤنج میں

تھیں۔ میں نے سنا پپا نے ان سے پوچھا کہ اسفر کے متعلق ان کا کیا خیال ہے۔ علینہ اور اسفر ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش رہیں گے اور یہ کہ اسفر اچھا لڑکا ہے دیکھا بھالا۔ لیکن مما نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس ماحول میں ہرگز مجھے نہیں بھیجیں گی۔ جہاں اتنی پابندیاں ہیں اور پھر وہ عذرا پھپھو کا حوالہ دینے لگیں۔ پپا نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا خاموش رہے۔ میں چاہتی ہوں ماہ تم میرے ساتھ چلو اور پپا تک میری خواہش پہنچا دو۔"

"میں!" ماہ نور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں تم۔" علینہ بہت مطمئن نظر آ رہی تھی۔

"میں۔۔۔ میں کیسے افضال ماموں سے کہوں کہ تم۔ میرا مطلب ہے تم انٹرسٹڈ ہو۔"

"پھر تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"

"دیکھو عینا مجھے یقین ہے ماموں جان کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے تم سے ضرور تمہاری رائے پوچھیں گے اس وقت تم کہہ دینا۔ اب اس طرح جیسے تم کہہ رہی ہو یہ کہنا تو بہت آکورڈ لگے گا یہ کوئی طریقہ بھی نہیں ہے۔ ماموں جان کیا سوچیں گے۔" اس نے علینہ کو سمجھایا۔

علینہ میں بچپن سے ہی یہ بات تھی کہ جب کوئی بات اس کی ذہن میں بیٹھ جاتی تھی تو وہ اسے کر کے ہی چھوڑتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے تم پپا سے کچھ مت کہنا لیکن میرے ساتھ تو چلو۔"

غیر متوقع طور پر اس نے ماہ نور کی بات مان لی تھی۔

"ہو سکتا ہے پپا مجھ سے بات کریں تو مجھے تمہاری مورل سپورٹ کی ضرورت پڑے گی۔"

"لیکن۔"

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن علینہ نے اس کی ایک نہ سنی اور اسے ساتھ گھسیٹ کر لے گئی تھی۔ پھر تین چار گھنٹے تک اسے رکنا پڑا تھا وہاں۔ سارا وقت وہ اسفر کی ہی باتیں کرتی رہی تھی۔ سعدیہ گھر پر نہ تھیں ایرج نے بتایا تھا کہ وہ خالہ جان کی طرف گئی ہیں۔ افضال حیدر گھر پر ہی تھے اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے کچھ دیر تک سب کا احوال پوچھتے رہے۔ اس کی جاب کا پوچھا اور پھر کچھ دیر بعد اپنے کمرے میں چلے گئے۔ خضر اور ولید اسفر کے ساتھ ہی کہیں گئے ہوئے تھے۔

"سنو ماہ! پپا اس وقت گھر پر اکیلے ہیں مما بھی نہیں ہیں۔ اتنا اچھا موقع ہے اگر تم پپا سے۔"

"فضول مت بکو عینا۔" ماہ نور نے اسے ڈانٹ دیا۔

"میں اس طرح کی کوئی بات ماموں جان سے نہیں کہوں گی۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے میرا نہیں۔"

"ہائے تم کیا جانو ماہ یہ محبت کتنی ظالم ہوتی ہے۔" علینہ نے ایکٹنگ کی۔

"اب ڈرامہ مت کرو پلیز۔ میں جانتی ہوں محبت کیا ہوتی ہے۔ تم خواہ مخواہ اسے بدنام مت کرو۔ محبت انسان کو بلند کرتی ہے گراتی نہیں ہے۔"

"تم جانتی ہو۔ محبت کیا ہوتی ہے؟" علینہ اچھلی تھی۔

"سچ کب ہوا یہ حادثہ؟ تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" ماہ نور جھینپ گئی۔

"مذاق مت کرو عینا میں سنجیدہ ہوں۔"

"سوری یار میں ایسے ہی تمہیں تنگ کر رہی تھی۔ بس یوں ہی جی چاہ رہا تھا کہ کوئی ہو میرا رازدار جس کے ساتھ باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کروں۔ میں اندر سے کچھ اپ سیٹ ہوں۔ گو مجھے یقین ہے پپا میری رائے جانے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے پھر بھی مما کی مرضی اور خوشی کے بغیر میں کیسے خوش رہ سکتی ہوں۔ پتا نہیں مما اسفر کو کیوں پسند نہیں کرتیں۔ ان کا مستقبل بہت برائیٹ ہے اسٹیٹس ہے ان کا۔ پھوپھا جان کے پاس بہت دولت اور پراپرٹی ہے پھر آخر کیوں۔"

"یہ سب تو تمہیں پہلے سے ہی پتا تھا کہ آنٹی پسند نہیں کرتیں اسفر بھائی کو۔"

"ہاں لیکن دل کہاں سوچتا ہے کچھ، جب محبت حملہ کرتی ہے تو پھر سوائے ہارنے کے کوئی راستہ نہیں رہتا تم اسفر کو دیکھو گی ماہ تو حیران رہ جاؤ گی۔ بالکل بدل گئے ہیں۔ اتنے سنجیدہ اور سوبر سے اور ان کے چہرے پر ایسا سوز سا بکھرا رہتا ہے کہ دل پگھلنے لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے اس شخص کے سارے دکھ اپنی جھولی میں بھر کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھیر دوں۔"

"لیکن اسفر بھائی کو بھلا کیا دکھ ہو سکتا ہے؟" اس نے حیران ہو کر سوچا۔

"کیا سوچنے لگیں؟"

مسز مراد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آج یہاں ہی کھڑا رہنے کا ارادہ ہے۔ چائے نہیں پینی۔"

"چائے آگئی ہے؟" اس نے چونک کر مسز مراد کو دیکھا۔

"ہاں ابھی گل عابد لے کر گیا ہے اسٹاف روم میں۔"

"چلیں۔"

وہ ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگی تب ہی اس نے مس ہما کی طرف دیکھا وہ آفس سے باہر نکل رہی تھیں۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا اور رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ حقیقتاً" ایسا ہی تھا یا پھر اسے محسوس ہوا تھا۔ مس ہما ان کی طرف دیکھے بغیر ان کے پاس سے گزر کر لائبریری کی طرف چلی گئیں۔

"لگتا ہے آج ذاکر صاحب نے مس ہما کو سنائی ہے؟" مسز مراد ہولے سے ہنسیں۔

"چلو آج کا کوٹا تو پورا ہوا ورنہ نہ جانے کس کس کی شامت آنا تھی۔ ہاں یاد آیا اس روز پھر ذاکر صاحب نے تمہیں ڈانٹا تو نہیں تھا۔" مسز مراد کو یاد آیا۔

"میں چھٹی لے کر چلی گئی تھی پھر پوچھنا یاد ہی نہیں رہا۔"

"ہاں ڈانٹا تو تھا لیکن کچھ زیادہ نہیں۔" وہ مسکرائی۔

باوجود اس کے شور مچانے کے علینہ نے اسے جانے نہیں دیا تھا۔ یہاں تک کہ ولید خضر اور اسفر واپس آگئے۔ خضر کی نظروں نے بس ایک لمحہ کے لیے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔

"کیسی ہو ماہ؟" عام سا نارمل انداز ہمیشہ جیسا۔

"اچھی ہوں۔" اس نے بھی کوشش کی کہ اندر شور مچاتی دھڑکنوں کا احساس چہرے سے نہ ہو۔

"اور سب لوگ؟" اس نے کھڑے کھڑے پوچھا تھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔"

وہ اسفر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ خضر کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی تھی جسے چھپانے کے لیے اس نے رخ موڑ لیا۔ اب اسفر سب کی خیریت پوچھ رہا تھا۔ اسفر کو جواب دے کر اس نے ولید کو مخاطب کیا۔

"ولی پلیز مجھے گھر چھوڑ آؤ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"یقیناً" عینا آپ کو اغوا کر کے لائی ہوں گی۔"

ولید نے مسکرا کر علینہ کی طرف دیکھا جواباً" وہ بھی مسکرا دی۔

"ظاہر ہے اس طرح کے بہادرانہ کارنامے کی توقع تم سے تو نہیں کی جا سکتی۔"

"یقیناً"" ولید ہنسا۔ اور ذرا سا رخ موڑ کر خضر کی طرف دیکھا۔

"اور اب واپس پہنچانے کا بہادرانہ کام اگر آپ سر انجام دے دیں تو بندہ بہت ممنون ہو گا۔ ایک جولی میں بہت تھک گیا ہوں۔"

ماہ نور پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تو خضر نے اسے تسلی دی۔

"ڈونٹ وری ماہ! پندرہ منٹ انتظار کرو میں چھوڑ آؤں گا۔ ایک ضروری کال کرنی ہے ابھی آتا ہوں۔ اسفر تم بیٹھو یار۔"

وہ یکدم اسفر کی طرف مڑا تھا اور پھر ولید کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اسفر سر جھکائے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ علینہ وارفتگی سے اسے دیکھ رہی تھی جبکہ اسفر کی نظریں کارپٹ پر تھیں۔ ماہ نور نے آہستہ سے علینہ کے بازو کو چھوا تو وہ چونکی۔

"یہ کیا حماقت ہے عینا کیا اسفر بھائی کو پہلی دفعہ دیکھ رہی ہو۔"

"ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں۔" علینہ کی آنکھوں میں شوخی تھی۔ وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کر رہی تھیں۔

"اور سنو ماہ جب میں بلاؤں آجانا مجھے کسی بھی وقت تمہاری ضرورت پڑ سکتی ہے۔"

"یہ آداب محفل کے خلاف ہے خواتین۔" اسفر کا لہجہ دھیما تھا لیکن اس میں ہلکی سی شوخی تھی۔

"سوری" ماہ نور نے فوراً" معذرت کی۔

"ہم آپ کو ڈسٹرب نہ کرنے کے خیال سے آہستہ بول رہے تھے۔"

"لیکن میں تو ڈسٹرب ہو رہا تھا۔" اسفر نے ایک نظر علینہ پر ڈالی۔

"کہ جانے آپ میرے خلاف کیا سازش کر رہی ہیں۔"

ابھی علینہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ خضر آگیا۔

"بات ہو گئی؟" اسفر نے پوچھا۔

"نہیں وہ گھر پر نہیں تھا۔ چلو ماہ اٹھو پہلے تمہیں ڈراپ کر دوں پھر شاید مما کو بھی لینے جانا ہے۔ پپا کہہ رہے تھے کہ وہ نہیں جا سکیں گے۔"

"ماموں جان جاگ رہے ہیں۔" ماہ کھڑی ہو گئی۔

"میں انہیں خدا حافظ کہہ کے آتی ہوں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں پھپھو سے مل لوں گا۔" اسفر بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اس پر پھر ذاکر صاحب کا خوف سوار ہو گیا تھا۔ خضر نے دو تین بار بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔ وہ کچھ پریشان سی لگ رہی تھی اپنی ہی سوچوں میں گم۔ ان دونوں کی باتوں سے بے خبر۔

"ماہ!" ایک بار اسفر نے پیچھے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔

"جی۔"

اسے پتا ہی نہیں چلا کہ اسفر نے کیا پوچھا تھا۔

"کہاں گم ہو تم؟ اسفر منوں کے متعلق پوچھ رہا ہے۔" خضر کے لہجے میں نرمی تھی۔

اور پھر واپس آتے ہوئے وہ ذرا کی ذرا اس کے پاس رکا تھا وہ کچن میں کھڑی دانیال کے لیے آملیٹ بنا رہی تھی کیونکہ اسے سالن پسند نہیں آیا تھا۔

"کیا بات ہے ماہ؟" اور اس نے اپنی پریشانی بتا دی۔

"اس میں ایسی پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے ماہ۔ تم آرام سے سو جانا، صبح تک بیٹھ کر پیپرز نہ دیکھتی رہنا۔ سن رہی ہو نا میری بات۔" اس نے سر ہلا دیا۔

"کہہ دینا کہ تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں تھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ تم ڈرو گی نہیں تو کچھ نہیں ہو گا جتنا ڈرو گی اتنا ہی لوگ رعب ڈالیں گے۔"

"لیکن وہ ایڈمیشن۔۔۔۔"

"تم اس کلاس کو پڑھاتی ہو۔ تم پیپرز چیک کیے بغیر بھی پرنسپل کو بتا سکتی ہو کہ کون سے بچے اس قابل ہیں کہ ان کا داخلہ بھجوایا جا سکے۔"

"یہ تو ہے۔"

"تو بس پریشانی ختم۔ دیکھو ماہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہونا چھوڑ دو۔ اللہ پر چھوڑ دیا کرو سب کچھ۔"

اس نے سمجھایا تھا اور پھر ماہ نور نے ایسا ہی کیا تھا۔

"پیپرز چیک ہو گئے ہیں تو لسٹ بنا دیں۔"

سر ذاکر نے اسے آفس میں بلایا تھا۔

"سوری سر! میں پیپرز نہیں چیک کر سکی میری طبیعت خراب تھی اور پھر کچھ مہمان آ گئے تھے۔"

"کیا مطلب مس خان میں نے آپ سے کہا تھا کہ مجھے ایڈمیشن۔"

"سر میرے خیال میں دونوں سیکشنز میں صرف ایک ہی بچہ ایسا ہے جو کامیاب نہیں ہو سکتا باقی سب اچھے ہیں پڑھائی میں۔"

اس سے پہلے کہ وہ گرجتے برستے اس نے ان کی بات کاٹ دی تھی اور بڑے اعتماد سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ویسے کل میں آپ کو رزلٹ لسٹ بھی دے دوں گی۔" اور ذاکر صاحب نے ڈانٹنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

"او کے جائیے۔" یہ نسخہ خاصا کارآمد رہا تھا۔

اسٹاف روم میں آ کر چائے پیتے ہوئے جب اس نے مسز مراد کو تفصیل بتائی تو وہ ہنس پڑیں۔

"تمہارا کزن صحیح کہتا ہے اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے اور لوگوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بہادر بننا پڑتا ہے ورنہ تو یہ دنیا کھا جائے۔" انہوں نے خالی کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"اور سر ذاکر جیسے لوگ بھی کمزوروں پر برستے ہیں۔ وہ سائنس ٹیچر تو ایک کی دس سناتی تھی۔ بلاوجہ کی ڈانٹ برداشت نہیں کرتی تھی۔"

"ماہ نور!" مس ہما نے اسٹاف روم میں قدم رکھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"میں چھٹی لے کر گھر جا رہی ہوں تمہارے آج دو لاسٹ پیریڈ فری ہیں پلیز میری کلاس لے لینا۔"

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ہما باجی؟" ماہ نور نے محسوس کیا تھا کہ وہ رو کر آئی ہیں۔

"ٹمپریچر ہو رہا ہے اور سر میں درد بھی بہت ہے۔"

"میں آپ کی کلاس لے لوں گی۔"

"شکریہ ماہ نور۔ میں نے باقی پیریڈز کے لیے بھی کہہ دیا ہے فری ٹیچرز سے۔"

وہ اسٹاف روم سے نکل گئیں تو کھلے دروازے سے ماہ نور نے دیکھا وہ سر ذاکر کے آفس کی طرف جا رہی تھیں غالباً "چھٹی لینے۔"

"مس ہما کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے میں بہت دنوں سے انہیں پریشان دیکھ رہی ہوں چھٹیوں سے پہلے سے ہی۔" مسز مراد نے تبصرہ کیا۔

"ہاں شاید لیکن کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

ماہ نور سوچنے لگی اور مسز مراد اسے سوچتے دیکھ کر پرس سے شیشہ نکال کر اپنی لپ اسٹک درست کرنے لگیں۔

●●●

"اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں بات کروں عذرا سے۔"

حمنہ نے سوالیہ نظروں سے شجاع کی طرف دیکھا جس نے بے حد حیرت سے حمنہ کی ساری بات سنی تھی۔

"لیکن ماما میں نے ابھی اس کے متعلق" آئی مین شادی کے متعلق بالکل نہیں سوچا۔ ابھی تو میں چند سال تک ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔"

"نہیں سوچا تو میری جان اب سوچ لو۔" حمنہ کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔

"پتا ہے شجی، جب میں نے کینیڈا سے آ کر پہلی بار انعم کو دیکھا تو میرے دل میں خیال آیا تھا کہ انعم اتنی پیاری

...للش ہے کہ میں اسے اپنے شجی کی دلہن بناؤں گی۔ پھر اس کی عادات اس کا مزاج۔ وہ ایسی بچی ہے شجی کہ ...ارتی زندگی یقیناً "بہت خوش قسمت ہو گا اور یہ میری نہیں تمہارے پپا کی بھی خواہش ہے۔"

"لیکن مما ایسی جلدی کیا ہے۔"

...جاع کی آنکھوں کے سامنے سیاہ چادر کے ہالے میں لپٹا ایک چہرہ بار بار آ رہا تھا اور یہ آج کی بات نہیں تھی۔ ...ہرے نے اسے بہت ڈسٹرب کیا تھا۔ وہ جب بھی آنکھیں موندتا وہ گھبرایا چہرہ وہ سپید لانبی انگلیوں والے ہاتھ ...ے چادر کو درست کرتے تصور میں چلے آتے۔

آخر کیوں وہ اس ایک لمحے پر محیط منظر کو بھول نہیں پایا تھا۔ کیا تھا ایسا۔

اس نے کئی بار اپنے دل سے پوچھا اور الجھ سا گیا تھا اور ...ہا نہیں وہ سیدہ اسما تھیں یا سیدہ عظمیٰ لیکن وہ چہرہ۔ وہ ...ہرے او جھل ہی نہیں ہو تا تھا۔ مہینوں اس نے خود کو یہ یقین دلایا تھا کہ یہ ایک فطری جذبہ ہے۔ خون کی ...ے۔ وہ چہرہ کسی اور کا نہیں اس کی سگی تایا زاد کا تھا اور چونکہ وہ کبھی زندگی میں اس سے ملا نہیں تھا اور اس ...ہی محض ایک جھلک ہی نظر آئی تھی۔ تو شاید اس لیے لیکن اس وقت اس لمحے حمنہ کے سامنے بیٹھے بیٹھے اس کا دل بے طرح مچل اٹھا تھا۔ ایک انوکھی سی خواہش جیسے شعور کی دیواروں سے سر پٹخنے لگی تھی اور کتنا ...ہو اگر اس کی زندگی کا سفر اس کی رفاقت میں کٹے۔ دل ہی دل میں وہ اس خواہش پر ہنسا وہ سیدہ اسما ہو یا سیدہ ...ل وہ تو شاہ جی کی بیٹیاں جنہوں نے اسے مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، محض اس جرم میں کہ ان کی ...ی لوکیوں رو کا گیا۔ اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کا ٹرانسفر بھی کروا دیا گیا۔ ڈی سی صاحب نے صاف ...اسے بتا دیا تھا کہ کس کے ایما پر اس کا فوری ٹرانسفر کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے یہ جان لینا قطعی مشکل نہ تھا ...ے ایما پر اس نے پوچھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی اور مسکرا دیا تھا۔

"سر مجھے تو اپنی ڈیوٹی ادا کرنا ہے چاہے امین آباد ہو یا کوئی اور جگہ۔"

...لیکن دل نے کسی ضدی بچے کی طرح مچل کر امید دلائی۔

"...یا خبر کبھی شاہ جی کا دل صاف ہو جائے۔ کبھی چھوٹے بھائی کی محبت پتھر کو موم کر دے۔ شاہ رخ بھی تو کہتا ہے کہ ...جلد سب ٹھیک ہو جائے گا تو۔ جب سب ٹھیک ہو جائے گا تو۔" بادلوں کی اوٹ سے چاند پھر جھانکنے لگا تھا۔

"...جلدی ہے شجی بیٹا! انعم کے لیے رشتہ آیا ہے اور بھائی صاحب تقریباً" رضامند ہیں اور ان سے کوئی بعید ...نہ وہ لڑکے کے آتے ہی ہاں کر دیں۔ عذرا بہت پریشان ہے اسفر نے پتا کروایا ہے کسی سے ایک تو لڑکے کی عمر زیادہ ہے۔ دوسرے لڑکے کی بھابی خاصی چالاک عورت ہے۔ دو دفعہ اس کی منگنی کر کے توڑ چکی ہے۔ ...پاس ایک عورت آ رہی ہے ان دنوں علاج کے لیے۔ اس سے کافی بات چیت رہتی تھی میری۔ جب اسفر ...نے بتایا کہ لڑکے کی عمر زیادہ ہے جبکہ اس کی بھابی نے کافی کم عمر بتائی ہے اگر یہ ایک جھوٹ بولا ہے تو نہ جانے ...کیا کیا جھوٹ ہو گا۔ بہرحال میں نے اسفر سے ایڈریس لے لیا تھا۔ اب یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ عورت بھی وہاں ...ہی آتی ہے۔ میں نے یونہی باتوں باتوں میں ذکر کیا تو اس نے لڑکے کی بھابی کے متعلق بتایا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اصل لڑکے کی بھابی کو اس کے پیسوں کا لالچ ہے اور وہ کبھی بھی اس کی شادی نہیں کرے گی اور اگر کبھی کر بھی ...دی تو اس کا گھر نہیں بسنے دے گی۔"

"تو آپ نے عذرا خالہ کو نہیں بتایا یہ؟"

"اسی روز جا کر بتا دیا تھا۔"

"تو پھر۔" شجاع نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"عذرا بے چاری تو بہت پریشان ہو گئی ہے۔ اسفر بھی کراچی گیا ہوا ہے اور بھائی صاحب کہہ رہے تھے کہ اس ...کا آ رہا ہے جرمنی سے۔ لڑکے کو دیکھنے کے بعد وہ اگر انہیں پسند آیا تو وہ ہاں کر دیں گے اور شبی کے ساتھ ہی ...انعم کی بھی شادی کر دیں گے۔"

"کیا خبر لڑکا اچھا ہی ہو۔" شجاع کا لہجہ دھیما تھا اور اس نے دل میں دعا کی تھی کہ اللہ کرے وہ اچھا ہو۔

"نہیں شجی لڑکا اچھا بھی ہو تو بھی اس کی عمر تو بہت زیادہ ہے کم از کم بھی چالیس سال کا تو ہو گا۔ وہ ہو رہی تھی مجھے کہ وہ اس کا ہم عمر ہی ہے۔"

"تو ایسی صورت میں تو خالو جان ضرور انکار کر دیں گے۔ انعم تو بہت کم عمر ہے۔"

شجاع نے حمنہ کو تسلی دی لیکن وہ اپنی ہی رو میں بولتی چلی گئیں۔

"عذرا اتنی اپ سیٹ تھی کہ میرا بے اختیار جی چاہا کہ اس سے کہوں کہ وہ پریشان نہ ہو۔ اگر بھائی صاحب جلدی ہے تو شجی ہے نا۔ لیکن تم سے بات نہیں کی تھی۔ میں چاہ رہی تھی عذرا سے بات کرنے سے پہلے پوچھ لوں۔"

"اگر ایسا کوئی مسئلہ تھا مام تو آپ کو مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"شجی!" حمنہ کی آواز بھرا گئی۔

"کیا آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں تھا مام؟" شجاع نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر حمنہ کی طرف دیکھا۔ جن کے چہرے پر رنگ ہی رنگ بکھرے تھے۔ دل جیسے ڈوب کر ابھرا تھا۔ اس نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔ آنکھوں میں کنکر سے چبھنے لگے تھے۔

"وہ جو کتابوں اور کہانیوں میں لکھا ہوتا ہے پہلی نظر کی محبت تو کیا وہ سچ ہوتا ہے۔ کیا وہ ایک نظر جو اس چہرے پر پڑی تھی وہی نظر تھی۔ کہیں آس پاس کیوپڈ گھات لگائے بیٹھا تھا۔"

"انعم بہت اچھی ہے شجاع۔"

ان کی آواز خوشی سے بوجھل ہو رہی تھی۔

"یقیناً" "آپ کا انتخاب غلط نہیں ہو سکتا مام۔" شجاع شعوری کوشش سے مسکرایا۔

"میں ابھی عذرا سے فون پر بات کرتی ہوں کہ انعم کے لیے وہ پریشان نہ ہو ہم رات کو آ رہے ہیں۔ تمہارے بابا آ جائیں تو چلتے ہیں۔"

شجاع کو لگا جیسے اس کا دل ڈوبتا جا رہا ہو نیچے ہی نیچے۔ وہ یکدم گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"اوکے میں تھوڑا ریسٹ کر لوں بہت تھکن ہو رہی ہے۔ شاہرم اور بابا کے آنے تک ریلیکس ہو جاؤں تو تھوڑی نیند بھی لے لوں گا۔"

"ہاں ہاں تم کھانا ان کے ساتھ ہی کھاؤ گے یا پہلے لگوا دوں۔۔۔ وہ تین بجے تک آئیں گے شاید۔"

"ان کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔"

شجاع کے لہجے میں یکدم ہی تھکن اتر آئی تھی لیکن اپنی خوشی میں حمنہ نے نہ تو شجاع کے لہجے کی تھکن محسوس کیا تھا اور نہ ہی اس کے بجھے بجھے سے چہرے پر نگاہ ڈالی تھی۔

شجاع کی رضامندی نے ان کے اندر خوشیوں کے پھول کھلا دیے تھے۔ جب سے انہیں انعم کے رشتے والے ان لوگوں کے ماحول کا پتا چلا تھا وہ ازحد پریشان تھیں۔

"خالہ وہ لوگ مجھے نو دولتیے اور چھچھورے لگ رہے تھے۔"

سمن نے بولڈلی اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔ اگرچہ انعم اسے ٹوکتی رہی تھی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں منع کر رہی تھی لیکن سمن نے کھل کر رائے دی تھی۔ انہیں سمن کی بولڈنیس پسند تھی۔ لیکن شجاع کے لیے انہیں انعم جیسی ہی نرم مزاج لڑکی چاہیے تھی۔ شجاع خود بھی دھیمے مزاج کا تھا جب کہ شاہرم شوخ اور بے تکلف سا تھا۔

"امی جان نے مجھے ان کے سامنے جانے سے منع کر دیا تھا لیکن انہوں نے جس طرح مجھے بتایا ہے مجھے غصہ آ رہا ہے۔ میں ہوتی وہاں نا محترمہ کو پتا چل جاتا کہ شریف لوگوں کے ہاں رشتہ مانگنے کا کیا طریقہ ہوتا ہے۔ حاجی صاحب کی بیگم مجھے سمجھ نہیں آئی کہ وہ ایسے چھچھورے لوگوں کو ہمارے ہاں لے کر ہی کیوں آئیں۔"

خدانخواستہ انعم میں کوئی کمی ہے۔ شبی صحیح ہی تو کہتا ہے کہ ایسے ہی شہزادہ گلفام تھے تو اپنی دختر نیک اختر کو بیاہ دیا ہوتا اس سے۔"

"بری بات ہے سمن۔"

عذرا بیگم نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں گھورا تھا لیکن جب سے اسے اسفر کی زبانی معلوم ہوا تھا کہ موصوف چالیس برس کے ہیں اور اب حمنہ خالہ نے آ کر دو منگنیوں کے ٹوٹنے کا احوال سنایا وہ بہت غصے میں تھی۔ اتنے دنوں کی خاموشی کے بعد وہ اس طرح بولی تھی۔ انعم کو اس کا بولنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بالکل پرانی سمن لگ رہی تھی، ہر غلط بات پر اونچا اونچا بولنے والی لیکن وہ دل ہی دل میں ڈر بھی رہی تھی کہ کہیں ابا جان نہ سن لیں۔ انہیں کچھ برا نہ لگ جائے اور پھر حمنہ خالہ کے سامنے وہ کچھ شرمندگی بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس لیے اسے بہانے سے اٹھا کر لے گئی اور حمنہ عذرا کو تسلی دینے لگی تھیں۔ عذرا انہیں بے حد عزیز تھیں۔ وہ انہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

ایک بار ان کا دل چاہا تھا کہ وہ صرف ایک جملہ کہہ کر عذرا کی پریشانی ختم کر دیں۔ لیکن وہ اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتی تھیں انہیں پہلے قائم علی شاہ سے بات کرنا تھی اور پھر شجاع سے بھی اس کی رائے لینا تھی۔ اس لیے خاموش ہی رہیں اور عذرا کو تسلی دے کر چلی آئیں۔ سید قائم علی شاہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

"حمنہ اگر تم سمجھتی ہو کہ انعم شجی کے لیے مناسب ہے تو پھر بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہاں شجی کی رائے اور رضامندی ضروری ہے۔"

شجی کی رائے جاننے کے لیے وہ پورے ہفتے سے بے چین تھیں۔ وہ فون پر بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ شجاع ان کے سامنے ان کے روبرو ہو۔ لیکن رات جب شجاع نے بتایا کہ وہ اس ویک اینڈ پر بھی نہ آ سکے گا تو وہ پریشان ہو گئیں۔

"میں تو ایک ہفتے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں مجھے تم سے ضروری بات کرنا تھی۔"

"کیا وہ ضروری بات اگلے ہفتے تک ملتوی نہیں کی جا سکتی مام؟"

"نہیں بس تم آ جاؤ۔"

انہوں نے اس انداز میں کبھی بات نہیں کی تھی اور پھر شجاع کی بچپن سے ہی عادت تھی کہ وہ ضد نہیں کرتا تھا وہ سمجھتا تھا کہ والدین جو بھی کہتے ہیں صحیح کہتے ہیں۔

"اوکے مام جیسے ہی کام ختم ہو گا میں یہاں سے چل پڑوں گا۔ ممکن ہے صبح ناشتے پر پہنچ جاؤں گا۔"

اور ایسا ہی ہوا تھا شاہرم اور سید قائم علی شاہ جیسے ہی گھر سے نکلے وہ آ گیا۔ شاہرم کو کسی دوست کی طرف جانا تھا۔ اس کے والد کی مزاج پرسی کے لیے اور سید قائم شاہ کو ایک ضروری آپریشن کرنا تھا۔ عموماً سنڈے کو وہ صبح کے وقت گھر پر ہی ہوتے تھے ہاں شام کو ایک چکر لگا لیتے تھے ہاسپٹل کا تاکہ وہ مریض جن کے آپریشن ہو چکے ہیں انہیں چیک کر سکیں کہ کوئی مسئلہ تو نہیں لیکن کبھی کبھار ایمرجنسی بھی ہو جاتی تھی سو جانا پڑتا تھا۔

"عذرا!"

شجاع کے جانے کے بعد انہوں نے عذرا بیگم کو فون کیا۔ خوشی ان کی آواز سے چھلک رہی تھی۔

"عجی!" وہ جب بہت موڈ میں ہوتی تھیں تو عذرا کو یوں ہی پکارتی تھیں۔

"عجی، بجو۔"

عذرا بیگم کو شادی سے پہلے کی کئی شامیں اور دن یاد آ گئے۔

"میں اور قامی رات آ رہے ہیں۔ تمہاری انعم کے لیے اپنے شجی کا رشتہ لے کر۔ تم بھائی صاحب سے بات کر لینا۔ بجو میرا شجاع بہت اچھا ہے۔ انعم بہت خوش رہے گی۔"

"حمنہ!"

عذرا بیگم کی آواز لرز رہی تھی۔

"حمنہ!" انہوں نے پھر کہا تو حمنہ نے محسوس کیا کہ وہ رو رہی ہیں۔ انہوں نے تصور میں ان کے رخساروں آنسوؤں کو بہتے دیکھا۔

"ریلیکس یار۔" انہوں نے پہلے ایسی بے تکلفی سے کہا۔

"اس میں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تو جب سے آئی ہوں تب سے سوچ رہی تھی لیکن پھر کرا چلی گئی واپس آئی شجاع اٹک چلا گیا تھا۔ ادھر وہ محترمہ رشتہ لے کر چلی آئیں۔ خیر شکر ہے ابھی ان لوگوں کو ا نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"تھینک یو حمنہ۔" بڑی دیر بعد عذرا بیگم کے لبوں سے نکلا تھا۔

"میاں صاحب کل ہی مل کے آئے ہیں لڑکے سے کہہ رہے تھے کہ اور تو سب ٹھیک ہے لڑکے نے داڑ رکھی ہوئی ہے۔ نیک اور دین دار لگتا ہے۔ لیکن عمر کچھ زیادہ ہے اور اپنی انعم تو ابھی بیس سال کی بھی نہ ہوئی۔"

"چلو شکر ہے انہوں نے ہاں نہیں کی۔" حمنہ نے شکر ادا کیا۔

"ہاں کہہ رہے تھے دو تین دن تک سوچ کر جواب دینے کو کہا ہے۔"

"تو بس پھر ٹھیک ہے ہم رات کو انشاء اللہ آئیں گے۔" حمنہ فون بند کر کے کچن میں آ گئیں۔

ایک سنڈے ہی تو ایسا دن تھا جب وہ خود کوکنگ کرتی تھیں۔ ورنہ کک ہی پکاتا تھا اور آج تو شجاع بھی آیا تھا۔

وہ دھیمے سروں میں گنگناتی ہوئی جلدی جلدی سلاد بنا رہی تھیں کہ شاہرم نے پیچھے سے آ کر ان کے کندھے ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر پلیٹ سے کھیرے کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"السلام علیکم ماما بڑی خوش نظر آ رہی ہیں۔ آپ کے ولی عہد بہادر ایس پی سید شجاع آ گئے کیا؟"

"ہاں۔۔۔ رات بھر سفر کیا ہے سو رہا ہے؟" انہوں نے مسرور سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"شاہو تم نے انعم کو دیکھا ہے نا بتاؤ کیسی لگی تمہیں؟"

"وہاٹ؟" وہ اچھلا۔

"یعنی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ آپ میرے سر پر سہرا سجانے کا تو نہیں سوچ رہیں لیکن ڈیر ماما میں تو ابھی ھو ہوں۔ ابھی تو میرے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔"

اس نے چہرے پر مصنوعی شرم پیدا کرنے کی کوشش کی اور نگاہیں جھکا لیں۔

"شریر۔" حمنہ نے ہولے سے اس کے بازو پر ہاتھ مارا۔

"تم سے بڑا بھی کوئی ہے۔"

"اوہ۔۔۔ ہاں یعنی ولی عہد بہادر کے لیے۔ لیکن آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں شجی بھائی سے پوچھیے نا"

وہ ٹوکری میں پڑی گاجر اٹھا کر کچن میں ایک طرف پڑی پلاسٹک کی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "شجی سے پوچھ لیا ہے میں نے۔" وہ مسکرائیں۔

"ہاں لیکن شجی بھائی نے کہاں دیکھا آنی کو۔ میرا جہاں تک خیال ہے ابھی تک انہیں عذرا خالہ کے جانے کا موقع نہیں ملا اور کم از کم میری معلومات کے مطابق ابھی تک سمن یا انعم میں سے کوئی ادھر نہیں پھر۔"

"شجی کو مجھ پر اعتماد ہے۔" ان کے لہجے میں مان تھا۔ ماتا کا غرور تھا۔

"میں تو تمہاری رائے پوچھ رہی ہوں۔"

"اور میں نے کہاں اتنے دھیان سے دیکھا ہے انعم کو۔ ان کے وہ ہٹلر ٹائپ والد بزرگوار کے سامنے تو نظریں زمین میں گڑیں تو پھر گھر آ کر ہی نگاہیں اٹھائی تھیں۔ آپ کا ہی حکم تھا کہ بھائی صاحب کے سامنے زبان اور نگاہ

کو قابو میں رکھو۔ سچی ماما نگاہیں ڈال کر بیٹھا رہا۔ حالانکہ کتنی بار جی چاہا تھا کہ ان سے پوچھوں یہ ٹوپی کہاں سے لی آپ نے؟ سچی کیسی زبردست کڑھائی والی ٹوپی تھی۔" حمنہ کو ہنسی آ گئی۔

"شاہرم تم بھی۔"

"ماما ابھی جا کر دیکھ آؤں اس نظر سے۔ یعنی ہونے والی بھابی کی نظر سے۔"

"شام کو ہمارے ساتھ چلے چلنا۔" حمنہ نے پلیٹ تیار کر کے کاؤنٹر پر رکھی۔

"ذرا اپنے بابا جان کو تو فون کرو' کتنی دیر تک آئیں گے۔ گھر کی طرف آتے ہوئے بات ہوئی تھی۔ وہ نکل ہی رہے تھے ہسپتال سے۔ اللہ بخش تم یہ برتن دھو لو تو ٹیبل لگا دینا اور چولہا بند کر دینا پانچ منٹ بعد۔" وہ صافی سے ہاتھ پونچھتی ہوئی کچن سے باہر نکلیں تو شاہرم بھی ان کے ساتھ باہر آ گیا اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے ریموٹ اٹھایا۔

"شجاع بھائی کب آئے تھے؟"

"تمہارے جانے کے فوراً بعد ہی آ گئے تھے۔"

"تو اب تک تو نیند پوری ہو چکی ہو گی۔"

وہ شجاع کے کمرے میں جانے کے لیے اٹھا تو شجاع خود ہی دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرے پر تھکن تھی۔ شاہرم سے مل کر وہ اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا تو حمنہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم سوئے نہیں شجاع۔"

"بہت کوشش کی نیند نہیں آئی۔"

"ہاتھ لے لو فریش ہو جاؤ گے تمہارے بابا آنے ہی والے ہیں پھر کھانا لگواتی ہوں۔ ہسپتال سے نکل چکے ہیں۔"

"جی۔" شجاع سر ہلا کر شاہرم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"کیسے ہو؟"

"اے ون۔"

"سنا ہے بڑا معرکہ مارا ہے۔"

"نوازش ہے آپ کی۔" شاہرم نے تھوڑا سا سر خم کیا۔

"ویسے شجی مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ شاہو سید پور میں کئی دن رہ کر آیا ہے۔" حمنہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"یقین تو بابا جان کو بھی نہیں آ رہا تھا لیکن جب میں نے بتایا کہ کیسے میں شاہ جی کے سینے سے لگا رہا اور پتا ہے شجاع بھائی جب ہم آ رہے تھے تو شاہ جی نے اسفر بھائی سے کیا کہا۔"

"کیا؟" شجاع نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اسفر میاں سچ تو یہ ہے کہ چند دنوں میں آپ کا یہ بھائی ہمیں بہت عزیز ہو گیا ہے۔ جی چاہتا ہے آپ سے مانگ لوں۔ اور اسفر بھائی نے بڑے مزے سے جواب دیا کہ "آپ کا اپنا ہی ہے شاہ جی۔" اس وقت شاہ رخ بھائی کا چہرہ دیکھنے والا تھا۔ لیکن جب شاہ جی نے کہا کہ شاہ رخ کے دوست ہونے کے ناتے تم سب ہی میرے اپنے ہو تو تب وہ مطمئن ہوئے۔"

"کیا واقعی۔" شجاع کو حیرت ہوئی۔ شاہ جی کا جو خاکہ اس کے تصور میں تھا وہ اس سے بالکل میچ نہیں کر رہا تھا جو شاہرم بتا رہا تھا۔

"وہ مزاج کے کافی سخت ہوں گے۔"

شجاع نے پوچھا۔ گو فون پر اسے شاہرم کے سید پور جانے اور واپس آنے کی خبر مل چکی تھی اور بابا نے کافی

تفصیل سے بتایا تھا وہ یوں خوش ہو رہے تھے جیسے وہ خود سید پور سے ہو کر آئے ہیں۔ پھر بھی وہ سب شاہرم کی زبانی جاننا چاہتا تھا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے میں نے جب بھی شاہ جی کو دیکھا تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور چہرے پر ایک عجیب سا تاثر۔ اب یہ شاہ زیب کی شادی کی وجہ سے تھا یا وہ ہمیشہ ہی ایسے رہتے ہیں۔"

"اور کیا خبر۔"

شجاع کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔

"اگر شاہ جی کا دل اتنا ہی نرم ہو چکا ہے تو۔"

سیاہ چادر کے ہالے میں گھرا وہ چہرہ چادر کو سنبھالتا ہاتھ اور گھبراہٹ کا تاثر۔ وہ کھو سا گیا۔

"لگتا ہے بھائی انعم بھابی کے تصور میں کھو گئے ہیں۔"

شاہرم نے حسنہ کی طرف دیکھا اور ہولے سے کھنکارا۔

"شجاع بھائی کیا چپکے چپکے انعم بھابی کو سوچا جا رہا ہے۔"

"کون انعم؟" شجاع چونکا۔

"اللہ رے بے نیازی۔" شاہرم چہکا۔

"ہماری ہونے والی بھابی۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ وہ کیسی ہیں۔ تو آپ فکر نہ کریں اس موقع پر بہنیں کام آتی ہیں۔ لیکن میں بھی کسی بہن سے کم نہیں ہوں کیا ہوا جو بھائی ہوں۔ یہ موبائل ہے نا میرے پاس بس رات کو ہی انعم کی تصویر حاضر۔"

"میں کچھ اور سوچ رہا تھا شاہو۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ شجاع کے لبوں پر بکھر گئی۔

"ماما کو وہ پسند ہے تو ٹھیک ہے مجھے تصویر دیکھ کر کیا کرنا ہے۔"

"لوگ تصویر دیکھ کر کیا کرتے ہیں۔" شاہرم نے آنکھیں پھیلائیں۔

"یار بھائی۔" شاہرم نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آپس کی بات ہے لیکن دل کسی اور ماہ جبیں کی زلفوں میں تو نہیں اٹکا ہوا جو اتنی بے نیازی۔"

"فضول مت بولو۔" شجاع نے اپنی گھبراہٹ چھپانے کے لیے اسے ڈانٹا اور کھڑا ہو گیا۔

"میں باتھ لے کر آتا ہوں۔ بابا پہنچنے ہی والے ہوں گے۔"

ان کے ہسپتال سے جوہر ٹاؤن تک کا راستہ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کا تھا۔

"آپ نے شجی بھائی سے پوچھا تھا نا۔" شاہرم لمحہ بھر کے لیے سنجیدہ ہو گیا۔ شجاع کے اس انداز نے اسے الجھا دیا تھا۔ وہ کم گو اور دھیمے مزاج کا تھا لیکن شاہرم کی ہر بات کو انجوائے کرتا تھا اور ہنسی مذاق میں پورا ساتھ دیتا تھا۔

"ہاں۔" حسنہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیا شجی بھائی نے صاف صاف اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

... کے حسنہ الجھی تھیں تب ہی فون کی بیل ہوئی۔ شاہرم نے فون اٹینڈ کیا اور پھر حسنہ کی طرف دیکھا۔

"عذرا خالہ کا ہے۔"

"کیا ہوا عذرا خیریت ہے۔"

دوسری طرف عذرا نے جو کچھ کہا تھا اس نے حسنہ کو پریشان کر دیا۔ وہ ریسیور ہاتھ میں پکڑے وہیں پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ شاہرم بہت غور سے ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں اور پیشانی پر پڑتی لکیروں کو دیکھ رہا تھا۔

***

شاہ زیب دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے رکھے زارا کو دیکھ رہا تھا جو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ بال برش کرتے کرتے اس کی نظر شاہ زیب پر پڑی تو اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

"یہ آپ اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں۔"

اس نے برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دیا اور اب لپ اسٹک اٹھا رہی تھی۔

"تو تم بتا دو کس طرح دیکھوں اپنی بیوی کو؟"

شاہ زیب کے لہجے میں وارفتگی تھی وہ جھینپ گئی۔ لانبی پلکیں جھک گئیں اور ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ بکھر گئی۔

"زارا۔" شاہ زیب اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔" اس نے بمشکل پلکیں اٹھائیں اور پھر فوراً ہی جھک گئیں۔ شادی کو ایک ماہ ہونے والا تھا لیکن ابھی بھی شاہ زیب کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا اسے محال لگتا تھا۔

"ادھر آؤ میرے پاس یہاں۔"

شاہ زیب نے بیڈ کی طرف اشارا کیا تو وہ لپ اسٹک یونہی ہاتھ میں پکڑے ہولے ہولے چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"زارا ایک بات پوچھوں؟"

"جی۔" شاہ زیب کے لہجے کی سنجیدگی نے اسے چونکایا۔

"شادی سے پہلے کیا تم نے کبھی سوچا تھا کہ تمہاری شادی مجھ سے ہوگی اور کیا میں تمہیں تب اچھا لگتا تھا۔"

شاہ زیب اس کا کزن تھا۔ اس کے سگے چچا کا بیٹا۔ اس نے سینکڑوں بار شاہ زیب کو دیکھا تھا۔ جب وہ سید پور میں آئے تھے تب بھی چھٹیوں میں جب وہ اونچی حویلی آتے تو سب سے ہی ملاقات ہوتی تھی۔ لیکن اس نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی اس کی شادی شاہ زیب سے ہوگی۔ اس کے ذہن میں سرے سے شادی کا خیال ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس پہلے اپنی پڑھائی میں محو تھی۔ اسے پڑھنے کا اور پوزیشن حاصل کرنے کا کریز تھا پھر بابا جان بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور اگر بابا جان زندہ رہتے تو وہ ضرور ماسٹرز کے لیے ایڈمیشن لے لیتی۔ بی اے آنرز مکمل کرنے کے لیے جب اسے ہوسٹل رہنا پڑا تو گھبرا گئی تھی۔ اظہار شاہ گاؤں آ چکے تھے سو امتحان دیتے ہی سید پور آ گئی۔ وہ اسے ماسٹرز کرنے پر اکساتے تھے اور جب اس نے ارادہ کیا تو وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ابھی چند ماہ پہلے اس نے اپنے طور پر تیاری کر کے پارٹ ون کا ایگزام دیا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرائی شاہ زیب کے لب بھینچ گئے۔

"جہاں تک اچھا لگنے کی بات ہے تو ظاہر ہے جس طرح سب کزن اچھے لگتے تھے ایسے ہی آپ بھی لگتے تھے۔ ان سب کہتے تھے آپ کا مزاج سخت ہے تو نکاح کے بعد ڈر لگنے لگا تھا۔"

"اور اب کیا ڈر نہیں لگتا۔" شاہ زیب کے لہجے میں اشتیاق در آیا۔

"نہیں۔" اسے اس ایک ماہ میں شاہ زیب کی وارفتگیاں اور شدتیں یاد آ گئیں تو پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں۔

"لیکن سخت مزاج کا تو میں ہوں اب بھی۔"

"مگر مجھے تو نہیں لگتے۔"

اس نے بچوں کی سی معصومیت سے کہا تو شاہ زیب کا جی چاہا اسے اپنے اندر جذب کر لے۔ وہ تھی ہی اتنی خوب صورت۔ اتنا مکمل حسن تھا اس کا۔ کم صورت تو وہ بھی نہ تھا۔ چاند سورج کی جوڑی تھی۔ جب وہ تیار ہو کر آتا تو بی بی جان کتنی ہی بار نظر کی دعا پڑھ کر پھونکتی تھیں۔ لیکن پتا نہیں کیوں اس وقت یہ خیال شدت سے اس کے ذہن میں آیا تھا کہ وہ ایجوکیٹڈ ہے کیا خبر اس کے ذہن میں خیال آتا ہو کہ شاہ زیب صرف گریجویٹ ہے اور اس لمحے اس نے یہ بھی پوچھ لیا تو زارا کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"یہ آج کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ میرے ذہن میں تو ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ آپ کی ایجوکیشن کم ہے۔ گریجویشن کوئی کم تعلیم تو نہیں ہوتی زیب۔ میری ایک فرینڈ کی باجی تھیں ماسٹرز کیا ہوا تھا انہوں نے لیکن ان کے شوہر بالکل ان پڑھ تھے لیکن ان کی میرڈ لائف بہت اچھی تھی۔ میری فرینڈ کی باجی تو بہت خوش تھیں۔ ڈگری

لے لینا اہم نہیں ہوتا زیب۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کی سوچ میں جہالت نہ ہو اور میری جو فرینڈز شادی پر آئی تھیں سب مجھ پر رشک کر رہی تھیں کہ مجھے اتنا۔"

"خوب صورت ہینڈسم دولہا ملا ہے۔"

شاہ زیب نے اس کی بات مکمل کی اور اپنا بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا۔ وہ کراس کے بازو کے حلقے سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر لپ اسٹک لگانے لگی۔ شاہ زیب مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اٹھ کر اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"زارا تم اتنی خوب صورت ہو تمہیں ان مصنوعی چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔" آئینے میں اس کا دراز قد نمایاں لگ رہا تھا۔

"مجھے خود میک اپ کرنا پسند نہیں ہے۔ لیکن بی بی جان کہتی ہیں تیار رہا کرو تو بس لپ اسٹک لگا لیتی ہوں۔"

"تم اتنی پیاری ہو زارا وہاں یونیورسٹی میں تو کئی لڑکے تم پر مرتے ہوں گے؟"

وہ ایک بات جو نکاح سے پہلے اور نکاح کے بعد اکثر اس کے دماغ میں آتی رہتی تھی اور اس نے سوچا تھا شادی کے بعد زارا سے ضرور پوچھے گا لیکن پھر اس کے حسن اور رفاقت کے جادو میں ایسا کھویا کہ ذہن میں وہ اور اس کی دلنشیں قربت رہ گئی تھی اور اب پورے ایک ماہ بعد وہ اس کے پیچھے کھڑا آئینے میں اسے دیکھتے بڑے رسان سے پوچھ رہا تھا۔ زارا تیزی سے مڑی تھی اس کی پیشانی پر ناگواری سے شکنیں پڑ گئی تھیں۔

"مجھے نہیں معلوم کہ کسی کے دل میں کیا ہے اور اگر مرتے بھی ہوں گے تو مجھے کسی نے نہیں کہا کہ وہ مجھ پر مرتا ہے۔"

اس کا لہجہ شاہ زیب کو بہت برا لگا۔

"زارا یہ تم کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔" وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"آپ نے جو سوال کیا ہے وہ اسی لہجے کا متقاضی تھا۔"

زارا بدستور غصے میں تھی وہ گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ اس میں بے پناہ اعتماد تھا جو اظہار شاہ کی بے پایاں محبت نے اسے بخشا تھا۔ بھائی بھی اس پر جان فدا کرتے تھے۔ شاہ زیب کو اس سے اس کی یہ خود اعتمادی بہت بری لگی۔

"اگر میں نے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا تو تم اس کا سیدھی طرح سے بھی جواب دے سکتی تھیں۔" اس بار زارا نے شاہ زیب کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں وہ شاہ زیب کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی اس لیے قدرے رخ موڑ کر کھڑی ہو گئی لیکن شاہ زیب نے اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ لیے تھے۔ اسے یکدم ندامت محسوس ہوئی۔ اسے واقعی زارا سے یہ سوال نہیں کرنا تھا لیکن جب سے زارا اس کے گھر میں آئی تھی وہ مسلسل سوچتا رہتا تھا کہ کیا خبر۔۔۔

"سوری زارا۔" اس نے زارا کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ زارا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"سوری میں نے بھی اپنے لہجے سے آپ کو ہرٹ کیا۔ لیکن شاہ زیب میاں بیوی کے درمیان سب سے اہم اعتماد ہوتا ہے۔ مجھ پر کبھی شک مت کیجیے گا آئندہ۔ میں نے ایک بہت صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی گزاری ہے۔ مجھے بچپن سے ہی یہ باور کرایا گیا تھا کہ میں کس خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ مجھے اپنے خاندان کا وقار ہمیشہ عزیز رہا اور میں نے ہمیشہ یہ ہی سوچا کہ میرے والد میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے وہی بہتر ہوگا۔ مجھے بابا جان نے، بڑے لالہ چھوٹے لالہ سب نے ہی اعتماد دیا ہے۔"

"اٹس اوکے ناؤ۔"

شاہ زیب نے اس کے رخساروں پر بہہ آنے والے موتیوں کے قطرے اپنی انگلی کی پوروں سے چنے۔

"میں دراصل بہت پوزیسو ہوں زارا اور جو کچھ میں نے تم سے پوچھا یہ بھی شاید اسی دیوانگی کا نتیجہ ہے۔ میری زندگی میں جس طرح اچانک بہار بن کر آئی ہو اور چھا گئی ہو۔ اس نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔ میں تمہارا سراپا اور میرے دل نے خواہش کی کہ نہ مجھ سے پہلے تم پر کسی نے ایسی محبت بھری نظر ڈالی ہو اور نہ اب۔ میرے اختیار میں ہو تو میں تمہیں چھپا کر کسی ڈبیا میں بند کر کے رکھ لوں تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے تم پر۔" وہ اسے دونوں کندھوں سے تھامے اس کی آنکھوں میں بہت وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ محجوب سی ہو گئی۔

"ہر چیز میں اعتدال اور توازن ہونا چاہیے۔"

"لیکن محبت میں تو دیوانگی ہی بھلی لگتی ہے میری جان۔"

اس کے بازوؤں نے پھر اسے حصار میں لینا چاہا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ زارا جلدی سے پیچھے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ شاہ زیب نے دروازہ کھولا۔ باہر عظمیٰ شاہ کھڑی تھی۔

"آپ کو شاہ جی بلا رہے ہیں بھائی؟"

سیدہ عظمیٰ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

"شاہ جی کہاں ہیں؟"

"بی بی جان کے کمرے میں۔"

"اچھا میں آتا ہوں۔"

اس نے مڑ کر بیڈ پر بیٹھی زارا کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"تم کمرے میں رہنا میں شاہ جی کی بات سن کر آ رہا ہوں۔"

زارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ دستک کی آواز پر جس طرح اس نے برا سا منہ بنایا تھا زارا کو بہت ہنسی آ رہی تھی۔

"عظمیٰ آ جاؤ اندر۔"

زارا نے اسے دروازے کے پاس کھڑے دیکھ کر بلایا تو عظمیٰ اندر آ کر اس کے سامنے موجود صوفے پر بیٹھ گئی۔

"زارا بھابی آپ اور بھائی کہیں گھومنے نہیں جائیں گے۔ کاغان سوات وغیرہ۔"

"آج کل تو راستے بند ہیں۔" زارا مسکرائی۔

"لیکن شاہ زیب کہہ رہے تھے کہ جب موسم اچھا ہوا تو لے چلیں گے۔"

"لیکن تب تک تو بہت دیر ہو جائے گی۔ ہنی مون پر تو شادی کے فوراً بعد جانا چاہیے نا۔" زارا کو عظمیٰ کی معصومیت پر ہنسی آ گئی۔

"ہم ذرا کچھ دیر میں منا لیں گے۔"

"زارا بھابی آپ خوش ہیں نا آپ کو شاہ زیب بھائی سے ڈر تو نہیں لگتا؟"

"کیوں کیا تمہارے شاہ زیب بھائی ڈراؤنے ہیں۔"

"نہیں۔" عظمیٰ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"میری فرینڈز تو کہہ رہی تھیں کہ تمہارے شاہ زیب بھائی تو کسی ملک کے شہزادے لگتے ہیں۔ مگر مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔ بہت غصے والے ہیں۔ البتہ شاہ رخ بھائی سے ڈر نہیں لگتا اور شاہ میر سے تو بہت دوستی ہے۔ شاہ میر ہمیں مزے مزے کی باتیں بتاتا ہے۔"

"مثلاً کیا باتیں؟"

زارا نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"کوئی مووی دیکھے تو اس کی اسٹوری سناتا ہے اور کبھی اپنے دوستوں کی باتیں لطیفے شعر وغیرہ۔"

زارا کو عظمیٰ سے باتیں کر کے مزا آ رہا تھا۔ گو وہ دسویں جماعت میں تھی مگر دیکھنے میں اسما سے بڑی لگتی تھی۔ قد بھی اسما سے بڑا تھا۔ گندمی رنگ بڑی بڑی سیاہ آنکھیں۔ بے حد چمکتی ہوئی سی۔ لیکن لہجے میں بچوں جیسی معصومیت تھی۔

"شاہ میر ہوتا یہاں تو آپ کا دل بہت لگتا اسما بھی نہیں ہیں اور میں بھی چلی جاؤں گی پھپھو بھی ہمارے ساتھ جائیں گی تو پھر آپ کا دل بہت گھبرائے گا۔"

"کہاں چلے جائیں گے سب۔" زارا سچ مچ گھبرا گئی۔

"لاہور پڑھنے کے لیے۔ شاہ جی وہاں گھر لے رہے ہیں نا اور پھپھو ہمارے ساتھ ہی رہیں گی۔ پتا ہے زارا بھابی میں نے پلان کر لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں لٹریچر میں ماسٹرز کروں گی پھر لیکچرار بن جاؤں گی۔ اسما تو ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔"

"تو کیا شاہ جی اسے ڈاکٹر بننے کی اجازت دے دیں گے۔"

زارا نے پوچھا۔

"پتا نہیں نہ دی تو کچھ اور کر لیں گی۔"

اس نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن مجھے تو پھپھو کی طرح بور لائف نہیں گزارنی۔"

"کیوں پھپھو کی طرح بور لائف کیوں۔" زارا مسکرائی۔

"تمہاری شادی ہو گی ایک اچھا رفیق زندگی ملے گا تو بور کیسے ہو گی لائف انجوائے کرنا۔"

"شادی ہی تو نہیں ہو گی۔ زارا بھابی۔ دیکھیں نا ہماری فیملی میں تو کوئی لڑکا ہے نہیں آپ کے سارے بھائیوں کی شادی ہو چکی۔..... پھپھو کی شادی ہی نہیں ہوئی۔ سعیدہ پھپھو کی ایک ہی بیٹی پیدا ہوئی تھیں۔ اللہ جانے زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ جھنگ سے کبھی کوئی ادھر آیا ہی نہیں اور قامی چاچو اور شاہ جی میں ناراضگی چلی آ رہی ہے نہ جانے کب سے ویسے ان کا ایک بیٹا ہے۔ ایس پی ہے۔ صلح ہوتی تو اسما تو کھپ ہی جاتی لیکن میں تو رہ ہی جاتی نا کم بھی اس لیے میں نے سب پلان کر لیا ہے ابھی سے ٹیچنگ کروں گی اور مزے سے زندگی گزاروں گی۔"

"کیا خبر کہیں سے کوئی شہزادہ آ ہی جائے تمہیں بیاہنے۔"

زارا کو اس کی باتوں پر ہنسی آئے جا رہی تھی۔

"کہاں سے آئے گا زارا بھابی دور و نزدیک آس پاس کہیں کوئی ہے ہی نہیں اور میں نے یہ بھی سوچ رکھا ہے کہ کسی یتیم بچے کو ایڈاپٹ کر لوں گی۔ میں نے ایسا کوئی خواب دیکھا ہی نہیں جس کے پورا ہونے کے چانسز نہ ہوں۔"

"اتنی دور تک سوچ لیا تم نے۔" زارا ہنس پڑی تھی۔

"ہاں آدمی کو اپنی زندگی کی پلاننگ کر لینی چاہیے ایک حقیقت کا آپ کو علم ہے تو اسے قبول کر لو کڑھ کڑھ کر نفسیاتی مریض کیا بننا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ہاں فیملی سے باہر شادی نہیں ہوتی تو نہ سہی زندگی میں شادی کوئی اتنا ضروری بھی نہیں ہے کوئی اور مصروفیت بھی تو ڈھونڈی جا سکتی ہے۔" زارا نے بہت غور سے اسے دیکھا بہت لاپروا اور مطمئن سی لگ رہی تھی۔

"ہاں یہ قائم چاچا کے بیٹے کا کس نے بتایا تمہیں؟"

"ہم شاپنگ کے لیے جا رہے تھے تو اس نے ہماری گاڑی رکوائی تھی۔ بعد میں شاہ رخ بھائی نے بتایا تھا کہ قائم چاچا کا بیٹا ہے۔ اگر بی بی جان ساتھ نہ ہوتیں تو میں نے دیکھنا تھا اسے اور دو چار باتیں بھی کرنا تھیں۔"

"تو تم نے نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بابا اکثر قائم چاچا کو یاد کرتے تھے۔ ایک بار اپنی ڈیتھ سے پہلے انہوں نے کہا تھا۔ "قامی سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ لیکن پتا نہیں وہ کہاں ہے۔"

"اگر انہوں نے اپنی مرضی سے شادی کر ہی لی تھی تو یہ کوئی اتنا بڑا جرم تو نہیں تھا۔ تھوڑا سا ڈانٹ ڈپٹ کر معاف کر دینا چاہیے تھا۔ غلطیاں تو انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ اگر تب دا جی نے معاف نہیں کیا تھا تو اب شاہ جی ہی معاف کر دیں۔ کم از کم اسما کا مسئلہ تو حل ہو جائے گا لیکن پھپھو کہتی ہیں توبہ۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے شاہ جی کبھی نہیں مانیں گے۔ لالہ جی زندہ ہوتے تو شاید اتنے سالوں بعد معاف ہی کر دیتے قائم چاچو کو۔"

"ہاں بابا کہتے تھے اگر اس وقت وہ قائم چچا کا ساتھ دے دیتے تو شاید دا جی بھی اپنا دل نرم کر لیتے لیکن وہ دا جی کی ناراضگی سے ڈر گئے تھے۔ پھر انہیں بی بی جان اور شاہ جی کے غصے کا بھی خیال تھا لیکن بعد میں پچھتاتے تھے۔"

زارا نے بتایا تو اس نے سر ہلا دیا تب ہی شاہ زیب نے اندر قدم رکھا۔ ایک مسکراتی ہوئی گہری نظر زارا پر ڈالی اور پھر عظمیٰ کی طرف دیکھا۔

"تم جاؤ پھپھو اکیلی بیٹھی ہیں ان سے گپ لگاؤ۔"

"شاہ جی کہہ رہے ہیں کہ قومی اسمبلی کی سیٹ کے لیے میں کاغذات نامزدگی داخل کروا دوں۔"

"مگر بھائی جان تو کہہ رہے تھے شاہ جی کھڑے ہو رہے ہیں۔"

"ان کا ارادہ بدل گیا ہے۔ مگر لوگ مجبور کر رہے ہیں۔"

"تو پھر آپ کھڑے ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"لیکن بابا کہتے تھے سیاست میں بہت گند ہے خاص طور پر ہمارے ملک میں جتنا سیاست دان کرپٹ ہے اتنا کوئی اور نہیں۔"

"ضروری نہیں کہ سب ہی کرپٹ ہوں۔"

شاہ زیب نے لاپروائی سے کہا۔

"دا جی نے اور بڑے شاہ جی نے علاقے کے لیے بہت کام کیا ہے۔ لڑکیوں اور لڑکوں کا ہائی اسکول ڈسپنسری سب انہوں نے ہی بنوائے۔ لیکن لڑکیوں کے اسکول کے لیے انہیں کتنا بھاگنا پڑا پورے دو سال لگ گئے تھے اگر وہ سیاست میں ہوتے کوئی وزیر کوئی ممبر تو آسانی سے کام ہو جاتا بس اسی لیے شاہ جی چاہتے ہیں کہ میں صوبائی اسمبلی کے لیے کھڑا ہو جاؤں ہار کا تو کوئی امکان ہے ہی نہیں اس طرح میں علاقے کی بہتری کے لیے سب کام کر سکوں گا۔" زارا نے سر ہلا دیا۔

"میں ذرا چینج کر لوں تو پھر مجھے شاہ جی کے ساتھ جانا ہے اسی سلسلے میں ایک میٹنگ ہے۔"

وہ وارڈروب سے کپڑے نکال کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تو زارا بھی اٹھ کر باہر آ گئی اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ دیر پھپھو اور بی بی جان کے پاس بیٹھے گی اور بی بی جان سے اونچی حویلی جانے کی اجازت لے گی۔ برآمدے میں پڑے فون کی بیل ہو رہی تھی اس نے ادھر ادھر دیکھا آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ سات آٹھ بیلوں کے بعد اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف شاہ رخ تھا۔

"ارے آپ زارا ہیں کیسی ہیں آپ میں شاہ رخ ہوں۔"

"جی میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے۔ مجھے شاہ جی سے بات کرنا تھی لیکن انہوں نے موبائل آف کر رکھا ہے۔ کیا گھر پر ہیں۔"

"کچھ دیر پہلے تو بی بی جان کے کمرے میں تھے میں دیکھتی ہوں۔"

"آپ خوش ہیں زارا ایڈجسٹ منٹ میں کوئی پرابلم تو نہیں ہوا۔"

"نہیں۔"

"شاہ زیب ستاتا تو نہیں۔" ان کے لہجے میں شرارت تھی۔ اس کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

"آپ ہولڈ کریں میں دیکھتی ہوں شاہ جی کو۔"

اس نے ریسیور نیچے رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے شاہ زیب نے آکر ریسیور پکڑ لیا۔

"کس کا فون ہے؟"

"شاہ رخ بھائی کا شاہ جی سے بات کرنا ہے انہیں میں بلانے جا رہی ہوں۔"

"شاہ جی باہر مردانے میں چلے گئے ہیں۔"

اس نے ایک تیز غصے بھری نظر اس پر ڈالی اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

"ہیلو شاہ رخ بھائی میں شاہ زیب بات کر رہا ہوں۔"

کچھ دیر وہ یونہی ایئر پیس کانوں سے لگائے شاہ رخ کی بات سنتا رہا۔ گاہے گاہے ایک تیز نظر اس پر بھی ڈال لیتا تھا۔ "ٹھیک ہے میں ابھی شاہ جی کو بتا دیتا ہوں۔" ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس نے زارا کی طرف دیکھا۔

"ہمارے ہاں خواتین فون ریسیو نہیں کرتیں زارا شاہ۔"

"بہت دیر سے بیل ہو رہی تھی اس لیے میں نے اٹھا لیا۔"

"اور اتنی دیر سے مسکرا مسکرا کر کیا گپیں لگا رہی تھیں۔"

"وہ کوئی غیر تو نہیں شاہ رخ بھائی تھے شاہ زیب۔" زارا کو شاہ زیب کے طرز عمل پر حیرت ہوئی۔

"نو آرگومنٹ زارا۔" شاہ زیب نے ہاتھ اٹھایا اور تیزی سے واپس پلٹ کر کمرے میں چلا گیا۔ فون کی بیل سن کر وہ واش روم میں جاتے جاتے پلٹ آیا تھا لیکن اس کے باہر آنے سے پہلے ہی زارا فون اٹھا چکی تھی اور اسے بات کرتے دیکھ کر رشک نے یکدم ہی اس کے دل میں ڈنک مارا تھا۔

"کون ہو سکتا ہے، جس سے زارا مسکرا مسکرا کر بات کر رہی ہے۔"

شاہ رخ کا نام سن کر بھی اس کے اندر ابل کھاتا غصہ کم نہیں ہوا تھا اور زارا حیران سی برآمدے میں کھڑی اس کے لہجے اور لفظوں پر غور کر رہی تھی اور پلکیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

"آخر تمہیں اسفر اور علینہ کے رشتے پر اعتراض کیوں ہے؟ پڑھا لکھا ہے، اپنا ہے۔ خاندان، برادری کچھ بھی دیکھنے کی ضرورت نہیں پھر اپنا دیکھا بھالا بچہ ہے۔ بچپن سے جوان ہونے تک کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ مہذب ہے کوئی بری عادت نہیں پھر۔"

افضال حیدر نے اسفر کی وکالت کی۔

"کچھ بھی ہو مجھے عینا کی شادی ہرگز اسفر سے نہیں کرنی۔"

سعدیہ پر افضال حیدر کی باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔

"لیکن سعدیہ کوئی وجہ؟"

افضال حیدر نے بہت غور سے انہیں دیکھا۔

"وجہ کوئی بھی نہیں بس وہ مجھے پسند نہیں ہے۔ کیا میں اپنی بیٹی کے لیے اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ آپ نے خضر کے لیے منع کر دیا تو میں خاموش ہو گئی۔ حالانکہ میری کتنی خواہش تھی کہ میں سحرش یا نازش کو اپنی بہو بناؤں۔ اب میں اسفر کے لیے منع کر رہی ہوں تو آپ بھی ضد نہ کریں۔"

"تو کیا تم محض اس لیے ضد کر رہی ہو کہ میں نے خضر کے لیے....."

افضال حیدر کو حیرت ہوئی۔

"نہیں، لیکن میں سمجھتی ہوں کہ علینہ کے لیے ہمیں اسفر سے بہتر رشتہ مل سکتا ہے۔"

سعدیہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"اسفی سے بہتر۔"

افضال حیدر نے بھنویں اچکائیں۔

"اس سے اگر تمہاری مراد اپنا بھانجا ہے تو وہ ہرگز اسفی سے بہتر نہیں ہے۔ نہ شکل و صورت میں، نہ علم اور ذہانت میں۔"

افضال حیدر سچ بات منہ پر کہہ دینے کے عادی تھے۔

"اتنا تو تم جانتی ہی ہو گی کہ نہ ان حضرت نے تعلیم مکمل کی اور نہ ہی کوئی ڈھنگ کا کام کر سکے۔ پٹرول پمپ پر چند دن کام کیا اور پھر ایک کالے سے الجھ کر نوکری چھوڑ بیٹھے۔ یہ ساری تفصیل حمیرا نے ہی بتائی تھی غالباً" آپ کو یاد نہیں رہی۔"

سعدیہ ایک لمحہ کو خاموش ہو گئیں۔

"نہیں، خیر میں اس کی بات نہیں کر رہی تھی فی الحال اور پھر تعلیم کا کیا ہے، بھائی جان اسے اسٹور بنا کر دے رہے ہیں وہاں۔"

"اچھا۔"

افضال حیدر کا اچھا معنی خیز تھا۔

"آپ میری بات کو مذاق میں مت اڑائیے، میں سنجیدہ ہوں۔ عذرا اگر اس مقصد کے لیے آ رہی ہیں تو نہ آئیں۔ ویسے سو بار آئیں ان کے بھائی کا گھر ہے۔"

"عذرا تو غالباً" شیبی کی شادی کا بلاوا دینے آ رہی ہیں اور جہاں تک تمہاری بات ہے سعدیہ بیگم! تو ہم نے تو کبھی آپ کی بات کو مذاق نہیں جانا۔ برسوں پہلے بھی، آپ نے مذاق ہی کیا تھا لیکن ہم نے سچ جان لیا اور آج۔۔۔"

نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبا کر افضال حیدر ذرا سا مسکرائے۔

لیکن سعدیہ لب بھینچے بیٹھی رہیں۔ ان کی پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔

"افضال میں کہہ رہی ہوں کہ اگر عذرا نے اسفر کے لیے بات کی تو میں صاف انکار کر دوں گی۔"

لمحہ بھر بعد سعدیہ نے کہا۔

افضال حیدر کے مسکراتے چہرے پر سنجیدگی نظر آنے لگی۔

"کبھی کبھی میں سوچتا ہوں سعدیہ! کہ میں نے تمہیں سمجھنے میں غلطی کی۔"

ان کی آواز بہت مدھم تھی جیسے انہوں نے خود سے کہا ہو۔ سعدیہ ان کی پسند تھیں۔ یہ نہیں کہ ان کا سعدیہ کے ساتھ کوئی افیئر چلا تھا۔ بس انہوں نے سعدیہ کو دیکھا اور پسند کر لیا تھا، وہ ان کی کلاس فیلو تھیں اور ایک چھوٹا سا مذاق انہیں قریب لے آیا تھا لیکن زندگی میں بہت سے ایسے مقام آئے تھے جب انہیں احساس ہوا تھا کہ انہوں نے سعدیہ کو منتخب کرنے میں جلدی کی تھی۔ وہ ان کی امیدوں پر پوری نہیں اتری تھیں خصوصاً" اماں جان کے سلسلے میں۔ انہیں سعدیہ سے بہت شکایتیں تھیں گو انہوں نے سعدیہ کو کبھی جتایا نہیں تھا لیکن انہیں سعدیہ کا ان کے ساتھ رویہ کھٹکتا تھا گو وہ اس کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی انہیں سعدیہ کا انداز ناگوار گزرا تھا لیکن انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔

وہ ٹی وی لاؤنج میں ہی بیٹھے تھے جب عذرا کا فون آیا تھا اور انہوں نے شیبی کی شادی کا ذکر کیا تھا کہ دو تین ماہ تک اس کی شادی کرنا ہے اور سب نے ہی شادی میں آنا ہے لہٰذا تیاری رکھیں۔ انہوں نے اپنے کراچی آنے کا بھی ذکر کیا تھا کہ کچھ دنوں تک وہ کراچی کا چکر لگائیں گی باضابطہ دعوت دینے کے لیے۔ جب وہ عذرا سے باتیں کر رہے تھے تو سعدیہ بھی لاؤنج میں آگئی تھیں اور یہ جان کر کہ عذرا آنے والی ہیں، انہیں خدشہ ہوا کہ کہیں وہ اسفر کے سلسلے میں تو نہیں آ رہیں کیونکہ افضال حیدر نے چند دن پہلے ہی اسفر کے متعلق ان سے بات کر کے ان کی رائے پوچھی تھی۔

اسفر سے تو انہیں اس کے بچپن سے ہی چڑ تھی۔ اماں جان جب اسفر کو لے کر آئی تھیں تو ایک دو بار اس کے سلسلے میں ان کی جھڑپ ہو گئی تھی۔ فیڈر نہ دھلوانے پر۔ یا ایسی ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر۔ اماں جان چاہتی تھیں

کہ اسفر کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہو۔ ماں باپ سے دور لائی تھیں تو چاہتی تھیں' بہت توجہ اور پیار دیں۔ خود بعض اوقات بڑھاپے' کمزوری اور بیماری کی وجہ سے وہ اسفر کا کوئی کام نہ کر پاتیں تو سعدیہ سے کہتیں اور سعدیہ خضر کی وجہ سے اس دوہری ذمہ داری سے چڑتی تھیں۔ اسفر ذرا بڑا ہوا تو خضر کا کوئی کھلونا اٹھاتا تو چھین لیتیں۔ موقع ملتا تو ایک آدھ تھپڑ بھی لگا دیتیں۔ اماں جان نے جب محسوس کرلیا کہ وہ اسفر سے چڑتی ہیں تو پھر انہوں نے سعدیہ بیگم سے اسفر کے حوالے سے کچھ کہنا چھوڑ دیا اور جس طرح مرغی چیل کے خوف سے بچوں کو اپنے پروں تلے چھپا لیتی ہے' انہوں نے بھی اسفر کو اپنے پروں تلے چھپا لیا تھا۔

افضال بھی اسفر کا خیال خضر کی طرح ہی رکھتے تھے۔

اب عذرا کے آنے کا سن کر سعدیہ نے سوچا' ضرور وہ اسفر کے لیے آ رہی ہیں۔ سو صاف صاف کہہ دیا تھا کہ انہیں اسفر اور علینہ کا رشتہ منظور نہیں ہے۔ گو افضال جانتے تھے کہ عذرا اس مقصد کے لیے نہیں آ رہیں۔ اسفر نے علینہ کے متعلق خود ان سے بات کی تھی کہ اگر انہیں اعتراض نہ ہو تو وہ امی جان اور ابا جان کو بھیجے تو انہوں نے سہولت سے منع کر دیا تھا۔

"تم سے بڑھ کر مجھے کوئی عزیز نہیں ہے اسفی بیٹا! لیکن فی الحال نہیں۔ جب میں کہوں گا' تم عجبی اور بھائی جان کو بھیج دینا اور مطمئن رہو میں سمجھتا ہوں کہ عینا کے لیے تم سے بہتر ہم سفر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"میں نے کیا کہا ہے آپ نے سنا نہیں افضال!" انہیں خاموش دیکھ کر سعدیہ نے اپنی بات دہرائی۔

"میں صاف انکار کر دوں گی اگر۔۔۔"

"میں نے تمہیں بتایا ہے کہ وہ اس مقصد کے لیے نہیں آ رہیں اور فار گاڈ سیک۔ کوئی فضول بات مت کرنا عجبی سے۔ برسوں بعد وہ آ رہی ہے۔"

افضال حیدر کے لہجے سے ناگواری جھلک رہی تھی۔

"لیکن میری بات آپ بھی یاد رکھیے گا۔ کیا مجھے اپنے بچوں کی شادیوں کے سلسلے میں رائے دینے یا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"دیکھو سعدیہ۔"

ان کا لہجہ نرم اور انداز سمجھانے والا تھا۔

"ہمارے بچوں کی شادیاں ہماری باہمی رضامندی سے ہی ہوں گی لیکن اس میں بچوں کی پسند بھی شامل ہوگی۔ ان کی زندگی کا فیصلہ ہم تنہا نہیں کر سکتے۔"

"عینا بھی اسفر کو اس لحاظ سے پسند نہیں کرتی۔"

"جھوٹ' بالکل جھوٹ۔"

اپنے کمرے کے دروازے سے لگی علینہ اچھل پڑی۔

"مما کو اس طرح غلط بات نہیں کرنا چاہیے۔ میں ابھی جا کر پپا سے کہتی ہوں کہ۔۔۔"

"مجھے صرف اور صرف اسفر سے شادی کرنا ہے۔"

اریج نے اس کی بات مکمل کر دی۔

وہ بیڈ پر بیٹھی مسکراتی نظروں سے علینہ کو دیکھ رہی تھی جو کب سے دروازے کے ساتھ جڑی کھڑی افضال حیدر اور سعدیہ کی گفتگو سن رہی تھی۔ گو ان کی آواز کمرے تک آ رہی تھی پھر بھی جب اریج نے اسے آ کر بتایا کہ مما اور پپا اسفر اور اس کی شادی کو ڈسکس کر رہے ہیں تو وہ اٹھ کر دروازے کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی۔

"تو اور کیا۔"

وہ دروازے کے پاس سے ہٹ آئی۔

"شادی تو مجھے اسفر سے ہی کرنا ہے۔"

"لیکن لگتا ہے مما نے خضر بھائی کی طرف سے مایوس ہو کر تمہارے لیے حمیرا آنٹی۔۔۔"

"ہرگز نہیں۔"

کمرے میں تیزی سے ادھر سے ادھر جاتے ہوئے علینہ نے زور سے پاؤں زمین پر پٹخے۔

"مجھے اس باگڑ بلے سے شادی نہیں کرنا۔ بندر انگریزوں کی نقالی کر کے سمجھتا ہے' انگریز ہو گیا ہے۔ خود کو امریکہ کا صدر سمجھتا ہے۔"

"تو تم مما سے کہہ دو نا یہ سب۔۔۔"

اریج نے مشورہ دیا۔

"اور میں کہہ بھی دوں گی۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ میں خاموشی سے مما کے فیصلے پر سر جھکا دوں گی۔ کہ مجھے ان کا نخریلا بھانجا منظور ہے۔"

اریج منہ نیچے کر کے مسکرائی۔

"تو بس پھر پریشانی کیسی ہے' آرام سے بیٹھ جاؤ۔ یہ کوئی بچپا سواں چکر ہے تمہارا' اب تو تمہارے پاؤں بھی دُکھ گئے ہوں گے۔ کم آن یار! پپا کہہ تو رہے ہیں کہ وہ بچوں کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔"

وہ سر ہلاتی ہوئی پھر دروازے کے پاس آئی۔ تھوڑا سا دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ لاؤنج میں خاموشی تھی۔ افضال حیدر ٹی وی دیکھ رہے تھے اور سعدیہ بیگم جا چکی تھیں' غالباً" اپنے کمرے میں۔ واپس پلٹ کر اس نے اریج کی طرف دیکھا جو اپنی بائیو کی کاپی کھولے اس پر کوئی ڈایاگرام بنا رہی تھی اور پھر بیڈ پر بیٹھ کر سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل اٹھایا اور اسفر کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف سے اسفر نے فوراً" اٹینڈ کیا۔

"اسفر۔۔۔" اسفر کی آواز سنتے ہی اس کی پلکیں نم ہونے لگیں۔

"ہاں عینا! کہو کیسی ہو؟"

دوسری طرف اسفر کہہ رہا تھا۔

"پتا نہیں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"کیوں' کیا ہوا عینا!"

"کچھ نہیں۔"

آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک آئے اور لبوں سے سسکی نکل گئی۔

"تم رو رہی ہو عینا!"

اسفر بے چین ہو گیا۔

"نہیں تو۔" اس نے انکار کیا لیکن آنسو اور روانی سے بہنے لگے تھے۔

"عینا! پلیز پلیز۔۔۔ کیا ہوا ہے روؤ تو مت۔" مگر وہ روئے چلی گئی۔

"میرا دل بند ہو جائے گا عینا! پلیز روؤ تو مت۔ خدارا بتاؤ کیا ہوا۔"

"کچھ نہیں۔"

علینہ نے بائیں ہتھیلی کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے۔

"اسفی! آپ پلیز پھپھو کو بھیج دیں۔"

"امی جان پروگرام بنا تو رہی ہیں آنے کا۔"

"آپ نے پھپھو سے بات کی۔"

"نہیں یار! ابھی بات نہیں کی۔ امی جان پہلے ہی کچھ پریشان ہیں ان دنوں۔"

"کیوں؟" اس نے پوچھا۔

"پھر کبھی بتاؤں گا' اس وقت تمہارا بل بن رہا ہوگا اور سنو بے فکر رہو۔ ماموں جان سے میری تفصیلی بات ہو چکی ہے اور انہوں نے مجھے کہا ہے کہ فی الحال میں امی جان کو نہ بھیجوں کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ جب امی جان آئیں تو مایوس ہو کر نہ جائیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔ پہلے وہ ممانی جان سے بات کر کے ان کا دل نرم کرنا چاہتے ہیں۔ سو تم بے فکر رہو۔"

"کیسے بے فکر رہوں اسفی! مما تو میری شادی کرنے پر تلی ہیں اس ولایتی لکڑ بگھے سے۔" وہ جھلا گئی۔

"تو کیا اچھا ہے... ولایت کی سیر کرنا ولایتی لکڑ بگھے کے ساتھ۔ میں بے چارا غریب سا بندہ۔" اسفر نے مزا لیا۔

"آپ بھی اسفر! ذرا احساس نہیں ہے آپ کو کہ میں کتنی پریشان ہوں۔ اگر...."

"میری جان! میں نے کہا نا' پریشانی والی کوئی بات نہیں۔"

علینہ کے چہرے پر رنگ سے پھیل گئے اسفر بہت کم اس طرح فرینکلی بات کرتا تھا۔ زیادہ تر سیریس ہی رہتا تھا۔ "ماموں جان نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ مجھے تمہارے لیے بہت مناسب سمجھتے ہیں۔"

"لیکن اسفی مجھے ڈر لگتا ہے کہیں مما...."

"دیکھو علینہ تم کمزور نہ پڑنا۔ کچھ نہیں ہوگا ہاں اگر تم اپنی ممی کے سامنے ہار گئیں تو پھر ماموں بھی کچھ نہیں کر سکیں گے۔"

"میں تو آپ کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اسفی۔"

"تو میں کب عینا تمہارے بغیر جینے کا تصور کرتا ہوں۔"

اسفر کا لہجہ جذبات کی شدت سے بھاری ہو گیا۔

"تم نہیں جانتیں عینا تم نے جس جذبے کی آگہی مجھے دی ہے اس جذبے نے میرے اندر چراغاں کر رکھا ہے۔ میں تو ہر لمحہ تمہیں اپنے قریب محسوس کرتا ہوں۔ تم ہمیشہ میرے آس پاس رہتی ہو۔"

عینا کے رخسار تپ رہے تھے۔ اور اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اسفر سے کیا کہے۔ اس نے مڑ کر ایرج کو دیکھا وہ اپنے نوٹس پر جھکی ہوئی تھی۔ اسے دل ہی دل میں اسفر سے شکوہ رہتا تھا کہ وہ اظہار کے معاملے میں بہت کنجوس ہے لیکن آج جب وہ بول رہا تھا اظہار کر رہا تھا تو لفظ اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔

"اچھا اسفی اللہ حافظ میں پھر بات کروں گی آپ سے۔"

"او کے اللہ حافظ۔"

فون بند کر کے اس نے موبائل بند کر کے بیڈ پر پھینکا۔ ایرج نے سر اٹھا کر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ دروازہ کھول کر باہر دیکھ رہی تھی۔ افضال حیدر لاؤنج میں اکیلے ہی بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ سعدیہ بیگم واپس نہیں آئی تھیں' غالباً "احتجاجاً" واک آؤٹ کر چکی تھیں۔ واپس پلٹ کر اس نے میز سے فائل اٹھائی اور کھول کر نوٹس دیکھنے لگی۔ لیکن سب کچھ اوپر اوپر سے گزر رہا تھا اس نے جھنجھلا کر فائل بند کر دی۔ اور کھڑی ہو گئی۔

"چلو ایرج اٹھو مارکیٹ چلتے ہیں۔"

"کیوں کیا خریدنا ہے؟" ایرج نے پوچھا۔

"حفصہ کی برتھ ڈے ہے اگلے ہفتے اور مجھے کچھ کتابیں بھی خریدنا ہیں۔"

"تم یہ شاپنگ اگلے ہفتے تک ملتوی نہیں کر سکتیں۔" ایرج نے کسلمندی سے کہا۔

"نہیں اس وقت کچھ بھی کرنے کا موڈ نہیں ہو رہا۔ شاپنگ کریں گے گھومیں پھریں گے بس چلو اٹھو اور واپسی پر اگر وقت ہوا تو ماہ نور کی طرف چلیں گے۔"

"اچھا پھر ٹھیک ہے مجھے بھی نرمل سے کام ہے۔"

"تم ہر روز کالج میں روما سے ملتی ہو پھر بھی اس سے ملنے کو بے تاب رہتی ہو۔" علینہ مسکرائی۔

"مجھے اس سے کچھ نوٹس لینے تھے۔"

ایرج نے کتابیں سمیٹ کر ایک طرف رکھیں۔ اور کھڑی ہو گئی۔

"تم تیار ہو جاؤ میں پپا سے اجازت لے لوں۔"

"مما کو بھی بتا دینا آج ویسے ہی ان کا موڈ آف ہے۔"

علینہ نے کہا تو ایرج نے اس پر ایک گہری نظر ڈالی۔

"عینا فرض کرو اگر اسفر بھائی سے تمہاری شادی نہ ہو سکی تو...."

"تو کیا ہوگا۔ میرا دل بند ہو جائے گا ایرو میں سچ کہہ رہی ہوں میں جی نہ پاؤں گی۔"

"خدا کرے کہ ایسا کبھی نہ ہو۔"

ایرج نے دل ہی دل میں دعا کی کہ اسفر بھائی اور علینہ کی شادی ہو جائے۔ علینہ تو شاید اس صدمے کو برداشت ہی نہ کر سکے۔ وہ بچپن سے ایسی ہی تھی کریزی۔ جس بات پر اڑ جاتی تھی اسے پورا کر کے ہی چھوڑتی تھی۔ کوئی کتنا ہی سمجھاتا۔

ایرج کو یاد تھا ایک بار اس نے بچپن میں ایک گڑیا لینے کی ضد کی تھی۔ اور مما نے نہیں لے کر دی تھی۔ اور رو رو کر اس نے بخار چڑھا لیا تھا۔ اور جب دوسرے دن پپا وہ گڑیا لینے گئے تو وہ بک چکی تھی' تب کتنے ہی دن وہ بیمار رہی تھی۔ جب تک بالکل ویسی ہی گڑیا نہیں مل گئی تھی اس نے مما سے بات نہیں کی تھی۔ جب کہ ایرج کا مزاج اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ کسی بات کے لیے ضد نہیں کرتی تھی۔ افضال حیدر اکثر کہتے تھے وہ مزاج میں بالکل طیبہ پر گئی ہے۔ کیونکہ اسے گھٹی طیبہ پھپھو نے ہی دی تھی۔

"پپا میں اور عینا شاپنگ کرنے جا رہے ہیں واپسی پر ہم انکل نصیر کی طرف جائیں گے۔"

ایرج نے لاؤنج میں آکر افضال حیدر سے کہا تو انہوں نے ٹی وی آف کر کے اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے لیکن اگر تمہیں نصیر بھائی کی طرف زیادہ دیر رکنا ہو تو گاڑی واپس بھیج دینا۔ مجھے ایک جگہ کام سے جانا ہے۔ میں خضر کو فون کر دوں گا کہ وہ آفس سے اٹھے تو تمہیں نصیر کے گھر سے پک کر لے۔"

"جی اچھا۔"

ایرج سر ہلاتی ہوئی مما کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"مما....!"

اس نے دروازے کو ذرا سا کھول کر اندر جھانکا۔ وہ بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے اخبار دیکھ رہی تھیں۔

"مما ہم ذرا شاپنگ کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے پپا سے اجازت لے لی ہے۔ اور شاپنگ کے بعد ہم انکل نصیر کے گھر جائیں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں وہاں جانے کی۔"

سعدیہ نے اخبار ایک طرف رکھ دیا۔

"شاپنگ کر کے سیدھی گھر آؤ تم دونوں۔"

"مگر کیوں مما؟" ایرج کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"مجھے نہیں پسند تمہارا روز روز جانا ان کی طرف۔"

"لیکن مما ہم تو بہت کم جاتے ہیں ادھر۔ حمنہ پھپھو آئی تھیں تو میں ان کے ساتھ گئی تھی۔ اور عینا کو بھی گئے کتنے دن ہو گئے ہیں۔"

ایرج کی عادت حجت کی نہ تھی' لیکن مما کی بات سن کر اسے افسوس ہوا تھا۔

"اور پھر وہ کسی غیر کا نہیں ہماری پھپھو کا گھر ہے۔"

"سگی پھپھو نہیں ہیں وہ تمہاری۔" سعدیہ کا لہجہ جلا کٹا تھا۔

"سعدیہ....!"

افضال حیدر بھی اٹھ کر وہاں ہی آگئے تھے۔ اریج نے افضال حیدر کی طرف دیکھا تو ایک طرف ہٹ گئی وہ اندر کمرے میں چلے گئے تھے۔

"میں نے طیبہ کو ہمیشہ سگی بہن ہی سمجھا ہے اور سگی نہ سہی ماموں زاد بہن تو ہے۔ اور پھر یہ تم کس انداز میں بات کر رہی ہو۔ کسی اور کا غصہ کسی اور پر اتار رہی ہو۔"

افضال حیدر کے لہجے میں نرمی تھی۔ مگر چہرے پر سنجیدگی۔

"بلاوجہ ادھر ادھر ان بچوں کا بھاگ بھاگ کر جانا مجھے پسند نہیں ہے۔ ایک وہ خضر ہے ہر ہفتے وہاں جانا اس کے فرائض میں شامل ہے۔ کچھ کو تو جواب ملتا ہے خیر خیریت معلوم کرنے جاتا ہوں۔ انکل نصیر خوش ہو جاتے ہیں۔ ان کے اپنے بچے جوان ہیں۔ خیر خیریت معلوم کر سکتے ہیں اب۔"

"سعدیہ۔"

افضال حیدر نے تاسف سے انہیں دیکھا۔ اور پھر کچھ کہتے کہتے رک گئے مڑ کر اریج کی طرف دیکھا۔

"تم جاؤ بیٹا۔"

اریج جو واپس مڑی اسے واقعی سعدیہ کے رویے پر حیرت ہو رہی تھی۔

"آج مما کا موڈ بہت خراب ہے۔"

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے علینہ کو بتایا۔

"اور تم آج ان سے اچھے موڈ کی توقع کر رہی تھیں۔" علینہ ہولے سے ہنسی۔

"وہ ساری گفتگو سننے کے بعد بھی جو ان کی بہا کے ساتھ ہوئی۔"

"لیکن علینہ وہ طیبہ پھپھو کی طرف بھی جانے سے منع کر رہی تھیں ان کی باتوں سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ انہیں ناپسند کرتی ہیں مما کہہ رہی تھیں کون سا وہ سگی پھپھو ہیں۔" اریج ابھی تک حیرت میں تھی۔

"مما کو یہ خوف ہے کہ کہیں خضر بھائی ماہ نور کو پسند نہ کر لیں جب کہ وہ خضر بھائی کے سر سحرش یا نازش کو منڈھنا چاہتی ہیں۔"

"لیکن ماہ نور آپی تو سحرش اور نازش کے مقابلے میں بہت خوبصورت ہیں پھر۔"

"یہی تو بات ہے میری جان۔" علینہ مسکرائی۔

"اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ خضر بھائی، ماہ نور سے ہی شادی کریں گے چاہے وہ ابھی ظاہر کریں یا نہیں۔"

"تمہیں کیسے پتا کیا خضر بھائی نے بتایا؟"

"نہیں۔ لیکن تاڑنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔"

اریج کو حیرت بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی پھر وہ سارا وقت اسی موضوع پہ بات کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ شاپنگ سینٹر آ گیا۔ گاڑی ایک طرف پارک کروا کے وہ شاپنگ سینٹر میں چلی گئیں۔ علینہ کو جلد ہی گفٹ پسند آ گیا تھا۔ سو زیادہ گھومنا نہیں پڑا۔ کچھ دیر وہ یونہی گھوم پھر کر ادھر ادھر چیزیں دیکھتی رہیں، اریج نے بھی ایک دو چیزیں خریدیں۔

ایک کولڈ کارنر سے پیپسی کے ٹن لے کر وہ گاڑی کی طرف جا رہی تھیں کہ اچانک علینہ ٹھٹھک کر رک گئی۔

"ندا۔!" اس کے لبوں سے زیر لب نکلا۔

وہ یقیناً "ندا" ہی تھی۔ ندا جو یونیورسٹی میں عبایا پہن کر آتی تھی۔ اور جس کا سارا چہرہ حجاب میں چھپا ہوتا تھا سوائے آنکھوں کے۔ آنکھوں کا خیال آتے ہی اس نے بے حد غور سے شاپنگ سینٹر کی طرف جاتی ندا کو دیکھا۔ اس لڑکی کی آنکھوں کا رنگ قدرے مختلف تھا۔ لیکن رنگ تو لینس سے بھی تبدیل ہو سکتا ہے، وہ بلاشبہ ندا ہی تھی۔ چست شرٹ اور ٹراؤزر پہنے، گلے میں ڈوپٹا لٹکائے جو ایک اسکارف جتنا چوڑا تھا وہ اپنے ساتھ چلنے والے درمیانی عمر کے مرد سے ہنس ہنس کر کچھ کہہ رہی تھی۔ اور علینہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور اب تک کیا تمہاری بہن صاحبہ سو رہی تھیں پہلے انہیں انعم نظر نہیں آئی تھی۔"

میاں صلاح الدین نے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگاتے ہوئے صوفہ چیئر پر بیٹھی عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔ جو مضطرب سی بار بار پہلو بدل رہی تھیں۔

"اور اب جب کہ میں نے ہاں کر دی ہے تو چلی آئی ہیں رشتہ لے کر۔"

"لیکن میاں صاحب وہ ابھی تو چند ماہ پہلے کینیڈا سے آئی ہے۔ کچھ وقت انہیں یہاں سیٹل ہونے میں لگا اور اس روز انہوں نے فون کر کے آنے کا کہا تو آپ نے منع کر دیا۔ حالانکہ میں نے آپ کو بتایا بھی تھا کہ وہ اس مقصد سے آ رہی ہیں۔"

"تو۔؟"

میاں صلاح الدین نے بھنویں اچکائیں۔

"وہ لڑکا جرمنی سے صرف میرے کہنے پر آیا ہے حاجی صاحب نے انہیں کہا تھا کہ میں لڑکے سے ملنے کے بعد کوئی جواب دے سکتا ہوں۔ اب جب کہ لڑکے میں کوئی برائی نہیں ہے تو میں بلاوجہ کیسے انکار کر دیتا۔"

"مگر میاں صاحب آپ نے بتایا تھا کہ اس کی عمر زیادہ ہے۔ اور ہماری انعم تو ابھی۔"

"اوہو! عذرا بیگم جہاں اور بہت سی خوبیاں ہوں وہاں ایک آدھ کمی برداشت کرنا ہی پڑتی ہے۔"

"لیکن میاں صاحب۔"

"اوہ بھئی بس اب اس بحث کو ختم کرو۔ میں نے کل شام ہی حاجی صاحب کے ذریعے ہاں کہلوا دی تھی۔ اور آپ کو بتایا تھا پھر بھی حمنہ بیگم چلی آئیں جھولی پھیلائے۔"

ان کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔ عذرا بیگم کو اپنے اعصاب چٹختے ہوئے محسوس ہوئے۔ اور آنسوؤں نے ان کے حلق میں پھندا سا لگا دیا۔ پھر بھی انہوں نے میاں صاحب کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"ہم انہیں بہت اچھی طرح نہیں جانتے جانے لڑکا باہر رہتا ہے۔ مدتوں سے کردار اور مزاج کا کیسا ہے۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا شجیع اپنا ہے ہم جانتے ہیں۔"

"اپنا۔!"

وہ عجب طرح سے ہنسے۔

"اب میری زبان مت کھلواؤ عذرا بیگم اور میں نے کہا نا کہ اس قصے کو ختم کرو۔ حاجی صاحب کہہ رہے تھے کہ وہ نکاح کر کے جانا چاہتا ہے، تاکہ پیپر وغیرہ بنانے میں آسانی رہے، رخصتی سال بعد کروائے گا اور بیوی کو ساتھ ہی لے جائے گا۔ اس لیے نکاح کی تقریب کیسے ہو گی، کتنے لوگوں کو بلانا ہو گا۔ یہ بیٹھ کر طے کیجیے۔ اب خواہ مخواہ میرا دماغ مت کھائیے۔ پہلے ہی آپ کی لاڈلی حمنہ بیگم نے میرا دماغ چاٹ لیا ہے۔ ہزار دفعہ کہا کہ شریفوں کی ایک زبان ہوتی ہے۔ اب زبان دے کہ پھر جاؤں ایسے بھی ان کے صاحبزادے میں لعل نہیں جڑے ہوئے۔"

"ہاں زبان اور کہاں کی زبان۔"

عذرا بیگم نے ایک شاکی نظر ان پر ڈالی۔

وہ نہیں جانتی تھیں کہ جب حمنہ کے فون کے بعد انہوں نے میاں صلاح الدین کو شجاع کے رشتے کے متعلق بتایا تو اس وقت تک ہاں یا ناں کچھ بھی نہیں کہلوایا گیا تھا۔ میاں صلاح الدین اس کی عمر کی وجہ سے سوچ رہے تھے لیکن حمنہ کی خواہش سنتے ہی انہوں نے فوراً فیصلہ کر لیا اور نہ صرف فیصلہ کر لیا بلکہ اسی وقت حاجی صاحب کے ذریعے ہاں بھی کہلوا دی۔ ان سے صرف اتنا کہا تھا کہ آج میں شاید دیر سے آؤں حمنہ کو منع کر دیجیے آنے سے اور انہوں نے جب حمنہ کو فون کیا تو ایک لمحہ کو تو حمنہ چپ سی کر گئی تھیں۔

"ہم بھائی صاحب کچھ اور تو نہیں سوچے بیٹھے ہیں۔"

"نہیں حمنہ۔" ان کی آواز کانپ گئی تھی۔

”بھلا شجاع سے بڑھ کر ہمیں کون عزیز ہو سکتا ہے۔ میاں صاحب نے بتایا تھا نا کہ لڑکے کی عمر بہت ہے۔“

انہوں نے حمنہ کو تو مطمئن کر دیا تھا لیکن خود ان کے دل میں اضطراب آ ٹھہرا تھا۔ وہ بے چین سی ادھر سے پھرتی رہیں۔ سمن اور انعم نے پوچھا بھی تھا۔

”امی جان کیا بات ہے؟“

لیکن انہوں نے ٹال دیا۔ دل کو پنکھے لگے تھے۔ اور پھر شام کو اپنے وقت پر جب میاں صاحب گھر آئے تو بے قرار سی ہو کر پوچھ بیٹھیں۔

”آپ تو جلد ہی آ گئے حمنہ کو کہہ دوں کہ وہ لوگ آ جائیں۔“

”چھری تلے دم تو لینے دو عذرا بیگم۔“

انہوں نے ٹوپی اتار کر تکیے کے پاس رکھی اور بڑے اطمینان سے جوتے اتارتے ہوئے بتایا۔

میں نے حاجی صاحب سے کہہ دیا ہے انہیں بتا دیں کہ ہم نے رشتہ قبول کر لیا ہے۔“

”کیا......؟“

عذرا بیگم ساکت رہ گئی تھیں، کچھ دیر کو تو انہیں یوں لگا تھا جیسے کسی نے ان کی روح نکال لی ہو۔ دل ترخ گیا تھا۔ عجب بے کلی تھی۔ وہ بار بار منہ کھولتی تھیں لیکن لفظ جیسے اندر ہی اندر چکرا کر گم ہو جاتے تھے۔

”میں نے کل لڑکے کو بلایا ہے گھر کھانے پر آپ بھی مل لیجیے گا۔“

لیکن عذرا بیگم یونہی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ جب سے حمنہ نے ان سے شجاع کی بات کی تھی وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑ رہی تھیں، انہیں لگ رہا تھا جیسے برسوں صحرا میں پاپیادہ تپتی ریت پر چلنے کے بعد اچانک انہیں کسی نے اس تپتے جلتے صحرا میں نخلستان کی خبر دے دی ہو۔ اور اس نخلستان سے آنے والی ہوا دل و جان کو تسکین پہنچا رہی ہو۔ انہوں نے تصور ہی تصور میں کتنی بار انعم اور شجاع کو ایک ساتھ دیکھا اور خود مسکرا دیں۔

”خدا میری انعم کو خوشیاں دے گا اتنی کہ میں اپنے دکھ بھول جاؤں گی“ لیکن یہ میاں صاحب نے کیا کہہ دیا وہ تو جیسے ہواؤں میں اڑتے اڑتے زمین پر آ گری تھیں۔

بڑی دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہو سکی تھیں۔

”میں نے آپ کو حمنہ کی خواہش بتائی تھی پھر بھی آپ نے۔“

”ہاں پھر بھی مجھے وہ لڑکا حمنہ کے بیٹے کے مقابلے میں زیادہ اچھا لگا۔“

وہ بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔ انعم تو ان کی اپنی بیٹی تھی پھر کیا کوئی باپ بیٹی کے لیے غلط سوچ سکتا ہے۔ کیا انعم کی خوشیاں اس کا مستقبل انہیں عزیز نہیں۔ انہیں لگا جیسے ان کے اندر زبردست ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہو۔ وہ ایک لفظ بھی مزید کہے بغیر لڑکھڑاتے قدموں سے باہر آئیں اور پھر حمنہ کو فون کرتے ہوئے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ بلک بلک کر رونے لگیں۔

”سوی میری انعم، مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ وہ لوگ اس قابل نہیں تھے لیکن میاں صاحب!“

”پاگل ہو گئی ہو عذرا حوصلہ کرو۔“

حمنہ نے سمجھایا۔

”میں اور قاسمی کل آئیں گے میں خود بات کروں گی۔ بھائی صاحب سے۔ اب ریلیکس ہو جاؤ۔“

سمن اور انعم حیران سی ماں کے گرد کھڑی انہیں روتا دیکھ رہی تھیں۔

فون بند کرنے کے بعد بھی وہ یونہی بلکتی رہیں۔

”امی جان امی جان پلیز مت روئیے، مت روئیے۔“

سمن نے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ انعم نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

”کیا ہوا ہے امی جان کیا اباجی نے کچھ کہا ہے۔“

بڑی دیر بعد وہ سنبھلیں تو انہوں نے ساری بات بتا دی۔ سمن نے یکدم ان کے گلے سے بازو نکال کر حیرت سے انہیں دیکھا۔

”کیا اباجان نے شجاع بھائی کی بجائے ایک انجان شخص کا رشتہ قبول کر لیا، نہیں......“

اب وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

”اباجان اتنے ظالم نہیں ہو سکتے۔“ لمحہ بھر وہ یونہی انہیں دیکھتی رہی پھر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ انعم جو خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے انہیں تسلی دی۔

”امی جان پلیز اس طرح مت کریں اباجان نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی ایسا فیصلہ کیا ہو گا۔ اللہ بہتری کرے گا۔ پھر یہ تو نصیب کی بات ہے نا۔ اللہ نے میرا نصیب اسی شخص کے ساتھ لکھا ہو گا۔“

”انو.....!“ انہوں نے اسے یکدم اپنے ساتھ چمٹا لیا۔

”میری بچی خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔“

حمنہ کو حمنہ سے بات کر کے دل پر دھرا بوجھ قدرے کم ہوا تھا لیکن وہ ساری رات سو نہ سکی تھیں۔ پوری رات کروٹیں بدلتی رہیں۔ بار بار اٹھ کر بیٹھ جاتیں۔ لیکن دل کو کسی صورت چین نہ تھا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی تھی لیکن جب تک حمنہ نہ آئی وہ جلے پاؤں کی بلی کی طرح پورے گھر میں چکراتی پھری تھیں۔ حمنہ اور قائم علی شاہ نے بڑے سلیقے سے میاں صلاح الدین سے بات کی۔ حمنہ نے یقین دلایا کہ انعم ان کے گھر میں بہت خوش رہے گی۔ ہر طریقے سے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن میاں صاحب کا ایک ہی جواب تھا میں نے ہاں کر دی ہے۔ اور شریف لوگ اپنی بات سے نہیں پلٹتے۔ بالآخر مایوس ہو کر وہ چلے گئے تھے۔

عذرا بیگم کو لگ رہا تھا جیسے کسی نے ان کا دل سینے سے نوچ کر مٹھی میں داب لیا ہو اور اب مٹھی بھینچے جا رہا ہو۔ حمنہ اور قائم شاہ کے جانے کے بعد انہوں نے میاں صاحب کو منانے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود۔

”آپ اب بیٹھی کیا سوچ رہی ہیں۔ جائیے چائے بھجوائیے۔ آپ کی حمنہ صاحبہ نے سر میں درد کر دیا ہے میرے۔“

عذرا بیگم خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں لیکن دل جیسے نیچے ہی نیچے پاتال میں گرتا جا رہا تھا۔ تب ہی مبشر سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہ ابھی ابھی باہر سے آیا تھا اور سمن سے حمنہ خالہ اور قائم انکل کے آنے اور رشتہ مانگنے کی ساری تفصیل سن چکا تھا۔

”آؤ آؤ میاں بیٹھو میں سوچ ہی رہا تھا کہ تمہیں بلوا کر مشورہ کرتا ہوں۔ بڑے صاحبزادے تو اپنے ننھیال میں جا کر بیٹھ گئے اور پھر ان کے مشورے بھی کیا۔ سر تا پا انگریزیت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ حاجی صاحب کے توسط سے رشتہ آیا تھا میں نے وہاں ہاں کہہ دی ہے۔ اور اب وہ نکاح کرنا چاہتے ہیں کیونکہ لڑکا جرمنی میں ہے۔“

”لیکن شجاع بھائی کا رشتہ بھی تو حمنہ خالہ لائی ہیں۔“

”ہاں تو میں نے منع کر دیا میں زبان دے چکا ہوں۔“

”لیکن اباجی شجاع ہر لحاظ سے اس سے بہتر ہیں۔“

میاں صاحب کی پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں۔

”آپ نے میرے لیے جو فیصلہ بھی کیا ٹھیک ہے میں نے قبول کر لیا لیکن آنی کے لیے آپ یوں بلا سوچے سمجھے فیصلہ مت کریں۔“

مبشر کے لہجے میں التجا تھی سو میاں صلاح الدین نے بھی نرم لہجے میں بات کی۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے، اس لڑکے سے ملا ہوں، صوم صلواۃ کا پابند ہے۔ نیک شریف پڑھا

لکھا' برسرروزگار تمہاری ماں کو اس کی عمر پر اعتراض ہے لیکن میرے نزدیک یہ اعتراض بے معنی ہے۔"

"جی' اباجی آپ کی بات صحیح ہے یقیناً" اس میں یہ سب خوبیاں ہوں گی لیکن انسان تو خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے ہمارے پاس جب ایک اس سے بہتر پروپوزل موجود ہے تو۔"

"کس کا حمنہ کے بیٹے کا۔" ان کے لہجے میں تمسخر تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ حمنہ کا بیٹا آصف سے بہتر ہے۔ پھر پولیس میں ہے' میں تو کبھی کسی پولیس کو بیٹی نہ دوں' چاہے ساری زندگی گھر بیٹھی رہے۔"

"لیکن اباجی پلیز آپ ایک بار شجاع بھائی سے ملیں تو سہی۔ میرا خیال ہے آپ کی ابھی تک شجاع سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ ایک بہترین انسان ہیں ہر لحاظ سے یہ ضروری تو نہیں ہے اباجی کہ ہر پولیس مین برا ہو۔"

مبشر کے لہجے میں التجا در آئی تھی۔ میاں صلاح الدین نے نظر بھر کر اسے دیکھا۔ یہ وہ چند ماہ پہلے والا مبشر تھا۔ جس کی آنکھوں میں شوخی ہوتی تھی۔ اور چہرے پر نو عمر لڑکوں کی طرح چلبلاپن' وہ بے حد سنجیدہ اور [illegible] رہا تھا۔

"ابھی صرف نکاح ہوا ہے اور اس میں اتنی ذمہ داری آگئی ہے۔ شادی کے بعد تو اور بھی سنجیدہ اور [illegible] ہو جائے گا۔ میں نے اس کی شادی کا فیصلہ بروقت کیا ہے اور بہت مناسب۔"

انہوں نے خود کو شاباش دی۔ اب وہ بولے تو ان کا لہجہ پہلے سے زیادہ نرم تھا۔

"شبی پتر شریف لوگ زبان دے کر مکرتے نہیں' دونوں بھائیوں کو آج رات کے کھانے پر میں نے بلایا ہے ملنا دیکھنا بات کرنا یقیناً" تمہیں میرا فیصلہ صحیح لگے گا۔"

"لیکن شجاع بھائی۔"

مبشر نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جان گیا تھا کہ میاں صلاح الدین سے بات کرنے کا فائدہ نہیں' انہوں نے انعم کی زندگی کا جو فیصلہ کر دیا ہے وہی ہوگا۔

اس سے اس نے میاں صلاح الدین کے لیے اپنے دل میں نفرت کا ابال سا اٹھتا محسوس کیا۔ اور ایک [illegible] نکل گیا۔

"اور آپ یہاں کھڑی وقت ضائع کر رہی ہیں۔ رمضان سے چائے کے لیے کہئے اور رات کے کھانے کا کچھ انتظام کیجئے۔ میں نے کل ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ میں نے ان کو کھانے پر بلایا ہے۔ جلدی گھر آیا تھا کہ [illegible] کے لیے آپ نے کیا انتظام کیا ہے۔ لیکن حمنہ بیگم نے آکر وقت ضائع کر دیا۔ بہر حال کچھ تو آپ نے انتظام رکھا ہوگا۔ باقی کا باہر سے منگوا لیجئے۔ مبشر کو کہئے ڈرائیور کے ساتھ جا کر لے آئے جو جو کچھ آپ نے منگوانا ہو۔ دونوں بھائی آئیں گے۔ کہا تو یہی تھا۔ شاید کوئی خاتون بھی آجائے۔"

عذرا بیگم نے ایک شاکی سی نظر ان پر ڈالی۔ اور دھیمے دھیمے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئیں۔ برآمدے میں رمضان پانی کی خالی بوتل لیے کچن کی طرف جا رہا تھا۔

"رمضان میاں صاحب کو چائے دے دو۔"

انہیں لگا جیسے بولنے میں انہیں بہت قوت صرف کرنا پڑی ہو۔ رمضان نے سر ہلا دیا۔ تو وہ ایک لمحہ یوں ہی خالی نظروں سے اسے کچن کی طرف جاتا دیکھتی رہیں پھر یونہی مردہ قدموں سے چلتی ہوئی مبشر کے کمرے تک آئیں۔ دروازہ نیم وا تھا' اور مبشر آنکھیں موندے راکنگ چیئر پر آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ آہٹ سن کر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ رویا نہیں تھا لیکن اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ عذرا بیگم کو کھڑا دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"امی آیئے اندر آجایئے۔" اور پھر اس طرح ان کا ہاتھ تھامے تھامے انہیں اندر لے آیا اور بیڈ پر بٹھایا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئیں اور خالی خالی نظروں سے مبشر کی طرف دیکھنے لگیں۔ مبشر کو کچھ عجیب سا احساس ہوا۔

"امی جان۔"

گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"آپ ٹھیک تو ہیں نا۔ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اسفر بھائی آجائیں تو۔ ہم پھر ابا جان سے بات کرتے ہیں۔" لیکن عذرا بیگم نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"میاں صاحب کہہ رہے ہیں کہ رات کو مہمانوں نے آنا ہے تو۔۔۔"

وہ کسی رٹے رٹائے سبق کی طرح بولتی گئیں۔ وہ سب جو میاں صلاح الدین نے کہا تھا۔

"آپ نے کہا نہیں ابا جان سے کہ دعوت کے لیے منع کر دیں۔ کم از کم آج کے دن وہ نہ آئیں آپ اتنی ڈسٹرب ہیں۔"

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"وہ میاں صاحب نے تو کل ہی دعوت دے دی تھی۔ تم جاؤ نہیں تو میاں صاحب ناراض ہوں گے۔ انعم سے بھی پوچھ لو کیا کیا لانا ہے؟"

ان کا چہرہ سپاٹ تھا' بالکل بے تاثر اور وہ سامنے دیوار کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ ابھی تک مبشر کے ہاتھوں میں تھے۔ مبشر کو لگا ان کے ہاتھ بالکل ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ مبشر نے گھبرا کر انہیں جھنجھوڑ ڈالا۔

"امی! امی جان پلیز کیا ہوا ہے۔؟"

"ہاں۔۔۔" وہ چونکیں۔

"کچھ نہیں۔"

انہوں نے مبشر کی طرف دیکھا۔ ان کے تنے ہوئے اعصاب ہولے ہولے ڈھیلے ہونے لگے۔ سپاٹ چہرے پر کرب کی لکیریں سی پھیل گئیں۔

"۔۔۔شبی۔۔۔ میری آنی۔۔۔ میری انعم' وہ لوگ اس کے قابل نہیں ہیں۔"

ان کی آواز بہت آہستہ تھی اور آنسو آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہہ آئے تھے۔

"امی جان۔۔۔!"

مبشر نے تڑپ کر کہا اور زمین سے اٹھ کر بیڈ کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنا ایک بازو ان کے گرد حمائل کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے ان کے آنسو پونچھے۔

"میں۔۔۔ میں بات کرتا ہوں" ابا جان سے پھر بات کرتا ہوں۔ آپ پلیز روئیں نہیں۔"

"لیکن وہ تو جیسے ذرا سا سہارا پاتے ہی بلک بلک کر رونے لگی تھیں۔ اس کے کندھے پر سر رکھے تڑپ تڑپ کر رو رہی تھیں۔ اور مبشر کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ انہیں اپنے ساتھ لگائے لگائے اس نے سمن کو آواز دی۔

"سمن' سمن' آنی ادھر آؤ۔"

اور کچن کی طرف جاتی انعم اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر پڑھتی ہوئی سمن دونوں ہی بھاگ کر آگئیں۔

"کیا ہوا؟"

سمن نے گھبرا کر پوچھا اور عذرا بیگم کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ عذرا بیگم کے آنسو اور روانی سے بہنے لگے تھے۔

"امی جان! امی جان پلیز چپ کر جائیں۔"

مبشر کی آنکھیں ضبط کی کوشش میں اور لال ہو گئیں۔ انعم چپ چاپ کھڑی عذرا بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ یکایک وہ زمین پر دو زانو بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھ دیئے۔

"امی جان آپ کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہیں۔ جو میرے نصیب میں لکھا ہے ہونا تو وہی ہے۔ اگر میرا نصیب اچھا ہے تو۔"

عذرا بیگم نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے انعم کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کا سکون تھا۔

"میں تیرے جیسے دل کہاں سے لاؤں انو۔ میری بچی۔ اپنا آپ مار مار کر یہ دل تو اب کوئی چوٹ سہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ پتا نہیں کیوں دل کو اطمینان نہیں ہو رہا۔"

"اللہ بہتری کرے گا۔"

انعم نے ہولے سے ان کے ہاتھ تھپتھپائے۔

سمن اور مبشر اب خاموش بیٹھے تھے اور انعم ہولے ہولے عذرا بیگم کو سمجھا رہی تھی، بہلا رہی تھی، تسلی دے رہی تھی۔

"تم نے ابا جی سے بات کی تھی شبی۔"

سمن نے انعم کے خاموش ہونے کے بعد پوچھا۔

"ہاں۔"

مبشر نے سر جھکا لیا۔

"لیکن ظل الٰہی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ انہوں نے انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"خدا نہ کرے۔"

عذرا بیگم کے لبوں سے بے اختیار نکلا، مبشر کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ لمحہ بھر کو ابھر کر معدوم ہو گئی۔

"آپ کے والد محترم کے بقول شریف لوگوں میں زبان سے پھرنا بے غیرتی ہے۔"

"لیکن ابا جی نے جان بوجھ کر کیا ہے ایسا۔ جب حمنہ خالہ نے فون کیا تھا تو اس وقت تک ابا جی نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا تھا، انہوں نے محض حمنہ خالہ کی ضد میں ایسا کیا ہے۔ ہے نا شبی لیکن کیوں۔ کیوں شبی شجاع بھائی تو اتنے اچھے ہیں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔

"چپ کرو۔"

انعم نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

"امی جان کو مزید ڈپریس مت کرو۔ جب مجھے انکار نہیں تو تم لوگ کیوں خواہ مخواہ اپنی انرجی ویسٹ کر رہے ہو۔ اور امی جان پلیز آپ تھوڑی دیر ریسٹ کر لیں۔ بلکہ آدھی گولی لے لیں سکون کے لیے۔ دو گھنٹے کی نیند لے لیں ابھی چھ بجے ہیں۔ مہمان آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک آئیں گے۔"

سمن اور مبشر نے حیرت سے اس کے پرسکون چہرے کو دیکھا۔

"وہ دعوت کے لیے۔"

"میں کر لوں گی۔ صبح میں نے بریانی کا گوشت تیار کر لیا تھا۔ میرا خیال تھا حمنہ خالہ اور قاسمی انکل کھانا کھا کر جائیں گے۔ بس چاول بھگو دیتی ہوں۔ قورمہ بھی تیار کر لیا تھا۔ دن کا مٹر قیمہ اور مچھلی بھی پڑی ہے۔ فریزر میں چکن نگٹس اور شامی کباب بھی پڑے ہیں۔ چکن کڑاہی گھر میں بنا لیتی ہوں، بروسٹ کے ایف سی سے شبی لے آئے گا۔ اور مٹن کڑاہی فرنی اور کچھ اور جو بھی میں نے منگوانا ہے میں شبی کو بتا دیتی ہوں۔ میٹھے میں آئس کریم بھی پڑی ہے فریزر میں۔ آپ اطمینان سے لیٹ جائیں۔ سمن۔" وہ سمن کی طرف مڑی۔

"تم امی جان کو ٹیبلٹ دے دو لیکن ہاف دینا۔"

سمن خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے بے دردی سے کچل رہی تھی۔

"امی جان پلیز یہاں ہی لیٹ جائیں۔"

اس نے زبردستی انہیں لٹا دیا۔ اور خود ان کے قریب بیٹھ کر نرم نرم ہاتھوں سے سر میں مساج کرنے لگی۔

"آپی۔" مبشر نے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر مجھے وہ شخص پسند نہ آیا تو میں۔ میں پھر ابا جی کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ۔"

اس کی آواز آہستہ اور لہجہ مضبوط تھا۔ انعم نے اس کی طرف دیکھا۔ کھلنڈرا اور شوخ سا مبشر بے حد سنجیدہ سا اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اور باوجود ضبط کی کوشش کے مبشر کی اس محبت پر انعم کی پلکیں بھیگ گئیں اور وہ سر جھکائے آنسو پینے کی کوشش کرنے لگی۔

■■■

"پھپھو۔ پھپھو شاہ زیب ایسے کیوں ہیں وہ اس طرح کیوں بی ہیو کرتے ہیں میرے ساتھ۔"

زارا زینت فاطمہ کی گود میں سر رکھے رو پڑی۔

"زارا میری جان کیا ہوا کیا کہا زیب نے۔"

زینت فاطمہ پریشان ہو گئیں لیکن زارا روئے چلی گئی۔

"زارا۔ زارا بچے حوصلہ کرو۔ کیا کہہ دیا زیب نے کچھ مجھے بھی تو بتاؤ۔"

زینت فاطمہ نے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے نرمی سے پوچھا تو اس نے سر اٹھا کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"پھپھو۔"

اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں سے اب بھی آنسو بہہ رہے تھے۔ زینت فاطمہ نے بہت پیار سے اس کے آنسو پونچھے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے ہولے ہولے تھپکنے لگیں۔ کچھ دیر بعد زارا نے ان سے الگ ہو کر ہاتھوں کی پشت سے اپنا چہرہ صاف کیا۔

"اب بتاؤ چندا کیا بات ہے۔"

زینت فاطمہ نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

"پھپھو آج چھ دن ہو گئے ہیں شاہ زیب مجھ سے بات نہیں کر رہے۔ حالانکہ پھپھو میں۔ میری کوئی غلطی بھی تو نہیں، وہ صرف اتنی سی بات پر مجھ سے خفا ہو گئے ہیں۔ کہ میں نے فون کیوں ریسیو کیا۔ حالانکہ میں نے سوری بھی کر لیا ہے اور وعدہ بھی کیا ہے کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ یہاں بڑی حویلی میں خواتین فون ریسیو نہیں کرتیں۔ پھپھو بتائیں نا میری غلطی کہاں ہے؟" اس کی آنکھیں پھر نم ہو گئیں۔

"پاگل ہے وہ میں سمجھاؤں گی اسے۔"

زینت فاطمہ نے پھر اسے گلے سے لگا لیا۔ زارا تو بڑی لاڈلی تھی گھر بھر کی۔ اظہار شاہ ہی نہیں تینوں بھائیوں نے بھی اسے ہتھیلی کا چھالا بنایا ہوا تھا بہت حساس بھی تھی۔ اور زینت فاطمہ جانتی تھیں کہ زارا اتنے لاڈ اور محبتوں کے باوجود بہت نرم مزاج کی تھی اس نے کبھی کوئی ضد نہیں کی تھی کبھی کسی کو اس سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ تینوں بھابیاں بھی اسے چاہتی تھیں یقیناً "شاہ زیب ہی زیادتی کر رہا تھا" اس کے ساتھ۔

"پھپھو یہ اتنی بڑی بات تو نہیں تھی جس پر اتنا خفا ہوا جاتا۔"

"ہاں میری چاند لیکن زیب ایسا ہی ہے۔ کبھی بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دیتا ہے اور کبھی چھوٹی سی بات کو مسئلہ بنا لیتا ہے۔"

"لیکن پھپھو مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کون سی بات کو وہ مسئلہ بنا لیں گے۔ اس طرح تو مشکل ہو جائے گی۔"

وہ معصومیت سے انہیں دیکھ رہی تھی، تب ہی شاہ زیب سلام کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اور ایک اچٹتی سی نظر زارا پر ڈالی اور پھر زینت فاطمہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"پھپھو شاہ جی پوچھ رہے ہیں آپ کی تیاری مکمل ہے ایک دو روز میں شاہ رخ بھائی آ رہے ہیں۔ تو پھر آپ کو ان کے ساتھ جانا ہو گا۔"

"میری تیاری کیا بیٹا جب شاہ رخ آیا چل دوں گی۔ اور۔ تم ادھر بیٹھو میرے پاس اور یہ میری بیٹی کو کیا کہا ہے۔"

"میں نے کیا کہنا ہے پھپھو۔"

شاہ زیب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا' زارا کے بالکل سامنے۔

"بری بات ہے بیٹا۔ ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔ اور تم دونوں ناراض بھی ہو گئے ہو ایک دوسرے سے۔"

"پھپھو میں نہیں یہ ناراض ہیں۔"

زارا نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائی تھیں۔ شاہ زیب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ روئی روئی سرخ آنکھیں۔ خفا خفا سی وہ اس کے دل میں اتری جا رہی تھی۔ جذبات میں یکدم ہلچل سی پیدا ہوئی تھی۔ اتنے دنوں سے وہ اس سے دور تھا۔ بات تک نہیں کر رہا تھا۔ اور اب یکدم ہی اس کے دل میں اس کی قربت کی خواہش جاگ اٹھی تھی۔ وہ دھیمے سے مسکرایا۔

"پھپھو سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی کیا تم خود مجھے منا نہیں سکتی تھیں۔"

زارا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

اس کی آنکھیں جذبے لٹا رہی تھیں۔ اور اتنے دن سے وہ کس قدر کٹھور ہو رہا تھا۔ کیا اس نے منانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کتنی ہی بار تو سوری کیا تھا۔

"شام کو تیار رہنا اونچی حویلی چلیں گے' ابرار بھائی کا فون آیا تھا۔"

شاہ زیب نے یونہی گہری گہری نظروں سے اسے تکتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر سرخی بکھر گئی۔ اور وہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"اچھا پھپھو میں چلتا ہوں' پیراں جوڑ میں جلسہ ہے۔ مجھے شاہ جی کے ساتھ وہاں جانا ہے"

جاتے جاتے پھر اس نے ایک اندر تک اترتی نظر اس پر ڈالی تھی۔ وہ محجوب سی ہو کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"بیٹا مرد ہمیشہ اپنی انا کو اونچا رکھنا چاہتا ہے۔ وہ عورت کو جھکا کر خوش ہوتا ہے۔ خصوصاً" ہمارے خاندان کے مرد تو اپنی انا کا پرچم ہمیشہ بلند رکھتے ہیں۔ شاہ زیب بھی ایسا ہی ہے۔ بچے کبھی اس کی انا کو چیلنج نہ کرنا۔" زارا نے سر ہلا دیا۔

اس نے تو اب بھی ایسا کچھ نہیں کیا تھا لیکن شاہ زیب' پتا نہیں وہ شاہ زیب کو سمجھ بھی پائے گی یا نہیں۔ وہ اندر سے خوفزدہ سی ہو گئی' لیکن ابتدائی دنوں کی خوش فہمی نے اسے حوصلہ دیا۔ شاہ زیب کی وارفتگیاں اس کی محبتیں اس کی شدتیں۔ شاید پھپھو صحیح کہتی ہیں کہ وہ بہت پیار کرنے والا ہے' لیکن بس غصے کا تیز ہے۔ خیر۔ اب ایسا کچھ نہیں کروں گی کہ اسے غصہ آئے۔

"زارا ایک بات اور یاد رکھنا زیب کو کبھی غصہ مت دلانا کسی بات پر ضد مت کرنا۔ بحث مت کرنا۔ وہ بالکل شاہ جی کی طرح ہے وہ بھی ایسے ہی تھے جوانی میں۔ انہیں عورت کا بحث کرنا سخت ناپسند تھا۔"

"جی اچھا۔"

اس نے پھر سر ہلا دیا تھا۔

"لیکن پھپھو آپ چلی جائیں گی تو میں بہت اکیلا محسوس کروں گی۔ ایسا نہیں ہو سکتا آپ نہ جائیں اور بی بی جی چلی جائیں۔"

"نہیں' بی بی جی کا تو وہاں جا کر رہنا ممکن نہیں' پھر شاہ جی نے کہا ہے کہ مجھے ہی جانا ہے۔"

انہوں نے زارا کی طرف دیکھا۔ اب اسے کہاں خبر تھی کہ وہ خود کتنی آرزو مند ہیں لاہور جانے کی وہاں قاسم ہے۔ حسنہ ہے' شاہ ہرم اور شجاع ہے۔ جنہیں ابھی تک انہوں نے نہیں دیکھا۔ اور قاسم سے وہ مختصر سی ملاقات تو تشنگی بڑھا گئی تھی۔

ابھی تو سیدہ عظمیٰ شاہ ہے نا۔ تمہارا دل بہلا رہے گا۔ پھر زیب کے ہوتے تمہیں اداس ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

انہوں نے مسکرا کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔ لیکن زارا کا دل تو ان کے جانے کی خبر سن کر افسردہ سا ہو گیا تھا۔

"میں کہوں گی زیب سے کچھ دنوں کے لیے تمہیں لاہور چھوڑ جائے۔"

"سچ پھپھو۔"

اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

تب ہی سیدہ عظمیٰ شاہ نے دروازے سے جھانک کر اندر دیکھا۔

"ارے زارا آپی آپ یہاں ہیں۔ میں آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔"

وہ اندر ہی آ کر زینت فاطمہ کے پاس بیٹھ گئی۔

"بی بی جان کہہ رہی تھیں زارا سے کہہ دو شاہ زیب بھائی دو روز تک کراچی جا رہے ہیں وہ بھی تیاری کر لے کراچی جانے کی۔"

"نہیں۔۔۔"

زارا نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں بی بی جان کہہ رہی تھیں۔ آپ شادی کے بعد کہیں گھومنے بھی نہیں گئے اور پھر ماموں جان بھی دعوت دے رہے تھے کہ کراچی کا چکر لگائیں۔ تو بی بی جان کہہ رہی ہیں ہم سب کا جانا تو مشکل ہے۔ آپ زیب بھائی کے ساتھ چلی جائیں آؤٹنگ ہو جائے گی۔ آپ کی بھی۔ زیب بھائی نے تو جانا ہی ہے۔"

"شاہ زیب کیوں جا رہا ہے کراچی۔"

زینت فاطمہ نے پوچھا۔

"بی بی جان کہہ رہی تھیں شاہ جی اپنے کسی دوست کی شراکت میں وہاں کوئی کام شروع کر رہے ہیں۔ اور شاہ زیب بھائی اسی سلسلے میں جا رہے ہیں وہاں سب معاملات طے کرنے تو بی بی جان نے سوچا۔ زارا آپی بھی ساتھ ہی چلی جائیں۔ بعد میں پھر چند ماہ تک شاہ زیب الیکشن کے سلسلے میں بہت مصروف رہیں گے۔"

"تم زارا کو آپی کہہ رہی ہو عظمیٰ۔"

زینت فاطمہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"یاد ہے شاہ زیب اس بات پر کتنا ناراض ہوا تھا کہ اب زارا بھابھی کہا کرو۔"

"لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے پھپھو۔ آپی کہنے سے رشتے کی نوعیت بدل تو نہیں جائے گی۔ اب بچپن سے آپی کہتی آ رہی ہوں تو بس دھیان نہیں رہتا۔ پھر اگر بھابھی کو بہن کہہ دوں تو اس میں کیا حرج ہے۔"

"حرج تو کوئی نہیں لیکن شاہ زیب کو اچھا لگتا ہو گا کہ تم زارا کو اس کے حوالے سے پکارو۔ اور یہ شاید اس کی زارا سے محبت ہے۔ وہ بچپن سے ہی بہت پوزیسو ہے۔ اپنی چیزوں کو تو وہ کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک بار تمہارے ماموں کے بچے آئے ہوئے تھے ایک نے شاہ زیب کی گن اٹھا لی تھی اور شاہ زیب نے اس گن کو ہی توڑ پھوڑ کر پھینک دیا تھا۔"

"لیکن یہ نارمل رویہ تو نہیں ہے پھپھو۔"

زارا نے تبصرہ کیا۔

"بچپن میں بچوں کے ایسے رویوں کا نوٹس لینا چاہیے۔"

"لیکن اب تو کچھ نہیں ہو سکتا زارا آپی سوری بھابھی۔"

عظمیٰ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"اب شاہ زیب بھائی بچے تو رہے نہیں کہ آپ ان کی ایسی حرکتوں کا نوٹس لیں۔"

"لیکن یہ رویہ تکلیف دہ ہوتا ہے دوسروں کے لیے۔"

زارا سنجیدہ تھی اور اس کے ذہن میں شاہ زیب کے الفاظ گونج رہے تھے۔ کیسی غلط اور فضول باتیں کی تھیں اس نے۔

اس کا دل پھر رنجور ہو گیا۔

"کیا سارے مرد ایسے ہی ہوتے ہیں شاہ زیب جیسے شکی مزاج اور تھرڈ لے۔ لیکن نہیں سب مرد ایسے نہیں ہوتے اس کے بھائی بھی تھے اور پھر بابا ان سب کے دلوں میں عورت کا احترام تھا۔ وہ عورت کی حیثیت اور مقام کو تسلیم کرتے تھے۔ کتنا اچھا ماحول تھا اس کے گھر کا گو شاہ جی اور اس کے بابا سگے بھائی تھے، لیکن دونوں گھروں کے ماحول کا تضاد اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"پھپھو میں آپ کو بہت مس کروں گی۔"

عظمی شاہ نے لاڈ سے اپنا سر زینت فاطمہ کے کندھے پر رکھ دیا تو انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"یہاں زارا ہو گی نا۔ تمہارا دل بہلا رہے گا۔"

زارا کو دیکھنے کے لیے انہوں نے نظر اٹھائی تو کھلے دروازے سے نظر باہر برآمدے تک چلی گئی۔ جہاں کچھ متوحش اور پریشان سے شاہ بابا کھڑے تھے۔ شاہ بابا اندر کیسے آ گئے تھے۔ وہ تو اپنے حصے سے کبھی باہر نہیں نکلتے تھے۔ پھر اندرونی دروازہ کس نے کھولا۔

دن کے وقت تو دروازہ لاک نہیں ہوتا تھا بس یونہی بند کر دیا جاتا تھا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئیں۔

"شاہ بابا!"

سیدہ عظمی شاہ اور زارا شاہ نے ایک ساتھ باہر کی طرف دیکھا تھا۔ بچپن میں انہوں نے کئی بار شاہ بابا کو دیکھا تھا لیکن باشعور ہونے کے بعد ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ زارا شاہ تو بچپن میں جتنی بار بھی حویلی آتی تب ہی شاہ بابا کو دیکھ پاتی تھی۔ اگر وہ اظہار شاہ کے ساتھ آتی تب تو وہ ضرور شاہ بابا کو سلام کرنے جاتے تھے۔ لیکن عظمی شاہ دو سال پہلے تک شاہ بابا کو دیکھتی رہی تھی۔ دو سال پہلے تک وہ اکثر شام کو باغ کی طرف کھیلنے نکل جاتی تھی۔ تو شاہ بابا کبھی اپنی کوٹھری سے باہر بیٹھے نظر آ جاتے تھے تو وہ انہیں سلام ضرور کرتی تھی۔ اور شاہ بابا بھی مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیتے تھے۔ زینت فاطمہ غیر ارادی طور پر کمرے سے باہر نکل آئیں۔

"شاہ بابا آپ یہاں!"

شاہ بابا نے نظریں اٹھائیں۔ ان کی آنکھیں بالکل سپاٹ اور ویران سی تھیں۔ اور وہ ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ زینت فاطمہ نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ برآمدے میں آس پاس کوئی نہیں تھا۔ شاہ بابا بھی ادھر ادھر بے چینی سے دیکھ رہے تھے۔

"شاہ بابا آپ کسے ڈھونڈ رہے ہیں؟" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں میں تو کسی کو نہیں ڈھونڈ رہا۔"

وہ وہاں ہی زینت فاطمہ کے کمرے کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔

"آپ اندر ۔ حویلی میں کیسے آ گئے شاہ بابا۔"

زینت فاطمہ پر یکدم گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔

"ادھر سے۔"

انہوں نے برآمدے اور پھر صحن سے پرے اندرونی گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

برآمدے سے ادھر کھلا کشادہ صحن تھا اور پھر صحن کے اختتام پر عین وسط میں اندرونی دروازہ تھا کواڑ نیم وا تھے۔

"آپ بیٹھ جائیے نا شاہ بابا۔"

زینت فاطمہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں انہوں نے برآمدے میں پڑے موڑھوں کی طرف اشارہ کیا۔ "اچھا۔۔۔"

شاہ بابا مڑ کر موڑھوں کی طرف دیکھنے لگے اور پھر ہولے ہولے چلتے ہوئے موڑھے پر جا کر بیٹھ گئے اور زینت فاطمہ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

"آپ کون ہیں، میں نے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔"

"میں۔۔۔"

زینت فاطمہ اور گھبرا گئیں۔

"زینت فاطمہ ہوں آپ کی بھتیجی۔"

"اچھا۔۔۔"

وہ بغور انہیں دیکھنے لگے۔

"لیکن۔۔۔"

وہ تھوڑا سا ہنسے۔

"تم بھتیجی ہو تو میرا بھائی کہاں ہے۔"

"داجی تو کب کے فوت ہو گئے۔"

"فوت ہو گئے۔"

انہوں نے دہرایا۔

"داجی فوت ہو گئے، لیکن میں تو ان سے ملنے آیا تھا۔"

"داجی سے۔"

زینت فاطمہ نے غیر ارادی طور پر پوچھا۔

"نہیں۔ نہیں بڑے شاہ جی سے۔"

وہ یکدم کھڑے ہو گئے اور پھر مڑ کر پیچھے کمروں کی طرف دیکھنے لگے۔ زینت فاطمہ ساکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں۔

بڑے شاہ جی کے ساتھ باتیں کرتے ان کے کمرے سے نکل کر باہر آتے شاہ جی۔

"اچھا تم کاظم علی شاہ کی بیٹی ہو میں تمہارا چاچو ہوں۔"

تو کیا شاہ بابا کی یادداشت لوٹ آئی۔

"آپ۔۔۔ آپ کس سے ملنے آئے ہیں شاہ بابا!"

"میں۔۔۔"

انہوں نے الجھ کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"میں۔"

وہ سوچنے لگے ذہن پھر ایک دم تاریکیوں میں کھو گیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر پھر موڑھے پر بیٹھ گئے۔

"لیکن ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ۔۔۔"

تب ہی شاہ جی نے صحن میں قدم رکھا۔ اور دروازے کو زور سے بند کیا زینت فاطمہ نے مڑ کر انہیں دیکھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتے صحن کو عبور کر کے برآمدے میں آ گئے۔ زینت فاطمہ کا رنگ پیلا پڑ گیا۔

"سیدہ زینت فاطمہ آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں اور یہ شاہ یہاں کیسے آئے ہیں۔ کیا کر رہے ہیں یہ یہاں۔"

شاہ بابا بے نیازی سے پاؤں کے انگوٹھے کو زمین پر ہولے ہولے مار رہے تھے۔

"پتا نہیں شاہ جی۔۔۔ میری تو اچانک ہی نظر پڑی۔ تو یہ برآمدے میں کھڑے تھے۔"

"یہ شاداں گلاب بی بی۔ جیناں سب کہاں مر گئی ہیں۔"

وہ غصے سے دھاڑے تو برآمدے کے سرے پر بنے کچن سے گھبرائی ہوئی جیناں باہر نکلی۔

"جی، جی شاہ جی۔"

”کہاں مری ہوئی ہو تم سب۔“

”جی میں ادھر باہر تندور گرم کر رہی تھی۔ شاداں اور گلاب بی بی پچھلے صحن میں کپڑے دھو رہی ہیں۔“

ان کی اونچی آواز سن کر بی بی جان بھی اپنے کمرے سے نکل آئی تھیں اور پھر وہ بھی شاہ بابا کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اور سوالیہ نظروں سے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

”خود ہی اندر آگئے۔“

زینت فاطمہ نے آہستگی سے بتایا۔

”چلئے شاہ بابا اپنے کمرے میں۔“

شاہ جی نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھ کر قدرے نرمی سے کہا۔

”نہیں میں ادھر ہی رہوں گا یہ جگہ اچھی ہے۔“ شاہ بابا نے اٹھنے سے انکار کر دیا۔

”وہ جگہ بھی اچھی ہے شاہ بابا اٹھیے۔“

شاہ جی نے پھر کہا۔

”نہیں یہ جگہ اچھی ہے اتنی بڑی۔“

انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

”اور یہاں۔“

انہوں نے سر اٹھا کر سامنے کھڑے شاہ جی‘ بی بی جان اور زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

”اور یہاں یہ بھی ہے میری بھتیجی۔ وہاں میں اکیلا ہوں نا‘ ڈر لگتا ہے۔“

شاہ جی نے چونک کر زینت فاطمہ کو دیکھا۔ ان کی آنکھیں خون چھلکانے لگی تھیں۔

”یہ۔ شاہ بابا نے پوچھا تھا کہ تم کون ہو تو میں نے بتایا تھا کہ میں بھتیجی ہوں ان کی۔“

زینت فاطمہ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

”بھتیجی ہے نا یہ۔“

شاہ بابا کی آنکھوں سے اشتیاق جھلکنے لگا۔

”نہیں۔“

شاہ جی کے لہجے میں جانے کیا تھا کہ زینت فاطمہ کا دل اندر ہی اندر لرز گیا۔

شاہ بابا کی آنکھیں بجھ گئیں اور ان کے چہرے پر کرب پھیل گیا۔

”جھوٹ بولا تھا اس نے جھوٹ۔“

وہ زیر لب بڑبڑائے ”میرا کوئی نہیں ہے میں اکیلا ہوں۔ بالکل اکیلا۔“

”کرم داد‘ کرم داد کمالے۔“

شاہ جی تیزی سے چلتے ہوئے صحن کے دروازے تک آئے اور دروازہ کھول کر آواز دی تو زینت فاطمہ اور بی بی جان اپنے کمروں میں چلی گئیں۔ کرم داد نے اندر آکر شاہ بابا کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔

”نہیں نہیں مجھے مت لے کر جاؤ‘ مجھے مت مارو۔“

شاہ بابا چلا رہے تھے اور کرم داد انہیں بازو سے پکڑ کر تقریباً ”گھسیٹتا ہوا لے جا رہا تھا۔

■■■

”تم یقین کرو ماہ وہ سو فیصد ندا تھی۔ ندا کی آنکھیں سیاہ ہیں لیکن دور سے مجھے اس لڑکی کی آنکھیں کچھ گرین گرین سی لگی تھیں شاید لینس لگا رکھے ہوں۔“

علینہ ابھی تک اسی بات میں الجھی ہوئی تھی حالانکہ اسے ماہ نور کے گھر آئے آدھا گھنٹا ہو چکا تھا۔

”چلو مان لیا وہ ندا ہی ہوگی لیکن تم کیوں اتنا الجھ رہی ہو۔“

ماہ نور نے اروناکے بالوں میں پونی لگاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”یار مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ لوگ کتنے دوغلے ہوتے ہیں۔ جامعہ میں وہ عبایا پہن کر آتی ہے حجاب لیا ہوتا ہے اس نے‘ سوائے آنکھوں کے کچھ نظر نہیں آ رہا ہوتا ہے۔ کامن روم میں بھی وہ عبایا نہیں اتارتی۔ دو تین بار سب کے اصرار پر اس نے کچھ دیر کے لیے حجاب چہرے سے ہٹایا تھا۔“

”آپی میں جاؤں۔“

اروناپال بنوا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

”جاؤ۔“

ماہ نور نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر علینہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”ہوگی کوئی مجبوری‘ علینہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس کے رشتہ دار اس کا جامعہ جانا پسند نہ کرتے ہوں اور وہ پڑھائی کے شوق میں عبایا پہن کر آتی ہو تاکہ کوئی اسے پہچان نہ لے۔“

”لیکن اس وقت تو وہ بڑے ماڈرن لباس میں تھی۔“

علینہ کو ابھی تک حیرت تھی۔

”خیر کچھ لوگ بڑے ماڈرن ہوتے ہیں۔ پیسہ بھی ہوتا ہے ان کے پاس لیکن وہ لڑکیوں کی زیادہ تعلیم پسند نہیں کرتے۔ جیسے ہمارے ماموں جان ہیں۔ اماں بتا رہی تھیں۔ ایک سے ایک بہترین اور قیمتی ڈریس آتا ہے گھر میں بچوں کے لیے لیکن وہ لڑکیوں کی تعلیم کے سخت خلاف ہیں۔ انعم بے چاری نے تو میٹرک ہی کیا ہے حالانکہ بہت لائق اور ذہین ہے حمنہ خالہ نے بتایا تو تھا۔“

ماہ نور نے اسے الجھن سے نکالنے کی کوشش کی۔

”ہاں یاد آیا اسفر بتا رہے تھے کہ انعم کے رشتے کے لیے بھی کچھ لوگ آ رہے ہیں۔“

”کراچی سے واپس جانے کے بعد اسفر بھائی کا فون آیا کوئی؟۔“

ماہ نور نے پوچھا۔

”سخت کنجوس ہیں تمہارے یہ ماموں زاد میں نے ہی دو تین بار کیا۔ آج بھی بات ہوئی ہے۔“

علینہ نے برا سا منہ بنایا۔

”میرے ماموں زاد تمہارے پھوپھی زاد بھی ہوتے ہیں۔“

ماہ نور کا موڈ آج بہت اچھا تھا۔ نصیر احمد بہت امپروو کر رہے تھے۔ منصور نے انہیں جس فزیو تھراپسٹ کے پاس لے جانا شروع کیا تھا وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ قابل تھا اس نے یقین دلایا تھا کہ چھ ماہ تک انشاءاللہ نصیر احمد خان اپنے پاؤں پر چلنے لگیں گے۔

”دراصل گھٹنوں کے نیچے کے پٹھے دب گئے ہیں۔ اس وقت کسی نے خیال نہیں کیا ورنہ اتنی تکلیف نہ اٹھانی پڑتی۔ پھر مسلسل بیٹھنے اور لیٹے رہنے سے پٹھے سکڑ گئے ہیں۔ بہرحال دنیا امید پر قائم ہے۔“

ڈاکٹر نے کہا تھا جس سے سب ہی بہت خوش تھے۔

”بلکہ۔“

وہ علینہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

”کچھ اور بھی شاید مستقبل قریب میں۔“

”پتا نہیں۔“

علینہ کچھ مایوس سی تھی۔

”میں نے تمہیں مما اور پپا کے درمیان ہونے والی گفتگو بتائی تو ہے۔“

”لیکن اسفر بھائی نے تمہیں تسلی بھی تو دی ہے نا۔“

ماہ نور کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"لیکن سوچو تو اگر مما نہ مانیں تو۔"
علینہ نے اس کی طرف دیکھا۔
"میں غلط بات کیوں سوچوں۔"
ماہ نور کھڑی ہو گئی۔
"مجھے پتا ہے آنٹی تمہاری ہر ضد مان لیتی ہیں بالآخر۔"
"یہ تو ہے۔"
علینہ کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی تھی۔
بچپن سے لے کر اب تک وہ اپنی ہر ضد منواتی چلی آئی تھی اور اب بھی اگر وہ ضد پر اڑ گئی تو مما کو ہار ماننا ہی پڑے گی۔ لیکن اللہ کرے ایسا موقع ہی نہ آئے اور کچھ ایسا ہو کہ مما خود ہی اس سفر کے لیے رضامند ہو جائیں۔
"یہ تم کیوں کھڑی ہو گئی ہو۔"
اس نے ماہ نور سے پوچھا۔
"دیکھوں ذرا یہ روما اور اریج کیا کر رہی ہیں؟ اتنی دیر سے کچن میں گھسی ہیں ابھی تک چائے تیار نہیں ہوئی۔"
"وہ کام کم اور باتیں زیادہ کر رہی ہوں گی۔ پتا نہیں کتنی باتیں ہیں ان کی جو ختم ہی نہیں ہوتیں۔ تم بیٹھو آ جائے گی چائے۔"
علینہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا۔
"بلکہ ایسا کرو جا کر چائے منع کر دو اگر روما صرف ہمارے لیے چائے بنا رہی ہے تو۔ تمہیں پتا تو ہے اریج تو چائے بالکل نہیں پیتی اور میں بھی کوئی زیادہ شوقین نہیں ہوں چائے کی۔ ایسا کرتے ہیں ابھی خضر بھائی آئیں گے تو ان کے ساتھ باہر چلیں گے گھومنے۔ کسی اچھی سی جگہ سے اچھی سی کافی پئیں گے یا پھر پراٹھ جائیں گے۔"
"علینہ!"
ماہ نور نے مصنوعی حیرت سے اسے دیکھا۔
"یہ جامعہ جا کر تم کچھ زیادہ آزاد نہیں ہو گئی ہو۔"
"تو اپنے بھائی کے ساتھ جائیں گے نا کسی غیر کے ساتھ تو نہیں جائیں گے۔"
ماہ نور بے اختیار ہنس دی۔
"یہ اردو محاوروں سے تمہیں کب سے دلچسپی ہو گئی ہے۔"
"سچ کہہ رہی ہو ماہ وہ سارا، حفصہ ہیں نا، وہ تو ہفتے میں دو بار باہر ڈنر کرتی ہیں۔ سمندر پر جاتی ہیں اور ہم مہینوں باہر نہیں نکلتے۔ گھر، یونیورسٹی، کالج اور لے دے کے تمہارے گھر یا پھر اب آنٹی حمیرا آئی ہیں کینیڈا سے تو ان کے گھر کبھی کبھار یعنی ملا کی دوڑ مسجد تک۔"
"ر کی عینا۔"
اب کے ماہ نور کھلکھلا کے ہنس دی۔
"تم تو واقعی محاوروں میں ماہر ہو گئی ہو۔"
"مذاق نہیں یار منع کرو روما کو چائے بنانے سے میں انکل نصیر سے اجازت لے لوں گی۔"
"چائے تو ابھی سب نے پینی ہے ابا، اماں، دادی، سب نے، دراصل دادی سو رہی تھیں تو اماں نے کہا جب وہ جاگیں گی تو بنا لینا۔ سو جب تم آئیں تو میں چائے بنانے ہی جا رہی تھی۔"
"بس میں نے کہہ دیا کہ ہم باہر جائیں گے خضر بھائی کے ساتھ۔"
وہ کھڑی ہو گئی اور دروازے سے جھانک کر روما کو آواز دی۔
"روما ڈیر ہمارے لیے چائے مت بنانا۔"

ے تو بن گئی ہے آپی بس پکوڑے تل رہی تھی۔"
نے کچن سے نکل کر جواب دیا اور پھر کچن میں چلی گئی جہاں اریج چولہے کے پاس کھڑی کڑاہی میں سے
ے نکال رہی تھی۔
تلے ہیں کافی ہیں مزید مت تلنا۔"
نے اونچی آواز میں کہا اور حیرانی سے اپنی طرف تکتی ماہ نور کے کندھے پر ہاتھ مارا۔
و اٹھو خضر بھائی کے آنے سے پہلے تیار ہو جاؤ۔"
ن عینا۔"
ور یونہی بیٹھی رہی۔
بور نہیں ہوتی ہو یار ایک ہی جیسی روٹین لائف سے دن بھر بچوں کے ساتھ مغز کھپانا اور پھر گھر میں بھی
تھوڑا سا لائف میں چینج ہو تو آدمی ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔"
انعال حیدر کے پاس پیسے کی فراوانی تھی لیکن اندھی آزادی نہ تھی۔ وہ پرانی اقدار کی قدر کرتے تھے۔ بچوں پر
پابندی نہ تھی وہ کبھی کبھار آؤٹنگ پر بھی ساری فیملی کو لے جاتے تھے لیکن ایسا نہیں تھا کہ شتر بے مہار کی
روز روز بچیاں آؤٹنگ کے لیے جاتی رہیں۔
بھی اس وقت تمہارے دماغ میں یہ کیڑا کیسے کلبلایا ہے۔"
ور بدستور بیٹھی ہوئی تھی۔
بات یہ ہے ماہی بی کہ میرا دل آج اداس ہے۔ کیوں یہ مجھے بھی نہیں معلوم اور میں چاہتی ہوں کہ کسی طرح یہ
ختم ہو جائے اور یہ جو تم سوچ رہی ہو نا کہ میں یونیورسٹی جا کر کچھ بدل گئی ہوں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔ میں خود ہر
گھر سے باہر رہنا پسند نہیں کرتی سمجھیں۔۔۔ لیکن اس وقت ہم جائیں گے۔"
اس نے آخری جملہ چبا چبا کر کہا۔
چائے ادھر لاؤں یا ادھر ابا کے کمرے میں سب اکٹھے پئیں گے۔"
نرل دروازے سے جھانک رہی تھی۔
ادھر ہی لے چلو۔"
علینہ نے جواب دیا اور پرس سے موبائل نکال کر نمبر ملانے لگی۔ ماہ نور اسے دیکھنے لگی۔
ہیلو خضر بھائی۔"
ملا کر اس نے موبائل کانوں سے لگایا۔
آپ کو پپا کا میسج مل گیا تھا۔"
ہاں میں ابھی آفس میں ہی ہوں بس کچھ دیر میں آ رہا ہوں۔"
ذرا جلدی آیئے گا۔"
لیکن۔"
نور نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے روک دیا۔
لیکن ویکن چھوڑو اور آؤ روما بلا رہی ہے۔"
علینہ اور ماہ نور ایک ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ طیبہ بیگم کے ہاتھ میں کوئی قمیص تھی جس کی
کر رہی تھیں۔ دادی ان کے پاس ہی بیٹھی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور نصیر احمد اخبار دیکھ رہے
اریج اور نرل میز کے پاس کھڑی تھیں۔ نرل چائے کپوں میں ڈال رہی تھی۔
ادھر بیٹھو۔"
لی خانم نے اپنے پاس پڑے کپڑے اٹھا کر ایک طرف کیے اور نرل کی طرف دیکھا۔

"بیٹا بہنوں کو پکوڑے اور بسکٹ دو اور یہ بچے کہاں ہیں انہیں بلاؤ۔"

"دادی جان پلیز مجھے تو کچھ نہیں لینا اگر اس وقت پکوڑے کھا لیے تو پھر باہر کچھ نہیں کھایا جائے گا۔"

نصیر احمد خان نے اخبار تکیے کے پاس رکھ دیا تھا اور نرمل کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔

"انکل میں نے اریج وغیرہ کو ٹریٹ دینی ہے۔ وعدہ کیا تھا ان سے اور اسی لیے میں نرمل اور ماہ نور کو لینے آئی ہوں۔"

"کس بات کی ٹریٹ بیٹا۔"

نصیر احمد مسکرائے۔

"وہ... انکل میں نے مباحثے میں انعام جیتا ہے نا فرسٹ انعام اردو مباحثے میں۔"

"پھر تو مبارک ہو بہت۔"

وہ خوش دلی سے مسکرائے۔

"تو بیٹا اس کے لیے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک مٹھائی کا ڈبا لے آتیں۔"

سلمیٰ خانم نے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ دراصل دادی یہ جو اریج ہے نا یہ ضد کر رہی تھی پزا کھانے کی۔"

اریج نے دادی کی طرف پکوڑوں کی پلیٹ بڑھاتے ہوئے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"کمال ہے گھر سے چلتے وقت تو کسی ٹریٹ وغیرہ کا ذکر نہ تھا یہ اچانک۔"

پاس کھڑی علینہ نے ہولے سے اس کے بازو پر چٹکی بھری تو اپنے خیالوں سے چونک کر اس نے گھورا۔ جواباً علینہ مسکرا دی اور نصیر احمد خان کے طرف دیکھنے لگی۔

"تو انکل اجازت ہے میں ماہا اور رومی کو ساتھ لے جاؤں خضر بھائی ہوں گے نا ساتھ ہم زیادہ دیر نہیں لگائیں گے۔ جلد آجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے چلے جاؤ لیکن بیٹا ہم نے کیا قصور کیا ہے۔" وہ مسکرائے۔

"کیا ہمیں ٹریٹ نہیں ملے گی۔"

"وہ انکل ہم واپسی پر آپ کے لیے پیک کروا لائیں گے۔"

"ارے ارے نہیں بیٹا میں تو مذاق کر رہا تھا۔" "ویسے ٹاپک کیا تھا مباحثے کا۔"

"وہاں۔"

فوری طور پر علینہ کو کوئی ٹاپک ہی نہیں سوجھ رہا تھا۔

"میں ذرا خضر بھائی کا پتا کروں کتنی دیر میں آئیں گے۔" اس نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"ہاں بیٹا کر لو اور کہنا جلدی آئے۔"

طیبہ خاتون نے قمیص لپیٹ کر ایک طرف رکھی اور نرمل کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا۔

"ہاں تو بیٹا کیا ٹاپک تھا۔"

نصیر احمد خان چائے کی چسکیاں لے رہے تھے۔

"جھوٹ کامیاب زندگی کی ضمانت ہے۔"

اریج نے جواب دیا ابھی کچھ دن پہلے ہی ان کے کالج میں اس موضوع پر مباحثہ ہوا تھا۔ علینہ نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم نے فیور میں تقریر کی یا مخالفت میں۔" نصیر احمد نے پوچھا تو اس نے بوکھلا کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔ اریج نے پھر مدد کی۔ "انکل علینہ نے مخالفت میں تقریر کی تھی۔"

...ل کے زمانے میں میں بھی مباحثوں میں حصہ لیا کرتا تھا۔ اردو انگلش' پنجابی اور ہمیشہ فرسٹ آتا تھا۔"

...مد کو ماضی کی کئی یادوں نے جکڑ لیا تھا۔

...نوں چپکے سے باہر آگئیں۔ کچھ دیر بعد اریج اور نرمل بھی ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں اور اب اریج ہنس رہی...

...تھے بیٹھے کیا پلان بنا لیا اچانک' کون سی ٹریٹ کون سا مباحثہ عینا تم نے زندگی میں کبھی تقریر کرنا تو کجا تقاریر ...ی نہیں۔ جب بھی کالج میں ڈیبیٹس ہوتی تھی تو چھٹی کر لیتی تھیں۔"

...س بنا لیا پلان۔"

...صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔

...میرا جی چاہ رہا ہے آج خوش ہونے کو۔"

...کیا پزا کھا کر تم خوش ہو جاؤ گی عینا۔"

...نور نے سنجیدگی سے پوچھا۔

...نہیں لیکن میں کوشش تو کر سکتی ہوں نا خوش ہونے کی۔ اور پھر خوشی پزا کھانے سے نہیں تمہاری کمپنی ...ملے گی۔"

...علینہ نے اسی طرح صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے لگائے جواب دیا۔

"اور ہاں تم نے تیار نہیں ہونا۔"

"میں ٹھیک ہوں۔"

...ماہ نور نے اپنا جائزہ لیا۔

"ہاں بھئی تمہیں تیاری کی ضرورت بھی نہیں ہے تم ہر روپ میں' ہر حال میں اچھی لگتی ہو۔ وہ کیا کہتے ہیں ...مشاطہ نیست روئے دلا رام را۔"

"عینا تم اور فارسی۔"

ماہ نور نے سر سے پاؤں تک اس کا جائزہ لیا۔

"دراصل۔"

عینا نے سر کھجایا۔

"وہ ندا ہے نا یار اسے فارسی' اردو' پنجابی ہر طرح کے شعر وقت بے وقت پڑھنے کا شوق ہے اور اس کی دیکھا ...بھی ہم تینوں بھی یعنی سارا حفصہ میں بھی۔ کوشش کرتی ہوں یاد رکھنے کی۔"

"خضر بھائی آئے ہیں خضر بھائی آئے ہیں۔"

صحن میں موجود زوہیب اور دانیال نے شور مچایا تو یکدم ماہ نور کا دل زور سے دھڑکا اور علینہ جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"کہیں خضر بھائی پہلے انکل کی طرف ہی نہ چلے جائیں اور بھانڈا پھوٹ جائے۔"

وہ تیزی سے باہر نکلی تھی اور زوہیب و دانیال کی خیریت پوچھتے خضر کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"خضر بھائی پہلے ذرا ادھر آیئے گا۔"

اس کی ساری بات سن کر خضر نے سر ہلایا۔

"لیکن یہ ٹریٹ تم دے کس خوشی میں رہی ہو۔"

"ٹریٹ تو آپ دیں گے خضر بھائی۔"

علینہ کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"میں وہ بھلا کس خوشی میں۔" "وہ جو اتنا بڑا پروجیکٹ ملا ہے آپ کو اس خوشی میں۔"

"لیکن آج کی ٹریٹ تو تمہاری طرف سے ہی ہو گی میری طرف سے پھر کبھی سہی۔"

وہ علینہ کے ساتھ باتیں کرتا ہوا ڈرائننگ روم کے دروازے تک آیا۔ ماہ نور اس طرح بیٹھی تھی خضر نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی۔

"کیسی ہو ماہ نور؟"

"اچھی ہوں السلام علیکم۔"

اسے ایک دم خیال آیا کہ اس نے خضر کو سلام تو کیا ہی نہیں اور اس بات پر ایک بار خضر اسے ٹوک چکا تھا۔ خضر نے اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لیے ذرا سا رخ موڑ لیا۔ لیکن پھر اسے دیکھنے کی خواہش کو نہ دبا سکا تو مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر اس نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔ اس سمے وہ اتنی معصوم اتنی دلکش لگ رہی تھی کہ خضر لمحہ بھر کے لیے اپنی نظریں اس کے چہرے سے نہ ہٹا سکا لیکن دوسرے ہی لمحے علینہ کی موجودگی کا خیال کر کے اس نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں اور بڑے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"اور تمہارا اسکول کیسا جا رہا ہے۔ سب ٹھیک ہے نا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

علینہ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ لیے دونوں کو واچ کر رہی تھی۔

"او کے تم لوگ اٹھو میں انکل اور پھپھو سے مل لوں۔"

"میں ذرا دیکھوں نرمل تیار ہوئی ہے یا نہیں۔"

علینہ کی گہری نظروں سے گھبرا کر ماہ نور باہر نکل آئی۔ تب ہی منصور گھر میں داخل ہوا۔ زوبیہ نے دروازہ بند کیا اور غالباً" منصور کو خضر اور علینہ وغیرہ کے آنے کا بتایا۔ تو منصور نے ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"خضر بھائی آئے ہیں۔"

"ہاں ابا کے کمرے میں ہیں۔"

ماہ نور اسے بتا کر روبا کو بلانے چلی گئی جو اپنے کمرے میں تھی۔ منور نصیر احمد کے کمرے میں چلا گیا۔

"یار بہت وقت پر آئے ہو۔"

خضر نے اس سے ہاتھ ملایا تو اس نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"علینہ ہمیں ٹریٹ دے رہی ہے چلو تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔"

"نہیں۔"

منصور نے تھکے تھکے انداز میں اس کی طرف دیکھا اور پھر نصیر احمد کے پاس بیٹھ گیا۔ نصیر احمد نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ تھکن اس کے چہرے سے ہویدا تھی۔ نصیر احمد کا دل دکھ سا گیا۔ کتنا سنجیدہ ہو گیا ہے اور کتنا خاموش۔ انہوں نے بے اختیار ہی اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"بیٹا کیوں تھکتے ہو اتنا یہ اس ٹائم کی ٹیوشن چھوڑ دو۔"

"نہیں ابا۔"

اس نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر ہولے سے دبایا۔

"میں تھکتا نہیں ہوں۔ بس وہ آج صرف ویگن کا مسئلہ تھا جو بھی ویگن آتی رکے بغیر ہی چلی جاتی تھی۔" خضر نے نصیر احمد کی آنکھوں میں چمکتا پانی دیکھا تو قدرے خوشگوار لہجے میں منصور سے کہا۔

"اٹھو یار تھوڑی سی تفریح ہو جائے گی۔ فریش ہو جاؤ گے۔"

"چلے جاؤ منوں بیٹے بھائی اتنا کہہ رہا ہے۔"

دادی نے بھی کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں خضر بھائی۔"

سب کو خدا حافظ کہہ کر باہر آتے ہوئے خضر نے سوچا۔

منور کے پاس اگر بائیک ہو جائے تو اسے آنے جانے میں آسانی ہو جائے گی لیکن یہ بائیک کیسے منوں کو دی کہ اس کی خودداری مجروح نہ ہو۔

یونہی بے دھیانی میں چلتا ہوا برآمدے میں پڑے تخت پر بیٹھ گیا اور بیٹھے بیٹھے مڑ کر اس نے سر موڑ کر دیکھا اور ماہ نور اپنے کمرے کے دروازے کے باہر کھڑی غالباً" اریج اور نرمل کا انتظار کرتے ہوئے سرگوشیوں میں کر رہی تھیں۔ خضر کی نظروں نے ایک لمحہ کے لیے ماہ نور کے سراپے کو اپنے حصار میں لیا۔

سیاہ چادر لپیٹے وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔

"تم بہت خاص ہو ماہا۔"

اس نے زیر لب کہا۔

"اور وہ لڑکی بے شک بہت حسین تھی لیکن تم تم ہو۔" اس کے تصور میں کل شام لفٹ لینے والی لڑکی کا چہرہ بلاشبہ بہت حسین تھی۔ ہلکی ہلکی گرین جھلک دیتی آنکھیں۔ وہ آفس سے کچھ جلدی اٹھا تھا کیونکہ اسے استعمال کی کچھ چیزیں خریدنا تھیں۔ سامان خرید کر وہ باہر نکلا تو اسے لگا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ لیکن آس پاس کوئی نہ تھا۔ وہ سر جھٹک کر پارکنگ کی طرف بڑھ آیا اور اپنے ہی دھیان میں مست وہ ہولے ہولے گنگناتے ڈرائیو کر رہا تھا کہ ایک سفید کرولا اسے اوور ٹیک کرتے ہوئے گزر گئی۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک نے ہاتھ دے کر اسے روکا۔

"جی۔"

اس نے بریک لگاتے ہوئے شیشہ تھوڑا سا نیچے سرکایا۔

"پلیز مجھے لفٹ چاہیے بس یہاں اگلے اسٹاپ پر اتار دیجیے گا۔"

ایک لمحہ کے لیے وہ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ لڑکی کوئی فراڈ بھی ہو سکتی ہے۔

"آپ ڈریے مت۔"

آواز میں بڑی نغمگی تھی۔

"میں آپ کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ پلیز مجھے بس اگلے اسٹاپ تک لفٹ دے دیں۔"

اب پتا نہیں وہ اس کی خوب صورتی سے متاثر ہوا تھا اس کے لہجے کی نزاہت اور نغمگی نے متاثر کیا تھا یا پھر انسانی ہمدردی کہ اس نے خاموشی سے پچھلے دروازے کا لاک کھول دیا۔

اسے لگا تھا جیسے اس لڑکی کو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے پرفیوم خریدتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن ویو مرر میں اس نے لڑکی اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہلکی گرین جھلک دیتی آنکھیں اور ان پر خمار پلکیں۔ لگتا تھا اللہ نے اسے دل کر حسن کی دولت سے نوازا تھا۔ لڑکی اگلا اسٹاپ آنے پر اس کا شکریہ ادا کر کے گاڑی سے اتر گئی۔ بیس منٹ کے اس عرصہ میں وہ بالکل خاموش رہی تھی۔ لیکن کوئی چیز تھی جو کل سے اس کے ذہن میں کھٹک رہی تھی۔ لیکن کیا یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"چلیے خضر بھائی۔"

اریج نے قریب آ کر کہا تو وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔

"چلیں۔"

چاروں پھنس پھنسا کر پیچھے بیٹھ گئی تھیں۔

"آپ تنگ تو نہیں ہو رہیں۔" منصور نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"نہیں تو میں نہیں جاتا ویسے بھی۔"

"بیٹھے رہو چپکے ہو کر۔" علینہ نے اسے ڈانٹا۔

"ہم بڑے آرام سے بیٹھے ہیں آگے پیچھے ہو کر اور کوئی بھی تنگ نہیں ہو رہا۔"

اریج اور روما تو مسلسل بولتی رہیں جبکہ ماہ نور اور علینہ خاموش تھیں۔

پارکنگ کے لیے جگہ کی تلاش میں خضر ادھر ادھر نظر دوڑا رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر سفید کرولا کے پاس کھڑی اسی لڑکی پر پڑی جو گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور یکدم اس کے ذہن میں روشنی سی کوندی۔ وہ جو چیز ذہن میں کھٹک رہی تھی یکدم شعور میں آ گئی تھی۔ اس نے اس لڑکی کی جھلک اس کرولا میں دیکھی تھی جو اسے اوور ٹیک کر کے گزری تھی اس کے پاس گاڑی تھی پھر اسے یاد آیا جب وہ لڑکی اس سے لفٹ مانگ رہی تھی تو اس نے سڑک سے ہٹ کر سائیڈ پر درخت کے نیچے سفید کرولا کھڑی دیکھی تھی۔ عین اسی وقت علینہ کی نظر بھی باہر گئی۔

"ماہا۔۔۔ماہ۔"

اس نے ماہ نور کا ہاتھ دبایا۔

"وہ دیکھو گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی وہ لڑکی وہ وہی ہے وہی شاپنگ پلازہ میں جو ملی تھی اور اس کے ساتھ وہی مرد ہے یہ بندا ہے۔"

اس نے سرگوشی کی تھی ماہ نور نے باہر دیکھنا چاہا لیکن خضر نے پارکنگ کی جگہ نہ پا کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"شبی بیٹا تم ملے تھے لڑکے سے 'کیسا ہے وہ؟"

حسنہ نے شبی کو پیپسی پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی بھابی کے متعلق تو کوئی اچھی بات نہیں سنی بہرحال اللہ بہتر کرے گا اور خدا کرے انعم کا نصیب اچھا ہو۔"

چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے لہجے کی افسردگی چھپا نہ سکی تھیں۔ مبشر نے ایک گہری سانس لی۔ اب وہ کیا کہتا کہ لڑکا کیسا ہے۔ بظاہر تو اس میں کوئی خرابی نہ تھی۔ سوائے عمر کے۔ اس رات کو حاجی عبدالستار کے ساتھ دونوں بھائی آئے تھے۔ میاں صلاح الدین نے ہی تعارف کروایا تھا۔

"یہ میرا بیٹا ہے مبشر ایف ایس سی کر رہا ہے اور یہ آصف صاحب اور یہ ان کے بھائی واصف ہیں۔ آصف جرمنی میں ہوتے ہیں۔"

مبشر نے دونوں سے ہاتھ ملایا تھا اور پھر آصف سے کافی دیر تک باتیں بھی کیں۔ آصف کی گفتگو میں شائستگی تھی۔ وہ ایجوکیٹڈ تھا اور اس کی خیالات اچھے تھے۔ شکل و صورت کا بھی مناسب تھا ہاں عمر کم از کم چالیس سال تو ہوگی بس یہی ایک پوائنٹ ایسا تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسے آصف میں کوئی برائی نظر نہیں آئی تھی بلکہ ایک حد تک وہ اس کی گفتگو سے متاثر ہوا تھا۔ اسے بات کرنے کا ہنر آتا تھا اور پھر مبشر خود کون سا اتنا بڑا تھا کہ وہ کوئی رائے دے سکتا بلکہ آصف کے لہجے میں اس سے بات کرتے ہوئے شفقت کا رنگ جھلک رہا تھا۔

اس وقت اسے اسفر بھائی کی کمی بہت محسوس ہوئی تھی۔ وہ ہوتے تو کم از کم آصف صاحب سے بات چیت کر کے ان کی شخصیت و کردار کے متعلق کچھ تو اندازہ لگا لیتے۔ لیکن اسفر کراچی سے سیدھے اسلام آباد گئے تھے اور ان کا پروگرام دو تین دن اسلام آباد میں بلند بخت کے پاس ٹھہرنے کا تھا۔ کھانے کے دوران بھی کتنی ہی بار اس نے سر اٹھا کر آصف اور پھر میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا تھا۔ میاں صلاح الدین بہت خوش اور مطمئن دکھائی دے رہے تھے جبکہ عذرا بیگم نے کچھ زیادہ بات نہیں کی تھی وہ بار بار کھو سی جاتی تھیں۔ آصف سے بھی ایک دو باتیں ہی کی تھیں۔ وہ کوئی فیصلہ ہی نہیں کر سکا تھا۔

وہ اگر شجاع کے ساتھ آصف کو کمپئیر کرتا تو آصف اس کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن اگر شجاع کو ہٹا کر وہ صرف آصف کی شخصیت اور گفتگو کا جائزہ لیتا تو آصف میں سوائے عمر کے اور کوئی خرابی دکھائی نہ دیتی۔ آصف جرمنی میں رہتے ہوئے بھی سگریٹ تک نہ پیتا تھا اور اس بات کو میاں صلاح الدین اور حاجی عبدالستار نے کتنی

ہوا تھا پھر بھی اس کا دل بجھا بجھا سا تھا۔ سب کے جانے کے بعد جب سمن نے کچن میں برتن سمیٹتے ہوئے ...ے کی طرف جاتے دیکھا تو بے چین سا ہو کر اسے پکارا تھا۔

"...کیسے ہیں شبی۔"

"...نہیں بس ٹھیک ہی ہیں۔"

...سمجھ ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا رائے دے۔

"...پھر بھی کچھ تو رائے قائم کی ہوگی تم نے۔"

...سمن اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"...میں کوئی رائے نہیں قائم کر سکا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"...شجاع بھائی جیسے ہیں۔"

...نے پوچھا۔

"...اگر انہیں شجاع بھائی سے کمپئیر کیا جائے تو وہ ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں لیکن اگر انہیں شجاع ...الگ کر کے دیکھیں تو ٹھیک ہی ہیں۔ اگر عمر کو نظرانداز کر دیا جائے تو۔"

"...نے کیا کہا؟"

...نے بے تابی سے پوچھا۔

"...نے پہلے ہی انہیں او کے کر دیا تھا۔ اب تو نکاح کی تاریخ طے ہونے کی بات ہو رہی تھی۔ غالباً" دو تین ...ان کی فیملی تاریخ طے کرنے آئے گی۔"

"...اب کیا ہوگا شبی۔ شجی بھائی کتنے اچھے ہیں نا' تم تو ان سے مل چکے ہو۔ میں نے تو بس حسنہ خالہ اور ...ان سے ان کی تعریف ہی سنی ہے۔ اللہ کرے اسفر بھائی آجائیں جلدی تو پھر میں ان سے کہوں کی وہ ایک بار پھر ...بات کریں سمجھائیں انہیں کہ۔۔۔۔"

"...کوئی ضرورت نہیں اباجی سے کچھ کہنے یا بات کرنے کی۔"

...انعم جو بچا ہوا سامان فریج میں رکھ رہی تھی یکدم کہا۔

"...جب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم کیوں پریشان ہو رہی ہو۔"

...مبشر نے بہت غور سے انعم کی طرف دیکھا تھا اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہ تھے نہ غم کے نہ خوشی کے وہ ہر ...کی طرح نارمل لگ رہی تھی۔

"...ایک دفعہ اسفر بھائی بھی بات کر لیں تو شاید۔"

...سمن نے اس کی بات کی ذرا بھی پروا نہیں کی تھی اور مبشر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"...ایسا کرو شبی تم اسفی بھائی کو اسلام آباد فون کر کے بلا لو۔ ان کی ڈیجیٹل ڈائری ان کے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑی ...اس میں ضرور بخت بھائی کا نمبر ہوگا۔"

"...سمن۔"

...انعم فریج کے پاس سے ہٹ کر ان کے قریب آ گئی۔

"...شبی اسفر بھائی کو فون مت کرنا اور پھر اسفر بھائی کی پہلے کون سے بات اباجی نے مان لی ہے جو اب مان لیں گے۔"

"...لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے آپی۔"

...مبشر کی بجائے سمن نے جواب دیا تھا۔

"...اس میں یہ حرج ہے سمو گڑیا کہ اسفی بھائی اباجی کی نظروں میں اور بھی گر جائیں گے۔ اباجی کو ان کی بات پسند ...آئے گی اور میں ایسا نہیں چاہتی۔ اسفی بھائی پہلے ہی اباجی کے رویے سے ڈسٹرب رہتے ہیں۔"

"...لیکن آپی تم خوش رہ لوگی۔"

سمن کو بے چینی سی تھی۔

"ہاں میرے لیے شجاع بھائی اور آصف ایک جیسے ہیں۔ میں دونوں کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ میں دونوں سے کبھی نہیں ملی ہاں شجاع بھائی ہماری بہت پیاری خالہ کے بیٹے ہیں۔ بس یہ فرق ہے۔ میرے لیے تو وہی محترم ہوگا جیسے میرے والدین منتخب کریں گے چاہے وہ شجاع ہو چاہے آصف۔"

"آپی تم بھی بس۔"

سمن نے منہ پھلا لیا تھا۔ مبشر یونہی کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا انعم کو دیکھ رہا تھا۔

"شبی تم بھی جاؤ جا کر آرام کرو اور اس مسئلے پر پریشان مت ہو اور نہ ہی ابا جی سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے تمہیں۔"

انعم کے لہجے میں شفقت در آئی تھی اس نے آہستہ سے مبشر کا ہاتھ چھوا۔

"جاؤ شاباش میں ابھی دودھ گرم کر کے رمضان کے ہاتھ بھجواتی ہوں سو جانا فضول مت سوچنا۔"

مبشر کچھ کہے بنا اپنے کمرے میں چلا آیا لیکن انعم کی تاکید کے باوجود اس نے صبح اٹھتے ہی ایک بار پھر میاں صلاح الدین سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ابا جی پلیز اپنے فیصلے پر ایک بار پھر غور کریں۔ آصف ایک اجنبی انسان ہے۔ مانا اپنی گفتگو اور بات چیت سے وہ کوئی برے شخص دکھائی نہیں دیتے لیکن آدمی کو پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لوگوں نے نہ جانے چہروں پر کتنے نقاب چڑھا رکھے ہیں۔"

ہمارا تو جرمنی میں کوئی بندہ جان پہچان والا بھی نہیں، جو تحقیق کر کے بتائے۔

میاں صلاح الدین نے بہت تحمل سے اس کی بات سنی تھی۔ اس دوران ان کے ہونٹوں پر گاہے گاہے مسکراہٹ آتی رہی وہ بڑے فخر اور مان سے مبشر کو دیکھ رہے تھے۔

"تم ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے جتنی بڑی باتیں کر رہے ہو۔ لیکن بہن کے لیے تمہاری یہ محبت اور پریشانی اچھی لگی مجھے۔ ایک بڑے میاں ہیں جنہیں گھر کی کسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں اور ہو بھی کیسے۔ نانی نے یہ دلچسپی پیدا ہی کب ہونے دی اور انہوں نے تم کو اپنا بہن بھائی کب سمجھا۔"

"نہیں ابا جی ایسی بات نہیں ہے اسفر بھائی ہم سب سے بہت محبت کرتے ہیں۔" مبشر نے ان کی وکالت کی تھی۔

"خیر تمہاری تسلی کے لیے یہ بتا دوں کہ حاجی صاحب کے ایک دو جاننے والے وہاں رہتے ہیں جہاں آصف رہتا ہے بلکہ ایک صاحب تو اسی جگہ کام بھی کرتے ہیں اور حاجی صاحب نے ان سے ساری معلومات لے لی ہیں۔ آصف میں ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ اسے رد کر دیا جائے۔"

وہ کہنا چاہتا تھا کہ شجاع بھائی میں بھی تو ایسی کوئی بات نہ تھی کہ انہیں رد کر دیا جاتا بلکہ وہ تو۔

لیکن وہ ان سے مزید بحث نہ کر سکا تھا اور میاں صلاح الدین اس سے نکاح کی تاریخ ڈسکس کرنے لگے تھے۔

عذرا بیگم خاموش تھیں ان پر ایک جامد چپ طاری ہو گئی تھی۔ حالانکہ انعم نے انہیں بہت تسلی اور حوصلہ دیا تھا لیکن ان کی چپ نہیں ٹوٹی تھی۔ میاں صلاح الدین نے جو کہا انہوں نے سر ہلا دیا۔ نکاح کی تاریخ طے پا گئی۔ پروگرام بن گیا انہوں نے کسی بھی بات میں اپنی رائے نہیں دی تھی۔ مبشر ان کے آس پاس ہی رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ سمن بھی ان کے ارد گرد منڈلاتی رہتی تھی۔

"جاؤ بچو اپنا کام کرو میں ٹھیک ہوں۔"

دو ایک بار انہوں نے مبشر کو ٹوکا تھا لیکن مبشر کو تو پتا نہیں کیوں وہم سا ہو گیا تھا جیسے وہ ٹھیک نہ ہوں۔ لیکن وہ بظاہر بڑی پرسکون سی لگتی تھیں۔

"عذرا بیگم اب وہ لوگ سو بندے لانے کو کہہ رہے ہیں تو کیا خیال ہے کراچی والوں کو بھی دعوت دے دی جائے۔"

"جو آپ کی مرضی میاں صاحب۔" عذرا بیگم نے فقط اتنا ہی کہا تھا۔

"شبی کے وقت تو ہم صرف گھر کے افراد تھے اس لیے میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کراچی والوں کو بلانا لیکن اب وہ لوگ سو بندے لانے کا کہہ رہے ہیں تو اچھا خاصا بڑا فنکشن ہو جائے گا اب ہم لڑکی والے ہیں منع تو نہیں کر سکتے اور اتنی بڑی دعوت ہو اور تمہارے بھائی، بھابی کو دعوت نہ دی جائے میرا خیال ہے تم آج فون کر دینا کراچی۔" انہوں نے خود ہی فیصلہ کر دیا تھا۔

"کراچی میں آپ کی اکلوتی بہن بھی ہے۔" عذرا بیگم نے انہیں یاد دلایا تھا۔

"ہاں اسے بھی فون کر دینا اور حمنہ کی طرف شبی کو بھیج دینا یا فون کر دینا۔"

"شبی تم چلے جانا۔"

میاں صلاح الدین کے جانے کے بعد انہوں نے مبشر سے کہا تھا۔ میاں صلاح الدین نے جو سلوک کیا تھا ان کے آنے پر اس کے بعد وہ دل ہی دل میں حمنہ سے شرمندہ تھیں۔

"مجھے حمنہ کو منع کر دینا چاہیے تھا جب میاں صاحب نے کہہ دیا تھا کہ انہوں نے ادھر ہاں کر دی ہے۔" انہوں نے جیسے اپنے آپ سے کہا تھا۔

مبشر نے ہولے سے ان کے ہاتھ تھپتھپائے تھے۔

"حمنہ خالہ بہت گریٹ ہیں اور بہت اعلیٰ ظرف ہے ان کا، انہوں نے مائنڈ نہیں کیا ہوگا بالکل اور پھر شجی بھائی کے لیے کوئی لڑکیوں کی کمی تو ہے نہیں۔ آپ فکر نہ کریں میں ابھی چلا جاؤں گا حمنہ خالہ کی طرف۔"

اور اب نتیجے کے طور پر وہ حمنہ خالہ کے سامنے بیٹھا تھا۔

"کیا سوچنے لگے بیٹا کیا آصف پسند نہیں آیا تمہیں۔"

حمنہ نے اسے خاموش دیکھ کر کسی قدر بے قراری سے پوچھا۔

"نہیں آصف بھائی ٹھیک ہیں بس۔"

"عذرا کیسی ہے، بہت پریشان تو نہیں۔"

اب وہ پوچھ رہی تھیں۔

"پتا نہیں امی جان مجھے کچھ صحیح نہیں لگ رہیں۔"

اس نے حمنہ کی طرف دیکھا۔

"خالہ جان پلیز آپ آج میرے ساتھ چلیں۔ امی جان آپ سے بہت قریب ہیں۔ ہم سے تو وہ کچھ نہیں کہہ رہیں لیکن پتا نہیں کیوں مجھے ڈر لگ رہا ہے وہ مجھے بیمار سی لگتی ہیں۔"

"اچھا میں شام کو چکر لگاؤں گی شجاع آیا ہوا ہے تم فکر نہ کرو۔ ماں ہے تھوڑا پریشان ہے ٹھیک ہو جائے گی۔"

"شجاع بھائی کب آئے اور کہاں ہیں؟"

"رات آیا تھا اس وقت دونوں بھائی کہیں باہر گئے ہیں۔ آتے ہوں گے۔ شجی کو کچھ شرٹ خریدنی تھیں۔"

"اور انکل۔"

"وہ ہسپتال چلے گئے ہیں ایک ایمرجنسی آپریشن تھا اور اسفر آ گیا کراچی سے؟"

"ہاں کراچی سے تو آ گئے تھے لیکن اسلام آباد میں ٹھہر گئے ہیں اپنے دوست کے پاس۔"

مبشر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اب چلتا ہوں۔"

"ارے کہاں چل دیے بیٹھ جاؤ۔ اب کھانا کھا کر ہی جانا۔ شاہرم اور شجاع آتے ہی ہوں گے۔"

"نہیں بس اب چلوں گا۔"

"بیٹھ جاؤ آرام سے۔" انہوں نے اسے گھرکا۔

"کب آنا ہوتا ہے تم لوگوں کا ادھر' میرے خیال میں دوسری یا تیسری بار آئے ہو تم میرے گھر۔ میں نے تو سوچا تھا اپنے وطن جاؤں گی اپنوں کی رفاقت ملے گی لیکن یہاں آکر بھی۔۔۔"

وہ شرمندہ سا ہو کر بیٹھ گیا۔ حمنہ جتنی بے تکلف تھیں اور جتنے اخلاص سے ان سے ملتی تھیں۔ وہ ایسے بے تکلف نہیں ہو سکے تھے۔ غالباً" میاں صلاح الدین کے مزاج کی وجہ سے۔

"تم چائے پیو گے؟"

"نہیں کچھ دیر پہلے ہی ناشتا کیا تھا۔ چھٹی تھی نا تو ناشتا بھی کچھ دیر سے کیا تھا۔"

"چلو پھر دونوں خالہ بھانجے سب کے آنے تک باتیں کرتے ہیں۔ شبی تم لوگ کبھی اپنی پھپھو کے گھر نہیں گئے۔"

"بس کبھی کراچی جانا ہی نہیں ہوتا۔"

مبشر نے ان کی طرف دیکھا۔

"کتنا پیارا رشتہ ہے یہ پھپھو کا اور تمہاری تو ایک ہی پھپھو ہیں اور جانتے ہو ان لوگوں کے حالات کیسے ہیں۔ میں کراچی گئی تھی تو تقریباً" روز ہی جاتی رہی طیبہ سے ملنے۔ دراصل عذرا' میری اور طیبہ کی بہت دوستی بھی تھی۔ کزن ہونے کے علاوہ۔ بہت پیارے بچے ہیں اس کے۔ بچیاں بہت سلجھی ہوئی اور سمجھدار ہیں۔"

وہ تفصیل سے اسے ان کے متعلق بتانے لگیں ناموں کی حد تک تو وہ بھی جانتا تھا کبھی کبھار عذرا بیگم ذکر کر دیتی تھیں۔ میاں صلاح الدین نے تو خیر کبھی ذکر کیا ہی نہیں تھا۔ وہ بہت غور سے حمنہ کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا حمنہ خالہ نے ایک بار بھی کسی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کی تھی اور قطعی غیر متعلق باتیں کر رہی تھیں۔

کیا انہیں دکھ نہیں ہوا ہو گا کہ اباجی نے شجاع بھائی کے رشتے کو ٹھکرا دیا۔ حالانکہ شجاع بھائی میں کوئی کمی نہیں ہے ہر لحاظ سے بہترین انسان ہیں۔

"خالہ جان آپ کو اباجی کے انکار پر دکھ نہیں ہوا۔"

اس نے جھجکتے جھجکتے پوچھا تو ایک افسردہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔

"افسوس تو ہوا۔ انعم بہت پیاری بچی ہے۔"

"سچ پوچھو تو مجھے زیادہ پریشانی عذرا اور انعم کے لیے ہوئی جیسا کہ مجھے پتا چلا تھا وہ کوئی بہت اچھے لوگ نہیں ہیں لڑکے کی بھابی بہت شاطر عورت ہے۔ اب خدا کرے۔۔۔ کیا نام بتایا تھا تم نے۔۔۔ آصف اچھا نکلے اور یوں بھی تم بتا رہے ہو کہ نکاح اس لیے پہلے ہو رہا ہے کہ وہ لڑکا بیوی کو رخصتی کے بعد ساتھ ہی لے جائے گا جرمنی تو پھر انعم نے تو آصف کے ساتھ ہی رہنا ہے اللہ اس کا مقدر اچھا کرے۔"

اس نے ایک عقیدت بھری نظر حمنہ پر ڈالی۔ حمنہ خالہ اتنی اچھی ہیں اور اباجی ان کا ذکر کتنی نفرت سے کرتے ہیں۔

"لو وہ دونوں بھی آ گئے۔"

باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا۔ اور پھر گیٹ کھلنے اور پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ حمنہ نے مسکرا کر مبشر کی طرف دیکھا ملازم لڑکے نے اندرونی گیٹ کھولا تو دونوں بھائی ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے۔

"ارے واہ آج یہ چاند یہاں کیسے طلوع ہو گیا؟"

شاہرم نے مبشر کو دیکھ کر نعرہ لگایا تھا۔ مبشر کھڑا ہو گیا۔ دونوں بھائیوں نے محبت سے گلے لگایا۔ شجاع کی بھرپور اور شاندار شخصیت نے اسے افسردہ سا کر دیا تھا۔ یکدم اسے کچھ کھو جانے کا احساس ہوا۔

"ارے یار اتنے چپ چپ سے کیوں ہو بھی تو چار دن ہیں ہنسنے بولنے کے۔ پھر تو تم نے خاموش ہی رہنا ہے اور بولنا ہے ہماری بھابی نے۔"

شاہرم نے اسے خاموش دیکھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"شاہو!" حمنہ نے اسے گھورا۔

"شبی کو بالکل تنگ مت کرنا میں ذرا کچن میں جا رہی ہوں۔"

"ماما! شبی میرا بھی کزن ہے صرف آپ کا بھانجا نہیں ہے۔"

شاہرم نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

"دیکھا شبی یہ میری ماما ہیں جو مجھے کوئی تخریب کار سمجھتی ہیں۔ اب بھلا میں۔"

"شاہو! شبی پہلے ہی کچھ پریشان ہے اور میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔"

وہ اسے پھر تنبیہہ کرتی ہوئی لاؤنج سے نکل گئیں۔ شجاع چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ رات ماما نے انہیں بتایا تھا کہ بھائی صاحب نے انعم کا رشتہ طے کر دیا ہے اور انہیں لگا تھا جیسے دل پر جو انجانا سا بوجھ دھرا تھا وہ کم ہو گیا ہے۔ لاسٹ ویک اینڈ پر جس طرح ماما نے اچانک ان سے انعم کے متعلق رائے پوچھی تھی تو وہ ان کی شدید خواہش کے سامنے یکدم چپ کر گئے تھے اور پھر منع بھی کس آس پر کرتے۔ وہ ایک جھلک جو دیکھی تھی اور وہ جھلک۔

دل بھی جانے کہاں کس ہستی کے لیے دھڑکا تھا جس کا حصول بظاہر ناممکن تھا۔ تو پھر وہ ماں کو خفا کیوں کرتے انہوں نے ماما کی خوشی پر سر جھکا دیا تھا۔ لیکن دل ایسا باغی تھا کہ وہ پوری رات سو نہ سکے تھے۔ شاید کبھی۔۔۔ شاید کہیں ایسا ممکن ہو جاتا دل بار بار ہمک رہا تھا کہ وہ جا کر حمنہ کو منع کر دیں۔ روک دیں اور کہہ دیں کہ انہیں تھوڑا سا وقت چاہیے لیکن وہ ان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ اتوار کو حمنہ اور قائم علی شاہ نے میاں صلاح الدین کی طرف جانا تھا اور اپنی حالت سے گھبرا کر انہوں نے ناشتے کے بعد ہی واپسی کا پروگرام بنا لیا تھا۔ حمنہ حیران ہوئیں۔

"وہ ماما مجھے ضروری کام تھا آپ نے فون کیا تو آنا پڑا پھر ابھی سویرے نکلوں گا تو وقت پر پہنچ جاؤں گا۔" اور پھر وہاں بھی ان کا دل گھبراتا رہا تھا کئی بار انہوں نے شاہ رخ کے موبائل کا نمبر ملایا تھا لیکن وہ آف تھا۔ ایک بار تو بڑی حویلی کا نمبر بھی ملا بیٹھے تھے پھر اپنی اس اضطراری حرکت پر شرمندہ ہو کر فوراً" ہی انہوں نے فون آف کر دیا تھا۔ ان گزرے چھ دنوں میں انہوں نے تین چار دفعہ گھر بھی فون کیا تھا ہر بار حمنہ سے ہی بات ہوئی تھی لیکن حمنہ نے کچھ نہیں بتایا تھا تب ہی وہ بے چین ہو کر بھاگے چلے آئے تھے اور جب حمنہ نے بہت دھیمے لہجے میں بتایا کہ ان کا رشتہ مانگنے سے پہلے ہی میاں صاحب ہاں کر چکے تھے تو انہیں اپنا آپ بہت ہلکا محسوس ہوا' شاید وہ لاشعوری طور پر یہی سننے کے منتظر تھے اور شاید ان کے دل نے خاموش دعا بھی کی تھی۔ کہ اے کاش انعم کا رشتہ کہیں اور ہو جائے کسی بہت اچھے لڑکے سے جو مجھ سے بھی اچھا ہو۔ لیکن حمنہ کو انعم اور عذرا کے لیے پریشان دیکھ کر وہ دل ہی دل میں نادم ہو گئے تھے جیسے یہ سب ان کے دل کی نیت کی وجہ سے ہوا ہو۔

غیر ارادی طور پر وہ مبشر کی طرف دیکھے ہی جا رہے تھے۔ شاہرم ہولے سے کھنکارا۔

"ماما مبشر بہت خوب صورت ہے لیکن ہم بھی کچھ کم نہیں ایک نظر ادھر بھی ڈال لیجیے۔"

"شاہو تم۔" وہ جھینپ سے گئے۔

"میں یونہی بے دھیانی میں کچھ سوچ رہا تھا۔"

"ویسے یار آپس کی بات ہے۔"

شاہرم نے مبشر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"سچ سچ بتانا کتنی لڑکیاں اب تک مر چکی ہیں تم پر۔" مبشر جھینپ گیا۔

"ارے یار اپنوں سے کیا پردہ۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

مبشر نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی تھی۔

"بھابی صاحبہ سے گپ شپ رہتی ہے۔" مبشر نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"کمال ہے یار تم نے کبھی کوشش نہیں کی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہزاروں تیر بہدف نسخے ہیں میرے پاس۔"
"شاہو ممانے کیا کہا تھا۔" شجاع نے اس کی طرف دیکھا۔
"سوری۔" اس نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔
"تم نے مائنڈ تو نہیں کیا شبی۔"
"نہیں۔" مبشر کھل کے مسکرایا۔ وہ خود بھی تو ایسا ہی تھا کھلنڈرا شوخ شریر لیکن پے در پے ہونے والے واقعات نے اس کا ذہن ماؤف کر دیا تھا۔ کتنی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو سیٹ کیا تھا کہ اب یہ انعم کا مسئلہ۔
"ہماری کوئی بہن نہیں ہے لیکن میں مبشر کی پریشانی محسوس کر سکتا ہوں۔ کاش میں۔"
شجاع نے ایک بار پھر ندامت محسوس کی۔
ایک موہوم خیال کے پیچھے انہوں نے ایسا نہ ہونے کی دعا کی تھی اور اگر وہ دعا نہ کرتے تو شاید، شاید وہ یکدم اٹھ کھڑے ہوئے اب وہ دل کی پوری رضامندی کے ساتھ حمنہ سے کہنے جا رہے تھے کہ وہ ایک بار پھر کوشش کر کے دیکھ لیں شاید، شاید میاں صلاح الدین مان لیں۔ تو بہت سارے لوگ خوش ہو جائیں گے اور ایک اپنی خوشی کی قربانی دے کر اگر دوسروں کو خوشی مل سکتی ہے تو۔۔۔ وہ کچن کی طرف بڑھ گئے۔ شاہرم نے انہیں کچن کی طرف جاتے دیکھا کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا اور پھر مبشر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

■■■

"شاہ بابا کیسے ہیں کچھ پتا ہے آپ کو۔"
شاہ رخ نے زینت فاطمہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
"میری ملاقات ہی نہیں ہو سکی رات بہت دیر سے پہنچا تھا اور پھر صبح سویرے ہی ہم نکل آئے۔ اس خیال سے ان کی طرف نہیں گیا کہ وہ سو رہے ہوں گے۔"
"شارو۔"
زینت فاطمہ کی آواز بہت آہستہ تھی۔
"تم صحیح کہتے ہو شاہ بابا کی یادداشت واپس آ رہی ہے۔"
"پھپھو آپ کو کیسے پتا چلا۔"
شاہ رخ کی آنکھوں میں دلچسپی نظر آئی۔
زینت فاطمہ نے شاہ بابا کے اندر حویلی میں آجانے کا سارا واقعہ شاہ رخ کو سنا دیا۔
"شاہرم کا خیال صحیح ہے پھپھو کہ ان کی یادداشت کی واپسی کا پراسس شروع ہو چکا ہے۔ کہیں کوئی تارا سا چمکتا ہے گم شدہ یاد کا اور پھر تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے۔ یہ پراسس بہت آہستہ ہے لیکن اگر انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کی زیر نگرانی رکھا جائے تو یہ پراسس تیز ہو سکتا ہے اور۔۔۔"
"لیکن میری جان شاہ جی ایسا کبھی نہیں چاہیں گے۔"
"مگر کیوں پھپھو؟" شاہ رخ کے لہجے میں ہلکا سا احتجاج تھا۔
"بہت سی باتوں کا جواب نہیں دیا جا سکتا شارو۔"
زینت فاطمہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ اس روز کرم داد کس بے دردی سے ان کا بازو پکڑ کر انہیں کھینچتا ہوا لے گیا تھا۔ وہ کیسے مچل مچل کر کہہ رہے تھے۔
"نہیں جاؤں گا بالکل نہیں جاؤں گا۔ ادھر رہوں گا اس کے پاس۔"
تب شاہ جی نے کتنی بے دردی سے انہیں ٹھوکر ماری تھی اور زینت فاطمہ کا دل لرز گیا تھا انہوں نے گھبرا کر باری باری زارا شاہ اور عظمیٰ شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ عظمیٰ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ زارا کے چہرے پر حیرت تھی

"پھپھو شاہ بابا تو ہمارے اپنے ہیں پھر وہ اندر حویلی میں کیوں نہیں رہ سکتے۔ یہاں کتنے کمرے خالی پڑے ہیں۔"
عظمیٰ شاہ کو دکھ ہو رہا تھا۔
زینت فاطمہ خاموش رہی تھیں البتہ زارا شاہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا تھا۔
"شاہ زیب نے بتایا تھا کہ انہیں فٹس پڑتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ بہت خطرناک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے یہاں اگر رہیں گے تو کوئی مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ وہاں تو کرم داد اور کمالے وغیرہ ان کے ساتھ ہوتے ہیں سنبھال لیتے ہیں۔"
شاید زارا نے بھی شاہ زیب سے ایسا ہی کوئی سوال کیا ہو گا تو شاہ زیب نے جواب میں کہا ہو گا۔ حالانکہ شاہ بابا کبھی بھی خطرناک نہیں رہے تھے جب وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھے تب بھی نہیں۔
وہ دو دن تک بہت اپ سیٹ رہی تھیں۔ ان کا کتنا جی چاہا تھا کہ وہ شاہ بابا کے پاس جائیں ان کے پاس بیٹھیں ان سے باتیں کریں۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے کتنی بے بسی سے انہیں پکارا تھا۔
"بیٹی۔۔۔ بیٹی ہے میری وہ اس کے پاس رہوں گا۔"
"شاید میں اس کا جواب کھوج سکتا ہوں۔" شاہ رخ نے زیر لب کہا اور پھر زینت فاطمہ کی طرف دیکھنے لگے۔
"میں کسی روز شاہ بابا کو ضرور یہاں لاؤں گا اور کسی اسپیشلسٹ سے چیک کرواؤں گا۔"
"تم مجھے قاسمی کی طرف کب لے کر جاؤ گے شاہ رخ بیٹا۔"
زینت فاطمہ نے سر جھٹک کر شاہ بابا کا خیال ذہن سے نکالنے کی کوشش کی۔ وہ رات ہی شاہ رخ کے ساتھ سید پور سے آئی تھیں۔ ایک چوکیدار ایک ملازم لڑکا اور ایک ملازمہ بھی ان کے ساتھ ہی گاؤں سے آئے تھے۔ شاہ رخ شاہ میر اور اسما شاہ کو بھی ہوسٹل سے لے آئے تھے اور اب وہ دونوں اپنا اپنا کمرہ سیٹ کر رہے تھے۔ جبکہ زینت فاطمہ اور شاہ رخ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
"اب تو ملاقات ہوتی ہی رہے گی ایسی بھی کیا جلدی ہے۔"
شاہ رخ مسکرائے زینت فاطمہ صرف انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔ تب ہی ملازم لڑکی پروین نے لاؤنج میں آ کر پوچھا۔
"ناشتے میں کیا بنانا ہے؟۔"
"کچھ نہیں آج کا ناشتا، کھانا سب میرے ایک دوست کے گھر سے آئے گا۔"
"جی اچھا۔"
پروین نے ان کے سامنے پڑی چھوٹی ٹیبل سے چائے کا خالی کپ اٹھا لیا۔
"سنو۔"
شاہ رخ نے اسے ہدایت دی۔
"سیدہ اسما شاہ اور شاہ میر سے کہو کہ تیار ہو کر ٹی وی لاؤنج میں آجائیں۔ میرے دوست کی فیملی آتی ہی ہو گی۔ کمرے بعد میں سیٹ کرتے رہیں گے۔"
یوں تو گھر خریدنے کے بعد انہوں نے ایک انٹیریئر ڈیکوریٹر کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ گھر تقریباً فرنشڈ تھا کچن سے لے کر لان میں پڑی چیئرز تک سیٹ تھیں۔ لیکن شاہ میر اور اسما شاہ کو ابھی اپنی پرسنل اشیا سیٹ کرنا تھیں۔ شاہ میر چاہ رہا تھا کہ کمپیوٹر ٹیبل اسٹڈی کی بجائے اس کے بیڈ روم میں ہو تاکہ اسے وقت بے وقت استعمال کرنا پڑ جائے تو آسانی رہے۔ اس طرح اسما کو بھی اپنی چیزیں سیٹ کرنا تھیں، مثلاً سی ڈی پلیئر کہاں رکھا جائے۔ بک شیلف کہاں ہو۔ سو دونوں نماز کے بعد اپنے اپنے کمروں سے نکلے ہی نہیں تھے۔
بے اختیار ہی شاہ رخ کے لبوں سے نکلا تو زینت فاطمہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔
"سچ سچ بتاؤ شارو کون ناشتا لا رہا ہے۔"
"اب منہ سے نکل ہی گیا ہے تو کیا چھپاؤں قائم چاچو، حمنہ آنٹی اور شاہرم آ رہے ہیں۔"

"لیکن یہاں وہ یہاں کیوں آرہے ہیں بیٹا تم نے انہیں منع نہیں کیا۔"
حسب عادت زینت فاطمہ گھبرا گئیں۔
"اوہ پھوپھو جان آپ تو یونہی گھبرا جاتی ہیں۔ یہ سید پور نہیں ہے اور نہ ہی بڑی حویلی ہے جہاں چاچو کا داخلہ بند ہے۔"
"لیکن شاہ رخ بیٹا۔ اگر شاہ جی کو پتا چل گیا تو۔" وہ بدستور گھبرائی ہوئی تھیں۔
"کیسے پتا چلے گا۔" شاہ رخ بہت مطمئن سا تھا۔
"تینوں ملازم جو سید پور سے آئے ہیں تو دس سال سے حویلی میں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چاچو کو پہچانتا نہیں پروین کی عمر اب انیس بیس سال ہوگی۔ مودی تو ہے ہی تیرہ چودہ سال کا اور چوکیدار کی عمر بھی مجھ سے دو تین سال کم ہی ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سب ملازم چاچو کے جانے کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔"
انہوں نے کسی قدر شوخی سے کہا تاکہ زینت فاطمہ ریلیکس ہو جائیں۔
"سیدہ اسما اور شاہ میر کیا ان کو تم نے بتا دیا ہے۔"
"ہاں۔" شاہ رخ نے اسی اطمینان سے جواب دیا۔
"وہ دونوں تو بہت ایکسائیٹڈ ہو رہے ہیں۔"
"لیکن شارو تم نے انہیں منع تو کر دیا کہ وہ کسی سے ذکر نہ کریں۔ کسی سے بھی نہیں۔"
"آپ بالکل اطمینان رکھیں پھپھو میں نے انہیں اچھی طرح سمجھا دیا ہے شاہ میر کے تو ذہن میں کہیں بھی کسی چچا کا وجود نہیں تھا۔ ہاں اسما جانتی تھی چاچو کی فیملی یہاں میرے دوست کی فیملی کی حیثیت سے متعارف ہوگی۔"
شاہ رخ کے اطمینان دلانے کے باوجود زینت فاطمہ اندر سے مضطرب سی تھیں۔ اور یہ اضطراب سید قائم علی شاہ، حمنہ اور شاہرم کے آنے کے بعد بھی اندر ہی اندر جیسے انہیں بے چین کر رہا تھا۔
"یہ شارو تو پاگل ہے قامی تم نے بھی کچھ نہیں سوچا۔"
"میں نے کیا سوچنا تھا۔"
سید قائم علی شاہ مسرور سے شاہ میر کے گرد بازو پھیلائے بیٹھے تھے۔
"بہت ڈر ڈر کر زندگی گزار لی ہے میں نے۔ آپ یہاں ہوں میرے شہر میرے گھر سے چند گز کے فاصلے پر اور میں خود کو آپ سے دور رکھوں یہ ناممکن ہے اور یہ دیکھو نا میری اتنی پیاری سی بیٹی ہے کیا میں اس سے دور رہ سکتا ہوں نہیں نا تو بس اب اس موضوع پر بات ختم میرا جب دل چاہے گا میں آؤں گا اور جب تم لوگوں کا دل چاہے میرے گھر آؤ۔"
سیدہ اسما شاہ نے بڑے اشتیاق سے حمنہ کو دیکھا تھا۔
"حمنہ آنٹی کس قدر خوب صورت ہیں اور چاچو بھی۔"
"تمہیں تو ہمارے متعلق علم بھی نہیں ہوگا سیدہ اسما شاہ لیکن میں سب کی خبر رکھتا تھا۔ جس روز تم پیدا ہوئی تھیں۔ اسی روز مجھے علم ہو گیا تھا کہ بڑی حویلی میں ایک ننھی سی پری آئی ہے اور میں نے اسی وقت حمنہ سے کہا تھا۔ ہوی آج ہمارے۔۔۔"
حمنہ نے یکدم نظریں اٹھا کر قائم علی شاہ کی طرف دیکھا تو وہ سٹپٹا گئے اور یکدم سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی ان کی ادھوری بات پر اور کسی نے دھیان دیا ہو یا نہ لیکن شاہرم نے بہت دھیان سے ان کی بات سنی تھی اور اب معنی خیز انداز میں سر ہلا رہا تھا۔
"شاہرم بھائی آپ کو ڈر نہیں لگا تھا اس طرح حویلی میں آتے ہوئے اگر شاہ جی کو پتا چل جاتا تو۔"
سیدہ اسما شاہ کو شاہرم بہت اچھا لگا تھا اور شاہرم نے بھی ان دونوں سے بے تکلف ہونے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی تھی۔

"تو کیا ہوتا کیا شاہ جی مجھے مروا دیتے؟ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا نا کہ وہ مجھے گھر سے نکال دیتے تو۔ میں یہی کہتا کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے جو کچھ باپ کے ساتھ ہوا تھا وہی بیٹے کے ساتھ ہو رہا ہے البتہ باپ نے یہ بے عزتی ایک حسین و جمیل رفیق کی رفاقت کے لیے برداشت کی تھی جبکہ بیٹا بے چارا مفت میں مارا گیا۔"
سب کے ساتھ ساتھ قائم علی شاہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔
"اسما اور شاہ میر بیٹے شاہو کی بات میں مت آنا یہ تو تمہیں یوں انگلیوں میں نچائے گا۔ بہت شریر ہے۔"
"یہ زیادتی ہے بابا آپ خواہ مخواہ میرے نئے نویلے کزنز کے سامنے میرا امیج خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"
"تمہارے نئے نویلے کزنز میرے بھائی کی اولاد ہیں لہٰذا ان کو گائڈ کرنا بھی میرا فرض بنتا ہے۔"
"دیکھا ماما، بابا نے کیسے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لی ہیں اپنوں سے ملتے ہی ورنہ پہلے تو کہا جاتا، میرے شاہو سے گھر کی رونق ہے یہ تو میرے گھر کا اجیالا ہے۔ خاموش ہو تو ویرانی چھا جاتی ہے بولے تو یکدم خزاں میں بہار آجاتی ہے۔ اتنی جلدی وفاداریاں بدلتے میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ غالباً" یہاں کی فضاؤں کا اثر ہے۔"
اس نے چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔
"میری جان تم تو سچ مچ میرے گھر کی رونق ہو۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"
سید قائم علی شاہ نے اپنے بائیں طرف بیٹھے شاہرم کے گرد اپنا بایاں بازو پھیلا لیا۔ دائیں طرف بیٹھے شاہ میر کے گرد ابھی تک ان کا بازو پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے دونوں کو اپنے قریب کر لیا۔
"تو یہاں کون سنجیدہ تھا میں بھی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ یوں بھی میں سوچ رہا ہوں انجینئرنگ چھوڑ کر اداکار بن جاؤں۔ میرا خیال ہے میں اچھا ایکٹر بن سکتا ہوں کیوں ماما۔"
وہ حمنہ کی طرف دیکھنے لگا۔
"یہ انکشاف کب ہوا تم پر کہ تم اچھے ایکٹر بن سکتے ہو۔"
حمنہ مسکرا رہی تھیں۔
"جب میں اونچی حویلی میں شاہ جی کے سامنے کھڑا صرف اسفر بھائی کا کزن ہونے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔"
"تم اسفر کے کزن تو تم ہو ہی یہ ایکٹنگ کہاں ہوئی۔"
شاہ رخ جو حمنہ کے پاس بیٹھے تھے اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
"اوہ ہاں یہ تو خیال ہی نہیں رہا مجھے یعنی اسفر بھائی تو سچ مچ میرے کزن ہیں۔"
"کبھی کبھی ہو جاتا ہے ایسا کوئی بات نہیں۔"
شاہ میر نے آہستگی سے کہا تو قائم علی شاہ بے ساختہ ہنس دیے۔
"اب بولو بچو۔"
"اب کیا بولوں۔" شاہرم نے سر کھجایا۔
"میں چھوٹوں کا دل نہیں توڑتا۔ ویسے شاہ میر صاحب سے دوستی ہو سکتی ہے۔ کیوں شاہ میر کیا مشاغل ہیں"
"پڑھائی اور کرکٹ دو ہی چیزوں سے دلچسپی ہے مجھے۔"
"اور اسما بی بی آپ۔"
"وہ میں بس پڑھائی۔"
اسما گھبرا گئی وہ بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی جب اچانک اس نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونکی تھی۔ یہ سب اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ حمنہ آنٹی اور قائم چاچو کے ساتھ وہ کتنی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ جبکہ وہ تو شاہ جی سے بات کرتے ہوئے بھی گھبراتی تھی۔ کبھی بات کرنا پڑ جاتی تو نگاہیں جھکائے دھیمے لہجے میں بات کرتی اس طرح کی بے تکلفی کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ گو اس طرح کا ماحول اس کے لیے نیا تھا لیکن اسے اچھا لگ رہا

تھا۔

"پھپھو سچ بتاؤں میں آپ کی بڑی حویلی کے گیسٹ روم میں بہت مچلا ہوں آپ سے ملنے کے لیے۔ جب آپ کی طبیعت اچانک خراب ہوئی تھی تو میں نے شاہ رخ بھائی سے بہت کہا کہ مجھے آپ کے پاس لے چلیں لیکن یہ مانے ہی نہیں۔ اگر مجھے ان کا ڈر نہ ہوتا تو میں پہنچ ہی جاتا کسی نہ کسی طرح آپ کے پاس۔ بس شاہ رخ بھائی کا لحاظ کر گیا ورنہ شاہ جی کا تو مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔"

"ہاں شاہ رم۔" انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"جب آپ چکرا کر گرنے لگی تھیں تو میں شاہ رخ بھائی کے ساتھ تھا لیکن تب مجھے علم نہیں تھا کہ آپ ہیں۔ جب شاہ رخ نے پھپھو کہہ کر بلایا تو تب مجھے شک سا ہوا تھا کہ آپ ہوں گی لیکن مجھے یقین نہیں تھا اس لیے آگے نہیں بڑھا تھا۔"

"اس روز تم تھے شارو کے ساتھ۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

سبز آنکھیں گورا چٹا صحت کی سرخی سے دمکتا رنگ، دلنشیں نقوش، سبز آنکھوں میں بلا کی کشش اور ان سبز آنکھوں کی جھیلوں کا پہرا دیتی لانبی گھنی مڑی پلکوں کا جنگل بلاشبہ وہ حمنہ کی بہت زیادہ شباہت لیے ہوئے تھا۔ شخصیت میں وہی جاذبیت وہی کشش بات کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے وہی ڈمپل۔ لیکن انہوں نے اس صبح شاہرم کو تو نہ دیکھا تھا۔ جب شاہ رخ نے بتایا تھا شاہرم کا تو انہوں نے سوچا تھا شاید شاہرم اس طرح ہوگا کچھ کچھ عباس مرزا کی شباہت لیے لیکن شاہرم تو بہت مختلف تھا۔

تو وہ کون تھا دبلا پتلا سانولا بڑی بڑی سیاہ روشن آنکھیں لانبا قد اور مونچھیں۔

کیا کوئی الوژن۔

"شاید وہ کوئی الوژن ہی تھا۔" انہوں نے ایک لمبی سانس لے کر اپنے پاس بیٹھی حمنہ کو دیکھا اور ان سے باتیں کرنے لگیں۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے حمنہ کو جانتی ہیں۔ ذرا سا بھی تکلف اور اجنبیت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔

"قامی کے لیے تمہارے جیسی بیوی ہی ہونا چاہیے تھی۔"

انہوں نے اعتراف کیا تو حمنہ اور قائم شاہ نے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہمارا ملن تو اوپر لکھا جا چکا تھا لیکن اس کے لیے جو قیمت ادا کی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اتنے برسوں تک آپ سب کی جدائی کا درد سہا ہے اور ابھی تک سہہ رہا ہوں۔"

سید قائم شاہ سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"اپنا گھر اپنی مٹی اپنا علاقہ اپنی گلیاں ان کی خوشبو ہی الگ ہوتی ہے۔"

"سچی آپا کبھی کبھی میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں کہ صرف میری وجہ سے قامی کو اپنوں سے دور ہونا پڑا۔"

حمنہ کی آنکھوں سے اداسی جھلکنے لگی۔

"سوری یار۔"

سید قائم علی شاہ شرمندہ ہو گئے۔ وہ کتنی کوشش کرتے تھے کہ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے حمنہ اداس یا شرمندہ ہوں لیکن پھر بھی کبھی کبھی کسی جذباتی لمحے میں وہ ایسا کچھ کہہ جاتے جس پر حمنہ اداس ہو جاتیں۔

تب ہی پروین نے آ کر ناشتا لگنے کی اطلاع دی۔

"چلو بھئی اٹھو سب لوگ آج حمنہ نے سارا ناشتا اپنے ہاتھوں سے تیار کیا ہے۔"

سید قائم علی شاہ نے لہجے میں خوشگواریت پیدا کی۔

"بابا ان ہاتھوں میں میرے ہاتھ بھی شامل تھے۔"

"میں تم نے کیا کیا؟"

سید قائم علی شاہ نے اٹھتے ہوئے مصنوعی حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں اپنے ان ہاتھوں میں ڈبل روٹی اور انڈے اٹھا کر لایا تھا اور۔۔۔"

"اور اب اپنے ان ہاتھوں سے کھانے میں بھی پوری مدد کریں گے۔"

شاہ میر نے لقمہ دیا۔

"بالکل بالکل۔"

شاہرم نے سر ہلایا۔

"لیکن بابا ہمیشہ سارا کریڈٹ ماما کو دے دیتے ہیں ہے نا یہ زیادتی۔"

"اب آئندہ سارا کریڈٹ تم لے لینا میری جان اب اٹھو ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

حمنہ نے اٹھتے ہوئے شاہرم کی طرف دیکھا تو وہ فوراً" کھڑا ہو گیا۔ باقی سب بھی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

سیدہ اسما شاہ تھوڑی نروس ہو رہی تھی۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ یوں بے تکلفی سے وہ اپنے کسی کزن کے سامنے بیٹھی ہو۔ بڑے لالا اظہار شاہ کے گھر کبھی گئے بھی تو بس سب بھائیوں سے صرف سلام کی حد تک بات ہوئی تھی۔ وہ سب سے آخر میں کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے ڈیئر کزن آپ کیوں رک گئیں ماما کے ہاتھ میں واقعی بہت ذائقہ ہے۔"

شاہرم نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اس کے انتظار میں رک گیا۔ سیدہ اسما شاہ جھجکتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل دی۔

"آپ بہت خاموش طبع ہیں۔" شاہرم نے پوچھا۔

"بس آپ سب کو سن رہی تھی۔ شجاع بھائی نہیں آئے۔"

"بھائی اس ویک اینڈ پر گھر نہیں آئے۔ لیکن آپ۔۔۔"

تب ہی فون کی بیل ہونے لگی تو شاہ رخ نے جو ابھی ٹی وی لاؤنج میں ہی کھڑے تھے فون ریسیو کیا۔

زینت فاطمہ نے ڈائننگ روم سے ہی آواز دے کر پوچھا۔

"کس کا فون ہے امی۔" ان کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا۔ کہیں شاہ جی کو پتا تو نہیں چل گیا انہوں نے بے وقوفی سے سوچا اور بے چین سی ہو کر چیئر گھسیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بلند بخت کا فون ہے پھپھو آپ لوگ ناشتا شروع کر دیں۔ میں بات کر کے شامل ہو جاؤں گا۔"

"شکر ہے۔"

زینت فاطمہ بیٹھ گئیں اور پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

"پتا نہیں زینی آپا اتنا پریشان کیوں ہو جاتی ہیں۔"

سید قائم علی شاہ نے سوچا اور پرسوچ انداز میں انہیں دیکھنے لگے۔

■■■

"ندا، ندا پلیز سنو تو رکو پلیز۔"

ڈاکٹر اعظمی کا لیکچر اٹینڈ کر کے علینہ باہر نکلی تو اس کی نظر ندا پر پڑی غالباً" وہ لائبریری سے آ رہی تھی۔ حفصہ نے اسے بتایا تھا کہ ندا لائبریری میں ہے اس کا موڈ پیریڈ اٹینڈ کرنے کا نہیں ہے۔ دو تین روز سے وہ آ نہیں رہی تھی اس لیے اس نے حفصہ سے پوچھا تھا تو حفصہ نے بتایا تھا کہ کچھ دیر پہلے اس نے ندا کو لائبریری کی طرف جاتے دیکھا تھا اور وہ بھی نہیں جانتی کہ ندا یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہی۔

ندا اس کی آواز سن کر کوریڈور کے کونے پر رک گئی تھی۔

"کیسی ہو تم ندا خیریت تھی نا۔ تم آئی کیوں نہیں۔"

ندا نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

"یونہی موڈ نہیں ہو رہا تھا۔"

"تم نے ڈاکٹر اعظمی کا لیکچر بھی اٹینڈ نہیں کیا۔"

"بہت بور کرتے ہیں۔"

ندا کے لہجے میں بے زاری تھی۔

"مگر بہت اہم لیکچر تھا۔" علینہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"حفصہ سے نوٹس لے لوں گی۔"

ندا کے انداز میں لاپروائی تھی حسب معمول اس وقت بھی وہ حجاب اور عبایا میں تھی۔

"اس وقت تم کہاں جارہی ہو کیا کینٹین۔"

علینہ نے پوچھا۔

"نہیں کچھ دیر لان میں بیٹھوں گی۔ بارہ بجے مجھے ڈرائیور لینے آجائے گا۔ میں صرف ڈاکٹر فاروق کا لیکچر لینے آئی تھی۔"

"اچھا چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں میرا بھی موڈ نہیں ہے اس وقت لیب جانے کا ڈاکٹر اعظمی نے سب کو لیب میں بلایا ہے۔"

ندا خاموش رہی۔

"پتا ہے ندا چند دن پہلے بڑی عجیب بات ہوئی۔"

اپنا شولڈر بیگ گھاس پر رکھتے ہوئے علینہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیا۔"

ندا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کا پورا چہرہ چھپا ہوا تھا سوائے آنکھوں کے اور آنکھیں.....

علینہ نے بغور دیکھا اس کی بے انتہا خوب صورت آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

"ہم اس روز مارکیٹ گئے تھے تو ہمیں وہاں ایک لڑکی نظر آئی۔ یقین کرو ندا وہ تم سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی بس آنکھوں کا کلر مختلف تھا۔ میں نے تو سمجھا تم ہی ہو شاید تم نے گرین لینس لگا رکھے ہیں۔"

"لیکن میں تو کئی دن سے گھر سے باہر نہیں نکلی۔ ایکچولی دبئی سے ممی کے کزن اور ان کی فیملی آئی ہوئی تھی۔ آج بھی اس لیے جلد جارہی ہوں۔"

"اوہ اچھا۔"

علینہ نے پھر بغور اسے دیکھا اس کا جی چاہا وہ ندا سے کہے کہ کچھ دیر کے لیے ذرا اپنے چہرے سے حجاب ہٹالے

"لیکن حیرت انگیز مشابہت تھی ندا۔... ہم نے اسے دوبارہ پزا ہٹ میں بھی دیکھا تھا مجھے تمہارا گمان ہوا تھا۔"

"اوہ گاڈ کہیں تم نے نادیہ کو تو نہیں دیکھ لیا۔"

ندا نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"نادیہ کون تمہاری بہن۔"

"نہیں میری کزن ہے۔ میرے چچا کی بیٹی اور خالہ کی بھی میری ممی اور خالہ جڑواں بہنیں تھیں اور میں اپنی ممی سے بہت مشابہ ہوں نادیہ بھی اپنی مما پر ہے بہت حد تک۔ نادیہ کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ ہمارے ساتھ ہی رہتی ہے۔"

"ویسے حیرت انگیز مشابہت ہے۔"

علینہ کا تجسس کچھ کم ہوا تھا۔

"پتا ہے میں سوچ رہی تھی کہ اگر وہ تم نہیں ہو تو ضرور تمہاری کوئی بہن ہوگی۔"

"نہیں یار میں تو اکلوتی ہوں۔"

ندا ہنس دی۔

"نادیہ تمہارے گھر میں رہتی ہے لیکن تمہارے مقابلے میں وہ بہت ماڈ لگ رہی تھی۔"

علینہ نے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

ں یار وہ ایسی ہی ہے۔ میرے انکل اور آنٹی دبئی میں رہتے تھے نادیہ کی پیدائش بھی وہاں کی ہے وہ شروع سے ہے۔ انکل آنٹی بھی بہت لبرل تھے۔ شروع میں ممی نے چاہا کہ وہ بھی میری طرف حجاب لے لے لیکن اس نے انکار کر دیا۔"

نے تفصیل بتائی۔

ور ممی ظاہر ہے اسے مجبور نہیں کر سکتی تھیں۔"

اس کے ساتھ کوئی تھا شاید۔"

نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

س کے باس ہوں گے۔ جاب کرتی ہے۔"

کا انداز ہنوز لاپروا سا تھا۔

ور تمہاری ممی نے کبھی منع نہیں کیا اسے باس کے ساتھ جانے سے۔"

نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

نہیں ممی اس کی ذاتیات میں دخل نہیں دیتیں اس نے ممی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اسی شرط پر ہمارے ساتھ رہے گی اس کے معاملات میں انٹرفیئر نہ کریں اور ممی کے علاوہ اس کا کوئی اور ہے بھی تو نہیں جہاں وہ رہ سکے۔"

یک ہے۔" علینہ نے سر ہلایا اور ایک بار پھر حیرت کا اظہار کیا۔

یسے تم اگر گرین لینس لگا لو تو کوئی یقین نہ کر سکے کہ تم ندا ہو۔"

م نے دراصل دور سے دیکھا ہے اسے اس لیے ورنہ اس کا قد مجھ سے لمبا ہے دائیں رخسار پر تل ہے اور اس ٹوں کا کٹ بھی مجھ سے مختلف ہے۔"

نے پھر تفصیل سے بتایا۔

علینہ کو اپنا تجسس دور ہونے پر خاصا اطمینان ہوا تھا۔

ایرج کو گھر جا کر بتاؤں گی کہ دیکھ لو میرا اندازہ کتنا صحیح تھا۔ تم نہ سہی تمہاری کزن تو تھی نا۔"

ایرج کون۔"

سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

میری بہن ہے۔ اس روز تم نہیں آئیں حفصہ وغیرہ کے ساتھ ورنہ ایرج سے ملاقات ہو جاتی ایف ایس سی ہے ڈاکٹر بننا اس کا مقصد ہے۔"

وہاں سوری یار رعنا۔ مجھے تم سے معذرت بھی کرنا تھی اس روز میں تمہاری طرف نہیں آسکی اس کی وجہ "

کیا۔"

علینہ نے پوچھا۔

یار میں کچھ شرمندگی سی محسوس کر رہی تھی۔ اس روز حفصہ وغیرہ پہلی نظر کی محبت کی بات کر رہی تھیں۔ نے کہا کہ یہ سب افسانوی باتیں ہیں پہلی نظر میں محبت کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ میں نے کہا کہ یہ سچ ہے وی بات نہیں ہے۔ کبھی کبھی زندگی میں ہو جاتا ہے ایسا کہ پہلی نظر میں ہی کوئی دل کو بھا جاتا ہے اتنا کہ اس کے زندگی بے کار لگتی ہے۔" نویدہ نے مذاقاً کہا۔

کیا تمہارے ساتھ کوئی ایسا حادثہ ہوا" تو میں نے بھی مذاق میں کہہ دیا کہ ہاں مجھے بھی پہلی نظر میں ایک بندے محبت ہو گئی ہے حالانکہ دوسری بار میں نے اسے نہیں دیکھا۔

سب پوچھنے لگیں تو میں نے بھی مذاق میں تمہارے بھائی کا نام لے لیا کہ اس روز حفصہ کے ساتھ میں اس کی ی میں بیٹھی تھی۔ میں نے تو مذاق کیا تھا لیکن انہوں نے سچ جان لیا تو بس یہی شرمندگی تھی۔ حالانکہ میری تو

منگنی ہو چکی ہے میری مرضی سے ہی ممی کے ایک دور پار کے کزن سے۔“
”او ہاں۔“
ندا کی اتنی طویل بات سن کر علینہ کو یاد آیا۔
”مجھے حفصہ نے بتایا تو تھا لیکن تم کلیئر کر دیتیں تا بعد میں۔“
”ہاں کر تو دیا تھا لیکن بس شرمندگی سی تھی کہ اگر حفصہ نے تمہیں بتا دیا ہو تو تم کیا سوچتی ہو گی۔“
”ارے نہیں حفصہ نے تو اس روز تک جب سب گھر آئی تھیں ذکر تک نہیں کیا تھا۔ یہ تو کافی دن بعد اس روز بتایا تھا اور مجھے تو یاد بھی نہیں رہا۔ تم آنا نا کسی روز۔“
”ہاں ضرور۔“
ندا مسکرائی۔
”سو مجھے خود تم سب سے بہت مختلف اور اچھی لگی ہو۔ میں نے ممی کو تمہارا بتایا تھا۔ اور ممی نے مجھے اجازت دے دی تھی کہ میں تمہارے ساتھ دوستی کر سکتی ہوں۔“
”لیکن آج بھی بلایا تو میں نے تمہیں ہے۔“
”دراصل میں ۔۔۔ جھجکتی ہوں بہت۔ لیکن اس وقت تم سے بات کرنا بہت اچھا لگ رہا ہے مجھے۔“
”تھینک یو ندا میں تو تمہیں بہت مغرور سمجھتی تھی۔“
علینہ نے صاف گوئی سے کہہ دیا۔
”نہیں عینا میں مغرور نہیں ہوں لیکن مجھے جلدی بے تکلف ہونا نہیں آتا حفصہ وغیرہ کی طرح حالانکہ تم پہلے روز ہی مجھے اچھی لگی تھیں۔“
”رئیلی۔“ علینہ ہنس دی۔
”چلو آج سے دوستی پکی۔“
ندا بھی مسکرا دی۔
”میں تو سمجھتی تھی حفصہ اور نوید وغیرہ سے تم بہت کلوز ہو۔“
”نہیں میرا یہاں کوئی دوست نہیں ہے اور کسی سے آج تک میری اتنی گفتگو نہیں ہوئی جتنی آج تم سے ہوئی ہے۔ جہاں تک حفصہ وغیرہ کی بات ہے تو پہلے روز انہی سے ملاقات ہوئی تھی اور پھر حفصہ بھی گلشن اقبال سے آتی ہے اور میں بھی کبھی کبھی ڈرائیور چھٹی پر ہو تو ہم پوائنٹ سے اکٹھے آجاتے ہیں۔“ ندا نے بتایا۔
”شروع میں تو حفصہ نے اور میں نے چاہا تھا کہ تم ہمارے گروپ میں شامل ہو جاؤ لیکن تم خود ہی ہم سے کتراتی تھیں۔“
علینہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
”تم سے نہیں یار۔“
ندا نے وضاحت کی۔
”میں تو سب سے ہی کتراتی ہوں دراصل میری ممی پسند نہیں کرتیں کہ میں کالج یا یونیورسٹیز میں لڑکیوں سے دوستیاں کروں۔ وہ کہتی ہیں نہ جانے کیسے خاندان اور مزاج کی ہوں تو بس اس لیے۔“
”سب ہی اچھی ہیں ندا ۔۔۔ اچھے خاندانوں سے ہیں۔“
علینہ کو اس کی بات اچھی نہ لگی۔
”ہاں ۔۔۔ لیکن میری ممی بہت سخت ہیں کئی دفعہ تو مجھے خود ان کے اس طرح کے رویے سے بہت الجھن ہوتی ہے لیکن وہ کہتی ہیں تمہارے ڈیڈی ملک میں تو نہیں ہوتے اور مجھ پر بڑی ذمہ داری ہے۔“
”تمہارے ڈیڈی کہاں ہوتے ہیں۔“ علینہ نے پوچھا۔

رب میں۔“ ندا نے بتایا۔
”بتاؤ اپنی فیملی کے متعلق تمہارے گھر میں کون کون ہوتا ہے۔“
”دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔“
اس نے اسے اپنے گھر کے افراد سے متعارف کروایا۔
”میرے گھر میں تو بس ممی میں اور نادیہ ہوتے ہیں نادیہ تو بہت کم گھر میں ٹکتی ہے۔ صبح آفس اور شام کو گھومنے نکل جاتی ہے۔ تم آنا نا کسی روز اریج کے ساتھ۔“
”اور کبھی پروگرام بنائیں گے۔“
اس نے خلوص سے کہا۔
”کیسے جاتی ہو گھر روز بھائی لینے آتے ہیں۔“
”ہاں وہ تو کبھی اتفاق سے ڈرائیور نہ ہو تو ورنہ ڈرائیور ہی آتا ہے۔“ علینہ نے بتایا۔
”حفصہ نے ابھی بتایا تھا کہ تمہارے بھائی پڑھائی ختم کر کے اب کام کرتے ہیں تو ان کی شادی وغیرہ نہیں کی

”نہیں ابھی تو منگنی بھی نہیں ہوئی۔“
علینہ ہنس دی۔
”لیکن وہ حفصہ تو کہہ رہی تھی ایک دن کہ تمہاری کسی کزن ۔۔۔“
”ہاں ارادہ اور خواہش ہے سب کی سوائے ممی کے۔ میری کزن ہے ماہ نور اس کے ساتھ۔“
”اور تمہارے بھائی کیا وہ بھی پسند کرتے ہیں اسے۔“ اس نے پھر پوچھا۔
”ہاں یہی خیال ہے میرا بلکہ بہت پسند کرتے ہیں۔“
ایک لمحے کے لیے ندا کے ان سوالوں پر اسے حیرت ہوئی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے سوچا شاید وہ اس طرح اس کی فیملی کے متعلق جاننا چاہتی ہے۔
”اور تمہاری منگنی۔“
”نہیں ابھی تو نہیں ہوئی۔“
اس کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے۔
”ویسے فیملی میں کوئی ہے۔“ علینہ نے سر ہلا دیا۔
”اوکے علینہ میں اب چلتی ہوں۔ گاڑی آچکی ہو گی میری۔“
وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔
”تم تو غالباً“ ابھی رکو گی۔“
”ہاں کچھ دیر میری گاڑی ایک بجے آئے گی۔“
”چلو تو میں ڈراپ کر دوں۔“
”نہیں شکریہ مجھے ابھی کچھ نوٹس بھی لینے ہیں صبا سے۔“
اس نے شولڈر بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا لیکن اٹھی نہیں وہیں بیٹھی ندا کو جاتے دیکھتی رہی۔ آج ندا نے اسے حیران کیا تھا۔ وہ ہمیشہ خود کو لیے دیے رکھتی تھی کبھی جو سب مل کر بیٹھتی تھیں تو وہ بہت کم گفتگو کرتی تھی۔ اس کی گفتگو دلچسپ ہی ہوتی تھی فارسی اردو کے بے شمار شعر محاورے یاد تھے اسے جو اپنی مختصر گفتگو میں استعمال کرتی تھی۔
”چلو تجسس تو ختم ہوا۔“
وہ کپڑے جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن دونوں کے لباس اور طرز زندگی میں اتنا تضاد اگر وہ شخص نادیہ کا باس تھا تو وہ

اس کے ساتھ یقیناً" بہت بے تکلف تھی۔ اور نادیہ کے متعلق اس کی رائے کچھ اچھی نہ تھی جبکہ ندا۔ ندا کتنی مختلف تھی اس سے وہ اسے دوست بنا کر خوش تھی۔ پہلے دن ہی اسے اچھی لگی تھی وہ آج نہیں آئی تھی ورنہ وہ اس سے ندا کے ساتھ آج کی گفتگو ضرور ڈسکس کرتی۔ یونیورسٹی میں وہ صرف حفصہ ہی کچھ قریب تھی۔ باقی لڑکیوں سے رسمی سی بات چیت ہوتی تھی۔ حفصہ کے بغیر اس کا دل بھی نہیں لگ، اس لیے صبا سے اپنے نوٹس لے کر وہ فوراً" ہی گھر آ گئی تھی حالانکہ صبا اور نویدہ وغیرہ ابھی کچھ دیر لائبریری بیٹھنا چاہ رہی تھیں۔ لیکن اس کی گاڑی آ گئی تھی سو وہ رکی نہیں۔ ایرج آج گھر پر ہی تھی۔ ان کے کالج میں اسپورٹس ڈے کی چھٹی تھی۔

"ایرو۔"

وہ لاؤنج میں ہی بیٹھ گئی۔

"وہ لڑکی جو مارکیٹ میں ملی تھی نا۔"

"توبہ ہے عینا تم تو کوئی بات سر پر سوار کر لیتی ہو۔ بھول جاؤ اسے اب اگر وہ تمہاری کلاس فیلو ندا ہوتی تو پہچان کر آواز نہ دیتی۔"

"وہ ندا کی کزن تھی۔" اس نے انکشاف کیا۔

"کیا مطلب۔"

ایرج نے پوچھا۔

"تمہیں کس نے بتایا۔"

"ندا نے۔"

"میں نے اسے بتایا تھا کہ میں نے اس سے بے حد مشابہ لڑکی دیکھی ہے۔"

"چلو تمہارا تجسس تو ختم ہوا۔"

"مما نظر نہیں آ رہیں۔"

"وہ مارکیٹ گئی ہیں عذرا پھپھو کی فیملی کے لیے گفٹ لینے۔"

"کیا پھپھو آ رہی ہیں۔"

علینہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"نہیں بلکہ وہ جا رہی ہیں۔"

"کیوں۔"

"انعم آپی کا نکاح ہے۔"

"تمہیں کس نے بتایا کون کون جا رہا ہے۔

پوری بات تفصیل سے بتاؤ نا کیا قسطوں میں بتا رہی ہو۔"

علینہ نے جھنجلا کر اسے دیکھا تو وہ ہنس دی۔

"لاہور سے پھپھو کا فون آیا تھا اور انکل نے بھی بات کی تھی انعم کا نکاح ہے سب کو بلایا ہے۔"

"صرف نکاح اور وہ جو شبی کی شادی ہونا تھی۔"

اس نے سوالیہ نظروں سے ایرج کو دیکھا۔

"شبی کی شادی تو اگست میں ہے نا۔ لیکن انعم آپی کا نکاح جس کے ساتھ ہو رہا ہے وہ جرمنی میں رہتا ہے۔ نکاح اس لیے پہلے ہو رہا ہے کہ اگلے سال جب وہ رخصتی کے لیے آئے تو انعم کو ساتھ لے جانے میں آسانی ہو۔ اس دوران پیپرز وغیرہ بن جائیں گے۔"

ایرج نے تفصیل بتائی۔

"کتنی لکی ہے انعم ہے نا۔"

اس نے ایرج کی طرف تائیدی انداز میں دیکھا۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو۔ پتا نہیں وہ لڑکا کیسا ہے۔ پھپھو تو کچھ پریشان ہی لگ رہی تھیں۔ پپا بتا رہے تھے مما کو کہ اس کی ایج کچھ زیادہ ہے لیکن انکل نے اپنی مرضی چلائی ہے۔"

"انعم آپی تو ہے نا جرمنی چلی جائے گی۔ اپنے ہسبنڈ کے ساتھ مجھے بھی بہت شوق ہے کسی دوسرے ملک جانے کا۔"

"واؤ۔"

ایرج نے ہونٹوں کو سکیڑا۔

"تمہارے اس شوق کا انکشاف پہلی بار ہوا ہے۔ لیکن اگر ایسا ہی شوق تھا تو مما کی بات کیوں نہیں مان لی۔"

"بکو مت۔"

علینہ نے اسے جھڑک دیا۔

"اس ہاگڑ بلے کا نام مت لو میرے سامنے اللہ جانے حمیرا آنٹی نے اسے تہذیب و اخلاق کیوں نہیں سکھائے۔"

"ویسے اسفر بھائی بھی تو امریکہ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں تمہارا شوق بھی پورا ہو جائے گا۔"

"اچھا خیر یہ بتاؤ لاہور کون کون جا رہا ہے۔"

اس نے ایرج کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"صرف مما اور پپا۔"

"میں بھی جاؤں گی۔ تم بھی چلو نا۔"

"نہ بابا تمہیں تو جانا ہے اسفر بھائی کا دیدار کرنے اور مجھے پڑھنا ہے امتحان سر پر کھڑے ہیں ویسے اسفر بھائی نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ تم بھی اس نکاح میں ضرور شرکت کرو اسی بہانے۔"

"فضول مت بولو تمہیں کیسے پتا کہ اسفر کی خواہش۔"

"مجھے اس طرح پتا ہے کہ اسفر بھائی کا فون آیا تھا۔"

ایرج بھی آج شرارت پر آمادہ تھی۔

"کب کب آیا تھا فون تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

علینہ کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"آج۔ ابھی کچھ دیر پہلے تم سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔ میں نے بتا دیا ابھی یونیورسٹی میں ہیں۔"

"اور اور کیا کہا تھا۔"

اس کے لہجے میں بے قراری تھی۔

"اب بھلا وہ مجھے اور کیا کہتے۔ تمہارے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا تھا اور اصرار کر رہے تھے کہ ہم سب نکاح کی تقریب میں ضرور شریک ہوں۔ اس اصرار کے پس پردہ جو خواہش تھی وہ ظاہر ہو رہی تھی۔" ایرج نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"اسفر کو پتا تو ہوتا ہے کہ میں اس وقت یونیورسٹی میں ہوتی ہوں۔"

علینہ کو افسوس ہو رہا تھا کہ اسفر سے بات نہیں ہو سکی۔

"بھول گئے ہوں گے ویسے اداس مت ہو شام کو فون کریں گے پھر۔" ایرج نے اسے تسلی دی تو اس نے کسی قدر مطمئن ہو کر پوچھا۔

"مما پپا کب جا رہے ہیں لاہور۔"

"پرسوں۔"

ایرج نے کہا۔

"سنڈے کو نکاح ہے۔"

"اریرو تم بھی چلو دو دن کی تو بات ہے۔ میں اپنے ہوش میں تو لاہور نہیں گئی آج تک سچی بہت مزا آئے گا۔ سب سے ملیں گے۔ مجھے تو کسی کی شکلیں تک یاد نہیں ہیں پھر حمنہ پھپھو بھی تو ہیں نا لاہور میں شجاع بھائی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"مما نہیں لے کر جائیں گی عینا۔ وہ کہہ رہی تھیں دو ماہ بعد شبی کی شادی پر جانا تو ہے ہی اور پھر یہ صرف نکاح کی تقریب ہے۔ سب کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"نکاح ہی پوری شادی میں سب سے اہم ہوتا ہے۔"

علینہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"مما آجائیں تو میں بات کرتی ہوں۔ میں تو ضرور جاؤں گی۔ کم از کم میرا انتظار تو کر لیتیں۔ میں بھی کچھ شاپنگ کر لیتی۔ پہلی بار جاؤں گی تو سب کے لیے کچھ چھوٹے چھوٹے گفٹ لے لیتی۔ انعم سمن اور ناو غیرہ کے لیے۔"

"عینا تم نے تو پلان بھی بنالیا جانے کا۔ مما شاید تمہیں نہ لے کر جائیں۔"

اریج نے بغور اسے دیکھا وہ بہت پر جوش نظر آرہی تھی۔

"یار یہ مما کی مجھے سمجھ نہیں آتی ایک دم ہی کایا پلٹ گئی ہے ان کی پہلے تو ایسی نہ تھیں۔"

"کیسی۔"

اریج نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایسی جیسی اب ہو گئی ہیں یعنی پپا کے رشتہ داروں سے الرجک..... طیبہ پھپھو کے گھر جانا انہیں پسند نہیں رہا۔ عذرا پھپھو اور اسفرا نہیں اچھے نہیں لگتے ماہ نور اور نرمل میں انہیں بے شمار خامیاں نظر آنے لگی ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ پہلے تو مما طیبہ پھپھو کے ہاں بہت جایا کرتی تھیں اور ہمارا جانا بھی انہیں برا نہ لگتا تھا۔" اریج نے تائید کی۔

"شاید یہ حمیرا آنٹی کی آمد کی وجہ سے ہے ویسے ان کے گھر سے کون جا رہا ہے۔"

"صرف پھپھو جائیں گی مما پپا کے ساتھ ہی۔" اریج نے بتایا۔

"بہرحال میں تو ضرور جاؤں گی۔"

علینہ کا انداز حتمی تھا۔

"عینا تم بھی بس جو بات ٹھان لیتی ہو پورا کر کے ہی رہتی ہو۔ مما ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں دو ماہ بعد شبی کی شادی میں سب ہی چلیں گے۔ ادھر سے بھی سمن وغیرہ جائیں گی۔ مزا آئے گا۔"

"تو پھر بھی چلے جائیں گے۔"

ابھی وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فون کی بیل ہوئی۔

"اسفر بھائی کا ہی ہو گا اٹھالو۔"

اریج نے قریب رکھے فون کی طرف اشارہ کیا تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر فون کی طرف بڑھی۔ دوسری طرف اسفر ہی تھا اس نے مسکرا کر اریج کی طرف دیکھا اور دھیرے دھیرے باتیں کرنے لگی۔

■■■

اسفر آفس سے اٹھے تو بے حد تھکن محسوس کر رہے تھے۔

اسٹاپ پر کنوینس کے انتظار میں کھڑے کھڑے ایک لمحہ کو انہوں نے سوچا تھا کہ وہ گھر جانے کے بجائے حمنہ خالہ کی طرف چلے جائیں اور باقی کا دن ان کے گھر کے خوب صورت ماحول میں شاہرم اور قائم انکل کی دلچسپ باتوں میں گزار دیں۔ حمنہ خالہ کی شفقتوں اور محبتوں کا لطف اٹھائیں۔ اور وہ جو دل پر ایک بوجھ سا دھرا ہے اسے اتار کر بہت پر سکون سے ہو کر گھر جائیں لیکن پھر عذرا بیگم کے خیال سے وہ اپنے گھر کی طرف جاتی وین پر سوار ہو گئے۔ "خواہ مخواہ امی جان پریشان ہوں گی۔ پھر کسی روز چلا جاؤں گا بلکہ چھٹی والے روز امی جان اور سمن انعم کو بھی

ساتھ لے کر چلا جاؤں گا۔"

پتا نہیں کیوں جب سے انعم کے نکاح کی تقریب ہوئی تھی دل پر ایک نامعلوم سی اداسی چھائی ہوئی تھی حالانکہ بظاہر آصف میں ان کو کوئی ایسی بات نظر نہ آئی تھی جو باعث پریشانی ہوتی۔ ساری تقریب بہت اچھے طریقے سے ہو گئی تھی۔ پھر بھی کچھ تھا جو دل پر ایک بوجھ کی طرح دھرا تھا۔ لیکن کیا وہ خود سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ آفس جوائن کیے انہیں تقریباً پندرہ دن ہو چکے تھے اپنے گھر کے اسٹاپ پر اترتے ہوئے انہوں نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ ساڑھے چار ہو رہے تھے۔ آج وہ کچھ پہلے ہی آفس سے نکل آئے تھے عموماً چھ سات بج جاتے تھے۔ پرائیویٹ جاب میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ گو تنخواہ کافی اچھی تھی۔ عموماً دوپہر کا کھانا وہ نہیں کھاتے تھے لنچ ٹائم میں کچھ ہلکا پھلکا لے لیتے ورنہ صرف چائے اور بسکٹ وغیرہ سے ہی کام چلا لیتے تھے حالانکہ عذرا بیگم نے دو تین بار کہا بھی تھا کہ وہ کچھ سینڈوچ وغیرہ لے جایا کریں۔ لیکن انہوں نے منع کر دیا تھا۔ گھر آکر بھی وہ صرف چائے لیتے تھے اور کھانا رات کو سب کے ساتھ ہی کھاتے تھے۔

آج انعم نے انہیں خلاف معمول کچھ جلدی آتے دیکھا تو رمضان کو چائے بنانے کا کہہ کر وہ ان کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے پڑی چیئر پر اس کی پشت پر سر رکھے آنکھیں موندے بیٹھے تھے۔ چہرے پر تھکن اور الجھن تھی وہ کھلے دروازے کے بیچوں بیچ جھجک کر کھڑی ہو گئی۔ آہٹ پر اسفر نے خود ہی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"ارے آنی وہاں کیوں کھڑی ہو۔ اندر آجاؤ۔"

وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک ہے بھائی۔"

"ہاں۔"

وہ مسکرائے۔

"بس ذرا تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔"

"آپ کے لیے کھانا لگاؤں۔"

انعم ابھی تک دروازے کے درمیان ہی کھڑی تھی۔

"نہیں کھانا رات میں ہی کھاؤں گا سب کے ساتھ۔"

"میں نے رمضان کو چائے کا کہہ دیا ہے۔"

انعم نے بتایا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"ٹھیک ہے میں پہلے باتھ لے لوں اور چینج کر لوں۔"

وین کے انتظار نے برا حال کر دیا تھا۔ لگ رہا تھا کہ گرمی اس سال شدید پڑے گی۔

"چائے کے ساتھ چکن نگٹس اور رول بھجوا دیتی ہوں۔"

انعم جانے کے لیے مڑی تو وہ بے اختیار اسے بلا بیٹھے۔

"آنی بیٹا تم خوش تو ہو نا۔"

وہ بات جو اتنے سارے دنوں سے وہ اس سے پوچھنا چاہ رہے تھے اور پوچھ نہیں پا رہے تھے آج بے اختیار ہی پوچھ بیٹھے۔

انعم کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو حیرت نظر آئی تھی پھر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ اور جھکی جھکی نگاہوں سے کہا۔

"جی۔"

وہ بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ ان سے چھوٹی بہن تھی اگر وہ اس گھر میں پلے بڑھے ہوتے تو ان کی انعم سے خوب دوستی ہوتی اور یہ ایک بات پوچھنے کے لیے انہیں اتنے دن نہ لگتے۔ جب سے انعم کا نکاح ہوا تھا وہ انہیں بہت سنجیدہ اور خاموش لگ رہی تھی۔ کم گو تو وہ ہمیشہ سے ہی تھی۔ جب وہ کراچی سے آئے تھے تو انہوں نے سمن

اور شبی کو شرارتیں کرتے ایک دوسرے سے نوک جھونک کرتے دیکھا تھا لیکن انعم ان کی باتوں پر دھیمے دھیمے مسکرائی رہتی تھی۔ مگر وہ اتنی سنجیدہ اور خاموش تو کبھی نہ لگی تھی اس سنجیدگی میں ایک اداسی کا سا تاثر محسوس ہوتا تھا انہیں۔ کیا وہ اس رشتے سے خوش نہیں ہے۔ ان بیتے دس بارہ دنوں میں بارہا انہوں نے سوچا تھا اور پھر عذرا بیگم بھی تو بے حد اداس تھیں۔ کاش وہ کراچی سے واپس آکر بلند بخت کے پاس نہ رکتے تو شاید۔

لیکن وہ بھلا کیا کر لیتے۔

ان کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی ابا جان نے بھلا کب ان کی کسی بات کو اہمیت دی تھی جواب...

وہ اسلام آباد سے واپس آئے تو سمن نے انہیں انعم کا رشتہ طے ہونے اور حمنہ خالہ کی شجاع کے سلسلے میں آمد کے متعلق بتایا تھا انہیں از حد حیرت ہوئی۔

"سمو ابا جان نے حمنہ خالہ کو انکار کر دیا۔ اور یہ لڑکا آصف کیا یہ شجاع کے مقابلے میں بہت اچھا ہے۔"

"پتا نہیں اسفی بھائی لیکن ابا جان کا یہی فیصلہ ہے۔ چند دن بعد نکاح ہے خود ہی دیکھ لیجیے گا کہ وہ شجاع بھائی سے کتنے بہتر ہیں۔"

سمن کے لہجے میں تلخی تھی۔

"کیا ابا جان نے انعم سے پوچھا۔"

وہ سمن سے پوچھ رہے تھے جب انعم کمرے میں داخل ہوئی۔

"ابا جان نے کسی سے نہیں پوچھا وہ صرف فیصلہ سنایا کرتے ہیں۔"

سمن کے لہجے کی تلخی بدستور قائم تھی۔

"سمن۔"

انعم کی نظروں میں تنبیہہ تھی۔

"مجھے ابا جان کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں پھر تم خواہ مخواہ کیوں ہلکان ہو رہی ہو۔"

وہ بات مکمل کر کے تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔ تب وہ سمن سے ساری تفصیل سن کر پریشان سے ہو گئے تھے۔ کراچی میں اور پھر اسلام آباد میں اتنے خوشگوار دن گزار کر آئے تھے اور یہاں آتے ہی۔

"امی جان بھی بہت افسردہ ہیں۔ انہیں حمنہ خالہ کو انکار کرنے کا بہت دکھ ہے۔"

سمن نے انہیں بتایا تھا اور وہ کچھ دیر بعد عذرا بیگم کے سامنے بیٹھے افسردگی سے پوچھ رہے تھے۔

"آخر ابا جان ایسا کیوں کرتے ہیں۔ میں سمجھتا تھا صرف مجھ سے ابا جان کو چڑ ہے لیکن باقی سب انعم، سمن بشی، رونا، مدثر سب ان کے بے حد لاڈلے ہیں لیکن پہلے سمن پھر شبی اور پھر آپی" انہوں نے ایک نظر عذرا بیگم کے چہرے پر ڈالی تھی جو بالکل چپ بیٹھی بے تاثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"اور آپی کے لیے ان کا یہ فیصلہ مجھے بالکل پسند نہیں آیا امی جان۔ میرا دل ان کے اس فیصلے پر ذرا بھی خوش نہیں ہے۔ بے شک آصف بہت اچھا ہوگا لیکن شجی تو ہمارا اپنا ہے۔ حمنہ خالہ کا بیٹا ہے وہ اس لحاظ سے تو اس کا پلڑا بھاری ہونا چاہیے تھا۔"

"اور اسی لیے تو میاں صاحب نے اسے ریجیکٹ کر دیا کہ وہ حمنہ کا بیٹا ہے۔"

عذرا بیگم خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کا چہرہ سپاٹ تھا ہر احساس سے عاری اور وہ ہونٹوں کو سختی سے بھینچے ہوئے تھیں۔

"شجی بہت بہترین لڑکا ہے اور حمنہ خالہ کا گھر ایک آئیڈیل گھر ہے۔ آپی وہاں بہت خوش رہتی۔ پتا ہے امی جان جب میں اماں جان کے گھر رہتا تھا تو جب کبھی حمنہ خالہ آتیں تو مجھے اتنا پیار کرتیں کہ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگا کرتا تھا کہ وہ کبھی نہ جائیں۔ مجھے ان کے پاس سے آپ کی خوشبو آتی تھی۔ آپ نے کچھ تو ضد کی ہوتی ابا جان سے انعم آپ کی بیٹی ہے آپ کا حق ہے کہ آپ اس کے مستقبل کے فیصلے میں رائے دیں۔"

"ضد..... حق۔"

عذرا بیگم کے ہونٹ لرزے۔

"میں نے بہت کہا تھا اسفی بہت ضد کی تھی پہلی بار زندگی میں پہلی بار میں نے میاں صاحب کے کسی فیصلے پر اختلاف کیا تھا اپنی انعم کی خوشیوں کے لیے۔" ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اور سپاٹ چہرے پر تاسف اور دکھ کا گہرا رنگ جھلکنے لگا تھا۔ اتنے دنوں سے جو بے حسی سی طاری تھی۔ اسفر کے سامنے اس بے حسی کا خول ٹوٹنے لگا تھا۔ دل جیسے پگھل پگھل کر پانی ہو رہا تھا۔

"امی جان۔"

اسفر نے عقیدت و محبت سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"میں بات کروں ابا جان سے۔"

"نہیں۔"

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا اور آنسو ان کے رخساروں پر ڈھلک آئے اور وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے بلک بلک کر رونے لگیں۔ کتنے دنوں کا غبار جو دل پر چھایا تھا آنسوؤں کی راہ بہہ نکلا تھا۔ اسفر کچھ دیر بے بسی سے انہیں روتا دیکھتے رہے۔

"امی جان پلیز۔"

انہوں نے نرمی سے ان کے ہاتھ چہرے سے ہٹائے" ایسا مت کریں۔ اس طرح مت روئیں پلیز میں بات کرتا ہوں ابا جان سے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتا ہوں شاید۔"

"نہیں، نہیں بس دعا کرو خدا میری انعم کا نصیب اچھا کرے۔ شبی کہہ رہا ہے لڑکا اچھا ہے۔ حاجی صاحب بھی تعریف کر رہے ہیں۔ بس شجاع بھانجا ہے نا تو میرا دل اس کی طرف لپکتا ہے۔ ورنہ تو میں خوش ہوں۔"

"نہیں آپ خوش نہیں ہیں۔ سمن خوش نہیں ہے۔ شبی بھی اداس ہے۔ مجھے ابا جان سے ضرور بات کرنا چاہیے۔"

انہوں نے اٹھنا چاہا تو عذرا بیگم نے گھبرا کر انہیں اٹھنے سے روکا۔

"نہیں، نہیں اسفی ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ نکاح کی تاریخ طے ہو چکی ہے میں نے بھی خواہ مخواہ تمہیں پریشان کر دیا۔ تم ابھی سفر سے آئے ہو۔ جاؤ نہا دھو کر ریلیکس ہو جاؤ۔"

انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی تو اسفر نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"آپ کی پریشانیاں کیا مجھ سے الگ ہیں کیا میں اس گھر کا فرد نہیں ہوں۔ ایسا مت کیا کریں امی جان۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں ابھی تک آپ کے لیے اس گھر کے لیے اجنبی ہوں۔ میرا اس گھر کی خوشیوں پریشانیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"نہیں میری جان۔"

عذرا بیگم نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"تم اجنبی نہیں ہو۔ تم ہی تو ہو جس سے میں اپنا دکھ سکھ کہہ سکتی ہوں۔ تم اور انعم، سمو جذباتی ہے اور شبی ابھی بچہ ہی ہے۔"

"تو پھر جو کچھ آپ کے دل میں ہے مجھ سے کہہ دیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں آپ کا دوست۔"

انہوں نے آہستگی سے عذرا بیگم کے ہاتھوں کو تھپتھپایا تو انہوں نے ایک ممنونیت بھری نظر ان پر ڈالی۔

"مجھے اس کا دکھ تو ہے کہ میاں صاحب نے حمنہ کو انکار کر دیا یہ فطری بات ہے میں اور حمنہ جس قدر ایک دوسرے کے قریب تھے اور جس طرح شادی سے پہلے ہم میں پیار تھا حمنہ کے منہ سے شجاع کے رشتے کا سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی اور انکار پر دکھ بھی ہوا۔ لیکن شاید انعم کے نصیب میں شجاع نہیں تھا۔ میں نے اس پر بھی سر جھکا دیا۔ اللہ کی یہی مرضی ہوگی لیکن ماں ہوں پتا نہیں کیوں میرا دل ڈرتا ہے۔ حالانکہ شبی نے مجھے بڑی

تسلی دی ہے اسے آصف اچھا ہی لگا ہے۔ بس خدا میری انعم کا نصیب اچھا کرے قدر کرنے والا شریک زندگی ہو۔"

انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"مرد عورت کی قدر کرنے والا ہو اس کا احترام کرے اس کے حقوق کا خیال رکھے اسے حقیر اور کمتر نہ سمجھے تو عورت غربت اور تنگی میں بھی باخوشی گزارا کر لیتی ہے۔ اور اگر مرد عورت کا تمسخر اڑاتا رہے اسے حقیر اور کمتر جانتا رہے اس کی قدر نہ کرے تو سونے کے ڈھیر پر بیٹھ کر بھی وہ ناخوش رہتی ہے بیٹا۔ مٹی کا ڈھیر ہو جاتی ہے۔"

اور انہیں لگا تھا جیسے عذرا بیگم بھی مٹی کا ڈھیر ہو چکی ہوں۔ وہ سونا تھیں اور مٹی بن گئی ہوں۔ وہ ایک گہرے دکھ کو اپنے اندر اترتے محسوس کر رہے تھے اور انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے کس طرح عذرا بیگم کا دامن خوشیوں سے بھر دیں۔ کاش میاں صلاح الدین نے ان کی قدر کی ہوتی۔ وہ بالکل غیر ارادی طور پر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھے تھے اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ کر خاموش تسلی دی۔ کوئی ایسا لفظ نہیں مل رہا تھا جو ان کے احساسات کی ترجمانی کر سکے تب ہی میاں صلاح الدین کمرے میں داخل ہوئے۔ اسفر نے احتراماً" کھڑے ہو کر سلام کیا۔

"تو آپ آ گئے۔"

سلام کا جواب دے کر انہوں نے سرتاپا اسفر پر ایک نظر ڈالی۔ ایک طنزیہ سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا اور وہ عذرا بیگم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"تو آپ نے بتا دیا اپنے صاحبزادے کو انعم کے نکاح کے متعلق۔"

"جی۔"

عذرا بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان کے چہرے پر پھر وہی پہلے والا سپاٹ پن آ گیا تھا۔ اور شاید جب کسی کو اتنا زیادہ ڈی گریڈ کیا جاتا ہے اور اس کی اتنی ناقدری کی جاتی ہے تو ایسا ہی سپاٹ پن آ جاتا ہے اس میں' اسفر نے سوچا تھا۔

"اگر ان کو اپنی دلچسپیوں سے فرصت مل سکے تو ان سے کہیے گا کہ بہن کے نکاح کی تقریب میں بھی کچھ دلچسپی لے لیں۔"

ہمیشہ کی طرح ان کے لہجے میں طنز در آیا تھا۔ وہ عذرا بیگم کی طرف دیکھ رہے تھے گو مخاطب اسفر تھا۔

"مبشر کی پڑھائی کا حرج ہو گا ورنہ مجھے ان سے کہنے کی ضرورت نہ تھی۔"

"جی کہیے مجھے کیا کرنا ہے۔"

اسفر کا لہجہ مودب تھا۔

"بھئی بل تو جوتتے نہیں۔ لوگ تو بہنوں کی شادیوں کی ساری ذمہ داریاں سنبھال لیتے ہیں لیکن آپ خیر۔"

انہوں نے ایک طنزیہ سی نظر ان پر ڈالی۔

"کچھ ایسا بڑا کام نہیں۔ کارڈز چھپنے کے لیے دیے تھے علی پریس پر وہ لے آئیے۔ مبشر کے پاس مہمانوں کی لسٹ ہے۔ وہ لے کر کارڈز تقسیم کروا دیجیے۔"

اب وہ براہ راست اسفر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ہال کی بکنگ ہو چکی ہے کھانے وغیرہ کا انتظام حاجی صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔ ان کی کیٹرنگ والوں سے اچھی دعا سلام ہے۔"

"جی بہتر۔"

اسفر ابھی تک کھڑے تھے۔

"اور ہاں میں اس لیے آیا تھا عذرا بیگم کہ آپ کو تو کچھ خبر نہیں کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں حالانکہ یہ عورتوں کے

کام ہوتے ہیں۔ انہیں خبر ہوتی ہے کہ کیا دینا دلانا ہے لیکن پھوپھی جان مرحومہ نے نہ جانے آپ کی کیسی تربیت کی ہے کہ ہر بات مجھے بتانی پڑتی ہے۔"

اسفر کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا اور انہوں نے بے اختیار عذرا بیگم کی طرف دیکھا جو یونہی سپاٹ چہرہ لیے کھڑی تھیں جیسے میاں صلاح الدین کی اس طنزیہ گفتگو سے کوئی اثر نہ پڑا ہو ان پر۔

"لڑکے کے لیے انگوٹھی اور گھڑی خریدنا ہے۔ کپڑوں کے لیے میں نے اسے بیس ہزار بھجوا دیے ہیں۔ اچھے سے دو جوڑے اور جوتے وغیرہ اپنی پسند کے خرید لے۔ میرے خیال میں دو جوڑے کافی ہوں گے۔ ایک سوٹ تھری پیس اور ایک پینٹ شرٹ۔"

"جی جو آپ مناسب سمجھیں۔"

عذرا بیگم نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اور شکر ہے کہ آج میں حاجی صاحب کی طرف چلا گیا تو بھائی صاحب نے پوچھ لیا کہ کیا کچھ دینا دلانا ہے۔ سمدھیانے والوں کے لیے کیا خریدا ہے۔ ورنہ آپ نے تو نکاح کے روز بے عزتی کروا دینی تھی بھائی صاحب سے ہی پوچھ لیا تھا میں نے کیا کرنا ہے کہہ رہی تھیں لڑکے کے ماں باپ تو ہیں نہیں بھائی بھاوج کے لیے اور بھتیجوں بھتیجیوں کے لیے جوڑے تو ہوں۔ ایک چھوٹا موٹا زیور بھی ہونا چاہیے بھاوج کے لیے' ماں کی جگہ ہے۔ رخصتی پر کوئی بھاری سیٹ یا کڑے وغیرہ دے دیں گے اس وقت کوئی ہلکا پھلکا سا لاکٹ سیٹ لے لیں یا بالیاں ٹاپس وغیرہ کیا خیال ہے آپ کا۔"

"جو آپ مناسب سمجھیں۔"

عذرا بیگم کا جواب پہلے جیسا ہی تھا۔

"کیا آپ کی اپنی کوئی رائے نہیں ہے۔"

میاں صلاح الدین جھنجلائے۔

"میری رائے۔"

ان کی آنکھوں میں حیرت اور تاسف کے رنگ ملے جلے تھے اسفر کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"جی آپ کی رائے۔"

میاں صلاح الدین کی آواز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

"میری رائے۔"

انہوں نے دہرایا۔

"بھلا میں کیا رائے دے سکتی ہوں۔"

انہوں نے بے بسی سے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا اسفر کے دل پر ضرب سی پڑی۔

"آپ بہتر سمجھتے ہیں جو کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے آپ رائے مت دیں اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو میرے ساتھ چلیے میں آپ کو لینے ہی آیا تھا۔ انگوٹھی کپڑے وغیرہ جو بھی خریدنے ہیں آج لے لیں۔"

"جی اچھا۔" عذرا بیگم کھڑی ہو گئیں۔

"میں جانتا ہوں آپ کا موڈ کیوں خراب ہے کہ میں نے آپ کے بھانجے محترم کو ریجیکٹ کر دیا ہے لیکن عذرا بیگم یاد رکھیے گا کہ حمنہ کو اپنی بیٹی کا رشتہ میں کبھی نہ دوں گا نہ آج نہ کل' چاہے اس کا بیٹا منسٹر ہی بن کر کیوں نہ آ جائے۔ اگر یہ بات آپ کو سمجھ آ گئی ہو تو پھر یہ سیاپا ختم کر کے خوش دلی سے بیٹی کے نکاح کی تیاری میں حصہ لیں۔"

بات مکمل کر کے ایک نظر انہوں نے زرد پڑتے عذرا بیگم کے چہرے پر ڈالی اور پھر اسفر کی طرف دیکھا جو ہونٹ بھینچے کھڑے تھے۔

"میں باہر گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں چادر لیجیے اور آجایئے۔"

"سمن کو ساتھ لے لیں امی جان میں کہتا ہوں اس سے۔"

بمشکل خود کو کمپوز کر کے انہوں نے عذرا بیگم کو تسلی اور سہارے کے لیے مشورہ دیا۔

"کپڑوں وغیرہ کی خریداری میں ایک کے بجائے دو خواتین کی رائے شامل ہو تو بہتر ہو گا۔"

انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"ویسے تو انعم کی رائے سمن کے مقابلے میں زیادہ اچھی ہو گی لیکن اپنے سسرالیوں کے لیے اسے خود تو کپڑے خریدنے نہیں جانا۔"

"نہیں رہنے دو اسفر تمہارے ابا جان سمن کو دیکھ کر ناراض ہوں گے۔"

"کیا وہ اب تک سمن سے خفا ہیں۔"

انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

عذرا بیگم نے ایک گہری سانس لی اور وارڈ روب کھول کر چادر نکالی۔

"بھائی۔"

انعم نے جھجکی نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا جو کمرے کے بیچوں بیچ کھڑے اس پر نگاہیں جمائے جانے کیا سوچ رہے تھے۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں۔"

"اوہ ہاں کچھ نہیں۔"

چونک کر انہوں نے انعم کے چہرے سے نظریں ہٹالیں۔

اس کی سنجیدگی میں اداسی کے یہ رنگ پہلے اتنے گہرے تو نہ تھے وہ سچ مچ اداس ہے یا یہ محض میرے محسوسات ہیں۔ شاید نکاح کے فنکشن میں سید شجاع شاہ سے مل کر بات چیت کر کے انہیں جو کسی زیاں کا سا احساس ہوا تھا یہ سارے محسوسات اسی کا نتیجہ ہیں۔

شجاع سے پہلے ان کی صرف دو تین بار سرسری سی ملاقات ہوئی تھی لیکن نکاح کے فنکشن اور اس سے پہلے ایک روز انہیں شجاع کے پاس بیٹھنے اور اس سے دیر تک بات کرنے کا موقع ملا تھا اور انہیں اس کی بہت ساری خوبیوں کا ادراک ہوا تھا۔ وہ اس کے خیالات سے بے حد متاثر ہوئے تھے حسنہ خالہ یا شجاع نے کسی طرح کی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ وہ بہت خلوص سے نہ صرف شامل ہوئے تھے بلکہ ایک دن پہلے شجاع کے ساتھ آ کر حسنہ خالہ نے کسی بھی کام کے سلسلے میں اپنی مدد کی پیش کش کی تھی اور شجاع اور شاہرم نے ہر طرح سے نکاح کے فنکشن میں مہمانوں کا خیال رکھا تھا اور میاں صلاح الدین نے بھی انہیں مہمانوں کا استقبال کرتے اور خاطر تواضع کرتا دیکھ کر کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ ہی نکاح کے بعد اس پر تبصرہ کیا تھا جیسا کہ ان کی عادت تھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار "فوراً" کر دیا کرتے تھے۔

نکاح کی تقریب میں شرکت کرنے کراچی سے افضال حیدر، سعدیہ اور طیبہ خاتون بھی آئی تھیں۔ اور ان کے ساتھ علینہ کو دیکھ کر وہ بے اختیار کھڑے ہو گئے تھے۔

"علینہ تم۔"

اور میاں صلاح الدین نے ان پر ایک ناگوار سی نظر ڈالی تھی اور وہ دل ہی دل میں اپنی اس بے اختیاری پر نادم سے ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اس وقت جب افضال حیدر اور سعدیہ کے ساتھ علینہ نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا تھا تو میاں صلاح الدین لڑکے کی انگوٹھی اور لڑکے کے بھاوج کے کپڑے اور بھائی کی گھڑی عذرا بیگم کو دکھا رہے تھے۔ اسفر اور مبشر بھی وہاں ہی موجود تھے۔

علینہ اپنے اس سرپرائز پر چمکتی آنکھوں سے اسفر کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ جب عذرا بیگم نے گھبرا کر اسفر کی طرف دیکھا۔

"سفی بیٹا جاؤ انعم اور سمن کو بتاؤ جا کر کہ کراچی سے مہمان آگئے ہیں۔"

اور اسفر جو خود میاں صلاح الدین کی تیز نظروں سے گھبرا کر سر جھکائے کھڑے تھے تیزی سے ڈرائننگ روم سے نکل گئے تھے۔

"بھائی آپ ہاتھ لے لیں میں چائے بھجواتی ہوں۔"

انعم نے ان کی محویت کو توڑا۔

"وہاں یہ مبشر گھر پر ہے کیا۔"

انہوں نے یونہی اپنے خیالات کی رو سے جو علینہ کی طرف چلی گئی تھی پیچھا چھڑانے کے لیے پوچھا۔

"نہیں وہ تو اکیڈمی گیا ہے۔"

"اچھا جب آئے تو میرے کمرے میں بھیجنا۔"

وہ باتھ روم کی طرف بڑھے تو انعم بھی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"شاہ رخ شاہ یہ تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔"

زینت فاطمہ کے لہجے میں بے بسی سی تھی۔

"کیا کر رہا ہوں میں پھپھو۔"

شاہ رخ شاہ نے زینت فاطمہ کے سامنے بیٹھتے ہوئے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔

"یہ بلند بخت کو گھر میں ٹھہرانے کی کیا ضرورت تھی شاہ جی کو پتا چلا تو خفا ہوں گے۔"

"کیوں خفا ہوں گے پھپھو بلند بخت تو حویلی میں بھی ٹھہرا تھا شاہ زیب کی شادی میں اسفر، شاہرم اور بلند بخت تینوں ہی تو آئے تھے اور شاہ جی تو بہت اچھی طرح ملے تھے بلکہ انہیں پھر آنے کی دعوت بھی دی تھی۔"

"وہاں کی اور بات ہے چندا وہاں تو مردانہ حصہ بالکل الگ ہے لیکن یہاں۔"

"آپ یوں ہی پریشان ہو رہی ہیں پھپھو چند دن کی تو بات ہے بلند بخت گھر ملتے ہی ادھر شفٹ ہو جائے گا اور یہاں بھی تو گیسٹ روم گراؤنڈ فلور پر ہے اور آپ سب کے بیڈ رومز فرسٹ فلور پر ہیں۔" شاہ رخ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن گھر میں اسما شاہ بھی ہیں۔ شاہ جی کو پسند نہیں آئے گا کہ سیدہ اسما کے ہوتے تم نے کسی دوست کو گھر میں ٹھہرایا ہے۔"

"پھپھو آپ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوفزدہ مت ہوا کریں۔ بلند بخت میرا دوست ہے اور میں اس کی نیچر کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں آپ کو کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

شاہ رخ سنجیدہ ہو گئے۔

"میں نے قاسمی چاچو سے کہا تھا کہ کوئی چھوٹا سا فلیٹ مل جائے بلند بخت کے لیے' اسفر سے بھی کہہ رکھا ہے بلند بخت نے۔ امید تو ہے ایک دو روز تک گھر مل جائے گا۔"

زینت فاطمہ خاموشی سے کچھ سوچنے لگیں تو شاہ رخ نے ان کی طرف دیکھا۔

"پھپھو بلند بخت میرا بہت اچھا دوست ہے۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگا کہ میرے گھر کے ہوتے ہوئے وہ یہاں ہوٹل میں ٹھہرے۔ اسفر کا یہ مسئلہ ہے کہ وہ اپنے والد سے بے تکلف نہیں ہے وہ خود بھی اس گھر میں مہمانوں کی طرح رہتا ہے اور ہم لوگ میں' اور اسفر کتنی ہی بار بلند بخت کے گھر جا کر ٹھہرے ہیں۔ چھٹیوں میں دو تین چھٹیاں ہوتی تھیں تو وہ ہمیں زبردستی ساتھ لے جاتا تھا کہ اب دو تین دن ہوسٹل میں بور رہوں گے اور اس کے گھر والے پھپھو میں کیا بتاؤں کتنی محبت کرتے تھے ہم سے کتنا خیال رکھتے تھے اور کتنا خوش ہوتے تھے اور اس کے نانا ابا' نانی اماں سب گھر میں دعوت دیتے تھے کہ بلند بخت کے دوست آئے ہیں۔ وہ سب بہت محبت کرنے والے ہیں۔"

"میں دراصل شاہ جی کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔"

زینت فاطمہ شاہ رخ کے اتنی لمبی بات کرنے سے دل ہی دل میں نادم ہو گئی تھیں۔

"آپ اتنی خوفزدہ مت رہا کریں پھپھو۔"

شاہ رخ نے مسکرا کر انہیں تسلی دی۔

"اور ہاں آج شام چل رہی ہیں نا قاسی چاچو کی طرف۔ حمنہ آنٹی نے بہت تاکید کی تھی کہ سب رات کا کھانا ادھر ہی کھائیں گے۔"

"شارو تم نے حمنہ کو منع نہیں کیا۔ میں نے کہا تھا تمہیں منع کر دو۔"

"لیکن کیوں منع کرتا بھلا میں۔ اتنے شوق اور محبت سے تو بلایا ہے انہوں نے اور پھر اتنے سالوں بعد تو آپ قاسی چاچو سے ملی ہیں آپ کا جی نہیں چاہتا کہ روز ان سے ملیں۔ چاچو تو کہہ رہے تھے کہ میرا جی چاہتا ہے زینت فاطمہ کو اپنے پاس لے آؤں بہت سارے دن اپنے پاس رکھوں میرا اور میرے بچوں کا بھی حق ہے ان پر تم لوگوں نے بہت وصول کر لیں ان کی محبتیں۔ میں نے کہا کہ پھپھو آتی ہیں تو بے شک لے آئیں۔"

ہلکی سی مسکراہٹ نے زینت فاطمہ کے لبوں کو چھوا لیکن ساتھ ہی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"جب کبھی بھی شاہ جی کو پتا چلا کہ قاسی اور اس کے بچوں سے ہم ملتے رہے ہیں تو وہ بہت خفا ہوں گے شاہ رخ تم سمجھتے کیوں نہیں ہو اور ان کا غصہ، مجھے بہت خوف آتا ہے شارو۔"

"میں سب سمجھتا ہوں پھپھو۔ بہت سہہ لیں آپ نے جدائیاں پھپھو ہم نے سب رشتوں کی محبتیں دیکھی ہیں۔ سارے رشتے ہیں ہمارے پاس لیکن شاہرم اور شجاع تو رشتوں کے معاملوں میں بہت تنہا ہیں۔ آپ کی شفقتوں اور محبتوں پر ان کا بھی حق ہے پھپھو اور جہاں تک شاہ جی کی بات ہے انہیں اس کی خبر نہیں ہو سکتی کبھی بھی نہیں سیدہ اسما اور شاہ میر کو میں نے اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔ وہ دونوں بہت سمجھدار ہیں اور بہت خوش بھی ہیں چاچو سے مل کر۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"میں ذرا بلند بخت کی طرف جا رہا ہوں۔ ہمیں کچھ شاپنگ کرنا ہے۔ شام کو پھر تیار رہیے گا۔"

"حویلی سے کوئی فون آیا۔"

زینت فاطمہ نے پوچھا۔

"شاہ جی کا فون آیا تھا کل رات کو آپ نماز پڑھ رہی تھیں بی بی جی سے بھی بات ہوئی تھی سب ٹھیک ہیں زارا اور شاہ زیب کراچی گئے ہوئے ہیں۔ بی بی جی اداس ہو رہی تھیں۔"

"ہاں اتنی رونق کے بعد یکدم سب ہی گھر سے چلے گئے لیکن اچھا ہوا زیب، زارا کو بھی ساتھ لے گیا دل بہل جائے گا اس کا بھی ورنہ اس کے موڈ کا تو پتا ہی نہیں چلتا۔ زارا بھی کہہ رہی تھی کہ کیا خبر تیاری کر لوں تو ساتھ لے جانے سے انکار کر دیں۔"

"کیا مطلب۔"

شاہ رخ جاتے جاتے ٹھہر گئے۔

"کیا شاہ زیب خوش نہیں ہے زارا کے ساتھ۔"

"نہیں خیر ناخوش تو نہیں ہے۔ لیکن کبھی کبھی بہت زیادتی کر جاتا ہے زارا کے ساتھ۔ وہ بچی بے چاری تو سہمی سی رہتی ہے۔ لالہ کے گھر کا ماحول ذرا مختلف تھا۔"

"ذرا نہیں پھپھو زیادہ مختلف۔" شاہ رخ ہولے سے ہنسے۔

"جب وہ فیصل آباد میں تھے تو کئی بار ان کے ہاں گیا تھا چھٹیوں میں ان کے ہاں دوستانہ سا ماحول تھا۔ جبکہ ہمارے ہاں گھٹن ہے۔ اظہار لالا تو سارے بچوں سے بلکہ زارا سے بھی بہت بے تکلفی سی بات چیت کرتے تھے۔ مختلف مسائل زیر بحث آتے۔ وہ بچوں کی رائے کا احترام کرتے تھے اور بے جا پابندیاں نہیں تھیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" زینت فاطمہ نے آہستگی سے کہا۔

"پھپھو کیا آپ نے شاہ زیب کو سمجھایا نہیں کہ وہ زارا کے ساتھ زیادتی نہ کیا کرے۔ ابھی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔"

"سمجھایا تھا لیکن شاہ رخ وہ بالکل شاہ جی کی کاپی ہے کبھی چھوٹی سی بات پر غصے میں آ جاتا ہے اور کبھی بڑی سے بڑی بات نظرانداز کر جاتا ہے اور اسی بات سے زارا ڈر جاتی ہے۔"

"خیر اب ایسا بھی ہوا نہیں ہے شاہ زیب زارا اس کی بیوی ہے۔ میں کہوں گا اس سے کہ اتنا بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اسے اس طرح تو حضرت اور بھی شیر ہو جائیں گے اور خواہ مخواہ رعب جمائیں گے۔"

وہ ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے تو زینت فاطمہ کے چہرے سے پریشانی جھلکنے لگی وہ شاہ رخ سے یہ نہ کہہ سکیں کہ ایسا مت کرنا۔ شاہ زیب کو تو یہ بھی اچھا نہیں لگا کہ زارا نے تم سے فون پر بات کی اور یہ بات وہ شاہ رخ سے کہہ بھی نہ سکتی تھیں۔ اسے یقیناً صدمہ ہوتا۔ شاہ رخ اور شاہ زیب کے مزاج میں اتنا فرق کیوں ہے۔

انہوں نے بے بسی سے سوچا اور دل ہی دل میں دعا مانگنے لگیں سب کی خوشیوں اور زندگی کی۔

شاہ رخ نیچے اتر کر ٹی وی لاؤنج میں آئے تو تب بھی ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور پھر وہ یونہی مسکراتے ہوئے گیسٹ روم کی طرف بڑھ گئے۔ بلند بخت کمرے میں نہیں تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔

"تو حضرت باتھ لے رہے ہیں۔"

انہوں نے صوفہ چیئر پر بیٹھتے ہوئے پاکٹ سے موبائل نکالا اور شاہ زیب کا نمبر ملایا۔ کچھ ہی دیر بعد شاہ زیب کی آواز سنائی دی۔

"کیسے ہو شاہ زیب۔"

ان کے لہجے میں چھوٹے بھائی کے لیے پیار تھا۔

"فائن۔"

"کیسا جا رہا ہے تمہارا یہ ٹرپ۔"

"بہت اچھا۔"

شاہ زیب نے خوش ہو کر بتایا۔

"میں نے شاہ جی کے دوست کی شراکت میں کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ڈاکومنٹس تیار کروا رہا ہوں۔"

اس کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"شاہ جی کے یہ دوست تو بہت بڑے بزنس ٹائیکون ہیں اور یہ بہت پرافٹ ایبل بزنس ہے۔"

"وش یو گڈ لک شاہ زیب آئی ہوپ کہ تم بہت کامیاب رہو گے۔"

"دعا کیجیے گا۔"

شاہ زیب نے بے حد خوشگوار لہجے میں کہا۔

"زارا کہاں ہے ذرا اسے تو دو فون اس سے کہوں تمہارے کان کھینچ کر رکھے۔" ان کا انداز بے حد دوستانہ اور بے تکلفی لیے ہوئے تھا۔ دوسری طرف ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی پھر شاہ زیب کی آواز آئی۔

"زارا تو نہیں ہے امی کے ساتھ کہیں گئی ہے۔ شاپنگ وغیرہ کرنے۔"

"اچھا میری طرف سے دعا کہنا اسے اور ہاں وہاں سے فارغ ہو کر لاہور کا چکر بھی لگانا تم لوگ آؤٹنگ ہو جائے گی اور پھپھو بھی خوش ہو جائیں گی۔"

"او کے کوشش کروں گا۔"

شاہ زیب سے بات کر کے وہ خاصے مطمئن سے ہو گئے تھے ورنہ کچھ دیر پہلے زینت فاطمہ کی باتوں نے قدرے پریشان سے ہو گئے تھے وہ جانتے تھے زارا مختلف ماحول میں پلی ہے جب وہ لاہور میں پڑھ رہے تھے تو اظہار لالا کے بلانے پر کتنی ہی بار چھٹیوں میں ان کے ہاں گئے تھے اور انہوں نے محسوس کیا تھا کہ کوئی بھی زارا کی خواہش کو رد نہیں کرتا تھا نہ بھائی نہ اظہار لالا ۔ برسوں پہلے کی ایک شام انہیں یاد آ گئی وہ ان کے ساتھ لان میں بیٹھے تھے ان

دنوں انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور میں ایڈمیشن لیا تھا اور زارا غالباً "آٹھویں یا نویں جماعت میں پڑھتی تھی۔ اظہار لالا ان کی تعلیمی سرگرمیوں کے متعلق بات کرتے کرتے انہیں ایک دلچسپ مقدمے کے متعلق بتانے لگے تھے اور وہ بہت دلچسپی اور انہماک سے ان کی باتیں سن رہے تھے جب زارا لان میں آئی تھی ناراض ناراض اور خفا خفا سی۔

"بابا دیکھیں نا اماں جان مجھے اپنی دوست کے ہاں جانے کی اجازت نہیں دے رہیں۔ اس کی بہن کی مہندی ہے اور مجھے ضرور جانا ہے۔"

"ہاں ہاں ضرور جاؤ بیٹا۔"

"لیکن اماں جان نے منع کر دیا ہے۔ آپ دلوا دیں نا ان سے اجازت۔"

وہ منہ بسورتی ہوئی ان کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ایک شرط پر واپسی میں دیر نہ ہو بہت۔"

"جی۔"

وہ خوش ہو گئی۔ لیکن تائی جان غصے میں تھیں۔

"دن کی بات ہوتی تو اور بات تھی مجھے یہ رات کے فنکشن میں شریک ہونا پسند نہیں ہے۔ آپ تو کچھ سوچتے سمجھتے نہیں ہیں تنہا بچی کو جانے کی اجازت دے دی۔ آپ اتنے لاڈ نہ دیں کہ کل کو پچھتانا پڑے۔"

تائی بھی لان میں آ گئی تھیں۔

"مجھے اپنی بچی پر اعتبار ہے یہ کبھی ہمارا سر نہیں جھکائے گی اور ہاں بہو سے کہو وہ اس کے ساتھ چلی جائے ابرار خود چھوڑ آئے گا اور لے بھی آئے گا اور دیکھو تم زیادہ روک ٹوک مت کیا کرو۔ یہی تو چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں جن سے یہ معصوم چڑیاں خوش ہو جاتی ہیں۔ میکے کی حسین یادیں' کون جانے سسرال میں جا کر انہیں کتنا دل مارنا پڑے کتنی خواہشیں دل کے آنگن میں ہی دھری رہ جائیں۔"

ان کی آواز بھاری ہو گئی تھی اور اس سے انہیں اسما اور عظمیٰ کا خیال آ گیا تھا ابھی پچھلے سال کی ہی تو بات تھی دونوں نے عید پر بازار جا کر چوڑیاں پہننے کی خواہش کی تھی تو شاہ جی نے کس بری طرح ڈانٹ دیا تھا انہیں۔

"شاہ رخ چوڑیاں لے آئے گا خود بازاروں میں خوار ہونے کی ضرورت نہیں۔"

حالانکہ وہ دونوں تو ابھی بالکل بچیاں تھیں۔ تائی اماں خاموش ہو گئی تھیں اور وہ زارا کے جانے کے بعد بہت دیر تک اس کے متعلق باتیں کرتے رہے تھے۔ اس کے مزاج کے متعلق اس کی حساس طبیعت کے متعلق۔

"خدا کرے کہ اسے قدر اور محبت کرنے والا رفیق زندگی ملے۔"

وہ حیران ہوتے رہے تھے کہ بھلا اظہار لالا ان سے یہ سب کیوں کہہ رہے ہیں لیکن رات کو جب کھانے کے بعد وہ چہل قدمی کے لیے لان میں آئے تھے اور اپنے ہی دھیان میں ٹہل رہے تھے تو انہوں نے زارا اور بھابی کو باتیں کرتے سنا تھا وہ فنکشن سے واپس آئی تھیں اور گاڑی سے اتر کر اب اندر کی طرف جاتے جاتے پورچ کی سیڑھیوں پر رک گئی تھیں انہوں نے شاہ رخ کو نہیں دیکھا تھا جو چہل قدمی کرتے کرتے لان میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔

"تمہاری فرینڈ کی بہن تو پیاری ہے پتا نہیں دولہا کیسا ہے۔"

بھابی کہہ رہی تھیں۔

"میری فرینڈ نے بتایا ہے مجھے دولہا بھی خوب صورت ہے۔ لیکن سنجیدہ بہت ہے جب کہ میری دوست کی بہن بہت شوخ ہے اپنے کزن سے اس کی شادی ہو رہی ہے۔ میری فرینڈ کہہ رہی تھی باجی کا مزاج تو چھوٹے بھائی سے ملتا ہے لیکن شادی بڑے بھائی سے ہو رہی ہے۔"

"خیر سنجیدہ ہونا کوئی برائی نہیں ہے۔"

بھابی برآمدے میں رک گئی تھیں۔

"ہاں لیکن ہم مزاج بندے کا ساتھ ہو تو زندگی اچھی گزرتی ہے۔" زارا نے جواب دیا۔

"تمہیں کیسا بندہ پسند ہے۔"

"شوخ' شریر' ہر دم ہنسنے ہنسانے والا۔"

"لیکن شاہ رخ تو سنجیدہ سے ہیں۔"

بھابی کے لہجے میں شرارت تھی۔

"کیا مطلب۔"

زارا کے لہجے کی حیرت انہوں نے وہاں بیٹھے بیٹھے بھی محسوس کی تھی۔

"مطلب یہ کہ اگر تمہاری شادی شاہ رخ سے ہو جائے تو۔"

"تو اگر بابا جان اور اماں جان نے خود ہی فیصلہ کر لیا تو ٹھیک ہے لیکن اگر میری رائے پوچھی تو میں کہہ دوں گی کہ شاہ رخ کے بجائے شاہ زیب بہتر ہے۔"

پھر وہ یونہی ہنستی اور باتیں کرتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

زارا کی جرات پر وہ مسکرا دیے تھے اور انہوں نے ایک بار پھر سوچا تھا کہ اس کی جگہ اگر اسما ہوتی تو کچھ بھی نہ کہہ سکتی۔ پھر یہ بات ان کے ذہن سے نکل گئی تھی۔ چھ سال بعد جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر چکے تھے تو جب بی بی جی نے زارا سے متعلق ان کی رائے پوچھی تو بے اختیار ہی انہیں یہ بات یاد آ گئی تھی حالانکہ تب زارا کم عمر لڑکی تھی اور وہ بھی سیکنڈ ایئر کے اسٹوڈنٹ تھے اتنے سالوں میں انسان کی سوچ بدل بھی سکتی ہے۔ لیکن باہر جانے کے علاوہ یہ خیال بھی اندر کہیں موجود تھا اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ کسی کو پابند کر کے نہیں جانا چاہتے تھے۔ منگنی کر کے جانا غلط تھا تو شادی کر کے تنہا چھوڑ جانا اور بھی غلط تھا۔ اخلاقاً" اور مذہباً" بھی۔ پتا نہیں وہاں انہیں چار' سال لگ جائیں یا پانچ سال سو انہوں نے منع کر دیا تھا اور بظاہر یہی کہا تھا کہ انہیں باہر جانا ہے اور کسی کو انتظار کی سولی پر لٹکا کر جانا وہ مناسب نہیں سمجھتے۔

تایا زاد بہن ہونے کے ناتے زارا انہیں عزیز تھی۔ اس رشتے کے علاوہ انہوں نے کبھی کسی اور حوالے سے اس کے متعلق کبھی نہیں سوچا تھا۔ حالانکہ دو ایک بار زینت فاطمہ نے اشاروں میں ذکر کیا تھا کہ سب کی خواہش ہے کہ زارا اس گھر کی بہو بنے لیکن وہ لڑکپن میں ہی زارا کے خیالات سے آگاہ ہو چکے تھے اس لیے ان کے ذہن میں کبھی کوئی اور خیال نہیں آیا تھا انہیں وہ اسما' عظمیٰ کی طرح ہی پیاری تھی۔

"تم کب آئے۔"

بلند بخت تولیے سے بالوں کو پونچھتا ہوا باتھ روم سے نکلا۔

"میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں کہ حضرت واش روم سے کب برآمد ہوتے ہیں مجھے تو تم نے کہا تھا دس منٹ میں آ جاؤ۔"

"دراصل۔"

بال اچھی طرح رگڑ کر اس نے تولیہ صوفے پر پھینکا۔

"عین اس وقت جب میں نے واش روم میں قدم رکھا تو میرے نانا جان کا فون آ گیا۔ پھر حسب معمول باری باری میرے نانا کے سارے بھائیوں اور بھابیوں نے میری خیریت پوچھی نانی جان نے پورے پندرہ منٹ مجھے نصیحتیں کیں۔"

"اچھا۔" شاہ رخ ہنسے۔

"اس سے پہلے پھر کوئی تمہاری خیریت پوچھنے کے لیے آ جائے تم تیار ہو جاؤ۔ شاپنگ کے بعد اصغر کی طرف بھی جانا ہے۔"

"ہاں تمہارا کیا خیال ہے اس کی بہن کے لیے کچھ گفٹ لینا چاہیے۔ میں فنکشن میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔" بلند بخت نے پوچھا۔

"ابھی رخصتی تو نہیں ہوئی۔ نکاح کی تقریب تھی بس اس وقت تو سلامی کے طور پر پیسے دے دیے تھے۔ اب تم جو مناسب سمجھو۔"

شاہ رخ نے سنجیدگی سے کہا تو بلند بخت بالوں میں برش کرتے کرتے بے اختیار ہنس پڑا۔

"یہ کیا ہم عورتوں کی طرح گفتگو کرنے لگے۔"

"واقعی۔" شاہ رخ بھی ہنس دیے۔

"اور یہ کیسا اتفاق ہے کہ ہم تینوں دوست پھر ایک ہی کمپنی میں اکٹھے ہو گئے ہیں۔"

"ہاں میرے ڈیڈی بھی اس اتفاق پر حیران تھے اور خود میں بھی۔ میرا خیال تھا تم دونوں تو چلے جاؤ گے امریکہ اور میں یہاں اکیلا لنڈورا پھرتا رہوں گا۔ میرے چاہنے والوں نے تو مجھے کسی صورت باہر جانے کی اجازت نہیں دینی تھی۔ یار ان کا بس چلے تو مجھے کسی ڈبیا میں بند کر کے اپنے پاس رکھ لیں۔"

"تم اتنے لمبے چوڑے کسی ڈبیا میں تو بند نہیں ہو سکتے ہاں اس کے لیے جادو کے زور سے تمہیں مکھی بنا دیا جائے تو ایسا ممکن ہے۔"

شاہ رخ بظاہر سنجیدہ تھے لیکن ان کی آنکھوں اور لبوں کے گوشے سے مسکراہٹ جھلک رہی تھی۔

"یار تم مکھی سے بہتر چیز نہیں سوچ سکتے تھے۔"

بلند بخت نے برا سا منہ بنایا۔

"مثلاً۔" شاہ رخ نے اس کی طرف دیکھا۔

"مثلاً" تتلی۔۔۔۔ جگنو۔" بلند بخت نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"چلو اب سوچ لیتا ہوں۔"

وہ بے اختیار ہنس دیے تب ہی ان کے سیل فون کی بیل ہوئی۔ انہوں نے نمبر دیکھا۔ قائم علی شاہ تھے۔

"شاہ رخ تم شام کو آ رہے ہو نا سب زینی آپا سے کہا تھا۔"

"جی چاچو پھپھو کو بتا دیا تھا حسب معمول وہ تھوڑا سا خوفزدہ ہوئیں اور پھر مان گئیں۔"

"میں نے فون اس لیے کیا ہے کہ ابھی مجھے شاہرم نے یاد دلایا ہے کہ بلند بخت بھی تمہارے ہاں ٹھہرا ہوا ہے مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ اسے بھی میری طرف سے دعوت دے دو۔"

"بلند بخت۔" شاہ رخ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں ہاں بلند بخت۔" قائم علی شاہ نے جواب دیا۔

"یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ تم اسے اب گھر چھوڑ آؤ۔ تمہارا مہمان ہے وہ۔"

"لیکن چاچو؟"

"لیکن ویکن چھوڑو یار مجھے مناسب نہیں لگتا کہ تمہارا مہمان گھر بیٹھا رہے وہ محسوس نہیں کرے گا کیا۔"

"ہم بہت بے تکلف دوست ہیں چاچو۔ وہ جانتا ہے ہمارے گھرانے کی روایات۔"

بلند بخت نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو شاہ رخ نے فون ہاتھ میں لیے لیے اسے بتایا کہ چاچو نے رات کے کھانے پر اسے بھی دعوت دی ہے۔ بلند بخت نے شاہ رخ کے چہرے سے اس کے تردد کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس نے فون شاہ رخ کے ہاتھ سے پکڑ لیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔"

سید قائم علی شاہ نے اس کے سلام کا جواب دے کر اسے رات کے کھانے کی دعوت دی تو بلند بخت نے بہت شائستگی سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے معذرت کی کہ یہ ان کی خالص گھریلو دعوت ہے اس لیے وہ مناسب نہیں سمجھتا یوں بھی اس کا پروگرام اسفر کے ساتھ باہر کھانے کا ہے۔

"اسفر کو تو ابھی شبی فون کرنے والا تھا کہ وہ بھی رات کو ادھر ہی آ جائے۔ اسے شاہ رخ اور اسفر کی دوستی کا علم

کہہ رہا تھا اچھا ہے سب مل جل کر گپ لگائیں گے۔"

اور بلند بخت کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اب مزید وہ کیا کہے اسفر کے ساتھ باہر کھانے کا پروگرام اس نے ابھی ابھی بنایا تھا۔ اگر اسے اسفر کے وہاں جانے کا علم ہوتا تو وہ کچھ اور کہہ دیتا۔

"بس اب مزید کچھ نہیں سنوں گا تم شام میں شاہ رخ کے ساتھ آ رہے ہو۔" سید قائم علی شاہ نے اپنائیت سے کہا۔

اور بلند بخت کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ فون آف کر کے اس نے شاہ رخ کی طرف بڑھا دیا۔ جو سید قائم علی شاہ کی اس دعوت پر اندر ہی اندر پریشان ہو گئے تھے صرف اس خیال سے کہ زینت فاطمہ ناراض ہوں گی اور وہ جو زینت فاطمہ کو کچھ دیر پہلے شاہ جی سے خفا نہ ہونے کا مشورہ دے رہے تھے اس خیال سے خود بھی اس وقت ڈر رہے تھے کہ اگر شاہ جی کو معلوم ہو گیا تو۔

سیل فون بلند بخت کے ہاتھ سے لے کر وہ کھڑے ہو گئے۔

"چلیں"

ہاں برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر بلند بخت ان کے ساتھ ہی گیسٹ روم سے باہر نکل آیا۔

●●●

"تو تم انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے لیے لاہور جاؤ گی حسنہ پھپھو کے پاس۔" اریج صوفے پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی۔

"ہاں میں نے ابا اور دادی سے اجازت لے لی ہے۔" نرمل نے سلاد کی پلیٹ سجاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"حسنہ خالہ کہہ رہی تھیں کہ وہاں بہت اچھی اچھی اکیڈمیز ہیں، جہاں بہترین تیاری کرواتے ہیں، پھر وہ خود بھی ہیلپ کریں گی۔ انہوں نے شبی کی شادی میں اماں سے کہا تھا کہ مجھے لاہور ہی بھیج دیں۔ انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے لیے بھی اور بعد میں اگر لاہور کے کسی کالج میں ایڈمیشن ہو گیا تو بھی انہوں نے اپنے ہاں ہی رہنے کے لیے کہا ہے۔"

"انکل نے اجازت دے دی۔" اریج نے پوچھا۔

"ہاں، جب سب نے حتی کہ منوں نے بھی میری سفارش کی تو مان گئے۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔" اس نے ٹماٹر کا پھول بنا کر پلیٹ میں رکھا۔

"کیا یہاں کی کسی اکیڈمی میں جاؤ گی۔ میری مانو تو تم بھی میرے ساتھ لاہور چلو۔ حسنہ خالہ بہت خوش ہوں گی۔"

"میرے پیپرز اچھے نہیں ہوئے۔ بمشکل اچھے نمبر آئیں گے۔ انٹری ٹیسٹ کی تیاری کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"تو دوبارہ امپروو کرو گی؟" نرمل اب بوائل انڈے سے ننھے ننھے خرگوش بنا رہی تھی۔

"نہیں یار۔" اریج نے باؤل سے کھیرے کا ٹکڑا اٹھایا۔

"یہ میڈیکل کی پڑھائی میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میں نے تو بس یونہی تمہارے ساتھ کے شوق میں سائنس لے لی تھی۔ بس سمپل بی اے کر لوں گی۔ ولی کہہ رہا تھا اکنامکس میں ماسٹر کر لو۔"

"اچھا۔" نرمل کو افسوس ہوا۔

"تم نے پہلے تو نہیں بتایا کہ تمہارے پیپرز اچھے نہیں ہوئے۔"

"یار وقت ہی کہاں ملا بیٹھ کر آرام سے بات کرنے کا، پیپرز ختم ہوتے ہی تو شبی کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں، سچی میں نے تو سوچا تھا کہ شبی کی مہندی پر ساڑھی باندھوں گی لیکن اس افراتفری میں تیاری ہوئی کہ بہت سی باتیں دل میں ہی رہ گئیں۔ پھر بھی ہر پیپر کے بعد تمہیں بتاتی تو تھی کہ اچھا نہیں ہوا۔"

"میں سمجھتی تھی کہ بس یوں ہی کہہ رہی ہو ایک آدھ جز مس ہو گیا ہو گا۔"

نرمل اب پلیٹ کے کناروں پر ننھے ننھے خرگوش سجا رہی تھی اور اریج دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

"اتنی ٹف پڑھائی کے ساتھ تم یہ سب کیسے کر لیتی ہو؟ اس روز ماما بھی تمہاری ککنگ کی تعریف کر رہی تھیں۔"

"زیادہ تر ککنگ تو اماں اور ماہ آپی ہی کرتی ہیں۔ میں تو بس مجبوراً ہی جاتی ہوں کچن میں۔ اس روز جب افضال ماموں اور آنٹی آئی تھیں تو ماہ کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لیے مجھے جانا پڑا کچن میں۔"

اس نے سلاد کی ڈش تیار کر کے سینٹر ٹیبل پر رکھی۔ وہ دونوں اس وقت ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ آج علینہ نے کچھ فرینڈز کو اپنی برتھ ڈے پر بلایا تھا۔ ڈنر کا پروگرام تھا۔ ماہ نور اور نرمل بھی دوپہر سے آئی ہوئی تھیں ماہ نور اور علینہ تو کچن میں تھیں۔ کچھ دیر پہلے ہی علینہ اسے سلاد کا سامان پکڑا گئی تھی۔

"شبی کی دلہن تمہیں کیسی لگی۔ ویسے ہے تو خوب صورت۔"

اریج نے پوچھا لاہور سے آنے کے بعد آج ہی ان کی ملاقات ہوئی تھی۔

"ہاں خوب صورت تو ہے۔" نرمل نے چھلکے سمیٹ کر باسکٹ میں ڈالے اور سلاد کا بچا ہوا سامان باؤل میں رکھا۔

"لیکن کچھ مغرور اور نک چڑھی سی لگ رہی تھیں۔"

"ہاں یہ بات تو میں نے بھی نوٹ کی ہے۔" اریج نے اس کی تائید کی۔

"پتا ہے ولیمہ کے دوسرے روز ہم حمنہ پھپھو کے گھر جانے لگے تو میں نے سوچا کہ چلو غزالہ بھابی کو بھی خدا حافظ کہہ دیں۔ وہ اپنے بیڈ روم میں تھیں جبکہ شبی لاؤنج میں سب کے ساتھ گپ لگا رہا تھا۔ میرے ساتھ ہی رونا اور مدثر بھی چلے گئے تھے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی تیار ہو رہی تھیں رونا بے چاری نے بیڈ پر پڑے ان کے دوپٹے کو ہاتھ سے چھو کر دیکھا تو اس بری طرح ڈانٹ دیا کہ وہ سہم کر رہ گئی۔ میرے ساتھ بھی بڑی نخوت سے بات کی اور کچھ دیر بعد بچوں کو ڈانٹ کر بیڈ روم سے باہر نکال دیا۔ میں نے بھی کھڑے کھڑے خدا حافظ کیا' حالانکہ سوچ رہی تھی کہ جب تک سب لوگ تیار ہوتے ہیں اتنی دیر بھابی صاحبہ سے گپ لگاؤں گی' پر وہاں تو بھئی نو لفٹ کا بورڈ لٹکا ہوا تھا بس خدا حافظ کہہ کر چلی آئی باہر۔ شبی بھائی کتنے اچھے ہیں۔ ڈیسنٹ سے۔ انکل نے بھی بس جلد بازی کی ورنہ۔"

اس نے ایک نظر نرمل کی طرف دیکھا۔ جو غزالہ جتنی خوب صورت تو نہ تھی لیکن اس سے زیادہ پرکشش لگ رہی تھی۔

"ہاں ماموں جان ایسے ہی ہیں خود فیصلے کرنے والے' پتا ہے عذرا خالہ کتنی اپ سیٹ تھیں۔ انعم آپی کی وجہ سے۔ حمنہ خالہ نے اماں کو بتایا تھا کہ آئی آپی کے سلسلے میں بھی ماموں جان نے اپنی ہی چلائی' حالانکہ انہوں نے شجاع بھائی کے لیے بات کی تھی۔"

"ہائے! شجی بھائی تو بالکل فلمی ہیرو جیسے ہیں اور انعم آپی کے سسرال والے کیسے چھچھورے لگ رہے تھے ولیمہ والے دن دیکھا تھا تم نے ان کی کزن کو کیسے پلیٹ میں روسٹ کا پہاڑ بنایا ہوا تھا۔ مجھے تو ان کی پلیٹ دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی میں نے سمن کو بھی دکھائی تھی اس کا تبصرہ بڑا دلچسپ تھا' کہہ رہی تھی ذرا پوچھو تو جا کر ان سے کیا خبر صومالیہ سے آئی ہوں۔"

"سمن کو بھی انعم کی سسرال پسند نہیں آئی۔" اریج نے باؤل سے مولی کا ٹکڑا اٹھایا۔

"سمن کیا سب ہی خوش نہیں تھے اس رشتے سے خاص طور پر جب شجاع بھائی کا رشتہ بھی موجود تھا۔"

نرمل بھی افسردہ ہو گئی۔

"یار! میرے لیے اگر شجاع بھائی جیسے بندے کا رشتہ آیا ہوتا تو میں تو بغاوت کر دیتی' انعم آپی کی طرح چپ چاپ سر نہ جھکا دیتی۔"

"تو بات کروں حمنہ خالہ سے۔" نرمل نے شرارت سے اسے دیکھا۔

"فضول مت بکو میں یونہی ایک بات کر رہی تھی۔ سمن بتا رہی تھی کہ انعم آپی کو کوئی اعتراض نہیں تھا' حالانکہ چاہ رہی تھی کہ ایک بار تو وہ احتجاج کرتیں۔"

"اور سمن نے جو پڑھائی کے لیے ضد کی' احتجاج کیا تو کیا نتیجہ نکلا ماموں جان ابھی تک اس سے بات نہیں کرتے۔" نرمل نے بتایا۔

"جب غصہ اترے گا' تو خود ہی بات کرنے لگیں گے۔" اریج نے لاپروائی سے کہا۔ تب ہی ماہ نور اور اس کے ساتھ ہی علینہ بھی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔

"کام ختم ہو گیا کیا؟" نرمل نے پوچھا۔

"ہاں ہماری حد تک۔" ماہ نور اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"اب باقی کا کام نازو اور یاسمین کا ہے۔"

"ویسے عینا آپی اگر ڈنر کی بجائے ہائی ٹی ہو جاتی تو اچھا نہیں تھا بہت دیر ہو جائے گی۔" نرمل نے علینہ کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال تو یہی تھا لیکن میری سب فرینڈز ڈنر سے کم پر راضی ہی نہ تھیں' بلکہ ان کا تو اصرار تھا کہ باہر ڈنر لیں کسی اپنی مرضی کی جگہ پر' لیکن پپا نے اجازت نہیں دی اکیلے صرف لڑکیوں کے جانے کی۔ اب میں ولی یا خضر کو تو ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی وہاں اپنی فرینڈز میں تو بس پھر گھر میں ہی ارینج کر لیا۔ رہی دیر کی بات تو سب ہی ماڈرن فیملیز سے ہیں ان کے پیرنٹس کو فکر نہیں ہوتی بھلے بارہ بجے تک گھر جائیں' ہاں ندا بڑی مشکل سے تیار ہوئی ہے۔" علینہ نے تفصیل بتائی۔

"چلو آج تمہاری ندا صاحبہ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ اتنے دنوں سے ان کا ذکر سن رہے ہیں۔" ماہ نور کا لہجہ خوشگوار تھا۔

"ارے ہاں مجھے تو تمہیں بتانا یاد ہی نہیں رہا وہ خضر والی بات غلط تھی ندا بتا رہی تھی کہ اس نے مذاق کیا تھا۔" علینہ کو اچانک یاد آیا۔

ماہ نور مسکرا دی اگر بات سچ بھی ہوتی تب بھی خضر نے کہا تھا ماہ مجھ سے کبھی بدگمان مت ہونا۔ کبھی بے یقین نہ ہونا خضر کے دل میں اگر کوئی ہے تو صرف اور صرف ماہ ہے' اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔

"کون سی بات۔" اریج نے پوچھا۔

"تھی ایک بات۔" علینہ نے شرارت سے ماہ نور کی طرف دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔

"میں نوٹ کر رہی ہوں کہ تم اب مجھ سے باتیں چھپانے لگی ہو عینا۔"

اریج نے ناراضی سے اسے دیکھا' لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"سب باتیں بچوں کو بتانے والی نہیں ہوتیں۔" علینہ کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"اچھا۔" اریج نے اچھا کو لمبا کیا۔

"اور وہ جو اسفر بھائی کی محبت کے قصے سنائے جاتے تھے مجھے' کیا وہ بچوں سے کرنے والی باتیں تھیں۔"

"مجبوری تھی نا یار۔" علینہ نے کندھے اچکائے۔

"اب کسی سے تو راز دل کہنا ہی تھا نا اور ماہ نور بی بی سے روز روز ملاقات ہو نہیں سکتی تھی تو مجبوراً۔۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اریج نے منہ پھلا لیا اور مصنوعی ناراضی سے اسے دیکھا۔

"کیا' کیا یہ اسفر بھائی کا کیا قصہ ہے۔" نرمل نے حیرت سے باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"تم بھی ابھی چھوٹی ہو۔" علینہ کی آنکھوں میں بدستور شرارت کی چمک تھی۔

"تو پھر ہم دونوں چھوٹیاں دو بڑوں کی محفل سے واک آؤٹ کر رہی ہیں۔" اریج نے یکدم کھڑے ہوتے ہوئے نرمل کا ہاتھ پکڑا۔

"چلو روما ہم اپنے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

"ارے ارے ناراض نہیں ہوتے میری جان۔"

علینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

"بات صرف یہ تھی کہ ندا نے ایک روز مذاق میں کہہ دیا تھا کہ وہ خضر بھائی سے پہلی ہی نظر میں محبت کرنے لگی ہے جبکہ حفصہ نے سچ سمجھ لیا اور میں نے یہ بات خضر بھائی کو اور ماہ نور دونوں کو بتادی۔"

علینہ نے بتایا تو اریج نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تمہاری ندا صاحبہ ہیں کیا چیز۔"

"دیکھ لینا آج بہت پیاری شے ہے یہ ندا بھی۔ آج کل مجھ سے بہت دوستی ہے۔"

"یہ دوستی کہیں خضر بھائی کے چکر میں تو نہیں۔"

"ارے نہیں اس کی منگنی ہو چکی ہے۔"

"چلو پھر خیر ہے۔" اریج ہولے سے ہنسی۔

"ورنہ بے چارے خضر بھائی کے ساتھ ایک انار سو بیمار والا معاملہ ہو جاتا۔ ویسے سحرش اور نازش آرہی ہیں نا"

"ہاں کہہ تو رہی تھیں۔ میرا ارادہ تو نہیں تھا انہیں بلانے کا لیکن پھر مما کی ناراضگی کے خیال سے بلالیا۔"

"ویسے اتنی بری بھی نہیں ہیں تم خواہ مخواہ چڑتی ہو ان سے۔" اریج نے تبصرہ کیا۔

"خواہ مخواہ نہیں میری جان مجھے ان کی گفتگو سے چڑ ہوتی ہے دس جملوں میں ساڑھے آٹھ جملے کینیڈا کی تعریف میں ہوں گے۔ وہاں کا ماحول وہاں کی آزادی وہاں کی ویلیوز۔" علینہ نے برا سا منہ بنایا۔

"بھئی اتنا پسند تھا تو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی وہاں ہی رہتیں۔ خواہ مخواہ ڈسٹرب کر رہی ہیں سب کو اور مما کی تو پوری کوشش ہے کہ کسی طرح خضر بھائی کو پٹالیں، کسی ایک کے لیے۔"

"یہ تمہارا انداز گفتگو کچھ بدل نہیں گیا عینا۔" ماہ نور نے یکدم دل پر چھا جانے والی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "یہ میری جان، ڈارلنگ سوئٹی۔"

"بس وہاں میرا مطلب ہے، ندا کے ساتھ رہنے سے یہ لفظ زبان پر چڑھ گئے ہیں۔"

علینہ نے ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی۔

"ویسے تم بے فکر رہو خضر بھائی پٹنے والے نہیں۔"

ماہ نور کے رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔ "تم بھی بس۔۔۔"

"میں بھی بس کیا؟" علینہ ہنوز شرارت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"جانتے تو ہم بھی ہیں پہچانتے تو ہم بھی ہیں۔"

اریج گنگنائی۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی شوخ مسکراہٹ تھی۔ نرمل کے ہونٹوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ آگئی اس نے اس کے دل میں یکدم خوش رنگ پھول بکھیر دیے تھے۔

"تم نے ابھی تک مجھے شبی کی شادی کی تصاویر نہیں دکھائیں۔"

ماہ نور نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

ماہ نور۔ دادی اور ابا کے ساتھ گھر ہی رہی تھی جبکہ باقی سب شادی میں شرکت کے لیے لاہور گئے تھے۔ اگرچہ منصور جانا نہیں چاہتا تھا۔ ایک ماہ بعد اس کے پیپرز تھے۔

"تمہارے ماموں کی فیملی جہاز پر جائے گی اور ہم افورڈ نہیں کر سکتے اور افضال کے پہلے ہی اتنے احسان ہیں اور منصور خاموش ہو گیا تھا اور جب افضال حیدر نے سب کو ساتھ چلنے کو کہا تو انہوں نے سہولت سے انکار کر دیا تھا۔

"کرائے کی فکر نہ کرو میں سب کے ٹکٹ لے لوں گا۔" افضال حیدر جانتے تھے کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔

"اکٹھے چلیں گے سب۔"

"نہیں یار! دراصل بچوں کو گاڑی میں سفر کرنے کا بہت شوق بھی ہے۔" نصیر احمد نے بات سنبھال لی تھی۔

"ہاں تصویریں دکھاتی ہوں میں۔" اریج کھڑی ہو گئی۔

"کل ہی ولید نے فلم بنوائی ہے۔"

"لیکن بہت زیادہ اچھی نہیں آئیں، دراصل اریج نے پہلی بار تصویریں بنائی تھیں نا اس لیے۔" علینہ نے بظاہر سنجیدگی سے کہا۔

"جی نہیں، بہت اچھی آئی ہیں۔" اریج نے جاتے جاتے مڑ کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"ماہ آپی! آپ دیکھنا اتنی زبردست تصاویر ہیں۔"

"مجھے تو اچھی نہیں لگیں۔"

"اسفر بھائی کی تصویر جو نہیں ہے اس میں، لیکن خضر بھائی نے جو تصاویر بنائی تھیں ان میں ہیں اسفر بھائی کی تصاویر۔"

وہ شرارت سے ہنستی ہوئی چلی گئی۔

"کیا واقعی اسفر بھائی کی تصاویر نہیں بنائیں اریج نے۔" ماہ نور نے پوچھا۔

"یہ تو زیادتی ہے۔"

"کوئی زیادتی نہیں۔" اریج فوراً ہی منی البم لے کر آگئی تھی۔

"میں نے تو بہت کوشش کی تھی کہ کہیں وہ دلہن دولہا کے ساتھ دکھائی دے جائیں تو بنالوں لیکن وہ تو اسٹیج پر بھی نہیں آئے، جب تمام فیملی کی تصاویر بنیں تب بھی نہیں تھے۔ حالانکہ مدثر رونا، ثمن، انعم، پھپھو جان، انکل سب نے ہی شبی اور غزالہ کے ساتھ تصاویر بنوائیں۔ الگ الگ بھی اور پھر سب نے ایک ساتھ بھی۔"

"عذرا خالہ نے بلایا تو تھا انہیں لیکن پھر ماموں جان نے انہیں کسی کام سے بھیج دیا تھا جب فوٹو بن رہے تھے تب۔" نرمل نے کہا۔

"حمنہ خالہ صحیح ہی کہتی ہیں کہ ماموں جان اسفی بھائی کو اتنی اہمیت نہیں دیتے، جتنی کہ بڑے بیٹے کی حیثیت سے دینی چاہیے۔"

"وہ تو ظاہر ہے۔" ماہ نور نے بھی رائے دی۔

"ورنہ شبی کی بجائے پہلے اسفر بھائی کی شادی ہوتی۔"

"شادی کے علاوہ بھی ماموں جان نے انہیں امریکہ جانے کی اجازت نہیں دی، حالانکہ ایم ایس سی کرنے کی ان کی خواہش شدید تھی۔ لیکن اب جاب کرلی ہے۔" نرمل نے بتایا۔

"کیا اسفر نے ارادہ ترک کر دیا ہے باہر جا کر پڑھنے کا؟" علینہ نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں خیر ترک تو نہیں کیا۔ البتہ حمنہ خالہ بتا رہی تھیں کہ فی الحال ترک کر دیا ہے۔ ایک دو سال تک جاب کریں گے پیسے اکٹھے کریں گے۔ ظاہر ہے شروع میں تو پیسے کی ضرورت ہو گی بعد میں تو باہر جانے والے طلبا پارٹ ٹائم جاب کر ہی لیتے ہیں۔" نرمل کو غالباً حمنہ سے ہی سب پتا چلا تھا۔

"تم تو یوں پوچھ رہی ہو جیسے تم نہیں جانتیں۔ اسفی بھائی نے تمہیں بتایا تو ہو گا نا جاب کا۔"

ماہ نور نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں بتایا تھا، لیکن میرا خیال تھا محض چند ماہ کے لیے جاب کی ہے۔"

"ہو سکتا ہے چند ماہ کے لیے ہی کی ہو۔ وہ تو حمنہ خالہ نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔"

نرمل نے اریج کے ہاتھ سے البم لے لی اور اب اس کے صفحے الٹ رہی تھی۔ ماہ نور تھوڑا سا اس کی طرف جھکی تصاویر دیکھ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ نرمل سب کا تعارف بھی کروا رہی تھی۔

"یہ انعم ہے، یہ ثمن یہ۔"

"سب ہی بہت پیارے ہیں۔" ماہ نور نے خوش دلی سے کہا۔

"اور شبی کی دلہن بھی خوب صورت ہے۔ بس قد ذرا چھوٹا لگ رہا ہے۔"

"ہاں قد تو شبی کے مقابلے میں بہت چھوٹا ہے۔" اریج نے بھی تائید کی۔

"خیر اب ضروری نہیں کہ سب پرفیکٹ ہوں۔"

"لیکن کچھ لوگوں کو تو لگتا ہے اللہ میاں نے سب ہی کچھ دے دیا ہے۔ تم ندا کو دیکھنا کتنا مکمل حسن ہے اس کا" علینہ نے البم نرمل کے ہاتھ سے لے لی۔

"آنکھیں' ناک' قد' جسم' رنگ' سب دلنشیں ہے۔"

"ماہ آپی ہم تو ندا نامہ سن سن کر تھک چکے ہیں اب آپ سنئے پہلے اسفر نامہ تھا تو اب ندا نامہ۔" اس نے نرمل کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"چلو اٹھو ہم بھی تیار ہو جائیں۔"

"ہاں آٹھ بجنے والے ہیں۔" نرمل کھڑی ہو گئی۔

"آپ بھی تیار ہو جائیں۔"

"ہو جائیں گے بھئی دس منٹ لگیں گے ہماری تیاری میں اور میری فرینڈز نے نو بجے آنے کو کہا تھا۔" علینہ نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"کیا بات ہے عینا تم کچھ پریشان ہو۔" ماہ نور نے بغور اسے دیکھا۔

"نہیں تو کوئی بات نہیں ہے ویسے ہی وہم ہوا ہے تمہیں۔"

"نہیں خیر وہم تو نہیں۔ کیا اسفی بھائی سے ناراض ہو۔" ماہ نور نے اندازہ لگایا۔

"تمہیں یہ خیال کیوں ہوا۔" علینہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

" بہت سارے دنوں سے تم نے اسفی بھائی کی کوئی بات نہیں کی۔ شادی سے آنے کے بعد کتنی ہی بار فون پر تم نے بات کی لیکن اسفی بھائی کا ذکر تک نہیں کیا' تم انعم کے نکاح پر گئی تھیں تب بھی تم نے واپس آکر کوئی خاص بات نہیں کی۔"

"کوئی خاص بات ہوتی تو بتاتی نا۔" علینہ کے لہجے سے ناراضگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"میں تو تب سے ہی دل ہی دل میں خفا ہوں اسفر سے۔"

علینہ بھی زیادہ دیر تک بات دل میں نہ رکھ سکتی تھی۔ "بلکہ اب تو سخت ناراض ہوں۔"

"کیا کر دیا بے چارے اسفی بھائی نے۔" ماہ نور کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

"وہ سچ مچ بے چارے ہی ہیں اس قدر ڈرپوک اور بزدل' میں تو حیران رہ گئی۔ انکل سے تو اس قدر ڈرتے ہیں جیسے چوہا بلی سے ڈرتا ہے۔"

ماہ نور کو ہنسی آگئی۔ "احترام کرتے ہیں وہ ماموں جان کا۔ تم اسے ڈر تو نہیں کہہ سکتیں اور اگر ڈرتے بھی ہیں تو ظاہر ہے والدین ہیں ان کے۔"

"اور اگر والد صاحب نے حکم دے دیا کہ علینہ بی بی سے شادی نہیں کرنا تو بس سر جھکا دیں گے کہ 'جو حکم آپ کا۔'"

"خیر اب ایسے فرماں بردار بھی نہیں۔"

"سچی ماہ! اس سے زیادہ فرماں بردار ہیں تمہیں کیا پتا۔ انعم کے نکاح والے روز شبی کے ولیمہ بارات مہندی میں سب نے میری تعریف کی۔ لیکن اسفر نے ایک لفظ تک نہیں کہا مجھ سے' لگتا ہے لفظوں پر بھی پیسے خرچ ہوتے ہیں۔"

"تو یوں کہو نا کہ تمہیں اس بات پر غصہ ہے کہ اسفر بھائی نے تمہیں سراہا نہیں۔"

"نہیں یار صرف یہ بات نہیں ہے۔"

"تو پھر اور کیا بات ہے۔"

"پتا نہیں لیکن لاہور جا کر میں بہت مایوس ہوئی ہوں۔"

"اصل بات یہی ہے عینا جی! جب عورت کسی سے محبت کرتی ہے تو پھر اسے یہ بھی چاہ ہوتی ہے کہ اس کا محبوب اسے سراہے۔ اس کی تعریف کرے۔ لیکن شاید اسفر بھائی نے وہاں اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں تم سے ایسی بات کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔"

"تنہائی میں الگ سے بھی تو کہہ سکتے تھے نا۔ لیکن انہیں تو میری پرواہی نہیں تھی۔"

"شاید انہوں نے یہ بھی مناسب نہ سمجھا ہو۔ کسی اسکینڈل کے خوف سے' ایسے موقعوں پر تو سب ہی کی نظروں میں ہوتا ہے بندہ۔ وہ بہت سمجھدار ہیں عینا اور انہیں تمہاری عزت بہت عزیز ہو گی۔"

"لیکن ہمیں لاہور سے آئے ہوئے بھی چھ دن ہو گئے انہوں نے فون بھی نہیں کیا۔" علینہ کا انداز ہنوز ناراضگی لیے ہوئے تھا۔

"تم بھول رہی ہو کہ پہلے بھی تم ہی انہیں فون کرتی تھیں۔" ماہ نور نے یاد دلایا۔

"تو اب نہیں کروں گی۔ دیکھتی ہوں خود سے فون کرتے ہیں یا نہیں۔" تب ہی فون کی بیل ہوئی تو علینہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا۔

"مت بات کریں مجھ سے آپ۔"

دوسری طرف کی آواز سنتے ہی علینہ نے کہا تو ماہ نور نے مسکرا کر اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ یقیناً اسفر کا ہی فون تھا۔ وہ علینہ کو اسفر سے باتیں کرتے چھوڑ کر اریج کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"شبی' شبی تمہارا رزلٹ آگیا ہے۔"

سمن تقریباً بھاگتی ہوئی شبی کے کمرے میں آئی۔

"وہ اسفر بھائی نیٹ پر چیک کر رہے ہیں۔" بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے مبشر اخبار دیکھ رہا تھا اور غزالہ بیڈ پر بیٹھی ناخنوں سے کیوٹکس صاف کر رہی تھی۔ جب دروازہ کھول کر سمن اندر داخل ہوئی۔

"تمہیں تمیز نہیں ہے سمن' دروازے پر دستک دے کر آتے ہیں۔" غزالہ نے بے حد ناگواری سے اسے دیکھا۔

"سوری۔" سمن بے حد شرمندہ سی ہو کر واپس مڑی۔ مبشر نے ایک نظر غزالہ پر ڈالی جو بات کر کے بے حد مطمئن سی پھر کیوٹکس اتارنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"تمہیں سمن سے اس لہجے میں بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔" مبشر نے بیڈ سے اتر کر چپل پہنتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"تو اور کس لہجے میں بات کرنا چاہیے تھی۔" نیل پالش ریموور بند کر کے اس نے ہاتھ بڑھا کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور چبھتی ہوئی نظروں سے مبشر کو دیکھا۔

"یوں تو تمہاری بہنیں پڑھی لکھی ہیں مجھ سے زیادہ قابل ہیں اور یہ سمن کالج میں پڑھ رہی ہے اسے نہیں معلوم کہ اس طرح شادی شدہ بھائی کے کمرے میں بے دھڑک داخل نہیں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے' لیکن جب سارے لوگ اکٹھے رہتے ہوں تو ایسا ہو جاتا ہے کبھی۔ پھر نہ یہ دوپہر کا وقت ہے کہ ہم آرام کر رہے ہوں اور نہ۔"

"اچھا۔" اس کا لہجہ تمسخر اڑاتا ہوا تھا۔

"اب کہنا بہن صاحبہ سے کہ عین دوپہر میں دھڑ دھڑ کرتی گھس آئے کمرے میں۔"

"غزالہ تم خواہ مخواہ بات کو بڑھا دیتی ہو۔" مبشر بے زار ہوا۔

"بات میں نہیں تم بڑھاتے ہو۔ میں نے تو صحیح بات کی تھی۔"

اب کے مبشر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کبھی کبھی غزالہ کا یہ انداز اسے بہت اپ سیٹ کر دیتا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر الجھ پڑتی تھی۔

"رونا اور مدثر کیوں آئے بیڈ روم میں۔ سمن نے آج مجھ سے بات نہیں کی۔ انعم مجھے پسند نہیں کرتی۔ سمن مغرور ہے اور تمہاری امی جان کو میں پسند نہیں ہوں۔" وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا لیکن وہ سمجھتی نہیں تھی۔ وہ تو دو ماہ میں ہی اس کی رفاقت سے تھکنے لگا تھا۔ حالانکہ ابتدائی ایک ماہ تو وہ خاصا خوش نظر آتا رہا اور اسے خوش دیکھ کر سب ہی مطمئن ہو گئے تھے۔

عذرا بیگم نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا کہ مبشر نے غزالہ کو قبول کر لیا تھا۔ ایک نیا رشتہ ایک نیا تعلق اس کے لیے بھی خوشگوار تھا۔ غزالہ خوب صورت تھی اور اس کے رفاقت دلنشیں۔

یہ رشتہ شاید ایسا ہی ہوتا ہے کہ لمحوں میں دو اجنبی ایک دوسرے کے بہت قریب آجاتے ہیں۔ اس کے دل میں بھی غزالہ کے لیے ایک جگہ بن گئی تھی اور اس کے دل میں میاں صلاح الدین کے لیے جو غصہ اور ناراضی تھی وہ بھی ختم ہو گئی تھی بہت حد تک۔ بس ایک ہلکا سا شکوہ رہ گیا تھا کہ انہوں نے اسے دوران تعلیم ڈسٹرب کیا تھا۔ دوستوں کو اس پر رشک آتا۔

"یار تم لکی ہو ہمیں دیکھو ہمارے والدین تو ہماری شادی کے متعلق ابھی سوچتے تک نہیں۔"

"میرے بھائی نے تو صاف کہہ دیا ہے مجھ سے کہ پڑھ لکھ کر جب کمانے لگو گے تو پھر شادی کا سوچنا۔"

دوست حسرت سے کہتے تو اس سے وہ واقعی خود کو خوش قسمت سمجھنے لگتا۔

"اور تمہارے کمانے تک وہ انتظار نہ کر سکی تو۔"

"تو کوئی بات نہیں تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔" کوئی اور مشورہ دیتا۔

شاید میاں صلاح الدین نے صحیح فیصلہ کیا تھا۔ غزالہ کی زنجیر پاؤں میں ڈال کر۔ اب کم از کم اس کے بھٹکنے کا امکان نہیں رہا تھا۔ نہ ہی وہ دوستوں کی طرح ادھر ادھر لڑکیوں کو تاکتا پھرتا تھا۔

"یہ ابا جان بھی بس!"

اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔

وہ برآمدے میں تھا جب اسفر کے کمرے سے سب کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اسے پھر سمن کا خیال آگیا۔ کیسے یکدم رنگت پھیکی پڑ گئی تھی اس کی۔

اور اسے غزالہ کی بس یہی ایک بات بہت بری لگتی تھی کہ جب بھی وہ تنہا ہوتے وہ انعم، سمن کی برائیاں کرنے لگتی تھی۔

"سمن مغرور ہے اسے کالج میں پڑھنے کا نشہ ہے اور انعم میری دشمن۔" یہ اس کا خاص جملہ تھا۔

"ایسا نہیں ہے غزالہ!" بہت بار اس نے پیار سے سمجھایا تھا۔

"وہ دونوں تم سے بہت پیار کرتی ہیں تم خود ہی ان میں گھلتی ملتی نہیں ہو۔"

"شبی!"

اسفر کے کمرے کا دروازہ کھلا اور انعم باہر نکلی اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔

"مبارک ہو۔ بہت اچھے نمبر ہیں غالباً اپنے کالج میں دوسرے نمبر پر ہو۔"

اتنی ٹینشن میں پیپر دیے تھے اس نے اسے انعم کی بات پر یقین نہیں آیا۔

"آپی آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ اور یہ سمن کہاں رہ گئی۔ تمہیں بلانے گئی تھی۔"

انعم نے پوچھا تو مبشر نے آہستگی سے کہا۔

"شاید اپنے کمرے میں چلی گئی ہو۔"

"کمال ہے۔" انعم کو حیرت ہوئی۔

"اسے ہی تو سب سے پہلے نمبر جاننے کا شوق تھا۔ خیر میں بتاتی ہوں اسے۔"

"سمن، سمو۔" وہ اسے آوازیں دیتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔ مبشر ابھی تک کھڑا تھا اسفر بھی اپنے کمرے سے نکل آئے اور انہوں نے خاموش کھڑے مبشر کو گلے سے لگا کر مبارک باد دی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"ظاہر ہے اب میڈیکل کالج میں داخلے کے لیے انٹری ٹیسٹ دینا ہوگا تمہیں، کچھ تیاری وغیرہ کر رہے ہو۔"

انہوں نے خود ہی سوال کا جواب بھی دے دیا۔

"نہیں۔" مبشر نے کہا۔ "ابا جان کا خیال ہے کہ مجھے ایم بی اے کرنا چاہیے تاکہ ان کے بزنس کو سنبھالنے میں مدد مل سکے۔"

"لیکن تم نے پھر میڈیکل کے مضامین کیوں لیے تھے۔" اسفر کو حیرت ہوئی۔

"تمہیں چاہیے تھا تم ڈبل میتھس کے ساتھ فزکس رکھ لیتے یا پھر سمپل بی اے کر لیتے اکنامکس کے ساتھ۔"

"اس وقت مجھے ابا جان کے خیالات کا علم نہیں تھا۔ میرے دوستوں نے پری میڈیکل کا انتخاب کیا تو میں نے بھی یہی سبجیکٹ لے لیے۔" مبشر نے بتایا۔

"تو ڈاکٹر بننا تمہاری خواہش نہیں تھی۔" اسفر ابھی تک حیران تھے۔

"نہیں۔" مبشر نے نظریں چرا لیں۔

بچپن سے ہی انعم اور سمن کے ساتھ ڈاکٹر، ڈاکٹر کھیلتے اور ان سے ڈاکٹر بننے کی باتیں سنتے ہوئے اس کے دل میں بھی اندر کہیں یہ خواہش چھپ کر بیٹھ گئی تھی تب ہی تو جب وہ فرسٹ ایئر کے فارم فل کر رہا تھا پری انجینئرنگ کے مضامین لکھنے کی بجائے میڈیکل کے سبجیکٹ لکھ دیے تھے۔ پتا نہیں کیوں آنکھوں کے سامنے اسٹیتھسکوپ گلے میں لٹکائے گاؤن پہنے ڈاکٹرز مریضوں کی نبضیں چیک کرتے آگئے تھے۔

"خیر۔" اسفر خوش دلی سے مسکرائے۔

"تم نے نمبر بہت زبردست لیے ہیں یار۔ اسی خوشی میں ایک زبردست سی چائے ہونا چاہیے۔ میں مٹھائی لے کر آتا ہوں تم انعم سے کہو چائے بنائے۔ لیکن پہلے امی جان کو بتا آؤں۔ شبی تم نے تو کمال کر دیا ہے یار صرف ایک لڑکے کے نمبر تمہارے کالج میں تم سے زیادہ ہیں اور وہ بھی صرف دو نمبروں کا فرق ہے۔"

وہ اس کا کندھا تھپکتے ہوئے امی جان کے کمرے کی طرف بڑھے۔ وہ کچھ دیر تو وہیں کھڑا انہیں عذرا بیگم کے کمرے کی طرف جاتا دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ قدموں سے انعم کے کمرے کی طرف بڑھا۔ ادھ کھلے دروازے سے اس نے دیکھا سمن رو رہی تھی اور انعم اسے سمجھا رہی تھی۔

"تمہاری غلطی تو ہے نا سمو، تمہیں دستک دے کر جانا چاہیے تھا۔"

"ہاں میری غلطی ہے لیکن وہ یہ بات نرمی سے بھی تو کہہ سکتی تھیں۔ پیار سے سمجھا سکتی تھیں مجھے۔"

وہ ہولے سے کھنکارا تو سمن نے جلدی سے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

"ارے بھئی تم لوگ کمرے میں گھس گئی ہو کیا میری کامیابی کی خوشی نہیں ہوئی تمہیں۔ ارے بھئی یہاں تو کوئی رونے کا سین چل رہا ہے کیا جیلس ہو گئی ہو مجھ سے۔" اس نے کمرے میں قدم رکھا۔

اور لاشعوری کوشش سے لہجے کو خوشگوار بنایا۔ سمن ہونٹ بھینچے آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"فکر نہ کرو تمہارے نمبر مجھ سے زیادہ آئیں گے تم لڑکیاں بہت گھنی ہوتی ہو چپکے چپکے پڑھتی رہتی ہو۔"

وہ مسکرایا لیکن ضبط کے بند ٹوٹ گئے تھے اور سمن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"ارے ارے!" مبشر نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے انگلیوں کی پوروں سے اس کے

آنسو پونچھے۔

"پاگل ہو نِری ہو سمو۔"

"میری غلطی تھی شبی لیکن میں خوشی میں۔" بہت سارے آنسوؤں نے اس کا حلق سی لیا۔

"کیا ہوا۔" مبشر نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"تم نے خواہ مخواہ غزالہ کی بات دل پر لے لی دو ڈھائی ماہ میں تم نے اسے پہچانا نہیں۔ وہ تو ایسی ہی ہے بلا سوچے سمجھے بول دیتی ہے۔ دل کی بری نہیں ہے وہ۔"

ثمن سسکیاں لیتی رہی۔

"یہ گڑیا اب ہنس دو بھئی نہیں تو میں سمجھوں گا تم سچ مچ جیلس ہو گئی ہو۔"

ثمن نے جلدی سے آنسو پونچھے۔

"ویسے یار یہ ظلِ الٰہی کی سزا ہے۔ میں تنہا کیوں بھگتوں۔ کبھی کبھی تم لوگ بھی اس میں حصہ دار بن جایا کرو نا آخر بھائی ہوں تمہارا۔" اس نے قہقہہ لگایا لیکن ثمن چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا وہ تمہارے ساتھ اچھی نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے لڑتی ہے۔" ثمن کی آنکھوں میں تشویش تھی۔

"مابدولت نے گربہ کشتن روزِ اول والا نسخہ آزمایا ہے بھئی۔ یوں بھی۔" اس نے اپنے کالر جھاڑے۔

"ہماری شخصیت ہی ایسی ہے کہ محترمہ پہلے دن ہی امپریس ہو گئیں۔ بلکہ نکاح کے روز ہی چاروں شانے چت گر گئی تھیں۔ بقول ان کے رات کو سونے سے پہلے چپکے چپکے ہماری تصویر دیکھتی تھیں کہ یہ شہزادہ کیسے راہ بھول کر ہمارے دروازے پر آ گیا۔"

ثمن کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انعم بھی ایک مطمئن سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے مڑی۔

"آپی! اسفر بھائی مٹھائی لینے گئے ہیں وہ آپ کو چائے بنانے کا کہہ رہے تھے۔"

"تم ابی کے سامنے بھی ڈائیلاگ بولتے ہو گے۔"

ثمن کے دل سے سارا غبار چھٹ گیا تھا اور وہ بڑی مطمئن سی مبشر سے باتیں کر رہی تھی۔

"ایسے ویسے ڈائیلاگ۔" مبشر اٹھ کر صوفہ پر بیٹھ گیا۔

"تم خوش تو ہو نا شبی۔" ثمن نے اچانک پوچھا۔

"تمہاری اور غزالہ کی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے۔" ایک لمحہ کے لیے مبشر کے چہرے پر سایہ سا آیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔

"نا خوشی والی کیا بات ہے' اتنی خوب صورت ہیں تمہاری بھابی۔ اور جہاں تک انڈر اسٹینڈنگ کی بات ہے تو بھئی کتنے میاں بیوی ایسے ہیں جن میں ذہنی ہم آہنگی ہوتی ہے ابا جان اور امی جان کو ہی دیکھ لو۔"

"ضروری تو نہیں تھا کہ ابا جان اور امی جان میں ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی تو ان کے بچوں کا مقدر بھی ایسا ہی ہوتا۔" وہ افسردہ سی ہوئی۔

"یہ ہرگز بھی افسردہ ہونے والی بات نہیں ہے۔ ہو جائے گی ذہنی ہم آہنگی ہماری بھی غزالہ صاحبہ سے۔" اس نے پھر قہقہہ لگایا تب ہی عذرا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ کھڑا ہو گیا۔

"مبارک ہو۔ اللہ ایسی کامیابیاں ہمیشہ دے۔" انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر دعا دی اور ثمن کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔

"بیٹا اپنے ابا جان کو بھی بتایا۔"

"جی ابھی بتا دیتا ہوں۔" وہ فون کی طرف بڑھ گیا۔

اسفر سامان سے لدے پھندے کچن میں آئے تھے۔

"یہ سنبھالو۔" انہوں نے شاپر زاسے پکڑائے۔

"سب لوگ کہاں ہیں۔"

"تمہارے کمرے میں۔" انعم نے بتایا۔

"تو پھر چائے وغیرہ ادھر ہی لے آؤ۔"

"مدثر' رونا' بھئی کہاں ہو تم دونوں آ جاؤ' ادھر رس ملائی' کچوریاں' سموسے تمہاری پسند کی بہت سی چیزیں ہیں انہوں نے انعم' ثمن کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے آواز لگائی۔ وہ دونوں عذرا بیگم کے کمرے میں تھے۔

کچھ ہی دیر بعد وہ سب انعم کے کمرے میں بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ مدثر مبشر کے صوفہ کے ہتھے پر بیٹھا جانے کیا سرگوشیاں کر رہا تھا۔

"ارے غزالہ کو بھی تو بلاؤ۔" عذرا بیگم نے انعم کو ٹرالی لاتے دیکھ کر کہا۔

"جاؤ رونا بیٹے بھابی کو بلا لاؤ۔"

"ارے نہیں چندا بیٹھو تم میں لے کر آتا ہوں۔"

مبشر یک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

"خوشخبری بھی تو سنانی ہے اسے۔"

اسفر نے محبت سے اسے دیکھا مبشر جواباً مسکرا دیا۔

غزالہ منہ تکیے میں چھپائے اوندھی لیٹی تھی۔

"اٹھو!" مبشر نے اسے اٹھایا۔

"مابدولت نے نو سو نمبر لیے ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔" اس نے کروٹ بدل کر مبشر کو دیکھا۔

"مناؤ اپنی ماں بہنوں کے ساتھ کامیابی کی خوشی۔" مبشر نے اپنی ناگواری کو چھپاتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"اٹھو یار! یہ کیا جاہل عورتوں والی باتیں کرنے لگتی ہو تم۔"

"میں تو جاہل ہوں کہتا تھا نا اپنے ابا سے کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کرا دیتے تمہاری۔"

اس کا لہجہ بدستور ویسا ہی تھا۔ طنزیہ چبھتا ہوا۔

"ہم ابا کی ہی پسند ہو۔" مبشر کا جی چاہا کہہ دے' لیکن وہ اس وقت مزید بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ وہاں انعم' ثمن کے کمرے میں سب کتنے خوش خوش بیٹھے تھے اور اگر اس وقت غزالہ نہ جاتی تو سب کا دل برا ہوتا۔ اس نے نرمی اختیار کی۔

"دیکھو غزالہ اگر تمہیں سمو یا آپی کی کوئی بات بری بھی لگتی ہے تو پلیز اگنور کر دو اور سمو کو میں سمجھا دوں گا آئندہ وہ تمہارے کمرے میں نہیں آئے گی۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

کچھ عرصہ پہلے تک یہ کمرہ بلا شرکتِ غیرے اس کا تھا کیا تھا اگر کچھ دن اور اس پر اس کی اجارہ داری رہتی۔ اس کے دل پر گھونسہ سا لگا' لیکن وہ مسکرا کر غزالہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"چلو یار اب اٹھو بھی نخرے مت کرو۔" اس نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ منہ بناتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

سب نے ہی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔

"ادھر آؤ بیٹا!" عذرا بیگم نے اپنے پاس اسے جگہ دی۔ وہ منہ پھلائے ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"تو بھئی منہ میٹھا کرو پہلے۔" عذرا بیگم نے مٹھائی کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی

"بہت اچھے نمبر لیے ہیں شبی نے۔" عذرا بیگم بہت خوش لگ رہی تھیں۔ انعم اور ثمن نے ایک ساتھ ان کے مسکراتے چہرے کو دیکھا اور دل ہی دل میں ان کے لیے دعا کی۔ تب ہی رمضان چائے لے کر آ گیا اور ایک طرف میز پر ٹرے رکھی۔

"چائے بناؤں باجی۔" اس نے انعم سے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔"

"شبی صاحب بہت مبارک ہو۔" اس نے مبشر کی طرف دیکھ کر دانت نکالے۔

"شکریہ!"

"ابھی آپ اور بھی پڑھیں گے یا بس ختم پڑھائی شڑھائی۔"

"نہیں نہیں۔" عذرا بیگم نے رمضان کی طرف دیکھا۔

"ابھی پڑھنا ہے اسے۔"

"اچھا۔" اس نے چمکتی آنکھوں سے مبشر کی طرف دیکھا اور ٹھمکا لگاتے ہوئے گنگنایا۔

"میرے ماہیا کالج جاویں نہ 'میرے ماہیا۔"

"فضول مت بولا کرو تم۔" غزالہ نے غصے سے کہا تو اس نے سر جھکا لیا اور یکدم خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ پھیکا پڑ گیا تھا اور وہ خاموشی سے باہر چلا گیا۔

"یہاں کے ملازم بھی کتنے بدتمیز ہیں۔" غزالہ نے ایک نظر سمن پر ڈالی تھی۔ سمن اندر ہی اندر شرمندہ ہو گئی۔

"نہیں بیٹا رمضان بدتمیز نہیں ہے۔" عذرا بیگم نے نرمی سے کہا۔

"کئی سال سے ہمارے ہاں ہے اور شبی وغیرہ سے بے تکلف ہے۔" غزالہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا اور پھر مبشر کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی جو پیشانی پر شکنیں ڈالے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"چائے بناؤں۔" نعم نے خاموشی کو توڑا۔

"ہاں بیٹا بنا دو۔" عذرا بیگم نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ٹرالی میں رکھ دی۔

"بھلا ابا جان کیا انعام دیں گے آپ کو اس بار۔" مدثر ابھی تک مبشر کے پاس صوفہ کے ہتھے پر بیٹھا تھا۔

"لاسٹ ٹائم تو آپ کو بائیک دی تھی نا۔"

"ابا جان نے اس بار پیشگی انعام دے دیا ہے۔" اس نے غزالہ کی طرف دیکھا۔

"اس سے بڑھ کر اور کوئی انعام کیا ہو سکتا ہے میرے لیے۔"

غزالہ نے گردن اٹھا کر سب کی طرف فخر سے دیکھا۔ لیکن مبشر کے لہجے میں چھپے دکھ کو سمن نے بہت شدت سے محسوس کیا۔

"کیا انعام۔ کیا دیا ہے بھلا آپ کو ابا جان نے آپ نے دکھایا ہی نہیں۔" مدثر سمجھ نہیں سکا تھا اور پوچھ رہا تھا۔

"مدثر! آپ نے جب میٹرک میں پوزیشن لی تو بائیک میری طرف سے آپ کے لیے۔"

"ریئلی بھائی جان!" وہ مبشر کے پاس سے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا۔

"شیور!" اسفر نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا۔

"اور مجھے کیا انعام دیں گے آپ۔" رونا نے ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔

"جو میری گڑیا مانگے گی۔"

"میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔" غزالہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"دن بھر بھی سو نہیں سکی میں۔"

"ہاں ہاں بیٹا جاؤ آرام کرلو کچھ دیر میں ٹیبلٹ بھجوا دیتی ہوں کھا لینا۔" عذرا بیگم نے محبت سے اسے دیکھا۔

"گولیاں ہیں کمرے میں۔"

وہ جواب دیتی ہوئی کھٹ کھٹ کرتی باہر نکل گئی۔ ایک لمحہ کے لیے خاموشی چھا گئی لیکن دوسرے ہی لمحے اسفر نے رونا کو مخاطب کر لیا۔

"ہاں تو میری گڑیا کیا انعام لے گی۔" اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

مبشر کی کامیابیاں ہمیشہ ہی میاں صلاح الدین کو خوش کرتی تھیں۔ یہ حقیقت تھی کہ اسفر کے جانے کے بعد ان

ساری توجہ مبشر پر ہی تھی۔ سو آج بھی اس کی کامیابی پر خوش ہو کے وہ وقت سے کچھ پہلے ہی آ گئے تھے اور بہت سے دنوں کے بعد وہ یوں سب کے ساتھ بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔ آج انہوں نے اسفر سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جس سے اسفر کا دل برا ہوتا۔ غزالہ کئی بار کے بلانے کے باوجود بھی نہیں آئی تھی حتیٰ کہ رات کے کھانے میں بھی شامل نہیں ہوئی۔ عذرا بیگم خود اس کے کمرے میں گئیں۔

"کیا طبیعت زیادہ خراب ہے۔ اگر تکلیف زیادہ محسوس کر رہی ہو تو ڈاکٹر کو دکھا لیتے ہیں۔ میں شبی سے کہتی ہوں گاڑی نکالے۔"

"نہیں امی جان سر درد ہے۔ آرام کروں گی تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے بڑے نرم لہجے میں جواب دیا تو عذرا بیگم مطمئن سی واپس آ گئیں۔ میاں صلاح الدین نے کھانا کھاتے کھاتے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں سر میں درد ہے کہہ رہی ہے۔ سونے سے آرام آ جائے گا۔" عذرا بیگم اسفر کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"میں نے رمضان سے کہا ہے دودھ گرم کر کے دے آئے۔"

"میاں صاحبزادے کہیں آپ سے تو ناراضگی وراضگی نہیں چل رہی۔"

میاں صلاح الدین کا موڈ آج کچھ زیادہ ہی خوشگوار تھا۔ مبشر نے جسے غزالہ کا کھانے کی ٹیبل پر نہ آنا کھٹک رہا تھا چونک کر میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا۔

"نہیں تو۔" وہ کچھ جھینپ سا گیا تھا اور فوراً ہی اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ میاں صلاح الدین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اور انہوں نے بڑی معنی خیز نظروں سے اسفر کی طرف دیکھا جو رونا کی پلیٹ میں سالن ڈال رہے تھے۔

"بیٹا یہ کوفتے لو۔ آج بالکل اماں جان کے طریقے سے بنائے ہیں پسند آئیں گے تمہیں۔" عذرا بیگم نے کہا۔

"بھئی عذرا بیگم! سارا پروٹوکول ایک ہی بیٹے کے لیے ادھر شبی اور ہم بھی ہیں۔"

اسفر نے حیرت سے میاں صلاح الدین کو دیکھا اس سے پہلے انہوں نے کبھی میاں صلاح الدین کو ایسے موڈ میں نہیں دیکھا تھا۔ ان کا چہرہ کھل اٹھا۔

"یہ آپ لیں ابا جان۔" اسفر نے ڈونگا ان کی طرف بڑھایا۔ تب ہی رمضان نے آکر بتایا۔

"دلہن بی بی نے دودھ نہیں لیا جی وہ کہہ رہی ہیں میری طبیعت بہت خراب ہے پیٹ میں درد ہو رہا ہے۔ بہت تکلیف ہے۔"

"لیکن آپ تو کہہ رہی تھیں کہ سر میں درد ہے۔" میاں صلاح الدین نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"مجھے تو یہی کہا تھا میں دیکھتی ہوں۔" عذرا بیگم نے اٹھنا چاہا تو میاں صلاح الدین نے منع کر دیا۔

"تم بیٹھو بھئی تم جاؤ میاں۔"

انہوں نے مبشر کو اشارہ کیا۔ مبشر با دل نخواستہ اٹھا اسے غزالہ پر بہت غصہ تھا اور وہ کم از کم آج کے دن اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اب میاں صلاح الدین کے سامنے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خاصے خراب موڈ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا لیکن غزالہ پیٹ پر ہاتھ رکھے دہری ہو رہی تھی اور اس کے لبوں سے ہائے ہائے کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"کیا ہوا۔"

"بہت' بہت شدید درد ہے اچانک ہی شروع ہو گیا۔" وہ تڑپ رہی تھی اور آنکھوں میں آنسو تھے وہ گھبرا کر باہر لپکا۔

"اسے بہت تکلیف ہے۔ پیٹ میں درد ہے۔"

"وہ ٹیبلٹ تو اکسپائر نہیں تھی جو سر درد کے لیے اس نے کھائی۔" اسفر کھڑے ہو گئے۔

"بہر حال میں گاڑی نکالتا ہوں ہسپتال لے چلتے ہیں۔"

"کہیں خدانخواستہ اپنڈکس نہ ہو۔" میاں صلاح الدین بھی پریشان ہو گئے اور عذرا بیگم کے پیچھے پیچھے مبشر کے کمرے میں آئے، جہاں درد کی شدت سے وہ سر گھٹنوں میں دیے سسک رہی تھی۔

"چلو بیٹا ہمت کرو اٹھو۔" انہوں نے نرمی سے کہا۔

"مبشر اسے سہارا دے کر لاؤ میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔"

"اسفر بھائی ہیں نا آپ پلیز آرام کریں۔" مبشر نے ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں میں چلوں گا عذرا بیگم تم بھی آجاؤ۔ کسی عورت کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔" ابھی آٹھ ہی بجے تھے۔ میاں صلاح الدین کے ہاں رات کا کھانا جلد ہی کھا لیا جاتا تھا۔ اس لیے ہاسپٹل میں ڈاکٹر مریضوں کو چیک کر رہے تھے۔ کئی ڈاکٹر موجود تھے لیکن انہیں کوئی ڈیڑھ گھنٹا خوار ہونا پڑا۔ ایمرجنسی میں ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔ ایک نرس آتی نبض چیک کرتی۔ "اچھا کیا تکلیف ہے۔" پھر کھٹ کھٹ کرتی چلی جاتی۔ پھر دوسری آکر یہی کچھ کرتی آخر ایک نوجوان ڈاکٹر نے آکر چیک کیا۔

"کیا کھایا تھا دن میں۔" "میرے خیال میں کچھ ثقیل چیز کھالی ہو گی۔"

"کہیں اپنڈکس۔" میاں صلاح الدین نے کہنا چاہا۔

"اوہ باباجی بیٹھیں آرام سے ڈاکٹر آپ نہیں ہیں۔"

"میرا خیال ہے بیٹا کسی پرائیویٹ کلینک میں چلو۔" میاں صلاح الدین نے اسفر سے کہا۔

"تمہارے دوست کا کلینک ہے نا۔"

یہ نزدیک ترین ہسپتال تھا اس لیے ادھر آئے تھے مبشر بھی پریشان سا کھڑا تھا۔

"آپ لوگ بیٹھیں یہاں ایک شخص میرا جاننے والا ہے لیب انچارج ہے اس سے بات کرتا ہوں۔"

اسفر انہیں وہاں ہی چھوڑ کر چلے گئے اور کچھ دیر بعد ایک شخص کے ساتھ واپس آئے۔

"آیئے آپ کو ڈاکٹر جعفر کے روم میں لے چلتا ہوں۔" ڈاکٹر جعفر نے پہلے مریض دیکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اب انہوں نے غزالہ کو چیک کیا۔

"میرے خیال میں یونہی بدہضمی وغیرہ ہے۔ لیکن اپنی تسلی کے لیے اگر آپ الٹراساؤنڈ کروانا چاہیں تو کروالیں اپنڈکس نہیں ہے۔ پین کے لیے انجکشن لکھ دیا ہے لگوالیں۔"

اور دو گھنٹے خوار ہونے کے بعد جب وہ واپس آرہے تھے تو میاں صلاح الدین نے مبشر کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے شبی تم میڈیکل لائن ہی اختیار کر لو۔ گھر میں اپنا ڈاکٹر ہونا چاہیے ورنہ یہ لوگ تو خوار کر کے رکھ دیتے ہیں۔" مبشر جو اپنے دھیان میں بیٹھا تھا چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"جی کیا۔"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تم ڈاکٹر ہی بنو گے۔"

"بندہ کبھی بیمار بھی پڑ جاتا ہے ہسپتال میں کوئی اپنا ڈاکٹر ہونا چاہیے۔" غزالہ اب سکون سے بیٹھی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟" گاڑی سے اترتے ہوئے میاں صلاح الدین نے پوچھا۔

"اب درد کم ہے۔" اس نے بتایا۔

"چلو اب تم لوگ آرام کرو۔ اور ہاں طبیعت اگر زیادہ خراب ہو جائے تو جگا لینا۔"

میاں صلاح الدین مبشر سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عذرا بیگم کچھ دیر مبشر کے کمرے میں ٹھہریں اور پھر غزالہ کو سو جانے کی تاکید کرتی چلی گئیں۔ مبشر چینج کر کے واش روم سے نکلا تو غزالہ روم فریج سے پائن ایپل کاٹن نکال رہی تھی۔

"غزالہ میرے خیال میں تمہیں اس وقت کچھ نہیں کھانا چاہیے۔"

"مجھے بھوک لگی ہے اور میرے پیٹ میں درد وغیرہ کچھ نہیں ہے۔"

"کیا مطلب تم۔" مبشر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"جھوٹ بولا تھا میں نے۔"

"لیکن کیوں۔" مبشر ابھی تک حیران تھا۔

وہ کندھے اچکا کر ٹن کھولنے لگی۔

"غزالہ یہ اس طرح کے ڈرامے جاہل عورتیں کرتی ہیں۔ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ سب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔"

"اور تم سب جو میری پروا کیے بغیر گپیں لگا رہے تھے۔"

"امی جان خود تمہیں بلانے آئی تھیں۔"

مبشر نے ناگواری سے اسے دیکھا اور مزید کوئی بات کیے بغیر سونے کے لیے لیٹ گیا۔

■■■

"میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے شاہ رخ کہ ہفتے تک الیکشن ہونے والے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ الیکشن تک آپ یہیں ہی رہیں شاہ زیب کے ساتھ۔"

شاہ جی نے شاہ رخ کو یوں اچانک بلانے کا سبب بتایا۔ شاہ رخ ابھی ابھی حویلی پہنچے تھے اور سیدھے مردانے میں شاہ جی کے پاس آئے تھے۔

"جی بہتر لیکن آپ مجھے فون پر ہی بتا دیتے کہ زیادہ دنوں کے لیے آنا ہے تو چھٹی لے لیتا۔ بہر حال اسفر یا بلند بخت سے کہہ دوں گا۔"

"اوہ ہاں یہ دونوں بچے بھی وہاں تمہارے ساتھ ہیں ایسا کرنا الیکشن سے ایک دو دن پہلے ان کو بھی بلا لینا اور وہ کیا نام تھا اس بچے کا جو اسفر کا کزن تھا اسے بھی۔ اپنے بندے جتنے ہوں اچھا ہے۔ پڑھے لکھے ہیں۔ بہتر طریقے سے لوگوں کو ہینڈل کر سکیں گے۔"

"جی اچھا۔"

"ادھر ادھر سے اچھی خبریں آرہی ہیں بس ذرا مجھے چودھری کی برادری کا ڈر ہے کہیں عین وقت پر دھوکا نہ دے جائیں۔ وعدے تو بڑے کیے ہیں ہمارے ساتھ ویسے شاہ زیب کی جگہ اگر تم کھڑے ہوتے تو کامیابی سو فی صد ہماری تھی۔ شاہ زیب ذرا مزاج کا سخت ہے تاہم نائنٹی پرسینٹ تو چانسز ہیں۔"

"مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں ہے شاہ جی۔"

"خیر وہ تو ہو گیا میں نے یونہی ایک بات کی تھی۔"

انہوں نے ایک نظر شاہ رخ پر ڈالی۔ اگرچہ کبھی کبھار وہ شاہ رخ سے ناراض ہو جاتے تھے ان کی بے جا ہمدردیوں کی وجہ سے لیکن شاہ رخ نے انہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا جبکہ شاہ زیب کی وجہ سے ایک دوبار انہیں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا تھا پھر بھی وہ بہت ساری باتوں میں شاہ زیب کو شاہ رخ پر ترجیح دیتے تھے شاہ زیب نے پچھلے سال شکار گاہ پر جو اپنے دوستوں کو اکٹھا کر کے گانے والیوں کو بلایا تھا اور پھر اس کے ایک دوست نے مشتاق خان آرائیں کی بیٹی کو راہ چلتے چھیڑ دیا تھا جس پر خاصا شور مچا تھا اور مخالف امیدوار اسی بات پر لوگوں کو اکسا رہا تھا۔ تاہم اس کے باوجود انہیں کامیابی کی امید تھی۔ انتظامیہ سب اپنی تھی۔

"شاہ جی! شاہ زیب کا ارادہ تو کراچی سیٹل ہونے کا ہے پھر یہ صوبائی اسمبلی کے انتخاب کے لیے اس کا اپنے علاقے سے کھڑا ہونا۔ میرا تو خیال تھا کہ اس نے انتخاب لڑنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔"

"اس سے فرق نہیں پڑتا آتا جاتا رہے گا یہاں بھی اسلام آباد بھی۔" انہوں نے لاپروائی سے کہا۔

"اور سب لوگ زینت فاطمہ، سیدہ اسما شاہ میر سب ٹھیک تھے۔ زینت کا دل لگ گیا وہاں۔"

"جی۔"

"پڑھائی کیسی جارہی ہے دونوں کی۔"

"جی ٹھیک ہے۔ شاہ میر تھوڑا لاپروا ہے لیکن اسما کو بہت شوق ہے پڑھنے کا۔"

"لڑکیوں کو بھی اعلا تعلیم یافتہ ہونا چاہیے یہ میرا ذاتی خیال ہے کیونکہ انہوں نے ایک نسل کی تربیت کرنا ہوتی ہے۔ بڑے شاہ جی بھی یہی کہا کرتے تھے۔"

"جی لالا جی نے اسی لیے تو زارا کو تعلیم دلوائی۔"

"ہاں یاد آیا! یہ الیکشن وغیرہ کا سلسلہ ختم ہو تو پھر تمہارے بیاہ کا بھی سوچیں پہلے تو تمہیں باہر جانا تھا اب یہاں ہی جاب کرلی ہے تو میرا خیال ہے تمہارے دونوں ماموؤں کے ہاں بیٹیاں ہیں بات کہیں چلاتے ہیں۔"

"نہیں شاہ جی یہ جاب تو عارضی ہے۔ فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے کہ آدمی کچھ کرتا رہے۔"

شاہ رخ جلدی سے بولے۔

"مجھے ایم ایس سی کرنے تو جانا ہی ہے۔ بس تھوڑی تاخیر ہو جائے گی۔"

"اچھا پھر اس پر تو بعد میں بات کریں گے لاہور کما لے یا کرم داد کو بھیج دوں۔ اگر ضرورت محسوس کر رہے ہو تو۔"

شاہ رخ گھبرائے۔

"کسی کی ضرورت نہیں ہے، چوکیدار ہے، ڈرائیور ہے پھر شاہ میر سمجھ دار ہے۔"

"خیر ڈر کی تو کوئی بات نہیں میں نے یونہی پوچھ لیا تھا تم چلے جاؤ گے باہر تو پھر بھی تو رہنا ہی ہے انہیں۔ میں نے تمہاری بی بی جی سے کہا تو ہے کہ اس سال سیدہ عظمٰی جب پڑھائی کے لیے جائے تو وہ بھی ساتھ چلی جائیں۔ لیکن امید نہیں وہ حویلی کو چھوڑیں۔ چلو تم اب نہا دھو لو اپنی بی بی جی اور زارا وغیرہ سے مل لو۔ چار بجے جانا ہے ملکوں کے ڈیرے پر میٹنگ ہے سارے علاقے کے معززین کو بلایا ہے انہوں نے۔"

"جی اچھا۔" شاہ رخ اٹھ کھڑے ہوئے۔

کل شام اچانک ہی شاہ جی کا فون آیا تھا انہوں نے فوراً انہیں حویلی بلایا تھا۔ سیدہ زینت فاطمہ تو پریشان ہوئی ہی تھیں وہ بھی گھبرا گئے تھے اور پھر لاہور سے یہاں تک انہوں نے بیتے چند ماہ کی ہر بات سوچ ڈالی تھی۔ کہیں شاہ جی کو کسی نے خبر تو نہیں کردی۔ ڈرائیور چوکیدار یا ہر کے کام والا لڑکا کوئی بھی سید قائم علی شاہ کو نہیں جانتا تھا۔ ضرور کوئی اور بات ہوگی۔ انہوں نے خود کو تسلی دی تھی۔

بلند بخت ان دنوں سید قائم علی شاہ کی انیکسی میں رہ رہا تھا۔ اس روز سید قائم علی شاہ نے کھانے پر کہا تھا۔

"یار تم ادھر کیوں نہیں آجاتے ہماری انیکسی خالی پڑی ہے اور ہمارے ہاں ہے ہی کون شجی اپنی ڈیوٹی پر چلا جاتا ہے اور شاہو بے چارہ اکیلا ہوتا ہے۔"

بلند بخت نے شاہ رخ کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں میرے خیال میں ایک دو روز میں وہاں ہی آفس سے نزدیک بندوبست ہو جائے گا۔"

"میرا گھر بھی تمہارے آفس سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے کیوں اسفر بیٹا۔" یکایک وہ اسفر سے مخاطب ہوئے۔

"جی، جی انکل۔" اسفر نہ جانے کس دھیان میں بیٹھے تھے۔

"تو پھر ڈن کل سے تم ادھر منتقل ہو جاؤ اور کھانا ہمارے ساتھ۔"

"لیکن میں پے اِنگ گیسٹ کی حیثیت سے رہوں گا۔"

"دیکھا جائے گا۔"

سید قائم علی شاہ نے کندھے اچکائے تھے۔

"ہماری ایک شرط ہے۔" وہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔

"وہ یہ کہ کھانا تم ہمارے ساتھ ٹیبل پر کھاؤ گے۔ یار حمنہ اور میں اتنی بڑی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے انتہائی احمق لگتے ہیں۔ یہ صاحب تو ہر دوسرے تیسرے دن دوستوں کے ساتھ کھانا باہر کھانے کے شوقین ہیں۔"

اور بلند بخت اس خلوص کے سامنے مجبور ہو گیا تھا۔

حمنہ نے بلند بخت کی اور اسفر کی وجہ سے مردوں کے لیے الگ کھانے کا انتظام کیا تھا۔ شاہ ہر دونوں طرف چکر لگا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے شاہو تم ادھر ہی بیٹھ جاؤ یوں بھی ادھر تعداد کم ہے۔ کچھ نہ کچھ توازن رہے گا۔" سید قائم علی شاہ نے مشورہ دیا۔

"میں نے تو کہا تھا کہ یہ آپ کی فیملی دعوت ہے۔" بلند بخت شرمندہ ہو گیا۔

"ارے! ایسی کوئی بات نہیں تم ہمارے لیے شاہ رخ اور شجی کی طرح ہی ہو۔ میں نے تو کہا تھا حمنہ سے کہ سب ایک ہی جگہ کھانا کھائیں گے لیکن وہ پگلی ڈر گئی کہ زینی آپا کہیں برا نہ مان جائیں۔"

اتنے سال کینیڈا میں رہنے سے سید قائم علی شاہ بہت لبرل ہو گئے تھے۔ شاہ رخ کو خود ان تکلفات کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے کم از کم بلند بخت اور اسفر کی حد تک وہ اس کے قائل نہ تھے بلکہ چاہتے تھے کہ بلند بخت کو پھپھو سے ملوائیں، لیکن انہیں حمنہ کی یہ احتیاط اچھی لگی تھی۔ اب تو بلند بخت کو سید قائم علی شاہ کے گھر میں رہتے ہوئے کئی ماہ ہو گئے تھے اور اس نے گھر کے ایک فرد کی حیثیت سی اختیار کرلی تھی۔ اس کے نانی نانا اور والدہ بھی ایک چکر لگا گئی تھیں اور انہوں نے بہت خلوص سے حمنہ اور زینت فاطمہ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔

زینت فاطمہ بھی اب سیٹ ہو گئی تھیں اور پہلے کی طرح بات بات پر گھبراتی نہ تھیں بلکہ کبھی کبھی جب دل گھبراتا تو خود ہی سید قائم علی شاہ کی طرف ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتی تھیں۔ ویک اینڈ پہ تو سب ہی ادھر چلے جاتے تھے۔ خود سید قائم علی شاہ اور حمنہ بہت کم ادھر آتے تھے۔

"یار احتیاط اچھی ہے، کہیں تمہارے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔" وہ شاہ رخ کے اصرار پر کہتے۔

"کہیں اس ذرا سی ملاقات سے بھی نہ جائیں گو ایسا کوئی ڈر تو نہیں ہے پھر بھی۔"

حویلی کا اندرونی دروازہ کھول کر جوں ہی شاہ رخ نے اندر قدم رکھا۔ ان کی نظر کچن کی طرف جاتی زارا پر پڑی تھی۔ وہ صحن پار کرکے برآمدے میں آئے۔ زارا بھی انہیں دیکھ چکی تھی۔

"کیسی ہو زارا؟" انہوں نے خوش دلی سے پوچھا۔

"فائن شاہ رخ بھائی آپ کب آئے۔" زارا بھی خوش ہو گئی تھی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں شاہ جی کے پاس بیٹھا تھا۔ تم سناؤ کیسی ہو۔ زیب کیسا ہے۔ کراچی میں کیسے دن گزرے اور کراچی سے آئے ہوئے بھی تمہیں اتنے ماہ ہو گئے کہا تھا زیب سے کہ لاہور کا چکر لگائے۔"

"زیب ان دنوں بہت مصروف ہیں کراچی اور یہاں کے چکر لگاتے رہے وہ ان دنوں۔ ایک ہفتہ یہاں تو ایک ہفتہ کراچی۔" وہ وہیں برآمدے میں کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

"پھپھو اور اسما کیسی ہیں؟ اسما اور پھپھو کو بھی لے آتے۔ بہت اداس ہو گئی ہوں ان کے لیے۔"

"ابھی کچھ دنوں میں دسمبر کی چھٹیاں ہونے والی ہیں تو پھپھو اور اسما آئیں گی۔"

"اچھا۔" زارا خوش ہو گئی۔

"بی بی جان کیا اپنے کمرے میں ہی ہیں اور زیب کہاں ہے۔" شاہ رخ نے پوچھا۔

"بی بی جان تو اپنے کمرے میں ہی ہیں اور شاہ زیب تیار ہو رہے ہیں میں ان کے لیے چائے کا کہنے آئی تھی۔"

"میں بی بی جان سے مل کر آتا ہوں۔" شاہ رخ بی بی جان کے کمرے کی طرف بڑھے۔

"شاہ رخ بھائی۔" زارا نے آواز دی۔

شاہ رخ جاتے جاتے رک گئے اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ وہ شاہ بابا کی طبیعت کل سے کچھ خراب ہے۔ ساری رات وہ روتے رہے ہیں مجھے جیناں نے بتایا تھا۔"

شاہ زیب کو کمرے سے نکلتے دیکھ کر وہ یکدم چپ کر گئی۔

جب سے وہ بیاہ کر حویلی میں آئی تھی اسے شاہ بابا سے ہمدردی سی ہو گئی تھی حویلی میں آنے کے بعد پہلی بار اس نے شاہ بابا کو تب دیکھا تھا جب وہ اچانک حویلی میں آ گئے تھے اور پھر دو تین بار باہر کے گیٹ کے ساتھ بنے چبوترے پر اس نے انہیں بیٹھے دیکھا تھا۔ وہ بھی شاہ رخ کی طرح سمجھتی تھی کہ شاہ بابا کے ساتھ کہیں نہ کہیں کوئی زیادتی ہوئی ہے۔ ان کا بھی اتنا ہی حق ہے اس گھر اور حویلی پر جتنا شاہ جی کا۔ آج صبح جب جیناں نے اسے بتایا تھا کہ کمالا کہہ رہا تھا رات نہ جانے شاہ بابا کو کیا ہوا ساری رات روتے رہے تو وہ بے چین سی ہو گئی تھی اور اس نے شاہ زیب سے بھی ذکر کیا تھا۔

”شاہ زیب آج آپ شاہ بابا کو دیکھ لیجئے گا جیناں بتا رہی تھی کہ۔“

”او بھئی میرے پاس وقت نہیں ہے فضولیات کے لیے۔ پاگل آدمی کا کیا پتا کب کیا کیفیت طاری ہو جائے اور یہ تم کیوں فکر کرتی ہو ان کی۔“

شاہ زیب نے ایک مشکوک سی نظر اس پر ڈالی تھی۔

”اپنا ریفارمر بننے کا شوق ختم کر دو اور جیسا حویلی میں چل رہا ہے ویسا ہی رہنے دو۔“

زارا کے ایک دم خاموش ہو جانے پر شاہ رخ نے ادھر دیکھا جدھر زارا دیکھ رہی تھی۔

”اوکے میں دیکھ لوں گا۔“ کہتا ہوا وہ شاہ زیب کی طرف بڑھ گیا۔

”کیسے ہو میری جان۔“ اسے گلے لگاتے ہوئے شاہ رخ نے بغور اسے دیکھا۔ ”خوب جان بنا رکھی ہے۔“

”آپ کیسے ہیں۔“ انہیں الگ کرتے ہوئے شاہ زیب نے پوچھا۔

”اے ون۔“

”اچانک کیسے آنا ہوا۔“ اس نے کچن کی طرف جاتی زارا پر نظر ڈالی۔

”شاہ جی نے بلایا ہے تمہاری کمپین کے سلسلے میں۔“

”وہاں ذکر کیا تھا شاہ جی نے مجھ سے۔“ اس کی نظریں بدستور زارا پر تھیں۔

”پھپھو اور سیدہ اسما شاہ میر سب ٹھیک ہیں۔“ زارا اب کچن میں جا چکی تھی شاہ زیب اب شاہ رخ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

”سب ٹھیک ہیں۔“ شاہ رخ مسکرائے۔

”یار یہ سیاست وغیرہ مشکل نہیں ہو گی تمہارے لیے۔ ادھر بزنس میں بھی انوالو ہو رہے ہو۔“

”کچھ خاص مشکل نہیں ہو گی۔“ شاہ زیب اب پوری طرح شاہ رخ کی طرف متوجہ تھا۔

”زیادہ توجہ تو بزنس کی طرف ہی ہو گی۔“

”میں ذرا بی بی جان کی طرف ملنے جا رہا تھا۔“ شاہ رخ نے بتایا۔

”چلیں میں بھی چلتا ہوں۔ بی بی جان کو سلام کر لوں۔“

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے بی بی جان کے کمرے کی طرف چلے گئے لیکن بی بی جان سے باتیں کرتے ہوئے شاہ رخ کا ذہن بار بار شاہ بابا کی طرف چلا جاتا تھا۔

کسی نے شاہ بابا کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے۔ کیا وہ بیمار ہیں۔ انہوں نے سوچا اور دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ میٹنگ سے فارغ ہوتے ہی وہ شاہ بابا کی طرف جائیں گے اور پھر ابھی انہیں یہاں ہفتہ بھر رہنا تھا۔ وہ ضرور شاہ بابا کو ٹائم دیں گے اور اگر ضرورت پڑی تو شاہ جی سے اجازت لے کر ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔ وہ فیصلہ کر کے بی بی جان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

■■■

”ندا واقعی بہت خوب صورت ہے۔“ بیگ میں کپڑے رکھتے ہوئے نرل نے ماہ نور کی طرف دیکھا جو پاس ہی صوفے پر دونوں ہاتھ گود میں دھرے بیٹھی اسے پیکنگ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

”ہاں! کچھ لوگوں کو اللہ دل کھول کر حسن کی دولت عطا کرتا ہے۔“

”خیر اللہ نے آپ کو بھی کچھ کم فراخ دلی سے یہ دولت عطا نہیں کی۔ ہاں ندا نے خود بھی اپنے حسن کو سنوارنے کی کوشش کی ہے۔“ نرل بیگ کی زپ بند کر کے اس کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔

”آپ نے غور کیا تھا، ندا کا میک اپ کتنا نیچرل تھا، حالانکہ پاؤں کے ناخنوں سے لے کر آنکھوں تک کو سنوار رکھا تھا اس نے۔“

”تو تمہیں اس کے میک اپ پر اعتراض ہے۔“ ماہ نور نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

”نہیں۔“ نرل نے نفی میں گردن ہلائی۔

”تو کیا میرے میک اپ نہ کرنے پر اعتراض ہے۔“

”ارے نہیں۔“ نرل ہنس دی۔

”آپ نے سنا نہیں تھا خضر بھائی کیا کہہ رہے تھے جب اریج نے ندا کی تعریف کی تھی۔“

اس نے سنا ہی نہیں تھا بلکہ خضر کا کہا ہر لفظ اس کے دل پر نقش تھا۔

جب خضر انہیں چھوڑنے کے لیے آ رہا تھا تو لاؤنج میں کھڑے کھڑے اریج نے ندا کی خوب صورتی کی تعریف کی تھی اور خضر سے بھی تائید چاہی تھی۔

”میں نے دھیان سے نہیں دیکھا تھا۔“ خضر نے لاپروائی سے جواب دیا۔

یہ خالص علینہ کی فرینڈز کی گیدرنگ تھی۔ خضر بے دھیانی میں لاؤنج میں چلا آیا تھا اور پھر وہیں سے واپس پلٹ گیا تھا۔

”سوری!“

”ارے بھئی تعارف تو کروا دو۔“ سارا بہت بولڈ تھی۔

علینہ نے خضر کو روکا۔

”خضر بھائی یہ میری فرینڈز ہیں۔“ اس نے باری باری سب کا تعارف کروایا۔

سارا، حفصہ اور ندا کے علاوہ اس کے ڈیپارٹمنٹ کی کچھ اور لڑکیاں بھی تھیں۔ ندا نگاہیں جھکائے ہوئے تھی پہلے سرسری سی نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر چونکا تھا۔ ”آپ!“

ندا نے نگاہیں اٹھائی تھیں۔ سیاہ دلکش آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔ خضر الجھا الجھا سا اسے دیکھ رہا تھا۔

”لگتا ہے آپ نے بھی کہیں میری کزن کو دیکھ لیا ہے۔“ ندا کے ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔

”ہاں شاید۔“ خضر نے نظریں جھکا لی تھیں۔

”علینہ! ہیپی برتھ ڈے! صبح تم سو رہی تھیں اس لیے وش نہیں کر سکا۔“

وہ واپس مڑا اور ایک لمحہ کے لیے اس کی نظروں نے ماہ نور کو اپنے حصار میں لیا تھا اور ان میں اس کے لیے پسندیدگی ابھری تھی۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

”پھر بھی خضر بھائی آپ نے غور نہیں کیا ایک تو خداداد حسن اس پر ان کا میک اپ، ڈریسنگ سچ غضب ڈھا رہی تھی۔“

”سادگی کا اپنا ایک حسن ہوتا ہے ڈیر سسٹر!“ خضر نے ذرا کی ذرا ماہ نور کی طرف دیکھا تھا۔

”چمک یکدم آنکھوں کو چندھیا تو دیتی ہے، لیکن اس کی چمک تھوڑی دیر کے لیے ہوتی ہے جب کہ دھیمے دھیمے لو دیتی روشنی کا اپنا ہی حسن ہوتا ہے۔“ ماہ نور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”تو جناب آپ آپ ہیں اور ندا ندا ہے۔“ نرل نے محبت سے اس کی طرف دیکھا تو وہ چونکی۔

”کیا تمہارا دل لگ جائے گا وہاں ہم سب کے بنا رہ لو گی؟“

”ہاں نہیں آپ سب یاد تو بہت آئیں گے۔ مجھے مشکل تو ہو گا، لیکن بعض اوقات منزل تک پہنچنے کے لیے

بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔" نرمل اداس ہوگئی۔

"ہم سب تمہیں بہت مس کریں گے روما۔" ماہ نور کی آنکھیں نم ہوگئیں۔

"پتا ہے دادی صبح سے دو تین بار رو چکی ہیں۔"

"حالانکہ دادی کی لاڈلی تو آپ ہیں۔" نرمل اس کی اداسی دور کرنے کے لیے ہنسی۔

"دادی سب سے ہی پیار کرتی ہیں روما۔" ماہ نور کے لہجے میں دادی کے لیے پیار تھا۔ دوپہر کی ٹرین سے نرمل لاہور جا رہی تھی۔ منصور اسے چھوڑنے جا رہا تھا۔ حمنہ کے دو تین فون آچکے تھے کہ اکیڈمی میں سیشن اسٹارٹ ہوچکا ہے للذا نرمل کو فوراً بھیج دیں۔ طیبہ خاتون کچھ متذبذب سی تھیں۔

"کیوں کیا، تمہیں حمنہ پر اعتبار نہیں ہے؟" نصیر احمد خان نے انہیں متذبذب دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں، حمنہ اپنی اولاد سے بڑھ کر خیال رکھے گی اس کا اور پھر یاد ہے آپ کو نرمل کی پیدائش پر اس کا خط آیا تھا کہ میں پاکستان میں ہوتی تو نرمل کو آپ سے مانگ لیتی، مجھے بیٹی کی بڑی چاہ ہے۔"

"تو پھر کیا سوچ رہی ہو؟"

"یوں ہی بھائی صاحب کا خیال آجاتا ہے، کہیں وہ برا نہ منائیں۔"

"میرے خیال میں، ہم اپنی اولاد کے متعلق خود فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ہمیں پتا ہے کہ کیا اچھا ہے ان کے لیے اور کیا برا۔ طیبہ خاتون اب آپ بھائی صاحب سے ڈرنا چھوڑ دیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات؟"

وہ جھجک گئیں۔ "سعدیہ بھابی کا بھی خیال آرہا ہے، وہ کچھ نہ کہیں۔"

"انہوں نے بھلا کیا کہنا ہے طیبہ! افضال تو کل بھی کہہ رہا تھا کہ نرمل کو ضرور لاہور جا کر تیاری کرنا چاہیے، اگر اریج کا موڈ ہوتا میڈیکل لائن میں جانے کا تو وہ بھی اریج کو بھیج دیتے۔"

"افضال بھائی کی اور بات ہے لیکن شاید سعدیہ بھابی کو اچھا نہ لگے۔"

"کیوں اچھا نہ لگے گا، حمنہ کوئی غیر تو نہیں تمہاری پھوپھی کی بیٹی ہے اور پھر بہنوں جیسی ہے تمہارے لیے۔" نصیر احمد خان نے منصور سے کہا کہ وہ نرمل کو لاہور چھوڑ آئے۔ اور طیبہ خاتون نہ کہہ سکیں کہ وہ ڈرتی ہیں۔ حمنہ کے دو جوان بیٹے ہیں کہیں کوئی بات نہ کروے سعدیہ، میاں صلاح الدین کوئی بھی۔

"چلو ابا کے کمرے میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" نرمل نے اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتے ہوئے ماہ نور سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہاری پیکنگ مکمل ہوگئی۔" ماہ نور نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ دونوں ڈرائننگ روم سے باہر نکلیں۔ سلمیٰ خانم اپنے تخت پر بیٹھی قرآن پڑھ رہی تھیں۔

"دادی چلیں ابا کے کمرے میں۔" نرمل نے جھک کر کہا۔ "پھر تو میں چلی ہی جاؤں گی۔"

"ہاں تم چلو میں آتی ہوں۔" انہوں نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا اور پھر ماہ نور سے پوچھنے لگیں۔

"راستے کے لیے کھانا تیار کر دیا تھا۔"

"جی! کچے قیمے کے کباب بنائے ہیں۔ ساتھ میں مٹر قیمہ بھی بھون دیا ہے۔ پراٹھے کچھ دیر بعد بنا دوں گی۔ ابھی تو دو تین گھنٹے ہیں، جانے میں۔"

"تھوڑا اچار بھی رکھ دینا ٹفن میں۔"

ماہ نور نے سر ہلا دیا۔ اور نصیر احمد خان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ نرمل نصیر خان کے پاس ہی ان کے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"آؤ بیٹی!"

انہوں نے اس کے لیے جگہ بنائی اور ابھی وہ بیٹھی ہی تھی کہ اریج، علینہ، خضر، ولید آگئے۔ علینہ کی آواز سن کر وہ کھڑی ہوگئی۔ حسب معمول وہ اونچی آواز میں دادی سے سلام دعا کر رہی تھی۔

"علینہ آئی ہے شاید۔"

"شاید نہیں یقیناً۔"

اریج نے دروازے سے جھانکا۔

"اور صرف علینہ ہی نہیں ہم سب بھی ہیں۔"

"آؤ بیٹی آجاؤ۔" نصیر خان نے اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا۔

"ہم نہ آتے تو یہ بے وفا لڑکی ملے بنا ہی چلی جاتی۔"

"فون تو کیا تھا۔" نرمل نے اس کی طرف دیکھا۔

"اور کیا ملنے نہیں آسکتی تھیں۔" اریج نے اسے گھورا اور سائیڈ پر پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کون سا عمر بھر کے لیے جا رہی ہوں زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو ماہ تک آہی جاؤں گی۔"

"جدائی تو جدائی ہوتی ہے بیٹا چاہے ایک دن کی ہو، چاہے دو ماہ کی۔" نصیر احمد خان مسکرائے۔

"اور کیا انکل اسے آنا چاہیے تھا نا ملنے؟" اریج فوراً بولی۔

"ہاں بیٹا آنا تو چاہیے تھا، لیکن بس کل ہی پروگرام بنا اور پھر اسے تیاری وغیرہ بھی کرنا تھی۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"خیر اب تو ہم آ ہی گئے ہیں ملنے۔ کیا یاد کرو گی، کیسی سہیلی سے پالا پڑا ہے۔"

"بہت اچھی سہیلی ہے۔" نصیر خان نے ہاتھ بڑھا کر اریج کا سر تھپتھپایا۔

"میرے بچوں کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں اچھے دوست ملے ہیں۔"

"دیکھا۔" اریج نے مصنوعی کالر جھاڑے۔ "تم ہی قدر نہیں کرتیں ہماری۔" نصیر خان مسکرا دیے۔ نرمل کے لبوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔

"باقی لوگ کہاں رہ گئے۔"

"میرے خیال میں ابھی باہر ہی مذاکرات ہو رہے ہیں۔"

اریج نے دروازے سے جھانک کر دیکھا اور پھر نرمل کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"میں کہتی ہوں روما چھوڑو یہ ڈاکٹری واکٹری! آج کل ڈاکٹروں کی کوئی قدر نہیں۔ ہر گلی محلے میں ڈھیروں ڈاکٹر اپنی اپنی دکان کھولے بیٹھے ہیں۔ اتنی محنت کرو۔ سر کھپاؤ اور تنخواہ لی اے پاس ٹیچر سے بھی کم۔"

"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے۔" نرمل نے جواب دیا۔

"ایسا ہی ہے بی بی۔ دونوں آرام سے بی اے کرتے ہیں۔ ہنستے کھیلتے، نہ پڑھائی کی ٹینشن، نہ پریکٹیکل کا عذاب اور بی اے کے بعد کسی آسان سے مضمون میں ماسٹرز کر لیں گے۔" اریج نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا۔

"ڈاکٹر بننا میرا خواب ہے اریج۔"

"بہت فضول خواب ہے۔" اریج نے برا سا منہ بنایا۔ خواہ مخواہ تمہارے اس خواب کے پیچھے دو سال میں بھی خوار ہوئی۔ ایمان سے راتوں کو جاگ جاگ کر آنکھوں کے نیچے حلقے پڑ گئے تھے۔ خواب میں بھی فزکس اور بیالوجی رٹتی رہتی تھی۔"

نصیر الدین خان مسکراتے ہوئے اریج کی گفتگو سن رہے تھے۔ خضر، ولید اور علینہ اندر داخل ہوئے۔ ماہ نور کچن کی طرف چلی گئی تھی، جہاں طیبہ خاتون دوپہر کے کھانے کے لیے پلاؤ بنا رہی تھیں۔

"اماں! آپ اٹھیں میں کر لیتی ہوں۔"

"صبح سے تم ہی تو لگی ہوئی تھیں۔ تم جاؤ، علینہ وغیرہ کے پاس بیٹھو۔ بچے آئے ہیں تو اب کھانا کھا کر ہی جائیں گے۔ میں پلاؤ کے لیے گوشت چڑھا دیتی ہوں۔ تم کچھ دیر تک آکر چاول وغیرہ صاف کر کے بھگو دینا۔"

"میں سب کر لوں گی اماں، پلیز! آپ اٹھ جائیں۔ میں نے آپ سے کہا بھی تھا کہ میں کر لوں گی۔ آپ جا کر روما کے پاس بیٹھیں۔" اس نے اصرار کر کے انہیں اٹھا دیا۔

"راستے کے لیے جو مٹر قیمہ بھونا تھا اس میں سے بھی کچھ ایک ڈونگے میں رکھ دینا، چکن پڑا ہے فریج میں قورمہ

بنا لینا۔" انہوں نے جاتے جاتے ہدایت کی۔

ماہ نور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور طیبہ خاتون کے جانے کے بعد فریج سے گوشت کا پیکٹ نکال کر باؤل میں پانی ڈال کر رکھا۔ قورمے میں تو دیر لگے گی کڑاہی بنا لوں گی۔ فریج کھولا تو رات کا آلو گوشت بھی نظر آ گیا تھا۔ سارا یونہی پڑا تھا۔ طیبہ نے دادی کے لیے کھچڑی بنائی تھی سب نے وہی کھالی صرف نصیر خان اور منصور نے روٹی کھائی تھی۔ پلاؤ کے لیے گوشت چڑھا کر وہ کڑاہی کے لیے چکن دھو رہی تھی کہ آہٹ پر مڑ کر دیکھا۔ کچن کے دروازے پر ہاتھ رکھے خضر کھڑا تھا۔

"آپ یہاں۔" وہ ذرا سا حیران ہوئی۔

"کیوں کیا میں یہاں نہیں آسکتا۔" وہ مسکرایا۔

"کچھ چاہیے تھا۔"

"ہاں۔" خضر کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز تھی۔

"کیا؟" ماہ نور نے پلکیں اٹھائیں۔

"تمہاری چند لمحوں کی رفاقت!"

اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی اور ماہ نور کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔ یہ خضر تھا جس کے ساتھ وہ گھنٹوں بیٹھی باتیں کرتی تھی۔ ابا کی بیماری' اماں کی جدوجہد اور ان دونوں کے خواب' منوں کی پڑھائی۔ لیکن یہ جو ایک ننھی سی کونپل دل کی زمین پر پھوٹی تھی اس نے حجاب کا پردہ سا تان دیا تھا۔ خضر کو سامنے پا کر یونہی اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو جاتی تھیں۔

"ہاں ماہ! بہت دنوں سے جی چاہ رہا تھا کہ تمہیں دیکھوں تم سے باتیں کروں۔ تمہارا احوال پوچھوں' لگتا ہے تم سے ملے صدیاں بیت گئی ہوں۔"

"اس روز عینا کی برتھ ڈے پر تو ملاقات ہوئی تھی۔" ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"اس روز وہ ملاقات تھی ماہ' محض چند لمحوں کی۔" خضر کی نظریں ماہ نور کے چہرے پر تھیں۔

"آپ چھوڑنے بھی تو آئے تھے' راستے میں بھی تو باتیں ہوتی رہی تھیں۔"

"لیکن باقاعدہ ملاقات تو شبی کی شادی پر جانے سے پہلے ہوئی تھی نا' ان دنوں اس قدر مصروفیت رہی کہ باوجود خواہش کے نہ آسکا ورنہ جی تو روز ہی چاہتا تھا کہ ـــــ"

"خضر آپ آج۔" ماہ نور نے کچھ کہنا چاہا تو وہ ہنس دیا۔

"سوری! ماہ یونہی تمہیں تنگ کر رہا تھا ویسے کبھی کبھی تھوڑی سی رومینٹک گفتگو کر لینے میں کوئی حرج تو نہیں۔"

لبوں پر شریر مسکراہٹ لیے اس نے معصومیت سے پوچھا تو ماہ نور بھی اس کی شرارت سمجھ گئی۔

"یہ بتائیے کس کام سے آئے تھے۔"

"آیا تو پانی پینے تھا لیکن یہ بہانہ تھا' دراصل تمہیں دیکھنا چاہ رہا تھا۔"

"فضول باتیں مت کریں۔" محجوب سی ہو کر ماہ نور فریج کی طرف مڑی اور پانی کی بوتل نکالی۔

اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیتے ہوئے خضر سنجیدہ ہو گیا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا ماہ۔ اس روز مجھے کچھ کمزور سی لگی تھیں۔"

"ہاں ٹھیک ہوں بالکل۔"

"اسکول کب کھل رہے ہیں۔"

"اٹھارہ اگست تک کھل جائیں گے۔ ذاکر صاحب تو چاہتے تھے کہ یکم اگست کو ہی کھول دیں پرائیویٹ اداروں کا اپنا ہی شیڈول ہوتا ہے' لیکن ٹیچرز نے احتجاج کیا تو اٹھارہ کو کھول رہے ہیں۔"

"پھر تو چند ہی دن رہ گئے ہیں۔" خضر نے گلاس واپس کیا۔

"ویسے یہ پرائیویٹ ادارے چھٹیوں کی پے دیتے ہیں۔"

"سب کا تو مجھے پتا نہیں۔" ماہ نور نے گلاس کاؤنٹر پر رکھا۔

"ذاکر صاحب دیتے ہیں' لیکن کم از کم ایک سال کی جاب ہو تب۔"

"اس کا مطلب ہے تمہیں چھٹیوں کی پے نہیں ملی ہو گی۔"

"ظاہر ہے مجھے تو چند ماہ ہی ہوئے تھے جاب کرتے اور چھٹیاں ہو گئیں۔"

"کوئی پرابلم تو نہیں ہوا ماہ؟" خضر کے لہجے میں تشویش تھی۔

"تم نے مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔ پھر شبی کی شادی بھی تھی اخراجات تو ـــــ"

"کوئی پرابلم نہیں ہوا' آپ یونہی پریشان ہو رہے ہیں۔"

"مجھے خود خیال رکھنا چاہیے تھا۔ مجھے پتا ہے کبھی بھی خود سے کچھ نہیں کہو گی۔ ماہ میری اتنی محبت اتنے خلوص کے باوجود تمہاری یہ اجنبیت بہت دکھ دیتی ہے مجھے تم مجھے اپنا نہیں سمجھتی ہو۔"

اس کے لہجے سے ہی نہیں چہرے سے بھی ناراضگی کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اگر کوئی پرابلم یا مسئلہ ہوتا تو آپ سے ہی کہتی مگر کوئی پرابلم ہوا ہی نہیں اماں شبی کی شادی کے لیے تو کئی مہینوں سے بچت کر رہی تھیں۔ گفٹ تو اماں نے گھر سے ہی نکال لیا۔ ٹاپس۔ خالہ جان اور غزالہ بھابی کے جوڑے تو گھر سے ہی نکل آئے تھے۔ صرف ماموں جان اور شبی کے لیے کپڑے خریدے۔"

"اور یہ جوڑے مفت مل گئے کیا۔" خضر کا لہجہ ہنوز تپا ہوا تھا۔

"اور ابا کی دوائیں وغیرہ۔"

"سب آ رہی ہیں۔" ماہ نور ہولے سے ہنسی۔

"چھٹیوں میں زیادہ بچے ٹیوشن کے لیے آتے ہیں تو۔"

خضر نے بہت گہری نظر اس پر ڈالی تو اس نے نظریں چرا لیں۔

وہ خضر کی محبت اور خلوص کی معترف تھی' لیکن چھوٹے چھوٹے مسائل خضر سے ڈسکس کرنا اسے اب اچھا نہیں لگتا تھا۔ اخراجات واقعی زیادہ تھے ابا اور دادی کی دوائیں بھی روٹین سے نہیں آسکی تھیں۔ لیکن کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوا تھا ابا بہت امپروو کر رہے تھے۔ گو ابھی کھڑے نہیں ہو سکتے تھے تاہم اپنی ٹانگوں کو آسانی سے حرکت دے سکتے تھے۔ منصور انہیں باقاعدگی سے فزیو تھراپی کے لیے لے جاتا تھا۔

"خضر!" اس نے خاموش کھڑے خضر پر ایک نظر ڈالی۔

"آپ کے ہونے کا احساس ہمیشہ مجھے تقویت دیتا ہے۔ یہ خیال کہ جب کبھی تیز آندھیاں آئیں تو آپ ضرور ہمیں ان آندھیوں سے بچانے کے لیے آئیں گے۔ آپ کو کیا پتا خضر افضال حیدر کہ بزدل سی ذرا سی بات پر رونے والی ماہ نور کو اللہ کے بعد آپ کے ساتھ کا احساس ہی بہادر بنا گیا ہے۔"

"او کے!" خضر نے خاموش کھڑی ماہ نور کے احساسات جیسے جان لیے تھے۔

"میں ہر گھڑی تمہارے ساتھ ہوں' ہر آن ہر لمحہ یہ کبھی مت بھولنا ماہ۔"

ماہ نور نے سر ہلا دیا۔

"کیا پک رہا ہے؟" خضر نے ناک سکیڑی۔

"بڑی اچھی خوشبوئیں آ رہی ہیں۔"

"اماں پلاؤ بنانے لگی تھیں۔"

"نرمل کے جانے کی خوشی میں۔" نرمل کو آتا دیکھ کر خضر نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"میرے جانے کی خوشی میں۔ کیا مطلب؟" نرمل قریب آ گئی تھی۔

"مطلب تو کچھ نہیں میں یہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے جانے کی خوشی میں پلاؤ بن رہا ہے۔"

"جی نہیں! میرے جانے پر سب اداس ہیں اور پلاؤ مجھے بہت پسند ہے اس لیے اماں نے کہا تھا پلاؤ بنانے کو۔"

"تو کیا حمنہ پھپھو کو پلاؤ پکانا نہیں آتا۔ کیا دو ماہ تمہیں پلاؤ نہ ملتا کھانے کو۔" خضر نے اسے چھیڑا۔

"یہ تو ماں کا دل ہے نا خضر بھائی اور ماں کے دل کی اتھاہ کو کون پا سکا ہے۔" وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"یہ تو ہے۔" خضر نے تائید کی۔

"ویسے آپ تو پانی پینے آئے تھے کیا کنواں کھودنے کا ارادہ بن گیا تھا۔"

نرمل نے آنکھوں کے نم کونوں کو ہاتھوں کی پشت سے پونچھا۔

ابھی خضر نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ دائی نے ڈرائنگ روم کے دروازے سے آواز لگائی۔

"ماں جی! آپ کا فون ہے مسز مراد ہیں۔"

"روما تم ذرا یہ گوشت دیکھ لینا۔ میرے خیال میں گل گیا ہے۔ آگ دھیمی کر دو۔ میں ابھی آ کر بھون لیتی ہوں۔"

■■■

مبشر نے کتاب اور فائل اٹھائی اور کمرے سے نکلنے ہی لگا تھا کہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی بال سنوارتی غزالہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"نہیں ذرا حمنہ خالہ کی طرف جا رہا ہوں۔ قاسمی انکل سے ایک دو پوائنٹ ڈسکس کرنے ہیں۔ سمجھ نہیں آ رہے۔" مبشر رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"قاسمی انکل سے پوائنٹ ڈسکس کرنے ہیں یا پھر اپنی پھوپھی کی بیٹی سے ڈسکشن کرنا ہے۔"

غزالہ کے لہجے میں طنز در آیا۔ مبشر کے چہرے کا رنگ بدلا۔

"غزالہ تم بہت فضول بولتی اور فضول سوچتی ہو۔"

"کیا فضول بات کی ہے میں نے۔" وہ پوری کی پوری اس کی طرف مڑ گئی۔

"کیا تم حمنہ خالہ کے گھر نرمل کی خاطر نہیں جاتے ہو۔ اتنی کاکی نہیں ہوں میں، سب سمجھتی ہوں۔"

"تمہاری سوچ بہت غلط ہے۔" مبشر نے ایک تاسف بھری نظر اس پر ڈالی۔

"نرمل سے مجھے کچھ کہنا یا بات کرنا ہو تو وہ سارا دن میرے ساتھ کالج میں ہوتی ہے۔"

"جی نہیں بھرتا ہو گا دن بھر اس لیے شام کو بھی چل پڑتے ہو۔" لہجہ مزید طنزیہ ہو گیا تھا۔

"میری تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب نرمل بی بی تمہیں اتنی ہی پسند تھیں تو کیوں نہ شادی کر لی، میری قسمت کیوں پھوڑی۔"

"غزالہ فار گاڈ سیک! ایسا کچھ نہیں ہے۔" مبشر دروازے کے پاس سے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

"خواہ مخواہ وہم کر کے اور فضول باتیں سوچ کر مت تھکایا کرو اپنے دماغ کو۔ کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے میں نے لیکن تم ہر روز کوئی نہ کوئی بات لے کر شک میں مبتلا ہو جاتی ہو اور مجھے بھی ڈسٹرب کرتی ہو۔"

"یہ وہم نہیں ہے میرا میں سب جانتی ہوں۔"

غزالہ کی آواز بھرا گئی۔

"میں عمر میں تم سے بڑی ہوں۔ بہت پڑھی لکھی نہیں ہوں جب کہ وہ۔"

"تم بہت اچھی ہو غزالہ! خوب صورت ہو، میری بیوی ہو۔ میں نے اتنے بہت سارے لوگوں کی موجودگی میں قبول کیا ہے تمہیں۔ اور تمہارا جو مقام ہے وہ کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لیے غزالہ ایسی باتیں کر کے مجھے پریشان مت کیا کرو۔ میں یکسوئی سے پڑھائی نہیں کر سکتا۔"

مبشر میں اس ایک سال میں بہت تحمل آ گیا تھا۔ اس نے انٹری ٹیسٹ کلیئر کر لیا تھا اور اسے کے ای میں ایڈمیشن مل گیا تھا۔ نرمل کو بھی اسی کالج میں ایڈمیشن ملا تھا، پڑھائی کی غرض سے وہ حمنہ کے گھر آ گئی تھی۔

میڈیکل کی پڑھائی بہت ٹف تھی۔ مبشر بہت سنجیدگی سے پڑھائی کو وقت دیتا تھا، لیکن غزالہ کی وجہ سے اکثر وہ ڈسٹرب ہو جاتا تھا۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو مسئلہ بنا دیتی تھی۔ ذرا سی بات پر الجھتی تو گھنٹوں بولتی رہتی تھی۔ مبشر کی کوشش ہوتی تھی کہ اس کے غصے اور ناراضگی کا علم عذرا بیگم اور انعم، سمن کو نہ ہو۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھار وہ ان کے سامنے ہی بدلحاظ ہو جاتی تھی تو عذرا بیگم کئی دن تک دکھی رہتیں، بار بار مبشر سے پوچھتیں۔

"تم خوش تو ہو؟"

"جی امی جان۔" وہ انہیں یقین دلاتا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہتیں۔ ان کی آنکھوں کی نمی اسے بے چین کر دیتی تھی۔

"امی جان پلیز! آپ میرے لیے پریشان نہ ہوا کریں۔ میں بہت خوش ہوں۔ اب ہر لڑکی آپ جیسی تو نہیں ہو سکتی نا۔ نائنٹی پرسنٹ لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، غزالہ جیسی۔"

وہ غزالہ کو سمجھاتا رہتا تھا صرف ایک سال میں لگتا تھا جیسے وہ دس سال بڑا ہو گیا ہو۔ سنجیدہ اور سمجھ دار۔ میاں صلاح الدین اسے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے اور انہیں اپنا فیصلہ بالکل صحیح لگتا۔

"اگر میں اس کی شادی نہ کر دیتا کم عمری میں تو یہ ایسا ہی رہتا کھلنڈرا اور لاپروا۔ رفیوز میں ڈوبا، ہر شام دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کرنے نکلا ہوتا اور پھر اتنا خوب صورت اور حسین مرد کوئی نہ کوئی لڑکی پھانس لیتی اسے۔"

وہ عذرا بیگم سے اپنے احساسات کا اظہار کرتے تو عذرا بیگم خاموش رہتیں۔ وہ جانتی تھیں کہ غزالہ جیسی لڑکی کی رفاقت کتنی اذیت ناک ہے اور پتا نہیں وہ اسے نبھا بھی پائے گا یا نہیں۔ اسی خوف سے وہ وقتاً فوقتاً اسے سمجھاتی رہتیں۔

"بیٹا! وہ ناسمجھ ہے اتنی عقل نہیں ہے اس کے پاس، تم اس کی باتوں کو درگزر کیا کرو۔ بے عقل عورت اکثر اپنی ناسمجھی کے ہاتھوں اپنا گھر برباد کر دیتی ہے لیکن اگر مرد سمجھ دار ہو تو گھر کو بچائے رکھتا ہے۔ بیٹا وہ جب غصے میں ہو تو تم خاموش ہو جایا کرو۔"

لیکن وہ جتنا درگزر کرتا، وہ اتنا ہی بولتی تھی اور اب پچھلے چند ماہ سے تو وہ اس پر شک کرنے لگی تھی۔ ابتدا اس کے کالج فنکشن کے گروپ فوٹو سے ہوئی تھی، جسے غلطی سے وہ اسے دکھا بیٹھا تھا۔

"یہ لڑکیاں بھی تمہارے ساتھ پڑھتی ہیں اور یہ ادھر والی کتنی خوب صورت ہے۔" اس نے ایک مشکوک سی نظر اس پر ڈالی تھی۔

"ہاں لیکن اس سے زیادہ خوب صورت لڑکیاں ہیں، میری کلاس میں۔" مبشر کا موڈ بہت خوشگوار تھا۔

"تمہاری دوستی ہے۔" اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔

"وہاں یہ ایک نہیں بہت ساری خوب صورت لڑکیاں ہیں غزالہ کیا میں سب سے دوستیاں کرتا پھرتا ہوں۔ پڑھنے جاتا ہوں میں۔"

"مجھے کیا پتا۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"تم لڑکوں کا کیا پتا ہوتا ہے باہر نہ جانے کیا کرتے پھرتے ہو اور تمہاری ساتھ تو اتنی لڑکیاں پڑھتی ہیں۔"

وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"چلو یار! باہر جو بھی کرتے ہیں۔ شادی تو تم سے ہو چکی اب کسی سے شادی تو نہیں کر سکتا ابا جان نے پہلے ہی پابند کر دیا کہ کہیں کوئی خوبصورت لڑکی نظر آ بھی جائے تو یاد آ جائے کہ گھر میں ایک محترمہ موجود ہیں۔"

"تو نہ یاد کیا کرو۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

"عیش کرو باہر میں کون سا باہر تمہارے ساتھ ہوتی ہوں۔"

آنسو تو جیسے اس کی آنکھوں میں دھرے رہتے تھے ذرا سی بات ہوتی بہانے لگتی اور مبشر کا سارا خوشگوار موڈ خراب ہو جاتا۔

”میرے پاس عیش کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا غزالہ بیگم! پڑھنے جاتا ہوں وہاں۔“

اور پھر اس روز کے بعد اسے ایک نیا موضوع مل گیا تھا۔ کالج سے آتے ہی تفتیش شروع ہو جاتی تھی۔

”آج کیا کرتے رہے کالج میں؟“

”کیا کرنا تھا؟“ وہ پوچھتا۔

”پڑھائی کے علاوہ کچھ اور بھی ہوتا ہے کالج میں۔“

”مجھے کیا پتا۔“ وہ انجان بن جاتی۔ کبھی اس کی فائلز اور کتابیں چیک کرتی تو وہ الجھتا۔

”یہ کیا کر رہی ہو؟“

”دیکھ رہی ہوں کسی لڑکی کی تصویر یا خط شط تو نہیں ہے۔“

”اتنا پاگل سمجھا ہے مجھے کہ میں تصویر یا خط کتابوں میں رکھوں گا۔“

اس کی تفتیش سے تنگ آکر کبھی کبھی وہ اسے چڑانے کے لیے ایسی بات کر جاتا کہ اس کا شک بڑھ جاتا۔

”بہت سنبھال کر رکھتا ہوں میں ایسی چیزیں؟“

اور وہ دھواں دھار رونا شروع کر دیتی، کبھی پوچھتی۔

”سچ بتاؤ، کتنی لڑکیاں تم پر مرتی ہیں۔“

”یہ کیا فضول اندازِ گفتگو ہے۔“

”نہیں بتاؤ نا شبی، چلو تم نہیں وہ تو تم پر مرتی ہوں گی۔ تم اتنے خوب صورت ہو۔“

”اعتراف ہے تمہیں۔“ وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا۔

”وہ تو ہے۔“

”تو پھر یار ان خوب صورت لمحوں کو دوسروں کی باتوں میں ضائع مت کیا کرو اپنی اور میری باتیں کرو۔“

پیار سے، غصے سے ہر طرح سے وہ اسے سمجھاتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں وہ سمجھتی ہی نہ تھی۔ اور آج یہ نیا شوشا چھوڑا تھا اس نے۔

”ویسے، نرمل ہے تو بہت خوب صورت۔“

غزالہ پر جیسے اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ مبشر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”ہے نا۔ خوب صورت ہے نا۔ اس دن ثمن بھی کہہ رہی تھی بہت کشش ہے اس میں۔“

”وہ تم سے زیادہ خوب صورت نہیں ہے غزل۔“ مبشر نے اس کے سراپے پر نظر ڈالی۔ وہ اس ایک سال میں اور بھی نکھر گئی تھی۔ گو وہ عمر میں اس سے دو تین سال بڑی تھی لیکن لگتی نہیں تھی۔

”اور پھر ظاہری خوب صورتی بے معنی ہے۔ اصل خوب صورتی انسان کے کردار اور اس کی شخصیت میں ہوتی ہے۔ اس کی بات چیت اس کا اخلاق اس کی اقدار یہ سب متاثر کرتے ہیں۔ حسن عارضی ہوتا ہے۔ میرے ایک دوست کے چچا جو ہم سے خاصے بے تکلف ہیں اکثر کہتے ہیں۔

”بیوی بننے کے کچھ عرصہ بعد سب لڑکیاں ایک جیسی ہی لگنے لگتی ہیں خوب صورت، نارمل، بدصورت وہ صرف بیوی رہ جاتی ہیں۔“

وہ ہنسا

لیکن اس کی سوئی ہنوز وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب تمہارے اپنے خاندان میں اتنی خوب صورت لڑکیاں موجود تھیں۔ تمہاری پھپھو کی اور پھر تمہارے ماموں کی بیٹیاں سب ہی ایک سے ایک بڑھ کر ہیں پھر چچا جان نے میرا رشتہ کیوں مانگا۔“

”اس لیے کہ میرا نصیب تمہارے ساتھ پھوٹنا تھا۔ اللہ نے میری قسمت میں تمہیں لکھ دیا تھا۔“

”کہیں تم میرا مطلب ہے، تمہارا کریکٹر تو ایسا ویسا نہیں تھا کہ خاندان بھر میں کسی نے تمہیں رشتہ نہ دیا ہو۔“

اب اس کا ذہن کسی اور نکتے پر سوچ رہا تھا۔

”پھر تمہاری عمر بھی کم تھی اتنی جلدی شادی کرنے کی کوئی تو وجہ ہوگی۔“

مبشر نے بمشکل اپنے غصے کو ضبط کیا اور کھڑا ہو گیا۔

”غزالہ بیگم! تم اپنے نازک دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زیادہ بوجھ برداشت نہ کر سکے اور رہی خاندان میں رشتے کی بات تو والد محترم نے کبھی خاندان والوں کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ ان کے ساتھ رشتہ جوڑتے۔“

”اور اگر چچا جان مان جاتے تو پھر تو تم خاندان میں ہی شادی کرتے شاید نرمل سے ہے نا۔“

وہ اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔ مبشر کا دل چاہا وہ کہے کہ یہ میری خوش قسمتی ہوتی لیکن پھر بنا کچھ کہے اس نے جھک کر بیڈ پر پڑی فائل اور کتاب اٹھالی۔

”اب اجازت دو تو میں جاؤں، پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔“ مبشر نے ذرا سا سر خم کیا تھا۔

”نہیں! پہلے مجھے امی کے گھر چھوڑ آؤ۔“

اس نے مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل سے برش اٹھایا اور جلدی جلدی بالوں میں پھیرنے لگی۔

”اس وقت!“ مبشر نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”ہاں میں نے اماں کو فون کر دیا تھا کہ میں آج آؤں گی۔“

”لیکن اس وقت تو مشکل ہے۔ کل سنڈے ہے۔ میں تمہیں صبح ہی چھوڑ آؤں گا۔“

”مگر مجھے تو آج ہی جانا ہے۔“

”دیکھو غزالہ خواہ مخواہ ضد نہ کرو۔ میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو گیا ہوں۔ انکل انتظار کر رہے ہوں گے۔“

”تو تم کل چلے جانا ادھر۔“

”کل انکل فارغ نہیں ہیں انہوں نے دو تین آپریشن کرنے ہیں۔ دو لیکچر میرے مس ہو گئے تھے اور۔“

”اصل بات کرو مبشر! نرمل سے وعدہ کر رکھا ہوگا ملاقات کا۔ وہ انتظار کر رہی ہوگی۔“

مبشر کا رنگ سرخ پڑ گیا۔ اتنی دیر سے وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا لیکن مرغے کی وہی ایک ٹانگ وہ اپنی ہی بات پر اڑی تھی۔

”کاش میں نے نرمل کے ساتھ کوئی وعدہ ہی کر رکھا ہوتا تو پھر اتنی دیر یہاں تمہارے ساتھ جھک جھک نہ کرتا اب تک چلا گیا ہوتا۔“ اس نے آہستہ آواز میں لیکن غصے سے کہا۔

”تو کیوں جھک مارتے ہو میرے ساتھ، دفع کرو مجھے، لے آؤ اسے گھر۔ مجھے بھجوا دو میرے میکے۔ بھوکے ننگے نہیں ہیں، ساری زندگی مجھے بٹھا کر کھلا سکتے ہیں۔“

اب وہ دھواں دھار رو رہی تھی۔ مبشر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

”کاش میں ایسا کر سکتا۔“

اس نے زیر لب کہا تب ہی دروازے پر دستک ہوئی اس نے روتی ہوئی غزالہ پر ایک نظر ڈالی اور اٹھ کر دروازے کے پاس آیا اور دروازے کو تھوڑا سا کھولا۔ باہر اسفر تھے۔

”یار! تمہارا فون ہے، قاسم انکل ہیں۔“

وہ واپس پلٹے تو اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتا ہوا وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا برآمدے میں رکھے فون اسٹینڈ تک آیا۔

”بھئی کہاں ہو صاحبزادے! ہمیں پابند کر کے خود غائب ہو گئے۔“

دوسری طرف سید قاسم علی شاہ کہہ رہے تھے۔

”سوری انکل! کچھ لیٹ ہو گیا ہوں بس ابھی نکل ہی رہا تھا۔“

”کچھ نہیں چندا تم کافی لیٹ ہو گئے ہو۔ میں ذرا ہسپتال جا رہا ہوں کال آئی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا کام ہے۔ تم ویٹ کرنا میرا، مایوس ہو کر بھاگ نہ جانا۔“

"میں پھر آجاؤں گا کسی روز۔"

"ارے نہیں آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے۔" وہ ہنسے۔

"آدھا گھنٹا تو تمہیں یہاں آنے میں لگ جائے گا باقی آدھا گھنٹا تم میری ڈیئر بیوی سے گپ لگانا۔"

"آپ کی ڈیئر بیوی میری پیاری خالہ جان بھی تو ہیں۔"

"اوہ ہاں! کیا کروں' مجھے تو بس ایک ہی رشتہ یاد رہتا ہے۔ یہ بھول جاتا ہوں اکثر کہ وہ میرے پیارے بچوں کی اماں جان بھی ہے۔" انہوں نے قہقہہ لگایا اور خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

مبشر ریسیور کریڈل پر ڈال کر وہیں برآمدے میں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسفر جو کرسی کے ہتھے پر ہاتھ رکھے اس کی بات ختم کرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ریسیور اٹھا کر کوئی نمبر ملانے لگے۔ مبشر آنکھیں موندے دائیں ہاتھ کی انگلیوں اور انگوٹھے سے پیشانی کو دبانے لگا۔

اسفر نے فون بند کر کے اس کی طرف دیکھا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا سر میں درد ہو رہا ہے۔" مبشر نے آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا اور اثبات میں سرہلاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"پھر تو تمہیں آرام کرنا چاہیے تھا لیکن تم غالباً" قائم انکل کی طرف جا رہے ہو۔ میں شاہ رخ کی طرف جا رہا ہوں راستے میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا' واپسی میں پک بھی کر لوں گا۔"

وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہے تھے ایک ماہ پیشتر ہی انہیں کمپنی کی طرف سے گاڑی ملی تھی۔

"جی اچھا۔" وہ غزالہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہے ہو' اگر طبیعت بہتر نہیں محسوس ہو رہی تھی تو قائم انکل کو بتا دیتے کہ نہیں آسکتے۔"

"نہیں! وہ غزالہ کہہ رہی ہے کہ میں اسے پہلے اس کی امی ابو کے گھر چھوڑ آؤں' اس کے متعلق سوچ رہا تھا۔"

"تو میں غزالہ بھابی کو چھوڑ آتا ہوں۔ مجھے کوئی خاص کام تو ہے نہیں یونہی کافی دن ہو گئے تھے شاہ رخ سے ملے اس نے دراصل دوسری کمپنی جوائن کر لی ہے تو بس ملنے جا رہا تھا۔ تم غزالہ کو لے کر آؤ۔ میں گاڑی کی چابی لے کر آتا ہوں۔ شاہ رخ کو ہی میں فون کرنے باہر نکلا تھا کہ بیل ہونے لگی' دوسری طرف انکل تھے۔ تمہارا پوچھ رہے تھے۔"

مبشر نے ایک ممنون سی نظر اس پر ڈالی۔

"تو اب آپ نے شاہ رخ بھائی کو اپنے آنے کا بتا دیا ہو گا۔"

"نہیں شاہ میرے بات ہوئی تھی میں نے صرف پوچھا تھا کہ شاہ رخ گھر پر ہیں۔ یار تم تردّد میں مت پڑو۔"

وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔ "میں نے کہا نا کہ بھابی کو چھوڑ آتا ہوں۔"

مبشر سرہلاتا ہوا اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ حسب معمول رو دھو کر غزالہ اب بستر پر اوندھی لیٹی تھی۔

"غزالہ اٹھو چلو۔" مبشر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اسفر بھائی تمہیں شیخوپورہ چھوڑ آتے ہیں۔"

"نہیں جانا مجھے تمہارے بھائی کے ساتھ۔" غزالہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"پلیز غزالہ میری مجبوریوں کو سمجھا کرو۔" اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

"کہہ دیا نا کہ نہیں جانا تم جاؤ اپنی پیاری کے پاس۔"

مبشر نے اس کے کندھے سے ہاتھ ہٹا لیا اور بنا کچھ کہے فائل اٹھا کر باہر نکل گیا۔ اسفر اس کے منتظر تھے۔

"غزالہ نہیں آئی؟"

"نہیں۔" وہ اپنا غصہ پینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسفر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"تم چل رہے ہو۔"

"جی۔"

وہ عورت اس کے لیے عذاب بن گئی تھی اور نہ جانے انجام کیا ہو گا۔ کب کب کہاں کہاں اس نے کمپرومائز کیا تھا۔ بہت بار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ میکے گیا تھا اس کی سہیلیوں کی فضول باتیں برداشت کی ہیں۔ کئی بار کالج سے انتہائی تھکا ہوا آنے کے باوجود اس کی فرمائش پر اسے باہر لے گیا تھا۔ سمن' انعم کے خلاف اس کی بلاوجہ اور غلط شکایتیں خاموشی سے سن لی تھیں لیکن۔

"شبی!" گاڑی سڑک پر لاتے ہوئے اسفر نے آہستہ سے کہا۔

"کیا تم اپنی پریشانی مجھ سے شیئر نہیں کر سکتے۔"

"اسفی بھائی میں۔" اس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے بے دردی سے کچلا۔

"کیا کہوں' مجھے لگتا ہے شاید میں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکوں گا۔ شاید ادھوری ہی چھوڑ دوں۔ اس عورت کا ساتھ میرے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔"

آج ایک سال بعد وہ اسفر کے سامنے کہہ بیٹھا' ورنہ سال بھر سے وہ اسے سمجھا رہا تھا جب بھی وہ لڑتی جھگڑتی وہ کمرے کا دروازہ بند کر دیتا کہ باہر تک آواز نہ جائے۔ وہ کسی کو بھی پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عذرا بیگم نے کئی بار سوچتی نظروں سے اسے دیکھا تھا لیکن وہ یہی ظاہر کرتا تھا کہ وہ خوش ہے اور وہ خوش رہ بھی سکتا تھا اگر غزالہ اس طرح اسے ہر وقت زبان کے تیروں سے زخمی نہ کرتی رہتی۔ اب اگر حمنہ خالہ سن لیں یہ بات اور نزل تک ہی پہنچ جائے تو کیا سوچے گی وہ اور ابا جان۔ وہ تو شاید مجھے گھر سے ہی نکال دیں۔

"شبی کیا مسئلہ ہے' کھل کر مجھے بتاؤ۔"

ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر رکھے رکھے انہوں نے دوسرا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا تو اس کا دل بھر آیا اس کا جی چاہا وہ اپنا دل کھول کر رکھ دے۔

کوئی تو ہو جس سے دل کی بات کہی جا سکے۔ سمن سے اس کی دوستی تھی ہمیشہ سے لیکن وہ تو رونے لگتی تھی۔ ایک بار ذرا سا ذکر کیا تھا اس نے غزالہ کے رویے کا تو رو رو کر اس نے اپنی طبیعت خراب کر لی تھی۔

"اسفی بھائی! غزالہ کو گھر کے ہر فرد سے شکایتیں ہیں' کوئی بھی اسے پسند نہیں ہے۔"

"اکثر لڑکیوں کو سسرال سے شکایتیں ہوتی ہیں۔ ان کے ذہن میں بچپن سے ہی سسرال کا جو امیج بنا دیا جاتا ہے وہ اتنا خراب ہوتا ہے کہ وہ کبھی بھی سسرال والوں سے محبت نہیں کر پاتیں۔ یہ ان کی مجبوری ہے تم خاموشی سے سن لیا کرو اس کی ہر بات۔ خود ہی وقت کے ساتھ ساتھ سیٹ ہو جائے گی۔"

انہوں نے نرمی سے کہا۔

"اسفی بھائی! صرف یہی بات تو نہیں ہے' وہ مجھ پر شک کرتی ہے۔ کالج میں دیر ہو جائے تو وہ سمجھتی ہے میں کسی لڑکی کے ساتھ ہوٹلنگ کر رہا تھا۔" مبشر نے تفصیل بتائی۔

"شبی تمہارا رویّہ اس کے ساتھ کیسا ہے؟" اسفر نے سگنل پر گاڑی روکتے ہوئے پر سوچ انداز میں اسے دیکھا۔

"میرا رویّہ بالکل نارمل ہے۔" اسفر کے سوال پر وہ حیران ہوا۔

"میں اس کا ہر طرح خیال رکھتا ہوں۔ کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے وہ ہرٹ ہو۔ حتی الامکان بحث سے گریز کرتا ہوں۔"

"شبی عورت محبت کا اظہار چاہتی ہے۔ اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کا شوہر اسے سراہے' اس کی تعریف کرے۔ کیا تم۔" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

اور وہ علینہ بھی تو ان سے ناراض ہوئی بیٹھی تھی کہ وہ جذبوں کے اظہار میں کنجوسی کرتے ہیں۔

"جی۔" وہ جھینپ گیا۔

وہ خوب صورت تھی اور اس نے کبھی اس کے حسن کی تعریف میں کنجوسی نہیں کی تھی۔ یہ ٹھیک ہے ا... شادی کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن شادی کے بعد اس نے غزالہ کے لیے اپنے دل میں بہت لطیف جذبے محسوس... تھے جو بہر حال بیچل تھے۔ لیکن غزالہ اپنے مزاج گفتگو اور رویئے سے ان جذبوں کو بار بار کچل دیتی تھی۔

"اوکے میں سمجھاؤں گا غزالہ کو اور تم کوئی ٹینشن مت لو اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دو۔ تم جانتے ہو شبی۔"

اسفر مسکرائے۔

"ابا جان تو ابھی سے تمہارے ڈاکٹر بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ کل امی جان سے کہہ رہے تھے کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ جب تک میرا شبی ڈاکٹر نہ بن جائے مجھے کوئی بیماری نہ آئے۔"

مبشر کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مگر ابا جان نے یہ مصیبت میرے گلے میں نہ ڈالی ہوتی تو شاید ان کا خواب پورا بھی ہو جاتا اب تو مجھے امید نہیں ہے۔"

"بری بات!"

اسفر نے اسے تنبیہہ کرتے ہوئے گیٹ کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے ہارن بجایا۔

"وہ تمہاری بیوی ہے اور مایوسی کی بات نہیں ہوگی اب۔ امید ہے غزالہ سمجھ جائے گی میری بات۔"

"آپ نہیں آئیں گے۔" گاڑی سے اترتے ہوئے مبشر نے پوچھا۔

"ابھی نہیں واپسی پر آؤں گا۔ آٹھ بجے تک آجاؤں۔"

"آٹھ سے پہلے ہی فارغ ہو جاؤں گا۔"

"اوکے۔" وہ گاڑی بیک کرنے لگے اور مبشر گیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

■■■

بریف کیس بند کرتے ہوئے شاہ زیب نے ایک نظر پاس کھڑی زارا پر ڈالی۔

"ہو سکتا ہے مجھے وہاں زیادہ دن لگ جائیں۔"

"پھر بھی کتنے دن شاہ زیب؟" زارا نے پوچھا وہ کچھ بے چین سی لگ رہی تھی۔

"شاید ایک ہفتہ یا دس دن۔"

"کیا اسمبلی کا اجلاس اتنے دن جاری رہے گا۔"

شاہ زیب نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا اور بریف کیس اٹھا کر ملازم لڑکے کو آواز دی۔ چند لمحوں بعد ہی لڑکا دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

"یہ گاڑی میں رکھو جا کر۔" شاہ زیب نے دروازہ کھول کر بریف کیس اسے پکڑایا۔

"زیب!" زارا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آپ جانتے ہیں آپ جب بھی اسلام آباد جاتے ہیں مجھے اکیلے میں بہت خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"کس بات کا خوف؟" شاہ زیب نے بھنویں اچکائیں۔

"اتنے لوگ تو ہوتے ہیں گھر میں' چوکیدار ہے' مالی ہے' ڈرائیور ہے۔ اندر گھر میں دو عورتیں ہیں ایک بچہ ہے اور سب اپنے علاقے کے اپنے بندے ہیں تو ڈر کس بات کا۔"

"وہ سب تو ملازم ہیں شاہ زیب اپنا تو کوئی نہیں ہوتا نا۔" اس نے ملتجی نظروں سے شاہ زیب کو دیکھا۔

"مجھے بھی ساتھ لے چلیں حویلی چھوڑتے جایئے گا دس بارہ دن میں وہاں رہ لوں گی۔"

"حویلی میں کون ہے صرف بی بی جان اور شاہ جی' سیدہ عظمیٰ بھی لاہور جا چکیں۔ بلکہ آج کل تو بی بی جان بھی لاہور گئی ہوئی ہیں۔ شاہ میر کو بخار تھا شاید۔ شاہ جی نے کل رات بتایا تھا۔"

"پھر تو مجھے لاہور چھوڑ آئیں۔ سب سے ملاقات ہو جائے گی۔"

زارا خوش ہو گئی شاہ زیب نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"تو یوں کہو لاہور جانا چاہتی ہو۔" شاہ زیب کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ چونکی۔

"شاہ زیب آپ غلط بات نہ سوچا کریں۔ ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے مجھے کراچی آئے ہوئے اور میں ایک بار بھی نہیں گئی حویلی۔ کبھی کبھی بہت دل گھبراتا ہے میرا۔"

"شادی کے بعد عورت کو اپنے شوہر کے گھر میں ہی دل لگانا چاہیے زارا شاہ۔ لیکن دو سال ہو گئے تمہاری شادی کو ابھی تک تمہارا دل نہیں لگا شوہر کے گھر میں۔"

شاہ زیب نے ایک طنزیہ سی نظر اس پر ڈالی۔ زارا اب خاموش ہو گئی تھی' جانتی تھی کچھ کہنا فضول ہے۔ شاہ زیب اسے ساتھ لے کر نہیں جائے گا۔ کوئی بچہ بھی تو نہیں تھا کہ وہ بہل جاتی۔ شاہ زیب فی الحال بچے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ وہ شادی ہوتے ہی کسی لڑکی کا باپ بن جائے اور اس کے کندھے جھک جائیں۔

"یہ ضروری تو نہیں شاہ زیب کہ لڑکی ہو۔ لڑکا بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم مجھے گارنٹی دے سکتی ہو کہ لڑکا ہی ہوگا تو پھر میں تمہاری خواہش پوری کر سکتا ہوں۔"

"میں کیسے گارنٹی دے سکتی ہوں شاہ زیب۔" زارا کو شاہ زیب کی بات پر حیرت ہوئی تھی۔

"تو بس پھر نو دس سال تک بچے کی خواہش مت کرو' میں نہیں چاہتا کہ تین چار لڑکیوں کا باپ بن کر ابھی سے سر جھکا لوں۔"

اور زارا شاہ زیب کی اس انوکھی منطق پر کچھ بھی تو نہ کہہ سکی تھی کہ شاہ زیب وہی کرتا تھا جو اس کے دل میں ہوتا اور جس کا فیصلہ وہ کر چکا ہوتا۔

الیکشن میں وہ بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا تھا اور اس نے کراچی میں بزنس بھی سیٹ کر لیا تھا اور اس عرصہ میں وہ کراچی کے بزنس حلقے میں خاصا معروف ہو گیا تھا۔ کلب' پارٹیز' ڈنر وہ ہر جگہ موجود ہوتا۔ بزنس سیٹ کرنے کے بعد وہ زارا کو بھی لے آیا تھا۔ شروع میں تو وہ زارا کو حویلی چھوڑ جاتا تھا جب بھی اسے زیادہ دنوں کے لیے اسلام آباد جانا ہوتا لیکن اب تو سال بھر سے زیادہ ہو گیا تھا وہ زارا کو ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ زیادہ تر بزنس پارٹیز یا ڈنر میں مکس گیدرنگ ہوتی تھی اس لیے وہ زارا کو ان پارٹیز یا ڈنرز میں لے کر نہیں جاتا تھا۔ سو زارا یہاں کافی تنہائی اور بوریت محسوس کرتی تھی۔

"اوکے خدا حافظ!"

اس نے دو انگلیوں سے زارا کے گال کو چھوا۔

"میں فون کرتا رہوں گا اور کوشش کروں گا کہ جلدی واپس آجاؤں۔"

اس نے جاتے جاتے زارا کو تسلی دی۔ زارا نے پلکیں جھپک کر آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا۔

"احمق لڑکی سمجھتی ہے میں چوبیس گھنٹے اس کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہوں گا۔"

ڈرائیور نے اسے آتے دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور خود ادب سے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

"پہلے میڈم سفینہ کی طرف چلو پھر ایئرپورٹ چلنا ہے۔"

ڈرائیور نے سر خم کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تب ہی شاہ زیب کے موبائل کی بیپ ہوئی۔ اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"مجھے پتا تھا تم بے تاب ہو رہی ہو گی۔"

"میں نے سمجھا آپ بھول ہی نہ گئے ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"تم بھولنے والی چیز تھیں ہو' جاناں!" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور آنکھوں میں چمک سی آگئی۔

کتنے مہینوں کے انتظار کے بعد تو یہ وقت آیا تھا اور کیا وہ اسے ہاتھ سے جانے دیتا۔

"میں اندر نہیں آسکوں گا ہارن دوں گا تم آجانا گیٹ پر اندر چلا گیا تو پھر فلائیٹ مس ہو جائے گی۔"

اس نے فون آف کر کے پاس ہی سیٹ پر رکھ دیا۔ میڈم سفینہ سے اس کی ملاقات ایک بزنس ڈنر میں ہوئی تھی۔ وہ راجہ نذیر کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا جب ہاتھ میں مشروب کا گلاس لیے اس نے آکر راجہ نذیر کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا تھا۔

”کہاں ہیں راجہ صاحب آج کل؟ آپ بہت دنوں سے نظر نہیں آئے کہیں اور نہ ہی غریب خانے پر تشریف لائے آپ۔“

”بس میڈم کچھ مصروفیت رہی ان دنوں دبئی گیا ہوا تھا۔ انشاء اللہ جلد ہی حاضر ہوں گا اور ان سے ملیے یہ شاہ زیب ہیں۔ مختلف صاحب کے بزنس پارٹنر۔ صوبائی اسمبلی کے ممبر اور ہمارے یار۔“

میڈم سفینہ نے دلچسپی سے اسے دیکھا تھا۔

”اور شاہ زیب یار یہ میڈم سفینہ ہیں ان کے لیے اتنا ہی تعارف کافی ہے کہ یہ میڈم سفینہ ہیں بس۔“

میڈم سفینہ بڑی ادا سے مسکرائی تھیں۔

”بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر شاہ زیب صاحب کسی روز غریب خانے پر تشریف لائیے گا۔“

”جی ضرور۔“ شاہ زیب کو وہ کچھ عجیب سی عورت لگی تھی۔ اس کے ناز و انداز بڑے سطحی سے تھے۔ اس نے راجہ صاحب کے ہاتھ سے سگریٹ لے کر ایک کش لیا۔

”میڈم! آپ ہمیشہ میرے سگریٹ پر قبضہ جما لیتی ہیں۔“

راجہ نذیر نے واپس سگریٹ لینا چاہا تو میڈم سفینہ نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔

”اس ایک کش میں بھی بڑا نشہ ہوتا ہے راجہ صاحب۔“

اس نے بائیں آنکھ کا کونا دبایا اور پھر راجہ صاحب کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنستی اور لہراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

”یہ کیا چیز ہے بھئی۔“ شاہ زیب نے راجہ نذیر سے پوچھا۔

”یہ واقعی چیز ہیں بڑی دور تک رسائی ہے ان کی۔ چاہیں تو پریذیڈنٹ ہاؤس تک ہو آئیں۔“

”اوہ!“ شاہ زیب نے ہونٹ سکیڑے۔

”لیکن مجھے تو اس کوچے کی لگ رہی ہیں۔“

”کچھ ایسی ہی بات ہے یار شاہ زیب اب نام بدل گئے ہیں طور طریقے بدل گئے ہیں رہن سہن بدل گیا ہے لیکن!“

راجہ نذیر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ راجہ نذیر گو عمر میں شاہ زیب سے بڑا تھا لیکن مختلف صاحب کے ہاں ایک پارٹی میں ملاقات کے بعد شاہ زیب اور راجہ نذیر بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔

راجہ نذیر ایک بزنس ٹائیکون ہی نہیں تھا بڑا شاہ خرچ اور یار باش آدمی تھا۔ ساہیوال سائیڈ پر اس کی اپنی زمینیں تھیں، آموں کے باغات تھے۔ فش فارم تھے اور ہر سال آم پارٹی ہوتی دوستوں یاروں کو بلایا جاتا تھا۔ خوب موج میلہ ہوتا تھا۔ شاہ زیب کو راجہ نذیر بہت پسند آیا تھا۔ کراچی میں ایک راجہ نذیر ہی وہ شخص تھا جس کے ساتھ شاہ زیب کے تعلقات بہت گہرے تھے اور وہ بزنس کے ہر معاملے میں راجہ نذیر سے ہی مشورہ لیتا تھا۔ کئی ڈیلنگز اس نے راجہ نذیر کے مشورے سے کی تھیں اور ان میں بہت کامیابی ہوئی تھی۔ اپنی اپنی ڈرنک لے کر وہ دونوں کونے والی ایک میز پر بیٹھ گئے تھے۔

چند سال پہلے میڈم سفینہ اچانک ہی اپنی بیٹی کے ساتھ کراچی آئی تھیں۔ ندا عرف نادیہ نام کی بیٹی کے حسن نے اول اول لوگوں کو متوجہ کیا۔

راجہ نذیر نے شاہ زیب کو میڈم سفینہ سے متعلق تفصیل بتائی۔

”اس کا ماضی کیا تھا۔ وہ کون تھی۔ کہاں سے آئی اس کے متعلق کسی کو تو علم نہیں لیکن بہت جلد کراچی کے اونچے طبقے میں وہ پہچانی جانے لگی خاص طور پر مردوں میں۔ اس کی وجہ وہ لڑکیاں تھیں جنہیں وہ اپنی بھانجی بھتیجی یا رشتہ دار ظاہر کرتی تھی بقول اس کے پڑھائی کی غرض سے اس کے پاس ٹھہری ہوئی ہیں۔ اس کے کراچی آنے کے

چند ماہ بعد ہی یہ لڑکیاں اس کی کوٹھی میں نظر آنے لگی تھیں۔ بڑی طرح دار لڑکیاں ہوتیں۔ اور ہمیشہ ہی دو تین لڑکیاں اس کے گھر میں موجود ہوتی تھیں۔ ان چند سالوں میں کئی لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں۔ پرانی لڑکیاں کہاں چلی جاتی ہیں اور نئی کہاں سے آتی ہیں۔ ہم نے کبھی کھوج نہیں لگایا۔ ہمیں آم کھانے سے کام ہے پیڑ گننے سے نہیں۔“

راجہ نذیر نے قہقہہ لگایا۔

”کچھ دوستوں کا خیال ہے دبئی اور عرب ریاستوں میں اسمگل کر دی جاتی ہیں واللہ اعلم۔ کسی دن لے چلیں گے تمہیں بھی میڈم سفینہ کے بنگلے میں۔“

”میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔“ شاہ زیب کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

”جو ہم کریں گے۔“ راجہ نذیر کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

شاہ زیب شکار کا شوقین تھا۔ دوست یار شکار گاہ پر آتے تو کبھی کبھار شہر سے ایک دو گانے بجانے والی لڑکیاں بھی آجاتی تھیں۔ لیکن اس کوچے تک وہ کبھی نہیں گیا تھا۔ لیکن یہاں زندگی قدرے مختلف تھی۔ حلقہ احباب میں کئی لوگ راجہ نذیر حسین سمیت بڑے شوقین مزاج تھے۔

”یار کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدل لینا چاہیے، ایک ہی ذائقہ چکھتے چکھتے اوب نہیں جاتے ہو۔“

راجہ نذیر نے اکسایا تھا۔

شروع شروع میں تو شاہ زیب نے راجہ نذیر کی دعوت کو اگنور کیا، لیکن ایک روز راجہ نذیر اسے میڈم سفینہ کے ہاں لے ہی گیا۔

”ارے واہ! آج تو چاند نکل آیا ہے میرے غریب خانے پر۔“

میڈم سفینہ نے بڑا پرجوش استقبال کیا تھا اور وہ شاہ زیب پر خصوصی توجہ دے رہی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد میڈم سفینہ نے ایک لڑکی کو آواز دی تھی۔

”ارے، رخشی بی بی کدھر چھپی بیٹھی ہو۔ ذرا میرے مہمانوں کی خاطر تواضع کرو۔“

میڈم سفینہ نے شاہ زیب کی طرف دیکھا۔

”یہ رخشی کوئٹہ سے آئی ہے، یہاں ایک اسکول میں نوکری کرتی ہے، میرے ماموں زاد بھائی کی بیٹی ہے۔ میں نے کہا اتنا بڑا گھر ہے میرے پاس ٹھہر جاؤ۔ کہاں ہوسٹل میں دھکے کھاؤ گی۔“

راجہ نذیر نے شاہ زیب کے بازو میں چٹکی لی۔

”بھئی اپنی میڈم سفینہ بڑے دل والی ہیں بڑی سخی۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی ان کے ہاتھ ٹھہرا ہوتا ہے۔“

”بس راجہ صاحب دل نہیں مانتا اپنی بچیاں رہائش کے لیے خوار ہوں۔“

تب ہی شاہ زیب کی نظر لاؤنج میں آتی سیڑھیوں کی طرف اٹھی تھی۔ وہ نہ جانے کون تھی جو دھیرے دھیرے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھی۔ ایک لمحہ کو تو شاہ زیب کی نظریں چندھیا گئی تھیں۔ اتنا حسن؟ کیا سراپا تھا قیامت ڈھاتا ہوا۔ میڈم سفینہ نے شاہ زیب کی نظروں کے تعاقب میں سیڑھیوں کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”میری بیٹی ہے ندا ماسٹرز کر رہی ہے۔“

ندا نے سیڑھیوں سے اتر کر ایک لاپرواہی نظر شاہ زیب پر ڈالی تھی اور راجہ نذیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

”کیسے ہیں آپ راجہ صاحب؟“

”اللہ کا کرم ہے۔“

”کیا تم کہیں جا رہی ہو جانو۔“ میڈم سفینہ نے پوچھا۔

”فی الحال تو نہیں لیکن شام کو مجھے اپنی ایک دوست کی طرف جانا ہے اس کی منگنی ہے۔ شام کو تو آپ نے

جہانگیر صاحب کے ہاں جانا ہے میں نے سوچا آپ کو ابھی بتا دوں۔"

"ہاں یہ تم نے اچھا کیا ورنہ مجھے پریشانی رہتی کہ کہاں گئی ہو۔ دیر تو نہیں ہو جائے گی تمہیں۔"

"نہیں مام ہائی ٹی ہے ڈنر وغیرہ نہیں ہے چھ سات بجے تک آجاؤں گی۔"

"ارے میں نے تعارف تو کروایا ہی نہیں۔ یہ شاہ زیب شاہ ہیں۔ کراچی آئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ راجہ صاحب کے دوست ہیں۔"

ندا عرف نادیہ نے شاہ زیب کی طرف دیکھا۔

گہری سیاہ آنکھیں پلکوں کے گھنے جنگل شاہ زیب کو لگا جیسے وہ ان سیاہ آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوب جائے گا۔ زارا بھی کچھ کم حسین نہ تھی۔ پڑھی لکھی مہذب خوب صورت لیکن پتا نہیں کیوں وہ اس کے دل پر نہ چڑھ سکی تھی۔ شاید دل میں پہلے روز ہی کہیں کھٹک سی پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اسے دل میں وہ مقام نہیں دے سکا تھا جس کی وہ حق دار تھی۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں خیال آتا تھا بی بی جان کا شاہ رخ کے لیے خیال تھا شاہ رخ نے تو انکار کر دیا لیکن ہو سکتا ہے زارا کے دل میں اس کا خیال ہو تب ہی ایک روز وہ زارا سے پوچھ بیٹھا تھا۔

"تمہیں شاہ رخ کے انکار سے دکھ تو ہوا ہو گا بہت۔" اور زارا حیران رہ گئی تھی۔

"کیا مطلب کیسا انکار؟" زارا بی بی جان کے خیال سے بے خبر تھی۔

"مجھے علم نہیں کہ بی بی جان نے کبھی شاہ رخ کے لیے سوچا یا بابا جان سے بات کی۔ مجھے تو جب اپنی منگنی کا علم ہوا تو آپ کا ہی نام لیا گیا تھا۔"

شاہ زیب کے دل سے زارا کے جواب سے کھٹک تو ختم ہو گئی تھی پھر بھی پتا نہیں کیوں وہ زارا کو کبھی اتنی توجہ اور پیار نہیں دے سکا تھا۔ جو اس کا حق تھا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔" ندا شاہ زیب سے کہہ کر واپس مڑ گئی۔

"کچھ دیر تو بیٹھو ندا جانو! راجہ صاحب اتنے دنوں بعد آئے ہیں۔"

میڈم سفینہ نے روکا۔

"سوری مام مجھے ابھی تیاری بھی کرنا ہے۔"

وہ چلی گئی اور شاہ زیب کو لگا تھا جیسے یکدم روشنیاں بجھ گئی ہوں۔ اگرچہ رخشی بڑی لگاوٹ سے باتیں کر رہی تھی اور ذرا ذرا دیر بعد یوں ادا سے جھک کر کوئی چیز پیش کرتی کہ کھلے گلے سے نگاہیں دور تک بھٹک جاتیں لیکن شاہ زیب کی آنکھوں میں تو بس وہی ایک صورت بس گئی تھی۔

واپسی پر بھی وہ کتنی ہی دیر تک کرید کرید کر ندا کے متعلق پوچھتا رہا۔

"لگتا ہے ہمارے یار کا دل اٹک گیا ہے ندا میں، لیکن وہ ٹیڑھی کھیر ہے اور میڈم سفینہ بھی اسے بڑا سنبھال سنبھال کر رکھتی ہیں شاید کسی اونچی آسامی کی تلاش میں ہیں۔ لیکن اپنے یار کے لیے راجہ نذیر کچھ بھی کر سکتا ہے حکم کرو بس۔"

"نہیں میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔"

شاہ زیب اعتراف نہ کر سکا تھا۔ راجہ نذیر کا تجربہ بتا رہا تھا کہ شاہ زیب دل ہار گیا ہے۔

"خیر اگر کبھی ضرورت پڑے مدد کی تو اشارہ کر دینا بس ندا تمہارے پاس ہو گی۔"

لیکن شاہ زیب اسے اس کی مرضی سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کتنی ہی بار وہ راجہ نذیر کے ساتھ اور کتنی ہی بار وہ اکیلا میڈم سفینہ کی طرف گیا تھا۔ کتنے ہی قیمتی تحفے میڈم کی نذر کیے تھے اور کتنی ہی بار میڈم اور ندا کو شاپنگ کروائی تھی۔ میڈم سفینہ کی فرمائش پر ندا کو ماسٹرز کرنے پر گاڑی گفٹ کی تھی۔

ندا سال بھر کے عرصہ میں شاہ زیب سے بہت بے تکلف ہو گئی تھی لیکن ابھی تک وہ اس گوہر مقصود کو حاصل نہیں کر سکا تھا۔ گو کبھی وہ اس کے ساتھ گھومنے چلی جاتی تھی اور کبھی لنچ یا ڈنر پر اور اب ڈیڑھ سال کی ریاضت کے بعد اچانک ہی قسمت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی تھی۔ چند دن پہلے وہ شام کو یونہی میڈم سفینہ کی طرف چلا گیا تھا۔

میڈم سفینہ کی سب لڑکیاں کہیں نہ کہیں بزی تھیں۔ میڈم کو بھی کہیں جانا تھا۔ میڈم ندا کو اسے کمپنی دینے کا کہہ کر چلی گئی تھیں۔

"ماسٹرز تو ہو چکا اب کیا ارادہ ہے۔" شاہ زیب نے پوچھا تھا۔

"کہیں جاب کرنے کا خیال ہے۔"

"ہاں شاید۔" ندا نے جواب دیا تھا "لیکن فی الحال کچھ آرام کروں گی۔ شاید کہیں گھومنے چلی جاؤں۔"

"گھومنے کا پروگرام ہے تو میرے ساتھ پروگرام بنا لو۔ مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ دو دن اسلام آباد رکنا ہے۔ بھوربن میں کچھ دن ٹھہر کر انجوائے کریں گے۔ سنا ہے وہاں ان دنوں بڑا زبردست موسم ہو رہا ہے۔" اور خلاف توقع ندا رضامند ہو گئی تھی۔

میڈم سفینہ کے بنگلے کے سامنے پہنچ کر ڈرائیور نے گاڑی روک کر ہارن بجایا۔ کچھ ہی دیر بعد ندا گیٹ کھول کر نکلی۔ اس کے پیچھے پیچھے ملازم اٹیچی کیس اٹھائے ہوئے تھا۔

ڈرائیور نے نیچے اتر کر اس سے اٹیچی کیس لے کر ڈگی میں رکھا۔ ندا مسکراتی ہوئی دروازہ کھول کر شاہ زیب کے قریب بیٹھ گئی۔ ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی وہ گرین لینس لگائے ہوئے تھی اس کی عادت تھی کہ جب بھی شاہ زیب کے ساتھ کہیں باہر جاتی لینس لگا لیتی تھی۔

"ہم تو ان آنکھوں کی سیاہیوں کے اسیر ہوئے تھے آپ نے پھر ان سیاہیوں کو چھپا دیا۔"

شاہ زیب نے لگاوٹ سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"مام نے بڑی مشکل سے اجازت دی۔ میں نے بتایا کچھ سہیلیوں کے ساتھ پروگرام ہے۔"

"شکریہ کے لیے کیا پیش کروں۔" "جو دل چاہے۔" "دل و جان سب حاضر ہیں۔"

شاہ زیب رومینٹک ہو رہا تھا۔ ڈرائیور اس کا راز دار اور بھروسے کا آدمی تھا۔

"اگر کچھ مانگوں تو ملے گا۔"

ندا نے اپنا ہاتھ اس کے گھٹنوں پر رکھا۔

"جو مانگو ملے گا۔" شاہ زیب بہت خوش تھا۔

"یاد رکھیے گا اپنی بات۔" ندا نے مسکرا کر اسے دیکھا ہمیشہ کی طرح اس کا حسن بجلیاں گرا رہا تھا۔

"کہو تو لکھ دوں۔" "نہیں اعتبار ہے مجھے۔" ندا اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"بھوربن میں بکنگ کروالی ہے۔" ندا نے پوچھا۔

"میرا اپنا فلیٹ ہے وہاں۔"

"اگر میں کہوں وہ فلیٹ میرے نام کر دیں تو۔"

"کہو تو ابھی ایئرپورٹ جانے سے پہلے اسٹامپ پیپر پہ لکھ دوں۔"

"نہیں میں تو یوں ہی کہہ رہی تھی۔" ندا نے اپنا ہاتھ اس کے گھٹنوں سے اٹھایا لیکن شاہ زیب نے اسے اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیا اور ہولے سے سرگوشی کی۔

"تم جانتی ہو جب پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا اس وقت ہی دل نے تمہیں پانے کی چاہ کی تھی اور تب سے میری نیندیں چرا رکھی ہیں تم نے۔ تم تو کوئی ساحرہ ہو جادوگرنی۔"

"اور وہ رخشی اور مینا وغیرہ کیا ہیں۔" ندا کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"تمہاری یاد کو بھلانے کا ذریعہ۔" شاہ زیب نے قہقہہ لگایا۔

تب ہی گاڑی ایئرپورٹ کی عمارت میں داخل ہو گئی اور شاہ زیب ندا کا ہاتھ تھامے لاؤنج کی طرف بڑھا۔ لاؤنج سے باہر آتا خضر ندا اور شاہ زیب کو دیکھ کر لحہ بھر کے لیے ٹھٹک کر رکا اور پھر سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

"مسز مراد آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"
کاپیاں چیک کرتے ماہ نور نے مسز مراد کی طرف دیکھا۔
"ہاں۔"
انہوں نے چونک کر ماہ نور کو دیکھا۔
"لیکن مجھے آپ ٹھیک نہیں لگ رہیں مسز مراد۔"
ماہ نور نے کاپی بند کر کے ٹیبل پر رکھی۔
"اور کچھ پریشان بھی لگ رہی ہیں۔"
ماہ نور نے بغور انہیں دیکھا۔
ان کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور چہرہ بجھا ہوا تھا۔
"نہیں، نہیں تو۔"
انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔
"پتا نہیں کیوں کئی دنوں سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کچھ پریشان ہیں۔"
ماہ نور نے دوسری کاپی اٹھا کر کھولی۔
اس وقت وہ دونوں اسٹاف روم میں اکیلی تھیں۔ دونوں کے پیریڈ فری تھے۔
"یہ بھی غنیمت ہے کہ کبھی کبھی فری پیریڈ اکٹھا مل جاتا ہے۔ ورنہ تو بات کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا ہے۔"
مسز مراد نے ماہ نور سے کہا۔
"ہاں یہ تو ہے۔"
"میں کئی دنوں سے سوچ رہی تھی تم سے پوچھوں کہ تم نے بی ایڈ کے لیے کیا کیا؟"
"کچھ بھی نہیں مسز مراد۔" ماہ نور نے مسز مراد کی طرف دیکھا۔
"وقت ہی نہیں ملتا کہ کسی سے معلومات لوں کہ پرائیویٹ کیسے ممکن ہے۔ اوپن یونیورسٹی کا تو خرچ بہت ہے۔ کبھی سوچتی ہوں ماسٹرز کر لوں۔"
"صرف سوچو نہیں ماہ نور کچھ کر لو۔ ایسے پرائیویٹ اسکولز کی جاب تو نرا عذاب ہے، سارا خون نچوڑ لیں گے۔ اور تنخواہ چند روپے۔ میری ایک جاننے والی ہیں گورنمنٹ اسکول میں جاب کر رہی ہیں بیس ہزار تنخواہ ہے ان کی اور مزے الگ۔ اور تمہیں تو چاہیے تھا کہ تم پہلے ریگولر بی ایڈ میں ایک سال لگا لیتیں پھر آرام سے جاب کرتیں۔ چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے جو خواب تم دیکھ رہی ہو اس کے لیے تو ضروری تھا کہ تمہیں اچھی پے ملتی۔ یہاں دو سال ضائع کر دیے تم نے۔"
مسز مراد کی باتوں سے اس کا دھیان کاپیوں کی طرف سے ہٹ گیا تھا۔
"شکر ہے کہ وقت اچھا بھلا گزر رہا ہے۔ منصور تو اپنا خرچ ٹیوشنز سے نکال ہی لیتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ اسے رقم کی ضرورت پڑتی تھی۔ اب تیسرا سال شروع ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ دو سال کی بات ہے۔ گریجویشن مکمل ہونے کے بعد کہیں نہ کہیں جاب مل ہی جاتی اسے۔"
"نرمل کی میڈیکل کی پڑھائی کا تو بہت خرچ ہو گا۔"
مسز مراد نے پوچھا۔
"ہاں، پتا نہیں۔"
وہ چونکی۔
"نرمل کو اسکالر شپ بھی تو ملتا ہے اور پھر حمنہ خالہ ہیں نا۔ انہوں نے اماں سے کہہ دیا تھا کہ اس کی فکر نہ کرا، یہ میری ذمہ داری ہے، پھر بھی اماں دو تین مہینوں بعد دو تین ہزار بھجوا ہی دیتی ہیں اسے۔ حالانکہ حمنہ خالہ بہت منع کرتی ہیں۔"

"چلو یہ اچھا ہے۔"
مسز مراد نے کہا۔
"اس طرح کچھ بوجھ تو کم ہوا تمہارا، لیکن ماہ تم نے کبھی اپنے متعلق بھی سوچا ہے؟"
"اپنے متعلق کیا مسز مراد؟"
ماہ نور کی آنکھوں میں لحہ بھر کے لیے حیرت اتری۔
"اپنے متعلق ماہ! ساری زندگی یوں ہی تو نہیں گزارو گی نا۔ ابھی موی، دانی اور زوبی تو چھوٹے ہیں، ان کی پڑھائی مکمل ہونے تک تو تم بوڑھی ہو جاؤ گی اور خضر تمہارا اتنا انتظار نہیں کرے گا۔ جانو! میری مانو تو منوں کے جاب کرنے کے بعد تم جاب چھوڑ دو۔ یہی وقت ہے کہ تم شادی کر کے اپنا گھر بساؤ۔"
خضر تو عمر کے آخری لمحے تک اس کا انتظار کر سکتا ہے یہ اسے یقین تھا لیکن شاید آنٹی نہ کر سکیں۔
اس کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ ایک اپنی خوشیوں کے لیے وہ باقی سب کو بیچ راہ میں تو نہیں چھوڑ سکتی تھی نا۔
ابھی چند دن پہلے کی بات تھی جب علینہ نے اسے بتایا تھا۔
"یار! گھر میں بڑی کھچڑی پک رہی ہے۔"
"کیا؟"
اس کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا تھا۔
"ماما کو آج کل میری اور خضر کی شادی کا شوق چرایا ہے۔ بس صبح و شام یہی ذکر ہے۔ پاپا خاموش رہے کچھ دن تو لیکن پھر انہوں نے خضر بھائی سے پوچھ ہی لیا کہ ان کے کیا ارادے ہیں اور پتا ہے خضر بھائی پہلے تو خاموش رہے۔ پھر کہا کہ فی الحال ان کا شادی کا ارادہ نہیں مگر پاپا نے کہا۔ شادی کی بہترین عمر یہی ہے۔ تم پڑھ چکے، اسٹیبلش ہو چکے، اب شادی کر لو۔ ہمارا ارادہ تمہاری اور عمنا کی اکٹھی شادی کرنے کا ہے۔"
وہ دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالے علینہ کی بات سن رہی تھی۔ علینہ حسب معمول تفصیل سے بتا رہی تھی۔
"اور پتا ہے جب پاپا نے پوچھا خضر بھائی سے تمہاری اپنی کوئی پسند ہے تو بتاؤ تو خضر بھائی نے کیا کہا۔"
وہ ماہ نور کی کیفیت سے لطف اٹھا رہی تھی۔
"کیا؟"
اس کے لبوں سے بمشکل نکلا۔
انہوں نے کہا۔ "پہلے آپ اپنی پسند بتائیں۔"
پاپا بہت ہنسے۔
"بہت استاد ہو یار! بہر حال اپنی ماما کی پسند کا تو پتا ہی ہے تمہیں۔ گو فی الحال تمہاری خالہ جان واپس کینیڈا جا چکی ہیں۔ بچوں کے مجبور کرنے پر لیکن انہیں بلایا تو آ سکتی ہیں۔"
اور خضر بھائی کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔ "اللہ نہ کرے۔" تب پاپا نے قہقہہ لگایا تھا اور جہاں تک میری پسند کی بات ہے تو مجھے ماہ نور پسند ہے" اور خضر بھائی کو دیکھو معصوم بنے سر جھکائے کہہ رہے تھے۔ "پاپا! مجھے آپ کی پسند پر کوئی اعتراض نہیں۔ یقیناً آپ نے میرے لیے بہتر ہی سوچا ہو گا۔"
اور ماہ نور نے کتنی دیر کا رکا ہوا سانس باہر نکالا تھا۔
"سو کئی دن تک گھر میں کھچڑی پکتی رہی۔ ماما اور پاپا کے مذاکرات گرما گرمی۔ بہر حال! اب دو تین روز تک ماما پاپا خاص مقصد کے لیے تمہارے گھر آنے والے ہیں۔ بہر حال جیت پاپا کی ہی ہوئی۔ فائنل ہوتے ہی میں تمہاری طرف بھاگی کہ تمہیں خبر کر دوں۔" اور ماہ نور کے چہرے پر اس وقت جو رنگ بکھرے تھے انہوں نے اس کے دل کی چغلی کھائی تھی تب ہی تو علینہ نے پوچھا تھا۔

"تم خوش ہو ناماہ؟"

"میری بات چھوڑو' اپنا ذکر تم گول کر گئیں۔ تمہارے متعلق کیا فیصلہ ہوا؟"

ماہ نور نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"فی الحال پاپا صرف خضر بھائی کا کیس لڑ رہے تھے' جہاں تک میری بات ہے تو سچ بتاؤں۔ میرا دل خود اسفر سے کھٹا ہو چکا ہے۔"

"کیا۔۔۔ کیا مطلب ہے تمہارا۔"

ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"تم۔۔۔ تم تو اسفر بھائی سے بہت محبت کرتی تھیں اور تم۔۔۔"

"میں نے سوچا تھا ماہ! کہ اسفر کا فیوچر بہت برائٹ ہے۔ وہ جب امریکہ جا کر اپنی تعلیم مکمل کر لیں گے تو یہاں وہاں جہاں بھی انہوں نے جاب کی' اچھی جاب ہی ملے گی لیکن وہ تو بیس پچیس ہزار کی نوکری پر ہی مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ جب بھی بات کرو' کہتے ہیں۔ "عینا ڈیر! بہت مجبور ہوں' امی جان کو ایسے چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی' انہیں میرا بڑا سہارا ہے۔ اتنے سالوں تک تو پھپھو جان کی فکر نہیں تھی اور اب۔"

علینہ کا موڈ بے حد خراب تھا۔ وہ حیرت سے علینہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"لیکن عینا! تم اسفر بھائی سے محبت کرتی ہو اور محبت میں تو ایسی باتوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔"

"ایک بات ہو تو نظر انداز بھی کیا جا سکتا ہے ماہ! لیکن اسفر تو۔۔۔ خیر چھوڑو۔"

ماہ نور کو علینہ پر حیرت ہوئی۔ پچھلے چند ماہ سے وہ دیکھ رہی تھی کہ علینہ' اسفر کے ذکر پر بے زاری کا اظہار کرنے لگی تھی' ورنہ یہ وہی علینہ تھی جس کی ہر بات اسفر سے شروع ہو کر اسفر پر ہی ختم ہوتی تھی۔ اس کی گفتگو میں زیادہ ذکر ندا اور حبیب کا ہوتا تھا۔ حبیب جو ندا کا کزن تھا۔

آج ندا کے ساتھ حبیب آیا تھا۔

آج حبیب نے یہ کیا۔

آج حبیب نے اتنی خوبصورت بات کی۔

وہ جب بھی ماہ نور سے ملتی' اس کی گفتگو اس طرح کی ہوتی تھی اور اگر ماہ نور' اسفر کا ذکر بھی کرتی تو وہ ٹال جاتی۔

"عینا! کیا تم اب اسفر بھائی سے محبت نہیں کرتیں۔"

"پتا نہیں لیکن اس موضوع پر ہم پھر بات کریں گے۔ آج تو بس تم اپنی اور خضر بھائی کی بات کرو۔ خوش ہو نا۔ رئیلی ماہ! میری ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ تم میری بھابھی بنو۔ خضر بھائی اور تم۔۔۔ اس لیے جب ماما نے خضر بھائی کی بات سحرش یا نازش سے کرنے کا پروگرام بنایا تھا تو میں نے چپکے سے پاپا کے کان میں یہ بات ڈال دی تھی کہ خضر بھائی صرف اور صرف تمہارے ساتھ خوش رہ سکتے ہیں۔"

"تم نے عینا! تم نے یہ بات کہی انکل سے۔"

"ہاں تو اس میں کیا حرج تھا۔"

علینہ نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اگر میں نے پاپا کو یہ نہ بتایا ہوتا تو خضر بھائی تو ہو جاتے نازش یا سحرش کو پیارے اور تم اداس ہیروئن بن کر رہ جاتیں۔"

"کیا سوچنے لگیں ماہ!"

مسز مراد نے آہستگی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"کچھ نہیں۔"

وہ چونکی۔

"خضر! مجھے بہت اچھا لگا۔ کیئرنگ بھی ہے اور اسے تمہارا اور تمہاری فیملی کا خیال بھی ہے۔ تب ہی تو اس نے

منگنی کی تقریب کی مخالفت کی ہے۔"

"افضال انکل نے بھی یہی کہا تھا کہ اپنوں میں صرف بات ہی کافی ہے لیکن اریج اور عینا وغیرہ کی بڑی خواہش ہے' وہ چاہ رہی ہیں کہ بڑے پیمانے پر نہ سہی' صرف گھریلو سی ایک تقریب ہو جائے جس میں صرف رنگ پہنا دی جائے۔ اماں نے کہا ہے کہ ٹھیک ہے' جب روما آئے گی کراچی تو پھر چھوٹی سی تقریب کر لیں گے۔"

"ہاں' اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔" مسز مراد نے خوشی کا اظہار کیا۔

"اور سنو' میں تو ضرور تمہاری اس گھریلو تقریب میں شریک ہوں گی۔ چاہے تم بلاؤ یا نہ بلاؤ۔"

ماہ نور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور چہرے پر گلال سا بکھر گیا۔ ابھی پرسوں شام کی بات تھی' جب انکل افضال' آنٹی اور ولید آئے تھے۔ وہ ٹیوشن والی لڑکیوں کو پڑھا رہی تھی۔ نرمل کے جانے کی وجہ سے اسے اب ان لڑکیوں کو بھی پڑھانا پڑتا تھا' جنہیں پہلے نرمل پڑھاتی تھی۔

"پڑھایا جا رہا ہے۔"

افضال حیدر ہمیشہ کی طرح بہت محبت سے ملے تھے۔ ولید بھی معنی خیز نظروں سے اسے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا جب کہ وہ پزل ہو رہی تھی۔ اگر علینہ نے اسے پہلے نہ بتایا ہوتا کہ پاپا اور ماما اس مقصد کے لیے آ رہے ہیں تو شاید وہ اس طرح نہ گھبراتی۔ سعدیہ آنٹی کا انداز بھی پہلے جیسا ہی تھا۔

"کیسی ہو؟ کیا کر رہی ہو؟" وغیرہ جیسے سوال کر کے وہ نصیر احمد خان کے پاس چلے گئے تھے اور پھر اس رات وہ نصیر احمد خان سے ہاں کروا کے ہی اٹھے تھے۔ گو نصیر احمد خان متذبذب سے تھے۔

"افضال! تم نے ہمیشہ ہر مقام پر میرا ہاتھ تھاما۔ مجھے تمہاری دوستی پر بہت فخر اور مان ہے لیکن یار! ایک بار پھر سوچ لو ہم تمہارے قابل نہیں ہیں دوست۔"

"ایسی فضول بات اگر تم نے دوبارہ کی تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا' سمجھے۔"

انہیں غصہ آ گیا۔

"اور میں تم سے نہیں' اپنی بہن سے بات کرتا ہوں۔ وہ میرے سگے ماموں کی بیٹی ہے۔ میں اور وہ ایک ہی خاندان سے ہیں۔ تمہاری بیٹی میرے بیٹے کے قابل نہیں ہو گی لیکن میری بھانجی میرے بیٹے کے قابل ہے' سمجھے۔"

نصیر احمد خان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"اب عورتوں کی طرح ٹسوے مت بہاؤ اور منوں یار! بھاگ کے جاؤ اور مٹھائی کا ایک ڈبہ پکڑ لاؤ' تاکہ ہم منہ میٹھا کر لیں۔"

"یہ جو تم ٹوکرا بھر مٹھائی اٹھا کے لائے ہو' اسی میں سے منہ میٹھا کر لو۔"

"ہرگز نہیں' یہ میں لایا ہوں۔ منہ میٹھا تو ہم تمہاری جیب سے کریں۔

اور منصور مسکراتا ہوا کمرے سے باہر نکلا تھا۔

اور اندر افضال حیدر کہہ رہے تھے۔

"اب ٹسوے بہانے بند کر کے ذرا گلے تو ملو یار! اب ہم سمدھی بھی ہیں۔ پہلے دوست تھے پھر بہنوئی ہوئے اور پھر سمدھی بن گئے۔"

سب ہی خوش تھے۔ سلمیٰ خانم تو بار بار اللہ کا شکر ادا کرتیں۔ منصور مٹھائی بھی لے آیا تھا اور کھانے کے لیے کڑاہی اور تکے وغیرہ پھر وہ سب کھانا کھا کر ہی گئے۔

اس کی آنکھوں سے جیسے نیند رخصت ہو گئی تھی۔ وہ ایک خوف سا جو سعدیہ آنٹی کی طرف سے تھا' وہ دل سے نکل گیا تھا لیکن ایک اور خوف نے دل کو جکڑ لیا تھا اور اگر سعدیہ آنٹی نے شادی کی جلدی کی تو۔۔۔ تو کیا ہو گا۔ اماں سے اب زیادہ کام نہیں ہوتا تھا۔ مشین پر جھک کر کام کرنے سے انہیں کمر میں تکلیف شروع ہو جاتی تھی پھر گیس

کا بھی پرابلم تھا۔ وہ دن بھر میں بمشکل ایک سوٹ سی پاتی تھیں۔ ابا گو اب کھڑے ہونے لگے تھے لیکن دو تین قدم اٹھانے کے بعد ان کے گھٹنے مڑنے لگتے تھے۔ ڈاکٹر کا خیال تھا کہ ابھی کچھ وقت اور لگے گا پھر وہ واکر کے سہارے چلنے لگیں گے اور ایک وقت آئے گا کہ وہ بغیر کسی سہارے کے چلیں گے لیکن اس کے لیے ان کی مسلسل تھراپی ضروری تھی پھر رانی' نوی اور موی کی تعلیم..... منوں اکیلا کیا کیا کرے گا۔

نصیر احمد خان نے یہ تو افضال حیدر سے کہہ دیا تھا کہ کم از کم دو سال تک ان کے لیے شادی کرنا مشکل ہے اور افضال حیدر نے فوراً" ہی ان کی بات مان لی تھی۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ دو سال بعد سہی۔"

گو سعدیہ آنٹی نے کہا تھا کہ ان کی خواہش تو سال بھر بعد رخصتی کرنے کی ہے۔ تب نصیر احمد خان نے آہستگی سے کہا تھا۔

"بھابھی! میں چاہتا ہوں' منوں کی تعلیم ختم ہو جائے اور وہ جاب کرلے تو پھر زیادہ سہولت سے ماہ کو رخصت کر سکوں گا۔"

"رخصتی کی باتیں بعد میں طے کرلیں گے یار! ابھی تو ذرا اس نئی رشتہ داری کی بات کریں۔"

افضال حیدر نے موضوع بدل دیا تھا۔

"ابھی تو دو سال ہیں۔ منوں کچھ بن جائے پھر خضر سے خود ہی بات کرلوں گی۔"

اس نے خود کو سمجھایا تھا۔ ابھی سے کیا پریشان ہونا۔ اسکول میں چونکہ اس کی صرف مسز مراد سے ہی گہری دوستی تھی' اس لیے اس نے انہیں اپنی اور خضر کی بات طے ہونے کا بتا دیا تھا' جس پر انہوں نے بہت خوشی کا اظہار کیا تھا۔ اماں نے لاہور میں نرمل اور حسنہ خالہ کو بھی بتا دیا تھا۔ سب نے ہی خوشی کا اظہار کیا تھا اور نرمل نے تو فون کر کے خوب اس کا ریکارڈ لگایا۔ لاہور جا کر وہ خاصی تیز ہو گئی تھی۔

"کمال ہے ماہ! نہ کوئی ظالم سماج بیچ میں آیا اور نہ ہی کسی نے کوئی روڑا اٹکایا اور ماہ نور بی بی خضر بھائی سے منسوب ہو گئیں۔ حالانکہ مجھے سعدیہ آنٹی کی طرف سے خاصا خطرہ تھا۔"

"تم رومی! بہت شوخ ہو گئی ہو۔"

وہ جھینپ گئی تھی۔

"بات تمہاری طے ہوئی ہے اور یہاں حسنہ خالہ اور قائم انکل سب مجھ سے ٹریٹ مانگ رہے ہیں اور لگتا ہے آج جیب ڈھیلی کرنا پڑے گی۔"

ان دو سالوں میں نرمل کے اندر بے پناہ اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ پہلے والی نرمل ہے۔

"بلاؤ گی نا۔"

مسز مراد نے پھر پوچھا تو وہ پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیوں نہیں' ابھی تو کچھ پتا نہیں۔ رومی کب آئے گی۔"

"ویسے اچھا ہے۔ ایک مختصر سی تقریب میں باضابطہ طور پر رشتہ طے ہو جائے' بلکہ میرے خیال میں تو نکاح ہو جاتا تو بہتر تھا۔ لوگوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

مسز مراد نے رائے دی۔

"ہاں یہ تو ہے۔"

مسز مراد نے زیر لب کہا اور سوچا۔

"جس کو تعلق توڑنا ہو' اس کے لیے کوئی تعلق بھی مضبوط نہیں ہوتا۔ وہ چاہے تو لمحوں میں توڑ دے۔ جیسا کہ مراد نے کیا۔ کتنی آسانی سے اس نے کہہ دیا تھا کہ اگر تم طلاق لینا چاہتی ہو تو لے لو' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر تم اپنی نئی زندگی شروع کر سکو۔ جہاں تک میری بات ہے' میں نے نہ صرف شادی کرلی ہے بلکہ

میرے دو بچے بھی ہیں اور اب ریتا اور بچوں کی وجہ سے پاکستان آنا میرے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ ریتا اسے پسند نہیں کرتی۔"

"لیکن میں طلاق لے کر کیا کروں گی مراد! پلیز ایسا مت کرنا۔"

وہ رو پڑی تھیں' تب ایک لمحہ کی خاموشی کے بعد مراد نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم ایسا نہیں چاہتی ہو تو میں خرچ کے لیے رقم بھیجتا رہوں گا لیکن جب بھی تم نے کوئی فیصلہ کرلیا علیحدگی کا تو مجھے بتا دینا' میں......"

پہلے ایک آس تھی کہ کبھی تو مراد انہیں بلائے گا اور اب تو کوئی امید کی کونپل بھی نہیں بچی تھی۔ کتنی بار ان کا جی چاہا تھا' ان پچھلے سات آٹھ دنوں میں کہ وہ ماہ نور سے اپنا دکھ شیئر کرلیں لیکن پھر سوچا۔ کیا فائدہ' بھرم جب تک قائم رہے تو اچھا ہے لیکن دل تھا کہ تنہا اتنے بڑے دکھ کو سہہ کر پھٹا جاتا تھا۔

ماہ نور نے ایک نظر ان کے چہرے پر ڈالتے ہوئے سوچا۔ مسز مراد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مسئلہ ہے ضرور۔ گو وہ اسے شریک نہیں کرنا چاہتیں۔ خیر ضروری تو نہیں کہ ہر بات ہر ایک سے ڈسکس کی جائے۔ مجھے بھی زیادہ کرید نہیں کرنا چاہیے۔ اس نے میز سے کاپی اٹھائی اور چیک کرنے لگی۔ مسز مراد نے بے اختیار امڈ آنے والے آنسوؤں کو بمشکل روکا۔ اٹھ کر کونے میں رکھے کولر سے پانی ڈال کر پیا اور پھر واپس اپنی جگہ آکر بیٹھ گئیں اور ماہ نور کی طرف جھکتے ہوئے قدرے آہستگی سے کہا۔

"تمہاری ہما باجی کے متعلق آج کل اسٹاف میں بڑی سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔"

"کیا۔"

وہ چونکی۔

"تین چار دن پہلے کی بات ہے مسز صابر کی گاڑی لیٹ آئی۔ وہ باہر والے گراؤنڈ میں بیٹھی تھیں۔ کلرک آفس کے باہر جو بینچز بنے ہوئے ہیں وزیٹرز کے لیے وہاں۔ اسکول میں چند بچوں اور ملازمین کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ بچے اپنی اپنی گاڑیوں کے انتظار میں باہر گراؤنڈ میں کھیل رہے تھے۔ مس ہما' ذاکر صاحب کے آفس میں تھیں۔ وہاں سے ذاکر صاحب غصے میں بولتے ہوئے باہر نکلے۔ مس ہما پیچھے پیچھے روتے ہوئے آ رہی تھیں۔ مسز صابر نے خود انہیں روتے دیکھا۔"

"تو۔"

ماہ نور نے بھنویں اچکائیں۔

"ذاکر صاحب نے بے عزتی کردی ہو گی۔ وہ کب دیکھتے ہیں کہ کوئی سینئر ٹیچر ہے یا جونیئر۔ ایک تو بے چاری مس ہما ایکسٹرا کام کرتی ہیں۔ اس پر ڈانٹ ڈپٹ الگ۔"

"نہیں' یہ بات نہیں ہے ماہ! تم نہیں جانتیں' انہیں کام کی وجہ سے ڈانٹ نہیں پڑی تھی' کوئی اور بات ہے۔"

"کوئی اور بات کیا مسز مراد؟"

ماہ نور نے حیرت سے پوچھا۔

"کیا تم بالکل کچھ نہیں جانتیں۔"

مسز مراد نے بھی قدرے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" ماہ نور نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہاں کچھ ٹیچرز کہتی ہیں مس ہما اور ذاکر صاحب کے درمیان کوئی چکر تھا۔ کسی نے مس ہما اور ذاکر صاحب کو ایک بار ہوٹل میں کھانا کھاتے بھی دیکھا ہے اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ ذاکر صاحب مس ہما سے دوسری شادی کرنے والے تھے لیکن اب وہ ایسا نہیں کر رہے ہیں۔ بہانے بنا رہے ہیں تو جھگڑا اس بات پر ہے۔"

"نہیں مسز مراد۔" ماہ نور کو یقین نہیں آیا۔

"سرذاکر ہما باجی پر مہربان تھے تو کہانیاں بنانے والوں نے کہانیاں بنالیں۔ حالانکہ اسکول کی ایڈمنسٹریشن کا سارا کام تو وہی کرتی ہیں اور سرذاکر بھی غالباً" اسی وجہ سے باقی ٹیچرز کی نسبت زیادہ کلوز ہیں اور زیادہ بھروسہ کرتے ہیں ان پر۔"

"تم بہت سادہ اور معصوم ہو ماہ! آنکھیں کھلی رکھو گی تو بہت کچھ جان لوگی۔ میں تمہیں ڈرانا نہیں چاہتی۔ ہو سکتا ہے تم کہیں اور جاب کرو تو وہاں ذاکر صاحب سے بھی زیادہ برے لوگ ہوں' اس لیے جب عورت کو باہر نکلنا پڑے تو اسے نہ صرف آنکھیں کھلی رکھنا چاہئیں ' بلکہ بہت مضبوط بھی ہونا چاہیے۔ ذاکر صاحب کوئی بہت اچھے انسان نہیں ہیں۔ میں نے پہلے بھی ایک بار تم سے کہا تھا۔ بظاہر انہوں نے شرافت کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے لیکن جب سے سائنس کی ٹیچر والا واقعہ ہوا ہے' میں بہت گہری نظروں سے ان کا جائزہ لیتی رہی ہوں۔ مس ہما کے ساتھ کچھ مسئلہ ضرور ہے۔ ہو سکتا ہے یہ سب صحیح نہ ہو ماہ! جو ٹیچرز کہہ رہی ہیں لیکن وہ مس ہما کو بہرحال تنگ ضرور کر رہے ہیں۔ اتنا مجھے اندازہ ہے۔"

"تو کیا ہم مس ہما کی مدد نہیں کر سکتے۔ مسز مراد! آپ پوچھیں نا مس ہما سے کہ کیا مسئلہ ہے۔ ہو سکتا ہے ایڈمنسٹریشن کے سلسلے میں کوئی مسئلہ ہو گیا ہو۔"

"میں نہیں سمجھتی کہ مس ہما کچھ بتائیں گی۔ تاہم میں ان سے پوچھوں گی ضرور۔ اگر کوئی گمبھیر مسئلہ ہے تو ریزائن دے دیں۔ خوامخواہ روز روز کیوں انسلٹ کرواتی ہیں۔ کئی بار تو اسمبلی میں سب کے سامنے ڈانٹ چکے ہیں' وہ بھی بلاوجہ۔"

"یہ سب سن کر دل بہت پریشان ہو گیا ہے مسز مراد اور عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔ میں ایکسپلین نہیں کر پا رہی۔ آپ اسے خوف یا ڈر کہہ لیں۔"

مسز مراد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ پیون نے اندر آ کر کہا۔

"مس ماہ! آپ کو سر یاد کر رہے ہیں۔"

"جی۔۔۔ کیا؟ کیوں؟"

اس نے بوکھلا کر پہلے پیون اور پھر مسز مراد کی طرف دیکھا۔

"میرا خیال ہے آپ کے گھر سے فون آیا ہے۔"

پیون نے اسے اس قدر گھبراتے دیکھ کر بتایا تو وہ پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ صبح جب وہ گھر سے آئی تھی تو سب ٹھیک تھا۔ دادی قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ابا بھی بہت مطمئن اور پرسکون سے باہر ہی اپنی وہیل چیئر پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ وہ بے حد گھبرائی سی اور دل ہی دل میں اللہ سے دعا مانگتی آفس میں داخل ہوئی۔ ذاکر صاحب نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ ایک لمحہ کو تو جیسے ان کی نظریں ماہ نور کے چہرے پر جم سی گئیں۔

"سر! وہ آپ نے بلایا ہے۔ خیریت ہے نا۔"

"ہاں۔"

وہ چونکے اور ٹیبل پر رکھے ریسیور کی طرف اشارا کیا۔

"آپ کا فون ہے۔"

اس نے بے تابی سے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو ماہ! بیٹا فوراً" چھٹی لے کر گھر آؤ۔"

"کیا ہوا' سب ٹھیک ہیں نا۔ دادی اماں سب۔"

"بس بیٹا! تم آجاؤ۔"

اسے لگا جیسے نصیر احمد خان ابھی رو پڑیں گے۔ "ابا! پلیز بتایئے نا۔" "ماہ بچے۔" ان کی آواز لرز گئی۔

"ابھی کچھ لمحے پہلے منصور کے ایک دوست کا فون آیا ہے ہاسپٹل سے کہ منوں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ جناح ہاسپٹل میں ہے۔ تم آجاؤ تو اپنی اماں اور دادی کو لے کر ہاسپٹل جاؤ۔"

"نہیں۔۔۔"

اس کے ہاتھوں سے ریسیور گر پڑا۔

"منوں!"

اس کے لب ہلے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"یا اللہ منوں کو صحت و زندگی دینا۔ یا اللہ۔۔۔"

اس کے لبوں سے نکل رہا تھا اور آنسو بڑی روانی کے ساتھ اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اسے خبر بھی نہیں ہوئی کہ کب سرذاکر اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے اسے تسلی دے رہے تھے اور وہ روئے چلی جا رہی تھی۔

"تو کیا کہتی ہیں آصف کی بھابھی۔"

میاں صلاح الدین نے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر لگاتے ہوئے عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"جی۔۔۔ وہ تو۔۔۔ انہوں نے تو کچھ خاص بات نہیں کی۔ بس یہی کہ جلد ہی آصف آئے گا تو پھر رخصتی کروالیں گی۔"

عذرا بیگم پریشان سی انہیں بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے دیکھ رہی تھیں اور ایسا اس وقت ہوتا تھا' جب وہ حقیقتاً" بہت پریشان ہوتے تھے۔

"پچھلے دو سال سے تو وہ جلدی جلدی کہہ رہی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کیوں وہ رخصتی نہیں کروا رہے' جب کہ آصف کہہ کر گیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ آٹھ ماہ تک پیپرز کمپلیٹ ہو جائیں گے۔"

"جی۔"

عذرا بیگم نے آہستگی سے کہا۔

"یہ کیا جی جی لگا رکھی ہے آپ نے۔"

انہوں نے اپنا غصہ ان پر اتارا اور چلتے چلتے رک کر انہیں دیکھنے لگے۔

"میں پوچھ رہا ہوں عذرا بیگم! آپ نے کھل کر بات کی تھی کہ دو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اب انہیں رخصتی کروا لینا چاہیے یا جو بھی بات ہے' صاف صاف کریں۔"

"جی کہا تھا میں نے۔۔۔"

عذرا بیگم کی آواز اب بھی دھیمی تھی۔ وہ خود پریشان تھیں اور انہوں نے آصف کی بھابھی سے بہت کھل کر کہا تھا کہ اب رخصتی ہو جانا چاہیے لیکن وہ تو چمک کر بولی تھیں۔

"کیا مسئلہ ہے عذرا بہن! جو آپ کو اتنی جلدی پڑی ہوئی ہے۔ چار دن گھر بٹھا کر کھلا نہیں سکتے بیٹی کو جو رخصتی کا شور مچا رکھا ہے۔ آصف باہر ہے' اتنی جلدی آنا آسان نہیں ہے اس کے لیے۔ کوئی مسئلہ ہو گا نا' تب ہی تو نہیں آ رہا۔ آپ کی بیٹی کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی ہے۔ نکاح ہو چکا ہے' اطمینان سے بیٹھیں۔ جب آصف آئے گا تو رخصتی بھی ہو جائے گی۔"

"کیا کہا تھا' پوری بات بتائیں مجھے۔"

میاں صلاح الدین بیڈ کے دائیں طرف پڑی کرسی پر بیٹھ گئے اور عذرا بیگم ان کی طرف دیکھنے لگیں۔ عذرا بیگم نے اپنے اور آصف کی بھابھی کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو دہرا دی۔

"اوہ' یہ عورت۔۔۔"

انہوں نے غصے سے دایاں ہاتھ کرسی کے ہتھے پر مارا۔

"اسے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔"

عذرا بیگم خاموش ہی رہیں۔ خود انہیں پہلے دن سے ہی آصف کی بھابھی کی گفتگو اور رویہ پسند نہیں آیا تھا اور انہوں نے ساری بات میاں صلاح الدین سے کی تھی لیکن......

انہوں نے ایک تاسف بھری نظر میاں صلاح الدین پر ڈالی۔

کاش ان میں تھوڑی سی لچک ہوتی اور وہ ان کی بات سن کر اس پر غور کرتے تو آج یہ صورت حال نہ ہوتی۔ کتنے ہی وسوسے دل سے چمٹے تھے۔ کیا خبر آصف نے وہاں شادی کر لی ہو یا کوئی اور مسئلہ ہو۔ آصف کا ان سے تو کوئی رابطہ نہ تھا۔ حالانکہ دو ایک بار اسفر نے ان سے کہا تھا کہ امی جان آصف کا فون نمبر لے لیجیے گا ان سے تاکہ کبھی کبھار خیر خیریت معلوم کرتے رہیں، اس طرح تعلق مضبوط ہوگا اور کم از کم وہ ہمارے رابطے میں رہے گا لیکن جب بھی انہوں نے اس کی بھابھی سے نمبر مانگا، انہوں نے ٹال دیا۔ جب سے انعم کا نکاح ہوا تھا، وہ ایک دو بار اس کے سسرال گئی تھیں۔ ہاں آصف کی بھابھی باقاعدگی سے ہفتہ میں ایک چکر لگاتی تھیں اور اکثر کھانا وغیرہ کھا کر ہی جاتی تھیں لیکن کل میاں صلاح الدین نے انہیں بطور خاص ادھر جانے کو کہا تھا، کیونکہ وہ تین ماہ سے مسلسل وہ انعم کی رخصتی کے متعلق سوچ رہے تھے اور کئی بار انہوں نے عذرا بیگم سے کہا بھی تھا کہ نکاح کے بعد اتنا عرصہ رخصتی نہ کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ معلوم نہیں وہ لوگ خاموش کیوں بیٹھے ہیں جب کہ آصف کوئی نوجوان لڑکا نہیں ہے کہ دو تین سال انتظار کے بعد شادی کرے۔

کچھ دیر بعد میاں صلاح الدین نے کہا۔

"میں خود بات کروں گا آصف سے، آپ اس کا فون نمبر لائیں۔"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ آصف پہلے جہاں کام کرتا تھا، وہاں سے جاب چھوڑ دی ہے اور کسی دوسرے شہر میں چلا گیا ہے اور ابھی تک اس نے نیا نمبر اور ایڈریس نہیں دیا انہیں۔ جب وہ بتائے گا تو وہ دے دیں گی۔"

"ہوں۔" میاں صلاح الدین نے ہنکارا بھرا۔

"میرا تو خیال ہے کہ وہ جان بوجھ کر ٹال رہی ہیں، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس آصف کا فون نمبر نہ ہو۔ حالانکہ ایک دو بار پہلے بھی میں نے نمبر مانگا تھا۔"

"ہوں!"

میاں صلاح الدین کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"آپ حاجی صاحب سے بات کیوں نہیں کرتے۔ یہ رشتہ انہیں کی وساطت سے تو طے پایا تھا۔"

"ہاں، میں بھی یہی سوچ رہا ہوں کہ آج ان کی طرف جا کر بات کروں۔"

"اور اگر ممکن ہو تو ان کے ساتھ جا کر آصف کے بھائی سے بات کر لیں۔ وہ اپنی بیوی کی نسبت کچھ معقول انسان لگتے ہیں۔" "آپ میرے کپڑے نکالیے، میں ہاتھ لے کر جاتا ہوں حاجی صاحب کی طرف۔"

وارڈروب سے میاں صلاح الدین کے کپڑے نکال کر وہ باہر نکلیں۔ سب اس وقت اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ چھٹی کا دن تھا، وہ کھانے کے بعد مدثر کو ساتھ لے کر حاجی صاحب کے کہنے پر آصف کی بھابھی سے بات کرنے چلی گئی تھیں اور وہاں زیادہ دیر نہیں بیٹھی تھیں، کیونکہ آصف کی بھابھی بار بار انہیں سنا رہی تھیں کہ ان کی اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور انہیں ادھر جانا ہے اور اگر وہ نہ آتیں تو اب تک وہ جا چکی ہوتیں۔ وہ صرف آدھ گھنٹا بیٹھی ہوں گی وہاں اور پھر اس دوران انہوں نے رخصتی کی بات کر لی تھی، اس لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے ارے، بیٹھیے۔ چائے بنواتی ہوں۔"

آصف کی بھابھی نے انہیں اٹھتے دیکھ کر کہا تو انہوں نے معذرت چاہی۔

"اس وقت تو آپ کو اپنی والدہ کی طرف جانا ہے، چائے پھر کبھی پی لیں گے۔"

ان کا جی بہت مکدر ہوا تھا۔ انہیں لگ رہا تھا کہ کہیں کچھ غلط ہے۔ دو سال سے وہ انعم کے لیے دعائیں کر رہی

اس کے لیے ایک اچھی اور بہترین زندگی کی لیکن پتا نہیں کیا ہونے والا تھا۔

انہوں نے برآمدے کی دیوار پر موجود کلاک پر نظر ڈالی۔ پانچ بجنے والے تھے۔ غزالہ اور شبی آرام کر رہے ہوں گے۔ غزالہ پسند نہیں کرتی تھی کہ کوئی اس کے آرام میں مخل ہو۔ خاص طور پر جب وہ سو رہی ہوتی تھی تو بہت ناراض ہوتی تھی لیکن یہ میاں صلاح الدین کا حکم تھا۔ اگر وہ غزالہ کے آرام کا خیال کرتیں تو وہ خفا ہو جاتے۔ دھیمے قدموں سے وہ مبشر کے کمرے تک آئیں اور ہولے سے دستک دی۔ مبشر نے فوراً دروازہ کھولا، اس کے ہاتھ میں کتاب تھی۔ عذرا بیگم کو دیکھ کر حیران ہوا۔

"ارے امی جان! آپ...... آئیے نا، خیریت ہے۔"

"تم سو تو نہیں رہے تھے بیٹا!"

وہ ابھی تک باہر ہی کھڑی تھیں۔

"نہیں میں تو پڑھ رہا تھا۔ آئیے نا، آجائیے اندر۔"

اس نے ایک طرف ہٹ کر انہیں راستہ دیا۔ عذرا بیگم کمرے میں داخل ہوئیں تو انہوں نے دیکھا۔ غزالہ بیڈ پر بیٹھی کوئی فیشن میگزین دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک سرسری سی نظر عذرا بیگم پر ڈالی تھی اور پھر میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی تھی۔ مبشر کی پیشانی پر شکنیں سی پڑ گئیں اور وہ لب بھینچے اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف گیا اور کتاب وہاں رکھ کر عذرا بیگم کی طرف متوجہ ہو گیا جو غزالہ سے کہہ رہی تھیں۔

"بیٹا! میاں صاحب شیخوپورہ جا رہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ اگر تمہیں بھی جانا ہے ان کے ساتھ تو تیار ہو جاؤ۔"

"خیریت، ابا جان اس وقت شیخوپورہ کیوں جا رہے ہیں۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟"

غزالہ کی بجائے مبشر نے پوچھا۔

"خاص بات کیا ہونی ہے بیٹا۔"

عذرا بیگم نے افسردگی سے کہا۔

"انعم کے سلسلے میں جا رہے ہیں تاکہ حاجی صاحب سے کہیں، وہ ان لوگوں سے بات کریں کہ وہ رخصتی میں ٹال مٹول کیوں کر رہے ہیں۔"

"ہاں، یہ صحیح ہے۔ وہ ذرا بہتر طریقے سے ان سے بات کر سکیں گے۔ رشتہ بھی تو انہوں نے ہی طے کروایا تھا۔"

"رشتہ طے کروایا تھا تو کیا گناہ کیا تھا۔"

غزالہ نے چمک کر کہا۔

"نہیں بیٹا! خدانخواستہ ہم نے اس طرح کی کوئی بات تو نہیں کی۔" عذرا بیگم نے گھبرا کر کہا۔

"امی جان! اس کی عادت ہے فضول بولنے کی۔"

مبشر نے ایک غصیلی نظر اس پر ڈالی۔

"ایک تو احسان کرو، دوسرا......"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے میگزین بیڈ پر پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی تو عذرا بیگم بھی شرمندہ سی کھڑی رہ گئیں۔

"میاں صاحب عصر کی نماز پڑھ کر نکلیں گے۔" انہوں نے غزالہ کو بتایا تو اس نے سر ہلا کر مبشر کی طرف دیکھا۔

"تم بھی چلو گے نا۔ امی جان کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے کئی دنوں سے، مزاج پرسی کر لینا۔"

"نہیں، مجھے پڑھنا ہے۔" مبشر نے سختی سے کہا۔

"تم نے جانا ہے تو چلی جاؤ۔"

"ایک انوکھی پڑھائی ہے ان کی، سارے جہاں سے الگ۔"

"نہیں بیٹا! وہ سچ کہہ رہا ہے۔ اس کی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے۔"
عذرا بیگم نے تحمل سے سمجھایا۔
"جی ہاں بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں۔ پڑھائی کا حرج صرف میرے میکے جانے سے ہوتا ہے ورنہ حمنہ خالہ کی طرف تو بھاگ بھاگ کر جایا جاتا ہے۔ ابھی اگر فون آئے تو ساری پڑھائیاں بھول جائیں گے۔"
لہجے میں تمسخر تھا۔ مبشر نے تپ کر اسے دیکھا لیکن عذرا بیگم کے خیال سے ضبط کر گیا اور بنا کچھ جواب دیے عذرا بیگم کی طرف متوجہ ہو گیا اور نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"آپ پریشان نہ ہوں امی جان! انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ حاجی صاحب یقیناً بہتر طریقے سے معاملے کو ہینڈل کر لیں گے۔"
عذرا بیگم نے ایک بے بس سی نظر مبشر پر ڈالی اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔ مبشر کے ضبط نے ان کے دل پر اثر لیا تھا۔
"کیسا ہنستا کھیلتا رہتا تھا میرا بچہ اور اب تو جیسے ہنسنا ہی بھول گیا۔ کیا خبر تھی کہ ایسی پیاری صورت اور منہ میں اتنی لمبی زبان ہو گی۔ ان دو سالوں میں غزالہ کا شرم لحاظ تو جیسے بالکل ہی ختم ہو گیا تھا۔ اب تو اکثر سب کے سامنے ہی مبشر سے زبان چلانے لگتی تھی۔ بولتی تو یوں لگتا جیسے زبان پر کانٹے اگ آئے ہوں۔ تعلیم و تربیت دونوں کی ہی کمی تھی۔ وہ بولتی تو عذرا بیگم بالکل خاموش ہو جاتیں۔ مبشر کو بھی سمجھاتیں کہ وہ درگزر کیا کرے اور پیار و محبت سے اسے سمجھایا کرے۔ اس کا قصور نہیں ہے حد سے زیادہ لاڈ پیار نے اسے ضدی اور منہ پھٹ بنا دیا ہے۔ تم پیار سے سمجھاؤ گے تو ہولے ہولے سمجھ جائے گی۔ برسوں کی عادتیں آسانی سے تو ختم نہیں ہوتیں لیکن مبشر کا خیال تھا کہ غزالہ سمجھنے والی شے نہیں ہے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس کے حسن کی تعریفیں کرتا رہے۔ اسے ساتھ لے کر گھومے پھرے خصوصاً میکے کے عزیزوں کے ہاں اور اس کی بے سر و پا اور بے تکی باتیں جو ننانوے فیصد سسرال والوں کی برائیوں پر مبنی ہوتی تھیں دلچسپی سے سنے اور اس کی ہاں میں ہاں ملائے کہ واقعی اس کی بہنوں بھائیوں اور ماں باپ میں یہ برائیاں موجود ہیں اور یہ سب مبشر نہیں کر سکتا تھا تو وہ اس پر الزام لگانے لگتی تھی کہ وہ دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لیتا ہے۔ غرض زندگی ایک عذاب سے کم نہیں تھی اس کے لیے۔ غزالہ پر کسی کے سمجھانے کا اثر نہیں ہوتا تھا۔ دو سالوں میں اس کی روٹین نہیں بدلی تھی۔ وہی جلی کٹی باتیں تھیں جو پہلے کمرے کے اندر ہوتی تھیں اب وہ سب کے سامنے بیٹھ کر کرتی تھی۔ مبشر شرمندہ سا ہو جاتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی امی اور بہنیں اس کی وجہ سے پریشان ہوں۔ جتنا وہ کوشش کرتا تھا کہ سب کے سامنے وہ دونوں نارمل اور خوش رہیں اتنا ہی غزالہ اس کی کوشش پر پانی پھیر دیتی تھی۔
"امی جان کے سامنے تو اپنی زبان کو قابو میں رکھا کرو غزالہ! کتنی بار تمہیں سمجھایا ہے۔"
عذرا بیگم کے جانے کے بعد مبشر نے لاشعوری کوشش سے اپنے لہجے کو نرم رکھنے کی کوشش کی۔
"میں نے کیا غلط کیا اور تمہاری اماں کو کون سے پتھر مار دیے میں نے۔ یہی کہا نا کہ پڑھائی کا بہانہ صرف میرے میکے جانے کے لیے ہے۔"
"ہاں ہے تو پھر کیا کر لو گی تم۔"
مبشر نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔
"میں نے کیا کرنا ہے میرے تو نصیب ہی جل گئے تھے جس دن تمہارے گھر آئی تھی۔"
اس کی آواز پہلے سے زیادہ اونچی تھی۔ مبشر کا جی چاہا کہ کہے۔ نصیب تمہارے نہیں میرے خراب تھے جو تم جیسی بدزبان عورت میرے پلے پڑی لیکن کمال ضبط سے اس نے رخ موڑ لیا اور اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ غزالہ کچھ دیر کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی اسے غصے سے دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے وارڈروب کھولی اور کپڑے لے کر واش روم میں گھس گئی اور مبشر نے سر تھام لیا۔ کچھ دیر تو وہ یونہی بیٹھا رہا ذہن یکدم منتشر ہو گیا

اس نے پڑھنے کی کوشش کی لیکن کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ تب کتاب بند کر کے وہ باہر نکل آیا۔ رمضان میاں صلاح الدین کے کمرے میں چائے لے جا رہا تھا۔
"رمضان میرے لیے بھی چائے بنا دینا۔" اس نے رمضان سے کہا۔
"چائے دم دے دی ہے۔ میاں صاحب کو دے کر سب کے لیے لا رہا ہوں۔"
"میں اسفر بھائی کے کمرے میں جا رہا ہوں وہاں ہی دے دینا۔"
وہ بات کر کے اسفر کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اسفر نیم دراز سے بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر کتاب الٹ کر تکیے کے پاس رکھ دی اور مسکرائے۔
"آؤ آؤ شبی! رک کیوں گئے۔"
"میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا۔"
وہ ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔
"ارے نہیں بالکل بھی نہیں یونہی وقت گزاری کے لیے کتاب پڑھ رہا تھا بلند بخت نے مجھے بھی پڑھنے کا چسکا ڈال دیا ہے۔ تم سناؤ پڑھائی کیسی جا رہی ہے۔"
"بس گزارا ہے اسفر بھائی۔"
ایک افسردہ سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔
"خیریت ہے کیا غزالہ سے پھر کوئی بات ہو گئی ہے۔"
"یہ تو کوئی نئی بات نہیں آپ بتائیں آپ نے کیا امریکہ جانے کا ارادہ بالکل کینسل کر دیا۔"
"ہاں یار۔"
انہوں نے ایک گہری سانس لی۔
"جب تک آنی کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا میں امی جان کو اس طرح پریشانی میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"
"لیکن بھائی آپ کو اس طرح چانس نہیں مس کرنا چاہیے۔ اب جب کہ تین سال کے لیے آپ کا ویزا لگ چکا ہے تو آپ کو چلا جانا چاہیے میں ہوں نا یہاں۔؟"
"ہاں تم تو ہو لیکن پتا نہیں کیا بات ہے میرے قدم ہی نہیں اٹھتے یہاں سے۔ شاہ رخ بھی کہہ رہا تھا۔ کہ دونوں اکٹھے چلتے ہیں۔ پھر ماموں جان کا بھی فون آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ وہ ہر طرح کی مالی سپورٹ دیں گے مجھے حالانکہ پیسے کا مسئلہ نہیں ہے۔ میرے اپنے اکاؤنٹ میں کافی رقم ہے اب لیکن یار پتا نہیں اس دل کو کیا ہوا ہے جانے پر تیار ہی نہیں۔" وہ مسکرائے۔
"دراصل آپ اپنی جاب میں بہت انوالو ہو گئے ہیں۔ آپ کو پڑھنے کے لیے جانا تھا تو جاب نہ کرتے۔"
"ہاں شاید لیکن میں جاب کرنا چاہتا تھا کم از کم ایک سال تاکہ کچھ رقم جمع کر سکوں کرائے وغیرہ اور ابتدائی اخراجات کے لیے۔"
ان دو سالوں میں مبشر کے ساتھ ان کی دوستوں ایسی بے تکلفی ہو گئی تھی مبشر خاموش ہو گیا اور جانتا تھا کہ میاں صلاح الدین نے صاف کہہ دیا تھا ان سے کہ وہ ان کے امریکہ جا کر پڑھنے کے سلسلہ میں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ "کاش ابا جان کے فیصلوں میں کچھ لچک ہوتی۔"
مبشر نے افسردگی سے سوچا۔
"تو شاید آج میں بہت مطمئن اور پرسکون ہوتا۔ آنی کا بھی کوئی مسئلہ نہ ہوتا شجاع بھائی کا ساتھ حمنہ خالہ اور قائم انکل کی محبت حاصل ہوتی اسے اور سمن بھی یوں بے چین نہ رہتی۔ دو سال ہو گئے تھے سمن کا ایف ایس سی کا رزلٹ بھی آنے والا تھا۔ اور میاں صلاح الدین نے سمن سے براہ راست کوئی بات نہیں کی تھی۔ اور اس دکھ نے سمن کو بے حد سنجیدہ کر دیا تھا اگر اسفر کی سپورٹ اور حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو وہ کب کی پڑھائی چھوڑ چکی ہوتی۔

کتنی ہی بار ڈس ہارٹ ہو کر اس نے کہا تھا کہ وہ نہیں پڑھے گی لیکن اسفر نے اسے سمجھایا کہ وہ صرف پڑھے ایک روز ابا جان کی ناراضگی ختم ہو جائے گی آخر کب تک وہ اس سے خفا رہیں گے۔

”کیا سوچنے لگے یار۔“

اسفر نے بغور اسے دیکھا۔

”کچھ نہیں۔“ وہ چونکا تب ہی رمضان چائے لے کر آ گیا۔

”ویسے شبی بھائی آپ چائے کم ہی پیا کریں۔“ اس نے چائے کے کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھے۔

”دیکھیں تو کیا شکل نکل آئی ہے چائے پی پی کر۔“

”کیا ہوا ہے میری شکل کو۔“

مبشر، رمضان کو دیکھنے لگا۔

”آئینے میں دیکھیے شبی بھائی‘ نہ وہ رنگ رہا نہ وہ روپ نہ۔“

”اچھا اچھا بس روز دیکھتا ہوں اپنی شکل کچھ نہیں ہوا مجھے۔“

”ہائے دیکھتے ہی تو نہیں ہیں۔“

رمضان بڑبڑایا اور باہر نکل گیا۔ اسفر نے ایک محبت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”ویسے رمضان صحیح کہہ رہا ہے شبی! اپنی صحت کا خیال رکھا کرو‘ اور اتنی ہی محنت کرو جس سے صحت پر اثر نہ پڑے اور غزالہ کی ٹینشن مت لیا کرو وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی۔“

”کیسے ٹینشن نہ لوں اسفی بھائی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے امی جان کے ساتھ جو بدتمیزی کی ہے جی چاہتا تھا کہ۔۔۔“

”کیا ہوا۔“

اسفر پریشان ہو گئے‘ تو اس نے ساری تفصیل بتائی۔ ”بے وقوف ہے سوچے سمجھے بغیر بولتی ہے۔ تم درگزر کیا کرو۔“

”دیوانہ بکار خویش ہوشیار۔“

مبشر کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ ابھری اور اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا۔ تب ہی دروازے میں سے غزالہ نے اندر جھانکا۔

”اب پڑھائی کا حرج نہیں ہو رہا۔“

لہجہ طنز میں ڈوبا تھا مبشر نے مڑ کر اسے دیکھا اور بغیر جواب دیے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

”آیئے بھابھی آجایئے اندر۔“

”نہیں میں تو جا رہی ہوں ابا جان کے ساتھ شیخوپورہ صرف یہ بتانے آئی تھی کہ میں دو تین روز ادھر ہی رہوں گی۔ منا لینا‘ جی بھر کے رنگ رلیاں اپنی نرمل کے ساتھ۔“ وہ واپس مڑی۔

”غزالہ!“

مبشر کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔ اسفر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہولے سے دبایا۔

”ریلیکس میری جان۔“

”کیا ہے۔“

اس نے جاتے جاتے پلٹ کر دیکھا۔

”میں نے کہا تھا تمہیں کہ آئندہ مت نام لینا اس کا۔“

”کیوں کی ہزار بار لوں گی۔ سچ سن کر تکلیف کیوں ہوتی ہے۔“

مبشر نے چائے کا کپ میز پر پٹخا اور ایک دم کھڑا ہو کر اس کی طرف لپکا۔ اسفر نے تیزی سے بڑھ کر اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تم۔۔۔ تم۔۔۔ نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔“

اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت اتری پھر وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ اسفر نے مبشر کا ہاتھ چھوڑا اور تیزی سے اس کے قریب آئے۔

”غزالہ! غزالہ بھابھی پلیز! اندر آجایئے پلیز۔“ لیکن وہ وہیں دروازے کے پاس کھڑی دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھی۔ میاں صلاح الدین‘ عذرا بیگم‘ انعم‘ ثمن سب گھبرا کر اپنے کمروں سے باہر نکل آئے تھے اور اب اس کے گرد کھڑے پوچھ رہے تھے کیا ہوا کیا ہوا لیکن وہ یونہی روئے چلی جا رہی تھی۔

■■■

”نہ جانے وہ کیا آواز تھی جس سے سیدہ زینت فاطمہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ انہیں لگا تھا جیسے کہیں کوئی زور سے چیخا تھا اور پھر کسی کے رونے کی آواز تھی۔

”کیا کوئی خواب دیکھا تھا میں نے۔“

انہوں نے پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے سوچا۔

اور سائیڈ ٹیبل پر پڑی پانی کی بوتل سے پانی ڈال کر پیا۔ اور غور سے کچھ سننے کی کوشش کی۔ ہر طرف سناٹا اور خاموشی تھی۔

”نہ جانے کیا وقت ہوا ہے۔“

زیرو بلب کی مدھم سی روشنی میں انہوں نے کلاک پر نظر ڈال کر وقت دیکھنے کی کوشش کی۔ دو بج رہے تھے۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے وہ پھر لیٹ گئیں۔ ابھی چند دن قبل وہ سب حویلی آئے تھے۔ سیدہ اسما اور سیدہ عظمیٰ تینوں ہی امتحانات سے فارغ ہو گئے تھے۔ لہٰذا حویلی واپس آ گئے تھے۔ ہاں شاہ رخ کو انہیں چھوڑ کر واپس لاہور جانا تھا۔ سید قائم علی شاہ‘ حمنہ‘ شاہرم‘ شجاع سب ہی بہت اداس تھے۔

”چھوٹی آپا اتنے سارے دن ہم کیسے گزاریں گے۔ دیکھئے گا ہم سب ایک روز وہاں ہی پہنچ جائیں گے۔ پھر شاہ جی کریں۔“

”نہیں نہیں قامی تم مت آنا وہاں۔“

”دو ماہ کی تو بات ہے رزلٹ آجائے گا تو پھر آنا ہی ہے ہم نے۔“

”لیکن چھوٹی آپا اب برداشت نہیں ہوتیں مجھ سے جدائیاں۔ میں شاہ زیب سے زارا سے شاہ جی سے سب سے ملنا چاہتا ہوں اتنی تھوڑی سی زندگی ہے اس میں بھی کدورتیں پالے رکھیں ہم۔ کیا پتا کل میں۔۔۔“

”آگے مت کچھ کہنا قامی۔“

انہوں نے انہیں ٹوک دیا۔

”اللہ تمہیں لمبی زندگی دے۔“

”اور کتنا جئیں گے ہم چھوٹی آپا۔“

وہ افسردہ سے ہو گئے۔

”دو سال‘ چار سال‘ آٹھ سال پھر ایک دن تو جانا ہی ہے نا۔ چھوٹی آپا پلیز آپ شاہ جی سے‘ بی بی جان سے بات کریں کہ میرا قصور معاف کر دیں۔“

”اچھا میں بات کروں گی۔“

انہوں نے وعدہ تو کر لیا تھا لیکن وہ جانتی تھیں کہ وہ ایسا نہ کر سکیں گی۔ لاہور میں گزارا وقت ایک خوبصورت خواب کی طرح تھا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اتنی پرسکون اور مطمئن تھیں۔ قامی‘ حمنہ ان کے بچے اور پھر شاہ رخ کے دوست اسفر اور بلند بخت۔ سب جیسے ایک گھر کے فرد کی طرح ہو گئے تھے یہاں آتے ہوئے صرف قامی ہی نہیں اسفر اور بلند بخت بھی بہت اداس تھے‘ اسفر تو خیر حمنہ کا بھانجا تھا لیکن بلند بخت بھی انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا اس لہٰذا ان کا یوں ہی دل گھبرایا تو وہ اسما کو ساتھ لے کر قامی کی طرف چلی گئی تھیں۔ لاؤنج میں شاہرم اور بلند بخت

بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ سید قائم علی شاہ بھی وہاں ہی ایک طرف صوفے پر نیم دراز کوئی میڈیکل سے متعلق میگزین دیکھ رہے تھے۔

"ارے پھپھو آپ۔"

شاہرم انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اس کے ساتھ بلند بخت کو دیکھ کر وہیں ٹھٹھک کر رک گئی تھیں۔

"چھوٹی آپا آجایئے نا۔"

سید قائم علی شاہ نے بھی کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ بلند بخت بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

"میں چلتا ہوں شاہرم۔"

"ارے نہیں بیٹا رکو تم۔"

سید قائم علی شاہ نے آگے بڑھ کر اپنا ایک بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"چھوٹی آپا یہ جو بلند بخت ہے نا مجھے بہت عزیز ہو گیا ہے' بالکل اپنے شاہو اور شجی کی طرح اور میں نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ کیا آپ میرے بیٹے سے پردہ کریں گی۔"

اور تب وہ جھجکتے ہوئے آگے بڑھی تھیں۔ سیدہ اسما شاہ ان کے پیچھے سر جھکائے آ رہی تھیں۔

"بلند بخت یہ میری بہت پیاری بہت محبت کرنے والی اور میری دوستوں جیسی بہن ہیں۔"

انہوں نے بلند بخت کی کمر کے گرد حمائل ہاتھ ہٹاتے ہوئے تعارف کروایا تھا' تب ذرا کی ذرا زینت فاطمہ نے نظریں اٹھائی تھیں اور پھر فوراً ہی جھکا لی تھیں۔

"عباس مرزا۔" انہوں نے دل ہی دل میں دہرایا تھا۔

"کیا اتنی زیادہ مشابہت بھی ہو سکتی ہے۔" انہیں حیرت ہوئی تھی۔

سانولی رنگت بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں بے تحاشا چمک اور لبوں پر مسکراہٹ لیے وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس روز اونچی حویلی میں عباس مرزا کے ہونٹوں پر بھی ایسی ہی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے گھبرا کر سید قائم علی شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ جن کے لبوں پر بڑی مہربان سی مسکراہٹ تھی اور پھر ان کے لبوں سے کپکپاتی سی آواز نکلی تھی۔

"جیتے رہیے۔"

"تو کیا اس روز حویلی میں وہ ان کا الوژن نہیں تھا۔" انہیں عباس مرزا بے حد یاد آیا تھا۔ وہ دھیمے دھیمے چلتی ہوئی صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔ جب کہ سید قائم علی شاہ اسما کا تعارف کروا رہے تھے۔

"یہ سیدہ اسما شاہ ہیں ہماری بھتیجی۔"

اور ان کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور اگر شاہ جی اس وقت یہاں آجائیں تو شاید وہ ہم سب کو قتل کر دیں۔ میری حد تک تو خیر تھی لیکن سیدہ اسما شاید شاہ رخ بھی اسے پسند نہ کرے۔ لیکن شاہ رخ نے کوئی خاص پروا نہیں کی تھی۔ جب ڈرتے ڈرتے انہوں نے قائم شاہ کے ہاں ہونے والی اپنی اس ملاقات کا ذکر کیا۔

"بلند بخت بہت نفیس انسان ہے پھپھو جان اور جب میں جاتا ہوں کبھی اس کے گھر تو اس کی فیملی کی سب خواتین میرے سامنے آتی ہیں اور مجھ سے بات چیت کرتی ہیں۔"

اس رات وہ بہت بے چین رہی تھیں۔ اور تکیہ ان کے آنسوؤں سے بھیگتا رہا تھا۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہیں۔ کیا عباس مرزا کے لیے جسے صرف ایک نظر دیکھا تھا انہوں نے۔

اور پھر گزرتے دنوں کے ساتھ بلند بخت گھر میں آزادی سے آنے لگا تھا۔ اسفر تو سنجیدہ سا تھا لیکن بلند بخت آتا تو سب کو خوب ہنساتا۔

وہ انہیں کبھی غیر نہیں لگا تھا۔ سینکڑوں اشعار اسے زبانی یاد تھے۔ عظمی کے آنے سے اسے ایک ہم ذوق مل گیا تھا۔ "ننھی گڑیا آج میں نے شاعری کی ایک نئی بک خریدی ہے شعر سنو گی۔"

وہ جب بھی شاہ رخ کی طرف آتا عظمی کو اشعار ضرور سناتا۔

"تم سب بدذوق ہو ہماری گڑیا بس ایک باذوق ہے۔"

"پتا نہیں آپ کو شعر کیسے یاد ہو جاتے ہیں' بخت بھائی میرے تو سر سے گزر جاتے ہیں۔"

شاہ میر کو حیرت ہوتی تھی۔

"چہ! چہ! عظمی کے بھائی ہو کر ایسا کہہ رہے ہو۔"

وہ افسوس سے سر ہلاتا۔

شاہ میر' عظمی اسماء سب ہی اسے پسند کرتے تھے۔ اور اس کے آنے پر خوش ہوتے تھے۔

وہ ایک طرف بیٹھی انہیں باتیں کرتی دیکھتی رہتی تھیں' کبھی کبھی زبردستی وہ انہیں بھی اپنے ساتھ شامل کر لیتا۔

"پھپھو ادھر آیئے یہ کیا بوڑھوں کی طرح الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئی ہیں۔"

"تو کیا میں بوڑھی نہیں ہوں۔"

انہیں اس کی باتوں پر ہنسی آتی تھی۔

"بالکل بھی نہیں کیوں شاہ رخ کیا پھپھو بوڑھی ہیں۔"

"میرے خیال میں بلند بخت صحیح کہہ رہا ہے پھپھو۔"

شاہ رخ اس کی تائید کرتا۔

جب کبھی باہر جانے کا پروگرام بنتا تو وہ انہیں بھی ساتھ ضرور گھسیٹ لے جاتا وہ نہ نہ کرتی رہ جاتیں۔ لیکن اسے قائل کرنے کا ہنر آتا تھا۔

"ایک بزرگ کا ساتھ ہونا بڑا ضروری ہے پھپھو' معتبر سے لگتے ہیں سب۔ ہوٹل میں کھانا کھاتے ہوئے اگر بزرگ ساتھ ہوں۔"

کئی دفعہ انہیں حیرت ہوتی کہ وہ چند ماہ میں ہی اتنا عزیز ہو گیا تھا کہ اگر کبھی چند دن وہ نہ آتا تو اداس ہو جاتیں۔

"یہ جو بلند بخت ہے نا پھپھو اس نے ہوسٹل میں ہمیں اتنا ہنسایا ہے کہ ہم پوری زندگی میں اتنا نہیں ہنسے۔"

شاہ رخ نے ایک بار بتایا تھا جب وہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا سب کو کسی شخص کا قصہ سنا رہا تھا' جو بقول اس کے اس کے کسی ایک نانا کے دوست تھے۔

"بخت بھائی لوگوں کے تو ایک آدھ نانا ہوتے ہیں آپ کے تو اتنے سارے نانا ہیں آپ کو تو بڑی مشکل ہوتی ہوگی سب کو بلانے میں' نانا نمبر ایک' نانا نمبر دو۔"

شاہ میر نے اچانک ہی پوچھ لیا تھا۔

"ارے نہیں بھائی بس چھوٹے نانا' بڑے نانا' ہمایوں نانا' یا بر نانا' اکبر نانا۔"

"ارے آپ کے ناناؤں نے تو سب مغل بادشاہوں کے نام چرا لیے ہیں۔"

شاہ میر اگرچہ سائنس کا اسٹوڈنٹ تھا' لیکن اسے تاریخ سے بھی بہت دلچسپی تھی۔

"لگتا ہے آپ کا سلسلہ کہیں مغلوں سے ملتا ہے۔"

"ہاں یار کچھ ایسا ہی ہے۔ بڑے نانا جہانگیر مرزا کہلواتے ہیں اور فخریہ بتاتے ہیں کہ ان کی والدہ بہادر شاہ ظفر کی پڑپوتی کی نواسی وغیرہ تھیں۔"

وہ بتا کر پھر سے قصہ سنانے لگا تھا اور زینت فاطمہ نے یکدم چونک کر اسے دیکھا تھا۔

مرزا نام نے انہیں چونکایا تھا۔ بالکل وہی آنکھیں۔

ویسا ہی لمبا قد' ویسے ہی ہونٹ' کئی بار ان کا جی چاہا تھا وہ اس سے پوچھیں کہ کیا وہ عباس مرزا کو جانتا ہے۔ کیا اس کے باپ کا نام۔۔۔ انہیں تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ شخص عباس مرزا شادی شدہ تھا یا' لیکن پھر وہ سوچتیں بھلا کیا سوچے گا وہ کہ میں کیوں پوچھ رہی ہوں اور پھر میں کسی عباس مرزا کو کیسے جانتی ہوں۔ لیکن اس روز وہ بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی تھی۔

"تمہارے والد کا کیا نام ہے بلند بخت؟"

"میرے ابو؟"

وہ بے اختیار ہی ہنس پڑا تھا۔

پھپھو میرے ابو کے نام کے ساتھ یہ مغل اور مرزا والا لاحقہ نہیں لگتا۔ ان کا نام سید غضنفر علی شاہ ہے۔"

اور شاہ رخ کے علاوہ سب کو ہی حیرت ہوئی تھی کہ وہ بھی ان کی طرح سید ہے۔"

"دراصل میری امی کی شادی اپنی فیملی سے باہر ہوئی تھی۔ ہماری فیملی میں کوئی رشتہ تھا ہی نہیں' میری امی کے چچاؤں اور پھوپھی کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی اور ننھیال میں بھی کوئی جوڑ کا نہ تھا۔ اس لیے میرے ڈیڈی کے ابو ان کے دوست تھے یوں یہ رشتہ ہو گیا۔"

"لیکن ہمارے ہاں تو سیدوں کی شادیاں غیر سیدوں میں نہیں ہوتیں پھر آپ کے نانا کے دوست نے کیسے اپنے بیٹے کی شادی غیر سیدوں میں کر لی۔"

عظمی اکثر بے وقوفانہ سوال بھی کر جاتی تھی۔

"سب انسان برابر ہیں عظمی بی بی اور کچھ خاندان اب ان باتوں کو اہمیت نہیں دیتے' سید کا کسی غیر سید کے ہاں شادی کرنا اسلام کی رو سے تو غلط نہیں ہے۔ یہ تو ہم انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔"

"ہاں لیکن شاہ جی نے تو قاسم چاچو کے ساتھ زیادتی کر دی نا مجھے کبھی کبھی بہت دکھ ہوتا ہے۔"

عظمی بے حد حساس تھی۔

"برسوں پرانے قوانین توڑنے والوں کو ایسے کرائسس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کسی ایک کو تو قربانی دینی پڑتی ہے۔ گڑیا رانی' سو قاسم انکل نے دی۔ ہو سکتا ہے آنے والی نسلوں کو اس دکھ کا سامنا نہ کرنا پڑے۔"

"یعنی آپ کا مطلب ہے اگر شاہ رخ بھائی یا شاہ میر نے کہیں کسی اور خاندان کی لڑکی پسند کر لی تو شاہ جی انہیں شادی کی اجازت دے دیں گے۔" "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"آپ میرے شاہ جی کو نہیں جانتے' بخت بھائی وہ تو کبھی بھی نہیں مانیں گے۔" اس کے لہجے کے یقین پر بلند بخت نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"نہیں گڑیا وقت کے ساتھ لچک آ ہی جاتی ہے۔"

"شاہ جی میں نہیں آ سکتی۔"

عظمی کے لہجے میں وہی یقین تھا۔

"عظمی تم مجھے ڈرا رہی ہو۔"

شاہ میر نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

"کیا میرو خیر ہے نا کہیں کوئی گڑبڑ تو نہیں۔" بلند بخت نے شرارت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"ہاں میرو یار! ذرا سوچ سمجھ کر۔" شاہ رخ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"ایسے معاملات میں سوچ ساتھ نہیں رہتی مائی ڈیئر شاہ رخ' نہ ہی عقل کام کرتی ہے' کیوں میرو۔"

اور شاہ میر جھینپ گیا تھا۔

"میں تو اس لیے کہہ رہا تھا کہ کہیں مستقبل میں اگر ایسا حادثہ ہو گیا تو۔"

"حادثہ......"

"گڈ...... محبت ایک حادثہ ہی ہوتی ہے۔ اور اس کے لیے اس سے بہتر لفظ کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔"

بلند بخت نے تبصرہ کیا تھا۔

وہ سب کتنی بے تکلفی سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے ایسے میں انہیں شاہ زیب کا خیال آ گیا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا انہیں اس سے ملے۔ اور زارا اسے تو جیسے وہ کراچی لے جا کر بھول ہی گیا تھا۔ کتنی بار انہوں نے اس سے کہا تھا

کہ کچھ دنوں کے لیے وہ اور زارا لاہور آ جائیں۔ یا پھر زارا کو ہی چھوڑ جائے حالانکہ اکثر اسلام آباد آنا ہوتا تھا اس کا۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ بھی شاہ رخ کی طرح سب بہن بھائیوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا شاہ رخ کا بے تکلفی سے شاہ میر اور بوا اسما اور عظمی سے باتیں کرنا۔

"خیر اب حویلی آئے ہیں تو بی بی جان سے کہوں گی وہ شاہ زیب اور زارا کو کچھ دنوں کے لیے حویلی بلا لیں سب بہن بھائی مل جل کر رہ لیں گے۔ اسما بھی شاہ زیب کو یاد کر رہی تھی۔ اور عظمی زارا کے لیے اداس تھی۔"

انہوں نے کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔ اور آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگیں۔ اگر یوں کبھی آدھی رات کو آنکھ کھل جاتی تو پھر نیند مشکل سے ہی آتی تھی۔ ابھی انہوں نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ انہیں لگا جیسے کسی نے اندرونی دروازہ زور سے دھکیلا ہو اور پھر جیسے کوئی دروازہ پیٹنے لگا تھا۔

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"یا اللہ خیر۔!"

وہ بستر سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھیں' لیکن پھر ٹھٹک کر رک گئیں۔ دستک کے ساتھ ہی کسی کے رونے کی آواز آئی تھی۔

پھر شاید کسی نے آواز بھی دی تھی پھر مدھم سی رونے کی آواز اور پھر زور سے دستک تب ہی شاہ جی کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور ان کی آواز آئی۔

"کون ہے' کون ہے؟"

اور زینت فاطمہ نے بھی یکدم دروازے کی چٹخنی کھولی۔ شاہ جی دروازہ کھول چکے تھے' وہ یونہی ننگے پاؤں باہر نکل آئیں اور شاہ جی کے پیچھے لپکیں۔ کھلے دروازے کے باہر شاہ بابا بیٹھے سر اونچا کیے شاہ جی کو دیکھ رہے تھے۔

"مجھے اندر آنے دو۔ مجھے ملنا ہے۔"

"کس سے ملنا ہے؟"

شاہ جی نے تھوڑا سا جھکتے ہوئے ان کا بازو زور سے پکڑا۔

"یہ اس وقت آپ یہاں کیا کر رہے ہیں' جائیے جا کر سو جائیے' جانتے بھی ہیں آدھی رات ہے۔ سب کہاں مر گئے ہیں۔ بدر الدین اور کرم داد۔" ان کی آواز بلند تھی۔ "نہیں' نہیں مجھے مت مارو۔"

وہ ایک دم ان کی آواز سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹے۔

"میں نہیں جانتا' کچھ بھی نہیں جانتا میں کون ہوں۔ میں......"

اور زینت فاطمہ کو وہ رات یاد آ گئی تھی جب داجی ان سے پوچھ رہے تھے۔

"بولو مکرم علی شاہ کون ہو تم۔"

وہ جھرجھری سی لے کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئیں۔ "کیا ہوا ہے شاہ جی۔؟"

شاہ رخ بھی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ چکے تھے۔

"یہ شاہ بابا کی طبیعت شاید ٹھیک نہیں ہے۔ اور یہ یہاں آ کر دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے۔"

"بدر الدین رات کو ادھر نہیں سوتا کیا۔"

شاہ رخ ان کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"مر گئے ہیں کمبخت' افیون کھا کر سو رہے ہیں مفت کی۔ کھا کھا کر حرام خور ہو گئے ہیں۔ صبح دیکھوں گا سب کو۔" شاہ جی نے غصے میں شاہ بابا کے بازو کو جھٹکا دیا۔

"نہیں نہیں مجھے مت مارو۔"

بوڑھے کمزور شاہ بابا کی آنکھوں میں خوف اور آنسو تھے۔ زینت فاطمہ کا دل گداز ہو گیا اور آنسوؤں نے دل کی زمین نم کر دی۔ شاہ رخ نے بے اختیار آگے بڑھ کر شاہ بابا کا بازو تھام لیا۔

"آپ آرام کریں شاہ جی میں چھوڑ آتا ہوں۔ کرم داد کو اور بدرالدین کو بھی جگا دیتا ہوں۔"
شاہ جی نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور زینت فاطمہ جو ایک ایک قدم پیچھے ہٹتی اپنے کمرے کے دروازے تک پہنچ چکی تھیں واپس کمرے میں چلی گئیں اور شاہ رخ بہت نرمی اور محبت سے شاہ بابا کو اٹھانے لگے۔

■■■

"ماہ پلیز اپنے آپ کو سنبھالو۔"
خضر نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔
"اگر تم بھی یوں حوصلہ چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گی تو انکل اور آنٹی کیسے خود کو سنبھالیں گے تمہیں تو ان سب کا سہارا بننا ہے۔ انہیں حوصلہ دینا ہے تم نے اگر ہمت ہار دی تو وہ سب کیسے حوصلہ پائیں گے۔ کیسے جوڑیں گے خود کو۔"
"خضر! وہ ہمارا خواب تھا ہماری امید' ہمارا حوصلہ' ہمارا آسرا بتائیں خضر آپ ہی بتائیں' ہم اس کے بغیر کیسے جئیں گے اور وہ خضر آپ نے دیکھا تھا اسے اس کی آنکھوں میں کتنی حسرتیں تھیں اس کے چہرے پر کیسی یاس تھی' کیسی ناامیدی تھی میری آنکھوں کے سامنے سے اس کا چہرہ نہیں ہٹتا خضر میں آنکھیں بند کروں یا کھولوں بس منوں کا وہی چہرہ......"
وہ رونے لگی۔
"ماہ..... ماہ اس طرح مت کرو تمہارے یہ آنسو مجھے دن رات بے چین رکھتے ہیں۔ تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں ماہ کہ میں کتنا ڈسٹرب ہوں۔ کوئی کام صحیح سے نہیں کر پاتا۔ ان بیتے دنوں میں مجھے شدت سے احساس ہوا ہے کہ تم میرے لیے کتنی اہم ہو تمہاری خوشیاں' تمہارے غم سب مجھ پر اس طرح اثر انداز ہوتے ہیں جیسے سب کچھ مجھ پر بیتا ہو۔ تم روتی ہو تو تمہارے آنسو میرا دامن دل بھگوتے ہیں۔ تمہاری آنکھوں سے جھلکتا کرب میرے دل کو اذیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ منوں خود بھی تو ہمیں بہت عزیز ہے بہت پیارا ہے' ہم پوری کوشش کر رہے ہیں کہ وہ ضمانت پر رہا ہو جائے' پاپا نے ایک بہت بڑے وکیل سے بات کی ہے اس نے کاغذات ضمانت داخل کر دیے ہیں۔"
"آپ جانتے ہیں نا خضر ہم سب جانتے ہیں وہ بے گناہ ہے۔ اس نے جو کہا سب لفظ بہ لفظ سچ ہے لیکن کوئی یقین نہیں کر رہا کوئی اس کی بات نہیں سن رہا۔"
"ہاں میں جانتا ہوں وہ سچ کہہ رہا ہے اور ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
اس نے اسے تسلی دی۔
"کیسے کیسے ہوگا سب ٹھیک خضر وہ لوگ جنہوں نے منوں کو پھنسایا ہے وہ کبھی بھی ہماری کوئی کوشش کامیاب نہ ہونے دیں گے جانتے ہیں وہ کتنے بڑے لوگ ہیں وہ لڑکا اس کا باپ وزیر ہے اور یوں بھی۔"
"اللہ پر بھروسہ رکھو اور دعا کیا کرو اللہ اپنے بندوں کو ہمیشہ مایوس نہیں کرتا۔"
"لیکن ہمارے ساتھ تو سب غلط ہو گیا نا خضر!"
اس کی روتی آنکھوں میں وحشت سی تھی۔
"ہمارے خواب تو بکھر گئے نا۔ کرچی کرچی ہو گئے منوں کا فیوچر تو تباہ ہو گیا اگر وہ سال دو سال بعد چھوٹ بھی گیا تو' تو کیا وہ پھر پڑھ سکے گا کیا وہ۔"
"ماہ!"
خضر نے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے جو ٹھنڈے یخ ہو رہے تھے۔
"ماہ! تم بہت بہادر لڑکی ہو' دیکھو میں جانتا ہوں یہ حادثہ بہت المناک ہے۔ یہ دکھ بہت بڑا ہے لیکن تمہیں اسے قبول کرنا ہے اور خود کو ہر صورت سنبھالنا ہے اگر تم ڈھے گئیں تو۔ آزمائشیں انسانوں پر ہی آتی ہیں ماہ اور بہادر لوگ ان آزمائش کی گھڑیوں میں ہمت نہیں ہارتے۔ تم نے دادی اور انکل کا چہرہ دیکھا ہے تم نے پھپھو کی حالت پر غور کیا ہے اس ڈیڑھ ماہ میں نچڑ کر رہ گئے ہیں سب۔ زوبی' دانی اور موی ان تینوں کے سہمے اور سوکھے ہوئے چہروں پر

کبھی نظر ڈالی ہے؟ ماہ صرف تم ہی ہو ان کا حوصلہ' ان کی ہمت' روما یہاں نہیں ہے وہ جو پندرہ دن یہاں رہی ہے اس کی پڑھائی کا کتنا حرج ہوا ہے۔ تم جانتی ہو وہ تو ابھی بھی نہیں جانا چاہتی تھی لیکن حمنہ پھپھو کے بار بار فون آ رہے تھے کہ اسے واپس آجانا چاہیے۔ میں نے زبردستی اسے بھیجا وہ نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ پڑھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وہ تم سب کو اس طرح دکھ کے ان لمحوں میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہ تم سے چھوٹی ہے لیکن پندرہ دن جو وہ یہاں رہی اس نے جس طرح سب کا خیال رکھا' مجھے حیرت ہوئی کہ اس میں اتنا حوصلہ کہاں سے آ گیا۔ ہسپتال میں کھانا بھجوانا۔ تمہارا انکل۔ پھپھو' دادی سب کا خیال رکھنا کیا اسے منوں سے محبت نہیں ہے کیا اسے خوابوں کے ٹوٹنے اور بکھرنے کا دکھ نہیں ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کی ذرا سی بزدلی اور بے حوصلگی اور کئی خوابوں کو توڑ دے گی ماہ۔"
خضر نے اس کے ہاتھ چھوڑ کر دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے اس کے رخساروں پر پھیلتے آنسوؤں کے قطرے پونچھے۔
"وہ ہر روز فون کرتی ہے ماہ اور تمہارا پوچھتی ہے۔ وہ وہاں بھی بہت بے چین ہے بار بار واپس آنے کو کہتی ہے دیکھو ماہ تمہیں ہر صورت اپنا آپ سنبھالنا ہے۔ حوصلہ کرنا ہے۔ اگر تم ہمت نہیں کرو گی تو میں روما سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ پڑھائی چھوڑ کر واپس آجائے۔"
"نہیں' نہیں پلیز خضر! اسے واپس مت بلانا۔ منوں انجینئر نہیں بن سکا لیکن وہ ڈاکٹر ضرور بنے گی۔"
"منوں بھی انجینئر ضرور بنے گا ان شاء اللہ!" خضر کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری "چلو اٹھو منہ ہاتھ دھو کر آؤ پھر اچھی سی چائے بنا کر انکل کے کمرے میں لے آؤ۔ میں وہاں ہی جا رہا ہوں۔"
وہ اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ خضر صحیح کہتا ہے اسے حوصلہ کرنا ہے اسے سنبھالنا ہے خود کو۔ لیکن وہ تو پچھلے ڈیڑھ ماہ سے خود سے بھی بیگانہ ہو رہی تھی۔ اسے خبر نہیں تھی اس روز وہ کیسے اسکول سے گھر پہنچی تھی۔ شاید مسز مراد اسے اپنی گاڑی میں چھوڑ گئی تھیں۔
وہ آفس سے باہر نکلی تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سب ہی ٹیچرز اس کے گرد اکٹھی ہو گئی تھیں کیونکہ اسی وقت بریک کی بیل ہوئی تھی۔
"کیا ہوا۔" سب پوچھ رہی تھیں۔
"منوں کا میرے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"
تب مسز مراد نے آگے بڑھ کر اسے تسلی دی تھی۔
"حوصلہ کرو ماہ دعا کرو چلو میں تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔"
اور پھر ڈاکٹر صاحب سے اجازت لے کر وہ ان کے ساتھ ہی گھر آئی تھی اور گھر میں جیسے قیامت مچی تھی اماں رو رہی تھیں دادی جائے نماز بچھائے سجدے پہ سجدے کیے جا رہی تھیں اور ابا ساکت بیٹھے تھے۔
"دادی اماں چلیں ہسپتال۔ ابا آپ دعا کیجیے گا۔"
اس نے اس وقت بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا۔ نصیر احمد خان نے صرف سر ہلا دیا تھا۔ بے بسی ان کی آنکھوں میں نمایاں تھی۔
"خضر کو تو اطلاع کر دو ماہ اور اپنے ماموں جان کو۔" مسز مراد کو ہی خیال آیا تھا۔
"کسی مرد کا ہونا بھی تو ضروری ہے۔"
"ہاں ابا آپ نے خضر کو' ماموں جان کو فون کیا؟"
"نہیں مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ میرے تو خبر سن کر حواس ہی جاتے رہے۔ تم جاؤ میں فون کر دیتا ہوں انہیں۔"
اور پھر وہ اور خضر آگے پیچھے ہی ہاسپٹل پہنچے تھے منصور کے دوست کاریڈور میں بیٹھے تھے۔
"کیسے ہوا حادثہ۔" طیبہ بے قراری ہو کر پوچھنے لگیں۔

"میرا منوں کیسا ہے کیسے ہوا حادثہ۔"

آپریشن تھیٹر کی دیوار سے ٹیک لگائے اس نے سنا تھا اس کا دوست تفصیل بتا رہا تھا۔

"وہاں دو گروپ لڑ پڑے تھے۔ حقیقی لڑائی تو دو لڑکوں کے درمیان شروع ہوئی ہم نہیں جانتے لڑائی کیوں ہوئی۔ منصور نے دونوں لڑکوں کو چھڑانے کی کوشش کی تھی حالانکہ میں نے اسے منع بھی کیا تھا۔ وہ دونوں گتھم گتھا تھے منصور ایک لڑکے کا بازو پکڑ کر چھڑا رہا تھا کہ دوسرے نے چاقو نکال لیا اس نے چاقو تو اس لڑکے کو مارا تھا لیکن وہ منصور کے لگ گیا۔ منصور گر گیا تھا اس کا خون تیزی سے بہنے لگا۔ میں نے جلدی سے اسے پکڑ کر پیچھے کیا اس اثنا میں کچھ اور لڑکے بھی اکٹھے ہو گئے تھے اور لڑنے والوں میں سے ایک نے پستول نکال کر گولی چلا دی وہ لڑکا جس نے چاقو نکالا تھا وہ گر پڑا تھا۔ ابھی لڑائی ہو رہی تھی لیکن ہم فوراً ہی منصور کو لے کر ہسپتال آ گئے۔"

خون بہت ضائع ہو گیا تھا چاقو بائیں طرف پسلیوں کے نیچے لگا تھا۔ اس کے دوستوں نے خون بھی دیا تھا۔ پھر وہ اسے آئی سی یو میں لائے تو اس کی بند آنکھوں اور زرد ہوتی رنگت کو دیکھ کر اس سے صبر نہیں ہو سکا تھا وہ بے تحاشا رونے لگی تب خضر اسے باہر لے آیا تھا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو ماہ کہ زندگی بچ گئی۔"

زندگی تو بچ گئی تھی لیکن جب پولیس بیان لینے آئی تو پتا چلا کہ وہ لڑکا جسے گولی لگی تھی موقع پر ہی مر گیا تھا اور پولیس نے قتل کا جرم منصور پر عائد کیا تھا۔

"نہیں یہ جھوٹ ہے غلط ہے۔" منصور بے بسی سے رو پڑا تھا۔ لیکن ساری گواہیاں اس کے خلاف تھیں۔ حتیٰ کہ اس کا دوست بھی اس کے حق میں نہیں بولا تھا اور ہسپتال سے منصور کو جیل لے جایا گیا تھا۔ یہ دکھ ایسا تھا جس نے پورے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا تھا اس پر قتل کا الزام لگانے والے ہاتھ بہت مضبوط تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو اس سارے قصے سے صاف نکال لیا تھا جو رپورٹ لکھی گئی تھی اس میں یہ ہی لکھا گیا تھا کہ جھگڑا منصور اور مرنے والے لڑکے کے درمیان ہوا تھا اور منصور نے غصے میں دوسرے لڑکے سے پستول چھین کر گولی چلا دی۔ جس نے محض ڈرانے کے لیے پستول نکالا تھا۔ اسے حیرت ہوتی تھی کہ لوگ کتنی آسانی سے اتنا بڑا جھوٹ بول لیتے ہیں۔ اتنا فریب اتنا دھوکا ایک بے گناہ پر الزام عائد کر کے کیا وہ مطمئن ہوں گے کیا ان کا ضمیر انہیں ملامت نہیں کرتا ہو گا کہ ایک معصوم اور بے گناہ لڑکے کی زندگی تباہ کی ہے انہوں نے ایسے لوگوں کے ضمیر نہیں ہوتے۔

نصیر احمد خان تو جیسے پھر سے ٹوٹ گئے۔ وہ چارپائی پر پڑ گئے تھے اگر افضال حیدر اور خضر نہ ہوتے تو پتا نہیں کیا ہوتا۔ وہی تو تھے جنہوں نے ہسپتال میں ہر طرح منصور کا خیال رکھا۔ اس کا کیس لڑنے کے لیے وکیل کیا۔ خضر کتنی ہی بار کالج جا کر لڑکوں سے ملا۔ انہیں حقیقت بتانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن سب کو ہی اپنی جان پیاری تھی۔ سب منصور کے لیے دکھی تو تھے، لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ سچ کہہ سکتے وہ قتل ہونے والے لڑکے کے والد سے بھی ملا لیکن وہ تو کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے انہیں پوری طرح یقین دلا دیا گیا تھا کہ ان کے بیٹے کا قاتل منصور ہے۔

منصور ہسپتال سے جیل چلا گیا اور اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی۔ وہ ساری ساری رات جاگتی رہتی تھی لاہور سے نرمل بھی آ گئی تھی۔

"روما یہ کیا ہو گیا ہے ہم نے کسی کا کیا بگاڑا تھا روما۔ کیا قصور تھا ہمارا۔"

وہ کتنی ہی دیر تک اس کے گلے لگی روتی رہی تھی۔

حمنہ خالہ روما کے ساتھ ہی آئی تھیں اور ہفتہ بھر رہ کر واپس چلی گئی تھیں۔ سب کو یقین تھا کہ منصور نے جو بیان لکھوایا ہے وہ ہی صحیح ہے لیکن سب بے بس تھے۔ دعائیں کرتے کرتے اس کے ہونٹ تھک گئے لیکن کوئی معجزہ نہیں ہوا۔ ابھی تک ضمانت بھی نہیں ہو سکی تھی۔ قتل کا کیس تھا۔ ضمانت اتنی آسان بھی نہ تھی۔ وہ پندرہ دن تک اسکول نہیں گئی پھر اسکول سے لیٹر آ گیا کہ وہ یا تو اسکول آئے یا پھر جاب چھوڑ دے۔ مسز مراد بھی اس اثنا

میں دو تین بار آئی تھیں اور سمجھایا تھا کہ "تمہیں اب اسکول آ جانا چاہیے۔ پندرہ دن کی تنخواہ تمہاری کٹ جائے گی پرائیویٹ اسکول ہے یہاں تو اس طرح ہوتا ہے۔"

اور رقم کی کتنی ضرورت تھی پہلے سے زیادہ۔ تب ہمت کر کے اس نے اسکول جانا شروع کیا تھا وہاں تو کسی نہ کسی طرح خود کو سنبھالے رکھتی تھی لیکن گھر آتے ہی بکھرنے لگتی۔ جی چاہتا چیخیں مار مار کر روئے۔ چلائے کیسی ناانصافی تھی، کیسا ظلم تھا۔ آسمان پھٹ کیوں نہیں پڑتا اس ظلم پر؟ وہ سوچتی لیکن کوئی پہلی بار تو ایسا نہیں ہوا تھا کہ کسی منصور کو ناحق بے قصور سزا ملی تھی۔ جیلیں بھری پڑی تھیں بے گناہ اور بے قصور لوگوں سے ان دونوں وہ ابا اور دادی کی دوائیوں سے بھی غافل ہو گئی تھی اور ابا کی کھرابی.... منصور کتنی باقاعدگی سے انہیں ہسپتال لے کر جاتا تھا۔

اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی پانی کے چھپاکے منہ پر مارتے ہوئے ایک بار پھر کتنے ہی آنسو اس کے رخسار بھگو گئے۔ اسے منصور بہت یاد آیا۔ ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا اسے منصور کو دیکھے۔ آخری بار اس نے ہسپتال میں اسے دیکھا تھا جب پولیس کے ایک سپاہی نے اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالی تھی اور وہ دونوں سپاہیوں کے درمیان چلتا ہوا ہسپتال کے کوریڈور میں لمحہ بھر کو رک گیا تھا اور اس نے بے تحاشا آنسو بہاتی ماہ نور اور طیبہ بیگم کو دیکھا تھا۔ کتنی حسرت اور بے بسی تھی اس کی نظروں میں ابھی تو اس کا زخم پوری طرح مندمل بھی نہیں ہوا تھا ابھی تو ٹانکے میں اسے تکلیف تھی۔ اس بے بسی میں کیا کچھ نہ تھا۔ حیرت بے یقینی مایوسی اس کا دل تو جیسے کٹ کٹ کر گرنے لگا تھا۔ "منوں! "وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی تھی لیکن خضر نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ماہ پلیز۔"

اور پھر وہ سپاہیوں کے درمیان سر جھکائے چلتا ہوا ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ طیبہ بیگم کے گلے لگ کر زار و قطار رونے لگی اور پھر جب وہ سر جھکائے گھر داخل ہوئی تھی تو اسے لگا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔ وہ بھاگ کر نصیر احمد خان سے لپٹ گئی تھی۔

"ابا ابا وہ اسے لے گئے ہسپتال سے ہی لے گئے۔ ابا وہ کیسے رہے گا وہاں، کیسے نیند آئے گی اسے وہاں۔ کیسے کھائے گا وہ وہاں کا کھانا ابھی تو اس کا زخم کچا تھا ابا۔"

اور نصیر احمد خان نے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا دلاسا دینے کے لیے ان کے پاس کوئی لفظ نہ تھے نہ ان کے پاس نہ کسی اور کے پاس سب ہی رو رہے تھے تب خضر نے ہی بڑھ کر اسے ابا سے الگ کیا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو ماہ انکل کو اور پریشان مت کرو۔"

"ابا منوں تو اتنا خاموش طبع اور معصوم سا تھا اپنے آپ میں مگن اس کے ساتھ کیوں ہوا ایسا.... کیوں۔"

"بہت سارے کیوں کے جواب نہیں ہوتے ماہ ہمارے پاس۔" خضر نے کہا اور پھر نرمل کو اشارہ کیا کہ وہ اسے وہاں سے لے جائے لیکن وہ تو پوری رات ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہی تھی حالانکہ نرمل نے زبردستی اسے نیند کی ایک ٹیبلٹ بھی کھلا دی تھی۔

منہ دھو کر وہ سیدھی کچن میں چلی گئی۔ دادی کو وہاں دیکھ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"دادی آپ یہاں کچن میں۔"

"ہاں تمہاری ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں میں نے سوچا کہ رات کے لیے کھچڑی بنا دوں سب کھا لیں گے۔"

"آپ اٹھیں دادی میں کر لیتی ہوں۔"

"خضر صحیح کہتا ہے مجھے حوصلہ کرنا ہے اور سب کا خیال کرنا ہے لیکن میں سب سے بے پروا ہو گئی ہوں۔"

"بیٹا! تمہاری طبیعت بھی تو ٹھیک نہیں رہتی اپنا حال دیکھا ہے کیا ہو گیا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں دادی پلیز آپ اٹھیں میں چائے بنا کر پھر کھچڑی بنا دیتی ہوں آپ ابا کے کمرے میں چلیں خضر بھی وہاں ہیں۔"

وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

زوبی اور دانی باہر دادی کے تخت پر خاموشی سے بیٹھے ہوم ورک کر رہے تھے اس نے چائے کا پانی رکھ کر باہر جھانکا اور اس کا دل دکھ گیا۔ کیسے ذرا ذرا سے منہ نکل آئے ہیں ان کے اور کتنے ہی دن ہو گئے میں نے نہ ان کو ہوم ورک کروایا نہ چیک کیا اور مومی۔ اور یہ مومی کہاں ہے۔ کتنے ہی دن ہو گئے تھے وہ اس کے پاس بال بنوانے نہیں آئی تھی پتا نہیں اس کا یونیفارم کون استری کرتا ہے۔ صبح ناشتا بنا کر کون دیتا ہے۔ بال تو وہ صرف مجھ سے ہی بنواتی تھی اماں اور نرمل سے بھی نہیں۔ اس کا کہنا تھا وہ زور سے کنگھی کرتی ہیں جس سے اسے درد ہوتا ہے۔

”مومو! مومی!“

اس نے بے چین ہو کر اسے آواز دی تو بڑے کمرے سے نکل کر وہ کچن میں آ گئی۔ اس کی بے حد گلابی رنگت ماند پڑی ہوئی تھی۔

”مومی تم نے ہوم ورک کر لیا۔“

”جی!“

اس نے سر ہلا دیا تھا۔

”صبح تمہارے بال کون بناتا ہے۔“ بے اختیار اپنے ساتھ لگاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

”دادی یا اماں۔“

کیا منوں کے ساتھ اس کی اماں سے زیادہ رشتہ داری ہے نہیں، لیکن اس میں شاید اماں جتنا حوصلہ نہیں تھا۔ لیکن میں اب ان سب کا خیال رکھوں گی پہلے کی طرح اور مجھے ہی ان کا خیال رکھنا ہے۔

مومل کو واپس جانے کا کہہ کر وہ دل ہی دل میں عہد کر رہی تھی۔

”ماہ آپی سنک میں برتن پڑے ہیں تو میں دھو دیتی ہوں۔“

”ارے نہیں گڑیا میں دھولوں گی تم جاؤ شاباش کھیلو جا کر۔“

اس کے رخسار کو تھپتھپا کر وہ کچن میں چلی آئی۔ پانی ابل رہا تھا۔ اس نے چائے دم کر کے رکھی۔ ایک حادثہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا خاندان کے ہر فرد پر ایک ہی طرح اثر انداز ہوتا ہے۔ بھلا مومی نے پہلے کبھی برتن دھوئے تھے اتنی چھوٹی سی تھی لیکن سب نے ہی اپنے اپنے طور پر اس حادثے کا اثر لیا تھا۔

”تو یہ طے ہے ماہ نور نصیر احمد خان کہ تمہیں خود کو اب اس دکھ سے نکالنا ہے۔ اب ذمہ داریاں پہلے سے بڑھ گئی ہیں۔“

منوں کے ہونے سے کتنا سہارا تھا وہ سارے کام جو پہلے منوں کرتا تھا اب اسے کرنے تھے۔

آنسو ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے تو اس نے بے دردی سے انہیں پیچھے دھکیلا اور پیالیوں میں چائے ڈالنے لگی۔

اور چائے لے کر جب وہ نصیر احمد خان کے کمرے میں آئی تو خضر انہیں کی چارپائی پر بیٹھا ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے ہولے ہولے کچھ کہہ رہا تھا۔ ان کے سامنے چائے ٹیبل پر رکھ کر اس نے ایک کپ طیبہ بیگم کو دیا اور ان کے پاس بیٹھ گئی۔ ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں شاید وہ بھی روتی رہی تھیں۔ پلکیں ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ خضر نے نصیر احمد خان کا ہاتھ چھوڑ کر ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ دھلا دھلا چہرہ روئی روئی آنکھیں۔ چہرے پر بکھری اداسی۔ کتنا خوش تھا وہ ماما نے پاپا کی بات مان لی تھی، حالانکہ جس طرح اس کا ماما کے بارے میں خیال تھا وہ سمجھتا تھا کہ جب کبھی بھی ایسا وقت آیا اسے ماما کی بہت زیادہ مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ماما نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا ساری بات چیت ماما اور پاپا کے درمیان ہی ہوتی تھی اور پھر کتنے شوق سے اس نے منگنی کی انگوٹھی خریدی تھی۔ یہ انگوٹھی وہ اپنے طور پر ماہ نور کو دینا چاہتا تھا۔ اریج، علینہ وغیرہ بھی بہت اشتیاق سے شاپنگ کر رہی تھیں۔ گو کہ تقریب میں صرف گھر کے افراد ہی شامل تھے پھر بھی علینہ اور اریج نے ماما کے ساتھ جا کر ماہ نور کے لیے بہت پیارا جوڑا خریدا تھا اور جب سے افضال حیدر نے نصیر احمد خان کے گھر جا کر

اس کی بات طے کی تھی تب سے اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ماہ نور سے بات کرے اس احساس کے ساتھ کہ وہ اس سے منسوب ہو گئی تھی، لیکن ان دنوں بے حد مصروفیت تھی اور اس روز اس نے پختہ ارادہ کر رکھا تھا کہ آج کم از کم وہ ماہ نور کو فون ضرور کرے گا لیکن پھر یہ حادثہ ہو گیا۔ منصور کے ساتھ جو زیادتی ہوئی تھی اس دکھ نے اس کو ہی نہیں سب کو پریشان کر ڈالا تھا افضال حیدر اور وہ اپنی سی کوشش کر رہے تھے۔ جہاں جہاں تعلقات تھے سب کو کام میں لا رہے تھے لیکن دوسری پارٹی بہت اسٹرونگ تھی اور اس نے ہر قیمت پر منصور کو پھنسانے کا فیصلہ کر رکھا تھا دوسری صورت میں ملزم ان کا بیٹا ہو جاتا۔ ان کی رسائی بہر حال بہت اوپر تک تھی۔ لیکن ایک ہستی اور بھی تو ہے جو سب سے ماورا ہے، اوپر آسمانوں پر اس وقت وہ یہی بات نصیر احمد خان سے کہہ رہا تھا کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھیں جن کا کوئی نہیں ہوتا ان کا اللہ ہوتا ہے۔ وہ جو انصاف کرنے والا ہے۔

”چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔“

سر جھکائے اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے ماہ نور نے سر اٹھا کر کہا تو اس نے چونک کر چائے کا ایک کپ اٹھا کر نصیر احمد خان کو دیا اور دوسرا خود لے لیا۔

”تم اپنے لیے چائے نہیں لائیں۔“

”نہیں۔ جی نہیں چاہ رہا۔“

”تم کل جاؤ گے منوں سے ملنے۔“

نصیر احمد خان نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے بھی لے جاؤ بیٹا۔ میں نے اسے اتنے دنوں سے نہیں دیکھا۔“ ان کی آواز بھرا رہی تھی۔

”لے جاؤں گا۔“ اس نے بائیں ہاتھ سے ان کا بازو تھپتھپایا۔

”خضر میں بھی منوں سے ملنا چاہتی ہوں کیا میں مل سکتی ہوں۔ کیا وہاں لڑکیاں جا سکتی ہیں؟“

”ہاں لیکن تم۔“ خضر سوچ میں پڑ گیا وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”ٹھیک ہے تم اسکول سے کتنے بجے آؤ گی۔“

”جب جانا ہو گا میں اسی وقت آ جاؤں گی، یا پھر چھٹی کر لوں گی کل۔“

”بہتر ہے کہ چھٹی کر لو میں پھر فون کر دوں گا کب جانا ہے۔“ خضر نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

”پھپھو آپ کو بھی لے چلتا ہوں۔“

”نہیں۔“ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں میں نہیں دیکھ سکتی اسے اس حالت میں وہاں مجرموں کی طرح نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔“

وہ رونے لگیں۔ سب یکدم خاموش ہو گئے تھے۔ کسی نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ کبھی منوں کو وہ جیل میں دیکھیں گے ان سب نے تو اپنی آنکھوں میں ایک ہی خواب سجا رکھا تھا۔

”اماں پلیز روئیں نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ بہت جلد منوں ہمارے درمیان ہو گا۔“

ماہ نور نے اپنا دایاں بازو ان کے گرد حمائل کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

”اماں بس آپ اللہ سے دعا کرتی رہیں۔ وہ آپ کی دعا ضرور سنے گا۔ ماں کی دعائیں عرش تک ضرور پہنچتی ہیں۔ آپ دعا مانگیں تو اللہ ضرور سنے گا اماں۔“

وہ ہولے ہولے انہیں سمجھا رہی تھی خضر نے اپنے دل میں اطمینان سا پھیلتا محسوس کیا۔ وہ اس سے ایسی ہی توقع کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا وہ نہ صرف خود کو سنبھال لے بلکہ باقی سب کا بھی خیال رکھے۔ آنے والے وقت کے متعلق ابھی سے کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا لیکن اچھی امید تو رکھی جا سکتی تھی۔

”ماہ نور صحیح کہہ رہی ہے۔ اللہ آپ کی دعا ضرور سنے گا۔“ اس نے ایک مسکراتی نظر ماہ نور پر ڈالی

"عینا تم ایسا کیوں کر رہی ہو مت کرو ایسا۔" اسفر نے بے چینی سے کہا۔

"میں نے کیا کیا ہے۔" ریسیور سے علینہ کی آواز آئی۔

"تم!" اسفر نے بے چینی سے ریسیور کو دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔

"تمہیں پتا ہے کتنے مہینوں سے تم نے مجھے فون نہیں کیا اور جب میں فون کرتا ہوں تو تم مجھ سے بات نہیں کرتی ہو۔ تمہارے پاس سینکڑوں بہانے ہوتے ہیں پہلے تو تم کبھی اتنی مصروف نہیں ہوتی تھیں عینا۔"

ان کے لہجے میں شکوہ در آیا۔

"پہلے تو تمہارے پاس مجھ سے بات کرنے کا بہت وقت ہوتا تھا۔ تم مجھ سے شکوہ کرتی تھیں کہ میں لمبی بات نہیں کرتا اور اب جب میں تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں تو تم ایک دو باتیں کر کے بھاگ جاتی ہو۔"

"تب آپ کو کام ہوتا تھا اب مجھے کام ہے۔"

اس کا لہجہ سپاٹ سا تھا لیکن پھر بھی اسفر کو لگا جیسے اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز ہو۔ عینا کا اندازِ گفتگو اس طرح کا تو نہ تھا پھر۔۔۔ وہ تو اس کی آواز سنتے ہی کھل اٹھتی تھی۔ وہ اس کے لہجے سے اس کے رخساروں پر کھلتے رنگوں کو محسوس کرتے تھے۔

"عینا تم مجھ سے خفا ہو۔" اسفر نے اسی بے چینی سے ریسیور پھر بائیں سے دائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔

"دیکھو آج میں۔"

"نہیں میں ناراض نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ پہلے جیسا ہی سپاٹ تھا۔

"تو پھر۔" اسفر کے لہجے میں استفسار در آیا۔

"دیکھو ہم پھر بات کریں گے اس وقت میں پہلے ہی بہت لیٹ ہو گئی ہوں مجھے اپنی دوست ندا کے ساتھ اس کے کزن کی برتھ ڈے پارٹی میں جانا تھا۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

اسفر پوچھنا چاہتے تھے کہ ندا کے کزن کی پارٹی میں تمہارا کیا کام ہے۔ لیکن اس سے پہلے ہی اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اسفر کچھ دیر ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو خالی الذہنی کی سی کیفیت میں تکتے رہے پھر ایک گہری سانس لے کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور خود تھکے تھکے سے کرسی پر گر گئے۔ یہ آج کی بات نہیں تھی پچھلے دو تین ماہ سے ایسا ہو رہا تھا کہ وہ علینہ کو فون کرتے تو وہ بہت مصروف ہوتی یا پھر اسے کہیں جانا ہوتا۔

"یقیناً" وہ مجھ سے سخت ناراض ہے اور اسے حق ہے مجھ سے ناراض ہونے کا۔"

ایک مبہم سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا۔

وہ مختصریات تو پچھلے ایک سال سے کرنے لگی تھی لیکن اپنی مصروفیت میں الجھ کر انہوں نے کبھی غور نہیں کیا تھا۔ پہلے وہ خود فون کیا کرتی تھی لیکن کچھ عرصے سے اس نے فون کرنا اور لمبے لمبے خط لکھنا چھوڑ دیا تھا کچھ دنوں کے انتظار کے بعد وہ خود ہی فون کرنے لگے تھے۔ تین چار جملوں کا تبادلہ ہوتا اور بس۔ کبھی تو عینا کہہ دیتی تھی بل بن رہا ہے پلیز۔۔۔ اب بند کریں کبھی وہ خود ہی بس خیریت معلوم کر کے فون بند کر دیتے تھے۔ لیکن وہ ان کی بات سنتی تھی ہوں ہاں بھی کرتی تھی اتنی اجنبیت تو اب اس کے لہجے میں در آئی تھی۔

"اور یہ ساری غلطی تمہاری ہے اسفر تم نے اسے اگنور کیا ہے وہ تعلیم ختم کر چکی ہے اب ظاہر ہے اس کی شادی ہونا ہے اور تم منہ سیے بیٹھے ہو۔ وہ تم سے ناراض نہ ہو تو اور کیا کرے۔ پتا نہیں وہاں گھر میں اس کے کتنے پرپوزل آتے ہوں گے اور وہ کیسے منع کرتی ہو گی' ایک حضرت تو گھر میں ہی موجود تھے اس کے خالہ زاد تم سے بڑا احمق اور کوئی نہیں اسفر۔"

انہوں نے خود کو جھڑکا۔

"بہر حال آج میں امی جان سے بات کروں گا۔" انہوں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا۔

"اور جب امی جان پرپوزل لے کر جائیں گی تو پھر دیکھوں گا کیسے ناراض رہتی ہیں محترمہ اور مجھے آج ہر

صورت امی جان سے بات کر لینا چاہیے کوئی کہاں تک انتظار کر سکتا ہے آخر۔ یہ ناراضی بھی اسی لیے ہے شاید۔"

وہ پھر کراچی جا ہی نہیں سکے تھے اور ٹیلی فونک رابطہ تو بس یوں ہی سا تھا حالانکہ جب افضال ماموں نے انہیں منصور کا بتایا تھا تو کتنا دل تڑپا تھا ان کا کہ وہ ایک بار تو جائیں اور جا کر پھپھو کو تسلی دیں۔ یہ کوئی چھوٹی سی معمولی سی بات نہیں تھی منصور کا مستقبل تباہ ہو گیا تھا۔

"تمہارا زیادہ رشتہ ہے یا میرا۔"

جب انہوں نے جانے کا خیال ظاہر کیا تو میاں صلاح الدین نے انڈا چھیلتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تھا وہ سب ناشتے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے جب انہوں نے رات افضال ماموں سے ہونے والی بات کا ذکر کر کے جانے کا عندیہ ظاہر کیا تھا تو میاں صلاح الدین نے ایک تمسخر بھری نظر ان پر ڈالی تھی۔

"آپ کو بھی جانا تو چاہیے۔" انہوں نے ادب سے کہا تھا۔

"میاں میں آپ کے جانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا اور آپ میرے جانے کی بات کر رہے ہیں یوں تو آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔"

وہ دوبارہ انڈا چھیلنے میں مشغول ہو گئے تو عذرا بیگم نے کسی قدر بے چینی سے پوچھا تھا۔

"لیکن یہ سب ہوا کیسے منصور تو اس طرح کا لڑائی بھڑائی والا لڑکا نہیں ہے۔ وہ تو بہت کم گو سا اپنے آپ میں مگن رہنے والا بڑا ذمہ دار لڑکا ہے۔"

"جی امی جان منصور ایسا ہرگز نہیں ہے ماموں جان بتا رہے تھے کہ اسے پھنسایا گیا ہے۔"

"پہلے ہی کیا کم پریشانیاں نہیں ہیں طیبہ کے لیے جواب یہ۔" عذرا بیگم کو دکھ ہو رہا تھا۔

"یہ سب آپ کے بھائی صاحب کا کیا دھرا ہے۔"

میاں صلاح الدین انڈے پر نمک مرچ چھڑکتے ہوئے طنز سے ہنسے تھے۔

"بڑا خاندانی لڑکا ڈھونڈا تھا طیبہ کے لیے جس کا نہ آگا نہ پیچھا۔ نہ جانے کون تھا کس خاندان کا بس پھپھو جان مرحومہ نے فرما دیا۔ افضال کا دوست ہے شریف ہے اور۔۔۔ ایسوں کی اولادیں تو پھر ایسی ہی نکلتی ہیں۔"

عذرا بیگم کے چہرے کا رنگ بدلا تھا اور مبشر نے بھی سر جھکائے ناشتا کرتے ہوئے یکدم چونک کر انہیں دیکھا

"نصیر بھائی کے خاندان کے متعلق افضال بھائی اچھی طرح جانتے تھے ان کے نانا۔"

"عذرا بیگم یہ کہانیاں کسی اور کو سنانا۔" ان کے لہجے میں وہی تمسخر تھا۔

"بہر حال میں کسی ایسے خاندان سے رابطہ نہیں رکھنا چاہتا جن کی اولاد قاتل ہو۔"

"حد کرتے ہیں میاں صاحب آپ بھی طیبہ کوئی غیر نہیں ہے آپ کی بہن ہے۔ ایسے ہی مشکل لمحوں میں اپنوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ مذاق اڑانے والے تو بہت ہوتے ہیں صرف اپنے۔"

"بس۔۔۔"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر بحث ختم کر دی تھی۔ اور اسفر خواہش کے باوجود کراچی نہ جا سکے تھے ہاں انہوں نے طیبہ سے اور نصیر احمد خان سے بہت دیر تک فون پر بات کی تھی تسلی دی تھی۔ وہ میاں صلاح الدین کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے اور نہ ہی اس وقت کوئی بدمزگی چاہتے تھے کیونکہ بہت سارے دنوں سے وہ سوچ رہے تھے کہ انہیں اب علینہ کے سلسلے میں بات کر لینا چاہیے۔ وہ پہلے اسٹیبلشڈ نہیں تھے۔ انہوں نے دو سال کے کنٹریکٹ پر جاب کر لی تھی اور امریکہ جا کر ایم ایس سی کرنے کا ارادہ وقتی طور پر ختم کر دیا تھا۔ ان کی پے تقریباً" تیس ہزار تھی۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس رقم میں علینہ کو وہ آسائشیں نہیں دے سکتے تھے جو اس کا حق تھیں۔ ابھی چند ماہ پہلے ان کا کنٹریکٹ ختم ہوا تھا اور انہیں ایک غیر ملکی کمپنی میں بہت اچھی جاب مل گئی تھی۔ چالیس ہزار تنخواہ کے علاوہ گھر اور گاڑی کی بھی سہولت تھی۔ گو گھر انہوں نے نہیں لیا تھا لیکن بہر حال اب وہ اس پوزیشن میں تھے کہ علینہ کو پرپوز کر سکتے تھے۔ اس کمپنی کی جاب میں یہ فائدہ بھی تھا کہ ہر سال دو افراد کو ہائیر ایجوکیشن کے لیے باہر بھی بھجواتی

بھی انہوں نے بھی اپلائی کر رکھا تھا اور پھر اور بھی مسائل تھے۔ انعم کے سسرال کی طرف سے خاموشی تھی۔ آصف سے بھی رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ اور ان کی بھابی بیگم آ کر ہر روز نئی نئی باتیں کرتی تھیں۔ میاں صلاح الدین کے کہنے پر حاجی عبدالستار نے آصف کے بھائی سے بات کی تھی اور انہوں نے بڑی تسلی دی تھی کہ۔

"آصف ایسا نہیں ہے آپ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ میں اس سے خود ہی بات کروں گا اور جلد ہی ہم رخصتی کروالیں گے۔"

اس سے میاں صلاح الدین تو مطمئن ہوئے ہی تھے باقی گھر کے لوگ بھی مطمئن ہو گئے تھے خاص طور پر جب حاجی عبدالستار نے آ کر بتایا کہ آصف سے اس کے بھائی کی بات ہو گئی ہے انشاء اللہ اگلے سال وہ آ کر رخصتی کروالے گا۔ یوں انعم کی طرف سے جو پریشانی تھی وہ کسی حد تک دور ہو گئی تھی لیکن پھر بھی انہیں انعم کی رخصتی سے پہلے اپنی شادی کی بات کرتے ہوئے شرم آتی تھی اور نہ ہی مناسب لگتا تھا۔

میاں صلاح الدین کا وہی انداز تھا آتے جاتے طنز کے تیر چلاتے رہتے تھے لیکن ہمیشہ کی طرح اسفر صبر سے کام لیتے وہ آج تک میاں صلاح الدین کے اس رویّے کا جواز نہیں تلاش کر سکے تھے۔

"اب امی جان سے بات کر لینا چاہیے۔ شادی بے شک میں انعم کی رخصتی کے بعد ہی کروں گا لیکن۔"

ان کے ہونٹوں پر بکھری مدھم سی مسکراہٹ گہری ہو گئی اب وہ مزید علینہ کی ناراضی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ علینہ ہی تو تھی جس نے ان کے دل کو محبت سے آشنا کروایا تھا۔ وہ تو اس وقت تک اس خوب صورت جذبے سے بے خبر تھے اماں جان کی وفات، امی کا رویّہ اور پھر میاں صلاح الدین کا انداز۔ وہ تو جیسے اپنے اندر اٹھتے سوالوں کے بھنور میں الجھے ارد گرد سے بے نیاز ہو گئے تھے تب علینہ نے ان کے دل کے دروازے پر دستک دی تھی۔ وہ چونکے تھے۔

علینہ اجنبی نہیں تھی لیکن وہ سب احساسات اجنبی لیکن خوب صورت تھے جن سے وہ دوچار ہوئے تھے۔ علینہ کے لکھے گئے خطوط وہ دس دس بار پڑھتے لیکن ان کی سیری نہ ہوتی تھی۔ وہ اسے لفظوں کی شہزادی کہتے تھے۔ اور اب کتنا عرصہ ہو گیا تھا اس نے انہیں خط نہیں لکھا تھا۔ ان سے ڈھیروں باتیں نہیں کی تھیں۔ آج یکایک ہی ان کا دل چاہنے لگا تھا کہ وہ اس سے ڈھیر ساری باتیں کریں۔ انہوں نے کالنگ کارڈ خریدتے ہوئے سوچا تھا علینہ ضرور حیران ہو گی لیکن وہ تو۔۔۔

"اسفی بھائی!" مبشر نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"آپ جاگ رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں آجاؤ۔" ان کا لہجہ بے حد خوش گوار سا تھا۔

"آپ آفس سے آ کر سوئے نہیں۔" وہ اندر آ گیا۔

"نہیں سونے کا موڈ نہیں تھا بیٹھو۔" انہوں نے بیڈ کی طرف اشارا کیا تو وہ بیٹھ گیا۔

"کوئی خاص بات ہے کیا۔" انہوں نے سوالیہ نظروں سے مبشر کی طرف دیکھا۔

"ہاں نہیں تو۔" وہ سٹپٹا کر بولا۔

"ایسا کچھ خاص نہیں پڑھنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا سوچا آپ سے گپ لگالوں۔"

"غزالہ کیا کر رہی ہے۔"

"سو رہی ہے شاید۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"تم کہاں سے آ رہے ہو۔" اسفر بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

"میں سمن کے کمرے میں تھا۔ بھائی آپ اسے سمجھائیں۔ اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ چھ مہینے سال بعد اسے ایسے دورے پڑتے ہیں۔"

"کیوں کیا ہوا یار اتنی کیوٹ سی تو ہے ہماری سمو۔"

"کہتی ہے مجھے نہیں پڑھنا اب۔"

"لیکن کیوں؟" اسفر پریشان سے ہو گئے۔ ایف ایس سی کا امتحان اس نے بہت اچھے نمبروں میں پاس کیا تھا۔ اور مبشر اور اسفر کے اصرار پر انٹری ٹیسٹ کی تیاری بھی کر لی تھی۔ لیکن پھر یکدم ہی اس نے ٹیسٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

"ابا جان پسند نہیں کریں گے شبی۔"

"تو پہلے تم ان کی پسند سے پڑھ رہی ہو سمو۔" مبشر کے لہجے میں بلا کی تلخی تھی۔

"پھر بھی شبی میں اب اس طرح ابا جان کی مرضی کے بغیر مزید نہیں پڑھنا چاہتی۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"دو سال۔۔۔ پورے دو سال سے وہ مجھ سے بات نہیں کر رہے۔"

"تو کیا تم سمجھتی ہو کہ اب تمہارے نہ پڑھنے سے وہ تم سے بات کرنے لگیں گے۔ اس غلط فہمی میں مت رہو۔"

"میں ان کے پاؤں پر گر کر ان سے معافی مانگ لوں گی۔" آنسو اب اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

"کوئی فائدہ نہیں سمن دیکھو میری بہن ابا جان کی نیچر کو تم نہیں سمجھ سکتی ہو۔ ایک بار جب ان کے دل میں گرہ پڑ جائے تو وہ مشکل سے ہی کھلتی ہے۔ اسفر بھائی حسنہ خالہ اور پھر میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ وہ تمہارے معاملے میں کچھ نہیں بول رہے ہیں اسے غنیمت سمجھو اور اس سے فائدہ اٹھاؤ آنی کا سوچ لو۔ ابھی تک وہ حضرت واپس آ کر رخصتی کرانے کی بات نہیں کر رہے۔ آنے والے کل میں کیا ہو گا۔ خدانخواستہ اگر آنی کو کبھی زندگی میں اپنا بوجھ اٹھانا پڑا تو کیا کریں گی وہ۔ کیا ہے ان کے پاس صرف میٹرک تک کی تعلیم۔ میرا کہنے کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ ہم بھی آنی کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔ تم جانتی ہو اسفی بھائی نے صرف آنی اور امی جان کی شادی کی وجہ سے اپنا باہر جانا یوں پون کیا ہے۔ لیکن آدمی کے پاس کچھ ہونا چاہیے اپنے ہاتھ میں۔ تم ذہین ہو تم نے اتنے اچھے نمبر لیے ہیں۔ لڑکیاں اور لڑکے بڑھ بڑھ کر دعا کرتے ہیں تب کہیں جا کر اتنے نمبر لے سکتے ہیں کہ میڈیکل کالج میں داخلہ لے سکیں اور تم کفرانِ نعمت کر رہی ہو۔ مجھے امید ہے تم آسانی سے انٹری ٹیسٹ کلیئر کر لو گی۔ میں اس روز کسی کام سے اکیڈمی گیا تھا سر کہہ رہے تھے تمہاری بہن تم سے زیادہ ذہین ہے بلکہ اکیڈمی میں جو لڑکیاں انٹری ٹیسٹ کی تیاری کے لیے آ رہی ہیں ان میں سب سے زیادہ ذہین۔"

"لیکن شبی ابا جان۔" اس کی سوئی ابھی تک اٹکی ہوئی تھی۔

"ایف ایس سی تک تو خیر تھی لیکن مجھے لگتا ہے میڈیکل کالج کا نام سنتے ہی وہ مجھے قتل کر دیں گے۔"

اس نے دونوں ہاتھوں کی پشت سے رخسار پونچھے تھے۔

"چلو میڈیکل نہ سہی تم بی ایس سی کر لو۔"

مبشر نے سمجھایا تھا اور جب اسفر کو ساری صورت حال کا پتا چلا تو اس رات کھانے کی میز پر انہوں نے میاں صلاح الدین کی طرف دیکھا تھا۔

"ابا جان سمن کا ایف ایس سی کا رزلٹ بہت اچھا تھا۔ میرا خیال تو ہے کہ وہ بھی شبی کے ساتھ میڈیکل کالج میں ایڈمیشن لے لے اچھا ہے گھر کا ڈاکٹر اور گھر کی ہی لیڈی ڈاکٹر۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں یوں بات کی جیسے محض اپنی رائے دے رہے ہوں۔

"ارے میاں آپ کا خیال کیا صاحبزادی صاحبہ نے خود طے کر رکھا ہو گا انہوں نے کیا کرنا ہے اپنی مرضی کی ہے۔ ہمارے تمہارے خیال پر عمل نہیں کریں گی وہ اگر خدانخواستہ عمل کرنا پڑا تو خود کشی کر لیں گی۔"

عذرا بیگم کے ساتھ والی کرسی پر سر جھکائے چھوٹے چھوٹے لقمے توڑتی سمن کا رنگ زرد پڑ گیا تھا اور سر کچھ اور جھک گیا تھا۔ ایک لمحہ کو تو اسفر کی سمجھ میں بھی نہیں آیا تھا کہ اب وہ کیا کہیں لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے اعتماد سے کہا تھا۔

”تو آپ کی طرف سے اجازت ہے ایڈمیشن کی میڈیکل کالج میں۔“

”میری اجازت کی کیا ضرورت ہے بھئی جو چاہے کریں۔“

انہوں نے گویا اس کے کسی بھی معاملے میں دلچسپی نہ لینے کا عہد کر رکھا تھا۔

”ایم اے کریں ڈاکٹر بنیں پی ایچ ڈی کریں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ وہ نیپکن سے ہاتھ پونچھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”عذرا بیگم کھانے کے بعد رمضان سے کہہ کر ایک کپ قہوہ بھجوا دیجیے گا کمرے میں۔“ ان کے ڈائننگ ہال سے جاتے ہی وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کے رونے لگی' تب اسفر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور اس کا سر سینے سے لگا کر تھپکنے لگے۔

”مت رو گڑیا۔“

”سفی بھائی!“ وہ بکھر گئی تھی۔

”ابا جان ابھی تک میری حماقت نہیں بھولے میں کیا کروں ایسا کہ......“

”ایک وقت آئے گا گڑیا جب ابا جان خود ہی۔“

”میرے مرنے کے بعد۔“ اس نے بے حد آہستگی سے کہا تھا لیکن اسفر نے سن لیا تھا۔

”فضول بات مت کرو گڑیا۔“ پھر یہ اسفر اور مبشر کا اصرار ہی تھا کہ اس نے انٹری ٹیسٹ بھی دیا اور میڈیکل کالج میں ایڈمیشن بھی لے لیا۔ میڈیکل کالج میں اس کا ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ میاں صلاح الدین نے اس روز کے بعد پھر نہیں کہا تھا نہ اس کے ایڈمیشن کے متعلق کوئی بات کی تھی اور اب تو اس کے سیکنڈ پروفیشنل ہونے والے تھے پھر آخر کیا بات ہو گئی تھی اسفر پریشانی سے مبشر کو دیکھ رہے تھے۔

”میں بات کرتا ہوں سمن سے لیکن مجھے پتا تو چلے کہ ہوا کیا ہے ابا جان نے کچھ کہا ہے۔“

”نہیں وہ دراصل۔“ مبشر جھجکا۔

”میرا خیال ہے غزالہ نے کچھ کہا ہے اس سے۔“

”کیا۔“ اسفر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”کچھ غلط ہی کہا ہے۔ میرا مطلب ہے یونہی فضول بات کی ہے۔“

”اوہ!“ اسفر نے ہونٹ بھینچے۔ ضرور غزالہ نے فضول ہی بات کی ہو گی وہ دیکھ رہے تھے ان تین ساڑھے تین سالوں میں غزالہ اکثر فضول ہی بول دیتی تھی بلا سوچے سمجھے۔ انہیں مبشر پر ترس آتا تھا اور ان کا دل دکھتا تھا اس کے لیے۔ ابا جان نے حقیقتاً ”ظلم کیا تھا مبشر پر' لحاظ تو اس میں ذرا بھی نہ تھا پہلے جو باتیں وہ کمرے میں مبشر سے کہتی تھی اب سب کے سامنے دھڑلے سے کہہ دیتی۔ اسے اگر خلاف معمول دیر ہو جاتی تو یہ لحاظ کیے بغیر کہ سب بیٹھے ہیں وہ فوراً“ بول پڑتی تھی۔

”کہاں رہ گئے تھے۔ ضرور کسی سہیلی کے ساتھ گھوم رہے ہو گے۔“

مبشر جھنجلاتا اور سب شرمندہ ہو جاتے۔

”وہ کل کالج میں کوئی فنکشن تھا۔ سمن نے امی جان کو بتا دیا تھا اسے دیر ہو جائے گی۔“

اب مبشر جھجکتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ”اور جب وہ دیر سے آئی تو سمن کو دیکھتے ہی غزالہ کہنے لگی۔ ”بڑی دیر کر دی ہے۔“

”کالج میں فنکشن تھا۔“ سمن نے بتا دیا۔

”لیکن بھائی آپ جانتے ہیں نا غزالہ کی عادت عجیب ہے کہنے لگی ہمیں کیا پتا کالج میں فنکشن تھا یا کسی کے ساتھ گھومنے گئی تھیں۔“

بتاتے بتاتے مبشر کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔ اسفر نے بھی بے حد ناگواری محسوس کی اور انہیں غزالہ پر بے حد غصہ آیا۔

”میں نے غزالہ کو ڈانٹا تھا لیکن آنی نے منع کر دیا۔“ مبشر نے سر جھکا لیا۔

”خیر ڈانٹنے کا بھی کیا فائدہ۔“ زیر لب کہتے ہوئے اسفر اٹھ کھڑے ہوئے۔

”میں سمجھاتا ہوں سمن کو اور تم۔“ انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تم کہیں جا رہے ہو کیا۔“

”جی میں حمنہ خالہ کی طرف جا رہا تھا۔ شجی بھائی بھی آئے ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے میں کھانا کھا کر ہی آؤں۔ کھانے پر انتظار مت کیجیے گا۔“

”کھانے تک آجانا شجی ابا جان کو اچھا نہیں لگتا۔ اس روز بھی خفا ہو رہے تھے۔“

اسفر نے نرم لہجے میں سمجھایا۔ مبشر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اس وقت گھر پر نہیں رہنا چاہتا تھا کیونکہ وہ غزالہ کو نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور گھر پر رہتا تو لازمی اس کا سامنا ہوتا۔ اسے غزالہ پر بے انتہا غصہ تھا اس کا جی چاہ رہا تھا وہ تھپڑوں سے اس کا چہرہ لال کر دے اس نے سمن کے کردار پر حملہ کیا تھا۔ کتنی گھٹیا سوچ تھی اس کی۔ اس کی سوچ اتنی ہی تھی۔ لیکن انعم کے سمجھانے پر اس نے غزالہ سے بات نہیں کی تھی۔

”شبی پلیز اسے کچھ مت کہنا۔“

انعم نے اس کی منت کی تھی۔

”خواہ مخواہ جھگڑا بڑھے گا۔ وہ ہنگامہ کرے گی کہ بہن لگائی بجھائی کرتی ہیں اور پھر اگر ابا جان کے کان میں اس طرح کی بھنک پڑی تو جانتے ہو کیا ہو گا۔“

اور اس نے بمشکل ضبط کیا تھا۔ سمن کل سے رو رو کر نڈھال ہوئی جا رہی تھی وہ تو یونہی کوئی کتاب لینے اس کے کمرے میں گیا تھا اور اسے روتا دیکھ کر حیران ہوا تھا۔

”کیا ہوا سمو کیا ابا جان نے کچھ کہا۔“

پہلا خیال اسے یہی آیا تھا اور تب اروتا نے جو اسی کے بیڈ پر بیٹھی تھی معصومیت میں ساری بات بتا دی۔

”بھائی جان نے ایسا کہا تھا تب سے آپی رو رہی ہیں۔“

”اوہ! اس نے یہ بکواس کی ہے میں دیکھتا ہوں۔“ وہ یکدم مڑا تھا لیکن انعم نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔

”پلیز شبی!“ اور کس قدر مجبور ہو گیا تھا وہ سمن کے کمرے سے وہ سیدھا اسفر کے کمرے میں آیا تھا اسے ڈر تھا کہ وہ غزالہ کو سامنے دیکھ کر ضبط نہ کر سکے گا۔ اپنی ذات پر تو وہ اس کے ریمارکس کا عادی ہو گیا تھا لیکن سمن نہیں اسے اس کی اجازت نہیں دے سکتا تھا کہ وہ اس کی بہنوں پر بلاوجہ بہتان باندھے۔ اسفر بھائی سے اس روز اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ غزالہ پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ عذرا بیگم نے بھی سمجھایا تھا۔

”عورت پر ہاتھ اٹھانا مردانگی نہیں ہے شبی۔ اسے پیار سے محبت سے سمجھاؤ۔“

”امی جان میں نے اسے مارا نہیں۔“ وہ شرمندہ ہوا تھا۔

”مارنے تو لگے تھے نا۔“

غزالہ نے کہا تو عذرا بیگم نے اسے ساتھ لگا لیا تھا اور ہولے ہولے سمجھانے لگی تھیں۔

یہاں سب اس کا کتنا خیال کرتے اور کتنی محبت کرتے تھے لیکن غصے سے اس کا اندر کھول رہا تھا تب ہی تو اس نے حمنہ خالہ کے گھر جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہاں شاہرم تھا' شجاع تھا' حمنہ خالہ اور قائم انکل تھے بلند بخت تھا اور نرمل تھی۔

نرمل اپنے نام کی طرح ہی تھی نرم خو اور ہمدرد۔ وہ دونوں ایک ہی کالج میں تھے۔ ایک سال تک تو ان کے درمیان رسمی سی بات چیت ہی ہوتی رہی تھی لیکن پھر پتا نہیں کب اور کیسے ان کے درمیان ایک دوستانہ سا تعلق بن گیا تھا۔ نرمل اس کی پھپھو کی بیٹی تھی۔ اس کی کلاس فیلو تھی خوب صورت تھی ذہین تھی۔

کئی بار اس نے بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں کبھی اس رشتے کے علاوہ اور کوئی خیال نہیں آیا تھا غزالہ کے شک کرنے کے باوجود۔ اس روز وہ بہت ڈسٹرب تھا اور غزالہ کی کسی بات پر بہت ہرٹ ہو کر

گھر سے نکلا تھا۔ گھر پر صرف نرمل تھی۔ وہ جانے کے لیے پلٹا تو نرمل نے اسے روک لیا۔

"شبی بھائی بیٹھ جائیں۔ حمنہ خالہ بس آتی ہی ہوں گی۔ آج ہسپتال میں کچھ دیر ہو گئی ہے انہیں۔"

"غزالہ بھابی کیسی ہیں؟"

اس نے پوچھا تھا اور پھر پتا نہیں کیوں وہ سب کچھ اس سے کہہ گیا تھا۔ وہ حیرانی اور تاسف سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"شبی بھائی آپ ان کا بہت خیال رکھیں پہلے سے زیادہ تو۔"

اس نے سمجھایا تھا اور وہ افسردگی سے مسکرا دیا تھا اور اس روز کے بعد وہ اکثر دل کی باتیں اس سے کرنے لگا تھا اور وہ بھی کسی ناصح دوست کی طرح اسے سمجھاتی صبر اور حوصلے سے کام لینے کا کہتی اور نرمل سے باتیں کر کے وہ ہلکا ہو جاتا تھا۔ وہ اتنی ہی خوب صورتی سے بات کرتی تھی نرم اور دلنشیں لہجے میں کہ وقتی طور پر غزالہ کے موجودگی میں غبار ختم ہو جاتا تھا۔

باتھا۔ اگر ابا جان میری شادی غزالہ کی بجائے نرمل سے کر دیتے تو۔" نہ جانے کہاں سے یہ خیال دل میں آیا تھا وہ اپنی اس سوچ پر خود ہی حیران سا کھڑا رہ گیا۔

"اس گھر میں سوائے عظمیٰ کے سب ہی بدذوق ہیں۔"

بلند بخت نے با آواز بلند اعلان کیا تو ٹی وی پر کرکٹ کا ایک پرانا میچ دیکھتے ہوئے شاہ میر چونکا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا بخت بھائی یعنی کہ میں بھی۔"

اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارا کیا اس کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے اسے اس بات سے انتہائی صدمہ پہنچا ہو۔

"تو اور کیا۔" بلند بخت لاپروائی سے کہتا ہوا گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

"یعنی کہ میں بھی۔" شاہ میر کو جیسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تو تم میں کوئی سرخاب کے پر لگے ہیں۔ تم بھی شاہ رخ اور اسما بی بی کی طرح بہت بدذوق ہو۔"

"یہ زیادتی ہے بخت بھائی۔" اب اس کا انداز احتجاج کرنے والا تھا۔

"میں یعنی شاہ میر جی سی کا اسٹوڈنٹ اور بدذوق کم از کم جی سی کا کوئی اسٹوڈنٹ بدذوق نہیں ہو سکتا ارے بخت بھائی ہم راوین۔" اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔

"تمہارے جیسا ذوق کسی میں ہو تو سامنے آئے۔"

"اچھا تو تم "راوین" ہو سوری یار۔" بلند بخت نے فوراً "معذرت کی۔

"مجھے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ تمہارے جیسا باذوق تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا حتیٰ کہ عظمیٰ بھی نہیں۔"

"بالکل بالکل۔" شاہ میر خوش ہو کر دوبارہ میچ کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہاں تو شاہ میر میری جان ذرا سنو رات میں نے کتنی زبردست نظم کہی ہے۔ کیا کہوں یار بس ایک دم ہی آمد ہوئی اور بس پھر مصرعے پر مصرعے بنتے چلے گئے۔ کیا زبردست چیز تیار ہوئی ہے سنو تو۔"

بلند بخت نے کوٹ کی جیب سے ایک لمبا پرچہ نکالا اور اسے کھولنے لگا۔ پرچہ سارا بھرا ہوا تھا۔

"او مائی گاڈ! بخت بھائی یہ اتنی بڑی ایک ہی نظم ہے۔"

"نہیں آدھی دوسرے کاغذ پر ہے۔"

"یعنی اور بھی۔" شاہ میر کراہا۔

"ہاں ہاں اور بھی ہیں میرے پاس۔ رات مزاج شاعرانہ ہو گیا تھا۔ دو تین غزلیں بھی ہو گئیں۔ یہ نظم سن لو پھر وہ بھی سناتا ہوں۔"

بلند بخت نے کھنکار کر گلا صاف کیا۔

میں آج تجھ سے بچھڑ گیا ہوں تو سوچتا ہوں

تو سوچتا ہوں

کہ ہجر موسم ملن کی پہلی گھڑی سے ہی ساتھ چل رہا تھا۔

عجیب تھیں یہ رفاقتیں بھی

نہ وصل تھا نہ جدائیاں تھیں

"بخت بھائی پلیز میں ذرا یہ میچ دیکھ لوں پھر آپ کا کلام سنتا ہوں۔"

شاہ میر نے استدعا کی اور ٹی وی کی آواز قدرے بلند کر دی۔

"یہ میچ۔" بلند بخت نے آنکھیں میچ کر ٹی وی کی طرف دیکھا۔

"یہ میچ تو کافی پرانا ہو چکا میرا خیال ہے خود جاوید میاں داد کو بھی یاد نہ ہو گا کہ کبھی اس نے یہ میچ کھیلا تھا۔"

"غلط... جاوید میاں داد کبھی یہ میچ نہیں بھول سکتا۔"

"چلو مان لیا یار لیکن تم اسے ایک سو دس بار دیکھ چکے ہو جب کہ میری نظم پہلی بار سن رہے ہو۔"

"اور میں اسے ایک ہزار ایک سو دس بار دیکھنے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔"

شاہ میر پوری طرح میچ کی طرف متوجہ تھا۔ ابھی کچھ دیر بعد وہ تاریخی چھکا لگنے والا تھا۔ شاہ میر کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور چہرے پر دبی دبی سی پرجوش کیفیت۔ بلند بخت کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس نے کاغذ لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا۔

"یار تم نے تو جی سی کا نام ڈبو دیا۔"

تب ہی عظمیٰ ہاتھ میں چپس کا پیکٹ پکڑے اندر داخل ہوئی اور پھر بلند بخت کو دیکھ کر چونکی۔

"ارے بخت بھائی آپ کب آئے۔"

بلند بخت کو دیکھ کر اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔ اس گھر میں سب سے پہلے عظمیٰ اس سے بے تکلف ہوئی تھی۔ جب وہ گھر کے اندر آنے جانے لگا تھا اور ایک طرح سے گھر کے فرد کی حیثیت ہی اختیار کر لی تھی تو شروع شروع میں اسما شاہ اور زینت فاطمہ کا انداز لیا دیا سا تھا۔ وہ بلند بخت سے بے تکلفی سے بات نہ کرتی تھیں کوئی بات ہوتی تو جواب دے دیتیں نہیں تو خاموش رہتیں۔ اسما شاہ جھجکتی تھیں تو کوئی بات نہیں تھی وہ نوجوان لڑکی تھیں۔ بے شک بلند بخت، شاہ رخ کا دوست تھا۔ قائم انکل اور حمنہ آنٹی اسے بیٹا کہتی تھیں، لیکن تھا تو غیر مرد ہی نا، لیکن زینت فاطمہ کا اتنا تکلف سے بات کرنا بلند بخت کو عجیب لگتا تھا اور اس جیسے بے تکلف شخص کے لیے الجھن کا سبب بھی بنتا تھا، جب کہ حمنہ اور قائم شاہ کے گھر میں وہ اب بہت ایزی فیل کرتا تھا۔ حمنہ اس سے ڈھیروں باتیں کرتی تھیں۔ تب ہی ایک روز وہ شاہ رخ سے ملنے آیا اور اس کے اصرار کے باوجود اس کے ساتھ اندر کھانے کے لیے نہ گیا تو شاہ رخ کو حیرت ہوئی۔

"پھپھو اور سیدہ اسما سے نہیں ملو گے بخت۔"

"یار مجھے لگتا ہے پھپھو اور سیدہ اسما بی بی میری وجہ سے ڈسٹرب ہو جاتی ہیں۔ تم میری وجہ سے اپنے گھر کا سیٹ اپ خراب نہ کرو۔"

"اب تو خراب ہو چکا۔" شاہ رخ مسکرائے تھے لیکن پھر فوراً" ہی سنجیدہ ہو گئے۔

"تمہارا آنا نہ تو پھپھو کو برا لگتا ہے بخت نہ سیدہ اسما کو، لیکن تمہیں ہماری حویلی کے ماحول کا تو علم ہے نا۔ بس تم سے بات کرتے جھجکتی ہیں۔ حالانکہ پھپھو تمہیں بہت مس کرتی ہیں تم ایک ہفتے سے نہیں آ رہے تو کتنی بار پوچھ چکی ہیں۔"

"اچھا۔"

بلند بخت کی سیاہ آنکھیں جگر جگر کرنے لگیں۔ اسے محبتیں، گرم جوشی، خلوص، اپنائیت بہت بھاتی تھیں، حالانکہ اسے اپنے خاندان میں بے تحاشا محبتیں ملی تھیں، پھر بھی وہ محبتوں کی بہت قدر کرتا تھا۔ شاہ رخ اور اسفر

یونیورسٹی کے زمانے میں کبھی کبھی اس پر بہت ہنستے تھے۔

"یار یہ کیا عورتوں کی طرح ڈائریاں بھر رکھی ہیں شعروں اور غزلوں سے۔"

شاہ رخ نے اس کی الماری میں رکھی بے شمار ڈائریوں کو ایک بار کھول کر دیکھا تھا۔

"کیوں کیا لڑکوں کو اچھا شعر اٹریکٹ نہیں کر سکتا۔ مجھے جو شعر، نظم اٹریکٹ کرتی ہے میں لکھ لیتا ہوں۔"

اس نے ڈائری شاہ رخ سے چھین لی تھی۔

بالکل لڑکیوں کی طرح ہی کوئی ٹریجڈی پڑھ کر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں۔ جب پہلی بار انہوں نے ایک ساتھ ایک ایسی مووی دیکھی تھی جس کا انجام انتہائی المناک تھا تو اس کی سرخ آنکھیں اور بھیگی پلکیں دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ وہ اتنا ہی حساس تھا ذرا سی بات پر خوش ہوتا اور ذرا سی بات پر اداس ہو جاتا تھا۔

اسے زینت فاطمہ کا لیا دیا انداز کھٹکتا تھا لیکن عظمیٰ آئی تو اتنی جلدی اس سے بے تکلف ہوئی کہ زینت فاطمہ کی بے اعتنائی کا خیال جاتا رہا۔ وہ عظمیٰ کو چھوٹے بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا تھا۔ وہ سیدہ اسما سے صرف ایک کلاس پیچھے تھی گو عمر میں وہ تقریباً تین سال چھوٹی تھی اسما سے لیکن اسما جتنی سنجیدہ تھی وہ اتنی ہی چلبلی اور شوخ۔ عظمیٰ کے لاہور آجانے سے رونق سی ہو گئی تھی اور قائم شاہ کی تو جیسے وہ جان تھی۔

"زینت آپا یہ عظمیٰ تو بالکل مجھ پر گئی ہے۔ ہے نا۔" وہ کہتے تھے۔

"نہیں قامی یہ تو بالکل بڑی آپا جیسی ہے۔ ویسی ہی نازک دل تم پر شاہ رخ گیا ہے مزاجاً بھی عادتاً بھی۔"

"اور شکلاً بھی۔" وہ قہقہہ لگاتے۔

"آپ دعا کریں کہ کہیں وہ میرے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی پسند سے شادی نہ کر لے ورنہ حویلی میں ایک بار پھر وہی کہانی دہرائی جائے گی۔"

بہت دنوں سے انہوں نے حویلی جانے کی ضد چھوڑ دی تھی۔ پتا نہیں زینت فاطمہ نے انہیں کچھ بتایا تھا یا خود ہی انہیں ادراک ہو گیا تھا کہ اب وہ دروازے کبھی ان کے لیے نہیں کھل سکتے۔

یہاں سب ہی سے تو مل لیتے تھے سوائے بی بی جان، شاہ زیب، شاہ جی اور زارا کے۔

"کچھ دیر پہلے آیا ہوں۔" انہوں نے قدرے توقف سے جواب دیا۔

"اور ایک کور ذوق کے ساتھ بیٹھا ایک نظم سنانے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"نظم۔" عظمیٰ نے فوراً "چپس" کا لفافہ آگے کیا۔

"یہ لیں نا چپس اور ہاں کس کی نظم؟ کیا نئی ہے وصی شاہ کی یا فرحت عباس شاہ کی۔"

وہ پر شوق نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

دونوں میں اکثر نظموں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔ عظمیٰ نے اسے اپنا سارا انتخاب دکھایا تھا اور بلند بخت نے بھی اسے اچھی اچھی شاعری کی بکس پڑھنے کو دی تھیں۔ کبھی وہ دونوں سب سے بے نیاز ایک دوسرے کو اپنی پسندیدہ نظمیں سناتے۔

ان تین سالوں میں اجنبیت بالکل نہیں رہی تھی۔ عظمیٰ اب تھرڈ ایر میں تھی، جب کہ سیدہ اسما شاہ میڈیکل کے دوسرے سال میں تھیں۔ اس کے نمبر اچھے تھے وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی اور شاہ جی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ پڑھائی کے وہ پہلے بھی خلاف نہ تھے ہاں وہ چاہتے تھے کہ سیدہ اسما شاہ کے بجائے شاہ میر ڈاکٹر بن جائے اور سیدہ اسما شاہ اپنی پسند کے کسی مضمون میں ماسٹرز کر لیں لیکن شاہ میر نے صاف انکار کر دیا تھا۔

"یہ سائنس کے فارمولے مجھ سے رٹے نہیں جاتے شاہ جی آپ کو کیا پتا یہ ایف ایس سی کیسے میں نے روتے دھوتے کیا ہے وہ بھی اگر دوستوں کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو میں نے تو پھسل ہی جانا تھا ایف ایس سی میں اور پھر دوائیوں کی بو سے تو میرا دل الٹنے لگتا ہے۔"

اور شاہ جی کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی تھی۔

یوں شاہ میر نے اپنی پسند سے اکنامکس اور کمپیوٹر سائنس کے سبجیکٹ چنے تھے اور سیدہ اسما شاہ کو اس کے شوق اور اچھے نمبروں کی وجہ سے ڈاکٹر بننے کی اجازت دے دی تھی۔

"اچھا ہے خاندان میں ایک ڈاکٹر ضرور ہونا چاہیے۔"

اور عظمیٰ اس نے تو سمپل ایف اے کرنے کے بعد اب تھرڈ ایر میں داخلہ لیا تھا اور وہ اکثر کہتی تھی۔

"میں اردو میں ایم اے کروں گی؟"

"کیا اردو بھی کوئی ماسٹرز کرنے والا سبجیکٹ ہے۔" شاہ میر اسے چڑاتا۔

"اور پھر پنجابی میں ماسٹر کروں گی؟"

وہ شاہ میر کی پروا نہیں کرتی تھی اس کا ارادہ پختہ تھا اور اب تو بلند بخت بھی اس کی پوری سپورٹ کرتا تھا۔

"عظمیٰ تم ضرور اردو میں ہی ماسٹر کرو۔ میں خود کرنا چاہتا تھا۔ لیکن افسوس میرے بزرگوں کے خواب میرے خوابوں سے ٹکرا گئے۔"

"او وری سیڈ!" عظمیٰ کو سچ مچ افسوس ہوتا۔

"وہ بھی کوئی شاعر ہیں۔" بلند بخت اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"ہائے نہیں بخت بھائی وہ وصی شاہ کی وہ کتنی اچھی نظم ہے۔

کاش میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوتا اور فرحت عباس شاہ کی وہ شام کے بعد"

"اس سے اچھی نظمیں بھی لکھی گئی ہیں۔"

"اچھا پھر ضرور امجد اسلام امجد کی ہوگی۔ سنائیے نا مجھے۔ آپ کو تو پتا ہے نا مجھے امجد اسلام امجد کی نظمیں کتنی پسند ہیں۔ کیا کوئی نئی نظم ہے۔"

"ہاں ہے تو نئی ہی لیکن امجد کی نہیں ہے۔"

"پھر کس کی ہے۔" وہ اشتیاق سے بلند بخت کو دیکھ رہی تھی۔ بلند بخت نے پھر کوٹ کی جیب سے نظم نکالی۔

میچ ختم ہو گیا تھا۔ شاہ میر نے ٹی وی آف کیا اور عظمیٰ کی طرف دیکھا۔

"بخت بھائی نے خود لکھی ہے اور وہ بھی تین چار صفحات پر مشتمل۔"

"رئیلی!" عظمیٰ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا کہ آپ لکھتے بھی ہیں۔" اس نے گلہ کیا۔

"پہلے مجھے خود بھی نہیں پتا تھا۔" بلند بخت اب کاغذ کھول رہا تھا۔

"دراصل کسی بھی بیماری کے جراثیم بعض اوقات شروع میں پتا نہیں چلتے اچانک حملہ کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے۔" شاہ میر نے سنجیدگی سے کہا تو بلند بخت نے اس کی پیٹھ پر زور سے ہاتھ مارا۔

"لیکن تم میں تو پیدائشی کرکٹ کے جراثیم موجود تھے۔"

"اوہ" "آہ" ہاں۔" وہ کراہا۔

"شاہ میر پلیز سننے دو نا۔" عظمیٰ پر شوق نظروں سے بلند بخت کو دیکھ رہی تھی بلند بخت کھنکارا۔

"بھائی یہ تمام شاعر حضرات کلام سنانے سے پہلے کھنکارتے کیوں ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی فیشن ہے۔"

شاہ میر نے معصومیت سے پوچھا تو عظمیٰ نے اسے گھورا۔

میں آج تجھ سے بچھڑ گیا ہوں۔
تو سوچتا ہوں۔
کہ ہجر موسم ملن کی پہلی گھڑی سے ہی ساتھ چل رہا تھا۔
عجیب تھیں یہ رفاقتیں بھی
نہ وصل تھا نہ جدائیاں تھیں

"واہ۔" عظمیٰ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

"پہلی نظم اور وہ بھی اس قدر "دردیلی" خدانخواستہ کوئی حادثہ تو دلِ ناتواں پر نہیں گزر گیا۔" شاہ میر کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"پٹو گے مجھ سے شاہ میر۔" بلند بخت غالباً "عظمیٰ کی وجہ سے جھینپ گیا۔

"ویسے بلند بخت بھائی آپس کی بات ہے آپ تینوں دوست اسفر بھائی شاہ رخ بھائی اور آپ ابھی تک لنڈورے پھر رہے ہیں جب کہ آپ کی عمر کے لوگ تین تین بچوں کے باپ تو بن ہی چکے ہوں گے لیکن آپ تینوں۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبا کر شرارت سے مسکرایا۔

"ہم ابھی خود بچے ہیں میرو جان۔ اور عظمیٰ بی بی ذرا دیکھیے اگر شاہ رخ نہا دھو کر اپنی آرائش و زیبائش سے فارغ ہو چکا ہو تو اسے کہنا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی تیاری تک دولہا دلہن کو لے کر رخصت ہو چکا ہو اور ہم خالی کرسیوں اور میزوں کو سلامی دے کر واپس آجائیں۔"

"ابھی تو صرف آٹھ بجے ہیں بھائی۔"

عظمیٰ نے سامنے کلاک پر نظر ڈالی "اور یہاں تو سنا ہے باراتیں گیارہ بجے سے پہلے نہیں آتیں' حمنہ خالہ بتا رہی تھیں۔"

"یہ ذرا پینڈو سے لوگ ہیں وقت کے سخت پابند۔" بلند بخت نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"بھائی وہ نظم۔"

"یہ لو خود پڑھ لینا۔" بلند بخت نے فراخ دلی سے اوراق اس کے حوالے کر دیے اور شاہ میر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں تو صاحبزادے کیا فرما رہے تھے آپ۔" بلند بخت نے اس کا کان پکڑ کر ہلکا سا موڑا۔

"حد ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔"

"اچھا کان تو چھوڑیں۔"

"بات یہ ہے۔" بلند بخت نے اس کا کان چھوڑتے ہوئے سرگوشی کی۔

"پہلے تو ہم تینوں کا خیال تھا کہ امریکہ سے ہی لے آئیں گے امریکن بیوی ہوتی تو یہاں بھی ذرا شان بن جاتی۔ رعب داب پڑتا لوگوں پر لیکن پھر ہوا یوں کہ میرے امریکہ جانے کا سن کر پہلے تو میرے منجھلے نانا کو غشی کے دورے پڑنے لگے۔ ستر اسی سال کی عمر۔ میں ڈر ہی گیا کہ کہیں رخصت ہی نہ ہو جائیں۔ پھر چھوٹے نانا کا بلڈ پریشر لو ہو گیا اور انہوں نے کہا۔

"بیٹا مجھے اپنے ہاتھوں قبر میں اتار کر جانا غیروں کے ہاتھوں جنازہ نہ اٹھے تب سے بیٹا جی انتظار میں ہوں لیکن چھوٹے نانا کا فی الحال جانے کا کوئی ارادہ نہیں لگتا اور شاہ رخ اور اسفر میاں میرا ساتھ نبھا رہے ہیں۔ اسے کہتے ہیں وفا میری جان۔"

"تو پھر مجبوراً" یہاں ہی پسند کر لیں۔" شاہ میر نے مشورہ دیا۔

"میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ میرے چھ عدد نانا صاحبان کسی ایک خاندان اور ایک لڑکی پر متفق نہیں ہوتے شکر ہے بڑے نانا اس جھمیلے میں پڑنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے' ورنہ وہ بھی ان چھ بھائیوں کی طرح اس وقت حیران و پریشان و سرگرداں ہوتے۔"

"اور اسفر بھائی اور شاہ رخ بھائی آپ کا ساتھ نبھا رہے ہیں۔"

"بالکل بالکل وفا اور دوستی اسے ہی کہتے ہیں۔" بلند بخت نے بڑے زور و شور سے سر ہلایا۔

تب ہی شاہ رخ لاؤنج میں داخل ہوئے۔

"سوری یار تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ میں شام کو یوں ہی ذرا آرام کے لیے لیٹا تو آنکھ لگ گئی۔ کیا خیال ہے چلیں اب۔"

بلند بخت نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

"نو بجے تک نکلیں گے بیٹھ جاؤ اور ایک ایک کپ چائے نہ ہو جائے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" شاہ رخ نے شاہ میر کی طرف دیکھا۔

"جاؤ چائے کا کہہ دو۔"

"ویسے آپ کو کس کی شادی میں جانا ہے۔" شاہ میر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک کولیگ ہیں۔" بلند بخت نے جواب دے کر شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

"آج تو غضب ڈھا رہے ہو۔ تمہارے سامنے تو یوں بھی میری ویلیو زیرو ہو جاتی ہے۔ آج تو لگتا ہے خوب دل لگا کر تیار ہوئے ہیں۔ لڑکیوں نے تو آج مجھے گھاس بھی نہیں ڈالنی۔" شاہ رخ نے ایک تنبیہی نظر اس پر ڈالی۔

"شاہ میر کا تو کچھ لحاظ کر لیا کرو۔"

"شاہ میر اب بچہ نہیں ہے اپنا یار ہے جانتا ہے سب۔" بلند بخت نے شوخی سے کہا۔ شوخ و شریر تو وہ ہمیشہ سے تھا اب شاہ ہرم کی صحبت نے چار چاند لگا دیے تھے۔ دونوں مل کر رونق لگاتے تھے۔

شاہ رخ پہلے سے بھی زیادہ سنجیدہ ہو گئے تھے۔ ایک پرسوز سی کیفیت آنکھوں میں آٹھہری تھی۔ جانے کس آگہی کے کرب سے ان کا دل چھلتا رہتا تھا۔ انہوں نے بھی فی الحال باہر جا کر پڑھنے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ بلند بخت کے خاندان والے کسی صورت اسے باہر بھیجنے کو تیار نہ تھے۔ اسفر کے کچھ پرسنل پرابلمز تھے اور انہوں نے بھی ارادہ ترک کر دیا تھا' حالانکہ اسفر اور بلند بخت نے بہت اکسایا۔ لیکن ان کا دل یکدم ہی اچاٹ ہو گیا تھا دل پر ہر وقت جیسے ایک بھاری سا بوجھ پڑا رہتا تھا۔ تقریباً" دو سال پہلے جس طرح شاہ جی نے رات کے وقت شاہ بابا کو حویلی کے اندرونی حصے میں پکڑ کر باہر نکال دیا تھا۔ اس سے انہیں بہت تکلیف ہوئی تھی اور پہلی بار انہوں نے اس قبح شاہ جی کو اتنے غصے میں دیکھا تھا۔ وہ کمالے کو ڈانٹ رہے تھے۔

"زنجیریں ڈال دو پاؤں میں اور چارپائی کے ساتھ باندھ دو۔ آئندہ وہ مجھے حویلی کے اندر کی طرف جاتے دکھائی نہ دیں اور تم لوگ کیا افیون کھا کر سوتے ہو کہ تمہیں پتا نہیں چلا کہ وہ رات کے وقت کدھر جا رہے ہیں۔"

"وہ اپنے حواس میں نہیں تھے شاہ جی۔" شاہ رخ کو اچھا نہیں لگا تھا یہ سب۔

"میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

"شاہ رخ شاہ جس بات سے آپ کا تعلق نہیں ہے اس میں دخل مت دیں۔"

شاہ جی کی آواز گو پہلے جیسی بلند نہ تھی لیکن اس میں سختی تھی۔

"میرا تعلق کیسے نہیں ہے۔" شاہ رخ نے حیرانی سے سوچا تھا۔

"کیا میں اس حویلی کا فرد نہیں ہوں اور حویلی میں ہونے والے واقعات کیا براہ راست یا بالواسطہ مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتے اور شاہ بابا۔"

ان کا دل ان کے لیے ہمدردی سے بھر گیا۔ انہیں رات کو ان کی کیفیت دیکھ کر ترس آیا تھا اور اس وقت بھی ان کا دل بہت گداز ہو رہا تھا اس لیے شاہ جی کی تنبیہہ کے باوجود کمالے کے جانے کے بعد انہوں نے پھر کہا۔

"شاید شاہ بابا کا دل حویلی میں سب کے ساتھ رہنے کو چاہتا ہے اس عمر میں تنہائی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے شاہ جی۔ بوڑھے لوگ اپنی فیملی اور خاندان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔"

"تو۔"

شاہ جی نے بھنویں اچکائی تھیں۔

"بھلے رہنا چاہیں لیکن حویلی میں رہنے والے شاہ بابا کا خاندان نہیں ہیں شاہ رخ شاہ۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیے

"کیا مطلب۔" شاہ رخ کو حجت کی عادت نہ تھی پھر بھی وہ الجھ رہے تھے۔

"کیا شاہ بابا بڑے شاہ جی کی اولاد ہیں اور کیا دا جی ان کے بھائی نہیں تھے۔"

"بڑے شاہ جی کے بیٹے یا ان کی ایک غلطی کی نشانی۔ شاہ رخ کیا آپ نہیں جانتے کہ شاہ بابا نے کسی کمی عورت کا دودھ پیا ہے ان کی رگوں میں دوڑنے والا خون صرف بڑے شاہ جی کا ہی نہیں اس کمین عورت کا بھی ہے اس لیے وہ ہمارے خاندان سے نہیں ہیں۔ ہمارا خاندان وہ ہے جس کے خون میں ملاوٹ نہیں۔"

شاہ جی کا غصہ ایک دم بڑھ گیا تھا اور وہ بمشکل غصہ ضبط کر رہے تھے۔

"اور شاہ رخ شاہ مجھے ہرگز پسند نہیں ہے یہ کہ آپ ان کے معاملات میں دلچسپی لیں۔ میں بہتر جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

اور اس روز شاہ رخ کو لگا تھا کہ شاہ جی کبھی بھی قامی چچا کو معاف نہیں کر سکتے اور نہ ہی کبھی شجاع اور شاہ رم کو اپنے خاندان کا فرد تسلیم کر سکتے ہیں اور وہ جو ان کے دل میں ایک امید کا دیا سا جلتا رہتا تھا کہ کبھی وہ شاہ جی کو منالیں گے کہ وہ قامی چچا کو معاف کر دیں اس روز بجھ گیا تھا۔ وہ بے حد مایوس اور دل گرفتہ سے حویلی سے لوٹے تھے اور تب سے ہی یہ بوجھ ان کے دل پر دھرا تھا۔ وہ شاہ بابا کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔

وہ قامی چچا کے لیے حویلی کے دروازے نہیں کھول سکتے تھے۔

"کیا سوچتا ہو گا شاہ میر کہ ہم۔"

شاہ میر کے جانے کے بعد انہوں نے بلند بخت سے کچھ کہنا چاہا لیکن بلند بخت نے انہیں ٹوک دیا۔

"کچھ نہیں سوچتا ہو گا جانتا ہے وہ مجھے بھی اور تمہیں بھی۔"

تب ہی فون کی بیل ہوئی تو وہ جواباً کچھ کہتے کہتے رہ گئے اور فون کی طرف بڑھ گئے۔

"ہیلو!" دوسری طرف زارا تھی۔

"ارے زارا کیسی ہو؟" ان کے لہجے میں بڑے بھائیوں کی سی شفقت تھی۔ دوسری طرف زارا ایک دم رو پڑی۔

"کیا ہوا زارا کیوں رو رہی ہیں آپ۔" وہ یکدم گھبرا گئے۔

"وہ وہ شاہ زیب۔" زارا کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

"کیا ہوا شاہ زیب کو؟ زارا جلدی بتائیں۔"

انہیں لگا تھا جیسے ان کا دل کہیں نیچے پاتال میں گر گیا ہو۔ ریسیور پر ان کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

"وہ دو راتوں سے گھر نہیں آئے۔" زارا نے بتایا۔

"کیا مطلب؟ کیا بتا کر نہیں گیا تھا شاہ زیب؟ کیا خبر اسلام آباد چلا گیا ہو تم نے موبائل پر رنگ کیا۔"

وہ مسلسل سوال کر رہے تھے۔

"نہیں وہ اسلام آباد نہیں گئے۔ ایک دوست سے ملنے کا کہہ کر شام کو گھر سے نکلے تھے پھر آئے نہیں۔ دو راتیں گزر گئیں اور اب پھر رات آنے والی ہے۔"

"کیا پہلے بھی کبھی اس طرح بغیر بتائے وہ گھر سے گیا ہے۔" شاہ رخ نے ایک گہری سانس لے کر پوچھا۔

"ایک بار وہ بھی صرف ایک رات نہیں آئے تھے دوسرے روز دن میں آ گئے تھے۔"

"اوکے تم گھبراؤ نہیں زارا۔ میں آ رہا ہوں پہلی دستیاب فلائیٹ سے اور ہاں تم نے حویلی تو فون نہیں کیا تھا۔"

"نہیں۔" زارا نے بتایا۔ "میں نے سوچا شاہ جی اور بی جان پریشان ہو جائیں گی اور پھر......"

وہ پھر رونے لگی تھی۔

"پریشان نہیں ہونا زارا اور ہاں شاہ زیب کے دوستوں کے فون نمبر مل جائیں تو ادھر پتا کرو میں بہت جلد پہنچ رہا ہوں تمہارے پاس۔"

شاہ رخ نے مڑ کر بلند بخت کو ساری بات بتائی۔ جو پریشان سا صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور پھر ایئرپورٹ فون کرنے کے لیے نمبر ملانے لگا۔

"کیا ہوا منوں کی ضمانت کا۔"

مسز مراد نے اسمبلی میں ہی پوچھ لیا۔ وہ کچھ لیٹ آئی تھیں۔ اسمبلی شروع ہو چکی تھی۔ قرات و نعت کے بعد ایک لڑکی کسی ٹاپک پر بول رہی تھی۔ باری باری ہر کلاس کا طالب علم صبح اسمبلی میں کسی نہ کسی ٹاپک پر بولتا تھا۔

مسز مراد نے گیٹ میں قدم رکھتے ہی ماہ نور کو دیکھ لیا تھا، جو جماعت دہم کی قطار کے پیچھے خاموشی سے سر جھکائے کھڑی تھی۔ ارد گرد سے بے خبر مسز مراد ہولے ہولے چلتی ہوئی اس کے قریب آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"نہیں ہو سکی۔" اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"تمہارا وکیل تو بہت پرامید تھا اس بار پھر۔"

"ہاں بس نہیں ہو سکی۔"

"اور تم گئی تھیں اس سنڈے کو منوں سے ملنے۔"

"ہاں خضر نے بتایا تھا وہ بیمار ہے اسے بخار رہنے لگا ہے۔ میں نے ساتھ چلنے کی ضد کی تو خضر مجھے لے گئے۔ وہ ان چند ماہ میں بہت کمزور ہو گیا ہے، میں دوسری بار اس سے ملاقات کے لیے گئی تھی، اسے وہاں اس حالت میں دیکھنا بہت تکلیف دہ ہے مسز مراد۔"

"کیا کہتا تھا وہ۔"

"کچھ نہیں بس سر جھکائے بیٹھا رہا۔ میں اور خضر ہی بات کرتے رہے۔ وہ بہت ناامید اور مایوس لگ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نہ آیا کروں یہ جگہ اس قابل نہیں ہے، لیکن خضر نے کہا یہ تمہارے لیے اداس تھی اور میں خود ساتھ لایا ہوں۔ مسز مراد میرا بھائی منوں وہ جو ہم سب کی امیدوں کا مرکز تھا۔ اس کی آنکھوں میں اتنی مایوسی اور ناامیدی تھی جیسے ڈوبتے ہوئے شخص کی آنکھوں میں ہوتی ہے۔ مسز مراد وہ، وہ بچ جائے گا نا...... میرا بھائی وہ بے گناہ ہے پھر اسے سزا کیسے ہو سکتی ہے۔"

وہ ہولے ہولے باتیں کر رہی تھیں کہ ذاکر صاحب نے اچانک پیچھے سے آ کر انہیں ڈانٹ دیا۔

"مس ماہ نور، مسز مراد بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ اسمبلی میں کھڑے ہو کر باتیں کر رہی ہیں جب آپ باتیں کریں گی تو بچوں نے کیا سیکھنا ہے وہ بھی باتیں کریں گے اسمبلی میں۔"

"سوری سر۔" ماہ نور نے فوراً سوری کر لیا۔

"اپنے گھریلو مسائل گھر پر ہی چھوڑ کر آیا کریں یہاں آپ پڑھانے آتی ہیں۔"

سر ذاکر کو تو موقع چاہیے ہوتا تھا بولنے کا تمام ٹیچرز مڑ مڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"اور مس ماہ نور آپ چھٹیاں بہت کرنے لگی ہیں اور ہم اتنی چھٹیاں افورڈ نہیں کر سکتے۔"

"سر وہ مجھے ابا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا تھا۔"

"اس کے لیے آپ کوئی اور بندوبست کریں ان پندرہ دنوں میں آپ نے تین چھٹیاں کی ہیں۔"

"وہ دراصل۔" ماہ نور نے کچھ کہنا چاہا۔

"آپ کو جو کچھ کہنا ہے اسمبلی کے بعد میرے آفس میں آ کر کہیے گا۔"

بچوں نے ترانہ پڑھنا شروع کر دیا اور وہ کچھ یوں ماہ نور کے قریب کھڑے ہو گئے کہ ان کا بازو ماہ نور کے بازو سے مس ہوا تو ماہ نور بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ترانے کے بعد ذاکر صاحب تو اپنے آفس کی طرف چلے گئے اسٹوڈنٹ اپنی اپنی کلاسز کی طرف جا رہی تھیں جب ماہ نور نے مسز مراد کی طرف دیکھا۔

"آپ پتا نہیں کیا کہیں گے۔"

"جو بھی کہیں خاموشی سے سن لینا۔ ان حالات میں جاب تمہاری ضرورت ہے۔" مسز مراد نے مشورہ دیا۔

"آپ خواہ مخواہ ذلیل ہوتی ہیں مسز مراد آپ کو جاب کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" ان کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے کہا۔

"اس روز جب میں نے چھٹی کی تھی آپ کو کسی بچی کے پیرنٹس کی شکایت پر بہت برا بھلا کہا سر نے مجھے ایک ٹیچر نے بتایا ہے۔"

"ہاں لیکن میری غلطی تھی۔ میرا دھیان ان دونوں پڑھائی کی طرف نہیں رہا۔ کاپیاں چیک کرتے ہوئے غلطیاں ہو گئی تھیں۔"

مسز مراد کے لہجے میں یکدم تھکن اتر آئی۔ ماہ نور نے چونک کر بغور انہیں دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ مسز مراد کا چہرہ ستا ہوا ہے اور پریشانی ان کی آنکھوں سے جھلکتی ہے۔ اپنے ہی غم میں کھوئے ہوئے ان بیتے مہینوں میں اس نے کبھی دھیان سے مسز مراد کی طرف دیکھا ہی نہ تھا۔ کوئی مسئلہ تھا تو سہی وہ پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور بھی لگیں اسے اور ان کی رنگت بھی ماند پڑی ہوئی تھی۔ وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو گئی۔ مسز مراد نے اس کا کتنا خیال رکھا تھا۔ منوں جب تک ہسپتال رہا وہ ہسپتال کے چکر لگاتی رہیں اور جب اسے جیل لے گئے تب سے لے کر اب تک کتنی ہی بار وہ اس کے گھر آئی تھیں۔ اماں ابا دادی سب کو تسلیاں دی تھیں ہمت بڑھائی تھی اور پھر اسکول میں کتنی مدد کی تھی اس کی کبھی کاپیاں چیک کر دیں، کبھی ٹیسٹ چیک کر دیئے۔

"بس ایک ٹیسٹ چیک کر دو میں اسے دیکھ کر باقی چیک کر لیتی ہوں۔ تم سے پریشانی میں کہاں چیک ہوں گے۔"

منتھلی ٹیسٹ کی رپورٹ سرذاکر کو دینا ہوتی تھی حالانکہ مسز مراد کا سبجیکٹ نہیں تھا پھر بھی اس کی پریشانی کے خیال سے وہ ٹیسٹ گھر لے گئی تھیں اور اس نے دھیان ہی نہیں دیا پوچھا ہی نہیں۔

"خیر آج ضرور پوچھوں گی۔" سرذاکر کے آفس کی طرف جاتے ہوئے اس نے سوچا۔ سرذاکر ٹیبل سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ وہ اجازت لے کر اندر آئی تو انہوں نے اشارے سے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ لیکن وہ متذبذب سی کھڑی رہی۔

"جی سر۔"

"بیٹھیے مس ماہ نور۔" وہ سہمی سہمی سی بیٹھ گئی۔

"دیکھیے مس ماہ نور مجھے آپ کے فیملی کرائسس کا احساس ہے اور مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے۔ میں نے آپ کا بہت لحاظ کیا ہے۔ پندرہ دن کی چھٹی دی بچوں کا کتنا حرج ہوا آپ جانتی ہیں۔"

"جی سر۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"ہمدردی اپنی جگہ مس لیکن اصول تو اصول ہیں۔ اسکول کے ڈسپلن ڈسٹرب ہوں مجھے پسند نہیں ہے۔ لہٰذا آئندہ بلاوجہ چھٹی مت کیجیے گا۔"

وہ ٹیبل کے پاس سے ہٹ کر اس کی چیئر کے پاس آکھڑے ہوئے۔

"مس ماہ نور آپ یقین کیجیے مجھے آپ کے حالات کا اندازہ ہے اور مجھے اس کا بے حد دکھ ہے۔ اگر مجھے آپ کے دکھ کا خیال نہ ہوتا تو..." وہ رکے اور ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"ایک قاتل کی بہن کو اپنے اسکول میں رکھنا اتنا آسان نہیں ہے شاید آپ کو معلوم نہیں کئی پیرنٹس کے فون آئے میرے پاس کہ۔"

اس نے بے حد حیران ہو کر سرذاکر کی طرف دیکھا۔ بھلا پیرنٹس کو اس کے متعلق کیسے معلوم ہوا۔

"ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں مس۔" انہوں نے گویا اس کے دل کی بات پڑھ لی تھی۔

"لیکن سر میرا بھائی قاتل نہیں ہے۔" غصے کی ایک تیز لہر اس کے اندر اٹھی۔

"اسے پھنسایا گیا ہے اور..."

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، لیکن لوگ کہاں یقین کرتے ہیں۔" انہوں نے جیسے بے دھیانی میں ہاتھ کرسی کے ہتھے پر رکھا۔

"پھر بھی مجھے یقین ہے میں نے مس ہما سے کہا تھا کہ وہ آپ سے کہیں کہ آپ کو کسی مدد کی بھی ضرورت ہو بلا جھجک مجھ سے کہیں۔ میں جس طرح بھی آپ کی مدد کر سکا کروں گا، لیکن شاید مس ہما نے آپ سے نہیں کہا۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

"جی، جی ہاں کہا تھا۔" وہ کچھ نروس سی ہو گئی۔

مس ہما دو تین بار حنا کے ساتھ منوں کی خیریت پوچھنے آئی تو تھیں لیکن انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔

"او اچھا!" ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری اور چہرے پر اطمینان سا نظر آنے لگا۔

"وکیلوں کی فیس وغیرہ پر بہت خرچ ہو رہا ہو گا کچھ رقم کی ضرورت ہو تو اجنبیت مت برتیے گا اپنا سمجھ کر کہہ دیجیے گا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"جی شکریہ!" وہ کھڑی ہو گئی۔

"جب ضرورت پڑے تو کہہ دیجیے گا۔" ان کی نظریں مسلسل ماہ نور کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"تھینک یو سر میں کوشش کروں گی آئندہ چھٹی نہ ہو۔"

وہ باہر آ گئی۔ سرذاکر کا رویہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ ایک طرف اتنے مہربان اور دوسری طرف اتنے سخت کچھ دیر پہلے اسمبلی میں ڈانٹ دیا اور اب اتنی ہمدردی جتا رہے تھے۔ وہ مسز مراد کے کمرے کے پاس سے گزری تو انہوں نے اسے آواز دی۔

"ماہ نور رکو ذرا۔ کیا کہا سر نے؟" کلاس کو خاموش رہنے کا کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکلیں۔

"زیادہ ڈانٹ ڈپٹ تو نہیں کی۔" ان کے لہجے میں تشویش تھی۔

"نہیں صرف یہی کہا کہ مزید چھٹیاں نہ کروں اور ہمدردی کا اظہار کر رہے تھے۔"

"او اچھا۔" مسز مراد کے لبوں سے نکلا۔

"ساری بات پھر پوچھوں گی۔ تمہاری کلاس شور کر رہی ہو گی، جاؤ اور سنو آج ساری ٹیچرز موجود ہیں تم فری پیریڈ میں لائبریری میں آجانا، وہاں بات کریں گے اسٹاف روم میں تو کوئی نہ کوئی ہو گا۔"

ماہ نور سر ہلا کر چلی گئی۔ پڑھاتے ہوئے بھی اس کا دھیان بار بار بھٹک جاتا تھا۔ سرذاکر دل کے برے نہیں ہیں۔ جہاں تک ان کی ڈانٹ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے ڈسپلن تو رکھنا ہی پڑتا ہے اگر ایسا نہ کریں تو کہاں ڈسپلن رہتا ہے اور کبھی وہ مسز مراد کے متعلق سوچنے لگتی کہ ضرور کوئی بات ہے مسز مراد پہلے جیسی فریش نہیں لگتی تھیں۔

جوں ہی چوتھے پیریڈ کی بیل ہوئی۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکل کر لائبریری میں آ گئی۔ وہ یوں ہی اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی۔

لائبریری میں کبھی کبھار ہی کوئی ٹیچر آکر بیٹھتی تھیں۔ ایک دو کے سوا کسی ٹیچر کو پڑھنے کا ذوق نہیں تھا اور بچوں میں سے صرف نویں دسویں کے بچوں کا ہفتے میں ایک پیریڈ ہوتا تھا لائبریری کا اور وہ وہاں آکر اپنی پسند کی کتابیں پڑھتے تھے اور مس ہما ہی ان کے ساتھ آتی تھیں اور کتابیں نکال کر دیتی تھیں۔ وہ اخبار دیکھ رہی تھی کہ مسز مراد آ گئیں۔

"ہاں بھئی بتاؤ کیا کہا سرذاکر نے۔" وہ اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گئیں تو ماہ نور نے اخبار رکھ کر تفصیل انہیں بتائی۔

"ماہ اس شخص سے محتاط رہنا یہ دانہ ڈال رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ سرذاکر دوسروں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک شاید مجھے بھی لوگوں کی پہچان نہ تھی لیکن ان چند ماہ میں میں نے لوگوں کو پڑھنا سیکھ لیا ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ آج کل تم بہت مجبور ہو اور شاید۔"

"نہیں، نہیں مسز مراد ایسی بات نہیں ہے۔ مجھے ان کی آفر قبول نہیں' نہ ہی ابا یا خضر اسے پسند کریں گے۔ خضر اور ماموں جان ہی تو منوں کے لیے سب کر رہے ہیں۔ وکیل اس کی فیس ساری بھاگ دوڑ۔"

مسز مراد نے سر ہلایا۔

"جانتی ہوں ماہ بس میں نے احتیاطاً" تم سے ذکر کیا ہے اور ہاں پھر تمہاری منگنی کی تقریب کا کوئی سلسلہ نہیں ہوا۔"

"نہیں۔" ماہ نور نے مسز مراد کی طرف دیکھا۔

"بڑوں میں تو بات طے ہو گئی تھی نا' پھر حالات ہی ایسے نہ تھے کہ کوئی تقریب کی جاتی۔ ہم سب ابھی تک منوں کے غم سے نہیں نکل سکے مسز مراد۔ ہر دن پہلے سے زیادہ کڑا ہوتا ہے۔ ہر رات کانٹوں پر بسر ہوتی ہے ہماری۔"

"ہاں میں نے دراصل یوں پوچھ لیا کہ اس روز تمہارے ہاتھ میں رنگ تھی تو میں نے سوچا شاید سادگی سے تقریب کر دی ہو۔ تم نے پہلے کبھی رنگ نہیں پہنی نا۔"

"ہاں وہ رنگ۔" ماہ نور کے چہرے پر حیا کے رنگ بکھر گئے وہ خضر کے ساتھ منوں سے مل کر واپس آ رہی تھی کہ راستے میں خضر نے کہا۔

"ماہ! ماما اور علینہ وغیرہ تمہارے لیے خریداری کر رہی تھیں تو میرا جی چاہا میں اپنی طرف سے بھی تمہارے لیے کچھ لوں۔ یہ نسبت جو میرے اور تمہارے درمیان طے پائی ہے میرا دل چاہتا تھا اس خوب صورت بندھن کی یادگار کے طور پر میں تمہارے لیے خود رنگ خریدوں۔ یہ یہ صرف رنگ نہیں ہے ماہ اس میں میرے بہت سے خوب صورت جذبے بندھے ہیں۔ میری محبتیں میرا خلوص میرا اعتبار اور یقین' حالات ایسے نہیں رہے کہ ہم کوئی خوشی منائیں۔ منوں آ جائے گا گھر تو پھر ہم بھی خوشی منائیں گے لیکن یہ رنگ میں ابھی تمہاری نذر کرنا چاہتا ہوں ماہ! اس مضبوط تعلق کی نشانی کے طور پر جو ہمارے درمیان ہے' اس خوب صورت رشتے کے لیے جو ہمارے بزرگوں نے دونوں کے لیے طے کیا ہے۔ یہ رنگ اس بات کی علامت ہو گی ماہ کہ تم میری ہو۔"

وہ ہاتھ گود میں دھرے خاموش بیٹھی رہی۔ خضر نے ڈبیا سے انگوٹھی نکال کر اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں پہنا دی۔ وہ گھبرا سی گئی۔

"لیکن خضر میں اماں ابا سب کو کیا کہوں گی۔ یہ پلیز آپ رکھ لیں ابھی۔"

"نہیں ماہ تم اسے واپس مت کرو۔ کوئی کچھ نہیں کہے گا' چاہو تو پھپھو کو بتا دینا۔"

اور تب وہ خاموش ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ خضر برا مان جائے گا' تب گھر جاتے ہی اس نے طیبہ کو بتا دیا وہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔

"اماں!" وہ ان کی خاموشی سے گھبرا گئی۔

"میں نہیں لینا چاہتی تھی لیکن وہ خضر۔"

"ٹھیک ہے۔"

اس روز تو انہوں نے مزید کچھ نہیں کہا تھا لیکن دوسرے روز جب وہ کچن میں آئی تو طیبہ نے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ماہ بیٹا! یہ سچ ہے کہ ہم نے تمہارا رشتہ خضر سے طے کر دیا ہے۔ لیکن بیٹا میں مناسب نہیں سمجھتی کہ تم یہ رنگ پہنے رکھو' کس کس کو بتاؤ گی خضر نے دی ہے' ہو سکتا ہے کہ سعدیہ بھابی اور علینہ وغیرہ کو اچھا نہ لگے۔ بیٹا اس کو سنبھال کر رکھ دو۔"

"کیا خضر نے دی ہے۔" مسز مراد اسے خاموش دیکھ کر جیسے سمجھ گئی تھیں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"پھر اتار کیوں دی۔" انہوں نے پوچھا۔

"اماں نے کہا تھا۔"

"اچھا خیر اگر انہوں نے کہا ہے تو یہی مناسب ہو گا۔ گو میرے خیال میں کوئی حرج نہیں تھا۔"

"ماہ تم ان سارے مہینوں میں اتنا پریشان رہی ہو کہ میں تم سے اپنا دکھ شیئر نہیں کر سکی حالانکہ کئی بار جی چاہا کہ صرف تم سے کہہ دوں۔ کوئی ایک تو ہو جس سے دل کی بات کروں۔"

ماہ نور خضر کے خیال سے چونکی۔

"میں تو خود آپ سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔ بس اپنی پریشانیوں میں الجھ کر پوچھ ہی نہیں پائی۔ ہفتے میں ایک بار تو مل بیٹھنے کا موقع ملتا ہے اور گھر جا کر میں ہمیشہ سوچتی ہوں کہ کل ضرور آپ سے پوچھوں گی کہ کیا مسئلہ ہے۔"

"ماہ!" مسز مراد نے ایک گہری سانس لی۔

"مراد نے شادی کر لی ہے وہاں......" ان کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی۔ ماہ نور نے بے اختیار ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"کب کیوں۔"

"کیوں کا تو میرے پاس جواب نہیں۔ شاید اسے ضرورت تھی۔ شاید میں..." انہوں نے لب بھینچ لیے۔

ماہ نور ان کے بازو پر ہاتھ رکھے تاسف سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ بھلا کیا کمی تھی مسز مراد میں جو......

کچھ دیر کے توقف کے بعد انہوں نے اپنی اور مراد کی ساری گفتگو ماہ نور کو بتا دی۔ اور ماہ نور کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ کیا کہے۔

"آپ نے بھائی بھائی کو بتایا۔" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

"نہیں کسی کو بھی نہیں' مجھے اپنا بھرم نہیں کھونا ماہ۔ تم بھی کسی سے مت کہنا۔ مجھے لگتا تھا میں کسی سے یہ دکھ شیئر نہیں کروں گی تو میرا دل پھٹ جائے گا۔"

"آپ اب کیسے رہیں گی بالکل اکیلی' بالکل تنہا۔"

"میں تو ہمیشہ سے اکیلی ہوں۔" ایک افسردہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر بکھر گئی۔

"یہ جاب بھی تو تنہائی دور کرنے کا ایک ذریعہ ہی ہے نا۔"

اور انہوں نے تو تنہائی دور کرنے کا جو دوسرا ذریعہ تلاش کیا تھا وہ' وہ چاہتے ہوئے بھی ماہ نور سے شیئر نہیں کر سکی تھیں۔ ان کے دل پر جیسے کوئی بھاری سا بوجھ آ گرا۔

وہ خاتون انہیں ایک فنکشن میں ملی تھیں۔ یہ فنکشن ان کی ایک ملنے والی خاتون کے ہاں تھا۔ ان خاتون نے بیٹی کی کامیابی پر یہ گرینڈ پارٹی دی تھی۔ وہ بہت کم کسی فنکشن وغیرہ میں جاتی تھیں۔ آس پاس رہنے والوں سے ان کے کوئی خاص تعلقات نہ تھے' لیکن شاید اس روز وہ بہت تنہائی محسوس کر رہی تھیں یا پھر انہوں نے سوچا کہ اتنی پہاڑ سی زندگی تنہا گزارنی ہے تو لوگوں سے ملنا ملانا رکھنا چاہیے' تب ہی تو جب بیگم مسرور انہیں دعوت دینے آئیں تو انہوں نے وعدہ کر لیا۔ بیگم مسرور سے ان کی دعا سلام تھی جب وہ ان کے بلاک میں رہتی تھیں تو وہ تین بار ان کے اصرار پر وہ ان کے ہاں محفل میلاد وغیرہ میں گئی تھیں۔ ان کے میاں ایک بڑے بزنس مین تھے اب اگرچہ انہوں نے دوسرے بلاک میں گھر لے لیا تھا لیکن اپنی اکلوتی بیٹی کی کامیابی میں دی جانے والی پارٹی پر انہوں نے اپنے تمام پرانے پڑوسیوں کو انوائیٹ کیا تھا۔ لیکن وہاں جا کر وہ بہت بور ہوئیں۔ سب ہی برگر تھیں وہ خود کو وہاں مس فٹ محسوس کر رہی تھیں جب وہ لڑکی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ غالباً بور ہو رہی ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"میرا نام نیلی ہے میں بہت دیر سے آپ کو واچ کر رہی تھی کیا آپ اکیلی آئی ہیں یا آپ کے ہسبینڈ بھی آئے ساتھ۔"

"میں اکیلی ہی آئی ہوں۔ میرے ہسبینڈ ملک سے باہر ہوتے ہیں۔"

"او تب ہی۔" اس نے ہونٹ سکیڑے۔

"کتنے عرصہ بعد آتے ہیں۔"

"پانچ چھ سال بعد چکر لگتا ہے۔"

"بچے۔" اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

"نہیں ہیں۔"

"او مائی گاڈ! کیسے وقت گزرتا ہے آپ کا؟ آپ کو پہلے کبھی میں نے کسی فنکشن میں نہیں دیکھا؟"

"میں جاب کرتی ہوں ایک اسکول میں۔" انہوں نے بتایا۔

"اور اسکول سے آکر باقی وقت۔"

"بس ٹی وی دیکھتے سوتے ہوئے گزر جاتا ہے۔"

"آپ کو فرسٹریشن نہیں ہوتی مسز۔"

"مسز مراد۔" انہوں نے اپنا نام بتایا۔

"آپ کسی کلب کو جوائن کیوں نہیں کر لیتیں۔" وہ خاموش ہی رہی تھیں۔

"یہ مرد۔" اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"یہ خود تو بیٹھ جاتے ہیں دوسرے ملکوں میں جا کر اور انہیں احساس نہیں ہوتا کہ بیویاں بے چاری تنہا رہ کر کیسے فرسٹریٹڈ ہو جاتی ہیں۔"

اب کے مسز مراد نے بغور اسے دیکھا۔ وہ بے انتہا خوب صورت لڑکی تھی سنہری بال جو غالباً "ڈائی" کیے گئے تھے دلکش ہونٹ۔ غضب کا سراپا۔

"میں لاہور سے بیاہ کر کوٹری آئی تھی۔ ادھر اس طرف اور ملتان سے آگے میرے سسرال والوں کی بہت زمین اور جاگیر ہے۔ زمین کے بٹوارے کے سلسلے میں بھائیوں میں جھگڑا ہے۔ میرے ہسبینڈ مجھے اور بچوں کو یہاں چھوڑ گئے ہیں۔ دو بچے ہیں میرے سات اور آٹھ سال کے انہیں یہاں کے اچھے اسکولوں میں داخل کروا دیا۔ ڈیفنس میں یہ بڑا گھر لے دیا۔ خود چھ سات ماہ میں چکر لگاتے ہیں۔ اکیلے رہ رہ کر میں تو فرسٹریٹڈ ہو گئی تھی اور پھر وہ بوڑھا ماما چوکیدار بنا کر بھیج دیا تھا ساتھ۔ لیکن تھینک گاڈ مجھے میڈم مل گئیں ایک فنکشن میں انہوں نے کلب بنا رکھا ہے فرسٹریشن کا شکار خواتین کے لیے۔ آپ بھی ان کا کلب جوائن کر لیں سچی پھر آپ بھی یوں ڈپریس نہ ہوں گی وہ دیکھیں۔"

اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ایک ینگ لڑکی جو سلیولیس ٹی شرٹ اور اسکن ٹائیٹ ٹراؤزر میں تھی ایک ادھیڑ عمر شخص کے کندھے پر ہاتھ مار کر ہنس رہی تھی اس کے بائیں ہاتھ میں سگریٹ تھا۔

مرد حال کے دوسرے حصے میں تھے گو درمیان میں کوئی پارٹیشن وغیرہ نہیں تھا۔

یہ بھی فرسٹریشن دور کرنے کا ایک طریقہ ہے۔

"اور وہ کلب وہاں کس طرح کی ایکٹی ویٹیز ہوتی ہیں۔" ان کا دل چاہا وہ اس کلب کو جوائن کر لیں۔

"بہت صحت مندانہ ایکٹی ویٹیز۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں یہ لڑکی نیلی اچھی لگی تھی۔"

"آپ کے ہسبینڈ یہاں ہی کیوں نہیں رہتے آپ کے پاس۔"

"اسے خوف رہتا ہے کہ اگر وہ کراچی آگیا تو پیچھے سے اس کے بھائی اور چچا زاد قبضہ کر لیں گے اس کی زمینوں پر اسے میری کوئی خاص ضرورت نہیں ہے دل بہلانے کو لڑکیاں بہت ہیں۔" اس نے پھر قہقہہ لگایا۔

"سچ تو یہ ہے کہ میں اس کے بغیر بہت خوش ہوں۔"

ہیرے کا نیکلس ہیرے کی انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ۔ کیا آسائش اور دولت زیور صرف یہ سب عورت کو خوش رکھ سکتے ہیں۔ انہوں نے اس ہنستی ہوئی لڑکی کو دیکھ کر سوچا۔

"پہلے میں بھی آپ کی طرح ڈپریس رہتی تھی۔ پھر میں نے کلب جوائن کر لیا۔ اب میں بہت خوش ہوں آئیے میں آپ کو میڈم سے ملواؤں۔" وہ اٹھی تو غیر ارادی طور پر وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

وہ آتج کا سلیولیس بلاؤز گہرے جامنی رنگ کی ساڑھی۔ وہ کسی کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس رہی تھیں۔ جب نیلی نے ان کے قریب جا کر تعارف کروایا۔

"یہ مسز مراد ہیں شاید عنقریب آپ کا کلب جوائن کر لیں اور مسز مراد یہ ہیں میڈم سفینہ۔"

"مسز مراد۔" ماہ نور نے ان کے بازو سے ہاتھ ہٹا کر ان کی طرف دیکھا۔

"انہوں نے شادی کر لی ہے لیکن آپ ان سے کہیں وہ آپ کو بھی وہاں بلا لیں۔ اپنے بھائیوں سے کہہ کر ان پر دباؤ ڈلوائیں۔"

"اور وہ مجھے طلاق دے دے۔ نہیں ماہ نہیں وہ مجھے کبھی نہیں بلوا سکتا۔"

"پھر پھر کیا ہو گا۔"

"کچھ نہیں۔" پھیکی سی مسکراہٹ سے انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم پریشان نہ ہو۔ میں نے اسی لیے تو اتنے دنوں تم سے بات نہیں کی کہ تم پہلے ہی پریشان ہو۔ انسان اپنی تقدیر پر قادر نہیں ہوتا میرے مقدر میں یہی لکھا تھا۔"

ہاں انسان تقدیر پر قادر نہیں ہوتا کب سوچا تھا انہوں نے کہ منصور کے ساتھ یوں ہو گا۔ ماہ نور نے دلگرفتگی سے سوچا اور کھڑی ہو گئی کیونکہ پیریڈ اوور ہونے کی بیل ہو رہی تھی۔ اور کون جانے آگے کیا لکھا ہے تقدیر میں مسز مراد بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

کاش وہ میڈم سفینہ سے نہ ملی ہوتیں! کاش انہوں نے میڈم سفینہ کا کلب جوائن نہ کیا ہوتا! اپنی اپنی سوچوں میں گھری دونوں اپنے اپنے کلاس روم کی طرف جا رہی تھیں اور اپنے آفس کے دروازے پر کھڑے سر ذاکر بہت غور سے ماہ نور کو دیکھ رہے تھے۔

■■■

"نرمل!" وہ بائیں بازو پر گاؤن ڈالے اور دائیں ہاتھ میں فائل پکڑے تیز تیز چلتا ہوا اس کے قریب آیا جو اس کی آواز سنتے ہی رک گئی تھی۔ وہ دونوں ابھی ابھی میڈم نیازی کا لیکچر اٹینڈ کر کے ان کے روم سے باہر نکلے تھے اور وہ میڈم سے بات کرنے کے لیے رک گیا تھا اور جب میڈم سے بات کر کے باہر نکلا تو اس نے نرمل کو گیٹ کی طرف جاتے دیکھا۔

"نرمل تم گھر جا رہی ہو۔" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"ہاں۔"

"لیکن آج تو سر حفیظ نے "آٹوپسی" کا بتانا تھا سنا ہے ایک لاوارث لاش بھی مل گئی ہے۔"

"میرے سر میں بہت درد ہے۔ شبی میں بس گھر جا کر آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم نے ٹیبلٹ وغیرہ لی۔" مبشر تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"گھر جا کر لے لوں گی۔"

"گھر کیسے جاؤ گی۔"

"وین سے چلی جاؤں گی۔"

نرمل کا سر درد سے پھٹ رہا تھا جب سے منصور کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا تھا اسے یوں ہی اچانک اتنا شدید سر درد اٹھنے لگا تھا کہ بعض اوقات ناقابل برداشت ہو جاتا تھا۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ یہ بھی ایک طرح کا میگرین ہے۔

"تمہیں ڈاکٹر صاحب نے زیادہ سوچنے سے منع کیا تھا نا اور تم سوچتی رہی ہو گی الٹی سیدھی باتیں۔" اس نے بے حد اپنائیت سے کہا۔

”ہونا تو وہی ہوتا ہے نا روما جو مقدر میں لکھا ہوتا ہے منصور کے مقدر میں یہ حادثہ ہونا لکھا تھا سو ہو گیا اور اللہ جب چاہے گا کوئی وسیلہ بنا دے گا۔ تمہارے جلنے کڑھنے سے تو کچھ نہیں ہو گا بس دعا کیا کرو۔“

”دعائیں کر کر کے بھی تھک گئی ہوں شبی۔“

”کرتی رہو۔“ وہ مسکرایا۔

”اللہ کو بہت پسند ہے اپنے بندوں سے دعائیں سننا اور دیکھنا وہ انہیں قبول بھی کرے گا۔“

”اصل مجرم دندناتے پھر رہے ہیں اور منوں۔“ اس کی آواز بھرا گئی۔

”رات آپی سے بات ہوئی تھی وہ وہاں کتنی اکیلی ہیں شبی اور میں یہاں عیش کرتی پھر رہی ہوں۔ نہیں بننا مجھے ڈاکٹر۔ میں واپس جا رہی ہوں کراچی بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔“ وہ چلتے چلتے لان میں آ گئے تھے۔ وہ یکدم اپنی فائل اور کتابیں پھینک کر بیٹھ گئی۔

”اور تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہارے کراچی جانے سے تمہاری آپی اور پھپھو خوش ہوں گی۔“ وہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”تو پھر بتاؤ نا شبی میں کیا کروں۔ جب کھانے کی میز پر بیٹھتی ہوں تو نوالے میرے حلق میں پھنسنے لگتے ہیں۔ پتا نہیں وہاں کراچی میں میرے گھر میں کچھ پکا بھی ہو گا یا نہیں؟ پتا نہیں دادی کی دوائی ابا کی تھراپی بچوں کی فیس یہ سب کچھ کیسے مینیج کرتی ہوں گی ماہ اکیلی اس کی تنخواہ تو معمولی سی ہے وکیلوں کی فیس.....“ اور وہ آج پہلی بار مبشر کے سامنے رو پڑی تھی حالانکہ اس نے ہمیشہ ہی مبشر کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ لیکن آج خود بکھر رہی تھی۔ مبشر لحہ بھر یونہی اسے سر جھکائے روتا دیکھتا رہا پھر اس کے بازو پر ہولے سے ہاتھ رکھا۔

”روما پلیز ایسے تو مت کرو۔ یہاں اس طرح لان میں بیٹھ کر مت رو پلیز۔ ادھر ادھر سے گزرتے اسٹوڈنٹ کیا نہیں گے۔ دیکھو تم نے خود مجھے کہا تھا نا کہ آزمائش ہم انسانوں پر ہی آتی ہیں اور ہمیں چاہیے کہ ہم ان آزمائشوں پر پورے اتریں۔“

”آپی بتا رہی تھیں منوں بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اب کی بار وہ گئی تھیں ولید کے ساتھ اس سے ملنے تو اس نے کوئی بات نہیں کی۔ بس خاموش بیٹھا رہا آپی کہتی ہیں وہ مایوس ہو رہا ہے اور یہ مایوسی اس کے اندر موجود زندگی کو ہولے ہولے ختم کر رہی ہے۔ اس نے آپی سے کہا تھا وہ اس کے لیے جدوجہد کرنا چھوڑ دیں وہ اپنی تقدیر پر شاکر ہو گیا ہے اور اس نے تقدیر کا لکھا قبول کر لیا ہے۔“ اس کی آواز پھر بھرا گئی۔ مبشر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

”اللہ بہتر کرے گا‘ نرل ہمیں اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جس رب کی طرف سے آزمائشیں آتی ہیں‘ وہی رب ہمیں ان آزمائشوں سے نکالتا بھی ہے۔

اب مجھے دیکھو نا۔“ وہ جان بوجھ کر ہنسا۔

”میں کبھی مایوس ہوا ہوں؟ غزالہ بیگم کے ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ پر امید رہتا ہوں کہ آسمان سے ایک مہربان پری اترے گی اور غزالہ بیگم کی جگہ.....

ہاہا.....“ اس نے قہقہہ لگایا۔

نرل چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی ہنسی اور قہقہے میں کیسی چبھن سی تھی۔

”ماموں جان نے واقعی مبشر کے ساتھ زیادتی کی ہے۔“ کئی بار کی سوچی ہوئی بات اس نے ایک بار پھر سوچی۔

” کاش غزالہ بھابی ایسی نہ ہوتیں۔ اتنا اچھا ہے مبشر خوب صورت ذہین کیئرنگ انہیں تو چاہیے تھا کہ اپنی محبت اور اخلاق سے اسے اپنا گرویدہ کر لیتیں۔ حسن خداداد تھا لیکن کس قدر اکھڑ لہجے میں بات کرتی تھیں۔ ماموں جان کی طرف وہ صرف دو تین بار حمنہ خالہ کے ساتھ گئی تھی اور غزالہ ایک بار مبشر کے ساتھ اور ایک بار ساری فیملی کے ساتھ حمنہ خالہ کی طرف آئی تھی اور ان چند ملاقاتوں میں غزالہ نے کوئی اچھا تاثر نہ چھوڑا تھا اس پر اور اگر

ماموں جان نے مبشر کی شادی جلد ہی کرنا تھی تو اریج کی طرف کیوں دھیان نہیں گیا ان کا۔“ اس نے بہت خلوص سے سوچا تھا۔

”اریج اور مبشر کا کپل بہت اچھا ہوتا۔ لیکن ماموں جان بھی بس۔“

”کیا سوچ رہی ہو۔“ مبشر نے نرمی سے پوچھا تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

”کچھ نہیں۔“

”ترس کھا رہی ہو مجھ پر۔“ وہ جیسے اس کے اندر جھانک رہا تھا۔

”پہلے میں بھی خود پر ترس کھاتا تھا۔ اور یہ خود رحمی مجھے چڑچڑا بنا رہی تھی۔ میں نے محسوس کیا تھا دو تین بار میں بلاوجہ ہی الجھ پڑا تھا غزالہ سے۔ حالانکہ وہ ایسی بات نہ تھی جس پر الجھتا‘ اگنور بھی کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اب سب اللہ پر چھوڑ دیا ہے وہ چاہے گا تو اسے بدل دے گا اور وہ نہ بدلی تو مجھے تو صبر دے گا نا۔“ وہ پھر ہنسا۔ وہی ہنسی جس میں نرل کو کرچیوں کی چبھن محسوس ہوتی تھی۔

”اور یوں بھی اب مجھے خود پر ترس نہیں آتا نرل کیونکہ اللہ نے مجھے تم جیسی دوست دی ہے یہ کیا کم نعمت ہے اس کی۔“ لفظ دوست پر نرل پھر چونکی تھی لیکن مبشر کی بے ریا آنکھوں میں دور تک کچھ ایسا نہ تھا جو اسے اپ سیٹ کر دیتا۔ وہ بہت خلوص اور اپنائیت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”تم میری پھپھو کی بیٹی ہو روما اپنے ہوش میں تمہیں پہلی بار میں نے اپنی شادی میں دیکھا تھا سرسری سا پھر تم یہاں آ کر رہنے لگیں۔ حمنہ خالہ کے ہاں کئی بار تم سے ملاقات ہوئی ہم نے ایک ہی کالج میں ایڈمیشن لیا۔ جتنی بار تم سے ملا مجھے افسوس ہوا کہ ہم اب تک کیوں نہ ملے تھے۔ تم نے مجھے میری پریشانیوں سے کئی بار غیر ارادی طور پر نکالا۔ پھر ایک روز جب میں نے تم سے اپنے مسئلے پر بات کی تو تب سے میں دل میں تمہیں دوست ہی سمجھنے لگا ہوں۔ روما تمہیں شاید لفظ دوست پر اعتراض ہوا ہو لیکن بتاؤ بھلا اس سے بہتر لفظ اور کوئی کسی ایسے شخص کے لیے کیا استعمال کیا جا سکتا ہے جس کے ساتھ دکھ سکھ شیئر کیے جائیں جس کے مشورے پر عمل کیا جائے۔“

وہ سوالیہ نظروں سے نرل کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو شبی۔“ نرل اٹھ کھڑی ہوئی۔

”میں اب چلتی ہوں۔“

”ٹھہرو میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔“

”لیکن تمہیں تو سر حفیظ۔“

”نہیں اب موڈ نہیں رہا۔“ وہ اٹھ کھڑا ہوا اب وہ دونوں باہر کی طرف جا رہے تھے۔ وہ نرل کے ساتھ ہی اسٹاپ تک آیا تھا۔

”تم بائیک نہیں لائے ابھی۔“ نرل نے اسے اپنے ساتھ اسٹاپ پر کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

”لایا ہوں۔“

اس نے مختصراً کہا نہ نرل نے اس سے پوچھا کہ وہ پھر یہاں اسٹاپ پر اس کے ساتھ کیوں کھڑا ہے اور نہ ہی مبشر نے وضاحت کی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اسے وین میں سوار کرانے آیا ہے۔ صبح کے وقت تو حمنہ خالہ اور قاسمی انکل اپنے ہسپتال جاتے ہوئے اسے ڈراپ کر دیتے تھے‘ لیکن واپسی کا چونکہ کچھ مقرر نہیں تھا اس لیے وہ وین سے آ جاتی تھی۔ کبھی انہیں ہسپتال میں دیر ہو جاتی تھی کبھی اسے رکنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھار اگر شاہرم گھر پر ہوتا تو اسے پک کر لیتا تھا۔ لیکن اب ایک سال سے جب سے اس نے جاب اسٹارٹ کی تھی یہ ممکن نہیں رہا تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے ایک لڑکے نے بہت غور سے نرل کی طرف دیکھا تو مبشر اندر ہی اندر بل کھا کر رہ گیا۔ وین کا دور دور تک کہیں پتا نہیں تھا۔ کچھ اور اسٹوڈنٹ بھی آ کر کھڑے ہو گئے تھے جن میں کچھ فائنل کے اور کچھ نیو کمرز تھے۔ نرل اور مبشر ذرا ہٹ کر شیڈ کے باہر کھڑے تھے۔ ایک ادھیڑ عمر شخص تھیلا ہاتھ میں اٹھائے قریب آ

کر کھڑا ہوا اور وقفے وقفے سے نرمل کی طرف دیکھنے لگا اس کے پان کی سرخی سے لتھڑے ہوئے ہونٹوں پر بڑی غلیظ سی مسکراہٹ تھی اور اتنی ہی غلیظ نظروں سے وہ گاہے گاہے نرمل کو دیکھتا تھا مبشر سے برداشت نہ ہو سکا۔

"آؤ نرمل۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کہاں۔" نرمل نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔"

"لیکن۔" نرمل نے کچھ کہنا چاہا تو اس نے ٹوک دیا۔

"تم آؤ تو۔" وہ اب وہاں مزید ایک منٹ بھی کھڑا نہیں رہنا چاہتا تھا اگر وہ کچھ دیر اور ٹھہر جاتا تو اس رال ٹپکاتی نظروں سے دیکھنے والے بڈھے کو مار بیٹھتا۔

نرمل خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ پارکنگ کی طرف جا رہا تھا۔

"دیکھا تھا تم نے اس غلیظ انسان کو کیسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا تمہیں۔"

"ہاں۔" نرمل نے تائید کی۔

"کبھی کبھار ایسے لوگوں سے بھی واسطہ پڑ جاتا ہے۔"

"لیکن مجھے بہت برا لگ رہا تھا۔" وہ اپنی بائیک کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"آؤ نرمل۔" اس نے بائیک اسٹارٹ کی لیکن وہ متذبذب سی کھڑی تھی۔

"شبی میں اس سے پہلے کبھی بائیک پر نہیں بیٹھی اور پھر مجھے مناسب نہیں لگ رہا اس طرح کسی نے دیکھ لیا تو کیا کہے گا۔"

"کیا کہے گا۔" مبشر کی آنکھوں میں ایک لمحہ کو حیرت سی اتری۔

"تم میری کزن ہو اگر آج وین نہیں آرہی اور میں تمہیں ڈراپ کر دوں تو کیا حرج ہے۔ مجھے نہیں اچھا لگ رہا وہاں کھڑا ہونا اور دیکھو کتنا رش ہو رہا ہے وہاں اوہ گاڈ!" اس نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"آج تو اسٹرائیک ہے پیٹرول کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کے خلاف تب ہی کوئی وین نظر نہیں آرہی۔"

"شاید کوئی رکشہ مل جائے۔" وہ ابھی تک متذبذب تھی۔

"چلو دیکھتے ہیں۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور بائیک لاک کر کے ایک بار پھر اس کے ساتھ روڈ پر آگیا اب وہ اسٹاپ سے کافی فاصلے پر کھڑے تھے ایک دو رکشہ گزرے اور رکے بغیر چلے گئے۔

"کوئی ٹیکسی ہی آجاتی تو میں تمہیں چھوڑ آتا۔" کچھ دیر بعد مبشر نے کہا۔

"لیکن یہاں تو کوئی آثار نہیں کہو تو اگلے اسٹاپ پر چل کر دیکھتے ہیں۔" اس نے چند اسٹوڈنٹ کی طرف دیکھا جو باتیں کرتے اگلے اسٹاپ کی طرف جا رہے تھے۔

نرمل بنا جواب دیے پریشانی سے روڈ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک وین لدی پھندی ہارن بجاتی سڑک سے گزر گئی تو مبشر نے پھر کہا۔

"میرا خیال ہے نرمل اس وقت مجبوری ہے تمہارے سر میں درد بھی تھا نہ جانے کب کوئی کنوینس ملے ——— ملے بھی یا نہ۔"

"چلو۔" نرمل نے بے بسی سے کہا اور اس کے پیچھے چل پڑی۔ کالج گیٹ سے اور اسٹوڈنٹ بھی نکل رہے تھے اور پچھلے ایک گھنٹے میں صرف ایک وین گزری تھی اور وہ بھی بھری ہوئی۔ اور اسٹوڈنٹ کی تعداد بڑھ رہی تھی۔ ایک بار پھر وہ پارکنگ کی طرف جا رہے تھے۔ مبشر بہت احتیاط سے بائیک چلا رہا تھا پھر بھی نرمل کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور بہت مضبوطی سے اس کی شرٹ کو تھامے ہوئے تھی۔

"تھینک گاڈ!" گھر کے گیٹ کے پاس جب مبشر نے بائیک روکی تو اس نے شکر ادا کیا۔

"تم یونہی ڈر رہی تھیں اتنا۔" مبشر مسکرایا۔

"اور پتا ہے تم نے اتنے زور سے میری شرٹ کو کھینچ رکھا تھا کہ کئی بار مجھے لگا جیسے گردن میں پھندا سا لگا ہو۔"

"سوری مبشر!" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"کوئی بات نہیں، لیکن میرا خیال ہے۔ تم نے کبھی بائیک پر کسی خاتون کو اپنے تین چار عدد بچوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا ورنہ یوں خوفزدہ نہ ہوتیں۔" وہ مزید شرمندہ سی ہوئی۔

"خیر اب میں چلتا ہوں۔"

"اندر نہیں آؤ گے۔"

"اس وقت تو شاید گھر پر کوئی بھی نہیں ہو گا۔" اس نے بیل دی۔

"حمنہ خالہ اور انکل ہسپتال میں ہوں گے اور شاہرم آفس پھر کبھی آؤں گا۔" چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔

"او کے اپنا خیال رکھا کرو اور پریشان مت ہوا کرو اور سنو ٹیبلٹ لے کر کچھ دیر کے لیے سو جانا اٹھو گی تو فریش فیل کرو گی۔" وہ سر ہلاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑا بند گیٹ کو دیکھتا رہا اور پھر مڑ کر بائیک پر بیٹھا۔

"تو یہ لڑکی نرمل نصیر احمد خان جو اس کی پھوپھی زاد تھی اس کا نصیب نہ تھی۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اس روز جو خیال اچانک ذہن میں آیا تھا اس نے کچھ دیر کو اسے ششدر کر دیا تھا۔ "یہ یہ میرے ذہن میں کیا خیال آیا ہے۔" دراصل یہ سارا کیا دھرا غزالہ کا ہے۔ وہ اندر ہی اندر شرمندہ ہوا تھا۔ وہ جو آئے دن اسے نرمل کے ساتھ الوالو کرتی رہتی تھی اور اسے خود سے بہتر قرار دینے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔

"تمہارا دماغ خراب ہے غزالہ۔" کئی بار اس نے سمجھایا تھا۔

"تم میری بیوی ہو اور نرمل میری کزن ہے۔ تم میرے لیے اہم ہو نہ کہ وہ۔"

"وہ خوب صورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔" وہ اسے احساس دلاتی تھی۔ لیکن اس نے غزالہ کی باتوں پر بظاہر کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن شاید اندر کہیں وہ باتیں دل کے کونوں کھدروں میں چھپ کر بیٹھ جاتی تھیں جو اس روز اس کے ذہن میں وہ خیال آیا تھا۔ اور اگر نرمل کو یا کسی اور کو میری اس سوچ کا پتا چل جائے تو۔ وہ اور بھی شرمندہ ہوا۔

تب کتنے ہی روز وہ شعوری طور پر نہ تو حمنہ خالہ کی طرف گیا اور نہ ہی کالج میں اس نے خود سے نرمل سے بات کرنے کی کوشش کی بلکہ ایک طرح نرمل سے کتراتا رہا تھا۔ شاید وہ اپنے آپ سے ڈر گیا تھا لیکن اس روز نرمل نے اسے جا ہی لیا۔ وہ ایک کلاس فیلو لڑکی کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ وہ اس کے قریب آگئی۔

"شبی یہ تم کہاں رہتے ہو آج کل حمنہ خالہ بھی پوچھ رہی تھیں اور انکل تو تمہیں بہت یاد کر رہے تھے۔"

"ہاں بس ذرا مصروف تھا۔"

اس نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور پھر فوراً ہی نظریں جھکالی تھیں۔ غزالہ کتنا صحیح کہتی تھی وہ واقعی خوب صورت تھی۔ بلا کی جاذبیت اور کشش تھی اس میں، ہو سکتا ہے غزالہ اس سے زیادہ خوب صورت ہو لیکن اپنے مزاج کی تلخی کی وجہ سے وہ اب اسے خوب صورت نہیں لگتی تھی۔

"خالہ جان کیسی ہیں شبی ان سے کہنا کسی دن چکر لگائیں بہت جی چاہ رہا ہے ان سے ملنے کو۔ آنی اور سمن کو بلانا۔" اس نے سر ہلایا تھا اور اس کی کلاس فیلو لڑکی نے بےزار ہو کر اسے دیکھا۔

"او کے مبشر میں چلتی ہوں تم ضرور آنا میری برتھ ڈے پارٹی پر۔" نرمل نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ یہ اس نے تمہیں انوائیٹ کیا ہے۔"

"ہاں شاید سب کلاس فیلوز کو۔" وہ ذرا سا سٹپٹایا۔

"سب کو نہیں صرف تمہیں۔"

اس کی آنکھوں میں ہنسی سی لہرائی تھی لیکن لب بند تھے۔ مبشر نے مبہوت سا ہو کر اسے دیکھا۔ کیا آنکھیں بھی ہنستی ہیں۔ "سوری شبی مجھے لگتا ہے ماموں جان کی پیش بندیاں بے کار ہی ہیں یہاں۔"

"ہیلو نرمل۔" وہ گھبرا گیا۔

"میری تو ایک دوبار کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی آج اس نے مجھے خود ہی بلا کر انوائیٹ کیا ہے۔"

"آئی نو شبی۔" اب وہ کھل کر ہنسی تھی۔

"ماموں جان اگر دیکھ لیں کہ جن لڑکیوں سے بچانے کے لیے انہوں نے غزالہ کو تمہارے سر منڈھا تھا، لڑکیاں تو اب بھی تمہیں۔"

"نرمل۔" وہ پریشان سا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہ تم آج کیسی باتیں کر رہی ہو۔"

"سوری۔" نرمل کو خود بھی شاید احساس ہوا تھا کہ وہ آج مبشر سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہو گئی ہے۔

"دراصل میں ابھی ایک گروپ سے تمہارے متعلق کمنٹس سن کر آ رہی ہوں۔"

"او اچھا۔" ایک لمحے کو وہ پرانا مبشر بن گیا تھا۔

"دراصل ہماری شخصیت ہی ایسی ہے ڈیر کزن کہ لڑکیاں۔" لیکن دوسرے ہی لمحے بات ادھوری چھوڑ کر وہ اسے دیکھنے لگا۔

اور اگر وہ ان میں سے تین چار لڑکیوں سے فرینڈ شپ کر لے گھومے پھرے ان کے ساتھ ہوٹلنگ کرے تو کون روک سکتا ہے اسے کیا غزالہ.....

اس کے اندر تلخی سی بھر گئی تھی اور اس نے سوچا تھا وہ اس لڑکی فضہ علی کی دعوت ضرور قبول کرلے گا لیکن جب نرمل نے پوچھا تھا۔

"تو تم جا رہے ہو فضہ کی برتھ ڈے پر۔" تو اس کا سر بے اختیار نفی میں ہل گیا تھا۔

ایک موڑ کاٹتے ہوئے وہ مخالف سمت سے آنے والے تانگے سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تو سر جھٹک کر اس نے اپنے ذہن کو ان خیالات سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔

اور پتا نہیں کیوں میں اتنا زیادہ نرمل کے متعلق سوچنے لگا ہوں۔ پڑھتے پڑھتے بالکل غیر ارادی طور پر وہ اس کے متعلق سوچنے لگتا تھا اور اسے احساس بھی نہ ہوتا تھا۔

"یہ صحیح نہیں ہے مبشر۔" اس نے خود کو کتنی ہی بار سمجھایا تھا۔ اور اگر کبھی نرمل کو پتا چل جائے کہ وہ اس کے متعلق الٹی سیدھی باتیں سوچتا رہتا ہے تو وہ کبھی اس سے نظریں ملا کر بات نہ کر سکے۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے ایک طمانیت بھری سانس لی۔

"شکر ہے آج غزالہ گھر پر نہیں ہو گی۔" ورنہ وہ اس کی کھوجتی نظریں وہ کوئی بات نہ بھی کرتی تو بھی وہ اس کی ان تفتیش کرتی نظروں سے بے زار ہو جاتا تھا۔ اپنی طرف سے اس نے کتنا یقین دلایا تھا اسے اپنی وفاؤں کا محبت کا۔ ہمیشہ صرف اسی کا رہنے کا لیکن وہ پتا نہیں کیوں یقین نہیں کرتی تھی اب تو کچھ عرصہ سے اس نے وضاحتیں کرنا اور یقین دلانا چھوڑ دیا تھا۔

بائیک گیراج میں ایک طرف کھڑی کر کے وہ گھر میں داخل ہوا تو اسے برآمدے میں ہی اسفر کھڑے نظر آئے۔ پاس ہی عذرا بیگم کھڑی تھیں آنسو ان کے رخساروں پر بہت روانی سے بہہ رہے تھے۔

"امی جان امی جان پلیز بات کیا ہے۔"

"آپ اس طرح روتی رہیں تو مجھے کیسے پتا چلے گا بات کیا ہے۔"

"کیا ہوا ہے۔" مبشر نے بے حد پریشان ہو کر باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"سب ٹھیک تو ہے نا۔" عذرا بیگم نے سر ہلا دیا لیکن ان کی آنکھیں یونہی بہہ رہی تھیں۔

"امی جان بیٹھے پلیز۔" اسفر نے ان کے کندھوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے انہیں پاس پڑی کرسی پر بٹھا دیا۔ اور رمضان کو آواز دی۔

"رمضان پانی کا ایک گلاس لاؤ۔" اور پھر خود دوسری کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"اب بتائیے پلیز آپ نے اس طرح فون کر کے مجھے کیوں بلوایا ہے۔ لیکن یہ پہلے پانی پی لیں۔" رمضان کے ہاتھ سے گلاس لے کر انہوں نے عذرا بیگم کی طرف بڑھایا۔ انہوں نے ایک گھونٹ لے کر گلاس ڈائننگ ٹیبل پر رکھ دیا۔ مبشر بھی پریشان سا انہیں دیکھ رہا تھا۔

"ضرور ظل الٰہی نے کوئی نیا آرڈر جاری کیا ہو گا۔" بے حد تلخی سے اس نے سوچا اور کہہ بھی دیا۔

"نہیں، نہیں تمہارے ابا جان تو صبح ہی اسلام آباد چلے گئے تھے۔" عذرا بیگم نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"وہ، وہ آصف۔" لفظ پھر ان کے ہونٹوں پر ٹوٹنے لگے۔

"آصف نے طلاق دے دی ہے آپی کو۔" انہوں نے بمشکل بات مکمل کی اور پھر رونے لگیں۔

"میری بچی میری آپی۔" ان کے لبوں سے نکل رہا تھا اور اسفر اور مبشر ساکت ہو گئے تھے۔ جیسے انہیں عذرا بیگم کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔ جیسے ان کے کانوں نے جو سنا ہو غلط ہو۔

"نہیں.....!" کچھ دیر بعد مبشر کے لبوں سے نکلا تھا۔ وہ اسفر کی کرسی کی پشت کو سختی سے تھامے کھڑا تھا اور اسفر بے یقینی سے عذرا بیگم کو دیکھے جا رہے تھے۔

■■■

"خیریت تو تھی نا شاہ زیب بغیر بتائے کہاں چلا گیا تھا۔"

سید قائم علی شاہ نے جیسے ہی شاہ رخ کی واپسی کی خبر سنی ___ ملنے چلے آئے۔

"جب بلند بخت نے آ کر بتایا تو یقین کرو شاہ رخ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں اتنے وہم آ رہے تھے کہ پوری رات نیند نہیں آئی مجھے اور حسنہ بھی جاگتی رہی پھر اس نے تہجد کے وقت اٹھ کر نفل پڑھے اور شاہ زیب کے لیے دعا کرتی رہی اللہ کا شکر کہ صبح صبح بلند بخت نے آ کر بتایا کہ شاہ زیب واپس آ گیا ہے تسلی تو ہو گئی تھی لیکن پھر بھی بے چینی سی لگی تھی۔ کیا ہوا تھا۔"

"کچھ نہیں چاچو۔" شاہ رخ نے اپنی پریشانی چھپانے کی کوشش کی۔

"شاہ زیب انتہائی لاپروا ہے۔ کچھ دوستوں کے ساتھ حیدر آباد سے آگے کہیں چلا گیا تھا، وہیں رہا دو دن اور زارا کو خبر تک نہیں دی۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔"

"یہ تو بڑی غلط بات ہے تم نے سمجھایا نہیں اسے۔ وہ بچی وہاں اکیلی ہے۔"

"سمجھایا تھا چاچو۔"

"خالی سمجھایا تھا میں ہوتا تو کان پکڑ کر سمجھاتا۔" وہ ریلیکس سے ہو کر بیٹھ گئے۔

"اور اب چاچو کو کیا خبر شاہ زیب کے مزاج کی۔ وہ شروع سے ہی کچھ اکھڑ تھا لیکن ایسا تو نہ تھا جیسا اب ہو گیا تھا۔" شاہ رخ نے دلگرفتگی سے سوچا۔

چاچو اس کے لیے رات بھر جاگتے رہے۔ حسنہ آنٹی نے اس کی سلامتی کے لیے نفل پڑھے اور وہ اس نے تو کبھی نام تک نہیں لیا تھا چاچو کا۔ ایک بار شاہ رخ نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی وہ چاہتے تھے کہ شاہ زیب کو ہمنوا بنا کر وہ شاہ جی سے چاچو کے لیے بات کریں لیکن شاہ زیب نے کس قدر بے گانگی سے ان کی بات کاٹ دی تھی۔

"آپ رہنے دیں گڑے مردے مت اکھاڑیں جو رشتے ٹوٹ گئے وہ ٹوٹ گئے انہیں دوبارہ بحال نہیں کیا جا سکتا۔"

سید قائم علی شاہ کو تو اس نے اپنے ہوش میں نہیں دیکھا تھا لیکن وہ تو ان سے بھی بے گانہ ہو رہا تھا جن کے ساتھ اس کا رشتہ اور تعلق بہت گہرا تھا۔ زارا کے فون کے بعد وہ کس قدر پریشانی میں کراچی کے لیے روانہ ہوئے تھے۔ گیارہ بجے کی فلائیٹ میں چانس پر انہیں سیٹ مل گئی تھی اور جب انہوں نے کراچی ایئرپورٹ سے باہر قدم

رکھا تھا تو انہیں موبائل پر بیپ سنائی دی زارا کا نمبر دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے تھے۔

"گھبراؤ نہیں زارا میں ایئرپورٹ کے باہر کھڑا ہوں ٹیکسی دیکھ رہا ہوں زیادہ سے زیادہ گھنٹا بھر میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

"نہیں پلیز آپ مت آیئے گا اس وقت۔" دوسری طرف زارا کی گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی تھی۔

"شاہ زیب آ گئے ہیں ابھی آدھا گھنٹا پہلے۔ وہ بہت ناراض ہوں گے کہ میں نے آپ کو کیوں اطلاع دی۔ میں ابھی روم میں آ کر آپ کو فون کر رہی ہوں۔ زیب بیڈ روم میں چلے گئے ہیں سونے کے لیے۔"

"تھینک گاڈ۔" انہوں نے شاہ زیب کی واپسی کا سن کر شکر ادا کیا اور زارا کو تسلی دی۔

"ڈونٹ وری زارا میں ابھی ہوٹل جا رہا ہوں صبح بات کروں گا۔"

"آپ نے کسی کو وہاں بتایا تو نہیں۔" وہ گھبرائی ہوئی سی تھی۔

"نہیں تم ریلیکس ہو جاؤ زارا۔"

پھر ہوٹل آ کر وہ سو نہیں سکے تھے۔ یہ کیا ہے سب زارا اتنی خوفزدہ کیوں ہے کیا شاہ زیب اس کے ساتھ سختی کرتا ہے۔ شاہ زیب سے اس سارے عرصہ میں جب سے وہ کراچی آیا تھا ان کی بہت کم ملاقات ہوئی تھی۔ بس حویلی میں جب سب اکٹھے ہوتے تھے اور ان تین چار دنوں کی ملاقات میں انہیں کچھ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ شاہ زیب کا رویہ زارا کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے اور پھر زینت فاطمہ نے بھی تو کوئی ایسی بات نہیں کی تھی زارا ان سے خاصی قریب تھی اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو وہ پھپھو سے ضرور ذکر کرتی' دراصل زیب غصے کا تیز ہے اس لیے گھبراتی ہو گی اس کے غصے سے لالہ جی نے تو کبھی اس سے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی اور نہ ہی بھائیوں نے کبھی غصہ کیا تھا۔

انہوں نے خود کو تسلی دے لی تھی لیکن دل پھر بھی بے چین تھا۔ سو ناشتا کرتے ہی وہ شاہ زیب کی طرف چل پڑے تھے۔ شاہ زیب اسی وقت باتھ لے کر باہر نکلا تھا انہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ اس وقت۔"

"ہاں آفس کے کسی کام سے آیا ہوں۔ ہوٹل میں ٹھہرے ہیں ہم لوگ۔ رات دیر سے پہنچے تھے سوچا صبح صبح مل آؤں۔"

شاہ زیب کو گلے لگاتے ہوئے شاہ رخ نے خوش دلی سے کہا اور ڈائننگ ٹیبل کے کونے پر کھڑی زارا نے ایک ممنون سی نظر ان پر ڈالی تھی۔

"اور تم کیسی ہو زارا۔" شاہ زیب سے الگ ہوتے ہوئے انہوں نے مسکرا کر زارا کو دیکھا تھا۔

"جی بھائی میں ٹھیک ہوں۔"

"آپ سیدھے گھر کیوں نہیں آئے۔" شاہ زیب نے ہاتھ میں پکڑا تولیہ صوفے پر پھینکا اور گلہ کیا۔

"میں نے بتایا نا رات دیر ہو گئی تھی سوچا تم کو ڈسٹرب نہ کروں۔"

"کتنے دن کا کام ہے۔" شاہ زیب اب کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ وہ بھی بیٹھ گئے۔

"بس دو دن کا۔"

"اور یہ دو دن آپ ادھر ہی رہیں گے ابھی ڈرائیور کے ساتھ جا کر سامان لے آئیں۔ بھائی کا گھر ہوتے ہوئے ہوٹل میں ٹھہرنا کہاں تک صحیح ہے بھائی۔"

"بالکل بھی صحیح نہیں ہے یار۔"

ان کے ہونٹوں پر ایک شفیق سی مسکراہٹ ابھر گئی۔

"لیکن میں اکیلا نہیں ہوں کمپنی کے دو بندے بھی ہیں اور ان کے ساتھ ہی مل کر کام کرنا ہے۔ لیکن۔۔۔ رہو آج کا پورا دن تمہارے ساتھ گزاروں گا کل اپنا کام کریں گے اور پرسوں صبح واپسی۔۔۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔" شاہ زیب کے چہرے پر انہوں نے ایک اطمینان سا پھیلتے محسوس کیا تھا۔

"زارا!" شاہ زیب زارا کی طرف متوجہ ہوا تھا جو ابھی تک وہیں ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑی تھی۔

"ناشتا لاؤ بلکہ بازار سے پوریاں وغیرہ منگوالو۔"

"نہیں یار میں نے ناشتا تو وہاں ہوٹل میں ہی کر لیا تھا۔ اب تو بارہ بجنے والے ہیں۔ ہاں چائے ضرور پیوں گا۔"

"دن کا کھانا تو ہمارے ساتھ ہی کھائیں گے۔"

"بالکل۔" شاہ رخ مسکرا دیے تھے۔

"اور سناؤ کیا مصروفیات ہیں بزنس کیسا جا رہا ہے۔"

"بزنس تو اے ون جا رہا ہے۔ حیران ہوں کہ شاہ جی کو پہلے بزنس کا خیال کیوں نہ آیا۔"

"زمینوں کی آمدنی بھی تو کافی تھی۔"

"ہاں لیکن بھائی بزنس کا اپنا مزا ہے۔" شاہ زیب چائے پیتے اور ناشتا کرتے ہوئے اپنے بزنس کے متعلق بتاتا رہا۔

"اگر آپ رہتے تو میں آپ کو راجہ نذیر سے ملواتا کیا دماغ ہے اس بندے کا۔ اس قدر کاروباری ذہن ہے کہ میں تو اس کے منصوبوں اور سوچوں پر حیران رہ جاتا ہوں۔ کبھی اس شخص نے بزنس میں نقصان نہیں اٹھایا۔"

شاہ رخ نے چائے پیتے ہوئے ایک دوبار نظر اٹھا کر زارا کی طرف دیکھا تھا جس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور چہرہ ستا ہوا تھا۔ لیکن جتنی بار بھی انہوں نے اس کی طرف دیکھا انہیں اس کی آنکھوں میں التجا نظر آئی۔ وہ اپنے اندر کی الجھن اور پریشانی چھپائے شاہ زیب کی باتوں کو بہت دھیان سے سن رہے تھے کہ شاہ زیب کے سیل فون پر کوئی کال آ گئی۔ شاہ زیب نے نمبر دیکھ کر ایک لمحہ کو کچھ سوچا اور پھر کال اٹینڈ کی۔

"ہیلو اوہ یار میں کہیں چلا گیا تھا بھئی وہ ملک صاحب کے ساتھ ان کے ڈیرے پر بس اچانک ہی پروگرام بن گیا تھا شکار کا۔"

"اوہ ہاں بھئی وہ تو سب چلتا ہے۔" اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

"کیا میں اس وقت۔۔۔ امپاسبل اس وقت ممکن نہیں ایک تو میں بہت تھکا ہوا ہوں دوسرا میرے بھائی آئے ہوئے ہیں۔"

دوسری طرف سے جانے کیا کہا گیا تھا کہ شاہ زیب کے چہرے کا رنگ لمحہ بھر کو بدلا تھا۔

"اوکے میں آ رہا ہوں۔" اس نے فون بند کر کے شاہ رخ کی طرف دیکھا۔

"سوری بھائی ایک ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے بس زیادہ سے زیادہ گھنٹا بھر میں واپس آ رہا ہوں۔ اتنے میں آپ زارا سے گپ لگائیں۔"

وہ کھڑا ہو گیا چائے کا کپ یونہی دو گھونٹ لے کر اس نے ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"اور ہاں زارا کھانے پر اچھا سا اہتمام کر لینا شاہ رخ بھائی پہلی بار ہمارے اس گھر میں آئے ہیں۔" وہ عجلت سے کہتا ہوا اپنا سیل فون اور والٹ اٹھا کر باہر نکل گیا۔

"یہ شاہ زیب کہاں تھا آخر اور تمہیں بتا کر کیوں نہیں گیا۔" شاہ زیب کے جانے کے بعد شاہ رخ نے زارا سے پوچھا تھا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ دوستوں کے ساتھ اچانک پروگرام بن گیا تھا اور وہ جس علاقے میں تھے وہاں سے سگنل نہیں مل رہے تھے۔" زارا کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور وہ یونہی دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بے مقصد ٹیبل پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔

"اور تم نے مجھے منع کیوں کیا اسے پتا تو چلتا کہ اس طرح بغیر بتائے جانے پر تم پریشان ہو سکتی ہو اور ہم سب بھی۔" وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

"میں نے اپنی پریشانی کا کہا تھا تو وہ ناراض ہونے لگے تھے غصے میں آگئے تھے اس لیے۔" زارا کی نظریں بدستور جھکی ہوئی تھیں۔

"زارا کیا شاہ زیب کا رویہ تمہارے ساتھ ٹھیک نہیں ہے۔" انہوں نے یکدم پوچھا تھا۔ زارا نے چونک کر نظریں اٹھائی تھیں اور پھر جھکالی تھیں۔

"نہیں تو شاہ زیب میرے ساتھ ٹھیک ہیں بالکل۔"

"پھر تم اتنی پریشان اور سہمی سہمی سی کیوں لگ رہی ہو۔" انہوں نے اس کے چہرے سے کچھ کھوجنے کی کوشش کی تھی۔

"وہ دراصل شاہ زیب کے اس طرح جانے سے پریشان ہوگئی تھی اس کا اثر ہے ابھی تک۔ بہت ڈر گئی تھی میں۔ اتنے وہم آرہے تھے۔"

شاید وہ ٹھیک کہہ رہی تھی وہ خود بھی تو اتنے پریشان ہوگئے تھے۔ لیکن پھر بھی کوئی چیز تھی جو ان کے دل میں کھٹک رہی تھی۔ انہوں نے دو تین بار بغور اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں چہرے پر کوئی رونق نہ تھی۔ زارا ایسی تو نہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں تو ہر دم جگنو دمکتے تھے اور چہرہ کیسا کھلا کھلا پر رونق لگتا تھا۔

"زارا تم کچھ دنوں کے لیے حویلی کیوں نہیں چلی جاتیں۔ میں پچھلے دنوں گیا تھا او نچی حویلی میں سب ہی تمہیں بہت یاد کررہے تھے۔ بی بی جان بھی حویلی میں اکیلی ہیں تمہارے جانے سے خوش ہو جائیں گی۔"

"وہاں سب ٹھیک تھے شاہ رخ بھائی' ابرار لالہ' بڑی بھابی' چھوٹی بھابی' بچے۔"

"ہاں سب ٹھیک تھے لیکن تمہیں بہت مس کررہے تھے۔" زارا کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

"ارے ارے تم رونے لگیں۔" شاہ رخ گھبرائے۔

"وہ سب یاد آگئے تھے۔" زارا نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے اور کھڑی ہوگئی۔

"بھائی میں ذرا کچن میں دیکھ لوں اور بتادوں کہ کیا پکنا ہے آپ اتنے میں آرام کرلیں۔ ٹی وی دیکھیں یا......"

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زارا نے ملازمہ کو میز سے برتن اٹھانے کے لیے کہا وہ اسے کچن کی طرف جاتے دیکھتے رہے پھر لاؤنج میں آکر ٹی وی لگایا لیکن دل نہیں لگا کچھ دیر ادھر ادھر چینل گھمانے کے بعد وہ اٹھ کھڑے ہوئے رات بھر سو نہیں سکے تھے آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔

"زارا۔" انہوں نے اسے آواز دی۔

"میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں شاہ زیب آئے تو مجھے جگا لینا۔" زارا کچن سے باہر آئی۔

"یہ ادھر گیسٹ روم ہے۔" اس نے گیسٹ روم تک ان کی راہنمائی کی اور واپس چلی گئی۔

گیسٹ روم کا فرنیچر کلر اسکیم پردے کارپٹ سب بہت شاندار تھا انہوں نے دل ہی دل میں شاہ زیب کے ذوق کی داد دی۔ ٹی وی لاؤنج' سٹنگ ڈائننگ کی ڈیکوریشن بھی زبردست تھی۔ شاہ زیب آیا تو وہ ضرور اس کے ذوق کی تعریف کریں گے اب پتا نہیں یہ زارا کا ذوق ہے یا شاہ زیب کا۔

وہ مسکراتے ہوئے بیڈ پر لیٹ گئے۔ تکیے پر سر رکھتے ہوئے انہوں نے تکیے کے دائیں طرف پڑی چپٹی سی شیشی کو دیکھا اور ہاتھ میں اٹھالیا۔

"یہ کیا شاہ زیب ڈرنک کرنے لگا ہے۔" انہیں شاک سا لگا تھا۔

"ہو سکتا ہے کسی مہمان۔"

"لیکن شاہ زیب کم از کم یہاں اس گیسٹ روم میں جو لاؤنج سے ملحق تھا کسی اجنبی دوست کو مہمان نہیں ٹھہرا سکتا وہ اتنا تو اس کے مزاج آشنا تھے۔ پھر۔"

وہ بے چین سے ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے واش روم کا دروازہ کھولا۔ صابن اور شیمپو کی مہک پھیلی ہوئی تھی اور سامنے ریک پر شیو کا سامان رکھا تھا۔ شاید شاہ زیب نے کچھ دیر پہلے اسی واش روم میں باتھ لیا اور شیو کیا تھا۔

تو کیا رات شاہ زیب گیسٹ روم میں سویا تھا اور کیا اکثر......

انہوں نے واش روم میں ہی دروازے کے ساتھ والی چھوٹی سی الماری کا پٹ کھولا اور پھر حیرت سے اندر ترتیب سے پڑی بوتلوں کو دیکھنے لگے اور پھر گھبرا کر باہر نکل آئے۔

"زارا۔" لاؤنج میں آکر انہوں نے آواز دی۔

"آپ سوئے نہیں۔" زارا اپنے بیڈ روم سے باہر نکلی شاید وہ کھانے کی ہدایت دے کر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی

"زارا ادھر آؤ مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔"

"جی۔" زارا نے گھبرا کر انہیں دیکھا۔

ملازمہ کچن میں مصروف تھی پھر بھی انہوں نے بہت آہستگی سے پوچھا۔

"زارا کیا شاہ زیب ڈرنک کرنے لگا ہے۔"

"آپ' آپ کو کیسے پتا چلا۔" زارا کا رنگ زرد پڑ گیا تھا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں زارا۔"

"پتا نہیں شاید۔" زارا نے نظریں جھکالی تھیں۔

"کیا گیسٹ روم میں شاہ زیب کے دوست آکر ٹھہرتے ہیں کبھی۔"

"نہیں تو گیسٹ روم تو لاؤنج کے ساتھ ہی ہے۔ کبھی کبھی شاہ زیب کو دیر تک جاگنا ہو تو خود...." زارا کی زبان لڑکھڑا گئی تو انہیں اس پر ترس آگیا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ واپس گیسٹ روم میں آگئے تھے لیکن نیند اب جیسے بھاگ گئی تھی۔ وہ بیڈ پر بیٹھے مسلسل ایک ہی بات سوچے چلے جارہے تھے کہ کیا وہ شاہ زیب سے اس کے متعلق بات کریں۔ لیکن اگر وہ برا مان گیا اگر اس نے۔۔۔ لیکن وہ بہرحال اس کے بڑے بھائی ہیں اور وہ اس سے پوچھ سکتے ہیں اسے سمجھا سکتے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں فیصلہ کرکے اس کا انتظار کرنے لگے۔

لیکن شاہ زیب نے ان کی بات کو بڑا سرسری سا لیا تھا۔

"ارے شاہ رخ بھائی یہ سب چلتا رہتا ہے یونہی کبھی کبھار شغل کرلیتا ہوں آپ پریشان نہ ہوں۔"

"لیکن زیب میری جان یہ۔"

"چھوڑیے بھائی کوئی اور بات کریں۔" اس نے ان کے ہاتھ سے وہ چپٹی شیشی لے کر بیڈ کی دراز میں ڈال دی تھی۔

اور پھر وہ جتنی دیر تک وہاں رہے شاہ زیب کے رویے کا جائزہ لیتے رہے۔ انہوں نے محسوس کیا تھا کہ شاہ زیب اور زارا کے درمیان کچھ رنجش ہے۔ وہ زارا کی طرف ذرا بھی متوجہ نہیں تھا' حالانکہ حویلی میں انہوں نے دیکھا تھا کہ شاہ زیب کی نظریں جب بھی زارا کی طرف اٹھتیں ان میں ایک وارفتگی اور والہانہ پن ہوتا تھا۔ وہ کراچی سے آئے تو از حد پریشان تھے۔ انہوں نے شاہ زیب سے بھی کہا تھا کہ وہ زارا کو کچھ دنوں کے لیے حویلی بھیج دے لیکن شاہ زیب کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"میں جو اکیلا ہو جاؤں گا اس کے جانے سے۔" اس نے بظاہر شوخی سے کہا تھا۔ لیکن زارا کی طرف اٹھتی اس کی نظریں بالکل سپاٹ تھیں۔

"یار کہاں کھو گئے ہو سچ بتاؤ سب ٹھیک ہے نا۔" سید قائم علی شاہ نے انہیں خاموش دیکھ کر کہا تو شاہ رخ چونکے

"ہاں سب ٹھیک ہے۔"

"پھپھو کیا چاچو آئے ہیں۔"

باہر سے سیدہ اسما شاہ کی آواز آئی تھی۔

"لو میری بیٹی بھی آگئی۔ سچ تو یہ ہے شاہ رخ کہ میں اسی سے ملنے آیا تھا۔ اتنے دنوں سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی

ہم دونوں اداس ہو رہے تھے۔ حمنہ تو ہسپتال چلی گئی تھی لیکن مجھے کہا ہے اسما کو لیتے آیئے گا۔

پتا ہے شارو۔" وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکے۔

"سوچتا ہوں کسی روز حویلی چلا جاؤں اور شاہ جی کے سامنے جھولی پھیلا کر بیٹھ جاؤں کہ سیدہ اسما کو میری بیٹی بنا دیجیے اور شجی کو اپنا بیٹا بنا لیں۔"

شاہ رخ نے بے حد حیران ہو کر انہیں دیکھا۔ آج ان کے چہرے پر کسی امید کے رنگ نہیں بکھرے تھے، نہ ہی انہوں نے سید قائم علی شاہ سے کہا تھا انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس وہ حیران سے انہیں دیکھ رہے تھے اور سید قائم علی شاہ آنکھوں میں بے تحاشا چمک اور امید لیے پوچھ رہے تھے۔

"کیوں شارو شاہ جی مان جائیں گے نا۔ پہلے تو ان کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگوں گا اور پھر جھولی پھیلاؤں گا۔"

گو ان کی آواز اتنی بلند نہ تھی لیکن اتنی آہستہ بھی نہ تھی کہ لاؤنج میں آتی اسما شاہ نہ سن پاتی۔ اس نے سید قائم علی شاہ کی پوری بات سنی تھی اور وہیں ٹھٹک کر رک گئی تھی۔ رخسار گلرنگ ہو گئے تھے اور دل کی دھڑکنیں یکدم تیز ہوئی تھیں۔ سید شجاع علی شاہ جیسے مجسم ہو کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ پرشوق نظروں سے اسے تکتا ہوا چھوٹی چھوٹی ذو معنی باتیں کرتا ہوا۔ گو آج تک شجاع نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جس سے اس کے جذبوں کا اظہار ہوتا، لیکن اس کی آنکھیں بولتی تھیں۔ اس کی پُرشوق نظریں سیدہ اسما شاہ کے دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیتی تھیں۔

تنہائی میں اکثر وہ سید شجاع کو غیر ارادی طور پر سوچنے لگتی تھی۔ لیکن پھر ڈر کر اس خیال کو ذہن سے نکال دیتی۔

"نہیں مجھے شجاع کے متعلق نہیں سوچنا چاہیے شاہ جی کبھی بھی نہیں مانیں گے۔" وہ اپنے ہی خیالوں سے خوفزدہ ہو جاتی اور کئی کئی دن تک سہمی رہتی تھی لیکن اب یہ سید قائم علی شاہ کیا کہہ رہے تھے۔ دھڑکنوں نے دل میں اودھم مچا رکھا تھا۔

"اور اگر شاہ جی مان جائیں اگر شاہ جی۔" اس کے رخسار ایک انجانی سی حدت سے تپ گئے۔ اس نے ایک ہاتھ اپنے رخسار پر رکھا تب ہی شاہ رخ کی آواز آئی۔

"یہ کیسے ممکن ہے چاچو۔ شاہ جی کبھی بھی نہیں مانیں گے۔ کبھی بھی نہیں۔"

شاہ رخ کے لہجے میں اتنی مایوسی اور اداسی تھی کہ سیدہ اسما شاہ کو اپنا دل ڈوبتا ہوا سا محسوس ہوا۔

"آپ نے چاچو ایک ایسے خیال کو اپنے دل میں کیوں پنپنے دیا جس کے پورا ہونے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

شاہ رخ بے حد اداسی سے کہہ رہے تھے اور سیدہ اسما شاہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا دل نیچے ہی نیچے پاتال میں گرتا جا رہا ہو۔

■■■

ریسیور نیچے رکھ کر ماہ نور نے نصیر احمد خان کی طرف دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"ولید سے بات ہوئی؟" انہوں نے بے چینی سے پوچھا۔

"نہیں!" وہ مایوس سی ان کے سامنے ہی کرسی پر بیٹھ گئی۔

صبح سے اب تک وہ تین بار فون کر چکی تھی لیکن ہر بار آنٹی سعدیہ ہی ریسیو کرتی تھیں اور ہر بار وہ یہ کہہ کر فون بند کر دیتی تھیں کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔"

بس ایک مختصر سا جملہ۔ نہ اس کا حال احوال، نہ اماں اور ابا کے متعلق کوئی بات، نہ منصور کے حوالے سے کوئی تسلی بھرا جملہ۔

"پریشان نہ ہو بیٹا ولید بھی بڑا ذمہ دار لڑکا ہے اسے یاد ہو گا کہ اسے وکیل کی طرف جانا ہے۔ کل تاریخ ہے۔"

"جی ابا لیکن میں اسے بس یاد دلانا چاہتی تھی کہ اسے منصور کے پیپرز بھی لے کر جانے ہیں وکیل صاحب نے پچھلی بار کہا تھا کہ وہ منصور کا سارا اکیڈیمک ریکارڈ انہیں پہنچا دیں لیکن ولید آیا ہی نہیں۔"

"آجائے گا بیٹا تم پریشان نہ ہو۔" نصیر احمد خان نے اسے تسلی دی۔

"چھٹی کا دن ہے، دوستوں کی طرف نکل گیا ہو گا، شام تک شاید چکر لگائے۔"

"بیٹا تم نے وکیل صاحب کا دفتر دیکھ رکھا ہے۔"

سلمیٰ خانم نے، جو نصیر احمد خان کے پاس ہی بیٹھی خاموشی سے دونوں کی گفتگو سن رہی تھیں پوچھا۔

"جی دادی جان! میں دو بار خضر کے ساتھ گئی تھی ان کے چیمبر میں۔"

"تو پھر میں چلتی ہوں تیرے ساتھ دونوں جا کر کاغذ دے آتے ہیں وکیل صاحب کو، دانی کو بھیج کر ٹیکسی منگوا لو۔"

"آپ دادی جان!" ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"ہاں میں... اللہ بخشے میرے والد کہا کرتے تھے کہ اپنا بوجھ اپنے ہی کندھوں پر اٹھانا چاہیے۔ اب کوئی کب تک ہماری ذمہ داریاں سنبھالے۔ بندہ دوسروں کا بوجھ ڈھوتے ڈھوتے تھک ہی جاتا ہے ایک روز۔"

"نہیں اماں۔" نصیر احمد نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"افضال اور اس کی فیملی ایسی نہیں ہے۔ آپ جانتی ہیں، انہوں نے ہر مشکل لمحے میں اپنوں سے بڑھ کر ساتھ دیا ہے۔"

"جانتی ہوں نصیر! لیکن کوئی کب تک کسی کا ساتھ دے۔ ولید تو ابھی بچہ ہی ہے ابھی اس پر کوئی ذمہ داری نہیں پڑی۔ خضر ہوتا یہاں اور افضال تو اور بات تھی۔" سلمیٰ خانم نے آہستگی اور نرمی سے کہا۔

"ہاں ایک خضر کے چلے جانے سے وہ خود کو کتنا اکیلا اور تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔" ماہ نور نے نصیر احمد خان کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اور خضر کا جانا بھی کتنا ضروری تھا۔ وہ اتنی خود غرض نہ تھی کہ محض اپنے لیے اس کے کیریئر کا یہ سب سے گولڈن چانس مس کرا دیتی۔ لیکن خضر ہوتا تھا تو اسے کوئی پروا نہیں ہوتی تھی۔ وہ خود ہی وکیل سے ملتا۔ ہر تاریخ پر عدالت میں جاتا۔ اس کی ضد پر کبھی کبھار اسے بھی منصور سے ملوانے لے جاتا اور ہر بار اس کے جانے پر منصور جزبز ہوتا۔

"کیوں آتی ہیں آپ یہاں پلیز نہ آیا کریں۔" اور ہر بار وہ خضر کو منع کرتا۔

"خضر بھائی پلیز! میرے لیے جدوجہد کرنا چھوڑ دیں۔ میں جانتا ہوں اس سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے سوائے وکیلوں کی فیس بھرنے کے۔ ہم تو پہلے ہی آپ کے بہت احسان مند ہیں مزید زیر بار مت کریں ہمیں۔"

اور خضر اسے نرمی سے سمجھاتا۔

"اگر تم نے یہ بات کسی اور موقع پر اور مختلف حالات میں کہی ہوتی تو میں تمہیں تھپڑ لگاتا لیکن میں تمہاری کیفیات کو سمجھتا ہوں، پلیز منصور مایوس مت ہو اور الٹی سیدھی باتیں مت سوچا کرو۔"

وہ ہولے ہولے اسے سمجھاتا۔ پتا نہیں اس کے لہجے میں اور گفتگو میں کیا تاثیر ہوتی کہ کچھ دیر کے لیے منصور کی آنکھوں میں امید کے رنگ جھلملانے لگتے تھے۔

اور پھر خضر کی کمپنی کو اچانک کویت میں ایک بہت بڑا پراجیکٹ مل گیا۔ وہ بہت ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا۔

"ماہ! یہ میری پریکٹیکل لائف کا سب سے بڑا پراجیکٹ ہے۔ اتنی پرانی کمپنیاں چھوڑ کر میرا انتخاب کیا گیا۔ اگر میں کامیاب ہو جاتا ہوں اور امریکن فرم کی ڈیمانڈ کے مطابق سب کچھ ہو جاتا ہے تو سمجھو میری کمپنی کو بین الاقوامی سطح پر نام مل جائے گا۔ یہ ایک بہت بڑا پراجیکٹ ہے اس میں تین سال لگیں گے، ہے ہی کچھ زیادہ۔"

"تین سال... خضر آپ تین سال کے لیے کویت چلے جائیں گے؟" ماہ نور کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

"ماہ! تم پریشان نہ ہو میں تم سے بے خبر تو نہیں رہوں گا۔ چکر لگاتا رہوں گا۔ پھر یہاں پاپا اور ولید بھی ہیں۔"

خضر نے اس کی بھیگی پلکیں دیکھ کر اسے تسلی دی۔

"ماہ! تم جانتی ہو، تمہیں یوں اس پریشانی میں چھوڑ کر میں خود بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ پراجیکٹ میرے

لیے ایک چیلنج ہے۔ جب میں نے ٹینڈر بھرا تھا تو مجھے گمان تک نہ تھا کہ میرا ٹینڈر منظور ہو گا۔ لیکن ہو گیا ابھی تو میں صرف جائزہ لینے جا رہا ہوں ماہ! پیپر ورک میں بھی سات آٹھ ماہ تو لگ جائیں گے۔ یہ سب میں وہاں ہی رہ کر کروانا چاہتا ہوں۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا اور ماہ نور کے آنسو اس کے رخساروں پر پھسل رہے تھے۔

"ماہ! دیکھو پلیز اس طرح رو کر مجھے کمزور مت کرو۔ رات پاپا سے بھی میری بات ہوئی تھی وہ بھی بہت خوش ہیں اور ان کا بھی خیال ہے کہ مجھے یہ پراجیکٹ مس نہیں کرنا چاہیے۔"

لیکن اسے اپنے آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا تھا وہ یونہی سر جھکائے روتی رہی تھی اسے لگ رہا تھا جیسے وہ ایک دم اکیلی اور تنہا ہو گئی ہے۔

"اچھا تو میری جدائی کے خیال سے رو رہی ہو۔ مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ تم مجھے اتنا چاہتی ہو۔"

وہ ہولے سے مسکرایا تو اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔"

"یعنی تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔"

خضر کا یہ انداز نہیں تھا لیکن شاید وہ اس کا خیال بٹانا چاہتا تھا۔

"نہیں! بس مجھے لگ رہا ہے جیسے آپ کے چلے جانے سے میں بالکل اکیلی اور تنہا ہو گئی ہوں۔ آپ یہاں تھے تو مجھے ڈر نہیں لگتا تھا اور وہ منوں۔"

"پگلی!" خضر نے ہولے سے اس کے سر پر چپت لگائی۔

"میں نے ولید کو سب سمجھا دیا ہے۔ منوں کی تم فکر نہ کرو وہ ہے نا یہاں سب سنبھال لے گا۔"

"لیکن خضر۔"

"میں جانتا ہوں، تمہاری زندگی میں اس سے مشکل لمحے کبھی نہیں آئے تھے۔ منوں کا اس طرح بے گناہ جیل چلے جانا کسی عذاب سے کم نہیں۔ پھر انکل کی حالت ایسی نہیں ہے کہ... چلو ڈن میں نہیں جا رہا میں یہ پراجیکٹ چھوڑ دیتا ہوں۔"

"نہیں نہیں پلیز خضر ایسا مت کریں۔ وہ بس میں یک دم آپ کے جانے کا سن کر پریشان ہو گئی تھی۔"

اس نے مسکرانے کی کوشش کی نم آنکھوں میں پھیلتی اس مسکراہٹ کی چمک خضر کو بہت بھلی لگی۔ وہ مبہوت سا اسے دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" ماہ نور کی پلکیں جھک گئیں اور رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔

"تم کتنی خوب صورت ہو ماہ کتنی دلکش۔" خضر کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔

"اور میں کتنا خوش قسمت ہوں۔ ماہ میں سچے دل سے بغیر کسی افسوس کے کہہ رہا ہوں کہ تم کہو تو میں نہیں جاتا۔"

"نہیں پلیز آپ جائیں۔" اس نے خود کو ہمت دلائی تھی۔

"تم کبھی بھی خود کو اکیلا مت جاننا۔ جب بھی تم نے آواز دی میں تمہارے پاس آنے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہیں لگاؤں گا۔"

اور اس روز خضر نے کتنی ہی امیدوں کے چراغ اس کی ہتھیلیوں پر جلائے تھے اور کتنے ہی خوش رنگ لفظوں کے پھولوں سے اس کا دامن بھر دیا تھا۔ کتنے ہی دن اس کے اندر چراغاں رہا اور دل میں خوشبو پھیلی رہی۔ کیا تھی وہ ایک عام سی لڑکی اور خضر نے اسے معتبر کر دیا تھا اور پھر خضر چلا گیا۔ اسے بہت ساری تسلیاں دے کر اور ولید کو سب سمجھا کر۔ اس کے جانے کے بعد کتنے ہی دن وہ بولائی بولائی سی پھرتی رہی، حالانکہ خضر ہر روز ہی تو اس کے گھر نہیں آتا تھا۔ ویک اینڈ پر چکر لگاتا یا جب سے منصور کا مسئلہ ہوا تھا تو اس کی ہر تاریخ پر آتا۔ منصور سے مل کر آتا

تب بھی آ کر سب احوال بتاتا اور اب اس کے جانے کے بعد یہ پہلی تاریخ تھی۔ وکیل نے گواہوں سے جرح کرنا تھی۔

خضر کے یہاں ہوتے ہوئے اس نے کبھی کچھ جاننے کی کوشش بھی تو نہیں کی تھی۔ وہی سب کچھ کر رہا تھا اور اب افضال حیدر تو خضر کے جانے سے پہلے ہی حسب معمول اپنے بزنس ٹور پر جا چکے تھے اور ان کی واپسی چھ سات ماہ سے پہلے ممکن نہ تھی اور ولید۔۔۔۔ ولید کو چاہیے تھا وہ فون کر کے بتا دیتا کہ لیکن نہیں یہ ولید کا کام تو نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے اس کے ذہن سے نکل گیا ہو۔ مجھے اس کو یاد دلانا چاہیے کہ کل اسے عدالت جانا ہے بلکہ آج شام وہ وکیل صاحب سے ان کے چیمبر میں جا کر مل لے اور منصور کا تعلیمی ریکارڈ بھی ان تک پہنچا دے اور جب اس نے فون کیا تو سعدیہ بیگم نے ریسیو کیا۔

"السلام علیکم آنٹی! میں ماہ نور ہوں، آپ کیسی ہیں۔"

"اچھی ہوں!" ان کا لہجہ اسے بہت روکھا روکھا سا لگا تھا۔

"وہ ولید کہاں ہے مجھے اس سے بات کرنا تھی۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا بات۔"

"وہ وکیل کی طرف جانا تھا کل منوں کی تاریخ ہے۔"

"وہ تو اس وقت گھر پر نہیں ہے۔" اور انہوں نے اس کے ساتھ ہی فون بند کر دیا تھا، حالانکہ وہ عینا سے بھی بات کرنا چاہ رہی تھی، بہت دن ہو گئے تھے نہ تو علینہ سے اس کی ملاقات ہوئی تھی اور نہ ہی بات ایک دوبار اس نے فون کیا تھا اریج نے بتایا تھا وہ گھر پر نہیں ہے۔ ایک گھنٹے بعد اس نے دوبارہ فون کیا۔ اس بار بھی سعدیہ بیگم نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔

"ولید نہیں ہے۔" انہوں نے اس کے سلام کے جواب میں اتنا ہی کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا اور پھر تیسری بار نصیر احمد خان کے کہنے پر اس نے فون کیا حالانکہ اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا اب فون کرنے کو اور سعدیہ بیگم نے پہلے کی طرح اس کے پوچھنے سے پہلے ہی بتا دیا کہ "ولید گھر پر نہیں ہے۔" اور فون بند کر دیا۔

"دادی ٹھیک کہتی ہیں۔" اس نے جھکا ہوا سر اٹھایا اور نصیر احمد خان کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں نمی اور چہرے پر بے بسی تھی۔

"کاش میں کسی قابل ہوتا تو۔۔۔! میرا ہونا نہ ہونا تو برابر ہے۔"

"ابا۔" اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ ان کے قریب آئی اور جھک کر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"ایسا مت کہیں آپ کا ہونا ہمارے لیے بہت اہم ہے۔" کچھ دیر پہلے کی مایوسی اب اس کے چہرے پر نہیں تھی بلکہ اس کی جگہ آنکھوں میں ایک عزم تھا۔

"آپ فکر نہ کریں سب ٹھیک ہو جائے گا اگر ولید نہ بھی آیا تو میں دادی کو ساتھ لے کر چلی جاؤں گی۔"

"ابا کسی کو بہت زیادہ آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ ٹھیک ہے نا اور کل سے میں آپ کو فزیو تھراپی کے لیے بھی لے کر جاؤں گی جب سے منوں گیا ہے آپ تھراپی کے لیے بھی نہیں گئے۔" اس کی آواز بھرانے لگی تو وہ بات کرتے کرتے ذرا سا رکی اور پھر مسکرا کر انہیں دیکھا۔

"آپ نے کتنا امپروو کر لیا تھا۔ ہمارا تو خیال تھا کچھ دنوں تک آپ بھاگنے لگیں گے"

"ماہ بیٹا! تم کیا کیا کرو گی مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور۔۔۔"

"ایسا مت کہیں ابا۔" وہ تھوڑی سی جگہ بنا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی اور اپنا دایاں بازو ان کے گرد لپیٹتے ہوئے زبردستی مسکرائی۔

"آپ ہمارا حوصلہ ہیں اگر آپ بے حوصلہ ہوئے تو ہم کیا کریں گے۔ دادی کو دیکھیں کتنی ہمت ہے ان میں اور آپ کو پتا ہے جب منوں آپ کو آخری بار ہسپتال لے کر گیا تھا تو ڈاکٹر نے کیا کہا تھا کہ آپ بہت جلد چلنے لگیں گے۔"

"ہاں۔" انہوں نے پلک جھپک کر آنسو روکنے کی کوشش کی

"اور جب منوں نے آکر بتایا تھا تو ہم کتنا خوش ہوئے تھے میں نے اسی وقت روما کو فون کیا تھا۔"

"ہاں یاد ہے۔" وہ مسکرائے۔

"تو بس اب آپ نے پھر کوشش کرنا ہے۔ جب منوں جیل سے واپس آئے گا تو آپ کو اپنے قدموں سے چلتا دیکھ کر حیران رہ جائے گا۔"

ان کی مسکراہٹ بجھ گئی۔

"پتا نہیں منوں واپس بھی آئے گا یا۔ اسے قتل جیسے سنگین جرم میں پھنسایا گیا ہے۔"

"تو پھر یہ طے ہو گیا ہے کہ اگر ولید نہ آیا تو پھر میں زوبی یا دانی کو ساتھ لے کر چلی جاؤں گی اور کل اسکول سے واپسی پر مسز مراد کے ساتھ جا کر وکیل صاحب سے پوچھ لوں گی کیا ہوا۔"

"کیا ہونا ہے بیٹا شاید پھر نئی تاریخ پڑ جائے۔ ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"لیکن ابا یہ لوگ جلد فیصلہ کیوں نہیں کر دیتے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سالوں تک لٹکاتے ہیں' ہمارا عدالتی نظام ایسا ہی ہے۔ پیشیاں' تاریخیں گواہیاں اگر کوئی بے گناہ ہو تو سالوں فیصلے کے انتظار میں جیل میں کاٹ دیتا ہے۔" نصیر احمد خان نے جواب دیا۔

"ماہا بیٹا! مشین سے آکر کپڑے نکال دو میں کچن میں ہوں۔" باہر سے طیبہ خاتون نے آواز دی۔

"آ رہی ہوں اماں' میں نے کہا بھی تھا کہ ابھی آکر کپڑے دھوتی ہوں' پھر آپ نے خود ہی مشین لگا دی۔" وہ ان کی بات کا جواب دیتی ہوئی باہر نکل آئی۔

طیبہ کچن میں تھیں۔ وہ صحن میں چلی آئی اور پھر کپڑے کھنگالتے نچوڑتے ہوئے وہ مسلسل ایک ہی بات سوچتی رہی۔ مجھے اپنی ذمہ داریوں کا بوجھ خود اٹھانا ہے مجھے ولید یا کسی اور کی طرف نہیں دیکھنا۔ دادی صحیح کہتی ہیں آخر کوئی کب تک دوسروں کا بوجھ ڈھوئے۔ پھر افضال حیدر کے خاندان کے ساتھ اس کا ایک اور رشتہ بھی تو جڑ چکا تھا۔ وہ اس خاندان کی بہو تھی۔ افضال حیدر نے امریکہ جانے سے پہلے سعدیہ بیگم اور علینہ' ایرج کے ساتھ آکر اسے انگوٹھی پہنا دی تھی اور جو جوڑے کپڑوں کے اس کے لیے خریدے گئے تھے وہ بھی ساتھ لے آئے تھے۔

"لیکن افضال۔" نصیر احمد خان شرمندہ سے تھے۔

"تم مجھے پہلے بتا دیتے تو میں تھوڑا بہت انتظام کر لیتا' تمہارے گھر کی پہلی خوشی تھی۔"

وہ بغیر اطلاع کے اچانک ہی اس رات آگئے تھے۔ وہ زوبی اور دانی کو ہوم ورک کروا رہی تھی جب اچانک ہی سب کو دیکھ کر وہ حیران سی ہو گئی تھی اور اس نے سوچا تھا کہ شاید وہ یوں ہی سب کی خیریت معلوم کرنے آگئے ہیں اور جب وہ کچن میں چائے بنا رہی تھی تو اماں اچانک ہی اسے بلانے آگئی تھیں اور دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی جب وہ نصیر احمد خان کے کمرے میں آئی تھی تو افضال حیدر نے اسے پاس بلا کر اس کے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا دی۔

ایک لمحہ کو تو اسے کچھ سمجھ نہیں آیا تھا وہ بھونچکا سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ سعدیہ بیگم خاموش سی بیٹھی تھیں۔ اس نے ان کی خاموشی کو محسوس کیا تھا۔

"یار تقریب بھی ہو گی اور ضرور ہو گی لیکن فی الحال تو میں صرف یہ چاہ رہا تھا کہ تمہیں یاد رہے کہ ماہ نور ہماری امانت ہے اور تم مجھ سے غیروں جیسی باتیں مت کیا کرو نصیر مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ میری منصور سے تم سے زیادہ رشتہ داری ہے۔ تمہارا تو وہ صرف بیٹا ہے اور میرا بھانجا بھی ہے اور بھتیجا بھی' ہوئی نا تم سے زیادہ رشتہ داری۔"

انہوں نے قہقہہ لگایا تھا اور پھر فوراً ہی سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"اس کے بغیر ہر خوشی ادھوری ہے لیکن یہ ضروری تھا میں چاہتا تھا کہ سب کے علم میں یہ بات آجائے کہ ماہ نور ہمارے خضر کی امانت ہے۔"

اور حیران کھڑی ماہ نور کو جب علینہ نے گلے لگایا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"مبارک ہو ڈیر۔" تو اس کے رخساروں پر رنگ بکھر گئے تھے اور پلکیں جھک گئی تھیں۔ گو خضر نے اپنے نام کی انگوٹھی پہلے ہی اسے پہنا دی تھی لیکن یہ رنگ جواب سب کے سامنے انکل افضال نے اس کے دائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں پہنائی تھی اس انگوٹھی نے اسے معتبر کر دیا تھا۔

"کیا بہت خوب صورت ہے۔"

علینہ نے اسے مسلسل انگوٹھی کی طرف دیکھتے پا کر پھر کہا تو وہ جھینپ گئی تب سلمیٰ خانم نے اسے گلے لگا کر دعا دی اور پھر باری باری اماں' ایرج' سعدیہ بیگم سب نے ہی اسے گلے لگا کر دعائیں دی تھیں لیکن اس کے اندر تو آنسوؤں کی برسات ہو رہی تھی بار بار منصور کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ جب افضال حیدر نے اس کا رشتہ مانگا تھا تو وہ کتنا خوش تھا اور بہت سارے دنوں بعد پہلی بار اس نے منصور کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھی تھی اور اسے منصور کا چہرہ بہت شگفتہ شگفتہ سا لگا تھا' ورنہ جب سے نصیر احمد خان کے ساتھ حادثہ ہوا تھا' وہ بے حد سنجیدہ رہنے لگا تھا۔

دانی کی شرٹ نچوڑتے ہوئے اس نے ایک نظر اپنی انگوٹھی پر ڈالی۔

"کام کرتے ہوئے مجھے اسے اتار کر رکھ دینا چاہیے تھا۔" وہ یونہی بے خیالی میں کتنی ہی دیر تک اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی۔

"آنٹی اس منگنی سے خوش نہیں ہیں۔"

بہت بار کی سوچی ہوئی بات اس نے پھر سوچی۔

"اور جس رشتے میں ماں کی دعائیں اور رضامندی شامل نہ ہو وہ رشتہ۔"

"خدا نہ کرے۔" اس نے بے ساختہ کہا وہ اس سے آگے کچھ نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ خضر کی محبت نے کب اور کیسے اس کے دل میں سیندھ لگائی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن اب جب کہ اسے اس محبت کا ادراک ہو چکا تھا اور وہ خضر کے ساتھ منسوب بھی ہو چکی تھی کسی ایسے خیال سے اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔

"نازش آنٹی کی بھانجی ہے نا تو بس اس لیے وہ کچھ ناخوش ہیں۔ لیکن ہولے ہولے ٹھیک ہو جائے گا سب۔ باقی سب تو خوش ہیں نا انکل' ایرج' علینہ' ولید سب اور سب سے بڑھ کر خضر۔

وہ کپڑے دھو کر فارغ ہی ہوئی تھی اور واشنگ مشین دھو رہی تھی کہ مس ہما کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"ارے ہما باجی آپ آئیے۔" دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

"حنا کو بھی ساتھ لے آتیں' بہت دن ہو گئے اس سے ملے۔"

"حنا کا رشتہ طے کر دیا ہے ہم نے۔" وہ بیٹھتے ہوئے مسکرائیں۔

"کل شام کو اس کی منگنی کی تقریب ہے میں تمہیں کہنے آئی تھی کہ تم ضرور آنا' حنا کی اکلوتی دوست ہو تم۔ مجھے پتا ہے اپنے بھائی کی وجہ سے بہت پریشان ہو لیکن تھوڑی دیر کے لیے آجانا حنا خوش ہو جائے گی۔"

"جی کیوں نہیں میں آؤں گی ضرور۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔"

"شکریہ ماہ۔" وہ اس کے ہاتھ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ماہ نے ان کی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے غیر ارادی طور پر ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"تمہاری بھی منگنی ہو گئی ہے شاید لیکن تم نے بتایا نہیں۔"

"حنا کو تو پتا ہے منوں کی وجہ سے کوئی تقریب نہیں ہوئی بس انکل افضال اپنی فیملی کے ساتھ آئے تھے اور انہوں نے انگوٹھی پہنا دی۔" اس کے لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ ابھری۔

"تمہارے عزیز ہیں شاید۔"

"جی اماں کی پھپھو کے بیٹے ہیں انکل افضال۔"

حنا کے سسرال والے غیر ہیں لیکن اچھے لوگ ہیں۔ لڑکا بینک میں جاب کرتا ہے۔ اگلے ماہ کے اینڈ میں رخصتی کر دیں گے۔"

"اتنی جلدی۔" ماہ نور کو حیرت ہوئی۔

"اور وہ حنا کی جاب؟ وہ کہہ رہی تھی کہ بہت اچھی جاب مل رہی ہے اسے۔"

"ہاں لیکن میں نے منع کر دیا۔ کہا اپنے میاں کی نوکری کرو اس سے اچھی کوئی اور نوکری نہیں۔" وہ ہنسیں لیکن ان کی ہنسی۔۔۔ ماہ نور نے چونک کر بغور انہیں دیکھا۔ ان کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں بے رنگ تھیں۔

"ہما باجی آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں بس کچھ تھکن سی ہے۔ ان دنوں بازاروں کے چکر لگا رہی ہوں نا اتنی جلدی سب تیار کرنا ہے۔ ہمارے جیسے ہی متوسط طبقے کے لوگ ہیں پھر بھی زیادہ نہ سہی تھوڑا کچھ تو ہو تاکہ سسرال میں طعنے نہ ملیں۔"

"میری مدد کی ضرورت ہو تو پلیز مجھے بتایئے گا۔" اس نے پورے خلوص سے کہا۔

"شکریہ ماہ نور! تم تو پہلے ہی اتنی مصروف رہتی ہو۔ پھر بھائی کی پریشانی۔ اللہ تمہیں اس پریشانی سے چھٹکارا دے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ارے ہما باجی بیٹھیے نا میں چائے بناتی ہوں۔" ماہ نور نے انہیں روکا۔

"نہیں ماہ میں چلتی ہوں ابھی چائے پی ہے موڈ نہیں پھر کبھی سہی تمہاری چائے ادھار رہی۔" وہ ہنسیں وہی کھوکھلی سی اداس ہنسی۔

"پھر کبھی اطمینان سے آکر پیوں گی اس وقت تو جلدی میں ہوں حنا گھر میں اکیلی ہے سب لوگ شاپنگ کے لیے نکلے ہیں۔ ایک تو آج سنڈے ہے زیادہ تر شاپس تو بند ہی ہوں گی۔ میں نے سوچا تمہیں انوائیٹ بھی کر لوں اور ——"

وہ بات ادھوری چھوڑ کر بے چینی سے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں موڑنے لگیں۔

"اور کیا ہما باجی کوئی کام ہے تو بتایئے نا بلا جھجک۔"

"کام۔" وہ چونکیں ان کے چہرے پر اضطراب سا پھیل گیا' بہت بے چینی سے انہوں نے دوپٹے کا پلو ہاتھ پر لپیٹنا شروع کر دیا۔

"وہ۔۔۔ ہاں کام تو کوئی نہیں میں تو بس یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ تم۔۔۔ تم جاب چھوڑ دو۔"

اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔ ماہ نور حیرت سے کھڑی ان کی بات پر غور کر رہی تھی۔

"جاب چھوڑ دوں' لیکن کیوں یہ تو ہما باجی نے بتایا ہی نہیں۔"

وہ ان کے پیچھے لپکی لیکن وہ چھوٹا سا صحن عبور کر کے گیٹ سے باہر نکل گئی تھیں۔ وہ الجھی الجھی سی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

■■■

"مبشر!" غزالہ نے بڑی لگاوٹ سے کہتے ہوئے اس کے دائیں کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا بات ہے۔" مبشر نے سر موڑ کر اسے دیکھا وہ سرخ لپ اسٹک لگائے اور سرخ ہی سوٹ پہنے گہرا میک اپ کیے تیار کھڑی تھی۔ اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا' آٹھ بج رہے تھے۔

"اس وقت کہاں جانے کے لیے اتنا تیار ہوئی ہے۔" اس نے سوچا اور کتاب بند کر کے پورا کا پورا اس کی طرف مڑ گیا۔

"مبشر چلو آج باہر ڈنر کرتے ہیں "حویلی" یا "دولمبیج" میں۔" اسے اپنی طرف دیکھتے پا کر غزالہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔ مبشر نے برا سا منہ بنایا۔

"پہلے بھی تم سے کہا ہے کہ اس قدر لو نیک کے گلے مت بنوایا کرو۔ گھر میں بھائی جان اور ابا جان بھی ہیں کیا سوچتے ہوں گے۔"

"تمہارے بھائی جان اور ابا جان کیا ہر وقت میری طرف ہی دیکھتے رہتے ہیں۔" وہ یکدم تڑخ کر بولی لیکن پھر فوراً ہی اس نے ٹون بدل لی۔

"سوری میں اپنے ٹیلر سے کہہ دوں گی آئندہ اس طرح نہ سیے تو تم چل رہے ہو نا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے غزالہ۔"

"اس میں دماغ خراب ہونے والی کیا بات ہے کیا شوہر اپنی بیویوں کو باہر ڈنر کروانے کے لیے نہیں لے جاتے۔"

"لے جاتے ہوں گے۔" مبشر نے اپنا لہجہ نرم رکھا۔

"لیکن تم دیکھ رہی ہو میں پڑھ رہا ہوں اور پھر ان حالات میں تمہیں اس طرح بن سنور کر باہر جانا زیب دیتا ہے۔"

"کن حالات میں۔" اس کی پیشانی پر لکیریں پڑ گئیں۔

"کیا ہو گیا ہے آخر۔"

"مانا تم سات دن بعد میکے سے آئی ہو لیکن یہاں جو قیامت گزری ہے اس سے بے خبر تو نہیں ہو گی تم۔ اصولاً تو تمہیں اسی روز واپس آجانا تھا جب تمہیں انعم کی ڈائیورس کا پتا چلا تھا۔" مبشر نے دل میں دبا غصہ نکالا۔

اس روز کے بعد وہ آج صبح ہی آئی تھی اور ایک بار بھی اس نے افسوس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"بھئی طلاق ہی تو ہوئی ہے اس میں قیامت گزرنے کی کیا بات ہے۔" وہ لاپروائی سے کہتی ہوئی مبشر کے پاس سے ہٹ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اور اب کیا ساری زندگی اس کا سوگ مناتے رہیں گے۔" مبشر نے بمشکل خود کو کچھ کہنے سے روکا اور رخ موڑ کر بند کتاب کھولی اور ٹیبل پر دونوں کہنیاں ٹکاتے ہوئے اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی اور دھیان پڑھائی کی طرف لگانا چاہا۔ سات دنوں سے وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکا تھا اور پڑھتا بھی کیسے۔

آنی کے نام آنے والی رجسٹری میں اس کی طلاق کے کاغذات ہوں گے یہ تو کسی کے تصور میں بھی نہیں تھا۔ وہ تو اپنے دل میں پیدا ہونے والے نئے نئے احساس کو خود سے بھی چھپائے گھر میں داخل ہوا تھا کہ عذرا بیگم کا بے تحاشا رونا اور پھر آنی کی ڈائیورس کا سن کر وہ جیسے ششدر رہ گیا تھا۔

کتنی ہی دیر تک وہ بے یقین سا کھڑا رہا تھا اور اسفر' عذرا بیگم کو تسلی دیتے رہے تھے۔

"اور کسی نے ظل الٰہی کو بھی خبر کی کہ انہوں نے شجی بھائی کو چھوڑ کر جو ہیرا منتخب کیا تھا وہ تو پتھر نکلا۔"

"شجی!" اسفر نے عذرا بیگم کا ہاتھ چھوڑ کر اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"حوصلہ میری جان جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔"

"اور یہ سب ابا جان کی وجہ سے ہوا ہے صرف ابا جان کی وجہ سے امی جان کے عزیزوں سے نفرت کا اظہار انہوں نے اپنی اولادوں کے قسمتوں کے فیصلے کر کے کیا۔"

"شجی!" عذرا بیگم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

وہ ان کی بات سنے بغیر تقریباً "بھاگتا ہوا" اپنے کمرے میں آگیا تھا۔ اس کا پورا جسم غصے سے تپ رہا تھا۔ آنی بلا قصور ابا جان کے فیصلے کی بھینٹ چڑھی۔ اس سے عمر میں اتنا بڑا شخص کسی کو بھی پسند نہیں تھا لیکن ابا جان۔ اس نے مٹھیاں بھینچی تھیں لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا اسفر نے صحیح کہا تھا۔

وہ کمرے سے رات گئے تک باہر نہیں نکلا تھا۔ کب میاں صلاح الدین گھر آئے۔ کب انہوں نے فون کر کے حاجی عبدالستار کو بلایا اسے کچھ خبر نہ تھی۔ بس اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے وہ غصے سے کھولتا رہا۔ وہ آنی کے پاس جانا چاہتا تھا لیکن اسے لگتا تھا جیسے وہ آنی کا سامنا نہیں کر پائے گا۔ کیا کہے گا وہ اس سے اس نے آصف کو دیکھا نہیں تھا۔ ملی نہیں تھی لیکن نکاح کے بندھن میں تو بندھی ہوئی تھی۔ کئی بار اس کا جی چاہا وہ جائے لیکن وہ اس سے کیا کہے گا۔ کوئی دلاسا کوئی امید' کوئی تسلی کچھ بھی تو نہیں بچا تھا۔ سب ختم ہو گیا تھا۔ ایک بار اس نے دروازے پر ہاتھ رکھا تھا باہر جانے کے لیے کم از کم اسے امی جان کے پاس تو جانا چاہیے لیکن میاں صلاح

الدین کی آواز سن کر وہ وہیں رک گیا وہ حاجی عبدالستار سے کہہ رہے تھے۔

"حاجی صاحب اس سے ایک بار تو پوچھیے کہ میری بچی کا قصور کیا تھا اسے اگر شادی نہیں کرنا تھی تو پھر اس نے نکاح کیوں کیا۔"

اسے میاں صلاح الدین کی آواز میں آنسوؤں کی نمی سی محسوس ہوئی تھی اس کا جی چاہا تھا وہ زور سے قہقہے لگائے اور باہر جا کر کہے۔

"یہ تھا آپ کا انتخاب اور پھر.... پھر کیا کرے....." اس نے غصے سے ٹیبل پر مکا مارا تھا اور بیڈ پر آ کر اوندھے منہ لیٹ گیا تھا۔ اس کے بس میں کچھ نہیں تھا۔ جانے کتنی ہی دیر وہ یونہی تکیے میں منہ چھپائے آنسو پینے کی کوشش کرتا رہا تھا جب اسفر اسے کھانے کے لیے بلانے آئے تھے۔

"شبی!" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اٹھو بیٹا کھانا کھا لو آ کر۔" ان کے اس شفیق لہجے میں جانے ایسا کیا تھا کہ اس کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے ذرا سا سر اٹھایا۔

ضبط گریہ کی کوشش میں سرخ ہوتی آنکھیں اسفر پریشان سے ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"شبی یار دکھ بہت بڑا سہی لیکن شاید اسی میں بہتری ہو۔"

"بہتری۔" وہ یکدم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

"جب یہ رشتہ ہو رہا تھا تب بھی سب کہہ رہے تھے کہ شاید اسی میں بہتری ہو تو بھلا کیا بہتری تھی میری اور غزالہ کی شادی میں آصف اور آنی کے نکاح میں پوچھیے جا کر ظل الٰہی سے۔"

"شبی کول ڈاؤن!" انہوں نے اس کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر ہولے سے دبائے۔

"کچھ باتیں انسان کی تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہیں اپنے بندوں کی۔"

"لیکن اسفر بھائی آنی۔" اس کی آواز ڈوبنے لگی اور آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"آنی کا کیا قصور ہے۔ اگر ابا جان....."

"ابا جان آنی کے دشمن نہیں ہیں شبی لیکن تقدیر۔" اسفر کتنی ہی دیر تک اسے سمجھاتے رہے تھے۔ ہولے ہولے نرم لہجے میں، لیکن دکھ سہنے کے لیے جس حوصلے کی ضرورت تھی وہ اس میں نہیں تھا۔ اسفر کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر تک بچوں کی طرح روتا رہا تھا۔

اور پھر اگلے چھ دن وہ نہ تو کالج گیا تھا اور نہ ہی آنی اور عذرا بیگم کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت پیدا ہوئی۔ تب انعم خود ہی اس کے کمرے میں آئی تھی۔

"شبی تم کالج کیوں نہیں جا رہے۔" وہی نارمل سا انداز۔ اس نے چور نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔

"اور تم غزالہ کو لینے بھی نہیں گئے۔" انعم اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔

"وہ ہفتے بھر کا کہہ کر گئی تھی آ جائے گی خود ہی۔"

"شبی! ادھر دیکھو میری طرف۔ تم اتنے اپ سیٹ کیوں ہو رہے ہو۔ کچھ باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں۔ ان کا دکھ ان کا کرب اپنی جگہ پر، لیکن ہم اللہ سے جھگڑا تو نہیں کر سکتے نا۔ چلو اٹھو شاباش باہر آؤ سمن ناشتا کر رہی ہے تم بھی کر لو اور کالج جاؤ۔"

اور وہ خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اس نے انعم سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ اسے لگا تھا اس کے پاس کچھ کہنے کے لیے ہے ہی نہیں۔ بھلا وہ کیا کہتا اس سے کہ اسے اس کی طلاق کا افسوس ہے۔ دکھ ہے بلکہ اس نے کسی سے بھی کچھ نہیں کہا تھا، نہ کچھ پوچھا تھا۔ سمن نے خود ہی اسے بتایا تھا۔

"حاجی صاحب نے آصف کو فون کیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے ہماری خواہش پر یہ قدم اٹھایا ہے۔ جب بھی اس نے رخصتی کے لیے کہا ہم نے ٹال دیا۔"

"بکواس کرتا ہے وہ۔" اسے سمن کی بات پر غصہ آ گیا تھا۔

"دراصل حاجی صاحب کا خیال ہے کہ یہ سب کیا دھرا اس کی بھابی کا ہے وہی اسے الٹی سیدھی پٹیاں پڑھاتی رہی ہے۔ دراصل وہ اس کی شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔"

"اور کیا یہ حاجی صاحب کو پہلے علم نہیں تھا۔" سمن سے ہی اسے معلوم ہوا تھا کہ موصوف کی بھابی انگوٹھی اور نکاح میں دیے گئے کپڑے لینے آئی تھیں اور کہہ رہی تھیں کہ ہم کیا جانیں کہ آصف نے کیوں طلاق دی۔ کوئی بات ہو گی۔

"دھکے دے کر باہر نکال دینا تھا۔" وہ یونہی غصے میں کھولتا ہوا کالج پہنچا تھا جب نرمل اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی تھی۔

"کیا ہوا تھا شبی! تم کالج کیوں نہیں آ رہے تھے۔ تمہارا سیل بھی آف تھا تم ٹھیک تو تھے نا۔ حمنہ خالہ اور انکل بھی اسلام آباد گئے ہوئے تھے کوئی سیمینار تھا ڈاکٹرز کا پھر وہاں سے ہی وہ مری چلے گئے۔ آج آنا ہے انہوں نے میں یہاں تھی ہاسٹل میں اپنی فرینڈ کے پاس۔" وہ تیز تیز بولتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی بے چینی، اس کا اضطراب۔ مبشر نے بغور اسے دیکھا۔

"شاہرم بھائی بھی شیجی بھائی کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ ایک ہفتے کی چھٹیاں لے رکھی تھیں انہوں نے۔ میں کس قدر پریشان ہوئی تم اندازہ نہیں کر سکتے۔ بتاؤ نا کیا ہوا سب ٹھیک ہیں نا عذرا خالہ، آنی، سمن تمہارے گھر کا نمبر بھی تو آج تک مجھے معلوم نہیں حمنہ خالہ ہی فون کرتی ہیں۔ آج اگر تم نہ آتے تو میں نے سوچ رکھا تھا اپنی دوست کو ساتھ لے کر فاطمہ جناح جاؤں گی سمن سے ملنے اتنے وہم آ رہے تھے مجھے۔"

"سب ٹھیک ہے نرمل۔" مبشر نے ایک گہری سانس لی۔

"تم یونہی پریشان ہو گئی تھیں۔"

"ہاں شاید میں وہمی ہو گئی ہوں۔ منوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اچانک اس نے میرا دل کمزور کر دیا ہے۔"

"نرمل!" مبشر نے آہستگی سے کہا۔

"آؤ کچھ دیر کے لیے کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔ لان میں چلیں۔" نرمل سر ہلا کر خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی ایک اکیلے گوشے میں اپنی فائل گھاس پر رکھتے ہوئے وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

"نرمل آنی کو ڈائیورس ہو گئی۔"

"کیا!" اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ کچھ فاصلے پر بیٹھی لڑکیوں نے مڑ کر اسے دیکھا

"ہاں، رویا آصف نے....."

"لیکن کیوں..... کیوں شبی۔" اس نے مبشر کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"آنی تو اتنی اچھی اتنی پیاری ہیں کہ جب میں نے پہلی بار انہیں دیکھا تو مبہوت سی ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کتنا خوش قسمت ہے وہ شخص جس کی شریک حیات آنی بنیں گی۔"

"اچھے لوگوں کے نصیب اچھے نہیں ہوتے شاید۔" وہ بہت دلگرفتہ ہو رہا تھا۔ آنی کی طلاق کا دکھ جیسے اس کے دل پر بوجھ بن کر ٹھہرا ہوا تھا۔

"میرا دل چاہتا ہے خود کو ختم کر لوں۔"

"نہیں، نہیں شبی ایسی باتیں مت کرو۔"

"دیکھو تم مجھے اب سب کی طرح لیکچر مت دینا۔" وہ کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہ تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔

"میں لیکچر نہیں دے رہی شبی۔" اس کے لہجے میں نرمیاں اتر آئی تھیں۔

"لیکن تم کہتے تھے نا تمہیں آصف پسند نہیں ہے تو کیا پتا آنی کے نصیب میں کوئی بہت اچھا بندہ لکھا ہو، آصف سے بہت اچھا ہو۔ بہت قدر کرنے والا۔"

"ہاں۔" اس کے بجھے بجھے دل میں امید کی لو سی بھڑکی تھی۔

"آصف آنی کے ساتھ بالکل نہیں سجتا تھا۔ لیکن ہم نے اسے ایکسیپٹ کر لیا تھا۔ نکاح کے بعد ہم نے اپنا ہی جان لیا تھا اور پھر آنی کے نام کے ساتھ اس کا نام جڑا تھا۔ لوگ تو کہیں گے نا کتنے سوال اٹھیں گے ان کے دلوں میں۔"

امید کے ساتھ ہی ایک وسوسہ سا بھی دل میں اٹھا تھا۔

"سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے شبی۔ کچھ لوگ بہت اعلا ظرف بھی ہوتے ہیں۔" وہ ہولے ہولے نرم نرم لہجے میں بولتی رہی اور اس کے دل پر دھرا بوجھ کم ہو تا گیا اور اس نے پہلی بار بڑی طمانیت سی محسوس کی۔

"اچھا ہے ایسے کم ظرف لوگوں سے جان چھوٹی۔ کیا پتا رخصتی کے بعد وہ کچھ ایسا کرتا تو۔"

"نرمل!" دل سے بوجھ ہٹا تو اس نے پاس بیٹھی نرمل کو بغور دیکھا۔

"تم اتنی پریشان کیوں ہو گئی تھیں۔" کسی احساس سے دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"کیوں مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے تھا شبی تم اتنے دن بغیر اطلاع کے غائب رہے۔ حمنہ خالہ یہاں ہوتیں تو۔" اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

"تم اکیلے میں سوچنا۔ اس کا جواب۔" وہ ایک دم ہی کھڑا ہو گیا تھا اور نرمل حیران سی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی۔

"چلو اب اٹھو۔" وہ مسکرایا تھا۔

"میڈم کی کلاس ہے۔"

نرمل بغیر کچھ کہے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، لیکن اس کی آنکھوں میں اسی طرح حیرت تھی اور وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"میں نے تم سے کچھ کہا ہے مبشر۔ لیکن اگر آپ نے سنا نہیں تو پھر دہرا دوں کہ میرا جی چاہ رہا ہے کہ آج باہر ڈنر کریں۔" غزالہ نے کسی قدر بلند آواز میں کہا تو وہ چونکا۔

"تم نے بھی شاید سنا نہیں میں نے تمہیں کیا کہا ہے۔"

"شبی خدا کے لیے یہ سیاپا اب ختم کرو۔ جسے دیکھو منہ لٹکائے ہوئے ہے اور وہ جسے طلاق ہوئی ہے مزے سے خوش خوش پھر رہی ہے۔ آخر کوئی بات ہو گی تو تب ہی تو۔۔۔" وہ ہمیشہ کی طرح بغیر اسٹاپ کے بولے چلی گئی۔

"منہ بند کرو اپنا اس سے آگے ایک لفظ بھی کہا تو۔"

"تو کیا کرو گے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

"ہاں بولو کیا کرو گے اور کس کس کا منہ بند کرو گے سب ہی تو کہہ رہے ہیں کہ آصف نے کوئی ایسی ویسی بات سنی ہو گی ورنہ اتنی خوب صورت۔۔۔"

"غزالہ۔" وہ زور سے چیخا۔

"چپ کر جاؤ ورنہ۔۔۔" ایک لمحے کو غزالہ اس کے تیور دیکھ کر سہم گئی لیکن دوسرے ہی لمحے چیخ کر بولی۔

"بہن کی بات پر کیسی آگ لگتی ہے اور۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر وہ طنز سے مسکرائی۔

"یہ تمہارے والد محترم کا کیا دھرا ہے۔ ایسا گھٹیا خاندان۔۔۔" مبشر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے کس طرح اس کو خاموش کرائے۔

"میرے والد کا نام مت لینا ایک تو انہوں نے احسان کیا رشتہ کروایا اور الٹا۔۔۔"

مبشر نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی اور تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ کچھ دیر یونہی برآمدے میں کھڑے ہو کر اس نے اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"کسی روز شاید میں پاگل ہو جاؤں گا۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں اپنے بالوں کو جکڑ کر کھینچا۔ درد کا ہلکا سا احساس ہوا۔ کچن سے رمضان کے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ غالباً برتن دھوتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔ ثمن اور انعم کے کمرے میں بھی لائٹ جل رہی تھی۔

سب اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ میاں صلاح الدین ابھی نہیں لوٹے تھے ورنہ ان کے آتے ہی کھانا لگا دیا جاتا تھا۔ اس نے ذرا سا رخ موڑ کر دائیں طرف دیکھا۔ اسفر کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ یعنی وہ گھر پر ہی تھے۔ اس وقت وہ ثمن یا انعم کے کمرے میں نہیں جانا چاہتا تھا پتا نہیں غزالہ نے آ کر کیا کیا بکواس کی ہو گی۔ وہ اس کی نیچر سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ دل ہی دل میں شرمندگی سی محسوس کرتا ہوا وہ دھیمے قدموں سے چلتا ہوا اسفر کے کمرے کی طرف بڑھا اور دروازے کے پاس رک کر دستک دی۔

"آ جاؤ!" اسفر کی آواز تھکی تھکی سی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اسفر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ان پر سر رکھے کرسی پر نیم دراز تھے اور آنکھیں بند تھیں۔

"ادھر میز پر رکھ دو۔" بغیر آنکھیں کھولے یونہی تھکی تھکی آواز میں انہوں نے کہا۔

"اسفر بھائی یہ میں ہوں مبشر۔"

"ارے شبی تم۔" وہ یکدم سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"میں سمجھا رمضان ہے چائے بنانے کے لیے کہا تھا اسے۔"

"بیٹھو یار کیسے ہو، پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟"

"چل رہی ہے بس۔" وہ افسردگی سے مسکرایا۔

"آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔"

"ہاں نہیں تو ٹھیک ہوں یونہی تھکن ہے۔"

انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ یہ کیسی تھکن تھی جس نے جسم و جاں دونوں کو مضمحل کر دیا تھا اس روز وہ عذرا بیگم سے علینہ کی بات نہ کر سکے تھے۔ انعم کی طلاق نے خود انہیں پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ اس پر علینہ کا رویہ انہیں اندر سے توڑ رہا تھا۔ انہوں نے علینہ کو انعم کے متعلق بتانے کے لیے فون کیا تھا لیکن اس کا بے زار اور روکھا رویہ محسوس کر کے کچھ بھی نہ کہہ سکے تھے۔ وہ پتا نہیں کیوں ایسا کر رہی تھی یہ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے۔ آج صبح بھی آفس سے انہوں نے اسے فون کیا تھا کئی بار لیکن اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا اور کچھ دیر بعد آف کر دیا پھر انہوں نے گھر کے نمبر پر فون کیا تو ایرج نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔

وہ بہت الجھ رہے تھے۔ بہت پریشان تھے۔ اگر آنی کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ ایک دن بھی نہ رکتے اور خود کو کراچی جا کر اس سے اس رویے کا جواز مانگتے۔ لیکن عذرا بیگم کو اس طرح پریشان چھوڑ کر جانے کو ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا اور پھر میاں صلاح الدین کی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی گو وہ ظاہر نہیں کر رہے تھے۔ ایسے میں صرف اپنے لیے سوچنا انہیں خود غرضی محسوس ہوئی تھی، لیکن وہ اپنے دل کا کیا کرتے جو پہلی بار علینہ کے لیے دھڑکا تھا۔ وہ تو اس جذبے سے ناآشنا تھے۔ علینہ نے ہی انہیں اپنی محبتوں کا احساس دلایا تھا اور اب خود ہی دور ہٹ رہی تھی۔

"کچھ دن آفس سے چھٹی کر لیں۔"

مبشر نے ان کے تھکے تھکے وجود پر نظر ڈالی۔

"نہیں یار ایسی بھی اب کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ہولے سے ہنسے۔

"غزالہ کہاں ہے امی جان کے کمرے میں۔"

"نہیں اپنے ہی کمرے میں ہیں محترمہ۔" مبشر کے لہجے میں تلخی تھی۔

"اسے مجھ سمیت اس گھر کا کوئی بھی فرد پسند نہیں ہے۔"

"اپنے آپ کو تو مت شامل کرو۔"

”یہ بیویاں ایسی ہی ہوتی ہیں اکثر انہیں شوہر کے عزیز رشتہ دار اچھے نہیں لگتے۔ تم مت چڑا کرو۔ ہولے ہولے اسے خود ہی احساس ہو جائے گا کہ اسے ان رشتوں کا احترام کرنا ہے۔ یہاں سب ہی اس سے محبت کرتے ہیں۔“ ان کا انداز سمجھانے والا تھا۔

”ہو چکا اسے احساس۔“ وہ بڑبڑایا۔

رمضان گنگناتے ہوئے اندر داخل ہوا اور پھر مبشر کو وہاں بیٹھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

”لو جی — شبی بھائی بھی یہاں ہیں لیکن میں تو صرف ایک ہی کپ چائے لایا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں میں چائے نہیں پیوں گا۔“

”کیا بات ہے مزاج مبارک ناساز لگ رہے ہیں۔“

”فضول مت بولا کرو۔“

”آپ تو بلا وجہ ہی ڈانٹ رہے ہیں۔ میں نے مزاج مبارک ہی تو پوچھا تھا۔“ وہ بڑبڑایا۔

”آج کل رمضان ڈرامے بہت دیکھنے لگا ہے۔“ اسفر نے چائے کا کپ اٹھایا۔

”اپنے شبی صاحب کو تو نظر ہی لگ گئی ہے صاحب۔“ وہ ہولے سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

”اس سے تو اچھا تھا شبی صاحب کی شادی نہ ہوتی۔“ وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے کہہ رہا تھا لیکن اس کی آواز کھلے دروازے سے اندر تک آ رہی تھی۔

”کاش ایسا ہی ہوتا۔“ مبشر نے زیر لب کہا اور اسفر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”حمنہ خالہ اور قامی انکل نے آج آنا تھا آ گئے ہوں گے آپ گئے تھے ادھر۔“

”نہیں میں بہت دنوں سے نہیں گیا۔ بلند بخت بھی گھر گیا ہوا تھا کل ہی آیا ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ سب گھر پر نہیں ہیں۔“

”آپ تو ان سے کافی بے تکلف ہیں۔“

”ہاں کیوں کیا کہلوانا ہے۔“

”وہ میں سوچ رہا تھا۔“ وہ بات کرتے کرتے جھجک گیا۔

یہ خیال اچانک ہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔ نرمل سے بات ہونے کے بعد اس کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ وہ اچھا اور بہترین شخص شجاع شاہ نہیں ہو سکتا کیا۔ لیکن پھر خود ہی اس نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا تھا بھلا اک دفعہ انکار کے بعد حمنہ خالہ پھر کیوں آپی کے لیے کہیں گی اور اگر کہیں تو پتا نہیں ابا جان۔ لیکن نہیں ابا جان اب انکار نہیں کریں گے لیکن حمنہ خالہ شاید۔

اور اب یہ خیال اچانک ہی اسفر سے باتیں کرتے ہوئے ذہن میں آیا تھا کہ اگر وہ حمنہ خالہ سے کہیں تو شاید وہ

”کہو نا شبی جھجک کیوں رہے ہو۔“ اسفر نے ایک شفقت بھری نظر اس پر ڈالی۔

”وہ اسفر بھائی اگر حمنہ خالہ پھر شجی بھائی کے لیے بات کریں تو شاید ابا جان اب انکار نہ کریں۔ ابھی شجی بھائی کی تو کہیں بھی بات طے نہیں ہوئی۔“

”ہاں۔“ اسفر نے ایک گہری سانس لی۔

”شجی کی بات کہیں طے نہیں ہوئی لیکن میری جان حیرت ہے تم ابا جان کو نہیں سمجھے ابھی تک، وہ کبھی کسی صورت نہیں مانیں گے۔“

”اسفی بھائی آپ بات تو کریں حمنہ خالہ سے میں ابا جان کو منا لوں گا۔“ اس نے ملتجی نظروں سے انہیں دیکھا۔

”شبی!“ انہوں نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا۔

”شجاع میرا بہت اچھا دوست ہے۔ بہت تھوڑے دنوں میں ہمارے درمیان بہت گہرا تعلق بن گیا ہے۔ میں بلند بخت سے ملنے جاتا تو کئی بار اس سے ملاقات ہو جاتی تھی۔ پھر میں ہر ویک اینڈ پر بطور خاص اس سے ملنے جانے

لگا۔ شاہ رخ، بلند بخت میں اور اب شجاع ہم چاروں نے کبھی ایک دوسرے سے اپنے دل کی بات کبھی نہیں چھپائی“

مبشر بہت غور سے ان کی بات سن رہا تھا۔

”شجاع اپنی کزن میں انٹرسٹڈ ہے اور بہت جلد انکل قامی اس کا پرپوزل لے کر حویلی جانے والے ہیں۔ ایسے میں میرا بات کرنا قطعی مناسب نہیں جب کہ مجھے شجاع کے دل کی بھی خبر ہے۔ ہماری آپی کے لیے تو کوئی بہت خالص بندہ ہونا چاہیے جس کے دل پر آپی سے پہلے کوئی نام نہ لکھا ہو۔“

مبشر خاموش بیٹھا تھا اس کی آنکھیں بجھ سی گئی تھیں اور دل پر افسردگی سی پھیلتی جا رہی تھی۔

”اسمی!“ عظمیٰ شاہ نے اسما کی طرف دیکھا۔

”ہاں کیا بات ہے۔“ سیدہ اسما شاہ نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔

”کیا سوچ رہی ہو۔“

”کچھ نہیں۔“

”جھوٹ میں بہت دیر سے تمہیں دیکھ رہی ہوں تم نے کتاب تو کھول رکھی ہے لیکن پڑھ نہیں رہی ہو۔ مسلسل ایک گھنٹے سے تم نے یہی صفحہ کھول رکھا ہے۔“

”اور تم ایک گھنٹے سے میرا مشاہدہ کر رہی ہو۔ جب کہ بقول تمہارے صبح تمہارا ٹیسٹ ہے اور تمہیں بہت سارا پڑھنا ہے۔“

”اوں پڑھنے کو جی نہیں چاہ رہا۔“ عظمیٰ شاہ نے کتاب بند کی اور اپنے بیڈ سے اٹھ کر اس کے بیڈ پر آ بیٹھی۔

”بری بات ہے عظمیٰ ہم یہاں پڑھائی کے لیے آئے ہیں اور شاہ رخ بھائی ہر ٹیسٹ کے متعلق پوچھتے ہیں۔ نمبر کم آئے تو ناراض ہوں گے۔“

”نمبر کم نہیں آئیں گے۔ میں صبح اٹھ کر ایک نظر دیکھ لوں گی۔ میرے سبجیکٹ مشکل نہیں ہیں کہ تمہاری طرح رٹا لگانا پڑے۔“ عظمیٰ نے خوش گوار لہجے میں کہا۔

”ہاں میڈیکل کی پڑھائی بہت مشکل ہے ذرا دھیان ہٹ جائے تو.....“

”لیکن یہ دھیان کیوں ہٹا ہے یہی تو پوچھ رہی ہوں۔“ سیدہ اسما شاہ کے رخساروں پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ دھیان کیوں ہٹا ہے۔ جب سے قائم علی شاہ نے اپنی خواہش کا اظہار شاہ رخ سے کیا تھا تب سے ہی وہ پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دے پا رہی تھی۔ دھیان بار بار شجاع شاہ کی طرف چلا جاتا۔ شجاع شاہ جسے پہلی نظر نے ہی پسندیدگی کی سند دے دی تھی لیکن وہ خود سے بھی اپنے جذبوں کا اظہار کرتے ڈرتی تھی۔ شجاع کی وارفتگی اس کی چاہت اس کی نظریں بنا کچھ کہے ظاہر کرتی تھیں لیکن وہ انجان بن جاتی تھی۔ دونوں ہی جانتے تھے کہ یہ راستے آسان نہیں ہیں۔ تب ہی تو نہ شجاع نے کبھی اظہار کیا۔ نہ اسما شاہ نے خود کو یہ باور کرایا کہ وہ شجاع کے لیے کسی جذبے کو اپنے دل میں محسوس کرتی ہے۔ لیکن یکایک اچانک جیسے سارے بند ٹوٹ گئے تھے اور سب دیواریں ڈھے گئی تھیں۔ قامی چچا نے تو صرف اپنی خواہش کا اظہار شاہ رخ سے کیا تھا لیکن اس نے جو اپنے دل کے گرد دیواریں کھڑی کر رکھی تھیں ڈھے گئیں اور سید شجاع علی شاہ سیدھا اس کے دل میں براجمان ہو گیا۔ وہ خوفزدہ سی ہو گئی۔

اس نے خود کو کتنا سمجھایا لیکن دل تو اب شاید کوئی بات سننے کو تیار ہی نہ تھا۔ حالانکہ اس کے ہاتھ میں امید کا کوئی تارا نہ تھا نہ ہی آس کا کوئی جگنو اس کی ہتھیلی پر چمکا تھا شاہ رخ انتہائی مایوس تھے۔

”نہیں چاچو آپ ایسا سوچیے بھی مت۔“

”لیکن کیوں شارو..... تم اتنے مایوس کیوں ہو۔ یار میں شاہ جی کے پاؤں تھام لوں گا کسی طرح تو یہ برف پگھلے گی۔“

”میں نہیں سمجھتا کہ شاہ جی آپ کی بات مانیں گے آپ تو انہیں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں چاچو۔“ اور لاؤنج کے

باہر کھڑے اس نے سید قائم علی شاہ کو کہتے سنا۔

”ہاں لیکن تم تو مجھے مایوس نہ کرو شاہ رخ تھوڑی دیر کے لیے تو اس تصور سے خوش ہونے دو مجھے۔“

ان کے لہجے سے اداسی جھلکنے لگی تھی اور اس کا دل جیسے ڈوبنے لگا تھا۔

”چاچو میں نہیں چاہتا کہ آپ خوش رنگ امیدوں سے اپنا دامن دل بھر لیں اور آپ کے ہاتھ میں سوائے مایوسیوں کے کچھ نہ آئے مجھے ڈر ہے چاچو کہ کہیں ہم اس ملاقات سے بھی نہ جائیں۔“

شاہ رخ نے دلگرفتگی سے کہا تھا۔ لیکن اس کے ڈوبتے دل میں نہ جانے کہاں سے چراغاں ہونے لگا تھا۔

کیا خبر شاہ جی مان لیں اور شجاع شاہ اپنی تمام تر وجاہت کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔ وارفتگی سے اسے تکتا معنی خیز جملے بولتا۔

اندر قائم علی شاہ افسردگی سے کہہ رہے تھے۔

”یہ شیجی کی بھی خواہش ہے۔ گو اس نے کہا نہیں لیکن ؎“ اور دل دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا۔ وہ وہیں سے واپس پلٹ آئی تھی اور تب سے اب تک اندر کبھی چراغاں ہو جاتا‘ کبھی یکدم سارے چراغ بجھ جاتے۔ وہ گھبرا کر اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیتی‘ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور شجاع شاہ کو شاید خبر بھی نہ ہو کہ وہ کس دل میں زندگی بن کر دھڑکنے لگا ہے۔

”بتاؤ نا اسمی! دھیان کہاں رہتا ہے تمہارا۔“ اسے خاموش دیکھ کر عظمیٰ شاہ نے پھر پوچھا۔

”وہ میری دوست ہے نا ثمن‘ اس کی سسٹر کو ڈائیورس ہو گئی۔ رخصتی سے پہلے ہی۔ ثمن بے چاری بہت پریشان تھی بس دھیان ادھر ہی چلا جاتا ہے۔“

”وہی ثمن نا جو اسفر بھائی کی بہن ہے‘ وہی اسفر بھائی جو شاہ رخ بھائی کے دوست ہیں۔“

”ہاں لیکن تم کیسے جانتی ہو انہیں۔“

”بلند بخت اکثر ہی ذکر کرتا ہے ان کا اور پھر شاہ رخ بھائی بھی بتاتے رہتے ہیں نا۔“

”اوہ ہاں‘ اچھا یہ اسفر بھائی اور ثمن حسنہ چچی کے بھی عزیز ہیں نا۔ غالباً ”بہن کے بچے ہیں۔“ اسما نے بے خیالی سے کہا۔

”کمال ہے اسمی! یہ سب تو تمہیں پتا ہے۔ بہت شروع میں جب ہم یہاں آئے تھے تو شاہ رخ بھائی نے بتایا تھا اور شاہ ہرم انہیں کے ساتھ تو حویلی گیا تھا۔ لگتا ہے آپ کا دھیان واقعی کہیں الجھا ہوا ہے۔“

وہ ہولے سے ہنسی اور بغور اسما کو دیکھا۔

”اسمی ایک بات بتاؤ تمہارے نزدیک محبت کا جذبہ کیا ہے۔“

اسما شاہ نے گھبرا کر اسے دیکھا۔ وہ آنکھوں میں بے تحاشا چمک لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا عظمیٰ نے میرے دل میں جھانک لیا ہے اس نے پیشانی پر نمودار ہونے والے پسینے کے قطرے ہاتھوں کی پشت سے صاف کیے۔

”محبت کا جذبہ تو اللہ نے ہمارے دل میں رکھا ہے‘ والدین کو اولاد سے‘ اولاد کو والدین۔“

”ارے نہیں۔“ عظمیٰ نے یکدم اس کی بات کاٹ دی۔

”میں اس محبت کی بات نہیں کر رہی۔ میں اس محبت کی بات کر رہی ہوں جو ہم کسی اجنبی کے لیے اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔“

”میں کیا بتا سکتی ہوں۔“ اسما کی نظریں جھک گئیں۔

”یہ محبت بہت خوب صورت جذبہ ہے اسما شاہ۔ بہت دلفریب دل چاہتا ہے کہ ہم اس ایک شخص کو سوچتے رہیں۔ یہ محبت تو رگوں میں لہو بن کے دوڑنے لگتی ہے۔ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ یہ محبت بڑی عجیب چیز ہے پاگل کر دیتی ہے بندے کو۔“

”عظمیٰ تم یہ سب۔۔۔“ اسما شاہ کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

”ہاں میں یہ سب اس لیے کہہ رہی ہوں کہ مجھے بھی محبت ہو گئی ہے کسی سے۔“ عظمیٰ شاہ نے بہت آرام سے جو بات کہی اس نے اسما شاہ کو پریشان کر دیا۔

”یہ تم کیا کہہ رہی ہو عظمیٰ شاہ کون کون ہے وہ۔“

”تم گیس کرو۔“ وہ مسکرائی اس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی اور رخسار کسی اندرونی احساس سے گل گوں ہو رہے تھے۔

”میں میں کیسے گیس کروں۔“ اسما گھبراہٹ میں ہاتھ مسل رہی تھی۔ شاید شجاع‘ شاید شاہ ہرم اس نے سوچا۔

”تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو اسما۔“ عظمیٰ نے اس کے ہاتھوں کی حرکت کو دیکھا۔

”نہیں گھبرا تو نہیں رہی لیکن تم عظمیٰ مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں آرہا۔“

”اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے اسما کیا مجھے محبت نہیں ہو سکتی کسی سے۔“

”ہو سکتی ہے۔“ اسما شاہ نے آہستگی سے کہا۔

”تو بس مجھے بھی ہو گئی ہے خود بخود ہی بلند بخت سے۔“

”بلند بخت سے۔“ اسما کو بے حد حیرت ہوئی۔

”ہاں بلند بخت سے سچ اسما یہ شخص اتنا پیارا ہے اتنا خوب صورت کہ جب سے مجھے احساس ہوا ہے کہ میں بلند بخت سے محبت کرنے لگی ہوں تو میرا جی چاہتا ہے ہر آن ہر لمحہ اسے دیکھتی رہوں۔“ وہ آنکھیں بند کیے جذب سے بول رہی تھی اور اسما حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کیا وہ بھی۔۔۔ میرا مطلب ہے بلند بخت بھی۔“ اس نے رک رک کر پوچھا۔

”نہیں۔۔۔“ عظمیٰ نے آنکھیں کھول کر اسما کی طرف دیکھا۔

”نہیں تو شاید معلوم بھی نہیں کہ میں ان کے لیے اس طرح سوچتی ہوں۔ وہ تو میرے ساتھ بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں۔“

”اوہ۔“ اسما شاہ نے گہری سانس لی۔

”تم بھی پاگل ہو عظمیٰ ایسا فضول خیال تمہارے دل میں آیا ہی کیوں۔ شاہ رخ بھائی کو خبر ہو تو کیا سوچیں گے اور پھپھو کیا کہیں گی۔ وہ شاہ رخ بھائی کے اتنے اچھے دوست ہیں۔ تمہارے متعلق ان کا کیا تاثر ہوگا اور پھر ان کی دوستی۔“

”یہ فضول خیال نہیں ہے ڈیئر سسٹر۔“ عظمیٰ نے اسی اطمینان سے کہا۔

”محبت ہے اور محبت سوچ سمجھ کر نہیں ہوتی خود بخود ہو جاتی ہے۔ آپوں آپ پتا ہی نہیں چلتا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اس روز بخت۔۔۔ اور شاہ رخ بھائی بیٹھے باتیں کر رہے تھے میں چائے لے کر گئی تھی۔ بلند بخت بتا رہے تھے کہ ان کی والدہ نے ان کے لیے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے لگتا ہے اب کے زنجیریں پڑ ہی جائیں گی سب گھر والے بہت سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں نے چائے ٹیبل پر رکھ کر ان کی طرف دیکھا تو مجھے لگا جیسے کوئی قیمتی متاع میرے ہاتھوں سے نکلی جا رہی ہو۔ میرا دل نیچے کہیں پاتال میں گرنے لگا۔ میں چائے دے کر فوراً باہر چلی آئی حالانکہ بلند بخت نے مجھے بلایا بھی تھا کمرے میں آکر میں بہت دیر تک حیران سی بیٹھی رہی میں نے اس انجانی لڑکی کے لیے اپنے دل میں بے حد حسد محسوس کیا اور اسمی پتا ہے اس وقت مجھے ادراک ہوا کہ میں بلند بخت سے محبت کرنے لگی ہوں۔ پتا نہیں کب سے کر رہی ہوں۔ وہ شخص تو میرے دل میں چھپا بیٹھا ہے۔“

”لیکن عظمیٰ اس کا انجام۔“ اسما شاہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

”بہتر ہے کہ ابھی اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دو۔ ہم سب کے لیے اسی میں بہتری ہے۔“

”یہ ممکن نہیں ہے اسمی۔ میں نے کہا نا کہ وہ تو میرے دل میں زندگی بن کر دھڑکنے لگا ہے۔“ وہ اس کے بیڈ سے اٹھ کر اپنے بیڈ پر آ بیٹھی اور تکیے پر پڑی ڈائری کو کھولا۔

"سنو اسما امجد اسلام امجد کی کتنی خوبصورت نظم ہے۔

تمہارا نام کچھ ایسے میرے ہونٹوں پہ کھلتا ہے
اندھیری رات میں جیسے
اچانک چاند بادل کے کسی کونے سے جھانکے
اور سارے منظروں میں روشنی سی پھیل جاتی ہے
کلی جیسے لرزتی اوس کے قطرے پہن کے مسکراتی ہے
بدلتی رت کسی مانوس سے آہٹ کی ڈولی لے کے چلتی ہے
تو خوشبو باغ کی دیوار سے روکے نہیں رکتی
اسی خوشبو کے دھاگے سے میرا ہر چاک سلتا ہے"

"عظمیٰ عظمیٰ یہ صحیح نہیں ہے صحیح نہیں ہے پلیز۔" سیدہ اسما شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ابھی کچھ نہیں بگڑا عظمیٰ ابھی وقت ہے اپنے آپ کو یہیں روک لو سنبھالو۔"

"اب کچھ بھی اختیار میں نہیں رہا اسما شاہ۔" اس نے بڑے جذب سے کہا۔

"تم سے بات کرنے سے پہلے میں نے ہر طرح خود کو سمجھا کر دیکھ لیا تھا۔ میں نے سوچا تھا ابھی یہ کونپل پھوٹی ہے اس سے پہلے کہ یہ تن آور درخت بن جائے۔ میں اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دوں لیکن اسما یہ تو تن آور درخت بن چکی تھی اور اس کی جڑیں اندر گہرائیوں تک پہنچ چکی تھیں۔"

"لیکن عظمیٰ تم جانتی ہو یہ ممکن نہیں کہ کبھی شاہ جی۔"

"محبت صرف حاصل کر لینے کا نام تو نہیں ہے اسما۔ محبت تو محبت ہی ہے نہ پا کر شاید اور نکھر جاتی ہے۔"

"یہ افسانوی باتیں مت کرو عظمیٰ۔" اسما چڑ گئی۔

"محبت ہوتی ہے تو پانے کی خواہش اور طلب بھی ہوتی ہے۔"

"تم کیسے جانتی ہو تم نے تو کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔" اس نے اسما شاہ کی طرف دیکھا جس نے نظریں چرا لی تھی اور نگاہیں جھکا لی تھیں اور کہہ رہی تھی۔

"کیسے کیسے رہو گی اس کے بغیر عظمیٰ اپنے آپ کو روک لو یہیں پر۔"

"تم نہیں سمجھ سکو گی اسما۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"میں جانتی ہوں تمہارا خوف تمہارا ڈر لیکن اسما اس معاملے میں بے بس ہو گئی ہوں میں جب سے بلند بخت نے دل کی مسند پر قبضہ جمایا ہے تب سے یہ اختیار میرے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔"

"لیکن یہ یک طرفہ محبت ہے بلند بخت تو تم سے۔"

"بھلے بلند بخت مجھ سے محبت نہ کریں میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں ان سے محبت کرتی ہوں۔ محبت کرنے والے یہ سب نہیں سوچتے اسما شاہ۔ جیسے شجاع بھائی تم سے محبت کرتے ہیں لیکن کیا کبھی انہوں نے تم سے کہا کہ تم بھی ان سے محبت کرو۔"

"عظمیٰ۔" اسما نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا شجاع نے تم سے ایسا کچھ کہا۔" دل جیسے سینے کی دیواریں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہونے لگا۔

"نہیں لیکن محبت کرنے والے دوسرے محبت کرنے والے کو پہچان لیتے ہیں۔ اسما تم نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ جب کبھی ہمارے ہاں وہ آتے ہیں یا ہم ان کی موجودگی میں ادھر جاتے ہیں تو وہ کتنی وارفتگی سے تمہیں تکتے ہیں۔ تمہاری طرف اٹھنے والی ان کی نظروں میں ہزاروں جگنو چمک رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اسما شاہ تم خود کو اس روگ سے بچا لینا روک لینا خود کو۔"

بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس اسما شاہ کے لبوں سے نکلی اب وہ اپنی اس چھوٹی بہن کو کیا کہتی کہ اس کا دل تو نہ جانے کب سے اس جذبے کا اسیر ہے۔

"اگر کوئی راستہ مجھے بلند بخت کی طرف نہیں لے جاتا اسما شاہ تو شجاع شاہ کا بھی کوئی راستہ تم تک نہیں آتا۔" عظمیٰ کی خوب صورت آنکھوں میں تارے سے چمکے "مجھے روز اول ہی بلند بخت اچھے لگے تھے۔ ہنس مکھ باذوق نرم دل لیکن مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ کبھی میں ان سے محبت کرنے لگوں گی۔"

"کس سے محبت کرنے لگی ہے عظمیٰ۔" اندر کی طرف آتی زینت فاطمہ ٹھٹک کر رک گئیں لیکن اب اندر خاموشی تھی عظمیٰ اور اسما دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہی تھیں۔ وہ کچھ دیر یونہی دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑی رہیں پھر آہستہ سے دروازہ کھولا۔ عظمیٰ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور ہاتھوں کی پشت سے گیلے رخساروں کو پونچھا۔

"آیئے پھپھو بیٹھیے۔" اسما شاہ نے فوراً اپنے بیڈ سے کتابیں ہٹا کر ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی۔

"تم لوگ پڑھ رہی تھیں یا گپ لگا رہی تھیں۔" زینب فاطمہ نے کھوجتی نظروں سے عظمیٰ شاہ کو دیکھا۔

"دونوں ہی کام ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔" عظمیٰ شاہ نے خود کو فوراً ہی کمپوز کر لیا تھا جبکہ اسما شاہ گھبرائی سی ہاتھوں کو مسل رہی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں۔" انہوں نے مسکرانے کی کوشش کی۔ لیکن اندر دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی "یہ عظمیٰ کیا کہہ رہی تھی کون ہے وہ خدایا شاہ جی تو ہم سب کو زندہ نہیں چھوڑیں گے اگر ایسی ویسی کوئی بات ہو گئی تو۔" انہوں نے سوچا۔

"کچھ نہیں پھپھو ہم ذرا محبت کے موضوع پر بات کر رہے تھے۔" عظمیٰ کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"یہ تم کیسی فضول باتیں کرنے لگی ہو میں نے کہا بھی تھا شاہ رخ سے کہ یہاں ٹی وی وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ پڑھنے آئے ہو تم لوگ لیکن وہ شاہ میر۔" ان کے لہجے میں خفگی تھی۔

"پھپھو۔" اسما شاہ جو ابھی تک کھڑی تھی گھبرا کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"آپ کو پتا ہے میں تو بالکل بھی ٹی وی نہیں دیکھتی۔ وقت ہی نہیں ملتا اتنی ٹف پڑھائی ہے اب یہ آخری سال ہے۔"

"آپ بے چارے ٹی وی کو مورد الزام نہ ٹھہرائیں پھپھو میں کب ٹی وی دیکھتی ہوں۔"

"تو کیا یونیورسٹی سے سیکھ کر آتی ہو ایسی فضول باتیں۔" زینت فاطمہ بدستور خفا لگ رہی تھیں۔

"پھپھو یہ فضول باتیں نہیں ہیں زندگی کی حقیقتیں ہیں۔" عظمیٰ شاہ ہمیشہ سے بولڈ تھی اور زینت فاطمہ سے تو خاصی بے تکلف تھی۔ اسما شاہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ لیکن عظمیٰ اس کے اشارے کو نظرانداز کیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے اتنی عمر گزار دی کیا اس اتنی لمبی عمر میں آپ کا دل کسی کے لیے نہیں دھڑکا کبھی بھی آپ کا دل نہیں چاہا کہ آپ۔"

"عظمیٰ۔" اسما سے صبر نہ ہوا تو اس نے تنبیہہ کی۔

"کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔"

"اس میں فضول بات کیا ہے اسمی۔" عظمیٰ کو برا لگا۔

"یہ انسانی فطرت ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے لیے کشش محسوس کرتے ہیں میں تو پھپھو سے یہ پوچھ رہی تھی کہ کیا کبھی انہوں نے کسی کے لیے۔" عظمیٰ پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی زینت فاطمہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ ایک مسکراتی نظر۔ وہ مڑ کر دیکھنا۔ ستائش بھری نظر۔ وہ ایک نظر کیسے دل میں نیزے کی انی کی طرح گڑی تھی

کہ برسوں گزر جانے کے بعد بھی وہ اسی طرح کسک دیتی تھی۔ وہ سانولا سلونا دبلا پتلا لڑکا پھر حویلی کے صحن میں چارپائی پر پڑا اس کا ساکت وجود۔ بند آنکھیں کتنی خواہش کی تھی انہوں نے کہ یہ بند آنکھیں ایک بار تو کھلیں اور یونہی مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھیں۔ انہوں نے ایک جھرجھری سی لی۔

"سوری پھپھو۔" اسماشاہ ان کے گلے میں بانہیں ڈالے کہہ رہی تھی۔

"یہ عظمٰی یونہی فضول باتیں کرتی رہتی ہے اور یہ اس کا قصور نہیں ہے پھپھو یہ نوق اور غالب کو رٹ رٹ کے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"نہیں کوئی بات نہیں۔" وہ شعوری کوشش سے مسکرائیں۔

"پوچھنے والے۔"

"یہ اسما تو بس مجھے یونہی ڈانٹتی رہتی ہے۔" عظمٰی نے منہ بسورا۔

"میں تو بس یونہی پوچھ رہی تھی آپ کو برا لگا تو سوری نا۔"

"مجھے برا نہیں لگا۔" وہ پھر مسکرائیں اور سوچا۔

"عمر کا وہ حصہ جب دل میں انجانے جذبوں کی کلیاں کھلتی اور چٹکتی ہیں دل کی زمین تو اسی عمر میں جیسے بنجر اور ویران ہو گئی تھی۔ وہ ایک نظر دل میں یوں ترازو ہوئی تھی کہ پھر وہاں کوئی کلی نہیں کھلی کوئی بیج نہیں پھوٹا۔

"دیکھا پھپھو ناراض نہیں ہیں۔" اس نے مسکرا کر اسما کو دیکھا۔

"ہاں بیٹا یہ جذبے فطری تو ہوتے ہیں لیکن انسان کو انہیں بے لگام نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی حدوں کو کراس نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارا تعلق کسی خاندان سے ہے اور ہمارا ایک غلط قدم ہمیں ہی نہیں پورے خاندان کو کسی کھائی میں گرا سکتا ہے عزت و وقار محبتوں سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی چیز ان کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ کسی بھی چیز کے عوض کھوئی ہوئی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔"

زینت فاطمہ ہولے ہولے بول رہی تھیں اور اسماشاہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی جب کہ عظمٰی ایک ہی بات سوچ رہی تھی کیا پھپھو نے اس کی باتیں سن لی ہیں۔

■■■ ■■■

"ماہ نور۔" وہ روڈ کراس کر کے اپنی گلی کی طرف مڑ رہی تھی، جب ہما نے اسے پیچھے سے آواز دی۔

"جی۔" وہ رک گئی۔

"آج آپ کو ہمارے ساتھ ہی چھٹی مل گئی؟"

"ہاں۔"

ہما نے مختصراً کہا۔ مس ہما کو ہمیشہ اسکول ٹائم کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر کلیریکل کام دیکھنا پڑتا تھا۔ آفس میں کوئی کلرک نہیں تھا۔ ایک لڑکا چند ماہ پہلے رکھا گیا تھا وہ فیس وغیرہ لے لیتا تھا اور اسکول ٹائم کے بعد سب حساب لے کر ان کا اندراج وغیرہ کرنا مس ہما کا ہی کام تھا، بلکہ بینک میں رقوم جمع کروانا اور ٹیم کو سب کی تنخواہ لانا بھی ان کے ذمے تھا۔ باقی ٹیچرز کے مقابلے میں ان کی تنخواہ کچھ زیادہ تھی۔

"ماہ نور! میں نے تم سے کہا تھا، تم جاب چھوڑ دو۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے تیزی سے بات مکمل کی۔ ماہ نور ٹھٹک کر رک گئی۔

"آپ نے مجھے اس کی وجہ نہیں بتائی میں دو دن سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے پوچھوں گی لیکن پھر اسکول میں آپ نظر ہی نہیں آئیں، گھر میں ابا کی طبیعت کچھ خراب ہو گئی تھی۔ اس لیے آپ کی طرف آ نہیں سکی۔"

"ریزن جاننا کیا ضروری ہے ماہ نور۔ تم میرے لیے حنا جیسی ہو، میں تمہیں غلط مشورہ تو نہیں دوں گی نا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، ہما باجی! لیکن آپ جانتی ہیں ان حالات میں میرے لیے جاب چھوڑنا کتنا مشکل ہے۔ تھوڑا بہت ہی سہی لیکن کتنا آسرا ہو جاتا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"اور پھر مجھے اور کہاں جاب مل سکتی ہے اتنی جلدی۔ میرے پاس تو کوئی اور راستہ نہیں ہے میں کیا کروں۔"

"اور جاب نہ چھوڑنے کی صورت میں زندگی کی طرف جانے والا ہر راستہ تمہارے لیے بند ہو جائے گا۔ پھر کیا کرو گی ماہ؟"

"ہما باجی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

وہ اپنی گلی میں داخل ہو چکی تھیں۔ گلی کے شروع میں ہی ہما کا گھر تھا۔

"آج شام سب حنا کے سسرال جا رہے ہیں، میں رک جاؤں گی۔ تم آنا گھر، شاید میں تمہیں سمجھا سکوں۔"

اس نے سر ہلا دیا، لیکن جاب چھوڑ دینے کے تصور سے ہی اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔ ایسے وقت میں جب نہ تو خضر یہاں تھا اور نہ ہی انکل افضال، ولید اگرچہ خیال تو رکھ رہا تھا اس شام کو بھی وہ آ گیا تھا۔

"سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا ابھی عینا نے یاد دلایا" آپ فون ہی کر دیتیں۔"

"میں نے فون کیا تھا، تم گھر پر نہیں تھے۔"

"میں تو گھر پر ہی رہا ہوں سارا دن اور ابھی بھی گھر سے ہی آ رہا ہوں۔"

"لیکن آنٹی نے تو۔۔۔" اور وہ ولید سے نہ کہہ سکی سعدیہ آنٹی نے ہر بار یہی کہا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ ولید، منوں کے پیپرز بھی وکیل کے پاس لے گیا تھا اور دوسرے روز عدالت بھی چلا گیا تھا۔ تاریخ پڑ گئی تھی اور منوں سے مل کر گھر میں بتا بھی گیا تھا، لیکن پھر بھی ماہ نور کا دل جیسے مایوس سا ہو گیا تھا۔ آنٹی نے ایسا کیوں کیا۔ وہ اس بات میں اتنی الجھی ہوئی تھی کہ وقتی طور پر ہما کی بات بھی اس کے ذہن سے نکل گئی، پھر ابا کا بلڈ پریشر یک دم ہی شوٹ کر گیا۔ شکر ہے اس کے پاس کچھ رقم تھی، وہ فوراً "ڈاکٹر کو گھر لے آئی۔ ان کا کلینک نزدیک ہی تھا بھلے آدمی تھے نصیر احمد خان کی مجبوری کا خیال کر کے گھر آ جاتے تھے۔ لیکن اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ اگلی تاریخ پر ولید کو فون نہیں کرے گی۔ بلکہ تائی یا دانی کو ساتھ لے کر خود ہی چلی جائے گی۔ اور اب یہ ہما باجی پتا نہیں کیوں اس طرح کہہ رہی ہیں۔ ذاکر صاحب تھوڑے سخت مزاج کے تھے، کبھی کبھار بے عزتی کر دیتے تھے، کچھ بے باک سے بھی تھے لیکن تنخواہ وقت پر مل جاتی تھی۔ بچوں کی تعداد بھی مناسب ہی تھی پھر سب سے بڑی بات اسکول گھر سے نزدیک تھا۔ وہ اکثر پیدل ہی آ جاتی تھی۔

وہ پریشان سی گھر میں داخل ہوئی تو طیبہ خاتون نے بتایا کہ دانی کو بخار ہو رہا ہے۔

"ابا کیسے ہیں؟" وہ چادر تخت پر رکھ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"وہ تو اچھے ہیں۔"

"دانی کی اسکول میں طبیعت خراب ہو گئی تھی، فون آیا تھا اسکول سے۔۔۔"

"تو آپ مجھے فون کر دیتیں میں لے آتی اسکول سے جا کر۔"

"لے آئے تھے ہم۔ میں اور تمہاری دادی۔"

"آپ گئی تھیں؟" اس نے حیرت سے طیبہ خاتون کو دیکھا۔

"میں نے سوچا تمہاری نوکری کا مسئلہ ہے

اور اماں کو کیا پتا شاید مجھے خود ہی نوکری چھوڑنا پڑے، لیکن اگر کوئی ٹھوس ریزن نہ بتایا ہما باجی نے تو میں ہرگز نوکری نہیں چھوڑوں گی۔"

اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کرتے ہوئے طیبہ خاتون کی طرف دیکھا۔

"دانی کی دوا؟"

"لے آئے تھے بہت تیز بخار تھا۔"

"اب کیسا ہے وہ۔"

"اب بخار کم ہو گیا ہے تمہاری دادی سر پر پٹیاں رکھتی رہی ہیں، کچھ دیر پہلے ہی سویا ہے۔" وہ بے حد تھکی تھکی

سی لگ رہی تھیں۔

"اماں۔" ماہ نور نے ان کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

"پریشان نہ ہوں' بچوں کو بخار وغیرہ تو ہو ہی جاتا ہے۔"

"کیا کروں پریشانیوں نے جیسے گھر کا راستہ ہی دیکھ لیا ہے' لو میں نے بھی آتے ہی تمہیں پریشان کر دیا ہے' چلو کپڑے بدل کر آؤ تو کھانا کھالو مونگ کی دال پکائی ہے' جلدی میں۔ اسکول سے واپس آتے آتے دیر ہو گئی تھی۔"

"اماں مجھے بھوک نہیں ہے۔ پلیز آپ جا کر آرام کریں۔ میں ذرا ابا کے پاس بیٹھوں گی۔ کیا کر رہے ہیں وہ۔"

"تمہارے ابا' دانی کے پاس ہی بیٹھے ہیں۔"

"اور آپ پلیز تھوڑی دیر جا کر لیٹ جائیں۔ کتنی تھکی تھکی لگ رہی ہیں۔"

"نہیں بیٹا میرا دل گھبرا رہا ہے' میں یہاں ہی بیٹھوں گی ابھی۔ آج سلائی کو بھی جی نہیں چاہ رہا۔ ایک سوٹ آیا پڑا ہے سینے کو۔"

"تو مت سیئیں نا میں تو منع کرتی ہوں' روز آپ کو۔" ماہ نور اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گئی۔

"اماں! کوئی اور بات بھی ہے جو آپ کو پریشان کر رہی ہے۔"

"نہیں اور کیا بات ہونی ہے۔ سعدیہ بھابی نے بہت دنوں سے فون نہیں کیا۔ تیری طرف عینا یا اریج کا فون آیا کیسے ہیں سب' میں نے آج فون کیا تھا۔ ملازمہ نے اٹھایا تھا کہہ رہی تھی سب کہیں گئے ہوئے ہیں۔"

"جی اماں سب ٹھیک ہیں۔ عینا سے بات ہوتی رہتی ہے۔" اس نے انہیں تسلی دی۔ تب ہی اندر کمرے سے نصیر احمد خان کی آواز آئی۔

"ماہ آ گئی ہے کیا؟"

"جی ابا! میں آ رہی ہوں۔"

ماہ نور ایک بار پھر طیبہ خاتون کو پریشان نہ ہونے کی تاکید کر کے اندر کمرے کی طرف چلی گئی۔ دادی' دانی کی چارپائی پر ہی بیٹھی تھیں۔ جب کہ ابا اپنی وہیل چیئر پر دانی کی چارپائی کے پاس بیٹھے تھے۔ مومو اور زوبی بھی ایک طرف خاموشی سے اپنی کتابیں کھولے بیٹھے تھے۔ دادی اور نصیر احمد خان کو سلام کر کے اس نے دانی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

"اب تو بخار کم لگتا ہے۔"

"ہاں اللہ کا شکر ہے۔" سلمیٰ خانم نے جواب دیا۔

"ابا آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا' بی پی تو زیادہ نہیں محسوس ہو رہا۔"

"نہیں بیٹا سب کچھ ٹھیک ہی لگ رہا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے ابا کل سے پھر چلیں گے تھراپی کے لیے۔ میں نے ڈاکٹر سے بات کر لی تھی کہ ہم شام کو آیا کریں گے صبح کو ممکن نہیں ہے۔"

"میں نے منع کیا تھا تمہیں' تمہاری اماں ہر روز زیتون کے تیل کی مالش تو کر رہی ہیں' اللہ نے چاہا تو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے ابا لیکن تھراپی بھی بہت ضروری ہے۔ وہ میری کولیگ ہیں نا مسز مراد ان کے پاس اپنی گاڑی ہے خود ہی ڈرائیو کرتی ہیں۔ وہ چھٹی کے وقت میرے ساتھ ہی آئیں گی۔"

"تو پھر ان کے ساتھ ہی ان کی گاڑی میں چلیں گے' ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں۔"

"وہ تمہاری کولیگ جو ایک دو بار آئی ہیں۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی۔"

"بہت اچھی بچی ہے۔ اللہ اس کا نصیب اچھا کرے۔"

ماہ نور نے دل ہی دل میں مسز مراد کے لیے بے حد دکھ محسوس کیا' باوجود میک اپ کے اسے ان کا چہرہ بے حد اجڑا اجڑا اور ویران لگتا تھا' حالانکہ پہلے وہ بہت فریش اور خوش رہتی تھیں' لیکن جب سے ڈائیورس ہوئی تھی

تب سے ہی ماہ نور کو لگتا تھا جیسے ایک مستقل ویرانی نے ان کی آنکھوں میں ڈیرہ ڈال لیا ہو۔

"بیٹا تم نے کہا نہیں کہ تکلیف ہو گی خواہ مخواہ اسے۔" نصیر احمد خان نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

"کہا تھا میں نے لیکن انہوں نے کہا کوئی تکلیف نہیں ہو گی مجھے۔ گھر جا کر میں نے کون سا بچوں کو کھانا دینا ہوتا ہے' تھوڑی لیٹ چلی جاؤں گی۔"

"بچے نہیں ہیں؟" نصیر احمد خان اس سے مسز مراد کے متعلق پوچھتے رہے۔ وہ مختصراً" بتا کر نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی لیکن نماز پڑھتے ہوئے بھی اس کا ذہن ہما میں الجھا رہا۔ شام تک کا وقت کاٹنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ آج ٹیوشن کے لیے آنے والے بچوں کو اس نے جلدی چھٹی دے دی اور عصر کی نماز پڑھ کر اماں کو بتا کر حنا کے گھر کی طرف چل دی۔

"اماں ذرا حنا سے ملنے جا رہی ہوں بہت دنوں سے بلا رہی ہے۔"

اس نے بتایا تو انہوں نے حسب عادت جلد واپس آنے کی تاکید کی اور وہ جلد آنے کا کہہ کر گھر سے باہر نکلی۔ ہما اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

"آ جاؤ ماہ! میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔"

"حنا نظر نہیں آ رہی؟ کیا وہ بھی اپنے سسرال گئی ہوئی ہے۔"

"نہیں! وہ تو آج صبح سے ہی ایک دوست کی طرف گئی ہے۔ رات میں آنے کا کہہ گئی ہے۔ اس کی دوست کی بہن کی شادی ہے غالباً" مایوں کا فنکشن ہے آج۔" ہما باجی نے اسے بتایا اور کھڑی ہو گئیں۔ "تم بیٹھو میں تمہارے لیے کچھ جوس وغیرہ لے آؤں۔"

"نہیں ہما باجی! آپ بیٹھیں' مجھے کوئی جوس وغیرہ نہیں لینا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر چائے بنا لیتی ہوں۔"

"پلیز ہما باجی! میں بہت پریشان ہوں۔ مجھے بتائیں آپ نے ایسا کیوں کہا۔ میں چائے وغیرہ نہیں پیوں گی' دانی کو بخار ہے' ابا کی طبیعت بھی خراب تھی' آج کچھ بہتر ہے' مجھے جلدی جانا ہے' میں صرف آپ کی بات سننے آئی ہوں۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر انہیں بٹھایا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا بات کیسے شروع کروں۔" ہما نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"ماہ! تمہیں ہمارے گھریلو حالات کا تو پتا ہی ہے۔ میں گھر میں سب سے بڑی ہوں۔ مجھ سے چھوٹا بھائی نکما اور کام چور ہے' سوائے سگریٹ پینے اور گلیوں میں آوارہ پھرنے کے اور کوئی کام نہیں کرتا' اس کے بعد حنا' ردا' ایما اور سب سے چھوٹا بابر۔ ابا کی وفات کے بعد ان سب کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اماں سدا کی دمے کی مریض پوری سردیاں ساری ساری رات جاگ کر اور کھانس کھانس کر گزرتی ہے ان کی۔ جب ابا کا انتقال ہوا تو میں ایف اے کر رہی تھی۔ ایف اے کے بعد میں نے کئی جگہوں پر نوکری کی۔ تنخواہ معمولی اور باہر اکیلی عورت کو ہڑپ کرنے کے لیے ہزاروں بھیڑیے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ماہ نور کیا بتاؤں' کہاں کہاں میں نے خود کو بچایا' لیکن جب ذاکر صاحب کے ہاں نوکری کی تو خود کو نہ بچا سکی۔ تب میں نے ہتھیار ڈال دیے' میں نے سوچا ایک اپنی زندگی تباہ کر کے باقی سب کی زندگیاں بچا لوں۔"

ہما کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"ذاکر صاحب مجھ پر بہت مہربان تھے اور میں بھی نوکریاں ڈھونڈتے' چھوڑتے تھک چکی تھی۔ میں نے پرائیویٹ بی اے کیا' پھر ایم اے بھی کر لیا۔ تنخواہ بھی مناسب تھی اور ذاکر صاحب وقتاً" فوقتاً" کچھ نہ کچھ ہیلپ بھی کر دیتے تھے۔" ماہ نور دم سادھے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"تم کہتی ہو گی میں نے نوکری پر لات کیوں نہ ماری اور کہیں دوسری نوکری کیوں نہ تلاش کر لی۔ لیکن میں نے بتایا نا تمہیں' میں بھاگتے بھاگتے تھک گئی تھی۔ میں نے عہد کر لیا تھا کہ اب مجھے ہی اپنے بہنوں اور بھائی کا

مستقبل سنوارنا ہے۔ حنا نے جب تمہاری مجبوری کا ذکر کیا تو میرے تصور میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ذاکر صاحب تم پر مرمٹیں گے۔ میں سمجھتی تھی کہ وہ مجھے... لیکن ماہ نور تمہارے اسکول میں آنے کے بعد وہ اکثر مجھ سے کہنے لگے کہ میں کسی طرح تمہیں رام کروں۔ پہلے ڈھکے چھپے اور پھر واضح لفظوں میں‘ اور اب تو انہوں نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں تمہیں ان تک نہ لے کر گئی تو وہ مجھے بدنام کردیں گے‘ ان کے پاس میری تصاویر اور کچھ ایسا میٹریل ہے۔ اب جب کہ حنا کی شادی ہونے والی ہے‘ اور دونوں چھوٹی بھی اب... میں یہ سب افورڈ نہیں کر سکتی۔ بابر ابھی نویں میں پڑھ رہا ہے۔

ماہ نور اللہ کے واسطے یہ جاب چھوڑ دو۔ وہ بھیڑیا ہے تمہاری تاک میں گھات لگائے بیٹھا ہے۔“

وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ماہ نور جو ساکت بیٹھی تھی‘ یکدم چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”ہما باجی! پلیز روئیں مت میں جاب چھوڑ دوں گی‘ لیکن میرے جاب چھوڑنے پر اسے شک نہیں ہوگا کہ آپ نے مجھے بتادیا ہے سب...“

”نہیں میں نے اسے کبھی شک نہیں ہونے دیا۔ بلکہ کہہ دیتی ہوں کہ کسی روز موقع دیکھ کر تمہیں اسکول ٹائم کے بعد روک لوں گی۔ دو دن پہلے اس نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہیں کسی بہانے ہوٹل میں لے آؤں۔ ڈنر پر انوائیٹ کروں‘ اپنی طرف سے۔ دوسرے دن میں نے جاکر بتایا کہ تمہارے والد نے اجازت نہیں دی‘ کیونکہ تمہارے ہاں ہوٹلوں میں کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔“ انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”ماہ نور! میں انسان ہوں‘ کمزور اور بزدل‘ مجھے خود سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں کسی روز میں خود غرض نہ ہوجاؤں پلیز ماہ نور! تم کل سے اسکول مت آؤ مسز مراد کے ہاتھ ریزائن بھیج دو کہ تمہاری منگنی ہوگئی ہے اور تمہارے سسرال والے پسند نہیں کرتے تمہاری جاب۔“

”جی آپ فکر نہ کریں ایسا ہی کروں گی میں۔“ اس نے انہیں تسلی دی۔

”تم کہتی ہوگی کہ ہما کتنی بری لڑکی ہے آوارہ... میں اگر تمہاری نظروں میں اچھی بنی رہتی تو پھر تم۔“

”نہیں‘ ہما باجی آپ ایسا مت سوچیں‘ آپ بہت اچھی ہیں‘ بہت عظیم۔ لیکن کوشش کرتی رہیے گا کہ خود کو اس کے چنگل سے نکال لیں۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”بعض لوگوں نے کیسے چہروں پر نقاب لگا رکھے ہوتے ہیں اور یہ ذاکر صاحب۔“ اس نے جھرجھری سی لی۔

”اگر ہما باجی مجھے یہ سب نہ بتاتیں تو۔“

”تھینک یو ہما باجی‘ تھینک یو! میرے پاس آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔“

”حنا کو کبھی یہ مت بتانا۔“

”کمال کرتی ہیں آپ ہما باجی! میں بھلا کسی سے کیوں ذکر کروں گی۔“

”شاید اللہ مجھے اس نیکی کے عوض بخش دے‘ جو میں نے کی ہے۔“ انہوں نے آہستگی سے کہا۔

”میرے لیے دعا کرنا ماہ نور۔“ ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ ماہ نور ہولے سے ان کا ہاتھ دبا کر ان کے گھر سے باہر نکل گئی۔ وہ بہت آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

”اب کیا ہوگا۔“ ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے سامنے تھا۔ اس نے پہلے سے ہی کتنے پلان بنا رکھے تھے کہ تنخواہ ملے گی تو دادی کا چیک اپ کروائے گی۔ زوبی کی نظر کمزور ہو رہی تھی‘ دو تین بار اس کی ٹیچر نے لکھ کر بھیجا تھا اس کی آنکھیں چیک کروائیں۔ لیکن اب ایک دم یوں اچانک ریزائن دے دینے سے اس کی تنخواہ بھی ضبط ہوجائے گی‘ اور اگر وہ ایک ماہ کا نوٹس دے دے اور اس اثنا میں کوئی دوسری جاب بھی تلاش کرلے گی تو تنخواہ بھی ضبط نہیں ہوگی آج ستائیس تاریخ تھی۔ چلتے چلتے اس نے سوچا۔ لیکن پھر خود ہی اس خیال کو مسترد کردیا۔ ”نہیں ہما باجی کہہ رہی تھیں کہ... بے شک تم مضبوط ہو‘ سب جاننے کے بعد اس کے جال میں نہیں پھنسو‘ لیکن میرا کیا

ہوگا ماہ نور... وہ تمہارا بدلہ مجھ سے لے گا۔ مجھے تکلیف پہنچا کر‘ اذیت دے کر وہ جان جائے گا کہ میں نے تمہیں خبردار کیا ہے۔ میں نے بہت مجبور ہوکر یہ فیصلہ کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں تم اس کی نظروں سے دور ہوجاؤ۔ تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید میں ہار جاتی اپنی عزت کے لیے‘ اپنے مفاد کے لیے‘ لیکن جب میں تمہارے متعلق سوچتی ہوں تو میری آنکھوں کے سامنے حنا آجاتی ہے۔ تم تو میری حنا جیسی ہی ہو ماہ نور۔“

”سب لڑکیاں آپ کی حنا جیسی ہی ہیں‘ ہما باجی۔“ اس نے کہا تھا۔

”ہاں سب‘ لیکن میں ایک بے حد کمزور لڑکی ہوں‘ جس کے سامنے اپنے خاندان کا مستقبل اور اپنی عزت ہے۔“

”اللہ آپ کو ہمت اور حوصلہ دے اور اس نیکی کے بدلے میں جو آپ نے میرے ساتھ کی ہے اللہ آپ کو اس خبیث آدمی کے چنگل سے نکالے۔“ اس نے پورے خلوص سے دعا کی۔

لیکن اب کیا ہوگا۔ کاش خضر یہاں ہوتا تو کہیں اچھی اور بہتر جگہ جاب دلوا دیتا اس نے کہا تھا ایک بار کہ کوئی بھی مسئلہ ہو تو بلا جھجک بتانا اور جاب کی پروا مت کرنا‘ لیکن اب وہ اتنی دور تھا‘ اتنا مصروف تھا کہ ہفتوں بعد کہیں خیریت کا فون کرتا اور وہ بھی براہ راست ایک بار ہی اس کی بات ہوئی تھی‘ ورنہ تو نصیر احمد خان سے ہی خیریت معلوم کرلیتا تھا اور اب تو مہینہ بھر ہوگیا تھا اس کا فون آئے۔

گھر کے اندر قدم رکھتے ہوئے وہ بہت دلگرفتہ سی تھی۔ طیبہ خاتون کچن میں دانیال کے لیے ساگودانہ بنا رہی تھیں۔

”دانی کیسا ہے‘ اب جاگ رہا ہے کیا؟“ وہ کچن کے قریب ذرا کی ذرا رکی تھی۔

”ہاں جاگ رہا ہے‘ اب بخار بھی بہت کم ہے۔“

”شکر ہے اللہ کا!“

”اماں! آپ اٹھ جائیں میں بناتی ہوں۔“

”نہیں بیٹا تم جاؤ دانی تمہارا پوچھ رہا تھا۔“ انہوں نے اس کے تھکے تھکے چہرے پر نظر ڈالی۔

”یہ بس تیار ہی ہوگیا ہے‘ تم موی کو بھیج دینا‘ باہر لے جائے آکر۔“ وہ سر ہلاتی ہوئی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دانی کے پاس اب بھی دادی بیٹھی تھیں اور موبل اس کا سر دبا رہی تھی۔ ابا اپنے کمرے میں جاچکے تھے۔

”کیسے ہو چندا!؟“ وہ اس کی چارپائی پر ہی بیٹھ گئی۔

”کیا سر میں درد ہو رہا ہے۔“

”جی۔“

”موی اٹھو تم جاؤ کچن میں اماں بلا رہی ہیں‘ میں اس کا سر دباتی ہوں۔“ اس نے چادر اتار کر تہہ کرکے ایک طرف رکھی اور دانیال کا سر دبانے لگی۔

”زوبی کہاں ہے؟“

”مسجد گیا ہے۔“ دادی نے بتایا۔

”دیر نہیں کردی اس نے‘ اس وقت تک تو آجاتا ہے قرآن پڑھ کے۔“ وہ پریشان ہوگئی۔

”آتا ہی ہوگا۔ میں نے کہا تھا واپسی پر ڈبل روٹی لیتا آئے‘ دانی کے لیے۔“ دادی نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

”تم تو ٹھیک ہو نا؟“

”جی دادی۔“ اس نے سر جھکا لیا۔

”آپی!“ دانی نے آنکھیں کھول کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

”ولید بھائی نے ابا کو بتایا تھا کہ منوں بھائی کو بخار ہوجاتا ہے اکثر۔ پھر انہیں درد بھی ہوتا ہوگا سر میں‘ تو پھر وہاں کون ان کا سر دباتا ہوگا۔ کون دوائی لاکر دیتا ہوگا۔ آپی وہاں جیل میں تو زمین پر سوتے ہوں گے وہ۔“

دانی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے تھے' اور باوجود ضبط کے اس کی پلکیں گیلی ہو گئیں۔ وہ نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔

"اللہ سے دعا کیا کرو بیٹا کہ وہ چھوٹ جائے' اللہ بچوں کی دعائیں سنتا ہے۔"

"میں اور زوبی اور موی ہم تینوں ہر روز دعا کرتے ہیں۔ نماز پڑھ کے بھی لیکن ہماری دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔"

اس نے یکدم آنکھیں بند کر کے کروٹ بدل لی۔ شاید وہ رو رہا تھا۔

"دانی!" ماہ نور نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

"اللہ ضرور تمہاری دعائیں سنے گا دانی' بس کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے نا۔"

سلمیٰ خانم نے ایک ستائش بھری نظر اس پر ڈالی اور پھر اس کے تھکے تھکے چہرے کو دیکھ کر ایک ٹھنڈی آہ ان کے لبوں سے نکل گئی۔

"یا اللہ! میری بچی کو ہر بلا سے محفوظ رکھنا' اور اسے بہت خوشیاں دینا۔" انہوں نے دل ہی دل میں دعا کی اور گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

"بیٹا تم ہو نا دانی کے پاس' میں ذرا نصیر کی طرف جا رہی ہوں اور ہاں دانی کچھ کھالے تو اسے دوا بھی دے دینا۔"

"جی اچھا۔" وہ پھر دانی کا سر دبانے لگی۔ پھر جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ارے تم رو رہے ہو دانی۔"

"آپی' آپی مجھے منوں بھائی بہت یاد آ رہے ہیں۔"

وہ بلک بلک کر رونے لگا۔ ماہ نور نے اسے ایک دم گلے سے لگا لیا۔ منوں بھولا کسے تھا' سب کو ہی یاد آتا تھا۔

■■■

وہ بہت دیر سے ایک بالکل الگ گوشے میں گھاس پر بیٹھا' نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ نرل اپنے گروپ کی لڑکیوں کے ساتھ کچھ فاصلے سے گزری تو اچانک ہی اس کی نظر اس پر پڑی۔

"ارے یہ تو مبشر ہے کیا' اسے میڈم کی کلاس اٹینڈ نہیں کرنی۔" اس کی رفتار آہستہ ہو گئی۔

"میڈم کی کلاس اٹینڈ نہ کر کے کیا اس نے میڈم کا عتاب مول لینا ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"لیکن وہ تو پچھلے کئی دنوں سے اکثر کلاسز اٹینڈ نہیں کر رہا۔" دوسری لڑکی نے کہا۔

"تمہارا تو وہ کزن ہے نرل' تمہیں تو معلوم ہو گا اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔"

"ہاں۔" نرل جو فاصلے پر بیٹھے مبشر کو دیکھ رہی تھی چونکی۔

"کچھ گھریلو مسائل ہیں۔"

"ہائے!" ایک لڑکی نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"ریئلی نرل یہ اتنا ہینڈسم اور حسین لڑکا تمہارا کزن ہے۔" اس نے لفظ حسین پر زور دیا۔

"تمہیں نہیں پتا کیا۔" پہلے والی لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"ہر گز نہیں۔" پھر وہ نرل کی طرف دیکھنے لگی۔

"سچی نرل' تمہارا کزن بہت خوب صورت ہے' اگر تمہیں اس سے دلچسپی نہ ہو تو ہمارے لیے کوشش کرو۔" انداز مزاحیہ تھا' لیکن لہجے میں حسرت چھپی تھی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔" پہلے والی لڑکی نے تاسف سے سر ہلایا۔

"وہ شادی شدہ ہے۔" نرل نے اس کی معلومات پر حیرت سے اسے دیکھا غالباً "یہ لڑکی مبشر کے "مقتولین" میں سے ہو گی۔ جب بھی کوئی لڑکی اس کی طرف بڑھتی وہ فوراً" ہی اسے مطلع کر دیتا کہ میں میرڈ ہوں۔

"ہائے یہ کیسا تیر چلا دیا تم نے! ابھی تو کوئی امید دل ناتواں میں جنم بھی نہیں لے پائی تھی کہ تم نے اسے جڑ سے اکھاڑ دیا۔"

"کو نہیں' اور تیز چلو' میڈم کی کلاس شروع ہونے والی ہے' اور تمہیں علم ہو گا کہ میڈم دیر سے آنے والوں کو کلاس میں گھسنے ہی نہیں دیتیں۔" پہلی والی لڑکی نے اس کا بازو کھینچا اور وہ تینوں باتیں کرتی ہوئی آگے بڑھ گئیں جب کہ نرل رک گئی تھی۔

"اے آؤ نا' رک کیوں گئی ہو؟" آگے جا کر ایک لڑکی نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"تم چلو میں آتی ہوں۔"

"وہ کئی دنوں سے اپ سیٹ ہے کلاسز اٹینڈ نہیں کر رہا' کیوں؟" اس نے سوچا۔

جہاں تک انعم کا مسئلہ تھا سب نے حالات کے ساتھ سمجھوتا کر ہی لیا تھا۔ وہ حمنہ خالہ کے ساتھ گئی تھی۔ عذرا بیگم کی آنکھوں میں آنسو آئے تو حمنہ نے بہت پیار سے سمجھایا۔

"شکر کرو عذرا! ایسے فضول اور گھٹیا لوگوں سے نجات مل گئی۔" انعم اسے بالکل نارمل لگی تھی اور مبشر بھی اس روز خاصا مطمئن دکھائی دیا تھا۔ حمنہ نے عذرا بیگم کو یقین دلایا تھا کہ بہت جلد وہ انعم کے لیے کوئی اچھا اور بہتر رشتہ بتائیں گی۔ ایک دو رشتے ہیں ان کی نظر میں بھائی صاحب کو ہمارا گھرانہ پسند نہیں' ٹھیک ہے۔ شجاع نہ سہی لیکن انشاء اللہ انعم کا رشتہ بہت اچھی جگہ ہو گا عذرا تم اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ یہ اب میری ذمہ داری ہے

"خالہ جان! یہ مسئلہ جلد حل ہو جائے تو اچھا ہے' ورنہ ابا جان پھر کوئی الٹا سیدھا فیصلہ نہ کر دیں۔" مبشر نے بھی کہا تھا۔

"فکر نہ کرو میری جان! میں نے کہا نا کہ اب ایسا نہیں ہو گا' انشاء اللہ!"

"مبشر تو بہت مطمئن تھا پھر ایسا کیا ہو گیا تھا کہ وہ اتنا پریشان ہے کہ دوسروں نے بھی نوٹ کر لیا۔" وہ خود تو جان بوجھ کر اس سے کترا رہی تھی اور صرف وہی نہیں اس نے محسوس کیا تھا کہ مبشر بھی اس سے کترا رہا ہے۔ وہ جہاں کھڑی ہوتی' وہاں سے راستہ بدل کر چلا جاتا۔ وہ کیوں کترا رہی تھی...؟ اپنے اندر پیدا ہونے والے ایک اجنبی احساس نے اسے بہت دنوں سے اپ سیٹ کر رکھا تھا۔

اس روز جب مبشر نے کہا تھا کہ "تم میرے لیے پریشان کیوں ہوئیں ذرا سوچنا۔" تب اسے مبشر کی بات عجیب لگی تھی' لیکن جب رات کو وہ بستر پر لیٹی اور اس نے خود کو کھوجا تو' دل نے بے تحاشا دھڑک کر جو احساس اسے بخشا اس نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"نہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ شبی تو..."

اور اس روز سے وہ اس احساس سے چھٹکارا پانے کی کوشش کر رہی تھی' خود کو جھٹلا رہی تھی' لیکن یہ اجنبی احساس اندر ہی اندر اسے چٹکیاں بھر رہا تھا' تب ہی تو وہ مبشر سے کترا رہی تھی اور چاہ رہی تھی کہ دل میں جنم لینے والا یہ احساس مٹ جائے لیکن آج اسے یوں پریشان بیٹھے اور لڑکیوں کو تبصرہ کرتے دیکھ کر وہ خود کو اس کی طرف جانے سے نہ روک سکی تھی۔ ہولے ہولے چلتی وہ اس کے قریب پہنچ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ وہ سر جھکائے جانے کس خیال میں گم گھاس کی پتیاں نوچ رہا تھا۔ آہٹ پر اس نے سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ہلکی سرخی تھی لیکن اس کی نظروں میں بیگانگی سی تھی۔

"شبی! تم ٹھیک ہو نا گھر میں سب خیریت سے ہیں نا۔"

"ہاں۔" اس نے پھر سر جھکا لیا اور گھاس کی پتیاں نوچنے لگا۔

"لیکن مجھے تم ٹھیک نہیں لگ رہے۔" نرل نے اسے بغور دیکھا۔

"شاید!" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

"میڈم کی کلاس میں نہیں چلو گے۔"

"موڈ نہیں۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا نرل لمحہ بھر اسے دیکھتی رہی پھر اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"تم جاؤ کلاس لے لو خواہ مخواہ میڈم نے کل ڈانٹ دینا ہے۔" مبشر نے بدستور اپنے شغل میں مصروف رہتے ہوئے جواب دیا۔

”میرا ابھی موڈ نہیں ہے۔“

”اچھا۔“ اس نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔

”شبی! تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے‘ سب لوگ محسوس کر رہے ہیں۔“

”سب لوگ کون۔“

”اپنے کلاس فیلوز۔“

”کیا ان کلاس فیلوز میں تم بھی ہو نرمل؟“ اس نے ہاتھ میں پکڑی گھاس کی پتی نیچے پھینکی اور اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی۔

”تم نے مجھے دوست کہا ہے شبی‘ پلیز بتاؤ نا کیا ہوا ہے۔“

”اگر میں نے بتا دیا تو تم دوست سے دشمن ہو جاؤ گی۔“ وہ ہولے سے ہنسا۔

”مذاق نہیں مبشر میں سنجیدہ ہوں۔“ نرمل اس کے اندازِ گفتگو اور رویّے سے الجھ رہی تھی۔

”سنجیدہ تو میں بھی ہوں۔“

”او کے تم نہیں بتانا چاہتے تو۔“ وہ اٹھنے لگی تو مبشر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

”اب بھاگ کہاں رہی ہو‘ پوچھا ہے تو سنو بھی۔“

”تم بتاؤ تو۔“

”پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم مجھ سے کیوں چھپ رہی ہو۔“

”میں، نہیں تو۔“ نرمل نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

”جھوٹ تو مت بولو نرمل‘ تم مجھ سے تو چھپ جاؤ گی لیکن خود سے کیسے چھپاؤ گی اس احساس کو‘ جس سے ڈر کر تم مجھ سے کتراتی پھر رہی ہو۔“

مبشر کی آنکھوں میں یکدم چمک سی پیدا ہوئی تھی اور ان میں ایسی تپش اور روشنی تھی کہ نرمل کو اپنی دھڑکنیں بے ترتیب سی محسوس ہونے لگیں ”تم جس احساس کے خوف سے چھپتی پھرتی ہو میں بھی اسی احساس کی آگہی پر حیران ہوں پریشان ہوں۔ یہ احساس جو کبھی تو میرے اندر روشنیاں بھر دیتا ہے اور کبھی یکدم یاس کے سیاہ بادل ان روشنیوں کو مدھم کر دیتے ہیں۔

نرمل یہ آگہی عذاب ہے‘ بہت اذیت ناک ہے اور میں اس آگہی کے کرب میں مبتلا ہوں۔ بتاؤ کیا کروں۔ میں اس احساس کو کسی سے بھی شیئر نہیں کر سکتا‘ شاید تم سے بھی نہیں۔

کبھی کبھی ایسا کیوں ہوتا ہے نرمل‘ جسے جہاں ہونا ہوتا ہے وہ وہاں نہیں ہوتا اور جسے نہیں ہونا ہوتا وہ وہاں ہوتا ہے۔ اے کاش‘ ہم اپنی تقدیر بدلنے پر قادر ہوتے تو۔“

وہ ایک گہری اور طویل سانس لے کر خاموش ہو گیا نرمل کو لگ رہا تھا جیسے اندر دھڑکنوں نے اودھم مچا رکھا ہو دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

”وہ جسے ہمارا نہیں ہونا ہوتا اس کے ہونے کے احساس سے ہمارا دل کیوں سج جاتا ہے نرمل۔۔۔ آنی کہتی ہیں ہم تقدیر سے لڑ نہیں سکتے۔ تقدیر نے ہمارے ساتھ ہی ایسا کیا ہے رومی‘ یا اوروں کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہی کچھ ہوا ہے۔“

اس نے سر جھکائے بیٹھی نرمل کی طرف دیکھا۔

اس کی تھوڑی گھٹنوں سے لگی تھی اور وہ گھاس کی پتیاں بالکل اسی کے انداز میں نوچ نوچ کر پھینک رہی تھی۔

”یہ احساس بہت خوش کن ہے‘ بہت دلفریب لیکن اس کے ساتھ ہی بہت المناک بھی‘ جیسے خوشی کے دامن میں دکھ باندھ دیا جائے‘ یا پھر خوشیوں کے لباس پر دکھوں کے پھول ٹانک دیے جائیں‘ کیا تم بھی ایسا ہی محسوس کرتی ہو نرمل؟ کیا تم نے جان لیا ہے کہ تم میرے لیے پریشان کیوں تھیں؟ اگر نہیں جانا تو جان لو گی جلد ہی۔۔۔

لیکن نہیں‘ میں شاید غلط کہہ رہا ہوں‘ تمہارا گریز بتاتا ہے کہ تم جان چکی ہو۔ تم نے اس احساس کو کیا نام دیا ہے؟“

”میں نے؟“ اس نے بوکھلا کر مبشر کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

”ہاں! تم نے شاید اس احساس کو کوئی نام نہ دیا ہو لیکن میں نے اپنے اندر پیدا ہونے والے اس احساس کو محبت کا نام دیا ہے۔ آئی لو یو نرمل!“

وہ بات‘ جسے وہ شاید مہینوں سالوں نہ کہہ پاتا آج بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکل گئی تھی۔

”شبی!“ اس نے ایک حیران نظر اس پر ڈالی۔

”میں اپنے دل میں‘ تمہارے لیے محبت بھرے جذبات رکھتا ہوں۔“

”یہ‘ یہ صحیح نہیں ہے۔“ اس کی آواز گھٹی گھٹی سی تھی اور اس نے یوں گھبرا کر چاروں طرف دیکھا تھا جیسے آس پاس سب ہی اس کی طرف کان لگائے بیٹھے ہوں‘ حالانکہ اس وقت لان میں بہت دور اکا دکا لڑکے بیٹھے پڑھ رہے تھے۔

”پتا نہیں صحیح ہے یا غلط‘ لیکن میں نے پوری ایمان داری سے تمہیں وہ بتا دیا جو میں نے محسوس کیا۔“

”محبت غلط صحیح نہیں سوچتی اس کا ادراک‘ ہمارا دماغ کرتا ہے نرمل۔ میرے دماغ نے بھی مجھے ادراک دیا ہے اور میں نے دماغ کی بات کو سمجھا بھی ہے اور خود کو بھی سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن شاید یہ ایسا بے بس کر دینے والا جذبہ ہے کہ آدمی بے بس ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی کوشش کر رہا ہوں۔ تب ہی تو تم سے چھپتا پھر رہا ہوں اور تم بھی۔“ اس نے سر اٹھا کر نرمل پر ایک گہری نظر ڈالی۔

”مانو یا نہ مانو یہی کوشش کر رہی ہو۔“ اس نے نگاہیں نرمل کے چہرے سے ہٹا لیں۔ نرمل کچھ دیر تو یونہی خاموشی سے اپنی فائل کو کھولتی بند کرتی رہی‘ پھر جیسے سنبھلتے ہوئے بولی۔

”غزالہ کیسی ہے؟“ اس نے مبشر کی بات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ مبشر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ چمکی۔

”شیخوپورہ میں اپنے والد محترم کے گھر ہے۔“

”کیوں؟“ نرمل نے گھبرا کر پوچھا۔ ”کیا پھر لڑائی ہوئی؟“

”کب نہیں ہوتی!“

مبشر کے لہجے میں تھکن اتر آئی۔ ابھی نرمل کی طرف دیکھتے ہوئے جو جگنو سے اس کی آنکھوں میں چمکے تھے بجھ گئے۔

”میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس کی باتوں کو اگنور کر دیا کرو۔ وہ اگر نا سمجھ ہے تم تو سمجھ دار ہو نا۔“

”وہی تو کرتا ہوں نرمل‘ لیکن میری خاموشی سے وہ ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے معمولی معمولی باتوں پر بھڑک اٹھتی ہے‘ اور میکے جانے کے لیے بیگ تیار کر لیتی ہے۔ ایک ہفتہ سے زیادہ شیخوپورہ رہنے کے بعد وہ اسی روز آئی تھی۔ میں خود اس کی خواہش پر اسے چھوڑنے گیا تھا۔ راستے میں اس کی فرمائش پر آئس کریم بھی کھلائی۔ پھر آنی کی طلاق کے پیپرز آ گئے اس نے ایک بار بھی فون کر کے کسی دکھ کا یا افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ میں نے ایک لفظ تک نہیں کہا‘ بہت خوش دلی سے بہت گرم جوشی سے اس کو ریسیو کیا‘ لیکن نرمل اس نے آتے ہی ڈنر پر لے چلنے کی فرمائش کر دی۔ ان حالات میں جب گھر پر افسردگی طاری تھی میں اسے کیسے ڈنر پر لے جاتا۔“

”ڈنر پر ساتھ چلنے کی خواہش معیوب تو نہیں ہے شبی‘ لیکن وہ بے وقوف ہے‘ اس نے موقع محل نہیں دیکھا تم نرمی سے سمجھا دیتے۔“ نرمل نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہا۔

”تمہارا کیا خیال ہے‘ میں نے اسے نہیں سمجھایا ہو گا۔“ مبشر کی سوالیہ نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

”لیکن وہ صبح اٹھتے ہی روٹھ کر چلی گئی صبح وہ سو رہی تھی‘ میں ناشتا کر کے کالج آ گیا‘ واپس گیا تو امی جان نے بتایا کہ شیخوپورہ سے اس کا کوئی خالہ زاد بھائی آیا تھا اسے لینے‘ اور وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ میں نے کہا بھی کہ ابھی

کل ہی تو آئی ہو خیریت ہے نا۔ تو امی جان سے کہا کہ میری خالہ آئی ہوئی ہیں کراچی سے ان سے ملنے جا رہی ہوں۔ لیکن دو تین بعد میں نے فون کیا اور پوچھا کہ کب لینے آؤں تو کہہ دیا کہ کبھی نہیں، مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ اگر میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو الگ گھر لو۔ میں ساری زندگی تمہاری ماں بہنوں کا غم خود پر طاری کر کے اپنی زندگی کی خوشیاں حرام نہیں کر سکتی ابھی تو تین تین ہیں جانے کیا کیا گل کھلائیں گی۔۔۔ میں نے فون بند کر دیا اب بتاؤ نرمل میں کیا کروں کہاں جاؤں، جی چاہتا ہے کہ ختم کر لوں خود کو۔"

اس نے بے بسی سے اپنی مٹھیاں بند کیں اور کھولیں۔ نرمل کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے کس طرح اسے ریلیکس کرے کون سے لفظ ڈھونڈ کر لائے جو اس کی ٹینشن کو کم کر دے۔

"پلیز شبی۔" اس نے غیر ارادی طور پر اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ یہ اس کے ہاتھوں کا لمس تھا، یا اس کی نگاہوں کا اعجاز کہ شبی کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں ایک نرم نرم سی کیفیت دکھائی دینے لگی۔ سخت سپاٹ چہرے پر نرماہٹ بکھر گئی۔

"اے کاش، اے کاش!" دل نے بے اختیار خواہش کی۔

"یہ ہاتھ ہمیشہ میرے ہاتھوں میں رہے، میں ہمیشہ اس کی نرماہٹ اور گرمی کو محسوس کرتا رہوں، اور یہ نرماہٹ اور گرمی میرے ہاتھ سے ہوتے ہوئے میرے رگ و پے میں اتر جائے، میرے اندر جو سرد مہری اور دکھ کی برف جمی ہے، وہ اس گرمی سے پگھل جائے، میں ایک بار پھر ویسا ہی ہو جاؤں جیسا پہلے تھا۔ صاف شفاف دل والا ہنستا، مسکراتا زندگی کو انجوائے کرتا میرے کندھوں پر کسی غزالہ کا بوجھ نہ ہو اور میں اپنے خالی دل میں اس دلکش آنکھوں، نرم آواز والی پیاری لڑکی کو بسا لوں، اور پھر دل کے دروازے بند کر دوں۔"

اس نے اپنا بایاں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔ اسے لگا جیسے وہ کسی سرسبز ٹھنڈے اور پر سکون نخلستان میں ٹھنڈی ریت پر کسی چشمے کے قریب ہو اور سکون آمیز جھونکے بہت ہی سوندھی اور انوکھی مہک لیے اس کے بالوں کو منتشر کر رہے ہوں۔ اجنبیت سے بہت پرے اپنائیت کی ایک لہر سی اسے اپنے بدن میں اترتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"نرمل!" اس نے آنکھیں کھول کر نرمل کو دیکھا جس کی لانبی پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور چہرے کا ہلکا گلابی پن اور معدوم سی شرمیلی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ بھی ایسا ہی کچھ محسوس کر رہی تھی۔

"نرمل!" اس نے پھر پکارا تو اس نے چونک کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیا اور محجوب سی ہو کر زمین کو تکنے لگی۔

"اتنے بہت سارے دن ہو گئے ہیں ہم نے پھر فون کیا غزالہ کو۔" اس نے ایک زخمی نظر نرمل پر ڈالی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس کے تصور میں کتنا خوب صورت منظر تھا اور نرمل نے اس سحر کو توڑ دیا تھا۔

"کیا تھا کچھ دیر اور۔۔۔"

"نہیں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"فون کرنے کا مطلب ہے کہ میں نے اس کا مطالبہ مان لیا۔۔۔"

"اکثر لڑکیاں یہ خواہش بہت شدید رکھتی ہیں کہ ان کا اپنا الگ گھر ہو، جہاں سسرال والوں کا عمل دخل نہ ہو غزالہ بھی۔"

"تم جانتی ہو نرمل۔" مبشر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"امی جان ہمن، اتنی حتیٰ کہ ابا جان نے بھی کبھی اس کے معاملات میں دخل نہ دیا۔ اپنی زندگی جی رہی ہے وہ جب تک دل چاہتا ہے سوتی ہے، جب دل چاہتا ہے اٹھتی ہے۔ اتنے سالوں میں اس نے ایک کپ چائے تک نہیں بنائی اور اس کی ضرورت نہیں ہے گھر میں ملازم ہیں۔ پھر اسے کیا تکلیف ہے۔"

"لڑکیوں کو شوق ہوتا ہے الگ گھر میں رہنے کا۔"

"تم اس کی وکالت مت کرو۔" مبشر چڑ گیا۔

"جانتا ہوں، شوق ہوتا ہے لیکن ہر شوق اپنے مقررہ وقت پر ہی پورا ہوتا ہے۔ میں ابھی پڑھ رہا ہوں مناسب وقت پر اس کا یہ شوق بھی پورا ہو جاتا لیکن اس وقت ہرگز نہیں، اگر وہ صرف اسی شرط پر گھر واپس آنا چاہتی ہے تو بیٹھی رہے ساری زندگی گھر۔ اچھا ہے میں سکون سے اپنی پڑھائی مکمل کر لوں گا۔" وہ فائل اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

"میڈم کا پیریڈ تو مس ہو گیا اب جاؤ ڈاکٹر انصاری کا پیریڈ لے لو۔"

"اور تم۔" نرمل بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

"میں گھر جا رہا ہوں۔"

"شبی پلیز فار گاڈ سیک! اپنی پڑھائی کا حرج نہ کرو، یہ فائنل ایر ہے، ہمارا اتنا بہت سا وقت گزر گیا ہے، تھوڑا سا عرصہ باقی ہے۔ پلیز پڑھائی کے متعلق سنجیدہ ہو جاؤ۔ تمہارا پچھلا ریکارڈ اتنا اچھا ہے تو اب بھی تمہاری پوزیشن برقرار رہنی چاہیے۔"

"تم اتنی نصیحتیں کرتی ہو نا کہ جی چاہتا ہے تمہارا نام۔ نرمل کے بجائے مس نصیحت خانم ہی رکھ دوں۔" اس نے اپنی جھنجلاہٹ کو مسکراہٹ میں چھپایا۔

"میرا نام تم جو بھی رکھ دو شبی۔" نرمل کے لبوں پر بھی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"لیکن اپنا وقت ضائع مت کرو، پتا ہے، کل تم کلاس میں نہیں تھے تو ڈاکٹر انصاری نے تمہاری بڑی تعریف کی وہ کہہ رہے تھے کہ اگر تم سرجری کی طرف گئے تو بہترین سرجن بنو گے۔"

"ارادہ تو میرا بھی یہی تھا لیکن اب کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

"انشاء اللہ! تم اپنے ارادوں میں ضرور کامیاب ہو گے۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے نرمل نے دعا کی۔ پارکنگ کی طرف جانے سے پہلے وہ رکا اور اس نے نرمل کی طرف دیکھا۔

"نرمل کبھی کبھی بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں جب آدمی کا اختیار اپنے آپ پر سے اٹھ جاتا ہے، وہ بہت بے اختیار لمحے ہوتے ہیں، ہمیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں لیکن وہ بہت سچے لمحے ہوتے ہیں۔ بہت کھرے۔ پھر بھی نرمل، اگر میری کوئی بات بری لگی ہو تو سوری!"

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں بلکہ تیزی سے پارکنگ میں کھڑی اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

نرمل کچھ دیر وہاں ہی کھڑی رہی۔ اسے مبشر کی کوئی بات بری نہیں لگی تھی اسے خود بھی تو یوں ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سحر میں جکڑی گئی ہو اور کسی اور زمانے اور منظر کا حصہ بن گئی ہو، یا جیسے وہ کسی خواب کے عالم میں ہو، اور۔

"نہیں۔" اس نے ہولے سے سر کو جھٹکا۔

"یہ صحیح نہیں، مجھے مبشر سے دور ہی رہنا چاہیے۔ وہ تو پہلے ہی اذیت میں ہے اور میری ذات اسے خوشی تو کیا دے گی ہاں اس کی جھولی میں نارسائی کا دکھ بھی ڈال دے گی۔ یا اللہ یہ جذبے کیوں پیدا ہوتے ہیں، دل میں!"

اس نے پلکوں تک آ جانے والے آنسو کو انگلی کی پور سے پونچھا اور ڈاکٹر انصاری کے روم کی طرف بڑھ گئی۔

■■■

"کہاں کی تیاری ہے۔" میڈم سفینہ بغیر دستک دیے ندا کے کمرے میں داخل ہوئیں تو ناخنوں پر کیوٹیکس لگاتی ندا نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

"مما! کم از کم دروازے پر دستک دے کر آیا کریں۔"

"تو میں کون سا کسی غیر کے کمرے میں گھسی ہوں اور پھر اس وقت تمہارے ساتھ کون تھا بھلا کہ میں دستک دیتی۔" وہ بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم کہاں جا رہی ہو۔" انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

ہلکا پھلکا نیچرل لک دیتا ہوا میک اپ، ہلکے گرین رنگ کا جارجٹ کا سوٹ، جس کے گلے اور بازوؤں پر میرون کٹ دانے اور موتیوں کا کام تھا۔ وہ بے حد دلکش، بلکہ حسین لگ رہی تھی۔ میڈم سفینہ نے اتنی حسین بیٹی کی ماں ہونے پر دل ہی دل میں بے حد فخر محسوس کیا۔ یہ بھی سوہنے رب کا کرم ہے ورنہ زرینہ ان کی چھوٹی بہن کتنی حسین تھی وہ تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں۔ اور زرینہ کی بیٹی۔ بھدی، کالی سی۔

آج اگر زرینہ زندہ ہوتی تو وہ اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی۔ وہ تو شکر کہ یہاں آتے ہوئے وہ اسے مشتری کے پاس ہی چھوڑ آئی تھیں، ورنہ نرا خرچ ہی کرواتی۔ وہ زرینہ کی طرح خوب صورت تو نہ تھیں، لیکن وہ تو بہت بجیلا تھا بہت خوب صورت آنکھوں والا۔ ندا کی آنکھیں بالکل اسی پر تھیں گہری سیاہ۔ جن کی گہرائیوں میں ڈوب جانے کو دل چاہے۔

"علینہ کی طرف جارہی ہوں۔" ندا نے ڈریسنگ ٹیبل پر نیل پالش رکھ کر ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکالا۔

"علینہ!" میڈم سفینہ نے برا سا منہ بنایا۔

"دفع کرو اسے بھی یہ کالج یونیورسٹی کی دوستیاں کالج یونیورسٹی تک ہی بھلی تھیں، اب کیا ساری عمر اس کے پیچھے بھاگتی رہوگی۔ یوں کرو اس کی طرف پھر کبھی چلی جانا، آج شام شاہ جی کے ساتھ گزار لو۔"

"کیا شاہ زیب کا فون آیا تھا۔"

"نہیں کافی دنوں سے نہیں آیا تو جانم تم ہی کرلو اسے فون۔ ایسا بندہ جو سونے کی کان ہو اسے گنواتے نہیں۔ میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ مٹھی بند کرلو گرفت اتنی مضبوط رکھو کہ نکل ہی نہ سکے، عمر بھر تمہاری مٹھی سے۔ تم نے الٹا مٹھی ہی کھول دی کہ جہاں مرضی اڑان بھرتے پھرو۔"

"ممّا!" وہ پوری کی پوری میڈم سفینہ کی طرف گھوم گئی۔

"تم نے کہا تھا کہ شاہ زیب سے کسی طرح کلفٹن پر ایک بنگلہ حاصل کرلو۔ وہ بنگلہ مل گیا۔ بھوربن کا اپارٹمنٹ وہاں قیام کے دنوں میں اس نے میرے نام کردیا، اس کے علاوہ سینکڑوں قیمتی گفٹ، جیولری وہ مجھے دے چکا ہے، اب اور کیا چاہیے؟"

"ارے ابھی تو کچھ بھی نہیں دیا تمہیں اس نے، سینکڑوں ایکڑ اراضی کا مالک ہے۔ زمین جائیداد، بزنس تمہیں تو ذرہ بھر بھی نہیں دیا اس نے۔"

"ممّا تم نے مجھ سے کہا تھا کہ بس شاہ زیب سے کسی طرح کلفٹن والا بنگلہ اپنے نام کروالو اور اس کے لیے میں اس کے ساتھ ہفتہ بھر بھوربن میں رہی۔ صرف اور صرف تمہاری خواہش پوری کرنے کے لیے۔ تم نے کہا تھا اس کے بعد بے شک تم شاہ زیب سے نہ ملنا۔"

"کہا تھا، کہا تھا جانو، پر شاہ زیب تو خود تیرا دیوانہ ہو گیا تھا ارے میں نے تو کتنی دفعہ ٹالا اسے، پر وہ تو فون پر فون کیے جاتا اور چکر پر چکر لگاتا تھا میں تو سمجھی تھی تو خود بھی اس کے چکر میں پڑ گئی ہے اور اسی لیے میں نے سیٹھ صاحب کو کتنی بار ٹالا، ورنہ وہ تو عرصے سے تیرے لیے میرے پیچھے پڑے تھے میں ہی ٹال دیتی تھی کہ پڑھ رہی ہے۔ پڑھ چکی تو یہ شاہ زیب آ گیا۔ میں نے سوچا سوہنا منڈا ہے تیرا دم بھرنے لگا ہے، پھر دولت جائیداد کی بھی کمی نہیں۔ تیری بھی شادی کر کے گھر بسانے کی حسرت پوری ہو جائے گی۔ جب تک اس کا دل بھرے گا تجھ سے، تب تک تیرے پاس اتنی دولت آجائے گی کہ پھر عمر بھر کی فکر نہیں رہے گی۔"

"دولت تو اب بھی تمہارے پاس اتنی ہے کہ ساری عمر بیٹھ کر کھاؤ تو کم نہ ہو۔"

"ارے چھوڑو جانم! کہاں ہے اتنی دولت ذرا فون اٹھاؤ اور شاہ زیب کو فون کرو، ذرا لگاوٹ سے بات کرنا دیکھنا کیسے کچے دھاگے سے بندھے آئیں گے سرکار چلے۔"

"لیکن مام میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں علینہ کی طرف جارہی ہوں۔" وہ رخ پھیر کر پھر آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔

"آج تم نہ جاؤ علینہ کی طرف تو کون سی قیامت آجائے گی۔"

میڈم سفینہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں۔ "اور اگر میں شاہ زیب کو آج وقت نہ دوں تو کون سی قیامت آجائے گی۔" "ڈارلنگ تو کبھی کبھی بڑی ضدی ہو جاتی ہے، جانو میں نے کل پرنس جیولرز پر ایک بہت خوب صورت ڈائمنڈ کا سیٹ دیکھا ہے۔ تیرے گلے میں تو ایسے سجے گا کہ کیا کہوں وہ تو جیسے تیرے لیے ہی بنایا گیا ہے۔"

"اوہ تو یہ بات ہے۔" ندا نے ہونٹ سکیڑے۔

"لیکن ڈیر مام! میں آپ کو بتا دوں اب ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔"

"ارے بہت تیل ہے میری جان، بس تجھے نکالنا نہیں آتا۔ تیری مت تو پڑھائی نے ماردی ہے۔ اچھی خاصی تھی تو، پر میں بھی زرینہ کی باتوں میں آگئی کہ آج کل پڑھائی کی قدر ہے۔ پڑھ لکھ کر دودھاری ہو جائے گی، پر مجھے تو لگتا ہے تو اور بھی کند ہو گئی ہے۔"

"اماں چل لا ادھر فون۔" وہ اپنے پرانے اسٹائل میں بولی۔ ورنہ کراچی آنے کے بعد تو وہ ممّا یا مام تھیں۔

"میری جان!" میڈم سفینہ نے اٹھ کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کارڈلیس فون اٹھا کر اسے دیا۔

"لو ملاؤ نمبر۔"

"ہیلو شاہ زیب، کیسے ہیں آپ؟" لہجے میں یکدم شیرینی گھل گئی تھی۔

"میں کتنا مس کررہی ہوں آپ کو، اتنے دن ہوگئے، لگتا ہے آپ مجھے تو بھول ہی گئے ہیں۔"

"ارے نہیں ندا ڈیر تم کوئی بھولنے والی چیز ہو۔" دوسری طرف سے شاہ زیب نے کہا تھا۔

"ان دنوں نیا آفس سیٹ کیا ہے، اس کی ہی مصروفیت ہے۔ جیسے ہی فارغ ہوا آؤں گا۔"

"آفس کی مصروفیت ہے، یا نئی سیکریٹری، سنا ہے بڑی خوب صورت لڑکی رکھی ہے تم نے۔"

"ارے تمہیں یہ معلومات کہاں سے ملیں۔"

"محبت کرتے ہیں جناب آپ سے، اس لیے آپ کے متعلق باخبر بھی رہتے ہیں۔" میڈم سفینہ نے ستائش سے سرہلایا۔

"ارے نہیں ڈیر! وہ تو حالات کی ستائی ہوئی لڑکی ہے، کسی بے حد شریف گھرانے کی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

ندا کے حلق میں دور تک کڑواہٹ گھل گئی۔

"شریف گھرانہ۔"

"ناراض ہوگئی ہو ڈیر۔" اس کی خاموشی پر شاہ زیب نے کہا۔

"لیکن میری جان! تمہاری ناراضگی ہم افورڈ نہیں کرسکتے، سر کے بل حاضر ہوں گے لیکن ابھی مصروف ہوں چلو ڈنر اکٹھا کریں گے اب تو ناراضگی نہیں۔"

"نہیں۔"

"تو تیار رہنا۔" اوکے کہہ کر ندا نے فون بند کردیا۔

"کیا کہا شاہ صاحب نے۔" میڈم سفینہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"ڈنر پر لے چلیں گے۔"

"سچ۔" میڈم سفینہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"اس ڈائمنڈ سیٹ کی بات ضرور کرلینا جانو۔ لیکن یہ کیا تم نے روکھا سا اوکے کہہ کر فون بند کردیا۔ ادائیں نہیں آتیں تجھے۔ ذرا بھی ناز نخرہ نہیں کرتی۔ سوچتی ہوں کچھ دنوں کے لیے تجھے مشتری کے پاس چھوڑ آؤں۔ کیا ناز و انداز آتے تھے اسے کہ بندہ ایک بار اس کے شکنجے میں آجاتا تو پھڑکنے بھی نہیں دیتی تھی۔"

"شاہ زیب تو رات کو آئے گا، میں اب جاؤں گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے تک آجاؤں گی۔"

"اس علینہ کی بچی نے تجھے کیا گھول کر پلا دیا ہے کہ تو آئے دن اس کی طرف بھاگتی رہتی ہے۔"

”علینہ نے مجھے کچھ گھول کر نہیں پلایا اماں‘ ہاں میں اس کے بھائی کی محبت میں گرفتار ہوں۔“ ندا نے آج میڈم سفینہ سے دل کی بات کہہ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

”پہلی نظر جب اس پر پڑی تھی اماں تو میرا دل میرے ہاتھوں سے نکل گیا تھا۔“

میڈم سفینہ کا منہ کھل گیا۔ وہ حیرت سے ندا کو دیکھ رہی تھیں۔

”مجھے لگا تھا میں‘ میں نہیں رہی وہ ہو گئی ہوں‘ تب سے اب تک میرا دل اس کے قدموں میں پڑا ہے۔ اماں آج تک تم نے جو کہا میں نے مانا۔ تم نے کہا سفاری صاحب سے تعلق بناؤ۔ میں نے بنایا۔ تم نے کہا چوہدری کو اس طرح اپنے زلفوں میں اسیر کرو کہ اپنی ساری دولت وہ ہمارے قدموں میں ڈال دے۔ اور وہ کنگال ہوگیا۔ تم نے کہا شاہ زیب کو وقت دو اس کے ساتھ بھوربن جاؤ اس سے جتنا بٹور سکتی ہو بٹور لو۔ میں نے کیا سب‘ جو تم نے کہا اب وہ ڈائمنڈ کا سیٹ بھی تیرے لیے حاصل کرلوں گی‘ پر اماں تو مجھے خضر سے محبت کرنے سے مت روک۔ میں اس کی محبت کی آگ میں جل رہی ہوں۔“

”تو تو اس سے ملنے جاتی ہے علینہ کے بہانے۔“ میڈم سفینہ نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں اماں وہ تو کبھی ابوظہبی اور کبھی کویت ہوتا ہے۔ جب میں پڑھتی تھی اماں تو میں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔“

”اچھا کیا شہزادہ ہے یا اپالو ہے۔“ میڈم سفینہ کے لہجے میں طنز تھا۔

”نہیں اماں عام سا لڑکا ہے لیکن بس میں تو ایک نظر میں گھائل ہو گئی۔“

”تو گھائل ہوئی اور کیا وہ بھی گھائل ہوا۔“

”نہیں اماں! اس نے تو کبھی مجھے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ تین چار دفعہ علینہ کے گھر میں نے اسے دیکھا ایک بار علینہ نے تعارف بھی کرایا تھا۔“

”کیا تجھے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔“ میڈم سفینہ نے جیسے تڑپ کر پوچھا۔

”ہاں اماں۔“ ندا نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

”کیا وہ تیری حقیقت جانتا ہے‘ اسے پتا ہے کہ تو میڈم سفینہ کی بیٹی ہے۔“

”نہیں میں تو جب پہلی بار علینہ کی گاڑی میں بیٹھی تھی تو حجاب اور عبایا پہنی ہوئی تھی

”پھر بھی۔“ میڈم سفینہ پھر تڑپیں۔

”رہتا کہاں ہے۔“

”یہاں ہی ڈیفنس میں۔“

”اچھا۔“ میڈم سفینہ کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔

”کرتا کیا ہے۔“

”انجینئر ہے لیکن اگر تو یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ بہت زیادہ امیر ہے تو ایسا نہیں ہے‘ بس وہ اعلا متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ پیسے کی فراوانی تو ہے لیکن ایسی نہیں کہ طوائفوں پر لٹائیں۔“

”شش!“ میڈم سفینہ نے ایک دھپ اسے لگایا۔

”ہم سوسائٹی کے معزز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔“

ایک زہر خندسی مسکراہٹ ندا کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

”چل دفع کر اسے۔ یہ لیلیٰ مجنوں کے عشق کا زمانہ نہیں۔ ایک سے ایک بندہ بڑھ کر ہے اس کراچی شہر میں‘ جو تیری ابرو کے ایک اشارے پر جان لٹادیں۔“

”لیکن مجھے تو بس اس ایک بندے کی محبت چاہیے۔“

”دیوانی ہو گئی ہے تو شادی کرنا چاہتی ہے اس سے؟“

”شادی۔“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”یہ تو ایک خواب ہے اماں ایک سہانا خواب۔ کیا میں اتنی بخت آور ہوں کہ خضر مجھ سے شادی کرلے۔“

”ارے ہم جیسوں سے اگر کوئی شادی کر بھی لے تو چار دن کی چاندنی ہوتی ہے۔ پھر دھکا دے کر باہر نکالتے ہیں۔ بس وقتی خمار ہوتا ہے۔“

”اماں تو چار دن کہہ رہی ہے مجھے تو چار گھنٹے بھی اس کی رفاقت کے مل جائیں تو میں سمجھوں گی میں نے سب کچھ پالیا۔“

”تو تو سچ مچ پاگل ہو گئی ہے‘ نادو۔“ میڈم سفینہ نے تشویش سے اسے دیکھا۔

”شادی کرنا بھی ہے تو شاہ زیب سے کرلے۔ جاگیردارنی بن کر رہنا۔ ایسے کنگال سے کیا عشق لڑانا۔“

”تیرا کیا خیال ہے اماں شاہ زیب مجھ سے شادی کرلے گا۔ میں تو بغیر شادی کے ہی اس کی دسترس میں ہوں۔ پھر وہ شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی اس کی کزن بھی ہے‘ یہ لوگ باہر وقت تو گزار لیتے ہیں‘ لیکن شادیاں نہیں کرتے۔“

”کر لیتے ہیں شادیاں بھی تیری خالہ زرینہ کے ساتھ بھی تو شادی کی تھی اس نے‘ گلبرگ میں زرینہ کو رکھا تھا۔ وہ تو بے چارے کی زندگی کم تھی جلد ہی اللہ کو پیارا ہو گیا لیکن زرینہ کو سب کچھ دے گیا۔ ندا رانی تجھے زنجیر کرنا نہیں آتا‘ میں کہتی ہوں بھول جا اس خضر وضر کو اور اس سید زادے کو زنجیریں پہنا دے۔ تیرے سحر سے نکل نہیں سکتا‘ وہیں پھڑک کر جان دے دے گا‘ پر تو اس پر اپنا جادو تو چلا۔“

میڈم سفینہ نے سمجھایا۔

”اماں وہ سید زادہ میرے سحر سے نکل چکا ہے۔ اس نے آفس میں جو لڑکی رکھی ہے اپنی سیکرٹری‘ وہ آج کل اس کا اسیر ہو رہا ہے۔“

”کیا وہ تجھ سے زیادہ خوب صورت ہے۔“

”نہ نہیں لیکن اس کے چہرے کی معصومیت اس کی آنکھوں کی حیا اور پاکیزگی کے سامنے میرا حسن کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔“

ندا کے لہجے میں اداسی تھی۔

”تو نے خود کو آئینے میں کبھی غور سے نہیں دیکھا۔ تیرے چہرے پر بھی یہ سب کچھ ہے۔ پاکیزگی‘ معصومیت اور بھول پن‘ تیری خالہ کے چہرے پر بھی اتنی معصومیت اور بھول پن تھا کہ اس کی معصومیت کی قسم کھائی جاسکے۔“

میڈم سفینہ نے قہقہہ لگایا۔

”چل اٹھ یہ سادے سے کپڑے پھینک پرے اور وہ لال ساڑھی باندھ لے سبز کناری والی۔ شاہ زیب تو تڑپ اٹھے گا تجھے دیکھ کر۔“

”اچھا اماں ساڑھی بھی باندھ لوں گی لیکن تو مجھے ایک بات بتا تو نے اتنے لوگوں کو دیکھا اور پرکھا ہے تو کہتی ہے میں بہت زمانہ شناس ہوں۔ تجھے بہت گر آتے ہیں اماں مجھے بھی کوئی گر بتا‘ کوئی راستہ‘ کوئی ترکیب سمجھا اماں کہ وہ میری طرف مائل ہو جائے‘ مجھے دیکھ کر اس کے دل میں بھی وہی آگ بھڑک اٹھے جو میرے دل کو جلا رہی ہے۔“

ندا نے التجا کی۔

”اچھا سوچوں گی‘ پر تو اب اٹھ کر جلدی سے تیار ہو کر نیچے آجا۔“

”اماں تیرے پاس اور لڑکیاں بھی تو ہیں‘ ایسا نہیں ہو سکتا کہ آج شاہ زیب کے ساتھ تو کسی اور لڑکی کو بھیج دے۔“

”تیرا تو دماغ سچ مچ میں چل گیا ہے لڑکی۔ وہ ڈنر پر تجھے ساتھ لے کر جانا چاہتا ہے۔ دوستی تیرے ساتھ ہے اور تو مجھے مشورہ دے رہی ہے‘ کسی اور لڑکی کو بھیج دوں۔“ میڈم سفینہ نے کسی قدر تند لہجے میں کہا اور کھڑی ہو گئیں۔

”اور دیکھ شاہ کو خوش کر دینا آج‘ پھر دیکھ لیں گے تیرے اس خضر کو بھی۔“

اور ندا کے دل میں امید کی ایک کرن سی چمکی میڈم سفینہ اس سے بہت محبت کرتی تھیں اور اگر میڈم نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ خضر کو دیکھ لے گی تو پھر وہ اسے اس کے قدموں پر جھکا کر ہی دم لے گی۔

"مما تم جو چاہو کر سکتی ہو۔"

وہ مسکرائی اور بڑے دل سے تیار ہونے لگی۔ خضر کی محبت پانے کے لیے اس نے علینہ سے تعلق بڑھایا تھا اور اب یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد بھی یہ تعلق نہیں ٹوٹا تھا۔ بلکہ اب وہ پہلے کی نسبت اس سے زیادہ قریب ہو گئی تھی اور اس کی ایک وجہ عاطف بھی تھا۔ عاطف لاہور کے زمانے میں بھی ان کے ہاں آیا کرتا تھا۔

میڈم سفینہ کے ساتھ اس کی واقفیت تب سے ہی تھی۔ وہ ایک دولت مند گھرانے کا فرد تھا۔ اس کے والد کی کپڑے کی دو ملیں تھیں اور ان کا بنایا ہوا سوتی کپڑا غیر ممالک میں بھی بھیجا جاتا تھا۔ لاہور میں جب وہ گلبرگ والی کوٹھی میں شفٹ ہوئے تھے تب ندا کی عمر دس سال تھی اور عاطف بارہ تیرہ سال کا ہو گا۔ ان کی کوٹھی میڈم سفینہ کی کوٹھی کے ساتھ ہی تھی۔ میڈم سفینہ نے آس پڑوس میں یہی بتایا تھا کہ ان کے میاں اکہتر کی جنگ میں ڈھاکہ میں شہید ہو گئے تھے۔ اس جھوٹ کی وجہ سے ملنے والے ان کی عزت کرتے تھے۔ عاطف اکثر ان کے گھر آجاتا تھا گو ان کے گھر میں کوئی لڑکا نہیں تھا لیکن وہ ندا کے ساتھ ہی کھیلتا رہتا تھا۔ پھر اس کے میٹرک کرنے کے بعد میڈم سفینہ نے اچانک ہی کراچی جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"یہاں بہت مندا ہے ان دنوں۔ پھر ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کوئی پہچان نہ لے۔"

پھر کبھی دوبارہ لاہور جانا نہ ہوا تھا لیکن یونیورسٹی میں فائنل ایگزام سے کچھ دن پہلے اچانک ہی ایک دن وہ اسے مل گیا۔ ندا کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ اس نے علینہ سے بھی اس کا تعارف کزن کہہ کر کروایا تھا۔ وہ کئی بار اس کے گھر بھی آچکا تھا لیکن اس پر ان کی حقیقت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان دنوں کراچی میں جاب کر رہا تھا۔ میڈم سفینہ کی رال ٹپک پڑی تھی لیکن علینہ نے منع کر دیا۔

"مما! عاطف بچپن سے ہی مجھے بھائیوں کی طرح لگتا ہے پلیز آپ اسے کسی اور راہ پر مت لگائیے گا۔"

لیکن اس نے خود اسے علینہ کی طرف متوجہ کروایا تھا اور اپنی بے تکلف فطرت کی وجہ سے وہ بہت جلد علینہ سے فری ہو گیا تھا اور شاید وہ اسے پسند بھی کرنے لگا تھا۔ اس کے ذومعنی جملے اس کی نظریں اور وہ بلا سوچے سمجھے دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لیے کوششیں کرتی رہتی تھی۔ اس کے ذہن میں ابھی کچھ واضح نہیں تھا لیکن دور کہیں کسی گوشے میں یہ احساس تھا کہ شاید اس سے اسے کچھ فائدہ حاصل ہو اور وہ علینہ کے ذریعے خضر کے قریب ہو جائے۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں خیال آتا تھا کہ وہ علینہ کو عاطف کے اتنے قریب لے آئے کہ علینہ کے لیے اس سے بچھڑنا ناممکن ہو جائے اور پھر وہ عاطف کے بدلے علینہ سے خضر کو مانگ لے۔ وہ جانتی تھی کہ خضر کی منگنی ہو چکی ہے۔ وہ ماہ نور سے بھی ایک بار مل چکی تھی۔ ماہ نور میں کچھ ایسا تھا کہ نگاہیں ایک بار اس کی طرف اٹھتی تھیں تو پھر کچھ دیر کے لیے جھکنا بھول جاتی تھیں۔ ماہ نور کے ہوتے وہ خضر کے دل میں کیسے اترے وہ سوچتی رہتی تھی اور علینہ سے عاطف کی بے قراریاں بڑھا چڑھا کر بیان کرتی رہتی تھی اور علینہ کی آنکھوں میں چمکتے رنگوں اور گالوں پر کھلتے گلابوں کو دیکھتی رہتی۔

عاطف ایک ہینڈسم لڑکا تھا اور اسے باتیں کرنے کا فن آتا تھا۔ لچھے دار باتیں کرتا اور مخاطب کو پل بھر میں اسیر کر لیتا تھا اور علینہ تو تھی ہی محبتوں کی شیدائی۔

محبتوں میں شدتیں اسے بہت بھاتی تھیں اور عاطف کی محبت میں بپھرے دریاؤں کی سی شدت تھی، جب کہ اسفر کی محبت میں سبک روندی کا سادھیما پن تھا اور اس دھیمے پن سے بے زار ہو کر وہ عاطف کی طرف مائل ہوتی جا رہی تھی اور یہی ندا چاہتی تھی لیکن اب اسے کیا کرنا تھا، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

عاطف نے تو اب کھل کر علینہ سے اظہار محبت کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اکثر علینہ کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی تھی۔ وہ یہاں اکیلا رہتا تھا ایک فلیٹ میں اور ایک امریکن فرم میں جاب کرتا تھا۔ وہ تین چار سال نیویارک

میں رہ کر آیا تھا اور اب یہاں کے آفس میں کام کر رہا تھا، لیکن وہ کسی بھی وقت اگر چاہتا تو دوبارہ نیویارک آفس میں اپنا تبادلہ کرا لیتا۔

"دراصل میں علینہ کی وجہ سے یہاں رک گیا ہوں، یہ لڑکی میرے دل و دماغ پر سوار ہو گئی ہے۔ اسے حاصل کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہے۔" اس نے کئی بار ندا سے کہا تھا۔

"اگر وہ علینہ اور عاطف کی شادی کرا بھی دیتی ہے تو اس سے اسے کیا فائدہ ہو گا؟"

ساڑھی کا پلو کندھے پر ڈالتے ہوئے اس نے تنقیدی نظروں سے آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔

"کم از کم شادی کے بہانے کچھ دن تو عاطف کی کزن ہونے کے ناتے خضر سے اس کا واسطہ رہے گا اور پھر مما بھی تو ہیں نا وہ ضرور کوئی ترکیب سوچ لیں گی۔"

ایک دلکش مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"میڈم کہہ رہی ہیں کہ آپ اگر تیار ہو گئی ہوں تو نیچے ہی آجائیں۔" ملازم لڑکی نے آکر کہا تو اس نے پوچھا۔

"کیا شاہ زیب شاہ آگئے۔"

"ہاں جی ابھی آئے ہیں۔"

"اچھا چلو میں آتی ہوں۔" اس نے کنٹیکٹ لینس آنکھوں میں لگائے وہ جب بھی کسی کے ساتھ باہر جاتی تھی تو لینس ضرور لگاتی تھی، نہیں چاہتی تھی کہ خضر یا علینہ میں سے کوئی اسے کسی اور کے ساتھ دیکھ کر پہچان لے اور اس لیے اس نے نادیہ کا تعارف ایک کزن کی حیثیت سے کرایا تھا، شاہ زیب کے علاوہ سب اسے نادیہ کے نام سے ہی جانتے تھے۔ اس نے جانے سے پہلے ایک تنقیدی نظر آئینے میں خود پر ڈالی، بقول مما کے وہ اس سرخ ساڑھی میں واقعی قیامت ڈھا رہی تھی۔

کندھے سے پلو کو ڈھلکاتی وہ بڑی اداؤں سے لاؤنج کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ لاؤنج میں کارنر والے صوفے پر میڈم سفینہ کے ساتھ بیٹھے شاہ زیب نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی اور پھر میڈم سفینہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لمحہ بھر کے لیے وہ وہیں ٹھٹک کر رک گئی۔ شاہ زیب کی نظروں میں نہ پہلے والی وارفتگی تھی، نہ اشتیاق۔ ورنہ وہ تو اس کے سیڑھیوں پر نمودار ہوتے ہی کھڑا ہو جاتا تھا۔

اور اس کی آنکھیں اندرونی جذبوں کی تپش سے لو دینے لگتی تھیں۔ تو کیا مما صحیح کہتی ہیں کہ شاہ زیب اس کی مٹھی سے نکل گیا کیا ربانی کی اطلاع درست ہے کہ شاہ زیب اپنی نئی نویلی سیکرٹری کے بھولپن اور معصومیت پر مرمٹا ہے۔

"اب اس کو بھی دیکھنا پڑے گا کیا چیز ہے وہ۔" میڈم سفینہ نے اسے سیڑھیوں پر ٹھہرے دیکھا تو مسکرائیں۔

"ارے چندا وہاں کیوں کھڑی ہو گئی ہو شاہ صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے میڈم سفینہ پر ایک نظر ڈالی اور بنا کوئی جواب دیے ہولے ہولے سیڑھیاں اترنے لگی۔

"شکریہ اس عزت افزائی کا۔" ہلکے سے طنزیہ لہجے میں کہتی وہ بالکل اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"کیا ابھی تک ناراضگی ہے۔" شاہ زیب اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"کیا ناراض نہیں ہونا چاہیے مجھے۔"

"ضرور، ضرور ناراضگی تمہارا حق ہے۔"

شاہ زیب کی نظریں کچھ دیر کو تو اس کے حسین سراپے میں الجھ گئیں اندر ہی اندر بے حد طمانیت محسوس کرتے ہوئے اس نے شکوہ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایسی قاتل نظروں سے تو مت دیکھو ہم تو پہلے ہی گھائل ہو چکے ہیں۔" میڈم سفینہ طمانیت سے مسکراتے ہوئے اٹھیں۔

"تم باتیں کرو میں چائے بنواتی ہوں۔"

"ارے نہیں میڈم آپ بیٹھیں چائے وائے کی ضرورت نہیں ہے مجھے ابھی جانا ہے اکچولی میں صرف ان کی ناراضگی کے خیال سے خود حاضر ہوا ہوں' ورنہ فون پر بھی معذرت کر سکتا تھا' دراصل ندا سے بات کرنے کے فوراً بعد حویلی سے شاہ جی کا فون آگیا تھا وہ اور بی بی جان آٹھ بجے کی فلائیٹ سے آرہے ہیں اور مجھے انہیں ایئرپورٹ لینے جانا ہے۔" اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اب چلنا چاہیے بمشکل فلائیٹ پہنچنے تک ایئرپورٹ پہنچ پاؤں گا۔" ندا سپاٹ چہرہ لیے بیٹھی رہی۔

"تو ڈیئر اجازت ہے جاؤں۔" وہ تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

"اب تو بنفس نفیس خود حاضر ہو کر معافی طلب کی ہے۔"

"ارے نہیں شاہ صاحب معافی کیسی' بچی ہے ہر بات دل پر لے لیتی ہے اور آپ کو تو ایک دن نہ دیکھے تو بے کل رہتی ہے' پاگلوں کی طرح پھرتی رہتی ہے رات بھر۔"

میڈم سفینہ نے ندا پر ایک نظر ڈالی۔ شاہ زیب مسکرا دیا اور ایک بار پھر کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

"اوکے پھر چلتا ہوں انشاء اللہ شاہ جی کے جاتے ہی آؤں گا اور صرف ڈنر ہی نہیں جرمانے کے طور پر لنچ بھی تمہارے ساتھ۔"

وہ ندا کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"لو ایسی بھی کیا ناراضگی جانو اب مسکرا بھی دو۔ شاہ صاحب کی مجبوری ہے' ورنہ تم سے زیادہ عزیز کون ہے انہیں' اور اٹھو شاہ صاحب کو پورچ تک چھوڑ کر آؤ۔"

انہوں نے آنکھوں سے اشارہ کیا اور ندا ایک ادا سے اٹھی اور شاہ زیب کے ساتھ ہولے ہولے چلتی ہوئی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

■■■ ■■■

"تو اب تم نے کیا سوچا ہے ماہ۔"

مسز مراد نے ایک کھوجتی ہوئی نظر اس پر ڈالی۔

"میں نے کیا سوچنا ہے مسز مراد۔" ماہ نور نے ایک گہری سانس لی۔

پچھلے ایک ماہ سے مختلف اسکولوں کے چکر لگا رہی ہوں لیکن کہیں ویکینسی نہیں ہے اور کہیں اتنی کم تنخواہ بتاتے ہیں جو آنے جانے میں ہی خرچ ہو جائے۔"

"تم کسی آفس میں کیوں نہیں جاب کر لیتیں۔" انہوں نے مشورہ دیا۔

"آفس میں؟ لیکن مسز مراد مجھے آفس جاب کا تو کوئی تجربہ نہیں ہے۔" اس نے بے بسی سے کہا۔

"تجربہ تو تمہیں اسکول کا بھی نہیں تھا ماہ۔"

"ہاں لیکن میں گھر میں بچوں کو پڑھایا ہی کرتی تھی۔"

"آفس جاب کا یہ فائدہ ہے کہ تمہیں تنخواہ زیادہ ملے گی۔"

"لیکن مجھے کسی آفس میں جاب کیسے مل سکتی ہے' اسکول میں تو کوئی رکھ نہیں رہا۔ نہ مجھے ٹائپنگ آتی ہے نہ شارٹ ہینڈ۔" آج وہ بے حد مایوس لگ رہی تھی۔

"اچھا خیر میں کسی سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔ میرے ملنے والوں میں ایک خاتون ہیں' انہیں اپنی این جی او میں کسی لیڈی ورکر کی ضرورت تھی۔ پتا نہیں لڑکی ملی انہیں یا نہیں میں پتا کروں گی اور تم مایوس نہ ہو دیکھو کچھ نہ کچھ بہتری ہو جائے گی اور ہاں خضر کا فون آیا۔"

"آیا تھا۔" ماہ نور نے افسردگی سے کہا۔

"تو تم نے بتایا اپنی جاب چھوٹنے کا۔"

"نہیں۔"

"کیوں۔" مسز مراد نے اسے گھر کا۔

"تمہیں اسے بتانا چاہیے تھا اسے پتا ہونا چاہیے کہ تم کس کرائسس میں ہو۔"

"وہ اس قدر ایکسائیٹڈ ہو رہا تھا اپنے کام کے متعلق مسز مراد کہ میں کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔

چند دن پہلے ہی کتنے دنوں بعد خضر کا فون آیا تھا اور اتفاق سے اسی نے اٹھایا۔

"تھینک گاڈ! ماہ یہ تم ہو' کتنے عرصہ بعد تمہاری آواز سن رہا ہوں آج جان بوجھ کر میں نے اس وقت فون کیا ہے تاکہ تم سے بات ہو سکے۔ تم اچھی تو ہو نا۔ ولید سے بات ہوتی رہتی ہے وہ بتا رہا تھا کہ وہ ممی کا خیال رکھ رہا ہے اور وکیل کے پاس بھی جاتا رہتا ہے۔"

"جی۔"

"ماہ نور میں آنا چاہ رہا تھا چند دنوں کے لیے لیکن ایک لمحہ بھی نہیں مل رہا بہت کام ہے ابھی تو پیپر ورک ہی ہو رہا ہے سمندر کے اندر بنیادیں اٹھانا مائی گاڈ تمہیں کیا بتاؤں ماہی کہ یہ سب کس قدر دلچسپ ہے میرے لیے' میں پچھلے تین ماہ سے یہاں ابوظہبی میں ہی ہوں سائیٹ پر جا کر ہی پیپر ورک ہو رہا ہے۔ کویت آفس میں تو پھر گیا ہی نہیں سب لوگ ٹھیک ہیں نا' کوئی پریشانی تو نہیں۔"

"نہیں۔"

"دیکھو کوئی مسئلہ ہو تو بتانا میں نے ولید کو کل ایک بندے کا نمبر دیا ہے وہ قتل ہونے والے لڑکے کا ماموں ہے اس سے بات کرنے کو کہا ہے۔"

"جی۔"

"یار تم بھی تو کچھ بولو نا میں ہی بولے جا رہا ہوں۔"

"آپ کو سننا اچھا لگ رہا ہے خضر۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"میں بھی تو تمہیں سننا چاہتا ہوں۔"

"کیا کہوں۔"

"کچھ بھی یہی کہہ دو مجھے مس کر رہی ہو۔" اس کے لہجے میں شوخی تھی۔

"ہاں وہ تو کر رہی ہوں۔"

"آئی مس یو تو ماہ! میں چند دنوں کے لیے آنے کی کوشش کروں گا۔"

اور وہ اسے کچھ بھی نہ بتا سکی۔ اس نے ہر طرح سوچنے کے بعد جاب چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا چنانچہ اگلی صبح وہ اسکول جا کر اپنا ریزائن دے آئی تھی۔

سر ذاکر نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا ہے مس خان۔"

"سر ریزائن ہے۔"

"لیکن کیوں آپ جانتی ہیں بغیر ایک ماہ کے نوٹس کے آپ جاب چھوڑیں گی تو آپ کو تنخواہ نہیں ملے گی۔"

انہوں نے ایک مشکوک نظر اس پر ڈالی۔

"جی سر۔"

"تو پھر اچانک یہ ریزائن کیوں۔"

"سر وہ میری شادی ہو رہی ہے تو میرے سسرال والوں نے مجھے جاب چھوڑنے کو کہا ہے۔"

"او' یہ اچانک شادی کا پروگرام کیسے بن گیا۔" ان کی آنکھوں میں جھنجلاہٹ صاف نظر آرہی تھی۔

"بیکچولی میرے منگیتر کو کویت کی ایک برٹش کمپنی نے ابوظہبی میں ایک بہت بڑا پراجیکٹ دیا ہے تو وہ چاہتے ہیں کہ شادی کر کے مجھے بھی ساتھ لے جائیں۔"

اس نے مسز مراد کا پڑھایا ہوا سبق دہرا دیا۔

"واہ!" اب کے ان کا واہ بہت لمبا تھا۔

"پھر تو بہت مبارک ہو مس خان۔ خیر اس خوشی میں اگر آپ پسند کریں تو کل رات ایک الوداعی ڈنر ہمارے ساتھ کر لیں۔ آپ ہماری بہت اچھی ٹیچر تھیں۔ جتنا عرصہ آپ رہیں آپ کی ٹیچنگ کی سب بچوں کے والدین نے تعریف ہی کی تو ایک چھوٹا سا اظہارِ تشکر ہو جائے گا اس الوداعی ڈنر کے نام پر۔"

"جی سر تھینک یو لیکن۔"

"آپ گھبرائیں مت مس خان' آپ مس ہما کے ساتھ آئیے گا۔ وہ وائس پرنسپل ہیں تو وہ تو لازمی ہوں گی اس ڈنر میں۔"

"جی وہ تو ٹھیک ہے سر بہت شکریہ۔ لیکن مجھے گھر سے اس کی اجازت نہیں ملے گی۔"

"ارے کیوں اجازت نہیں ملے گی۔" انہوں نے بے تکلفی سے کہا۔

"میں خود آپ کے والد صاحب سے اجازت دلوا دوں گا اور پھر یہ الوداعی ڈنر تو آپ کا حق بنتا ہے آخر اتنا عرصہ بھلے کم ہی سہی آپ نے مخلصانہ کام کیا ہے ہمارے اسکول کے لیے بلکہ میں سوچ رہا ہوں اصول تو اپنی جگہ ہیں لیکن میں خاموشی سے اس ماہ کی تنخواہ آپ کو دے دوں گا گفٹ سمجھ لیجیے گا ہماری طرف سے لیکن پلیز کسی کو بتایئے گا نہیں۔" اس نے جز بز ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا نا سر کہ میرے لیے مشکل ہے بہت' نہ میرے والدین اور نہ ہی میرے سسرال والے اس کی اجازت دیں گے۔"

ذاکر صاحب کے چہرے پر بیک وقت جھنجلاہٹ اور بے بسی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے کچھ اس طرح ماہ نور کو دیکھتے ہوئے کرسی کو پاؤں کی ٹھوکر سے پیچھے ہٹایا کہ ماہ نور کو لگا جیسے ابھی وہ مارے جھنجلاہٹ کے اپنے بال نوچنے لگیں گے۔

"ٹھیک ہے مس خان میں نے تو آپ کو عزت دینی چاہی تھی آپ کی مرضی۔"

اور جب مسز مراد نے ساری بات سنی تو ہنس دیں۔

"تمہیں تنخواہ کا لالچ دے کر دانہ ڈال رہا تھا۔ بہر حال تنخواہ کی تم فکر نہ کرو۔"

"نہیں مسز مراد میں تو فکر مند نہیں ہوں ظاہر ہے جب جاب کی تھی تو یہ بتا دیا گیا تھا کہ بغیر نوٹس جاب چھوڑنے کی صورت میں ایک ماہ کی تنخواہ نہیں ملے گی۔"

وہ مسز مراد پر اپنی پریشانی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن مسز مراد تو اس کے سارے حالات جانتی تھیں چنانچہ دوسرے روز چھٹی کے بعد وہ اس کے گھر آئیں تو ایک لفافے میں پانچ ہزار رکھ کر چپکے سے اس کے پاس رکھ دیے

"یہ کیا ہے مسز مراد۔"

"کوئی سوال جواب نہیں ماہ دوستوں میں سوال جواب نہیں ہوتے۔ بہت بوجھ محسوس کرو تو ادھار سمجھ کر رکھ لو جب ہو ئے دے دینا۔"

اور وہ مسز مراد کے اس خلوص کے سامنے کچھ بول نہ سکی ہاں اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ گھر میں اس نے یہی بتایا تھا کہ پرانی سائنس ٹیچر کے واپس آجانے سے اس کی جاب ختم ہو گئی ہے۔

"اب کیا ہو گا۔" اماں کے چہرے پر لکھا تھا لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

"چلو اللہ کی مرضی۔" سلمیٰ خانم نے اسے پریشان نہ ہونے کی تاکید کی۔ نصیر احمد خان نے کچھ تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن ان کی آنکھوں میں گہری سوچ تھی۔ طیبہ خاتون اب پہلے کی طرح زیادہ سلائی نہیں کر سکتی تھیں' لیکن پھر بھی انہوں نے آس پاس سے تین چار سوٹ لے لیے تھے۔ ایک دو سوٹ سینے کے بعد ان کی آنکھیں دُکھنے لگی تھیں۔ وہ گھر پر ہوتی تو زبردستی ان سے سلائی کا کام لے لیتی۔

"لایئے مجھے بتایئے میں سی دیتی ہوں۔" شلواریں تو وہ آرام سے سی لیتی تھی۔ لیکن شرٹس طیبہ خاتون خود ہی سیتی تھیں۔ مسز مراد ہفتے میں ایک چکر لگا جاتی تھیں۔ جب بھی آتیں کچھ نہ کچھ لے آتیں۔ کبھی فروٹ کبھی جوس کبھی بیکری کا سامان۔ تھراپی کے لیے بڑی باقاعدگی سے لے جا رہی تھیں ہر روز تو ممکن نہ تھا البتہ ہفتے میں دو تین بار چکر لگ جاتا تھا۔

"پلیز مسز مراد مجھے اتنا زیر بار مت کریں کہ سر ہی نہ اٹھا سکوں۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے' دوستوں میں اتنی غیریت نہیں ہوتی۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں اور اب مجھے ابا اور دادی کی دواؤں کا نسخہ دے دو اگلے سنڈے کو آؤں گی تو لیتی آؤں گی اور فضول میں کچھ مت کہنا۔"

اور ابا اور دادی کی خاطر اس نے خاموشی سے نسخہ مسز مراد کی طرف بڑھا دیا تھا۔ تب خضر اسے بے تحاشا یاد آیا۔ اگر وہ یہاں ہوتا تو۔

اور آج مسز مراد ابا کی اور دادی کی دوائیاں لائی تھیں۔

"تم بھی بہت عجیب ہو ماہ وہ تمہارا منگیتر ہے کزن ہے تمہارے ساتھ مخلص ہے تو پھر تم اس سے اپنے مسائل کیوں شیئر نہیں کرتی ہو۔" مسز مراد نے کچھ دیر اسے یونہی خاموشی سے دیکھنے کے بعد کہا تو وہ چونکی۔

"وہ اتنی دور ہیں انہیں کیا پریشان کروں۔ یہ وقت بھی گزر ہی جائے گا۔ آپ اپنی ان ملنے والی خاتون سے آج ہی بات کر لیجیے گا۔" اس کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔

"ہاں بلکہ ایسا کرو تم میرے ساتھ چلو آج سنڈے ہے وہ گھر پر ہی ہوں گی۔ ان سے مل کر بات کر لیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اماں اور ابا کو بتا کر آپ کے ساتھ ہی چلتی ہوں۔"

اس نے دوائیوں کا شاپر اٹھایا اور نصیر احمد خان کے کمرے میں آئی۔

"ابا یہ آپ کی دوائیں اور دادی کی بھی۔"

"لیکن بیٹا! میری تو ساری دوائیں موجود تھیں۔ یہ دیکھو" انہوں نے تکیے کے پاس سے شاپر اٹھا کر دکھایا۔

"لیکن یہ تو صرف ایک ہفتہ کی دوا تھی اور اب دو ہفتے ہونے والے ہیں آپ نے دوا کھائی ہی نہیں۔"

"نہیں۔" انہوں نے نظریں چرا لیں۔

"کھائی تو تھیں۔"

"ابا آپ جانتے ہیں یہ سب دوائیں کتنی ضروری ہیں انہیں مس نہیں کرنا آپ نے۔"

"بیٹا تم نے خواہ مخواہ دواؤں پر پیسے ضائع کیے ان سے گھر کے لیے کچھ سامان آجاتا۔"

اس نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا اور پھر اماں کی طرف۔

"کیا کیا منگوانا ہے دائی کو بھیج کر منگوا لیجیے تین سو روپے میں نے آپ کی دراز میں رکھے تھے۔"

"وہ تو" طیبہ خاتون کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں۔

"طیبہ دلہن میں نے کہا بھی تھا تمہیں آج ماہ نور کو لے کر سنار کی طرف چلی جانا اور۔"

"لیکن اماں۔"

"بیٹا ابھی جو مشکل وقت آیا ہے اسے تو ٹالنا ہے' وقت آیا اور اللہ نے دیا تو زیور بھی بن جائے گا۔"

"زیور بھی کتنا ہے اماں اور کتنے دن چلے گا یہ پیسہ۔"

"جتنے دن بھی چلے میں نے کہہ دیا ہے کہ صبح ماہ نور کے ساتھ جا کر دے آؤ۔ غضب خدا کا بچی نوکری کی تلاش میں آدھی ہو کر رہ گئی ہے۔"

ماہ نور چپ کھڑی تھی اور اندر آتی مسز مراد دروازے کے باہر ہی کھڑی رہ گئی تھیں۔ جوس کے پیکٹ' بیکری کا سامان فروٹ' بنیادی ضروریات نہیں تھیں۔۔۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ۔۔۔ لیکن کیسے۔۔۔ ماہ نور کی انا کو مجروح کیے بغیر وہ کیسے ان کی مدد کر سکتی تھیں۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ماہ نور نے ایک گہری سانس لی۔

"دادی ٹھیک کہتی ہیں اماں۔ زیور ایسے ہی وقت میں کام آتا ہے۔"

نصیر احمد خان کی بیماری میں طیبہ نے کافی زیور بیچ ڈالا تھا اور اب جو بھی بچا کھچا تھا وہی آسرا تھا۔ نصیر احمد خان جیسے ان کی گفتگو سے بے نیاز سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"اور ابا اگر آپ نے باقاعدگی سے دوائی نہ کھائی تو پھر کٹی ہو جائے گی۔" وہ زبردستی ہنسی۔

"ٹھیک ہے نا۔"

نصیر احمد خان نے ایک نظر اس پر ڈالی تب ہی ہولے سے کھنکارتے ہوئے مسز مراد اندر داخل ہوئیں۔ اور سب کو سلام کر کے ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"ماہ تم نے اجازت لے لی۔ پھر تمہیں واپس بھی تو چھوڑنا ہے دیر ہو جائے گی۔"

"کہاں جانا ہے۔" سلمیٰ خانم نے پوچھا۔

"دادی جان میری ایک فرینڈ ہے انہیں اپنے کام میں ہیلپ کے لیے کسی لیڈی ورکر کی ضرورت تھی بس انہیں کے پاس جا رہے ہیں۔"

"اچھا تو ماہ نور بیٹے زوبی کو بھی ساتھ لے جاؤ۔" مسز مراد کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھر کر معدوم ہو گئی انہیں دادی کی احتیاط پسندی اچھی لگی۔ ماہ نور سے دوستی کا تعلق بنے اتنا عرصہ ہو گیا تھا اور سال بھر سے تو وہ اس کے گھر بھی آ رہی تھیں۔ لیکن۔۔۔

"اور یہاں اعتبار بھی کس پر کیا جا سکتا ہے ہر بندہ چہرے پر نقاب لگائے پھر رہا ہے۔ کون جانتا ہے اس نقاب کے پیچھے کیا ہے۔" ان کی نگاہوں کے سامنے میڈم سفینہ کا چہرہ آ گیا۔ "اور کون جانتا ہے کہ اتنی میٹھی گفتگو کرنے والی میڈم سفینہ کا اصل روپ کتنا غلیظ ہے۔" ان کے اندر دور تک تلخی پھیل گئی، لیکن بظاہر مسکراتے ہوئے انہوں نے دادی سے کہا۔

"دعا کیجیے گا دادی جان کام بن جائے۔"

اور اب پتا نہیں دادی جان نے دعا کی تھی یا قدرت کو ماہ نور پر ترس آ گیا تھا کہ نہ صرف بیگم شاہنواز گھر پر مل گئیں بلکہ انہوں نے نوکری کی نوید بھی دے دی، جب مسز مراد نے بیگم شاہنواز سے ماہ نواز کا تعارف کروایا اور کہا کہ "آپ نے ایک روز لیڈی ورکر کے لیے کہا تھا یہ ماہ نور میری عزیزہ ہے اسے جاب کی تلاش تھی تو میں نے سوچا آپ کے پاس لے آؤں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مسز مراد لیکن آپ کچھ لیٹ ہو گئی ہیں۔ میں نے ہفتہ بھر پہلے ہی ایک لڑکی رکھ لی ہے۔ اچھی محنتی لڑکی ہے۔"

اور اس وقت ماہ نور کی آنکھوں میں مایوسی کے جو رنگ اچانک اتر آئے تھے اور امید کی لو دیتا چہرہ یکدم یوں بجھ گیا تھا کہ بیگم شاہنواز نے بھی چونک کر اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھا اور سوچا شاید بہت ضرورت مند ہے۔ اور اچانک ہی انہیں یاد آیا کہ چند دن پہلے ان کے میاں نے ذکر کیا تھا کہ ان کے ایک دوست کو اپنے آفس کے لیے ایک سیکریٹری چاہیے۔

"مسز مراد ایک اور ویکینسی ہے تو سہی لیکن ماہ نور آفس جاب کر لیں گی۔"

"جی میں کر لوں گی۔" ماہ نور کا چہرہ چمک اٹھا۔

"آفس میں سیکریٹری کی جاب ہے کوئی تجربہ ہے؟"

"نہیں تجربہ تو نہیں۔" ماہ نور کی بے حد خوب صورت آنکھوں میں امید و نا امیدی کے رنگ گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"ایجوکیشن۔"

"بی ایس سی۔" ماہ نور نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"انگلش بول لیتی ہیں۔"

"بہت اچھی طرح سے، بہت بہترین انداز ہے۔" مسز مراد نے جواب دیا۔

"اوکے میں شاہ نواز سے پوچھتی ہوں۔" بیگم شاہنواز اٹھ کر بیڈ روم میں چلی گئیں۔

"ماہ کیا تم سیکریٹری کی جاب کر لوگی۔" مسز مراد نے ان کے جانے کے بعد پوچھا۔

"کر لوں گی مسز مراد۔"

"بہت مضبوط ہونا پڑے گا مردوں کے ساتھ جاب کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا تمہارے لیے۔ ہم کہیں اور کوشش کرتے ہیں۔ یہاں ڈیفنس میں ایک پرائیویٹ اکیڈمی کھلی ہے کل ہی میں نے گزرتے ہوئے دیکھا وہاں پتا کرتے ہیں شاید کسی ٹیچر کی ضرورت ہو انہیں۔"

"ہاں مشکل تو ہوگا لیکن ناممکن نہیں آخر اتنی ساری خواتین آفسز میں کام کرتی ہیں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"چلو دیکھتے ہیں اگر کوئی مسئلہ ہوا تو فوراً جاب چھوڑ دینا۔ کوئی ایگریمنٹ وغیرہ مت کرنا اور کبھی آفس میں اکیلے مت رہنا۔ وقت پر کام ختم کرنا۔ عورت مضبوط ہو تو پھر کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن بدقسمتی سے عورت بہت کمزور ہوتی ہے اور کبھی کبھی یہ کمزوری اسے کہیں کا نہیں چھوڑتی۔" دل کے اندر درد کی ایک لہر سی اٹھی تھی اور پورے وجود میں پھیلتی چلی گئی تھی۔

"آپ صحیح کہتی ہیں مسز مراد اگر کبھی ذرا بھی محسوس ہوا کہ میں کمزور پڑنے لگی ہوں تو میں جاب چھوڑ دوں گی۔"

بڑی بہنوں کی طرح اسے نصیحت کرتی ہوئی مسز مراد اسے کتنی اپنی اپنی لگ رہی تھیں۔

"دنیا اتنے اچھے لوگوں سے بھری ہوئی ہے پھر پتا نہیں دنیا میں اتنے دکھ کیوں ہیں۔"

مسز مراد کی باتیں غور سے سنتے ہوئے اس نے سوچا۔ تب ہی بیگم شاہنواز مسکراتی ہوئی بیڈ روم سے برآمد ہوئیں۔

"آپ کا کام ہو گیا مسز مراد شاہنواز نے ابھی فون پر بات کر لی ہے شاہ صاحب سے، صبح ماہ نور ان کے آفس چلی جائیں۔ یہ رہا ان کا وزیٹنگ کارڈ۔"

انہوں نے ہاتھ میں پکڑا کارڈ ماہ نور کی طرف بڑھایا۔

"بکچوولی شاہ صاحب کو چند سال ہی ہوئے ہیں کراچی آئے ہوئے۔ پہلے تو اپنے پارٹنر کے ساتھ ہی کام کر رہے تھے۔ آج کل انہوں نے اپنا ایک الگ آفس بھی بنایا ہے۔ ایکسپورٹ امپورٹ کا کام شروع کیا ہے۔ بڑا لکی آدمی ہے۔ مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا ہے تو سونا ہو جاتی ہے۔ نیا آفس ہے تو ورکر بھی سب نئے بھرتی ہو رہے ہیں۔ فی الحال دس ہزار تنخواہ ہوگی اور جب تک پک اینڈ ڈراپ کی سہولت نہ ہوئی کنوینس الاؤنس بھی ملے گا۔"

"شکریہ بیگم شاہنواز۔۔۔" ماہ نور کی آنکھوں میں ممنونیت تھی۔

"شکریے کی کیا بات ہے انہیں ضرورت تھی۔ لیکن یہ چادر۔۔۔" انہوں نے اس کی چادر کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے خیال میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اب کے ماہ نور کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ میرا چادر اوڑھنا میرے کام میں رکاوٹ بنے گا۔"

"ٹھیک ہے بھئی، صبح تم آفس جانا جو بھی بات ہوئی شاہ صاحب سے مسز مراد کو بتا دینا۔ ویسے تم بے فکر رہو میں ایک بار پھر شاہنواز سے کہہ دوں گی کہ ہر صورت تمہیں ہی جاب ملنا چاہیے۔ مسز مراد نے پہلی بار مجھ سے کوئی کام کہا ہے۔" اس نے ایک بار پھر شکریہ ادا کیا۔ اور مسز مراد کے ساتھ باہر آتے ہوئے اس نے وزیٹنگ کارڈ پر نظر ڈالی۔

"سید شاہ زیب علی شاہ۔" مسز مراد نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لے کر ایڈریس پڑھا۔

"تمہارے گھر سے تو خاصا دور ہے آفس۔ صبح میں چھٹی کر لوں گی اور تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔ تم میرا انتظار

کرنا خود مت جانا۔ فرسٹ ڈے ہے۔ آفس تلاش کرنا ہوگا اکیلی کہاں خوار ہوتی رہو گی۔ پھر واپسی پر دیکھیں گے اس روٹ پر کون سی وین جاتی ہے کس اسٹاپ سے تمہیں اپنے روٹ کی وین ملے گی سب معلومات لے لیں گے۔"

"میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں مسز مراد' میرے پاس تو لفظ بھی نہیں ہیں۔"

"اور تمہیں شکریہ ادا کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ورنہ مار کھاؤ گی مجھ سے۔" انہوں نے دھمکی دی اور مسکرا کر زوبی کی طرف دیکھا جو کار کی ڈگی پر ہاتھ رکھے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے اس گارڈ کا کیا فائدہ اس نے تو اندر جانے سے ہی انکار کر دیا تھا۔" مسز مراد ہولے سے ہنسیں۔ اور زوبی کے گال کو تھپتھپایا۔

"بور تو نہیں ہوئے چھوٹو۔"

"نہیں تو۔" وہ بہت دلچسپی سے اردگرد کے خوب صورت گھروں کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ سب گھر کتنے خوب صورت ہیں۔"

"ہاں اللہ چاہے گا تو تم بھی ایک دن ایسا ہی خوب صورت گھر بناؤ گے۔" مسز مراد نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ۔" ماہ نور کے لبوں سے نکلا۔

"چلو یہ مسئلہ تو حل ہوا۔"

گاڑی گیٹ سے باہر نکالتے ہوئے مسز مراد نے کہا۔

"اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ شاہ زیب شاہ کس طرح کے آدمی ہیں۔ مجھے پہلی ہی نظر میں بندے کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کیسا ہے اگر وہ شخص مجھے صحیح نہ لگا ماہ تو ہم پھر اکیڈمی میں ٹرائی کریں گے۔"

ماہ نور نے سر ہلا دیا لیکن وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگی تھی کہ اللہ کرے وہ شخص اچھا ہو اور مسز مراد کو پسند آجائے ورنہ۔ پھر نہ جانے کب کوئی جاب ملے گی۔ مسز مراد نے اسے خاموش دیکھا تو خود بھی کچھ سوچتے ہوئے ڈرائیو کرنے لگیں۔

■■■

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا عینا۔ بالکل بھی اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔" اسفر اپنے کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

"یہ تم ہی تو تھیں عینا جس نے مجھے محبت کرنا سکھایا میں تو اس جذبے سے بالکل ناآشنا تھا۔ یہ تم تھیں عینا' جس نے محبتوں کا اظہار کیا۔ مجھے خوب صورت لفظوں سے نوازا اور میرے سپاٹ خالی دل میں اپنی محبت اتار دی یوں کہ وہ میری رگ رگ میں سرایت کر گئی اور جب میری رگوں میں لہو بن کر دوڑنے لگی تو تم اس محبت سے مکر گئیں۔"

انہوں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"میں نے تو تمہاری محبت سے اپنے اندھیرے دل کو روشن کیا تھا لیکن تم نے وہاں پھر اندھیرا کر دیا۔ کون مجھے بتائے گا علینہ افضال حیدر کہ تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا' میں نے کیا بگاڑا تھا تمہارا علینہ افضال حیدر۔"

وہ جیسے ٹہلتے ٹہلتے تھک گئے اور بیڈ پر بیٹھ گئے۔

"میں تو ایک بچے کی طرح منہ بسور کر تمہارے آنچل میں چھپنا چاہتا تھا لیکن تم نے آنچل ہی ہٹا لیا میں نے تو چوبیس گھنٹوں کے ہر گھنٹے ہر منٹ اور ہر لمحے میں تمہارے آنچل کی مہک اور تمہارے بدن کی کوملتا اور حرارت محسوس کرنے کی چاہ کی تھی لیکن تم نے تو ہاتھ ہی چھڑا لیا اور اجنبی بن گئیں۔" ان کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

یہ عینا نے کیا کیا تھا ان کے ساتھ چند دن ان کے اردگرد روشنیاں بکھیر کر پھر وہی ملگجا اندھیرا چھوڑ دیا تھا۔

ایک گہری سانس لے کر انہوں نے آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔ آنسو تو دور دور تک کہیں نہ تھے البتہ جلن تھی۔ کاش

وہ علینہ سے مل کر آنے کے بعد رو لیتے بہت سارا پھر شاید دل پر پڑا بوجھ کم ہو جاتا۔

وہ رات ہی کراچی سے آئے تھے۔ اچانک ہی انہیں آفس کام کے سلسلے میں کراچی جانا پڑا تھا۔ وہ بے حد خوش تھے۔ ایئرپورٹ سے ماموں کے گھر تک کا فاصلہ پتا نہیں کیسے طے کیا تھا انہوں نے بار بار علینہ کا چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے آتا رہا۔ وہ کس قدر حیران ہوگی مجھے دیکھ کر کیسے رنگ چمکیں گے اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر تو رنگوں کی دھنک اتر آئے گی۔ کتنی ڈھیروں باتیں سوچ رکھی تھیں انہوں نے علینہ سے کہنے کے لیے۔ وہ علینہ کو یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ انہوں نے امی جان سے ذکر کر دیا ہے اور بہت جلد وہ ابا جان سے بات کر کے کراچی آئیں گی۔ لیکن سب غلط ہو گیا تھا۔ علینہ بہت بدل گئی تھی۔ کس قدر اجنبی لگی تھی وہ انہیں۔ جب وہ وہاں پہنچے تھے تو گھر میں صرف علینہ تھی۔ ایرج یونیورسٹی میں تھی آج اس کا آخری پیپر تھا اور سعدیہ مامی بھی کسی ملنے والے کے ہاں گئی تھیں اور یہ ساری معلومات اسے ملازم لڑکی سے ملی تھیں۔

افضال ماموں کا اور خضر کا تو اسے پتا ہی تھا کہ وہ ملک سے باہر ہیں ولید اپنے آفس گیا ہوا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ہی اس نے جاب اسٹارٹ کی تھی۔

"آپ بیٹھو یہاں میں علینہ بی بی کو بتاتی ہوں۔"

لڑکی انہیں بٹھا کر چلی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ علینہ ابھی دوڑتی ہوئی آئے گی۔ لیکن انہوں نے ملازم لڑکی کا سرو کیا ہوا ڈرنک بھی ختم کر لیا اور علینہ نہیں آئی۔ تب انہوں نے خالی گلاس اٹھاتی ہوئی لڑکی کی طرف دیکھا۔

"تم نے بتایا تھا اسفر آیا ہے لاہور سے۔"

"آہو جی مجھے پتا ہے آپ اسفر صاحب ہو لاہور والی عذرا باجی کے بیٹے۔"

"وہ اچھا۔" پتا نہیں کیوں انہیں گمان گزرا تھا کہ شاید اس نے ان کا نام نہ بتایا ہو علینہ کو ورنہ وہ تو بے تاب ہو جاتی۔

"علینہ بی بی کیا کر رہی تھیں۔" انہوں نے سائڈ ٹیبل سے اخبار اٹھایا۔

"وہ جی فون پر بات کر رہی تھیں اپنی سہیلی سے۔"

اسفر اخبار کی سرخیاں دیکھنے لگے تھے۔ لڑکی گلاس اور ٹرے اٹھا کر جا چکی تھی۔ وہ کچھ دیر اخبار دیکھتے رہے پھر اکتا کر رکھ دیا۔ ایک لحہ کو ان کے دل میں خیال آیا کہ وہ اٹھ کر اس کے بیڈ روم میں چلے جائیں اور کھینچتے ہوئے باہر لے آئیں اور کہیں۔

"یہ کون سا طریقہ ہے ناراضی کا آؤ اور یہاں بیٹھ کر مجھ سے لڑ لو جتنا لڑنا چاہتی ہو۔ جتنا غصہ اور ناراضگی ہے میرے اندر انڈیل دو۔"

لیکن پھر انہیں لگا کہ یہ انتہائی نامناسب بات ہے اگر سعدیہ آنٹی آجائیں تو اسے وہاں دیکھ کر کیا سوچیں گی جب وہ یہاں تھے تو تب بھی کبھی یوں علینہ کے بیڈ روم میں نہیں گئے تھے جب اماں جان زندہ تھیں تب بھی اگر وہ ان کے کمرے میں ہوتیں تو وہ دستک دے کر باہر کھڑے کھڑے ہی بات کرتے تھے۔ صبر کے گھونٹ پی کر انہوں نے پھر اخبار اٹھا لیا اور جب ان کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ بیگ اٹھائیں اور گھر سے نکل جائیں تب خراماں خراماں چلتی ہوئی وہ ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ نے چائے پی۔" اور پھر اونچی آواز میں ملازم لڑکی کو آواز دی۔

"تم نے ابھی تک چائے سرو نہیں کی۔"

"بس لا ہی رہی ہوں ذرا نگٹس فرائی کر رہی تھی!" لڑکی نے کچن سے ہی جواب دیا' تب وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"کیسے ہیں آپ' لاہور میں سب کیسے تھے پھپھو آنٹی' سمن وغیرہ۔" اسفر نے جو اس کے رویّے کی اجنبیت کو واچ کر رہے تھے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا بہت ناراض ہو عینا لیکن یار میرا قصور تو بتادو۔"

"نہیں میں بھلا کیوں ناراض ہوں گی۔" اس نے نگاہیں جھکالیں۔

"پھر یہ سب کیا ہے تمہارا یہ انداز یہ رویّہ مجھے وجہ تو بتاؤ علینہ تاکہ میں وضاحت کرسکوں بخدا میں اپنے قصور سے قطعی لاعلم ہوں۔ تم میرے فون نہیں سنتیں خود بھی نہیں کرتی ہو کیوں۔" وہ سر جھکائے ناخن کریدتی رہی۔ تو وہ تھوڑا سا شوخ ہوئے۔

"دیکھ لینا سب گن گن کے بدلے لوں گا ایک بار تم ـــــ" اس نے یوں سراسیمہ ہو کر ان کی طرف دیکھا کہ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور مسکرائے۔

"ڈرپوک ماموں جان امریکہ سے آجائیں تو امی ان سے بات کرنے آئیں گی کراچی امریکہ میں امی کی بات ہوئی ہے ان سے۔"

"کیا کیا بات ہوئی ہے ــــــ" پریشان لگ رہی تھی۔

"یہی کہ وہ کب تک آرہے ہیں واپس امی جان نے ان سے کوئی بات کرنے آنا ہے۔"

"بات تو نہیں کی نا....." وہ اسفر کو دیکھ رہی تھی۔

"پلیز ان کو منع کردو میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس نے یکدم جیسے بھالا اتار دیا تھا ان کے دل میں۔

"نہیں ـــ" اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"آئم سوری اسفر مجھے۔ میں نے غلط سمجھا تھا کہ میں آپ کو۔"

"تو صحیح کیا ہے وہ سمجھا دیجیے۔" اسفر کا لہجہ تلخ تھا۔

"دراصل وہ عاطف ہے نا میری فرینڈ کا کزن ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے ہیں اور میں سمجھتی ہوں کہ میں اس کے ساتھ زیادہ خوش رہوں گی۔ آپ کے اور میرے مزاج میں بہت فرق ہے۔"

"اور یہ بات آپ کو پہلے معلوم نہیں تھی علینہ۔ جب آپ میری طرف پیش قدمی کررہی تھیں۔ جب آپ میرے دل میں اپنی محبت کا بیج بو رہی تھیں اب جب کہ وہ تناور درخت بن چکا ہے تو آپ کہہ رہی ہیں کہ آپ میرے ساتھ خوش نہیں رہ سکتیں۔ واہ!" وہ تلخی سے ہنسے تھے۔

"میرا دل کھلونا تھا جس سے آپ کھیلتی رہیں اور جب جی بھر گیا تو دوسرا کھلونا پسند کرلیا اور جب اس سے جی بھر جائے گا تو ـــ علینہ افضال حیدر میں نے آپ کو کتنا غلط سمجھا تھا۔ آپ تو کہتی تھیں آپ میرے بغیر مر جائیں گی آپ تو ـــ خیر فلرٹ کرنا شاید آپ کی ہابی ہے میں ہی نادان تھا نہ جان سکا۔" وہ کھڑے ہوگئے تو علینہ نے ایک ملتجی سی نظر ان پر ڈالی تھی۔

"میں فلرٹی نہیں ہوں لیکن جب میں آپ سے محبت کررہی تھی تو مجھے ایسا ہی لگتا تھا۔ جیسے میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں آپ کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہوں لیکن اب جب مجھے عاطف ملا تو میں نے جانا کہ آپ میری منزل نہیں تھے میں تو سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ میری منزل تو عاطف ہے۔ پاپا کے آتے ہی عاطف کے والدین آئیں گے۔ مما کو بھی وہ پسند ہے۔"

"بہت خوب۔" اس کی صاف گوئی پر انہیں ہنسی آئی وہ مزید وہاں نہیں رکے تھے اور بیگ اٹھا کر ہوٹل میں چلے آئے جس کام سے گئے تھے وہ اب ان کے بس کا نہیں رہا تھا اور تب سے اب تک وہ یہی سوچے جارہے تھے کہ علینہ نے ان کے ساتھ ایسا کیوں کیا۔ ان کے جذبوں میں تو کھوٹ نہیں تھا انہوں نے تو پورے خلوص کے ساتھ اس کی رفاقت کی تمنا کی تھی۔ اس کے سنگ زندگی گزارنے کے خواب دیکھے۔

"میں نے اپنی جان اور روح سب اس کے نام کردیے تھے پھر علینہ نے مجھے یہ کس جرم کی سزا دی کیا محبت کوئی کھیل ہے۔ مذاق ہے یا محض دل لگی۔"

انہیں لگا جیسے کوئی تیز دھار آلے سے ان کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کررہا ہو۔ کراچی میں دو دن کیسے گزرے تھے انہیں کچھ یاد نہیں۔ وہ تو دونوں دن ہوٹل کے کمرے میں پڑے بخار سے پھنکتے رہے۔ اپنے آفس فون کرکے انہوں نے اپنی بیماری کی اطلاع دے دی تھی جس پر آفس سے کسی اور کو بھیج دیا گیا تھا۔

یہ دو دن کتنے اذیت ناک تھے۔ کیسا کرب تھا کیسی اذیت تھی جو دل و جان کو چیر رہی تھی ٹکڑے ٹکڑے کررہی تھی۔ ہوٹل کے منیجر سے پرانی ملاقات تھی جب وہ اماں جان کے پاس کراچی رہتے تھے تب سے وہی ڈاکٹر کو لایا تھا ذرا طبیعت بہتر ہوئی تو وہ واپس آگئے تھے حالانکہ جب وہ کراچی جارہے تھے تو انہوں نے سوچا تھا وہ پھپھو کے گھر ضرور جائیں گے اور اگر ہوسکا تو جیل میں منصور سے بھی ملنے کی کوشش کریں گے لیکن سب کچھ ہی گڑبڑ ہوگیا تھا۔ وہ یونہی واپس چلے آئے تھے۔ علینہ نے ان کے جذبات سے کھلواڑ کیا تھا۔ انہیں بے وقوف بنایا تھا یہ احساس اتنا اذیت ناک تھا کہ رہ رہ کر دل میں ٹیسیں اٹھتی تھیں۔

"یا اللہ میری اس اذیت کو کم کردے۔" انہوں نے بے بسی سے دعا کی تب ہی رمضان نے دروازہ ناک کیا۔

"آجاؤ۔" انہوں نے خود کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔

"اسفی بھائی وہ آپ کو میاں صاحب اور بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔ میاں صاحب کے کمرے میں ہیں سب۔"

"اچھا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر اٹھے بالوں کو ہاتھوں کی انگلیوں سے سنوارا۔ کچھ دیر کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر لمبے لمبے سانس لیے اور خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور پھر ہولے ہولے چلتے ہوئے میاں صلاح الدین کے کمرے کے پاس آکر رکے۔

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ سامنے ہی مبشر بیٹھا تھا اور اس کے پاس عذرا بیگم تھیں تکیے سے ٹیک لگائے میاں صلاح الدین بیڈ پر نیم دراز تھے ـ وہ سلام کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"خیریت ہے؟"

بیٹھنے کے بعد انہوں نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا تو وہ میاں صلاح الدین کی طرف دیکھنے لگیں تو وہ کھنکار کر بولے۔

"خیریت ہے میاں ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ مبشر اپنی بیوی کے ساتھ الگ ہوجائے فی الحال میں نے اقبال ٹاؤن والے گھر کا اوپر والا پورشن خالی کرالیا ہے نیچے والوں کو بھی نوٹس دے دیا ہے بعد میں خالی ہوجائے گا۔ لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے آپ ہی سمجھائیے۔"

مبشر نے سر اٹھا کر زخمی نظروں سے انہیں دیکھا اس کی آنکھیں یوں سرخ ہورہی تھیں جیسے ابھی ان سے خون ٹپک پڑے گا۔

"ابا جان پلیز میں آپ سب سے الگ نہیں رہ سکتا میں امی جان سمن نعم رونا مدثر کسی کو چھوڑ نہیں سکتا دم گھٹ جائے گا میرا۔"

"گھر بسانے کے لیے کچھ قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔" میاں صلاح الدین کا لہجہ خلافِ معمول دھیما تھا۔

"آپ نے حاجی صاحب کو سمجھانے کے بجائے الٹا ان کا یہ ناجائز مطالبہ مان لیا۔ ان کی بیٹی کی ڈیمانڈ سراسر غلط ہے۔"

"بات غلط اور صحیح کی نہیں ہے مبشر میاں بات غزالہ بیٹی کی ہے وہ روٹھ کر میکے بیٹھ گئی ہے اور لوگ باتیں کر رہے ہیں۔"

"کون لوگ۔" مبشر نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"ہمارا تو کوئی عزیز ایسا نہیں ہے یہاں جسے ایسی باتیں کرنے کی عادت ہو۔"

"حاجی صاحب کے عزیز و اقارب پوچھتے ہیں ان سے کہ غزالہ کیوں گھر بیٹھی ہے۔" عذرا بیگم نے آہستگی سے کہا۔

"تو ـــ" مبشر نے بھنویں اچکائیں۔

"آپ گئی تو تھیں لینے بھیج دیتے آپ کے ساتھ۔"

"غزالہ یہاں اس عمر میں ہم سب کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں۔" ان کی آواز اور دھیمی ہو گئی۔

"تو پھر ٹھیک ہے رہے اپنے گھر میں ساری عمر۔"

"شبی۔۔۔" میاں صلاح الدین نے دایاں ہاتھ بلند کیا۔

"بس بہت ہو گئی' میں نے حاجی صاحب سے وعدہ کر لیا ہے کہ جلد ہی میں گھر خالی کروا لوں گا اور اب اوپر والا پورشن خالی ہو گیا ہے صفائی وغیرہ کروا دی ہے آپ جا کر غزالہ کو لے آئیے دونوں بھائی اور اسفر میاں آپ کو میں نے اس لیے بھی بلوایا ہے کہ ایک تو آپ اسے سمجھائیں اس کے ساتھ جا کر غزالہ کو لے آئیں اور پھر سامان وغیرہ وہاں لے جانے میں اس کی ہیلپ کریں میں نے دو پک اپ منگوائی ہیں آپ کی واپسی تک آ جائیں گی۔"

اسفر نے مبشر کی طرف دیکھا جس کا چہرہ اذیت سے کھنچ رہا تھا۔

"ابا جان پلیز ابا جان ایسا حکم صادر نہ کریں کہ میرا دم گھٹ جائے' مجھے خود سے امی جان سے جدا نہ کریں۔ اپنے ہاتھوں سے میرا گلا کاٹ دیں لیکن ابا جان۔"

اس کی آواز بھرا گئی تو اسفر نے بے اختیار اٹھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور ہولے ہولے تھپکنے لگے۔

"خدانخواستہ تم پر اس گھر کے دروازے بند تو نہیں ہو رہے شبی تم دن میں دس چکر لگاؤ یہاں کے' امی جان' ابا جان ہم سب تمہارے پاس آتے رہیں گے۔"

"اس وقت جب میرا فائنل ایر ہے آپ نے مجھے اکیلا کر دیا ہے۔"

اس کے لبوں سے سسکی نکلی اور اس نے شکوہ بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔ میاں صلاح الدین نے نظریں چرا لیں۔

"میرے خیال میں آپ آدھے گھنٹے تک چلے جائیں اس اثنا میں شبی فریش ہو کر چینج کر لیتا ہے میں حاجی صاحب کو بتا دیتا ہوں آپ کے آنے کا۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے اسفر کو مخاطب کیا۔

"جی ابا جان۔"

"نہیں پلیز ابا جان نہیں۔"

اسفر سے ہاتھ چھڑا کر مبشر نے میاں صلاح الدین کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ابا جان پلیز مجھ پر یہ ظلم نہ کریں مجھے یہ سزا مت دیں ابا جان میں آپ سب سے بچھڑ کر مر جاؤں گا۔"

اس نے کچھ یوں تڑپ کر کہا کہ عذرا بیگم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اسفر نے محسوس کیا جیسے میاں صلاح الدین کی آنکھیں بھی نم ہوئی ہوں۔ انہوں نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر ہولے سے اس کے بال بکھیرے۔

"لاڈلے یہ سزا نہیں ہے مجبوری ہے۔" کبھی کبھی بچپن میں جب انہیں مبشر پر بہت پیار آتا تھا تو وہ اسے لاڈلا کہہ کر بلاتے تھے۔

"اس مسئلے کا اس کے سوا اور کوئی حل نہیں۔ اسی میں بہتری ہے اس طرح گھر ٹوٹنے سے بچ جائے گا۔ غزالہ ضد میں آ گئی ہے ہم نے بھی ضد کی تو پھر تعلق کا دھاگہ ٹوٹ جائے گا۔ ہم کون سا خوش ہیں۔ اپنی ماں کو دیکھو بہنوں کو دیکھو لیکن مجبوری ہے۔" اب مبشر ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ اسفر نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"امی جان اور کوئی حل نہیں تھا اس مسئلے کا۔"

"آپ کے ذہن میں ہو کوئی حل تو ہمیں بتائیے۔" میاں صلاح الدین کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا۔

"میاں وہ لڑکی انتہا کی ضدی ہے اور اس کے دماغ میں یہ خناس جانے کہاں سے بھر گیا ہے کہ وہ الگ گھر میں

رہے مجھے نہیں معلوم تھا کہ حاجی صاحب جیسے سادہ مزاج شخص کی بیٹی ایسی ضدی ہو گی۔"

اسفر خاموش ہی رہے اور ایک نظر آنسو بہاتی عذرا بیگم پر ڈالی۔

"امی جان پلیز روئیے مت سب ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے تسلی دی لیکن اپنے لفظوں کا کھوکھلا پن خود ان پر عیاں تھا۔ لیکن پھر بھی وہ کچھ دیر وہاں بیٹھے عذرا بیگم کو ہولے ہولے نرم لہجے میں تسلی دیتے رہے۔ میاں صلاح الدین کروٹ بدل کر لیٹ گئے تھے۔

"تم جاؤ۔" عذرا بیگم نے آنسو پونچھ کر ان سے کہا۔

"دیکھو شبی کیا کر رہا ہے۔ ابھی شاک میں ہے۔ بیٹا پیار سے نرمی سے اسے سمجھاؤ کہ ہم نے خوشی سے یہ فیصلہ نہیں کیا مجبوری ہے اور پھر ایک دن اس نے الگ گھر بنانا ہی تھا ذرا وقت سے پہلے بن گیا۔"

"جی امی جان آپ فکر نہ کریں میں سنبھال لوں گا۔" وہ میاں صلاح الدین پر ایک نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ مبشر برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔

"شبی تم نے چینج نہیں کیا۔"

"ٹھیک ہوں اسفی بھائی۔"

"منہ ہاتھ دھو لیتے یا پھر باتھ لے لیتے۔"

"کیا منہ ہاتھ دھونے اور باتھ لے لینے سے وہ درد کم ہو جائے گا جو اس وقت میرے دل کو چھیل رہا ہے۔"

"شبی۔" انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کم از کم آج میں ابا جان کو غلط نہیں سمجھ رہا۔ اس کے علاوہ اور کوئی حل نہیں تھا۔"

"ایک اور حل بھی ہے۔"

"وہ کیا۔"

"اس قصے کو ہی سرے سے ختم کر دیں' فارغ کر دیتا ہوں اسے۔"

"بکو مت۔" انہوں نے ہولے سے اسے ڈانٹا۔

"ایسی فضول بات نہیں کرتے۔"

"یہ پھندا تو ساری عمر میرے گلے میں پھنسا اپنا شکنجہ تنگ کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ۔" وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر چپ ہو گیا۔

"والد صاحب نے بتایا آپ کو کہ کیا آج ہی مجھے دیس نکال دیا جائے گا یا ایک رات ٹھہرنے کی اجازت ہو گی۔"

اسفر نے اس کا ہاتھ تھاما۔

"چلیں اب۔"

"چلیے سر تسلیم خم ہے حکم حاکم مرگ مفاجات۔" اس نے تمسخرانہ انداز اپنانے کی کوشش کی۔

"ویسے یہ فریضہ والدِ محترم نے خود انجام کیوں نہیں دیا یا پھر حاجی صاحب کی دختر نیک اختر نے ان کے ساتھ آنے سے انکار کر دیا اور یہ بھی شرط رکھ دی کہ مبشر آئے لینے۔"

اسفر سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے کہ ثمن اپنے کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور چہرہ سوجا ہوا تھا جیسے بہت زیادہ روئی ہو۔ اس کے پیچھے انعم تھی اس کی آنکھیں بھی سوجی ہوئی اور روئی روئی لگ رہی تھیں۔

"شبی تم جا رہے ہو اقبال ٹاؤن والے گھر میں۔" اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"نہیں فی الحال تو سوئے مقتل جا رہا ہوں۔" اس کے ہونٹ زہر میں بھیگے ہوئے تھے۔

"شبی۔۔۔ شبی پلیز مت جاؤ میں غزالہ کی منت کروں گی کہ وہ یہاں رہنے کو مان جائے۔"

"ہاں ہاں ضرور منت کرنا' مان جائے گی۔" لہجے میں وہی تمسخر تھا۔

"سمن بیٹا ہم آ رہے ہیں ابھی غزالہ کو لے کر۔" اسفر نے نرمی سے کہا۔

"تو۔۔۔ تو وہ مان گئیں۔" آنکھوں میں جگنو سے چمکے۔

"ہاں۔۔۔" مبشر تلخی سے ہنسا۔

"الگ گھر میں رہنے پر۔"

"شبی۔" سمن رونے لگی۔

"میں کہیں محاذِ جنگ پر تو نہیں جا رہا نا جو تم آنسو بہا رہی ہو۔ یہیں اسی شہر میں "جلاوطن" کیا جا رہا ہوں۔ ایسا کرنا تم ادھر ہی دھرنا جما لینا میرے گھر میں پھر دیکھنا غزالہ صاحبہ وہاں سے کہاں بھاگ کر جاتی ہیں۔"

سمن کے آنسو تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتا تھا اس لیے اوٹ پٹانگ بولے جا رہا تھا۔ اسفر نے سمن کو بہلایا اور انعم سے کہا۔

"اسے چائے پلاؤ اور اب رونا نہیں بالکل تم دونوں نے جب بھائیوں کی شادیاں ہوتی ہیں تو انہیں الگ گھر بھی بنانے ہوتے ہیں۔ جیسے تم دونوں ایک دن الگ گھر بسا لوگی ہوں۔۔۔" وہ شعوری کوشش سے مسکرائے اور مبشر کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ مبشر سر جھکائے ان کے پیچھے چلنے لگا۔

پھر لاہور سے شیخوپورہ تک کا راستہ بڑی خاموشی سے کٹا۔ انہوں نے ڈرائیو کرتے ہوئے کئی بار اس کی طرف دیکھا لیکن وہ ہونٹ بھینچے بیٹھا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ حاجی صاحب تو ابھی گھر نہیں آئے تھے البتہ ان کی بیگم صاحبہ گھر پر ہی تھیں اور انہوں نے خوش دلی سے ان کا استقبال کیا۔

"ہم غزالہ کو لینے آئے ہیں آنٹی حاجی صاحب نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔"

"نہیں حاجی صاحب کا تو فون نہیں آیا اب تک لیکن تمہاری ہی امانت ہے لے جاؤ۔ بس بچی ہے نا ضد پر اڑ گئی ہے۔"

"بچی ہے۔۔۔" مبشر نے دل ہی دل میں کہا۔

"جی وہ ابا جان نے اقبال ٹاؤن والا گھر خالی کروا لیا ہے شبی اور غزالہ کے لیے میرے خیال میں اب تو غزالہ کو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اچھا اچھا۔" بیگم حاجی عبدالستار کے ہونٹ خوشی سے کھل گئے۔

"میں بتاتی ہوں غزالہ کو جا کر اے بیٹا تم خود ہی بتا آؤ جا کر یہ سامنے ہی تو کمرا ہے۔"

لیکن پھر اچانک جیسے کچھ یاد آتے ہی چونکیں۔ "نہیں، نہیں تم ٹھہرو۔ سو رہی ہوگی شاید میں جگاتی ہوں جا کر۔" تب ہی فون کی بیل ہوئی تو انہوں نے لپک کر فون اٹھایا غالباً حاجی صاحب کا ہی فون تھا۔

"جی جی دونوں بھائی آئے ہوئے ہیں۔ بالکل میں غزالہ کو بھیج دیتی ہوں۔"

وہ فون پر باتیں کر رہی تھیں کہ اسفر نے مبشر کو اشارا کیا۔ لیکن مبشر اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔

"یار جاؤ نا منانا تو پڑے گا ہی نا۔" انہوں نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ بے دلی سے اٹھا بیگم حاجی عبدالستار بڑے زور و شور سے فون پر گفتگو کر رہی تھیں۔ مبشر نے دروازے کو دھکیلا جو نیم وا تھا اور پھر وہاں ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

●●●

"سب کچھ 'کچھ حاصل ہونے میں ہی نہیں ہے۔ محبت محبت ہی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر محاصل کچھ بھی نہ ہو۔ سیدہ عظمیٰ شاہ میں نے نہ تو آپ کی محبت کو deny کیا ہے نہ آپ کو۔ میرے دل میں آپ کی بہت قدر ہے۔ آج میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں اگر میں کسی دروازے پر دستک دینا چاہوں تو وہ آپ کا ہی ہوگا لیکن یہاں مسائل ذاتی نہیں اجتماعی ہیں۔ میں نے بہت ایمان داری سے آپ کو بتانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ نے اسے اپنی محبت کی ناقدری اور اپنی ذات کی توہین سمجھا۔ بخدا بلند بخت کسی کی بھی توہین کرنے سے پہلے خود مر جائے۔۔۔ اور پھر آپ کی توہین۔"

بلند بخت نے بات کرتے کرتے سیل فون دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔

"عظمیٰ شاہ میں آپ کو جو کہنے جا رہا ہوں یہ بہت اہم ہے میرے دل اور احساسات کا کیا حال ہے آپ کبھی نہیں جان سکیں گی۔ آپ نے تو محض دل میں ابھرتے جذبے کا اظہار کر دیا اور پھر اس کے بعد سے مسلسل خود کو کمتر قرار دیے جا رہی ہیں۔ آپ نے یہ نہیں سوچا ایک لمحہ کو بھی کہ اس سارے عرصے میں مجھ پر کیا گزری ہے۔ میں کوئی پتھر نہیں انسان ہوں گوشت پوست کا بنا ہوا اور میرے سینے میں بھی ایک دل ہے جو دھڑکتا ہے۔ جس میں محبتیں جنم لیتی ہیں اور جسے محبتوں کی تمنا بھی ہو سکتی ہے۔ آپ نے اپنا رازِ دل بتایا اور مجھے سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیا اور ساتھ ہی فیصلہ بھی سنا دیا۔ مجھے اتنا موقع تو دیا ہوتا کہ میں خود کو اس مقام پر رکھ کر سوچ سکتا اور پھر اپنی بات آپ کو سمجھا سکتا۔"

وہ سانس لینے کو کچھ دیر رکا۔

"اسے میری بے باکی مت سمجھیے گا بلکہ میں صرف آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ اتنی نایاب اتنی انمول ہیں کہ کسی بھی دل کی Entire desire ہو سکتی ہیں۔ اس میں کوئی جھول نہیں میرے جیسے شخص کے لیے آپ کی رفاقت عروج کی انتہا اور خواہشوں اور مرادوں کے پورا ہونے کی state at peak ہے۔ یہ خواہش ایسی ہے کہ زندگی بھڑک کر اپنی لپیٹ میں لے لے زندگی کے عجائب خانہ میں اترنا کوئی معمولی بات نہیں عظمیٰ شاہ کسی انجمن کی ہمرکابی کوئی عام بات نہیں۔

یہ سب میں آپ سے کہنا نہیں چاہتا تھا اسی لیے پچھلے چند ماہ سے میں آپ سے بھاگ رہا تھا لیکن آپ نے مجھے مجبور کر دیا اپنا پیراہن چاک کرنے کو مجھے خود کو توڑنا پڑا۔ صرف اس لیے کہ آپ بار بار خود کو موردِ الزام ٹھہراتی ہیں خود کو ڈی گریڈ کرتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے آپ بہت انمول ہیں چاہے جانے کے لائق۔

میں نے جو آج آپ سے کہا ہے یہ سب کہہ کر بھول جاؤں گا لیکن میری جبین کے افق پر ایک ستارہ ہمیشہ جگمگاتا رہے گا مجھے مغرور کرنے کو کہ مجھ جیسے بے ڈھنگے انسان کو ایک اتنی پیاری لڑکی نے اپنے قیمتی دل میں جگہ دی۔ میں کل یہاں سے چلا جاؤں گا آپ کے لیے اور خود اپنے لیے مزید آزمائش نہیں بنوں گا۔"

وہ کچھ دیر فون کانوں سے لگائے رہا۔

"پلیز عظمیٰ شاہ روئیے مت آپ کا رونا تکلیف دہ ہے۔ میں آپ کی آواز یوں محسوس کر سکتا ہوں جیسے دل میں اتر کر کتاب دل پڑھ لوں۔ آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں عظمیٰ ہمیں بہت سی زندگی دوسروں کے لیے جینی پڑتی ہے۔ شاہ رخ میرا بہت پیارا دوست ہے۔ آپ کیا چاہتی ہیں کہ میں شاہ رخ کی نظروں میں گر جاؤں۔ ساری زندگی اس سے نظر نہ ملا سکوں۔ وہ کبھی کسی دوست پر اعتبار نہ کرے کیا سوچے گا وہ کہ میں نے اس کی بہن کو غلط نظروں سے دیکھا۔ یہ اتنی سی بات میں آپ کو اتنے مہینوں سے سمجھا رہا ہوں اور آپ کو سمجھ نہیں آ رہی۔"

اس کے لہجے میں ایک دم ہی تیزی آ گئی۔

"آپ ننھی بچی نہیں ہیں یونیورسٹی کی طالبہ ہیں۔ فار گاڈ سیک عظمیٰ مجھے محبتوں کی ڈیفینیشن مت بتائیں۔ یہ جو اتنی دیر سے میں اتنی لمبی تقریر کر رہا ہوں تو آپ کے پلے کچھ نہیں پڑا کیا۔ میں انسانی کمزوریوں اور جذبوں کو تسلیم کرتا ہوں عظمیٰ شاہ۔"

اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"میں محبت کی آفاقیت کو بھی مانتا ہوں لیکن جو آپ چاہتی ہیں ویسا نہیں ہو سکتا۔ وہ سب جو میں نے آپ سے کہا صرف اس لیے کہ آپ خود کو اپنی محبت کو رد کیے جانے کے دکھ سے نکل آئیں۔ بخدا میں نے آپ کو آپ کی محبت کو رد نہیں کیا کبھی۔ لیکن یہ میں نے بہت کچھ کہہ دیا ہے شاید ضرورت سے زیادہ فرصت میں اس کو سوچیے گا اور پھر بھلا دیجیے گا او کے اللہ حافظ میں کل صبح واپس اسلام آباد جا رہا ہوں۔"

بلند بخت نے فون آف کر کے بیڈ پر پھینکا اور مڑا لیکن اپنے پیچھے کھڑے شجاع کو دیکھ کر ایک لمحہ کو حیران رہ گیا۔

پتا نہیں وہ کب سے وہاں تھا اور پتا نہیں اس نے کیا کیا سنا تھا۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ عظمیٰ شاہ سے بات کرتے ہوئے اتنا بے خبر ہو گیا تھا کہ اسے شجاع کی آمد کا پتا ہی نہیں چلا۔

سیدہ عظمیٰ شاہ' شاہ رخ شاہ اس کے عزیز از جان دوست کی بہن جب وہ لاہور آئی تھی اور اس نے فرسٹ ایئر میں ایڈمیشن لیا تھا تو وہ اسے ایک چہکتی ہوئی مینا لگی تھی۔ گو اس کا قد کافی لمبا تھا اسما شاہ سے بھی کچھ لمبا۔ لیکن وہ تو اسے بالکل ننھی منی سی بچی لگی تھی۔ کالج گرل تو لگتی ہی نہیں تھی۔ وہ سب سے مختلف تھی شاہ میر' شاہ رخ اور اسما شاہ سب سے مختلف شوخ شریر کسی تتلی کی طرح وہ چند ہی دنوں میں اس سے بے تکلف ہو گئی تھی۔

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں صدیوں کسی بند کمرے میں رہنے کے بعد اب کھلی فضاؤں میں آئی ہوں' میرا جی چاہتا ہے ابھی کہ میں دونوں بازو پھیلائے آنکھیں بند کیے چلتی جاؤں کھلی فضاؤں میں اور تازہ ٹھنڈی ہوا میرے اندر اترتی جائے میں یونہی چلتے چلتے افق کے کنارے تک پہنچ جاؤں۔"

وہ اسماء شاہ سے کہہ رہی تھی جب شاہ رخ سے باتیں کرتے کرتے اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں بلا کی چمک تھی اور چہرے پر قوس قزح کے سارے ہی رنگ اترے ہوئے تھے۔

"ڈیئر سسٹر افسانے کم پڑھا کرو۔" شاہ میر نے اسے مشورہ دیا تھا۔

"افسانوں کی بات نہیں ہے میرو بھائی کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ تم اچانک گھپ اندھیروں سے روشنی میں چلے آئے ہو۔"

"کیوں یہاں کیا ہزار وولٹ کے بلب لگے ہیں۔"

شاہ میر نے اسے چڑایا تھا اور وہ ناراض ہو کر اٹھ گئی تھی تب اسے لگا تھا کہ یہ چھوٹی سی لڑکی اپنی عمر سے بڑی باتیں کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اسے بہت معصوم لگی تھی۔ اگرچہ گھر میں اس کی چھوٹی بڑی کئی کزنز تھیں لیکن وہ گھر میں کم ہی رہا تھا۔ زیادہ تر ننھیال میں یا پھر پڑھائی کے سلسلے میں ہوسٹلز میں اپنی بڑی بہن کے سامنے وہ بہت مؤدب رہتا تھا۔ عمروں میں تین چار سال کا فرق تھا لیکن وہ کبھی بھی اپنی بڑی بہن سے بے تکلف نہیں ہو سکا تھا۔ پھر اس کے دوران تعلیم ہی اس کی شادی ہو گئی تھی اور عظمیٰ شاہ' شاہ میر سے الجھتی۔ شوخیاں شرارتیں کرتی اسے بہت بھاتی تھی۔ وہ سب سے مختلف تھی اور اس کی باتیں اور خواب بھی بڑے انوکھے تھے۔ کبھی چڑیوں کو دانا ڈالتی' کبھی کسی کے لیے دکھی ہوتی۔ وہ بہت حساس تھی اس کے دل میں بہت محبت تھی سب کے لیے۔ جب کوئی بھی اس کی بات پر توجہ نہیں دیتا تھا تو وہ بلند بخت سے اپنی باتیں شیئر کرنے لگتی اور وہ بہت توجہ سے اس کے خواب سنتا۔

پتا نہیں کب دونوں کے درمیان دوستی کا ایک مضبوط تعلق بن گیا وہ تو اب بھی اسے ایک ننھی بچی ہی سمجھتا تھا اسی طرح گھنٹوں بیٹھ کر اس سے کسی ادبی موضوع پر بحث کرتا کتابوں پر اس کی رائے سنتا لیکن وہ بچی نہیں رہی تھی۔

اس روز وہ اور سیدہ اسما شاہ' سید قائم علی شاہ کے گھر آئی تھیں دونوں کا پروگرام حمنہ کے ساتھ شاپنگ پر جانے کا تھا۔ حمنہ نے فون کر کے انہیں بتا دیا تھا کہ۔

"ابھی کچھ دیر تک اسما اور عظمیٰ آ رہی ہیں ڈرائیور کے ساتھ۔ بیٹا تم ذرا انہیں کمپنی دینا شاہ رو نے فون کیا تھا کہ انہیں عید کے لیے شاپنگ کروا دوں وہ آفس میں بزی ہے اور تم اب کیسے ہو۔ ناشتا کر لیا۔"

"ٹھیک ہوں آنٹی بہت بہتر۔"

اسے فلو تھا اس لیے دو روز سے گھر پر ہی تھا۔ وہ انیکسی سے نکل کر اندر گھر میں چلا گیا اور وہ ایک سلائس چائے کے ساتھ لے کر وہاں ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا جب وہ دونوں آئی تھیں۔

"آنٹی ابھی آ رہی ہیں۔ آپ لوگ بیٹھیں میں چائے بناؤں۔"

"نہیں۔"

اسماء شاہ سلام کر کے لاؤنج میں چلی گئی تھی جبکہ عظمیٰ شاہ وہاں ہی ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ آفس نہیں گئے۔"

"فلو تھا مجھے' لیکن یہ تم کیوں غائب ہو یونیورسٹی سے۔" وہ مسکرایا۔

"مجھے میرو نے بتایا تھا آج کل تم گھر پر آرام کر رہی ہو۔"

"بس یونہی۔"

"کیا بات ہے۔" اس کی سنجیدگی پر وہ چونکا۔

"کچھ نہیں۔"

"نہیں کوئی بات تو ہے تم شیئر نہیں کرو گی۔"

"مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"مجھ سے۔" اسے حیرت ہوئی تھی۔

"اس بات سے جسے آپ شیئر کرنے کو کہہ رہے ہیں۔" وہ اتنی سنجیدہ تو کبھی بھی نہ تھی۔

"کیا کوئی ایسا مسئلہ ہے عظمیٰ شاہ جس میں آپ کی مدد میں کر سکتا ہوں تو پلیز۔"

"آپ کا محبت کے متعلق کیا خیال ہے۔"

یکدم ہی دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکاتے ہوئے اس نے ہاتھوں کے پیالے میں اپنا چہرہ رکھا اور بلند بخت کو دیکھنے لگی۔ بلند بخت کو مزید حیرت نے آ لیا۔

"میں نے آپ کا مسئلہ پوچھا ہے۔"

"میرا مسئلہ یہی ہے کہ مجھے محبت ہو گئی ہے۔" اس نے بے حد اطمینان سے کہا اور بلند بخت کو اس کی جرأت پر اتنی حیرت ہوئی کہ وہ لحہ بھر کو تو ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔

"کون ہے وہ۔" اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"یہ جاننا کیا ضروری ہے۔"

"جہاں آپ نے اتنا اعتبار کیا ہے وہاں یہ بھی بتا دیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اس صورت حال پر کیا رد عمل ظاہر کرنا چاہیے لیکن میں جتنا جانتا ہوں اس حساب سے آپ کو مشورہ دے رہا ہوں کہ یہ محبت وحبت سب کتابی باتیں ہوتی ہیں۔ نہ جانے وہ کون ہے اور اس نے آپ کو کیا خواب دکھائے ہیں لیکن آپ کو اپنے خاندان اپنی روایات کا علم ہو گا ضرور' بہتر ہے کہ اپنے قدموں کو یہیں پر روک دیں۔"

وہ بے حد سنجیدہ ہو گیا تھا اور اسے عظمیٰ کی بات سے شاک سا لگا تھا۔

"اس نے مجھے کوئی خواب نہیں دکھائے بلکہ وہ تو جانتا بھی نہیں لیکن میرا دل..... میرے دل میں وہ مجسم ہو گیا ہے۔ میں نے ہر طرح سے خود کو سمجھایا ہے لیکن یہ دل سمجھتا ہی نہیں۔"

"شاہ میر صحیح کہتا ہے آپ افسانے کم پڑھا کریں۔" اس کے لہجے میں چھپی ناراضگی محسوس کرتے ہوئے عظمیٰ نے تڑپ کر اسے دیکھا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"آپ مجھے غلط لڑکی سمجھ رہے ہیں نا لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں کوئی غلط لڑکی نہیں ہوں۔ میں....." اس کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے۔

"نہیں ایسا نہیں ہے' میں آپ کے متعلق ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔ لیکن آپ دوسروں کے متعلق تو کچھ نہیں کہہ سکتے جانے وہ لڑکا کیسا ہو گا۔ وہ....." وہ بات کرتے ہوئے جھجک گیا۔

"وہ لڑکا کوئی اور نہیں آپ ہیں بلند بخت میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں' بے حد۔"

وہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں تھی بلکہ بہت تیزی سے اٹھ کر لاؤنج میں چلی گئی تھی۔ جہاں اسماء شاہ کوئی کتاب کھولے بیٹھی تھی۔ اتنے سال ہو گئے تھے لیکن وہ اب بھی یوں بلند بخت سے جھجکتی تھی۔ وہ تو جیسے ایک

سناٹے کی سی کیفیت میں بیٹھا رہ گیا تھا۔

"یہ، یہ عظمیٰ شاہ نے کیا کہا تھا کہیں اس کے کانوں نے غلط تو نہیں سنا تھا کہیں۔ اس نے تو آج تک کبھی دھیان سے اس کی طرف دیکھا تک نہ تھا حالانکہ وہ گھنٹوں اس کے پاس بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ وہ کیسی تھی اس کی آنکھیں، اس کے ہونٹ اس کی مسکراہٹ۔ اسے تو کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ حمنہ کے آنے پر ہی وہ اس شاک سے باہر نکلا تھا۔

"تم نے ناشتا کیا بخت۔" حمنہ نے تشویش سے پوچھا۔

"جی... وہ معذرت کرتا ہوا اپنی انیکسی میں آگیا تھا۔

"احمق اور بے وقوف لڑکی۔" اس نے غصے سے تکیے پر مکا مارا تھا۔

"یہ لڑکیاں... فلمیں دیکھ دیکھ کر ان کا دماغ خراب ہو گیا ہے لیکن عظمیٰ نے تو کبھی فلم نہیں دیکھی تھی۔"

پھر کتنے ہی دن وہ اپ سیٹ رہا۔ شاہ رخ کی طرف تو گیا ہی نہیں۔ کبھی اسے عظمیٰ پر غصہ آتا کبھی خود پر کیا سوچے گا شاہ رخ کہ دوست ہو کر اس کے گھر میں سیندھ لگائی ہے ابھی وہ اس شاک سے سنبھل بھی نہیں پایا تھا کہ عظمیٰ کا فون آگیا۔

"آپ مجھ سے خفا ہیں ناراض ہیں۔" وہ رو رہی تھی بے تحاشا۔

"نہیں میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔" اس کی روتی آواز سن کر جیسے سارا غصہ ختم ہو گیا تھا۔

"لیکن میں آپ کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔"

"محبت بے وقوف نہیں ہوتی۔ یہ تو خود بخود اچانک دل میں اگ آنے والا جذبہ ہے۔"

"اللہ کے لیے عظمیٰ شاہ افسانوں کی دنیا سے باہر نکل آئیں۔ حقیقت افسانوں سے بہت مختلف ہوتی ہے۔"

اسے پھر غصہ آنے لگا تھا۔

"میں نے آپ سے تو نہیں کہا کہ آپ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ نے میرا مسئلہ پوچھا تھا میں نے بتا دیا۔ میں نے آپ سے کچھ طلب تو نہیں کیا نا، آپ مجھ سے محبت نہ کریں لیکن مجھے آپ خود سے محبت کرنے سے نہیں روک سکتے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے عظمیٰ اور بس۔" بلند بخت نے غصے سے فون بند کر دیا تھا۔

اور اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کیسے اس احمق لڑکی کو سمجھائے اپنے بال نوچنے کو جی چاہ رہا تھا۔ اس کے بعد بھی کتنی ہی بار عظمیٰ نے فون کیا۔

"آپ میری وجہ سے گھر پر نہیں آرہے پھپھو پوچھ رہی تھیں شاہ رخ بھائی سے، پلیز آپ میری غلطی کی سزا دوسروں کو نہ دیں۔"

کبھی وہ التجا کرتی! "مجھے معاف کر دیں لیکن میں خود کو آپ سے محبت کرنے سے روک نہیں سکتی۔"

اور پھر پتا نہیں کب وہ بھی عظمیٰ کو سوچنے لگا۔ وہ بہت خوب صورت دل کی مالک تھی۔ بہت حساس ہر ایک کی تکلیف پر تڑپ جانے والی۔ وہ اپنے ہی احساسات سے خوفزدہ ہو گیا۔ "یہ غلط ہے، بہت غلط۔ اگر ایسا کچھ ہوا تو پھر شاہ رخ کسی بلند بخت پر اعتماد نہیں کرے گا۔" کتنا مان دیا تھا شاہ رخ نے اسے اپنے گھر کے فرد کی حیثیت دی تھی۔

تب ایک روز اس نے عظمیٰ کو سمجھایا جو راستے منزلوں کی طرف نہیں جاتے ان پر چلنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

"میں آپ کی محبت کے قابل نہیں، جانتی ہوں میں بہت بے مایہ ہوں، بہت معمولی لڑکی ہوں۔"

"اللہ کے لیے عظمیٰ شاہ خود کو ڈی گریڈ مت کریں۔ آپ نہ بے مایہ ہیں نہ معمولی۔ نہ آپ کی محبت چیپ ہے۔"

اس نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن پھر خود سے خوفزدہ ہو کر اس نے جاب چھوڑنے اور واپس اسلام آباد جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ عظمیٰ کو پتا چلا تو اس نے فون کیا۔

"میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ میں خود کو معاف نہیں کر سکتی۔"

تب بے اختیار وہ سب کچھ اس سے کہہ گیا تھا۔ جو نہیں کہنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ ساری عمر خود کو ڈی گریڈ کرتی رہے۔ اس نے اسے محبت کا مان دے دیا تھا لیکن ساتھ ہی سمجھا دیا تھا کہ اس کا کوئی راستہ اس کی طرف نہیں جاتا اور یہی قسمت کا لکھا ہے۔ شجاع اسے یوں گم سم دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"میں کچھ دیر پہلے ہی آیا ہوں مما نے بتایا ہے کہ تم واپس جا رہے ہو۔"

"ہاں۔" بلند بخت نے اس کے چہرے سے کچھ کھوجنے کی کوشش کی۔

"میں نے ریزائن دے دیا تھا ون سیٹڈ بی فور۔"

"لیکن تمہاری جاب تو بہت اچھی تھی۔" شجاع کا لہجہ نارمل تھا۔

"ہاں بس اب دل اچاٹ ہو گیا ہے یہاں سے اور پھر مما کی بھی خواہش ہے کہ میں ان سب کے ساتھ رہوں۔"

بلند بخت نے خود کو کمپوز کر لیا تھا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"کیا وہاں جاب مل گئی ہے۔" شجاع نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں میرا ارادہ جاب کا نہیں ہے شاید میں باہر چلا جاؤں ہائر اسٹڈی کے لیے۔"

"مما بہت اداس ہیں اور بابا بھی، تم انہیں بے حد عزیز ہو گئے تھے۔" شجاع نے اسے بغور دیکھا۔ اس کی ہر دم چمکتی شوخ آنکھوں میں اداسی کے رنگ تھے۔

"میں انہیں اور تم سب کو بہت مس کروں گا لیکن۔" اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"جب تک میں یہاں ہوں آتا رہوں گا ملنے۔"

"یار بلند بخت۔" لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد شجاع نے بلند بخت کی طرف دیکھا۔

"ہمارے درمیان دوستی کا تعلق بنے زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن یار ہم دوست تو ہیں نا۔ کیا مجھے یوں اچانک جاب چھوڑ کر واپس جانے کی اصل وجہ نہیں بتاؤ گے۔"

"ارے نہیں شجی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں اب کچھ عرصہ سب لوگوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ مما ان دنوں بہت وہمی ہو گئی ہیں۔" شجاع سنجیدہ ہو گیا۔

"آئم سوری میں نے تمہاری کچھ گفتگو سن لی ہے۔ میں تمہارے احساسات کی قدر کرتا ہوں۔ تمہارا جذبہ قابل تحسین ہے۔ یقیناً "دوست کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ سچ پوچھو تو میں تم سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ لیکن یار ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

بلند بخت نادم سا ہو گیا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"یار یہ محبت آدمی کو بڑا خوار کرتی ہے۔ تم سمجھتے ہو کہ تم اس بے وقوف لڑکی کی محبت کو نظر انداز کر کے خوش رہ سکو گے۔"

"پتا نہیں لیکن کوشش تو کی جا سکتی ہے نا۔"

اب چھپانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ عیاں ہو چکا تھا سارے اوراق شجاع کے سامنے کھلے پڑے تھے۔

"بخت آج رات شاہ جی اور بی بی جان آرہے ہیں کراچی سے ڈائریکٹ یہاں شاہ رخ کے پاس۔

ابھی کچھ دیر پہلے شارو کا فون آیا تھا۔ تمہارا فون بزی تھا اس نے معذرت کی ہے کہ وہ رات تم سے ملنے نہ آسکے گا کیونکہ کراچی سے شاہ زیب کا فون آیا تھا کہ شاہ جی اور بی بی جان کراچی سے لاہور آرہے ہیں سیدھے۔ وہ صبح آنے کی کوشش کرے گا۔"

"تو۔" بلند بخت نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"باباجان نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ شاہ جی اور بی بی جان سے ملنے جائیں گے اور سیدہ اسماشاہ کو مانگیں گے۔" اس نے ذرا سا توقف کیا۔

"اور میں نے سوچا ہے کہ باباجان سے کہوں کہ وہ ایک بیٹے کے لیے نہیں دونوں بیٹوں کے لیے جھولی پھیلا ئیں۔ سید شجاع علی شاہ اور سید بلند بخت شاہ کے لیے۔" مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

"لیکن یار وہ بیہ۔۔ کیسے ممکن ہے یہ ادھر میرے مماپاپا تو کسی اور کو پسند کیے بیٹھے ہیں۔" بلند بخت نے گھبرا کر کہا۔

"میں آنٹی سے بات کرلوں گا تم بے فکر رہو۔ میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ جب میں سوچتا ہوں کہ سیدہ اسماشاہ زندگی کے سفر میں میری رفیق نہ ہو سکی تو۔۔ اس تصور سے ہی میرا دل ڈوبنے لگتا ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے کوئی جسم سے میری روح نکال رہا ہو۔"

"کیا تم۔" بلند بخت نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"ہاں یار۔" سید شجاع علی شاہ نے نظریں جھکالیں۔

"اسما صابر ہے اور باہمت بھی لیکن عظمیٰ تو بہت نازک دل ہے۔ بہت کمزور وہ تو کسی زخمی چڑیا کو دیکھ کر تڑپ اٹھتی ہے۔ ٹی وی پر کسی کو مرتے یا زخمی ہوتے دیکھتی ہے تو گھنٹوں روتی ہے۔ بلند بخت وہ تو گھٹ گھٹ کر مرجائے گی پلیز مجھے ایک کوشش تو کرنے دو۔"

بلند بخت کچھ نہ کہہ سکا بس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا لیکن دل اندر کہیں مچل مچل کر عظمیٰ شاہ کی رفاقت کی تمنا کر رہا تھا اس نے بے بسی سے سر جھکالیا اور شجاع کی خواہش کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ عظمیٰ شاہ کے آنسو دل کی زمین بھگو ڈالتے تھے اور وہ ان آنسوؤں سے نہیں بچ سکتا تھا۔

■■■

"عینا یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

ماہ نور نے بے حد حیرت سے علینہ کی طرف دیکھا۔

"تم تو اسفی بھائی سے۔۔"

"نہیں ماہ شاید میں نے خود کو سمجھا نہیں تھا۔ اسفر اور میرے مزاج میں بہت فرق ہے۔ جب عاطف مجھے ملا تو میں نے جانا کہ محبت کیا ہوتی ہے۔"

"اور اسفی بھائی ان کا کیا ہوگا۔" ماہ نور نے بے وقوفوں کی طرح پوچھا۔

"سنبھل جائیں گے خود ہی اور انہیں بھی اپنی ہم مزاج لڑکی مل جائے گی۔" علینہ نے لاپروائی سے کہا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا عینا کہ تم۔۔" ماہ نور نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"اس میں یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے ماہ نور ڈیئر عاطف نے مجھے پرپوز کیا ہے۔ اس نے مما سے بھی بات کی ہے' پاپا دس پندرہ دن تک آجائیں گے تو حتمی بات ہو جائے گی۔" علینہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اس کی آنکھیں بے تحاشا چمک رہی تھیں۔

"یہ عاطف کرتے کیا ہیں؟"

"عاطف ایک امریکن فرم میں جاب کرتا ہے لیکن یہ جاب عارضی ہی سمجھو اس کے والد مل اونر ہیں یار۔"

"تو پھر اسے جاب کی کیا ضرورت ہے وہ کوئی دھوکا تو نہیں۔" ماہ نور نے پریشانی سے کہا۔

"نہیں یار ایسا نہیں ہے۔ اس نے تو ایک بار بھی مجھ سے اپنے والد کی ملز کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے علینہ نے بتایا تھا۔ دراصل وہ اپنے والدین سے ناراض ہے آج کل۔ لیکن والدین کب تک ناراض رہیں گے آخر میں سب کچھ اسی کا تو ہے۔ اکلوتا ہے ہمیشہ ناراض تو نہیں رہے گا ڈیئر' اتنا پیسہ دولت' یار میں نے اس کے گھر کی تصویریں دیکھی ہیں خوابوں جیسا گھر ہے اس کا اور اسفر کیا ہے اس کے پاس۔ ایک پرانا ۱۹۵۰ء کا بنا ہوا گھر پرانے اسٹائل کا اور وہ بھی اس کا اپنا نہیں اور اس کے والد محترم امید نہیں کہ اسے گھر میں ٹکنے بھی دیں۔"

ماہ نور خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے علینہ کو کبھی Matrialist نہیں سمجھا تھا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ وہ دولت کو اسفر بھائی کی محبت پر ترجیح دے گی۔

"کیا سوچ رہی ہو۔" علینہ نے اسے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں' کیا ماموں جان اور آنٹی مان جائیں گی۔"

"مما کو بھی صرف یہ اعتراض ہے کہ عاطف ملز اونر کا بیٹا ہو کر جاب کیوں کر رہا ہے انہوں نے بھی تمہاری طرح ہی بات کی تھی اور کہا تھا عاطف سے کہ پہلے وہ والدین کو راضی کرلے لیکن یار عاطف کی مجبوری ہے وہ ابھی ایسا نہیں کر سکتا اس نے مما سے کہا تھا ابھی ممکن نہیں ہاں شادی تک وہ انہیں راضی کر لے گا۔ مما نیم رضامند ہیں۔"

"تو پھر ماموں جان کے پاس وہ کسے بھیجے گا رشتہ مانگنے کے لیے۔"

"شاید ندا کی امی کو لیکن نہیں ندا کہہ رہی تھی اس کی ممی تو جارہی ہیں باہر شاید وہ اپنے کسی اور عزیز کو بھیجے۔ عاطف کے ایک دور کزن کی فیملی بھی ہے یہاں۔"

"اچھا لیکن عینا مجھے اسفر بھائی کا خیال آرہا ہے وہ سنیں گے تو انہیں بہت دکھ ہوگا۔"

"چھوڑو یار یہ مرد خود دس ہزار لڑکیوں سے محبتیں کرلیتے ہیں۔ تب انہیں دکھ نہیں ہوتا۔"

"لیکن اسفر بھائی تو ایسے نہیں ہیں عینا۔" ماہ نور کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔

"چلو جیسے بھی ہیں تم اپنا بتاؤ سنا ہے کسی آفس میں جاب کرلی ہے۔"

"ہاں اسکول کی جاب چھوٹ گئی تھی۔ کل سے آفس جوائن کرنا ہے۔"

"کیسا ہے آفس لوگ کیسے ہیں؟" علینہ نے پوچھا۔

"پتا نہیں انٹرویو لینے والے تو ایک صاحب تھے وہ خاصے معقول لگ رہے تھے۔"

"منوں کا کیا حال ہے کچھ پیش رفت ہوئی۔"

"فی الحال تو کچھ نہیں' ولید بتا رہا تھا ایک لڑکا گواہی کے لیے تیار ہوا تو ہے لیکن ابھی تذبذب میں ہے۔"

علینہ بہت دنوں بعد ادھر آئی تھی اور خود ماہ نور بھی تو اپنی پریشانیوں میں نہیں جا سکی تھی ادھر اور پھر شاید ان حالات میں وہ جانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اللہ کا شکر تھا کہ جاب مل گئی تھی۔ مسز مراد کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ انٹرویو لینے والا شخص ادھیڑ عمر تھا اس نے ایک سرسری سی نظر دونوں پر ڈالی تھی ماہ نور سے دو تین باتیں پوچھی تھیں اور وہاں موجود لڑکی سے کہا تھا کہ وہ اسے اپائنٹمنٹ لیٹر دے دے۔

"آپ کل سے جاب پر آجائیں ایکچولی پرانی سیکرٹری اس ماہ کے اینڈ تک ادھر ہی ہیں۔"

"انہوں نے کیوں جاب چھوڑی۔" مسز مراد نے بے اختیار پوچھا تھا۔ ادھیڑ عمر شخص کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"آپ ان کی کون ہیں۔"

"بڑی بہن۔" مسز مراد نے جواب دیا تھا۔

"دراصل اسے جاب کا شوق ہے اور میں اطمینان کرنا چاہ رہی تھی کہ آفس کا۔"

"بے فکر رہیں میم آفس کا ماحول اور عملہ بہت اچھا ہے اور پرانی سیکرٹری کو ہم نے صرف ایک ماہ کے لیے عارضی طور پر رکھا تھا۔ ایکچولی وہ میرے آفس میں ٹائپسٹ ہے۔ شاہ صاحب کے کہنے پر وہ ایک ماہ کے لیے اس آفس میں کام کر رہی تھی۔" ادھیڑ عمر شخص نے وضاحت کی تھی۔

"اور پتا نہیں یہ شاہ صاحب کس طرح کے ہوں گے ماہ محتاط رہنا زیادہ فرینک نہ ہونا۔" مسز مراد بڑی بہنوں کی طرح اس کے لیے فکرمند ہو رہی تھیں۔

"ماہ نور تمہیں پتا ہے آج اریج کا برتھ ڈے ہے۔"

"اوہ سوری میں بھول ہی گئی تھی۔" ماہ نور نے چونک کر علینہ کو دیکھا۔

"ابھی فون کر کے وش کرتی ہوں۔"

"نہیں محترمہ صرف فون کر کے وش کرنے سے کام نہیں چلے گا۔ ایرج نے کہا تھا کہ تمہیں لے کر آؤں۔ میں کیک لینے نکلی تھی تو سوچا تمہیں بھی لیتی چلوں۔"

"لیکن علینہ میں اس وقت۔" ماہ نور جانا نہیں چاہتی تھی اس لیے بہانہ کیا۔

"مجھے تو ابا کو لے کر تھراپی کے لیے جانا ہے مسز مراد تو آتی ہی ہوں گی۔ مجھے علم ہوتا تو میں انہیں منع کر دیتی۔"

"دراصل یار ایرج نے اچانک ہی پروگرام بنایا تھا کہ کچھ فرینڈز کو انوائیٹ کر لیتے ہیں۔ بلکہ ایرج سے زیادہ میرا پروگرام تھا۔ ایک دو ایرج کی فرینڈز ہیں۔ میں نے ندا کو بلایا ہے اور بس تم ہو۔ ندا نے مجھے کہا تھا تمہیں ضرور بلاؤں۔ اسے تم بہت پسند آئی تھیں۔ تم سے دوبارہ ملاقات ہی نہیں ہوئی اس کی۔"

"تو تم ندا کے کہنے پر آئی ہو۔" بے اختیار ہی ماہ نور کے لبوں سے نکلا۔

"میں بھی کہوں آج اتنے دنوں بعد علینہ افضال حیدر کو میرا خیال کیسے آ گیا۔"

"ہاں شرمندہ تو مت کرو۔ کئی دفعہ میں نے سوچا آنے کا لیکن کبھی تو ندا آ گئی اور کبھی یوں ہی کہیں جانے کا پروگرام بن گیا اور تم نے خود کتنے چکر لگائے ذرا گننا تو۔" علینہ نے اسے گھورا۔

"میرے، بہت سارے مسئلے ہیں عینا۔" ماہ نور افسردہ ہو گئی۔

"منوں تھا تو اس کے ساتھ آ جاتی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اب کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا پچھلے دنوں زوبی بیمار رہا پھر دادی کی طبیعت خراب ہونے سے پہلے والی کو بخار ہو گیا۔"

"او کے۔" علینہ نے اپنی بے زاری کو مسکراہٹ میں چھپایا اور کھڑی ہو گئی۔

مسز مراد کا گھر تو ہماری طرف ہی ہے نا انکل کو ہسپتال سے چھوڑ کر مسز مراد کے ساتھ آ جانا پھر ولید تمہیں چھوڑ جائے گا۔"

اسے ماہ نور کے آنے کی کوئی ایسی خاص تمنا بھی نہ تھی یہ تو ندا نے بار بار اصرار کیا تھا اور اب پتا نہیں ندا کو کیا دلچسپی ہے ماہ نور سے اس کا کوئی بھائی تو ہے نہیں اس نے سوچا اور ماہ نور کی طرف دیکھا۔ سادہ سے کپڑوں میں ہمیشہ کی طرح وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ بھلا کی جاذبیت تھی اس میں جب سے اس کی ندا کے ساتھ دوستی بڑھی تھی ماہ نور سے ملنا کم ہو گیا تھا۔ حالانکہ پہلے وہی ماہ نور تھی جس سے روز بات کیے بنا اسے چین نہیں آتا تھا۔

"ارے بیٹی جا رہی ہو کچھ دیر تو بیٹھو میں نے چائے دم دے دی ہے اور زوبی کو بھیجا تھا تمہارے پسندیدہ سموسے لینے۔" طیبہ خاتون نے اسے جاتے دیکھا تو کچن سے نکل آئیں۔

"ابھی تو آئی ہو۔"

"بس آنٹی وہ میں تو ماہ نور کو لینے آئی تھی مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔"

"چائے تو......"

"آنٹی چائے پھر سہی اس وقت دیر ہو جائے گی۔" اس نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔

"ندا نے چار بجے تک پہنچنے کو کہا تھا آنے والی ہی ہو گی۔"

"بیٹا خضر کا فون آتا رہتا ہے کیسا ہے کب تک واپسی ہے۔" ماہ نور نے بے اختیار ایک ممنون سی نظر طیبہ خاتون پر ڈالی...... یہ وہ سوال تھا جو وہ خود بھی بہت دیر سے پوچھنا چاہ رہی تھی، لیکن پوچھ نہیں پائی تھی۔

"خضر بھائی تو ان دنوں نیویارک میں ہیں کمپنی کے ہیڈ آفس میں گئے ہوئے ہیں اور آنے کا کچھ پتا نہیں، ہو سکتا ہے پپا کے ساتھ ہی آ جائیں۔"

"کب آ رہے ہیں افضال بھائی۔"

"ہفتے دو ہفتے تک آنے کو کہا ہے۔"

"خدا خیریت سے لائے۔" انہوں نے دعا کی۔ "اچھا میں چلتی ہوں اور ماہ تم آ جانا پھر......"

"کوشش کروں گی اب دیکھو کب فارغ ہوتی ہوں۔"

علینہ اسے خدا حافظ کہہ کر باہر نکلی اور ڈرائیور کو حسن بیکرز چلنے کا کہہ کر وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"آج ندا سے پوچھوں گی عاطف کب باقاعدہ پرپوزل لا رہا ہے۔ بلکہ اس سے کہوں گی کہ پپا کے آنے سے پہلے ایک بار اور مما سے مل لے مما راضی ہو گئیں تو پھر پپا کو راضی کرنے کی ذمہ داری ان کی لیکن اگر پپا نے اسفر کے لیے کہا تو......"

ایک لمحے کو اس نے سوچا لیکن پھر خود ہی اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا۔

"پپا جب اسفر اور عاطف کو کمپیئر کریں گے تو بلاشبہ ان کا ووٹ بھی عاطف کے لیے ہی ہو گا۔ عاطف خوب صورت ایجوکیٹڈ اور دولت مند ہے ہر طرح سے اس کا پلڑا بھاری ہے پھر بھی اگر پپا کو کوئی اعتراض ہوا تو میں صاف کہہ دوں گی کہ مجھے صرف عاطف سے ہی شادی کرنا ہے۔ بلکہ کتنا اچھا ہوتا اگر پپا نے خضر بھائی کی بہت ماہ نور کے لیے نہ کی ہوتی تو خضر کی شادی ندا سے ہو جاتی ندا ماہ نور سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے دولت مند ہے لیکن اب تو پپا انکل نصیر سے بات کر چکے وہ کبھی نہیں مانیں گے ندا کے لیے۔"

ان دنوں علینہ کے دل و دماغ پر صرف ندا چھائی ہوئی تھی اور وہ کتنی ہی بار سوچ چکی تھی کہ کاش خضر بھائی ماہ نور کو پسند نہ کرتے ...... تو ندا کو وہ ضرور اپنی بھابی بناتی۔

"اور ولید بھی تو ہے نا۔" اسے اچانک ہی ولید کا خیال آیا تو لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

خضر نہ سہی ولید سے بھی تو ندا کی شادی ہو سکتی ہے۔ کسی روز ندا سے بات کروں گی۔ اس نے سوچا اور اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ لیکن پھر فوراً ہی اسے خیال آیا کہ اس کی تو منگنی ہو چکی ہے۔ اس نے خود ہی تو بتایا تھا کیک خرید کر وہ گھر پہنچی تو ندا آ چکی تھی۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ میں لیٹ ہو چکی ہوں لیکن یہاں آئی تو محترمہ خود ہی غائب تھیں۔"

"سوری یار وہ میں ماہ نور کو لینے چلی گئی تھی ولید گھر پر نہیں تھا نا۔ تو اتنی دور سے وہ اکیلی کیسے آتی۔"

"تو کہاں ہے وہ۔" ندا نے ادھر ادھر دیکھا۔ سیاہ لباس میں اس وقت وہ قیامت ڈھا رہی تھی۔

"وہ نہیں آئی۔" ندا کو مایوسی ہوئی۔

"تمہاری یہ کزن انتہائی مغرور ہے۔"

"ارے نہیں غرور تو بالکل نہیں ہے اس میں دراصل اسے اپنے ابا کو ہاسپٹل لے کر جانا تھا تھراپی کے لیے۔ اگر جلدی فارغ ہو گئی تو آ جائے گی۔"

"اوہ اچھا۔" ندا نے بظاہر لاپروائی سے کہا۔ تب ہی ایرج کی دونوں فرینڈز آ گئیں۔

"ایرج تمہاری دوست آ جائے تو بلا لینا۔" ایرج کو کہتی ہوئی علینہ، ندا کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"تم آنٹی کو بھی لے آتیں۔ مما سے بھی ملاقات ہو جاتی ان کی۔" علینہ نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ ہاں پھر کسی روز لے آؤں گی آج تو مما بے حد مصروف تھیں حیدر آباد سے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔"

علینہ کی طرف بغور دیکھتے ہوئے ندا کے ہونٹوں پر تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تمہیں میری مما کی حقیقت معلوم ہو تو تم جو اس وقت بڑے خلوص اور جوش سے انوائیٹ کر رہی ہو انہیں گھر بھی نہ گھسنے دو۔" اس نے سوچا۔

ابھی کل رات ہی تو اس نے میڈم سفینہ سے کہا تھا کہ وہ عاطف کا پرپوزل لے کر علینہ کے گھر چلیں۔

"ارے تو اس کے ماں باپ کیا مر کھپ گئے جو بیٹے کے رشتے کے لیے نہیں جا سکتے۔" میڈم سفینہ نے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا۔

"مما وہ اس سے ناراض ہیں۔"

"ارے تو کیا اس نے تمہیں بتایا نہیں کیوں ناراض ہیں۔"

"میں نے پوچھا نہیں۔" وہ کبھی کبھی ان کی جرح کرنے والی عادت سے جھلا جاتی تھی۔

"تو پوچھنا تھا نا بی بی۔"

"ایک بار وہ کہہ تو رہا تھا کہ وہ اس کی شادی اس کی چچا زاد بہن سے کرنا چاہتے تھے۔ لیکن عاطف وہاں نہیں کرنا چاہتا اسی بات پر ناراض ہو کر وہ امریکہ چلا گیا تھا۔ اب پتا نہیں ابھی تک اسی بات کی ناراضگی چل رہی ہے یا کوئی اور بات ہے۔"

"تو راضی کرلے جا کر۔" میڈم سفینہ بہت ریلیکس موڈ میں بیٹھی تھیں۔

"نہیں کرنا چاہتا نا اماں اس لیے تو آپ کی منت کر رہی ہوں۔"

"جانے کو تو میں چلی جاؤں جانم لیکن کہیں میرے جانے سے معاملہ بگڑ ہی نہ جائے۔ جانی پہچانی شخصیت ہوں۔ بہت لوگ جانتے ہیں مجھے وہاں بھی کوئی جاننے والا نکل آیا تو۔" انہوں نے ایک آنکھ میچ کر ندا کو دیکھا۔

"یہ جو اعلا ـــــ اور متوسط طبقے کے لوگ ہوتے ہیں نا بی بی یہ ذرا زیادہ ہی غیرت و حمیت دکھاتے ہیں۔"

اور ندا کی سمجھ میں بھی میڈم سفینہ کی بات آگئی تھی اس نے عاطف کا تعارف بحیثیت کزن ہی کروایا تھا۔

"تو پھر میں نے تو عاطف سے وعدہ کر لیا تھا کہ مما چلی جائیں گی۔"

"تو بھیج دیں گے کسی معزز ہستی کو بہت سارے معزز اس در سے بندھے ہیں تمہاری سہیلی کے پاپا جان تو آجائیں اور تم گولی مارو عاطف کو یہ بتاؤ شاہ زیب سے ملنے گئی تھیں اس کے آفس۔ دیکھی تھی اس کی سیکرٹری کہاں کی حور پری ہے وہ۔"

"اوہ مما۔" اسے ہنسی آگئی۔

"کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ ایک سڑی ہوئی شکل کی لڑکی ملی تھی شاہ صاحب کے آفس میں اور وہ بھی چند دنوں تک جانے والی تھی۔ یہ ربانی بھی بے پر کی اڑاتا ہے شاہ صاحب واقعی مصروف تھے نئے آفس اور نیا کاروبار جمانے میں۔"

اس نے میڈم سفینہ کو تسلی دی۔

"یہ چلی جائے گی تو نئی آجائے گی تو بس شاہ صاحب کو پھسلنے نہ دینا۔ اللہ جانے نگوڑماری نئی کیسی ہوگی۔" میڈم سفینہ کو نئی سیکرٹری کی فکر پڑ گئی تھی۔

"تو پھر کسی روز پروگرام بنا لینا اور آنٹی کو ضرور لانا۔"

اسے خاموش دیکھ کر علینہ نے تاکید کی۔

"ہاں ضرور ممی خود بھی آنا چاہ رہی تھیں عاطف بہت زور دے رہا ہے کہ ممی اس کے رشتے کے لیے آئیں۔ شاید باہر جانے سے پہلے وہ ایک چکر لگائیں۔" ندا کو بات کرتے کرتے یاد آیا تھا کہ وہ علینہ کو پہلے بتا چکی ہے کہ عاطف کے رشتے کے لیے شاید اس کی ممی نہ آسکیں انہیں باہر جانا ہے۔ علینہ کے لبوں پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ عاطف سے منسوب ہونے کا تصور ہی اتنا دلنشیں تھا کہ اندر تک مسکراہٹیں بکھر گئی تھیں۔

"ہاں وہ تمہاری کزن کیا نام ہے اس کا ماہ نور تو ابھی تک نہیں آئی۔" ندا نے اچانک پوچھا تو وہ چونکی۔

"شاید ہسپتال میں دیر ہو گئی ہو ویسے اس کا کوئی خاص ارادہ بھی نہیں تھا آنے کا دراصل ان دونوں ان کے گھر میں کچھ پریشانی ہے۔"

"وہ تمہارا بھائی خضر کیا بہت محبت کرتا ہے اس سے۔"

"پتا نہیں۔" اس نے حیرت سے ندا کی طرف دیکھا۔

"لیکن اس رشتے میں اس کی رضامندی بھی شامل تھی۔"

"اور اگر اس کی شادی کسی وجہ سے ماہ نور سے نہ ہو سکی تو۔" ندا نے پر خیال نظروں سے علینہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"خضر کا کیا ردعمل ہوگا۔" "معلوم نہیں۔" علینہ ابھی تک حیران سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے خضر کو بہت دکھ ہوگا۔ وہ بہت پسند کرتا ہے ماہ نور کو اور ہم سب ہی اسے پسند کرتے ہیں بلکہ یہ ہم سب کی ہی خواہش تھی۔"

"میں تمہیں کیسی لگتی ہوں عینا۔" ندا بغور اس کے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کیا تم نہیں جانتیں کہ تم میری سب سے عزیز دوست ہو۔"

"تو کیا تمہارا کبھی جی نہیں چاہا کہ تم مجھے اپنی بھابی بنا لو۔" ندا پوچھ رہی تھی اور علینہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی وہ آج ہر دن سے مختلف لگ رہی تھی کچھ سنجیدہ سی۔

"کئی بار خیال آیا ندا بلکہ آج بھی میرے ذہن میں آیا تھا لیکن تم نے بتایا تھا کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے۔"

"میں نے جھوٹ بولا تھا۔" ندا نے نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔

"تمہیں یاد ہے ایک بار اپنی فرینڈز میں سے تمہیں کسی نے بتایا تھا کہ مجھے یعنی ندا کو تمہارے بھائی خضر سے محبت ہو گئی ہے تو وہ سچ تھا۔"

ندا نے علینہ کی آنکھوں میں حیرت کو واضح دیکھا اور دھیمے سے مسکرائی۔

"یہ سچ ہے عینا پہلی نظر کی محبت کے متعلق تم نے سنا ہوگا اور پڑھا ہوگا میرے ساتھ ایسا ہی ہوا تھا اس روز جب تم نے مجھے لفٹ دی تھی میری نظریں ہی اٹھی تھیں بلا ارادہ اور پھر میں خضر کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکی تھی۔ لیکن میں نے یہ سچ اپنے دل میں چھپا لیا تھا اور شاید میں کبھی تم پر ظاہر نہ کرتی لیکن آج پتا نہیں کیوں بے اختیار ہو گئی ہوں عینا تم بھی بھول جانا یہ سب جو میں نے کہا۔" علینہ نے بنا کچھ کہے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے اپنائیت کا احساس دلایا۔

"یہ محبتیں بڑی بے اختیار ہوتی ہیں نا عینا تم تو خود عاطف سے محبت کرتی ہو۔ سچ بتاؤ پہلی ملاقات میں ہی عاطف اچھا لگا تھا تمہیں۔"

"نہیں ایکچولی۔" وہ کچھ جھجکی۔

"میں جب پہلی بار عاطف سے ملی تھی تب میں سمجھتی کہ مجھے اسفر سے محبت ہے اسفر میری پھپھو کے بیٹے ہیں لیکن پھر عاطف کی گرم جوشی اس کا اظہار محبتوں کی شدتیں سب مجھے ہولے ہولے متاثر کرنے لگے۔ محبتوں میں شدتیں مجھے بہت بھاتی ہیں اور اسفر اظہار کے معاملے میں بڑے کنجوس تھے اور پھر میں نے جس زندگی کا خواب دیکھا تھا اسفر شاید وہ زندگی مجھے نہ دے پاتے یا شاید عاطف کی محبت زیادہ پاورفل تھی کہ ایک دن مجھ پر اچانک انکشاف ہوا کہ میں تو عاطف کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہوں اور اسفر کہیں پیچھے پس منظر میں چلے گئے لیکن یہ پہلی نظر کی محبت نہ تھی بہت ساری ملاقاتوں کے بعد میں نے جانا کہ میں......"

"لیکن میں نے تو پہلی ملاقات میں ہی مان لیا تھا کہ میرا دل اگر میرے سینے میں دھڑکتا ہے تو صرف خضر کے لیے۔"

ندا نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"لیکن خضر بھائی تو ماہ نور۔" علینہ نے اس کی طرف دیکھا اور بات ادھوری چھوڑ دی۔

"ہاں میں جانتی ہوں علینہ تمہارے خضر بھائی کی بات ماہ نور سے طے ہو چکی ہے اور محبت صرف پانے کا نام تو نہیں ہے نا محبت تو محبت ہوتی ہے ہر غرض ہر طلب سے پاک اور میں نے بھی خضر سے بے غرض محبت کی ہے۔"

اس نے آہستگی سے کہا تو علینہ کا دل اس کے لیے تڑپ اٹھا۔

"کاش تم مجھے پہلے بتا دیتیں تو شاید۔"

"شاید کیا۔" ندا نے پوچھا۔

"میں کوشش کرتی مما تو فوراً ہی قائل ہو جاتیں بس پپا اور خضر کو قائل کرنا پڑتا۔ بلکہ صرف پپا کو خضر کو تو پپا قائل کر ہی لیتے۔"

ایک لمحہ کو ندا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل انداز میں علینہ کو دیکھنے لگی۔

"سوری یار تم بھی کیا کہو گی کہ میں یہ کیا ذکر لے بیٹھی۔ اتنے عرصہ سے یہ راز دل میں چھپا رکھا تھا آج عیاں کر بیٹھی پلیز کسی سے مت کہنا اور اب اٹھو باہر دیکھو اریج کی فرینڈ آگئی ہے تو باہر ہی چلتے ہیں وہ بھی کیا کہے گی کہ اندر ہی گھس کر بیٹھ گئی ہیں۔"

"او ہاں۔" کچھ سوچتی ہوئی علینہ چونکی۔

"میں ذرا کچن میں دیکھ لوں سب تیار ہے۔ نئی لڑکی رکھی ہے سب گائیڈ کرنا پڑتا ہے۔ تم اریج کے پاس بیٹھو۔" ندا کھڑی ہوئی ہی تھی کہ اس کے سیل فون کی بیل ہوئی۔

"شاید ممی کا ہو گا۔" اس نے فون اٹھایا۔

"او کے تم بات کر کے باہر آجانا۔" علینہ باہر نکل گئی۔

ندا نے دیکھا شاہ زیب کا فون تھا یکدم ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ارے شاہ صاحب آپ کو ہماری یاد کیسے آگئی۔"

"ہم بھولے ہی کب تھے آپ کو۔" شاہ زیب نے جواباً کہا۔

"بس ذرا مصروفیت رہی پہلے نیا آفس سیٹ کر رہا تھا پھر بی بی جان اور شاہ جی آگئے تمہیں تو پتا ہے اب وہ واپس گئے ہیں تو فارغ ہوتے ہی تمہیں فون کر رہا ہوں تمہارا ایک ڈنر بھی ڈیو ہے مجھ پر تو آج رات چل رہی ہو۔"

"نہیں آج تو میں ایک فرینڈ کی طرف آئی ہوئی ہوں۔ برتھ ڈے پارٹی ہے۔ واپس آتے آتے دیر ہو جائے گی۔"

❋❋❋

"ایسی دنیا میں رہنے سے بہتر نہیں ہے کہ آدمی خود کشی کر لے۔" نرمل نے ڈاکٹرز ڈیوٹی روم سے باہر نکلتے ہوئے جیسے اپنے آپ سے کہا۔ لیکن مبشر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم نے مجھ سے کچھ کہا روما۔"

"نہیں میں اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔" وہ پتا نہیں کیوں چڑی ہوئی تھی۔

"اچھا یہ بیماری کب سے لاحق ہوئی ہے۔" مبشر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"مبشر تم اس طرح کیوں کر رہے ہو۔ کیوں نہیں مان لیتے ماموں جان کی بات' ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے کل کو۔"

"وقت کبھی بھی میرے ہاتھ میں نہیں تھا نرمل بی بی میں ہمیشہ وقت کے ہاتھوں میں رہا۔" چلتے چلتے اس نے نرمل پر ایک گہری نظر ڈالی۔

"تم جانتے ہو شبی تمہارے اس رویئے کی وجہ سے کتنی باتیں ہو رہی ہیں۔ میرے اور تمہارے متعلق غزالہ نے کتنی فضول باتیں کی ہیں عذرا خالہ سے اور اگر یہ باتیں ماموں جان تک پہنچ گئیں اور انہوں نے اماں یا ابا سے کچھ کہہ دیا اور ان کا تمہیں پتا ہے نا وہ ایسا ضرور کریں گے تو اماں' ابا تو مر جائیں گے منصور کی وجہ سے وہ تو پہلے ہی ختم ہو رہے ہیں۔" وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

"ریلیکس پلیز روما۔" چلتے چلتے مبشر ذرا دیر کو رکا اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"آؤ کینٹین میں چل کر بیٹھتے ہیں اور آرام سے بات کرتے ہیں۔" نرمل خاموشی سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ دونوں اس ہسپتال میں ہاؤس جاب کر رہے تھے قاضی انکل کی وجہ سے انہیں فوراً ہی ہاؤس جاب مل گیا تھا ورنہ تو ان کے بیچ کے کئی لڑکے لڑکیاں ابھی ہاؤس جاب کے انتظار میں تھے۔ ابھی ہاؤس جاب اسٹارٹ ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ مبشر نے پچھلے سات آٹھ ماہ کا عرصہ بہت الجھنوں اور پریشانیوں میں گزارا تھا۔ پتا نہیں اس نے ایم بی بی ایس کیسے کلیئر کر لیا تھا ورنہ اسے تو پورا یقین تھا کہ ایک دو میں ضرور سپلی آجائے گی۔ کئی بار اس نے بڑی بے بسی سے سوچا تھا کہ شاید وہ کبھی ایم بی بی ایس نہیں کر پائے گا۔ اس روز اس کے اندر یکدم بہت ساری تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ وہ اسفر کے کہنے پر غزالہ کو منانے کے لیے اس کے کمرے میں گیا تھا۔ غزالہ کارپٹ پر بیٹھی تھی اور چیئر پر اس کا خالہ زاد بھائی بیٹھا تھا یوں کہ غزالہ کا سر اس کے گھٹنوں پر تھا اور وہ اس کے کھلے بالوں

میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ آہٹ پر یکدم ہی غزالہ سیدھی ہو بیٹھی تھی ایک لمحہ کو اس کا رنگ اڑا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئی تھی۔

"تم یہاں کیسے آگئے۔" اس کا لہجہ ویسا ہی تھا طنز سے لبریز۔

"اگر مجھے لینے آئے ہو تو میں نے کہہ دیا ہے کہ مجھے اس گھر میں نہیں جانا جہاں تمہاری بہنوں اور ماں کی حکومت ہے۔"

"نہیں۔" اس کے لبوں پر ایک زہرخند سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

"میں تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ تم ساری زندگی اب یہاں اسی گھر میں رہو بہت شوق سے۔" وہ تیزی سے واپس پلٹا تھا غزالہ کے خالہ زاد کو شاید صورت حال کی نزاکت کا فوراً ہی احساس ہو گیا تھا وہ فوراً ہی اس کے پیچھے لپکا اور وضاحت کرنے لگا۔

"وہ غزالہ کے سر میں درد تھا میں اس کا مساج کر رہا تھا آپ شاید کسی غلط فہمی۔" اس نے مبشر کے بازو پر ہاتھ رکھا تو مبشر نے آہستگی سے اپنا بازو چھڑا لیا اور لاؤنج میں چلا آیا۔

"چلیے اسفر بھائی گھر۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔

"کیا غزالہ نہیں جا رہی ہمارے ساتھ۔" انہوں نے گھبرا کر پوچھا تھا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیوں تم نے بتایا نہیں کہ۔"

"پلیز اسفر بھائی اس وقت گھر چلیں۔" اس نے التجا کی تھی وہ یکدم بے حد ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ "خود غزالہ بیگم اپنے کزن سے اتنی بے تکلف ہیں اور مجھے قصوروار ٹھہراتی ہیں خواہ مخواہ اور۔"

اس اثنا میں غزالہ کی والدہ فون سے فارغ ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اسفر اور مبشر کو کھڑے دیکھا تو وہیں کھڑے کھڑے لاؤنج میں ہی موجود اپنے بھانجے کو آواز دی۔

"ارے قمر تم یہاں ہو ذرا غزالہ کو کہنا تیار ہو کر آجائے مبشر میاں اسے لینے آئے ہیں۔" پھر انہیں اچانک خیال آیا کہ انہوں نے اپنے بھانجے کا تعارف نہیں کروایا۔

"یہ قمر ہے میرا بھانجا اور قمر بیٹا یہ مبشر اور اسفر ہیں۔ مبشر' غزالہ کا میاں ہے اور تم بیٹھو کھڑے کیوں ہو میں چائے لگواتی ہوں تب تک غزالہ بھی تیار ہو جاتی ہے۔"

"غزالہ۔" انہوں نے باآواز بلند پکارا اور غزالہ اپنے کمرے سے باہر نکل کر لاؤنج میں آگئی۔

"غزالہ' اسفر میاں تمہیں لینے آئے ہیں۔"

"مگر مجھے نہیں جانا۔" وہ منہ پھلا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"نہیں چندا ایسے نہیں کہتے بیٹیاں تو اپنے گھروں میں ہی بستی اچھی لگتی ہیں۔ اپنے گھر میں اپنے شوہر کے ساتھ ہنسو بسو جاؤ شاباش اپنا بیگ لے آؤ جا کر۔"

"آپ نے ان سے بھی پوچھا ہے کہ یہ مجھے بسانا چاہتے بھی ہیں یا نہیں۔"

"ارے بیٹی یہ تمہیں لینے ہی تو آئے ہیں گھر بسانے کے لیے ہی اور الگ گھر کا بھی انتظام کر دیا ہے میاں جی نے۔" بیگم حاجی عبدالستار بے حد خوش ہو رہی تھیں۔

"میں نہ کہتی تھی کہ میاں صاحب تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔ پھر سمجھدار آدمی ہیں جانتے ہیں کہ لڑکی کو الگ گھر میں رہنے کا شوق ہوتا ہے۔"

"جی بجا فرمایا آپ نے۔" اسفر نے کہا اور غزالہ کی طرف دیکھا۔

"تو اب کیا ارادہ ہے غزالہ آپ کا۔" غزالہ نے پھر مبشر کی طرف دیکھا جو اس وقت خود پر جبر کیے کھڑا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ ابھی کچھ دن اور رہ لیں ابھی ان کے خالہ زاد آئے ہوئے ہیں جب یہ چلے جائیں گے اور ان کا جی بھی بھر جائے گا تو۔"

مبشر نے باری باری دونوں پر نظر ڈالی۔ قمر کے چہرے پر شرمندگی تھی

"ارے بیٹا قمر کو تو آئے بہت دن ہو گئے ہیں۔ تم خیر سے غزالہ کو لے جاؤ اللہ نئے گھر میں بسنا نصیب کرے۔" بیگم حاجی عبدالستار نے فوراً ٹوکا۔

"میرا خیال ہے خالہ جان آج تو ہم چلتے ہیں پھر سوچ سمجھ کر آئیں گے۔ آج جو دیکھا ہے فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔" مبشر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"کیا دیکھا ہے۔" غزالہ چیخ کر بولی۔

"قمر بھائی اور میں بچپن کے ساتھی ہیں وہ میرے خالہ زاد ہیں ہم میں بچپن سے بے تکلفی ہے۔"

"اچھا۔" مبشر کا اچھا بڑا معنی خیز تھا۔

"اور تم۔" غزالہ پوری طرح بھڑک چکی تھی۔

"اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھتے اپنے کرتوتوں کو۔ سارا دن لفنگی لڑکیوں کے ساتھ گھومتے پھرتے ہو۔" مبشر کا رنگ سرخ ہوا۔ ضبط کی کوشش میں اس نے نچلا ہونٹ کچل ڈالا تھا۔

"اور وہ تمہاری پھپھی صاحبہ کی بیٹی نرمل بیگم میں نے خود دیکھا تھا اسے تمہارے اسکوٹر پر بیٹھے میں نے تو ایک دن بھی نہیں جتایا تمہیں اور تمہیں آگ لگ گئی۔ خود تو نرمل کے ساتھ عیش....."

"خبردار غزالہ اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا۔"

"کیوں نہ کہوں۔ سچی بات کڑوی لگتی ہے کیا۔ اپنے لیے سب جائز اور میرے لیے۔"

"تم.... میں تمہیں ابھی اسی وقت طل....."

"چپ...." اسفر نے تڑپ کر اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"اس سے آگے ایک لفظ مت کہنا۔" بیگم حاجی عبدالستار ہونقوں کی طرح باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"اسفی بھائی پلیز۔" مبشر نے ان کا ہاتھ ہونٹوں سے ہٹایا۔ غزالہ چیخی۔

"ہاں ہاں چپ کیوں کر گئے ہو دے دو مجھے طلاق اور کر لو اپنی اس نرمل بیگم سے شادی۔"

"تمہیں امی جان کی قسم شبی اگر ایک لفظ بھی مزید کہا تو۔" اسفر کے لہجے میں التجا بھی تھی اور پریشانی بھی۔ مبشر بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

پھر اسفر بیگم حاجی عبدالستار سے معذرت کرتے ہوئے مبشر کو لے کر باہر نکل آئے۔ مبشر تو غزالہ کو منانے گیا تھا پھر اس نے کیا دیکھا انہیں کچھ کچھ اندازہ تو ہو رہا تھا تاہم انہوں نے مبشر سے کچھ نہیں پوچھا تھا لیکن مبشر نے خود ہی انہیں بتا دیا۔

"کچھ خاندانوں میں یوں ہی بے تکلفی دیکھی ہے میں نے کزنوں میں۔" کچھ دیر بعد اسفر نے کہا تھا۔

"نہیں محرم نامحرم کا علم نہیں یا پھر۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی مبشر نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تو کچھ دیر بعد وہ پھر بولے۔

"یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی کہ تم اس قدر غصے میں آ گئے۔ بعد میں آرام سے اسے سمجھا دیتے کہ تمہیں اس طرح کی بے تکلفی پسند نہیں ہے۔ خواہ مخواہ بات بڑھ گئی ہے ابا جان بہت ناراض ہوں گے۔"

"ہوتے رہیں ناراض اور بات غزالہ نے بڑھائی ہے۔ میں تو خاموشی سے واپس آ رہا تھا اس کڑوی گولی کو نگلنے کے لیے مجھے وقت چاہیے تھا۔"

اسفر میاں صلاح الدین کے ردعمل کا سوچ کر بہت پریشان ہو رہے تھے اس لیے ٹھیک طرح سے مبشر کو بھی دلاسا نہ دے سکے اور نہ سمجھا سکے جب کہ مبشر کے دل و دماغ کی عجب حالت ہو رہی تھی۔ بیک وقت بہت سے مثبت و منفی خیالات اس کے دل میں آ رہے تھے۔

میاں صلاح الدین نے ساری بات سن کر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا تاہم ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے اور چہرے

سے پریشانی ٹپکنے لگی تھی۔

"لاحول ولا قوۃ! حاجی صاحب تو اس قدر دینی و مذہبی مسائل بیان کرتے ہیں اور بیٹی کو محرم نامحرم کا فرق نہیں معلوم۔"

انہوں نے جیسے خود سے ہی کہا تھا۔ اسفر خاموش بیٹھے رہے تھے جبکہ مبشر ان کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"خیر تم لوگ جاؤ میں کل خود حاجی صاحب سے بات کروں گا۔"

"کیا بات کریں گے آپ۔" مبشر ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اس قصے کو ختم ہی کر دیں غزالہ بیگم اس گھر کے افراد سمیت مجھے بھی پسند نہیں کرتیں۔"

"بکو مت۔" میاں صلاح الدین نے اسے گھر کا لیکن ان کی آواز پست تھی۔

"تعلق اس طرح اتنی چھوٹی باتوں پر نہیں ٹوٹا کرتے۔ میں خود دیکھ لوں گا سب۔"

پھر پتا نہیں میاں صلاح الدین کی حاجی صاحب سے کیا بات ہوئی تھی مبشر کو اس کا علم نہ تھا نہ ہی میاں صلاح الدین نے دوبارہ اس سلسلے میں اس سے بات کی تھی تاہم امی جان سے اسے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ لیکن اس نے کبھی اس سلسلے میں دلچسپی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس کی قلبی کیفیات مکمل طور پر بدل چکی تھیں۔ یہ اس واقعے کا ردعمل تھا شاید کہ اب گھر میں وہ کھل کر غزالہ پر تبصرہ کرتا صاف لفظوں میں کہتا کہ اس کا غزالہ کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکتا۔ ایسی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ آدمی چپکے سے مر جائے۔ کتنی ہی بار اس نے ثمن سے کہا تھا اور ہر بار ثمن رو پڑی تھی۔ کالج میں وہ نرمل سے کترانے کے بجائے اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس سے باتیں کرنے کے بہانے ڈھونڈتا۔ ذو معنی جملے اس کے لبوں سے بے اختیار نکل جاتے وہ اپنے احساسات کو چھپانے کے بجائے عیاں کرنے لگا تھا۔ کبھی کبھی نرمل اپ سیٹ ہو جاتی تھی۔

"شبی پلیز ہم صرف اچھے دوست ہیں۔"

"نہیں غلط ہم محب و محبوب ہیں۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم بھی لاکھ انکار کرو مکرو لیکن میں جانتا ہوں۔" "تم بہت بدل گئے ہو مبشر۔"

"ہاں شاید میرے اندر کچھ تبدیلیاں ہوئی تو ہیں۔ میرا جی چاہتا ہے وہ سب کچھ کروں جو غزالہ نے کہا ہے۔ لفنگی لڑکیوں کے ساتھ گھوموں عیش کروں اور تم سے شادی کر لوں۔"

"فضول باتیں مت کیا کرو اس طرح تم خود کو ہی نقصان پہنچاؤ گے۔"

"ہاں جی چاہتا ہے کہ خود سے ہی انتقام لوں اور خود کو گم کر دوں کہیں۔"

اس کی ذہنی حالت عجیب ہو رہی تھی ایسے میں نرمل نے اسے بہت سنبھالا تھا۔ ورنہ وہ تو بکھر جاتا جن دنوں گھر میں میاں صلاح الدین غزالہ اور مبشر کی صلح کی باتیں کر رہے تھے اور بار بار حاجی عبدالستار سے مل کر معاملے کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کی کوشش کر رہے تھے مبشر کے فائنل امتحان ہو رہے تھے اس نے ان سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے پیپرز کے دوران بالکل ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ وہ جو پہلے میاں صاحب کے سامنے بولتا تک نہ تھا اب بڑی بہادری سے اپنی رائے کا اظہار کرتا تھا اور میاں صلاح الدین بھی خاموش ہو جاتے تھے۔ سو معاملہ اس کے پیپرز تک التوا میں پڑ گیا تھا۔

اور ابھی وہ پیپرز سے فارغ ہی ہوا تھا اور میاں صلاح الدین پروگرام بنا رہے تھے کہ وہ اور عذرا بیگم جا کر غزالہ کو لے آئیں اور پھر اس کی خواہش کے مطابق اسے نئے گھر میں سیٹ کر دیں کہ اس کی طرف سے خلع کا کیس کر دیا گیا۔ میاں صلاح الدین پریشان تھے۔ لیکن مبشر مطمئن تھا۔ میاں صلاح الدین نے اپنے وکیل سے کہا تھا کہ وہ صلح کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مبشر سے بار بار یہی کہہ رہے تھے کہ اسے غزالہ کو جا کر منا لینا چاہیے۔ وہ بچی ہی تو ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی اس غلطی کو معاف کر دے۔ البتہ وہ حاجی صاحب پر بھی بے انتہا ناراض ہوئے تھے۔

"معاملے کو عدالت میں لے جانے کی کیا ضرورت تھی حاجی صاحب شرفا کا یہ طریقہ نہیں۔" حاجی عبدالستار شرمندہ ہو گئے۔

"مجھے اس کا علم نہیں ہے غزالہ کی والدہ اپنے بھانجے کے ساتھ مل کر یہ سب کر رہی ہیں۔"

"میرا خیال ہے میں اسے طلاق بھجوا دوں۔"

"ہرگز نہیں۔" میاں صلاح الدین نے سختی سے کہا۔

"تم ایسا کبھی نہیں کرو گے۔ میں نے اس لیے تمہاری شادی نہیں کی تھی کہ تم طلاق دیتے پھرو۔ حاجی صاحب نے کہا ہے کہ وہ کیس واپس لے رہے ہیں اور جلد ہی سب معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اور مبشر سے بات کر کے انہوں نے عذرا بیگم اور اسفر کو بھیجا تھا بیگم حاجی عبدالستار اور غزالہ کی طرف۔ غزالہ اور بیگم عبدالستار نے کیا کیا تھا اس کا علم مبشر کو نہ تھا تاہم عذرا بیگم کافی مطمئن تھیں اور انہوں نے میاں صلاح الدین سے واپس آکر کہا کہ غزالہ امید ہے مان جائے گی۔

"کینٹین اس طرف ہے۔" اسے دائیں طرف مڑتے دیکھ کر نرمل نے کہا تو وہ چونکا اور نرمل کے ساتھ ساتھ چلتا کینٹین میں آکر بیٹھ گیا۔

"کیا پیو گی کافی، چائے یا ٹھنڈا۔"

"چائے یا کافی جو تمہارا جی چاہے۔" ٹیبل پر اپنا بیگ رکھتے ہوئے وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"ہاں اب بتاؤ پوری بات۔" مبشر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا بتاؤں بتا تو دیا ہے کہ حمنہ خالہ بتا رہی تھیں کہ جب عذرا خالہ شیخوپورہ گئیں تو غزالہ نے کہا کہ چونکہ تم اس کے بجائے مجھ میں دلچسپی رکھتے ہو اس لیے اور بس ایسی ہی فضول باتیں لیکن عذرا خالہ نے اسے اطمینان دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے نہ نرمل ایسی ہے نہ شبی۔۔۔ پھر بھی مبشر یہ بات کوئی اور سنے تو کیا کہے گا۔"

"کیا کہے گا۔" مبشر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اور کہنے دو جو کوئی کچھ بھی کہتا ہے تم کیوں پروا کرتی ہو۔"

"کیسے پروا نہ کروں مبشر جب حمنہ خالہ نے مجھے بتایا یہ سب تو کس قدر شرمندگی ہوئی مجھے۔ تم غزالہ کو منا کیوں نہیں لیتے۔"

"کیوں شرمندگی ہوئی تمہیں کیا تم نے غزالہ کے حق پر ڈاکا ڈالا ہے کیا تمہاری وجہ سے غزالہ روٹھ کر گئی ہے۔" مبشر کا لہجہ تیز تھا۔

"پھر بھی میں بہت گلٹی فیل کرتی ہوں مبشر اگر۔"

"اگر ہم نہ ملیں نہ بات کریں تو کیا ہو جائے گا کیا غزالہ لوٹ کر آ جائے گی۔" مبشر نے اس کی بات کاٹ کر کہا وہ جیسے جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والی ہے۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا نرمل بی بی اس لیے تم اپنے دماغ سے یہ خیال نکال دو تمہاری وجہ سے کچھ نہیں ہوا لہٰذا تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"تم بہت بدل گئے ہو مبشر پہلے تو تم ایسے نہ تھے۔" نرمل نے آہستگی سے کہا۔

"ہاں میں پہلے ایسا نہ تھا۔ میں تو بہت نرمل تھا روما بہت نرم دل بہت نازک احساس رکھنے والا، ہنستا ہنساتا اور خوش رہنا لیکن اب میں ایسا ہو گیا ہوں میرا جی چاہتا ہے میں اس ساری دنیا کو توڑ پھوڑ کر رکھ دوں اور حتیٰ کہ خود کو بھی ختم کر لوں۔"

"ریلیکس پلیز۔" نرمل نے آہستگی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا اس وقت میں بالکل نارمل ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"میں صرف تمہیں اس احساس سے نکالنا چاہتا ہوں جس سے تم پچھلے کئی دنوں سے دوچار ہو جو کچھ ہو رہا ہے

اس میں تمہارا یا میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ بخدا روما میں تم سے بالکل سچ کہہ رہا ہوں کہ تمہارے لیے میرے ذہن میں کبھی ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا پہلی بار میں نے تمہیں اپنی شادی پر ہی دیکھا تھا۔ ثمن نے تبصرہ کیا تھا کہ ابا جان کو اگر میری شادی ہی کرنا تھی تو ان کا خیال پھپھو کی فیملی کی طرف کیوں نہیں گیا تب بھی میرے ذہن میں اس طرح کا کوئی خیال نہیں آیا تھا۔ میں بحیثیت کزن کے تمہارا احترام کرتا تھا لیکن یہ غزالہ تھی نرمل جس نے بار بار تمہارا نام لے کر مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا یہ میں پہلی بار تمہیں بتا رہا ہوں کہ وہ جب پہلی بار تم سے حمنہ خالہ کے گھر ملی تھی تب سے ہی وہ اس طرح کی باتیں کر رہی تھی۔"

"تب سے۔" نرمل کو حیرت ہوئی۔

"ہاں تب سے لیکن پھر بھی میں اس کی باتوں کو نظرانداز کرتا رہا۔ ہاں میرے دل میں ایک چور خیال ضرور پیدا ہو گیا تھا لیکن نرمل اللہ گواہ ہے جب مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا تو میں تم سے بھاگنے لگا دور رہنے لگا۔ حالانکہ کبھی کبھی جب غزالہ بہت طنز کرتی تو میرا دل باغی ہونے لگتا میرا جی چاہتا کہ میں ایسا ہی کروں جیسا وہ کہہ رہی ہے لیکن مجھے تمہارا بھی خیال تھا۔ ایسا مقام بھی آیا کہ مجھے لگا جیسے میں تم سے شدید محبت کرنے لگا ہوں پھر بھی میں نے ہونٹ سیے رکھے کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم میری منزل نہیں ہو پھر میں تمہارے راستے کیوں کھوٹے کروں مجھے بہرحال غزالہ کے ساتھ ہی زندگی کا سفر طے کرنا ہے خوشی سے ناخوشی سے، مجھے وقتی طور پر اس پر غصہ ضرور آتا تھا لیکن میں نے کبھی علیحدگی کا نہیں سوچا تھا۔

اس روز میں پہلے ہی افسردہ تھا پھر اسے قمر کی گود میں سر رکھے دیکھ کر مجھے غصہ آنا فطری تھا۔ لیکن بعد میں ہولے ہولے غصہ کم ہوا تو میں نے سوچا وہ بے وقوف اور احمق سی لڑکی ہے اتنی باریکیوں میں نہیں جاتی۔ ابا جان کے اور حاجی صاحب کے مذاکرات ہو رہے تھے میں ایگزام میں مصروف ہو گیا۔ میں نے سوچا تھا میں ایگزام کے بعد جا کر کسی روز اسے لے آؤں گا۔ مجھے امی جان اور ابا جان کی پریشانی کا بھی احساس تھا مجھے تمہاری فکر بھی تھی میں نے ان دنوں تمہیں بھی بہت تنگ کیا۔ جو کچھ منہ میں آتا کہہ دیتا تھا۔ لیکن میں غزالہ کے ساتھ پھر بھی مخلص تھا اور یہ بات میں صرف تمہیں بتا رہا ہوں گھر میں کسی سے میں نے ذکر نہیں کیا کہ میں نے غزالہ کو فون کیا تھا کہ میں اسے لینے آ رہا ہوں۔ مجھے اپنے آپ سے ڈر لگنے لگا تھا نرمل کہ کہیں میں تمہاری محبت کے سامنے بے بس نہ ہو جاؤں۔ میں چاہتا تھا کہ غزالہ جلد آ جائے اور۔۔۔۔"

وہ سانس لینے کو رکا اور اس کی طرف دیکھا وہ ناخنوں سے میز کی سطح کرید رہی تھی۔

"میں نے اس سے کہا جو ہوا اسے بھلا دو ہم اپنی نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔ نیا گھر تمہارا اپنا گھر جہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی نہیں ہو گا تمہارا منتظر ہے۔

اس نے کہا "تم یہاں آنے کی تکلیف نہ کرو اس لیے کہ مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا نہ اب نہ پھر کبھی۔ قمر کو میں بچپن سے ہی پسند کرتی ہوں لیکن خالہ نے قمر کی شادی کہیں اور کر دی تھی۔ اب جبکہ قمر کی بیوی مر چکی ہے قمر مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم مجھے طلاق دے دو۔" نرمل ساکت بیٹھی اسے سن رہی تھی۔

"میں نے کہا ٹھیک ہے میں تمہیں طلاق دے دوں گا لیکن تم یہ بات اپنے والد اور میرے ابا جان سے کہہ دو کہ تمہیں میرے ساتھ نہیں رہنا اور تم قمر سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ میں ایک لمحہ کی دیر نہیں لگاؤں گا۔ مگر اس نے اس بات کے دو ہفتے بعد خلع کی درخواست دے دی۔ وہ میرے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چاہتی تھی نرمل۔ لیکن میں کیوں مجرم بنوں سب کے سامنے۔"

"اور اس کا انجام کیا ہو گا مبشر، میں نے تو سن رکھا ہے عدالتوں میں کیس سالوں چلتے رہتے ہیں۔ وہ خلع لینے کے لیے وہاں عدالت میں تم پر الزام لگائے گی۔ اس طرح تو بہت بے عزتی ہو گی۔" وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"کیا خبر وہ عدالت میں بھی وہ سب کچھ کہے جو اس نے عذرا خالہ سے کہا تھا اور میں۔"

"روما تم کیوں فکر کرتی ہو میں تو تمہاری طرف آنے والی گرم ہوا کے راستے میں بھی دیوار بن کر کھڑا ہو جاؤں گا۔

تم بے فکر رہو تمہاری ذات پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔ میں تمہاری عزت کی خاطر مر سکتا ہوں رہا کہو تو ابھی۔"

"پلیز شبی۔" نرل کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"اس طرح کی باتیں مت کرو۔"

"پھر کس طرح کی باتیں کروں۔" وہ شوخ ہوا۔

"تم مجھے مستقبل کی باتیں؛ جس میں تم میرے ہمراہ ہو گی یہ کتنا خوب صورت خواب ہے رومیا کہ میں اور تم۔۔۔ تم اور میں اور پتا نہیں یہ ممکن بھی ہے کہ نہیں۔" وہ ہولے سے ہنس کر چپ ہو گیا۔

"پتا نہیں ہم وہاں کیوں نہیں ہوتے جہاں ہمیں ہونا ہوتا ہے۔"

نرل نے دلگرفتگی سے سوچا اور یک دم کھڑی ہو گئی۔

"ایک منٹ میں ڈاکٹر فرحت سے ضروری بات کر کے آتی ہوں تب تک چائے بھی آ جائے گی۔" وہ تیزی سے مڑ گئی تھی مبشر نے اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ لیے تھے شاید وہ باتھ روم میں جا کر روئے گی۔ ایک افسردہ سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور اس نے میز بجا کر اپنے آرڈر کی یاددہانی کرائی اور تب ہی اس کی نظر سیڑھیوں سے اترتے قمر اور غزالہ پر پڑی۔ غزالہ کا ہاتھ قمر کے بازو پر تھا۔ غزالہ نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ یونہی قمر کا بازو پکڑے پکڑے اس کی ٹیبل کے پاس آ کر رک گئی۔

"تم کیا سمجھتے تھے کہ تم طلاق نہیں دو گے تو۔۔۔" خلاف معمول اس کی آواز آہستہ تھی۔

"میں تمہیں طلاق دینے کے لیے تیار تھا بشرطیکہ تم۔"

"ہونہہ۔" اس کے لبوں پر ایک تمسخرانہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر اس کی نظروں نے میز پر پڑے بیگ کو اپنے حصار میں لیا۔

"اوہ۔۔۔ لیڈیز بیگ۔" اس نے انگلی سے چھوا۔

"غالباً" اس وقت اپنی کسی سہیلی کے ساتھ تشریف فرما تھے تم غالباً" وہ تمہاری کزن۔۔۔"

"مت نام لو اس کا۔" اس نے سخت لہجے میں لیکن آہستہ آواز میں کہا۔

"اب تو اس کا نام عدالت میں لوں گی۔ آخر خلع لینے کا۔"

"شٹ اپ غزالہ۔" اس نے دانت پیستے ہوئے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی۔ ضبط کی کوشش میں وہ مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔

"وہاں تم مجھے شٹ اپ نہیں کہہ سکو گے مسٹر مبشر۔" وہ بدستور اسی لہجے میں بولی تو مبشر کا ضبط جواب دے گیا۔

"تمہاری جیسی عورتیں ہی مردوں کی زندگیوں کو جہنم بناتی ہیں۔ میں نے تمہیں طلاق دی غزالہ بیگم میں نے تمہیں۔۔۔" اس نے یکدم زبان دانتوں تلے دبا کر ادھر ادھر دیکھا آس پاس کوئی نہیں تھا کونے والی ٹیبل پر کسی مریض کے رشتے دار بیٹھے تھے۔

غزالہ نے ایک مسکراتی نظر اس پر ڈالی تھی اور پھر قمر کا ہاتھ پکڑ کر کینٹین سے باہر نکل گئی وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر وہاں ہی بیٹھ گیا۔

■■■

"عظمیٰ یہ تم نے اپنی کیا حالت بنا لی ہے خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھالو۔"

سیدہ اسما شاہ نے اس کی پیشانی پر بکھرے بالوں کو پیچھے کیا۔ وہ اس کے پاس ہی اس کے بیڈ پر بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوا ہے میری حالت کو ٹھیک تو ہوں۔"

"اسے ٹھیک کہتے ہیں۔ آئینے میں اپنی شکل کو دیکھو یہ ذرا سا منہ نکل آیا ہے تمہارا۔"

سیدہ اسما شاہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"جب سے شاہ جی اور بی بی جان یہاں سے ہو کر گئے ہیں تم یونیورسٹی بھی نہیں گئیں، خوراک تمہاری نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ ایسے زندگی تو نہیں گزرے گی عظمیٰ اپنے آپ کو سنبھالو۔"

"زندگی ویسے بھی تو نہیں گزرے گی امی۔" افسردہ سی مسکراہٹ نے لحہ بھر کے لیے اس کے لبوں کو چھوا۔

"کوشش تو کرتی ہوں بہت سنبھلنے کی لیکن کیا کروں۔ کچھ بھی تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

بے بسی اس کی آنکھوں میں نمایاں تھی۔

"مجھے کیا علم تھا امی یہ محبت اس قدر ظالم ہوتی ہے یوں توڑ پھوڑ کر رکھ دیتی ہے روم روم میں سرائیت کر جاتی ہے مجھے لگتا ہے میرے پاس میرا وجود کبھی تھا ہی نہیں صرف دل اور محبت تھی جو میں نے اسے سونپ دی۔ جسے اس نے اپنے دل میں محفوظ تو کر لیا امی لیکن وہ زندگی کے سفر میں میرے قدم سے قدم ملا کر نہیں چل سکتا۔ اس نے بھولے سے مجھے کوئی امید ہی نہیں دلائی امی، صاف انکار کر کے دامن جھٹک کر چلا گیا۔ وہ جتنا مجھ سے دور بھاگتا ہے اتنا ہی میرے دل میں اس کی عظمت بڑھتی جاتی ہے۔ وہ دوستی کے تقاضے نبھانا جانتا ہے۔ محبت کے نہیں پھر بھی میرا دل اسی کی طرف ہمکتا ہے امی۔"

اس کی آواز بھرا گئی تو اسما نے اسے سمجھایا۔

"پاگل پن کی باتیں نہ کرو عظمیٰ۔ یہ تو بلند بخت کی شرافت اور عظمت ہے کہ وہ تمہیں سمجھاتے رہے اور پھر صرف تمہاری وجہ سے جاب چھوڑ کر اسلام آباد چلے گئے اگر کوئی اور ہوتا تو تمہارے اس پاگل پن سے فائدہ اٹھا لیتا۔"

"اور یہ۔۔۔ یہ گریز مجھے اور بھی دیوانہ بناتا ہے عظمیٰ میرا دل کہتا ہے یہ ہی، یہ ہی شخص چاہے جانے، محبت کرنے کے قابل ہے اور میرے دل نے ایک صحیح شخص کو چنا ہے لیکن۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔

"میرے سامنے ہمالیہ جیسی اونچی نارسائی کا پہاڑ ہے جسے میں عبور نہیں کر سکتی۔ میں جانتی ہوں میں نے مان بھی لیا ہے کہ ایسا ہی ہے۔ لیکن۔"

"امی۔" وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم بی بی جان اور شاہ جی کو منع نہیں کر سکتیں کہ وہ میری شادی کا خیال چھوڑ دیں۔ پلیز امی۔" اس نے سیدہ اسما شاہ کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"تم ان سے کہہ دو مجھے شادی نہیں کرنی عمر بھر نہیں۔ میں زینت پھپھو کی طرح ساری زندگی یوں ہی گزار دوں گی۔ بی بی جان اور شاہ جی کی خدمت کروں گی۔ لیکن یہ سب مجھ سے نہیں ہو گا امی میں اس طرح منافقت نہیں کر سکتی۔ دل میں کسی اور کی محبت بسا کر کسی اور کا گھر سجاؤں یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا تم شاید جی لو گی یہ منافقت بھری زندگی، دل میں سید شجاع علی شاہ کو چھپا کر سید مظفر حسین کا گھر بساؤ گی۔ میں نہیں، میں مر جاؤں گی امی۔" سیدہ اسما شاہ نے ایک شاکی نظر اس پر ڈالی لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا۔

"سوری اسما۔" عظمیٰ کو احساس ہوا کہ اسے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔

"تم تسلیم کرو یا نہ کرو پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے تم شجاع بھائی سے محبت کرتی ہو۔ وہ تو خیر کرتے ہی ہیں۔"

"عظمیٰ۔" اسما نے لحہ بھر بعد کہا۔

"ہمیں بہت ساری زندگی دوسرے کے لیے جینا ہوتی ہے۔۔۔ تم صرف اپنے لیے سوچتی ہو۔ تمہیں صرف اپنے دل کی طلب سے غرض ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ میری ذرا سی لغزش کس کس کو کیا کیا تکلیف پہنچائے گی۔ شاہ جی کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی تو وہ صرف مجھے یا تمہیں مجرم نہیں ٹھہرائیں گے ان کے عتاب کی زد میں شاہ رخ بھائی پھپھو اور شاہ میر تو آئیں گے ہی کہ وہ یہاں ہمارے محافظ ہیں۔ یہ بے چارے ملازم بھی ان کے عتاب سے نہ بچ سکیں گے اور پھر ہو سکتا ہے قاسم چاچو ان کا چھوٹا سا گھرانہ۔ بلند بخت اس کی فیملی سب۔۔۔ ہمیں تو ان سب کے متعلق بھی سوچنا ہے عظمیٰ وہ سب ہمیں پیارے ہیں بہت۔

کتنی مکمل اور خوش و خرم فیملی ہے چاچو کی نہیں عظمیٰ اپنے لب سی لو اس محبت کو دل ہی میں دفن کر دو بھول جاؤ سب اور جو بی بی جان اور شاہ جی کہتے ہیں وہی کرو۔"

"لیکن اسما میں نے کب یہ چاہا ہے کہ میری شادی بلند بخت سے ہو جائے۔ میں نے اپنی ہر طلب کا گلا گھونٹ دیا ہے اسما میں تو بس اتنا چاہتی ہوں کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے مجھے شادی کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔" آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔

"لیکن تم میری بات کو سمجھ ہی نہیں رہی ہو اور شاید تم سمجھ بھی نہیں سکتی ہو۔ میں پھپھو سے بات کروں گی وہ میری بات سمجھ لیں گی۔ ان کا دل پتھر نہیں ہے۔ انہوں نے شاید کبھی کہیں کسی سے محبت کی ہے۔ اس محبت کا سوز ان کی آنکھوں سے جھانکتا ہے اور اس محبت کی روشنی ہے کبھی کبھی ان کا چہرہ دمکنے لگتا ہے جب وہ خاموش بیٹھی ہوں تو کبھی غور سے انہیں دیکھنا اسمی کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ انہوں نے کسی سے محبت کی ہے۔ یہ کھوئی 'گم شدہ محبت ہمیشہ ان کی آنکھوں میں دیکھی ہے میں نے اور محبت کرنے والے محبت کرنے والوں کے درد کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھپھو ضرور میرے کرب کو محسوس کریں گی اور پھر میں صرف اتنا ہی تو چاہتی ہوں کہ ساری زندگی حویلی میں گزار دوں پھپھو کی طرح ـــــ اور یہ کوئی جرم تو نہیں ہے نا عظمیٰ۔"

وہ پھر رونے لگی تھی۔ سیدہ اسما شاہ نے اسے ساتھ لگا لیا اور ہولے ہولے تھپکنے لگیں اور اتنی دیر سے دروازے کے باہر کھڑے کھڑے سیدہ زینت فاطمہ کے پاؤں جیسے شل ہو گئے تھے وہ لڑکھڑاتے قدموں سے مڑیں اور قریبی صوفے پر بیٹھ گئیں۔

انہوں نے سیدہ اسما شاہ اور عظمیٰ شاہ کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تھیں۔ اسما اور عظمیٰ دونوں میں سے کوئی بھی لاؤنج میں نہیں تھا۔ تب وہ ان کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں اور پھر ٹھٹک کر رک گئی تھیں۔

"محبت۔" انہوں نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"یہ بہت سنگین اور خوفناک لفظ ہے۔ بہت بے اعتبار اور ویران کر دینے والا اس کے پہلو میں صرف آنسو ہیں اور رسوائیاں۔

یہ سیدہ عظمیٰ کیا کہہ رہی تھی کہ میری آنکھوں سے کسی گم شدہ محبت کا کرب جھلکتا ہے کیا میں نے عباس مرزا سے محبت کی تھی؟ ایک عجیب سی مسکراہٹ نے ان کے لبوں کو چھوا۔" میں تو صرف ایک نظر کی مجرم تھی سیدہ عظمیٰ شاہ پھر بھی میں نے ایک عمر کاٹ دی اس کا کرب سہتے۔

لیکن ـــــ" وہ چونکیں۔

"یہ کیا ہو گیا تھا یہ عظمیٰ کب بلند بخت کو چاہنے لگی تھی کب اس نے بلند بخت کو یوں ـــــ نہیں یہ کتنا غلط ہوا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا کیا بلند بخت بھی لیکن نہیں سیدہ اسما کیا کہہ رہی تھی۔ وہ اسی لیے لاہور سے چلا گیا ہے یہ اچھا کیا اس نے ورنہ ـــــ" انہوں نے ایک جھرجھری سی لی۔

بی بی جان اور شاہ جی نے اچانک ہی کراچی سے لاہور آنے کا پروگرام بنایا تھا وہ جو پہلے ہی ان کے اچانک کراچی جانے پر پریشان ہو رہی تھیں۔ لاہور آنے کا سن کر اور بھی پریشان ہو گئی تھیں۔

"شارو سب ٹھیک تو ہے نا زارا تو ٹھیک ہے کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا شاہ جی کیا کہہ رہے تھے۔"

"سب ٹھیک ہے پھپھو۔" شاہ رخ نے انہیں تسلی دی تھی۔

"شاہ جی کا موڈ بہت اچھا تھا وہ ہم سے ملنے کے لیے لاہور آ رہے ہیں اور پھر دو دن رہ کر یہاں سے ہی حویلی چلے جائیں گے۔"

"میں پہلے ان کے پاؤں پر گر کر ان سے معافی مانگوں گا۔ ان سے کہوں گا مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ بے شک وہ ساری زندگی مجھے حویلی میں نہ گھسنے دیں لیکن مجھے گلے لگا لیں معاف کر دیں اور اسما شاہ کو میری بیٹی بنا دیں۔"

"وہ ایسا نہیں کریں گے قامی۔" وہ روہانسی ہو رہی تھیں۔

"چھوٹی آپا آپ مجھے ہمیشہ مایوس کر دیتی ہیں۔" انہوں نے گلہ کیا۔

"مجھے ایک کوشش تو کرنے دیں اور مجھے صرف شعبی کے لیے ہی نہیں بلند بخت کے لیے بھی تو دامن پھیلانا ہے۔" تب انہوں نے حیران ہو کر سید قائم علی شاہ کو دیکھا تھا۔

"ہاں چھوٹی آپا بلند بخت بہت نفیس اور پیارا بچہ ہے۔ شاہو کی شادی حمنی اپنی بھتیجی یا بھانجی سے کرنا چاہتی ہے اور بلند بخت بھی میرا بیٹا ہی ہے۔ میں اس کے لیے عظمیٰ کو مانگ لوں گا۔ مجھے تو دونوں ہی بہت عزیز ہیں چھوٹی آپا وہ سید ہے۔ زمین و جائیداد کا مالک شریف ایجوکیٹڈ ہماری عظمیٰ بہت خوش رہے گی۔ آپ کو یاد ہے چھوٹی آپا ـــــ" انہوں نے اچانک کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

"ایک بار ابرار شاہ سے ملنے ان کا ایک دوست اونچی حویلی آیا تھا۔ عباس مرزا۔" چھوٹی آپا کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ بھلا وہ اسے بھولی ہی کب تھیں۔

"واپسی پر کسی نے اسے قتل کر دیا تھا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ایک بڑی بہن تھی اس کی بس' سات بھائیوں میں سے صرف ایک بھائی کی اولاد تھی۔ یوں سمجھ لیں سات خاندانوں کا واحد وارث۔ نسل کا واحد امین یاد ہے نا آپ کو وہ قتل کا واقعہ۔"

انہوں نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔

"یہ بلند بخت 'عباس مرزا کا بھانجا ہے۔"

"تب ہی تب ہی تو وہ عباس مرزا سے اتنا ملتا جلتا ہے جب وہ اپنی سیاہ آنکھیں اٹھا کر دیکھتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے عباس مرزا آ کھڑا ہوتا ہے۔" وہ سوچ رہی تھیں اور سید قائم علی شاہ کہہ رہے تھے۔

"مجھے اتفاقاً ہی پتا چلا ایک روز عباس مرزا کے چھوٹے چچا بلند بخت سے ملنے آئے تو بلند بخت نے مجھے ملوایا ان سے اظہار لالا کا ذکر ہوا تو انہوں نے عباس مرزا کا ذکر کیا ـــــ پھر مجھے پہچان بھی لیا۔ بلند بخت کی والدہ کی شادی سیدوں میں ہوئی ہے۔ شاہ جی کو اعتراض نہیں ہو گا چھوٹی آپا۔"

"نہیں 'نہیں۔" وہ جیسے چونکی تھیں اور ان کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

"تم یہاں مت آنا پلیز قامی نہیں شاہ جی کو دو جمع دو کرنے میں دیر نہیں لگے گی وہ جان جائیں گے کہ تم یہاں آتے رہے ہو اور ابھی اسما شاہ کا ہاؤس جاب باقی ہے۔ عظمیٰ کا ماسٹرز مکمل نہیں ہوا سب ختم ہو جائے گا تم شاہ جی کو نہیں جانتے قامی بالکل بھی نہیں۔ اور سنو۔" ان کی آواز آہستہ ہو گئی تھی۔

"تم ایک کوشش کرنا چاہتے ہو نا تو کر لو میں تمہیں روکوں گی نہیں شاید شاید۔ لیکن اللہ کے لیے قامی 'بلند بخت کی بات مت کرنا بالکل ذکر بھی مت کرنا۔ نام بھی مت لینا اس کا اور ـــ شاہ جی کو ہرگز مت بتانا کہ بلند بخت اس عباس مرزا کا بھائی ہے جو قتل کر دیا گیا تھا اور جس کی میت بہت دیر حویلی کے صحن میں پڑی رہی تھی اگر شاہ رخ کو بتایا ہے تو اس کو بھی منع کر دینا۔"

خوف سے ان کا وجود ہولے ہولے لرزنے لگا تھا۔ تب سید قائم علی شاہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے ان کے ہاتھ تھپتھپائے تھے۔

"ریلیکس چھوٹی آپا میں ایسا ہی کروں گا جیسا آپ نے کہا ہے لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ عباس مرزا کو کس نے قتل کیا تھا۔"

"نہیں 'نہیں۔"

انہوں نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا تھا۔

"مجھے کچھ نہیں معلوم مجھ سے کچھ مت پوچھو۔" اور تب سید قائم علی شاہ خاموش ہو گئے تھے۔ لیکن وہ کتنی راتیں سو نہیں سکی تھیں سوتے سوتے چونک کر اٹھ جاتیں۔ شاہ جی نے بھی پوچھا تھا۔

"زینت فاطمہ تم ٹھیک تو ہو نا کچھ کمزور لگ رہی ہو۔"

"نہیں ٹھیک ہوں۔"

شاہ جی اور بی بی جی تین دن لاہور میں رہے تھے انہوں نے زینت فاطمہ کو بتایا تھا کہ وہ کراچی سید عبدالغفار شاہ کے بیٹوں سے ملنے گئے تھے۔ پندرہ سولہ دن پہلے سید عبدالغفار شاہ حویلی آئے تھے اور انہوں نے شاہ جی سے اپنے بیٹوں کے رشتے کی بات کی تھی وہ رشتے میں شاہ جی کے خالہ زاد بھائی تھے۔ سو انہوں نے سوچا کہ وہ کراچی شاہ زیب اور زارا سے ملنے کے بہانے جائیں اور لڑکوں سے بھی ملاقات ہو جائے۔ لڑکے انہیں پسند آئے تھے۔ انہوں نے شاہ رخ سے بھی بات کی تھی اور زینت فاطمہ سے بھی۔

"ٹھیک ہے شاہ جی لڑکے اچھے ہیں ایجوکیٹڈ ہیں تو پھر کیا اعتراض ہو سکتا ہے ہاں شادی ایک سال تک تاکہ اسما شاہ کا ہاؤس جاب اور عظمیٰ کا ماسٹرز مکمل ہو جائے۔"

"خیر وہ تو بعد کی بات ہے۔ ابھی وہ لوگ عظمیٰ اسما کو دیکھنے کے لیے آنا چاہتے ہیں۔ باقاعدہ رشتے کی بات ڈالیں گے تو پھر تم بھی لڑکوں کو دیکھ لینا بڑے نے بی اے کیا ہے۔ باپ کے ساتھ کاروبار کر رہا ہے چھوٹے نے ایم بی اے کر رکھا ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنا خاندان ہے۔"

سیدہ زینت فاطمہ کو لگا تھا جیسے انہوں نے دل میں طے کر لیا ہے کہ عظمیٰ اور اسما کے رشتے ادھر ہی کرنے ہیں۔ کیا یہ لڑکے شجاع اور بلند بخت سے اچھے ہوں گے ایک لمحہ کو ان کے دل میں خیال آیا تھا۔

"ان کا پروگرام اگلے ہفتے حویلی آنے کا ہے۔ وہاں سے جب فون آیا تو میں آپ کو بتا دوں گا آپ سب حویلی آجایئے گا۔"

اور ابھی کچھ دیر پہلے حویلی سے فون آیا تھا بی بی جان کہہ رہی تھیں کہ اتوار کو وہ لوگ کراچی سے آرہے ہیں لہٰذا وہ جمعہ تک آجائیں تو اچھا ہے۔"

اور وہ یہ بتانے اسما کے کمرے میں جا رہی تھیں۔

"عظمیٰ یہ تم نے کیا روگ لگا لیا۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"شاہ جی جو فیصلہ کر لیں بھلا کوئی انہیں اس فیصلے سے ہٹا سکتا ہے جو میں ..... کاش بلند بخت یہاں نہ آتا انہوں نے شاہ رخ کو اس کی اجازت نہ دی ہوتی تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ نہ عظمیٰ بلند بخت سے ملتی نہ متاثر ہوتی۔ سارا قصور میرا ہے۔ شاہ جی نے مجھے اس لیے ہی تو بھیجا تھا کہ میں اپنی روایات و اقدار کی حفاظت کروں اور اگر شاہ جی کو پتا چل گیا کہ بلند بخت نہ صرف اس گھر میں آتا رہا ہے بلکہ ہم سب کے ساتھ ایک ہی ٹیبل پر اس نے کھانا بھی کھایا ہے۔ عظمیٰ شاہ سے گھنٹوں بیٹھ کر باتیں کی ہیں تو وہ تو قتل کر دیں گے مجھے اور اور ....."

"چھوٹی آپا۔" سید قائم علی شاہ جانے کب اندر آئے تھے۔

"کیا سوچ رہی ہیں آپ۔"

"تم۔" انہوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

"تم کب آئے۔"

"ابھی شارو کے ساتھ آیا ہوں۔"

"شارو کہاں ہیں۔" انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔

"باہر ہی ہے۔" وہ ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

"آپا میں آپ کو یہ بتانے آیا تھا کہ میں اور حمنہ کل حویلی جا رہے ہیں۔" زینت فاطمہ بنا کچھ کہے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہیں۔

"مجھے شاہ رخ نے بتایا ہے کہ جلد ہی کراچی سے غفار بھائی کے گھر سے لوگ عظمیٰ اور اسما کے رشتے کے لیے آرہے ہیں۔ میں اب زیادہ دیر نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے امید ہے میں شاہ جی کو منا لوں گا۔ پہلے ہم اونچی حویلی جائیں گے۔ وہاں سے ابرار شاہ کو ساتھ لے لوں گا اپنی سفارش کے لیے میری اس سے فون پر بات ہو چکی ہے۔" وہ بہت خوش اور پرامید لگ رہے تھے۔

"شارو سے بھی میں نے بات کی ہے وہ بھی خوش ہے ..... لیکن پریقین نہیں ہے۔ بہرحال مجھے تو یقین ہے چھوٹی آپا..... اور ہاں میں نے یہ بھی سوچ لیا ہے کہ فی الحال بلند بخت کی بات نہیں کروں گا۔ شاہ جی نے مجھے معاف کر دیا اور شجی کی بات طے ہو گئی اسما شاہ سے تو بعد میں پھر بلند بخت کے والدین کے ساتھ جاؤں گا عظمیٰ بیٹی کے لیے۔ میری بات ہوئی تھی اس کے والدین سے وہ تو بہت بے چین ہو رہے ہیں عظمیٰ کو دیکھنے کے لیے لیکن میں نے ابھی منع کر دیا ہے۔"

وہ بہت جوش اور خوشی سے باتیں کر رہے تھے لیکن زینت فاطمہ ساکت بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے حویلی کے صحن میں پڑی چارپائی آرہی تھی جس پر پڑے شخص کے پاؤں چارپائی سے لٹک رہے تھے اور جسے سید ابرار شاہ نے پھولوں سے لاد دیا تھا اور جو صرف ایک نظر کا مجرم تھا۔

■■■

"تو پنچھی اڑ گیا تیرے ہاتھ سے!"

میڈم سفینہ نے ندا کے سامنے چٹکی بجائی۔ ندا نے جو کرسی میں دھنسی کسی گہری سوچ میں ڈوبی تھی چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ندا! تم ابھی تک کچی ہو جانم، کب سمجھ آئے گی تمہیں کب جان پاؤ گی زندگی کے گر۔ ایک ذرا سے لڑکے کو قابو میں نہ کر سکیں تم اور وہ مچھلی کی طرح تمہارے ہاتھ سے پھسل گیا۔"

"ایسا نہیں ہے اماں شاہ صاحب حویلی گئے ہیں کسی کام سے وہاں سے آکر وہ ..... "

"ارے چھوڑ۔" میڈم سفینہ نے ہاتھ فضا میں نچائے۔

"ایسے بہت دیکھے ہیں بہانے۔ وہ گیا تیرے ہاتھ سے۔"

"تو کیا گلے میں رسی ڈال کر دروازے سے باندھ دوں۔" ندا جھلائی۔

"ارے تیرے جیسا حسن اور خوبصورتی ہوتی میرے پاس تو شاہ جیسے سینکڑوں قدموں میں پڑے ہوتے پھر بھی۔" انہوں نے بائیں آنکھ دبائی۔

"کوئی ایک بار مٹھی میں آجاتا تو پھڑکنے بھی نہیں دیتی تھی، تیری طرح مٹھی ڈھیلی نہیں کرتی تھی کہ موقع ملتے ہی اڑ جائے۔"

"اماں میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔" ندا نے ہتھیار پھینک دیے۔

"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" میڈم سفینہ نے گویا اس کا دل رکھا۔

"تو نے اپنی اس ادائے بے نیازی سے بھی بہت سوں کو گھائل کیا ہے۔ خیر میں اس لیے آئی تھی کہ وہ نواب تصدق کتنے چکر لگا چکا ہے کچھ وقت اسے بھی دے دو اور خاک ڈالو اس شاہ کے بچے پر اور کہو آج شام کو بلا لوں نواب کو۔"

"نہیں اماں مجھے شام کو کہیں جانا ہے۔"

"کیا شاہ زیب آگیا ہے واپس۔" میڈم سفینہ ایک دم خوش ہو گئیں۔

"اچھی طرح نچوڑ لوا سے، جو نکلوانا ہے اس کی جیب سے نکلوالو۔ بار بار رسیاں تڑوا کر بھاگ جاتا ہے۔"

"نہیں اماں شاہ زیب کا فون آیا تھا وہ دو تین دن ابھی حویلی میں ہی رہے گا۔ مجھے تو ..... "

"ہیں اس کا فون آیا تھا اور تو نے مجھے بتایا ہی نہیں میں ویسے ہی کڑھ رہی تھی کہ وہ تیرے ہاتھ سے نکل گیا۔ بھلا تیری ان قاتل آنکھوں کے سحر سے کون بچ سکتا ہے۔"

انہوں نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

"میں ابھی نواب کو ٹال دیتی ہوں۔ ارے ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں۔" انہیں یاد آیا کہ انہوں نے ندا کو بات مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

"تمہیں کہاں جانا ہے۔" ندا خاموش ہی رہی۔

"وہاں ہی جانا ہو گا اپنی اس سہیلی کے گھر' ارے میں کہتی ہوں زیادہ مراسم نہ بڑھا ان کے ساتھ' دیکھ میں نے تیرے کہنے پر درّانی صاحب اور بیگم درّانی کو بھیج تو دیا عاطف کے رشتے کے لیے۔ اب ان کی مرضی رشتہ دیتے ہیں یا نہیں لیکن تو بس اب ادھر دوڑ دوڑ کر جانا بند کر دے کہیں تیرا عاطف بے چارہ......"

ندا نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ میڈم سفینہ نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔

"ان سے پوچھنا پھر کب بھیجوں بیگم درّانی کو ادھر۔ ویسے ندا تو ہے بڑی جھلی اور بے وقوف۔ ایسی مرنی آسامی یوں آسانی سے سہیلی کی جھولی میں ڈال دی۔ کب تک روٹھا رہتا ماں باپ سے 'اکلوتا ہے۔ آخر کو ایک دن اسے ہی ملنا ہے سب۔"

"اماں بھی کسی کو تو چھوڑ دیا کرو وہ مجھے بہن کہتا ہے اور سمجھتا بھی ہے۔"

"ارے چل۔" انہوں نے پھر ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

"بہت دیکھے ایسے بہن کہنے والے اور چل اٹھ پارلر سے ہو آ' شام کو سیٹھ اعجاز بھائی کے ہاں ڈنر میں چلنا ہے۔"

"اماں تم چلی جاؤ مجھے نہیں جانا۔ زرمینہ کو ساتھ لے جانا۔" ندا پتا نہیں کیوں اتنی بے زار ہو رہی تھی۔

"زرمینہ تو جائے گی ہی آخر اسے متعارف بھی تو کرانا ہے۔"

"اماں لوگ پوچھتے نہیں تجھ سے کہ تیری اتنی بھانجیاں' بھتیجیاں کہاں سے آجاتی ہیں۔" ندا بے حد سنجیدہ تھی۔

"لوگوں کو آم کھانے سے مطلب ہے پیڑ گننے سے نہیں۔"

"لیکن اماں......"

"مجھ سے بحث نہ کیا کر ندا۔" میڈم سفینہ نے اسے ٹوک دیا۔

"بحث کرنے والے مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے' یہ بتا تو یہ ماتمی شکل کیوں بنائے بیٹھی ہے۔ شاہ زیب نہیں تو کیا ہوا اتنے پروانے ہیں تیرے۔ ڈنر میں نہیں جانا تو شام میں کہیں اور گھوم آ۔"

"مجھے شام کو جانا ہے کہیں بتایا تو تھا۔"

"اچھا کس کے ساتھ۔" میڈم سفینہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"کسی کے ساتھ نہیں اماں اپنی یونیورسٹی کی کسی سہیلی کے گھر جاؤں گی۔"

اس نے دانستہ علینہ کا نام نہیں لیا تھا۔ کیونکہ جب سے میڈم سفینہ کو پتا چلا تھا کہ وہ علینہ کے بھائی میں دلچسپی لے رہی ہے بلکہ بقول اس کے محبت کرنے لگی ہے اس نے تب سے وہ اس کے ذکر سے چڑنے لگی تھیں۔ گو کہ انہوں نے صاف طور پر اسے علینہ کے گھر جانے سے منع تو نہیں کیا تھا لیکن ناگواری کا اظہار ضرور کرتی تھیں۔

"یہ محبت وحبت ہمیں کچھ نہیں دیتی بی بی۔" انہوں نے اسے سمجھایا تھا۔

"وہ لڑکا خضر کبھی بھی اپنی نیک پارسا منگیتر کو چھوڑ کر تجھ سے شادی نہیں کرے گا۔" انہوں نے اس کے دل سے خضر کا خیال نکالنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

"ممکن ہے وہ تیرے ساتھ کچھ وقت گزار لے لیکن شادی ناممکن۔"

میڈم سفینہ کا لہجہ پر یقین تھا۔

"کچھ لوگ کر بھی تو لیتے ہیں شادی۔" اس نے دبے دبے لفظوں میں کہا تھا۔

"ہاں ہوتے ہیں ایسے بھی کچھ کاٹھ کے الو لیکن تو کوئی امید پلو سے نہ باندھ لینا۔"

وہ میڈم سفینہ کو اپنی دلی کیفیات سمجھا نہیں سکتی تھی اس لیے خاموش ہو گئی تھی۔

"اب ان یونیورسٹی کی سہیلیوں کو بھول بھی جا ندا۔" میڈم سفینہ کھڑی ہو گئیں۔

"خیر اگر جلدی واپس آگئی تو میرے ساتھ چلنا ڈنر میں۔ بڑے لوگ ہوں گے وہاں۔"

ندا کچھ نہیں بولی تھی۔ میڈم سفینہ کے جانے کے بعد اس نے سر کرسی کی پشت سے ٹیک کر آنکھیں موند لی

تھیں۔ اسے علینہ کی طرف جانا تھا۔ دو تین بار علینہ کا فون آچکا تھا۔ وہ بہت پریشان تھی اور مضطرب بھی۔

"ندا اگر پاپا نہ مانے تو۔ میں عاطف کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی۔ یار تم آکر مما کو قائل کرو نا۔ مما بھی کچھ متذبذب سی ہیں۔ انہیں اعتراض عاطف کے والدین کے نہ آنے پر ہے۔"

"تو تم بتا دو نا اپنی مما کو کہ تم عاطف کو پسند کرتی ہو۔" ندا نے اسے سمجھایا تھا۔

"میں کیسے ندا پلیز! تم آجاؤ نا تم بتا دو نا مما کو۔ اگلے ہفتے پاپا بھی واپس آرہے ہیں اور میں چاہتی ہوں اس سے پہلے مما کو معلوم ہو جائے کہ میں کیا چاہتی ہوں۔"

"لیکن علینہ اپنی جنگ تو تمہیں خود ہی لڑنا ہے کیونکہ عاطف نے صاف کہہ دیا ہے کہ اس کے والدین اس شادی میں شریک نہیں ہوں گے۔"

"وہ تو بعد کی بات ہے ایک بار تم مما سے بات تو کر لو۔"

"اوکے میں آجاؤں گی۔"

اسے وعدہ کرنا ہی پڑا تھا لیکن اس پر کل سے بے زاری طاری تھی۔ علینہ نے اس کے اظہار کے بعد ایک بار بھی خضر کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک بار بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے وہ کوئی امید باندھ لیتی۔

"تو مجھے خود ہی کوشش کرنا ہوگی۔" اس نے زیر لب کہا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"لیکن خضر وہ جانے کب باہر سے آئے گا۔"

"اور اگر میں ماہ نور کو ہی منظر سے ہٹا دوں تو پھر خضر کو اپنی طرف مائل کرنا کیا مشکل ہو گا اماں بھی تو کہتی ہیں کہ میرے حسن میں بڑی طاقت ہے۔"

ایک مدھم سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا اور وہ کھڑی ہو گئی اور پھر کچھ دیر ڈریسنگ کے آئینے میں خود کو دیکھا۔

"اور یہ میں ہوں۔ یہ آنکھیں' یہ ہونٹ' یہ پیشانی' یہ چہرہ' یہ جسم کیا اس میں کچھ بھی ایسا نہیں جو خضر کو تسخیر کر سکے۔"

اس نے ایک ایک نقش کو ہر ہر زاویے سے دیکھا۔

"اور یہ کچھ ناممکن بھی تو نہیں۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"اور میں نے آج تک کوشش ہی نہیں کی۔ صرف آنکھوں کو اذن بینائی تھا اور...... تو اب طے ہوا کہ قدم آگے بھی بڑھانا ہے۔ صرف دور دور سے دیکھ کر نظروں کی پیاس نہیں بجھانی بلکہ اس کے دل کو بھی مٹھی میں لینا ہے۔" مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ وہ رخ بدل بدل کر خود کو آئینے میں جانچنے لگی۔ تب ہی اس کا سیل فون بج اٹھا۔

"کیا ہے یار کہا تو تھا شام میں آؤں گی لیکن تجھے چین نہیں۔" اس نے سیل پر علینہ کا نمبر دیکھ لیا تھا۔

"میں نے صرف کنفرم کرنے کے لیے فون کیا ہے ندا اگر واقعی تم آرہی ہو تو میں ماہ نور کو روک لوں تمہارے آنے تک۔"

دوسری طرف سے علینہ نے جواب دیا۔

"کیا۔" علینہ کی آنکھیں یکدم چمکی تھیں۔ "وہ تمہاری طرف آئی ہوئی ہے۔"

"ہاں وہ ولید کے ساتھ وکیل کی طرف گئی تھی کچھ دیر پہلے ہی ولید اسے گھر چھوڑ کر گیا ہے کہہ رہا تھا اسے کسی کام سے جانا ہے واپسی پر اسے پک کر لے گا۔ میں نے سوچا تم نے آنا ہو تو اسے روک لوں تمہاری اس روز ملاقات نہیں ہو سکی تھی نا اور تم اس سے ملنا چاہتی تھیں۔" علینہ نے عادت کے مطابق تفصیل سے بات کی تھی۔

"اوکے میں کچھ دیر میں نکل ہی رہی تھی۔ چلو تمہاری پیاری سی بھابی سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ ایسا ضروری بھی نہیں تھا ملاقات کرنا۔ بس یونہی تم سے کہہ دیا تھا۔"

اس نے بظاہر لاپروائی سے جواب دیا لیکن اس کا ذہن تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ وہ خود نہیں جانتی تھی

کہ وہ کیوں ماہ نور سے ملنا چاہتی تھی اور ماہ نور سے مل کر اسے کیا فائدہ ہوگا۔ وہ کیا کرے گی ابھی کچھ بھی اس کے ذہن میں واضح نہیں تھا لیکن اندر کہیں گہرائی میں یہ احساس تھا کہ اسے ماہ نور سے ملنا چاہیے۔ اس لڑکی سے جو اس کے محبوب سے وابستہ ہے۔ وہ اسے کیا کہے گی اس کے ساتھ اس کا رویّہ کیسا ہوگا یہ وہ ابھی متعیّن نہیں کر پائی تھی۔ بہرحال اس نے سر جھٹکا اور وارڈروب سے کپڑے نکالنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ میڈم سفینہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھیں اور زرمینہ وغیرہ کو لیکچر دے رہی تھیں۔

زرمینہ کون تھی کہاں سے آئی تھی؟ ندا نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لڑکیاں آتی اور جاتی رہتی تھیں۔ اس نے ان سے کبھی زیادہ بات چیت نہیں کی تھی وہ میڈم سفینہ کی بیٹی تھی اور خود کو ان سے بہتر اور افضل سمجھتی تھی۔ میڈم سفینہ نے بھی ہمیشہ اس کے بے تحاشا لاڈ اٹھائے تھے اور وہ جانتی تھی کہ اگر وہ ضد پر اتر آئی تو میڈم سفینہ اس کی بات مان لیں گی لیکن خضر۔ اصل مسئلہ تو خضر کا تھا۔

”نظر بد دور۔“

میڈم سفینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بے اختیار کہا تو ان کے سامنے بیٹھی زرمینہ اور رخسانہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ایک ادا سے دوپٹے کو بازو پر ڈالتے ہوئے آخری سیڑھی کے پاس رکی۔

”مام میں علینہ کی طرف جا رہی ہوں۔“ میڈم سفینہ نے برا سا منہ بنایا اور پھر کسی قدر ناگواری سے بولیں۔

”منع بھی کیا تھا تجھے مت جایا کر ادھر بھاگ بھاگ کر۔“

”جلدی آجاؤں گی۔“ اس نے بے نیازی سے کہا اور بائیں بازو پر رکھا حجاب پہننے لگی۔

”یہ پردہ داری کب تک جانو اب تیری پڑھائی ختم ہو گئی ہے تو اسے بھی خیرباد کہہ دے۔“ ندا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

”ڈرائیور کو ساتھ لے جانا۔“ میڈم سفینہ نے تاکید کی۔

زرمینہ اور رخسانہ اسے دیکھ کر مسکرائیں لیکن ندا لاپروائی سے ان کی طرف دیکھتی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

میڈم سفینہ معنی خیز انداز میں سرہلانے لگیں۔

جب وہ علینہ کے گھر پہنچی تو علینہ اور ماہ نور لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔

”ندا تم۔“ علینہ یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔ ندا کی نظریں ماہ نور پر تھیں۔ بلا کی معصومیت اور جاذبیت تھی اس لڑکی میں۔ میک اپ سے بے نیاز سادہ سا چہرہ لیکن بلا کی کشش۔

”یہ ماہ نور ہے۔ شاید پہلے بھی تمہاری ایک ملاقات ہوئی ہے اس سے میری کزن ہے اور۔“

”ہاں شاید۔“ اس کے انداز میں لاپروائی تھی۔

”اور ماہ تم بھی جانتی ہو نا اسے ندا ہے میری دوست۔“

ماہ نور نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے اس سے ہاتھ ملایا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی اور علینہ کی طرف دیکھا۔

”تمہاری کزن کو دیکھ کر ذہن میں پہلا خیال جو آیا ہے وہ ہے سادگی میں پرکاری بہت خوب صورت ہے تمہاری کزن۔“ ماہ نور محجوب سی ہو گئی۔

”اور اگر میں کہوں اللہ نے آپ کو دولت حسن سے دل کھول کے نوازا ہے۔“

”تو میں آپ کا شکریہ ادا کروں گی۔“ ندا نے ذرا سا سر خم کیا تو علینہ نے اس کی پیٹھ پر مکا مارا۔

”یہ آپ جناب کیا ندا‘ یہ ماہ میری دوست بھی ہے۔“

”اچھا نئی اطلاع ہے۔“

ندا شوخ ہو رہی تھی۔

”پرانی اطلاع کیا ہے۔“ علینہ نے پوچھا۔

”پرانی اطلاع یہ ہے کہ لوگ بہت بے چین ہو رہے ہیں یہ جاننے کو کہ ادھر ان کے پرپوزل کے متعلق کیا رائے ہے۔“

ندا کے لہجے میں شوخی اور آنکھوں میں شرارت تھی لیکن علینہ ایک دم سنجیدہ ہو گئی تھی۔

”ماما نے کوئی تبصرہ نہیں کیا بلکہ ان کے آنے کو اور اس پرپوزل کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔ وہ کہہ رہی تھیں دو پرپوزل اور بھی ہیں پپا کے آنے کے بعد وہ دیکھیں گی کہ کون سا بہتر ہے۔“

”اوہ تب تو عاطف کی کامیابی کے چانسز کم ہی ہیں۔“ ندا نے ہونٹ سکیڑے۔

”نہیں پلیز ایسا مت کہو۔“ علینہ نے بے اختیار ندا کے ہاتھ تھام لیے۔

”تم بتا دو مما کو میں..... مجھے صرف اور صرف عاطف سے ہی شادی کرنا ہے۔“

ماہ نور نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا تم نے فیصلہ کر لیا ہے عینا۔“

”کیوں کیا تمہیں میری بات کا یقین نہیں تھا۔“ علینہ نے ماہ نور سے پوچھا۔

”میں نے بتایا تو تھا تمہیں۔“

”مگر عینا..... وہ اسفر بھائی تم ایک بار پھر سوچ لو۔ تم تو اسفر بھائی سے۔“ ماہ نور اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔

”Leave it ماہ! میں تمہیں سب کچھ تفصیل سے بتا چکی ہوں۔ وہ میری حماقت تھی اور بس۔“

”اور اسفر بھائی انہیں دکھ ہوگا اور شاید ماموں جان کو بھی۔“ اب وہ آہستگی سے بولی تھی لیکن علینہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور ندا کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔

”تو ندا تم آج بات کرو گی نا مما سے۔“

”یہ کام تو مجھ سے بہتر تمہاری یہ کزن کر سکتی ہے۔ میں تو اجنبی ہوں جب کہ یہ کزن ہی نہیں تمہاری ہونے والی بھابی بھی ہے۔“

اندر کہیں آگ بھڑکی تھی لیکن لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

”نہیں‘ نہیں میں نہیں۔“ ماہ نور کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

”میں آنٹی سے اس طرح کی بات نہیں کر سکتی۔“

”تم تو اس طرح گھبرا رہی ہو جیسے تمہیں اپنی بات کرنا ہو۔“ ندا نے قہقہہ لگایا۔

”ویسے تم تو کسی آفس میں جاب کرتی ہو۔ علینہ نے بتایا تھا‘ حیرت ہے وہاں کیسے کام کرتی ہو گی۔ ذرا سی بات پر اتنا گھبرا گئی ہو۔“

”وہ ایکچولی۔ مجھے آفس جاب کرتے ہوئے دو تین ماہ ہی ہوئے ہیں۔ پھر وہاں تو جاب ہے کرنا ہے مجبوری ہے۔“ بات کرتے ہوئے اس کی ازلی خود اعتمادی لوٹ آئی تھی۔

”لیکن آنٹی سے اس طرح کی بات میں کیسے کر سکتی ہوں۔“

”تو یہ مرحلہ مجھے ہی طے کرنا پڑے گا۔“ ندا اٹھ کھڑی ہوئی۔

”چلو بتاؤ تمہاری مما کہاں ہیں۔“

”اپنے کمرے میں۔“ علینہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”ماہ تم بیٹھو میں ندا کو مما کے پاس چھوڑ کر آتی ہوں۔“

ماہ نور دونوں کو لاؤنج سے جاتے دیکھتی رہی۔

”تو یہ ہے محبت کا انجام۔“ اس نے گہری سانس لی۔

کل ہی علینہ اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ اس کے پپا سے کہے کہ علینہ اسفر کو پسند کرتی ہے اور آج..... کل اور آج میں کتنا فاصلہ تھا بھلا۔

اس نے انگلیوں پر حساب لگایا۔ کوئی بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا اور محبت بیچ سے رخصت ہو گئی تھی۔ اسے

علینہ کے اتنے واضح اظہار کے باوجود یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسفر کو بھلا کر عاطف سے محبت کرنے لگی ہے۔

"اور کیا محبت اتنی کمزور ہوتی ہے؟"

اس نے جیسے خود سے پوچھا تھا اور اسے لگا تھا جیسے اس کے اندر خضر کے لیے موجود محبت اتنی ہی توانا اور مضبوط ہے جتنی پہلے تھی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اور پختگی آ گئی تھی۔ پہلے اگر وہ بے یقین بھی ہو جاتی تھی تو اب خضر کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اسے ایک لمحہ کے لیے بھی بے یقین نہیں ہونے دیتی تھی۔ اس کی محبت کی خوشبو جیسے اسے ہر لمحہ حصار میں لیے رکھتی تھی اور کتنے سارے دن ہو گئے تھے اس نے خضر کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہاں تھا اور اکثر گھر چلا آتا تھا تو اسے کبھی محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ خضر اس کے لیے کتنا اہم ہے اور اب جب کہ وہ یہاں نہیں تھا وہ ہر لمحہ اس کی کمی محسوس کرتی تھی۔

پچھلے دو ماہ سے وہ باقاعدگی سے فون کرنے لگا تھا ہفتے میں ایک بار۔ وہ منصور کے لیے بہت پریشان تھا اسے اس کی بھی فکر تھی سعید احمد کا بھی خیال تھا۔ دانی' زوبی سب کا خیال رہتا تھا اسے۔ "کیا اس دنیا میں کوئی خضر جیسا بھی ہو گا۔"

اس نے سوچا اور لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ کتنی خوش قسمت ہے کہ خضر جیسا شخص اس کا ہم سفر بنے گا۔

"یہ اکیلے اکیلے کیوں مسکرایا جا رہا ہے۔" کیلا کھاتی ہوئی اریج اپنے کمرے سے برآمد ہوئی۔

"یونہی۔" وہ جھینپ گئی۔

"اور تم یہ ہر وقت کھاتی رہتی ہو موٹی ہو جاؤ گی۔"

"ابھی تو نہیں ہوئی۔" اس نے اپنا جائزہ لیا اور چھلکا سامنے ٹیبل پر رکھی ٹرے میں پھینک کر بیٹھ گئی۔

"روما کا کوئی اتا پتا ہے یا آپ نے اسے لاہور کے ساتھ ہی بیاہ دیا ہے۔"

"اس کا ہاؤس جاب بس مکمل ہونے ہی والا ہے۔ شاید ایک دو ماہ تک آ جائے کراچی۔"

"چلو اس کا خواب تو پورا ہوا اتنی ازلی اور یہ منوں کا کیا ہوا۔ آج آپ گئی تھیں ولید کے ساتھ۔"

"ہاں آج گواہوں کو پیش ہونا تھا لیکن ان کا وکیل حاضر نہیں ہوا تھا سو تاریخ پڑ گئی۔"

ماہ نور' منصور کے ذکر پر افسردہ ہو گئی تھی۔ منصور کے ایک کلاس فیلو نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سچ بولے گا لیکن یہ دوسری بار تھی جب گواہ عدالت جا کر واپس چلے گئے تھے۔ بس ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید اس لڑکے کی گواہی کیس کو کمزور کر دے' شاید کوئی صورت منصور کے باہر آنے کی نکل آئے۔ وہ لڑکا بھی کب تک یہاں رہے گا۔ اسے یو اے ای میں جاب مل گئی تھی اور اسے جانا تھا شاید ایک ماہ تک پھر یہ موہوم امید بھی دم توڑ دے گی اور۔

"ارے ہاں روما نے آپ کو بتایا۔" اریج کو اچانک یاد آیا تو وہ چونکی۔

"شبی نے اپنی وائف کو ڈائیورس دے دی ہے۔" اریج نے بتایا تو وہ حیران سی اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں نرمل نے تو نہیں بتایا ہاں ان کے جھگڑے اور ناراضی کا علم تو تھا مجھے۔"

"آج صبح عذرا پھپھو کا فون آیا تھا انہوں نے بتایا ہے۔"

"بہت افسوس کی بات ہے پہلے آنی کی طلاق اور اب یہ..... ماموں جان تو بہت ناراض ہوں گے شبی سے۔" ماہ نور کو دکھ ہوا۔

"پتا نہیں۔" اریج نے کندھے اچکائے۔ "مما سے ہی بات ہوئی تھی ان کی' ویسے وہ لڑکی سوٹ بھی نہیں کرتی تھی شبی کو۔"

"لیکن یہ تو پہلے سوچنے کی بات تھی اب جب گھر بس گیا تھا تو..... سرحال اچھا نہیں ہوا۔ پوچھوں گی نرمل سے تفصیل۔"

"ندا نہیں آئی۔" علینہ ٹرالی گھسیٹتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی۔

"نہیں۔" ماہ نور نے نفی میں سر ہلایا۔

"لگتا ہے مذاکرات ہو رہے ہیں مما سے۔" وہ ہنسی اور اریج کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"کیسے مذاکرات۔" اریج نے پوچھا۔

"کچھ نہیں یار پتا چل جائے گا خود ہی۔" علینہ نے اندر آتی ندا کو دیکھا اور اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"کیا کہا مما نے۔"

"کیا کہنا تھا۔"

ندا نے پلیٹ سے بسکٹ اٹھایا۔

"میں نے تمہارا موقف ان تک پہنچا دیا ہے اور ٹھیک ٹھاک وکالت کر دی ہے انہوں نے تمہارے پپا پر بات چھوڑ دی ہے۔"

"اور خود ان کا کیا خیال ہے کچھ اندازہ ہوا۔" علینہ نے بے چینی سے پوچھا۔

"کہہ نہیں سکتی کچھ۔"

"آخر بات کیا ہے۔"

اریج کو تجسس ہوا تب علینہ نے مختصراً ساری بات اسے بتائی تو اس کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

"لیکن میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم اسفر بھائی۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"غلط فہمی تھی تمہاری۔" علینہ نے لاپروائی سے کہتے ہوئے ٹرالی اپنی طرف کھینچی اور پلیٹ اٹھا کر ندا کو دی۔

"یہ کباب لو ندا ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔"

"ولید ابھی تک نہیں آیا میرا خیال ہے میں چلتی ہوں۔" ماہ نور کھڑی ہو گئی۔

"آ جائے گا کہیں دیر ہو گئی ہو گی۔ بیٹھو چائے پیو۔" علینہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھایا۔

"اگر تمہیں جلدی ہے تو میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔ بس یہ کباب ختم کر لو تو چلتے ہیں۔" ندا نے آفر کی۔

"تم..... تم ابھی بیٹھو گی نہیں ابھی تو آئی ہو۔" علینہ نے ندا کی طرف دیکھا۔

"نہیں میں مما سے صرف تھوڑی دیر کے لیے اجازت لے کر آئی تھی انہیں کہیں کام سے جانا تھا۔"

"اچھا تو پھر چائے تو پی لو آرام سے..... اور ماہ تم بھی لو نا کچھ۔"

ماہ نور نے خاموشی سے پلیٹ پکڑ لی۔ چائے کے بعد ندا نے ایک بار پھر ماہ نور کو ڈراپ کرنے کی آفر کی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پتا نہیں ولید کب آئے گا ابا اور دادی پریشان ہوں گے۔" ماہ نور نے علینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ولید کہہ تو رہا تھا کہ شاید کچھ دیر ہو جائے لیکن اس نے کہا تھا وہ جب بھی آیا تمہیں چھوڑ آئے گا۔"

"نہیں میرا خیال ہے کہ میں چلتی ہوں ندا تمہیں زحمت تو ہو گی لیکن....."

"بالکل زحمت نہیں ہو گی۔" ندا نے خوش دلی سے کہا۔

"اور تم اتنے تکلف سے بات نہ کرو علینہ کی کزن ہو تم اور اس ناتے مجھے بھی بہت عزیز ہو۔"

اس نے ایک گہری نظر سادہ اور اداس سی ماہ نور پر ڈالی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ ماہ نور سے کیا فائدہ اٹھا پائے گی لیکن اس کے ذہن میں کہیں تھا کہ اسے ماہ نور سے دوستی کرنا چاہیے۔ ابھی اس کے ذہن میں کچھ بھی واضح نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ کسی طرح ماہ نور کے قریب ہو جائے اس کے بعد اسے کیا کرنا تھا ابھی اس نے سوچا نہیں تھا۔

ماہ نور دل ہی دل میں اس کے اخلاق سے متاثر ہوئی تھی اور اس نے دل میں اعتراف کیا تھا کہ علینہ' ندا کی تعریف صحیح ہی کرتی ہے۔

راستے میں وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ اور بس دلچسپی سے اس کے اماں ابا بہن بھائیوں اور دادی کے متعلق پوچھتی رہی۔

"تم آؤ نا کسی دن ہمارے گھر علینہ کے ساتھ تمہیں سب سے ملواؤں گی۔"

ماہ نور نے اسے دعوت دی۔

"علینہ کے ساتھ کیا اکیلی نہیں آسکتی۔" ندا نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"کیوں نہیں۔" ماہ نور کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

گاڑی اشارے پر رکی ہوئی تھی اور ندا اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے ماہ نور کی طرف دیکھ رہی تھی جب اس کے ساتھ کھڑی گاڑی میں بیٹھے شاہ زیب نے ندا کی گاڑی کو دیکھا۔ حجاب لیے بلاشبہ ندا ہی تھی جو ڈرائیو کر رہی تھی جبکہ فرنٹ سیٹ پر چادر اوڑھے بیٹھی ماہ نور کو اس نے حیرت سے دیکھا اور پھر یکایک اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور ندا کو بلانے کے لیے وہ کھڑکی پر جھکتے جھکتے پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی اور ہونٹوں پر ایک معنی خیز سی مسکراہٹ وہ اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے رکھے گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اشارہ کھلنے پر جب پیچھے والی گاڑیوں نے ہارن بجایا تو اس نے چونک کر دیکھا ندا کی گاڑی آگے بڑھ چکی تھی۔ اس نے بھی گاڑی آگے بڑھا دی لیکن اس کا ذہن مسلسل ماہ نور اور ندا کے تعلق کو سوچ رہا تھا۔

● ● ●

"شبی، شبی پلیز اس طرح مت جاؤ۔ مت کرو ایسا۔"

انعم نے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"آپی پلیز مجھے مت روکیں مجھے جانے دیں۔"

"لیکن تم اس وقت کہاں جاؤ گے۔" انعم نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"ابا جان اس وقت غصے میں ہیں۔ انہوں نے غصے میں کہا ہے سب کچھ۔"

"نہیں آپی آپ نہیں جانتیں۔ نہ انہیں نہ ان کے غصے کو...... لیکن میں اچھی طرح جان گیا ہوں۔ ان کا کیا مطلب ہے۔"

"مگر ہم...... ہم تمہارے بغیر کیسے رہیں گے شبی۔" کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی سمن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ مبشر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

"میں تم لوگوں سے ملتا رہوں گا۔ پھر تم بھی جب چاہو مجھ سے ملنے آجانا۔ گھر لیتے ہی میں تمہیں بتا دوں گا۔"

وہ مڑ کر بیڈ پر بکھری ہوئی کتابیں بیگ میں رکھنے لگا۔ تب ہی عذرا بیگم گھبرائی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔

"شبی شبی یہ مدثر اور اروناکیا کہہ رہے ہیں۔ تم گھر چھوڑ کر جا رہے ہو کیوں۔"

"امی جان پلیز ادھر بیٹھیں۔" اس نے کتابیں ایک طرف کرتے ہوئے ان کے بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی اور بہت محبت سے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"ابا جان نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے انہوں نے کہا ہے میں ابھی اسی وقت ان کا گھر چھوڑ دوں اور یہ کہ اب ان کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔"

اس کے لہجے میں بلا کا سکون تھا۔ انعم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اتنا پر سکون تو پچھلے کئی سالوں میں ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ عذرا بیگم پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"لیکن کیوں شبی، میاں صاحب نے ایسا کیوں کیا؟"

وہ بے حد مضطرب سی سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ جانتی ہیں امی جان میں نے غزالہ کو......"

"لیکن تمہارے ابا جان کہہ رہے تھے کہ غصے میں ٹھیک ہے تم نے اسے ایک طلاق دے دی ہے لیکن رجوع کر لو گے تم۔"

"میں ایسا نہیں چاہتا۔" اس نے اسی سکون سے کہا۔

"وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو پھر زبردستی کے بندھن کا کیا فائدہ۔ میں اسے طلاق نہیں دینا چاہتا تھا میں جانتا تھا میں جب بھی ایسا کروں گا ابا جان مجھے معاف نہیں کریں گے۔ وہ سمجھیں گے میں نے ان کے کیے ہوئے

رشتے کو ریجیکٹ کیا ہے اس لیے میں نے غزالہ سے کہا تھا کہ وہ اگر خود حاجی صاحب سے کہہ دے کہ اسے میرے ساتھ نہیں رہنا تو میں اسے طلاق دے دوں گا پھر اس نے خلع کا نوٹس بھجوا دیا۔ چلو ٹھیک تھا میں کم از کم ابا جان کی نظروں میں مجرم نہیں تھا۔ لیکن پھر ابا جان اور حاجی صاحب نے کیس ختم کروا دیا۔ ابا جان چاہ رہے تھے کہ میں جا کر غزالہ کو لے آؤں جب کہ وہ مجھ سے کہتی تھی کہ میں اسے فارغ کر دوں تو آپ بتائیں امی جان میں کیا کرتا۔"

عذرا بیگم کے ہاتھ ابھی تک اس کے ہاتھوں میں تھے اور وہ ہولے ہولے بول رہا تھا۔

"وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو میں کیسے زبردستی اسے اپنے ساتھ رکھ لوں لیکن ابا جان یہ بات نہیں سمجھتے۔ انہوں نے سارا الزام مجھ پر ڈال دیا ہے کہ میں نے شروع سے اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتا تھا۔ میں شریعت کے مطابق یکے بعد دیگرے طلاق بھجوا دوں گا اور پلیز امی جان آپ پریشان نہ ہوں ایک دن آئے گا جب ابا جان کو احساس ہو جائے گا کہ غلط میں نہیں تھا۔"

اس نے ان کے ہاتھ چھوڑ دیے اور دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی سمن کے پاس جا کر اپنی انگلیوں سے اس کے رخساروں پر بہتے آنسو صاف کیے۔

"تم کیوں رو رہی ہو پاگل۔"

ایک بازو اس کے گرد حمائل کرتے ہوئے وہ اسے بیڈ تک لے آیا۔

"بیٹھو ادھر۔" اس نے اسے عذرا بیگم کے پاس بٹھا دیا۔

"میں یہاں ہی اسی شہر میں ہوں گا اور تم یوں رو رہی ہو جیسے میں ہمیشہ کے لیے۔"

"اللہ نہ کرے۔" عذرا بیگم نے بے اختیار کہا۔

"اچھی بہنوں کی طرح میری چیزیں پیک کرنے میں میری مدد کرو۔"

وہ مسکرایا لیکن اندر جیسے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔

"میں بات کرتی ہوں میاں صاحب سے۔"

عذرا بیگم نے اٹھنا چاہا تو اس نے ان کے کندھے پر اپنے ہاتھوں سے دباؤ ڈالتے ہوئے بٹھا دیا۔

"نہیں آپ ان سے کچھ نہیں کہیں گی یوں بھی وہ اپنا فیصلہ سنا کر جا چکے ہیں اور میں ان کے گھر آنے سے پہلے جانا چاہتا ہوں کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ گھر واپس آئیں تو میں انہیں نظر نہ آؤں۔"

بہت ضبط کے باوجود اس کی آواز میں لرزش تھی۔ انعم نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"اسفر بھائی کو تو آنے دیتے وہ تمہیں ڈراپ کر دیتے۔"

انعم نے جیسے جان لیا تھا کہ وہ اب نہیں رکے گا۔

"اسفی بھائی تو آج کل بہت لیٹ آتے ہیں۔ اللہ جانے آفس کے بعد کہاں کہاں گھومتے پھرتے ہیں۔ آپی آپ نے پوچھا ان سے کیا مسئلہ ہے۔"

چند دن قبل ہی اس نے انعم سے کہا تھا کہ وہ اسفر بھائی سے پوچھے کہ وہ کیوں پریشان ہیں اسے تو انہوں نے ٹال دیا تھا۔

"نہیں موقع ہی نہیں ملا۔"

"تم جاؤ گے کہاں شبی۔"

سمن ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھ رہی تھی۔

"کسی ہوٹل میں۔"

"ہاں آج تو بہر حال کسی ہوٹل میں ہی جاؤں گا۔ بلکہ ڈاکٹرز ہوسٹل میں میرا ایک دوست رہتا ہے فائنل ایر میں ہے آج رات وہاں گزاروں گا۔"

"تم حسنہ خالہ کے ہاں چلے جاؤ ان کی انیکسی خالی ہے بلند بخت تو اسلام آباد واپس چلے گئے ہیں۔"

انعم کو اچانک خیال آیا تھا۔

"ہاں میں بات کرتی ہوں حسنہ سے۔"

عذرا بیگم نے فوراً کہا تو مبشر نے بغور انہیں دیکھا اس کے حسنہ خالہ کے ہاں رہنے کے خیال سے ان کے اضطراب میں کچھ کمی سی ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

اسے ان پر ترس سا آیا۔

"لیکن صرف کچھ دن میں زیادہ دن وہاں نہیں رہوں گا۔ میں نہیں چاہتا ابا جان جو پہلے ہی ان سے خفا ہیں مزید ناراض ہوں۔"

"انہیں کون سا پتا چلے گا۔"

سمن کے آنسو بھی کچھ دیر کو تھم گئے تھے وہ مڑ کر پھر اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔

کتابوں کا ایک ڈھیر تھا۔ انعم اس کی مدد کرنے لگی لیکن آنسو اس کی آنکھوں میں مچل رہے تھے۔

"شبی بیٹا!"

عذرا بیگم نے بھرائی آواز میں کہا۔

"کیا تیرے دل میں کوئی گنجائش نہیں رہی غزالہ کے لیے ایک بار۔"

"امی جان!"

مبشر نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔

"بات صرف میرے دل کی نہیں ہے امی جان وہ۔"

"شبی بیٹا ایک بار میں بات کر کے دیکھوں غزالہ سے ــــ وہ اگر راضی ہو تو ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔"

مبشر جانتا تھا یہ محض ان کی اپنی سوچ ہے غزالہ کبھی نہیں مانے گی۔ اس نے غزالہ کی آنکھوں میں اس لمحے جو خوشی دیکھی تھی اور جس طرح اس نے ایک فاتح کی طرح اپنے کزن کو دیکھا تھا اور پھر جس طرح سر اونچا کیے وہ اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیے۔ وہاں سے گئی تھی اور جس طرح جاتے جاتے اس نے ایک تمسخر بھری نظر اس پر ڈالی تھی۔

"اب کہیں طلاق سے مکر نہ جانا گھر جا کر میرے ابا کہتے ہیں ہمارے اکثر گھرانوں میں جاہل مرد طلاق دینے کے بعد مکر جاتے ہیں اور بیویوں کو گھر میں بسائے رکھتے ہیں۔"

"شٹ اپ!"

اس نے زیر لب کہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کا گلا گھونٹ دے۔

لیکن اس نے یہ سب عذرا بیگم سے نہیں کہا اور خاموشی سے کتابیں بیگ میں رکھتا رہا۔

"میں آج ہی فون کروں گی غزالہ کو۔"

اسے خاموش دیکھ کر انہوں نے پھر کہا وہ تب بھی خاموش رہا تو انہوں نے سمجھ لیا کہ اسے اعتراض نہیں ہے اور ان کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ نرمل واپس آئی تو اس نے غزالہ کے متعلق اس سے ذکر نہیں کیا تھا چائے پی کر وہ ہاسپٹل سے نکلے تو نرمل کو قاضی انکل کا ڈرائیور لینے آیا ہوا تھا۔ وہ اسے اللہ حافظ کہہ کر سیدھا میاں صلاح الدین کے پاس آیا تھا اور ساری بات انہیں بتادی تھی۔ میاں صلاح الدین نے خاموشی سے اس کی بات سنی تھی اور پھر کہا تھا۔

"تمہیں اس طرح منہ سے طلاق کا لفظ نہیں نکالنا چاہیے تھا شبی۔"

ان کے لہجے میں تاسف تھا۔

"حاجی صاحب سے میرے دیرینہ تعلقات ہیں۔ بہرحال میں ان سے بات کرتا ہوں۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ابا جان غزالہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ دراصل وہ اپنے خالہ زاد سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

اس نے جھجکتے ہوئے بالآخر وہ بات انہیں بتادی تھی جو اب تک دل میں چھپائے ہوئے تھا۔

"بکومت۔"

میاں صلاح الدین نے اسے ڈانٹ دیا۔

"خواہ مخواہ مفروضے مت قائم کرو۔ اکلوتی بیٹی ہے لاڈلی ہے بس ضد میں آگئی ہے۔ آخر کچھ کوتاہی تم سے بھی تو ہوئی ہوگی۔"

ان کی مشکوک نظر نے اسے اندر تک بھسم کر ڈالا تھا۔

"ابا جان۔" اس نے احتجاج کرنا چاہا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

"ٹھیک ہے تم گھر جاؤ میں دیکھتا ہوں کیا ہو سکتا ہے۔"

اور وہ مزید کچھ کہے بغیر گھر آگیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب سمجھوتے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ لیکن آج میاں صلاح الدین نے اسے بلا کر کہا تھا کہ نہ صرف یہ کہ خلع کا کیس انہوں نے واپس لے لیا ہے بلکہ وہ چاہتے ہیں۔ مقررہ مدت کے اندر غزالہ واپس چلی جائے تاکہ طلاق واقع نہ ہو چنانچہ کل کسی وقت حاجی صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ غزالہ کو چھوڑ جائیں گے۔

"ہرگز نہیں۔"

وہ یکدم بھڑک اٹھا تھا۔

"اب ہرگز نہیں۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے فاتح نظروں سے اسے دیکھتی غزالہ کا چہرہ آگیا۔ غرور سے گردن تانے تمسخر اڑاتی نظروں سے اسے دیکھتی اپنے خالہ زاد کے ہاتھ میں ہاتھ دیے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"مجھے اب غزالہ قبول نہیں ہے اور میں اسے گھر میں نہیں بسانا چاہتا۔"

"مبشر"

میاں صلاح الدین زور سے چیخے تھے۔

"میں حاجی صاحب سے بات کر چکا ہوں اور ــــ"

"میں آپ کو ساری بات بتا چکا تھا اس کے باوجود آپ نے بات کی میں اس کا ذمہ دار نہیں۔"

"وہ بچی ہے جیسا تم سوچ رہے ہو ایسا نہیں ہے شبی۔" انہوں نے لہجہ نرم کیا۔

"میں نے کہا تھا تم سے کہ یونہی ضد میں آئی ہوئی ہے۔ حاجی صاحب خود شرمندہ ہیں۔ دیکھو بیٹا یوں بسے بسائے گھر نہیں اجاڑا کرتے۔"

"لیکن میں اسے طلاق دے چکا۔" مبشر کا لہجہ حتمی تھا۔

"تم نے جیسا کہ مجھے بتایا ہے ایک طلاق دی ہے تو گنجائش ہے۔"

"میں اسے تینوں۔"

"بکومت مبشر ــــ" میاں صلاح الدین پھر غصے میں آگئے تھے۔

"نکل جاؤ میرے گھر سے۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ آج کے بعد میرا تم سے ہر تعلق ختم۔"

وہ غصے کی زیادتی سے کانپ رہے تھے "تم نے مجھے حاجی صاحب کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ تم۔" وہ دھاڑے۔

"ٹھیک ہے میں چلا جاؤں گا لیکن ابا جان میں بے غیرت نہیں ہوں کہ اس کے واضح اقرار کے باوجود اسے بیوی بنائے رکھوں۔" غصے میں اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"مبشر نکل جاؤ میرے کمرے سے۔" میاں صلاح الدین ایک دم اس کی طرف بڑھے تھے۔

"میں کہہ رہا ہوں میں تمہاری شکل دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا ایک بار بھی نہیں۔" اور وہ مزید کچھ کہے بغیر ان کے کمرے سے نکل آیا تھا۔

انعم اس کی مدد کر رہی تھی۔ بلا کا ضبط تھا اس میں جبکہ سمن اور عذرا بیگم خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھیں۔

بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے اس نے عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"میں اپنی کتابوں اور چند جوڑے کپڑوں کے سوا کچھ نہیں لے جا رہا تا دیجیے گا قبلہ والد صاحب کو۔"

"شبی۔" عذرا بیگم کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"نہ جاؤ بیٹا۔" انہوں نے پھر التجا کی۔

"مجبوری ہے امی جان' ابا جان مجھے اس گھر سے نکال چکے ہیں۔"

"وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں بیٹا غصے میں کہہ دیا ہو گا۔"

وہ بیگ اور اٹیچی اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

"شبی۔"

انعم کا ضبط جواب دے گیا وہ یکدم اس سے لپٹ کر رونے لگی۔ مبشر نے بیگ اور اٹیچی نیچے رکھا اور اسے اپنے ساتھ لگا کر تھپکنے لگا ضبط گریہ کی کوشش میں آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ سمن جو ہونٹ دانتوں تلے دبائے سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہی تھی' یکدم چیخ چیخ کر رونے لگی۔

"ارے ارے میں زندہ ہوں ابھی۔" اس نے ہنسنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان کے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

"ہم سب تمہارے بغیر کیسے رہیں گے شبی۔" عذرا بیگم کے آنسو رک نہیں رہے تھے۔

"آخر۔ پہلے بھی تو آپ لوگ مجھے الگ کرنے لگے تھے' سمجھیے گا کہ آپ نے مجھے الگ کر دیا ہے۔"

اس کی سرخ آنکھوں میں شکوہ نظر آیا۔

"صرف تیری خوشی اور سکون کے لیے وہ فیصلہ کیا تھا ہم نے۔" عذرا بیگم نے روتی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ انعم کو الگ کرتا ہوا گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھے۔

"امی جان میں بھی آپ سب سے الگ ہو کر خوش نہیں رہوں گا۔ جانے کیسے رہوں گا آپ سب کے بغیر لیکن مجبوری ہے۔ میں ملتا رہوں گا۔ پلیز آپ روئیے نہیں مجھے دعا دے کر رخصت کیجیے ۔ ہر آن ہر لمحہ آپ سب میری یادوں میں رہیں گے۔ میں نہیں جانتا میں خود نہیں جانتا کہ میں کیسے رہ پاؤں گا۔۔۔ رہ بھی سکوں گا یا نہیں۔"

اس کی آواز بھرا گئی اور پھر وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھے رونے لگا۔ عذرا بیگم کے ہاتھ اس کے گھنے بالوں میں تھے اور وہ اسے خاموش کرا رہی تھیں۔

"نہ رو شبی میرے دل کو کچھ ہو رہا ہے۔ ڈوب جائے گا میرا دل شبی' تمہارے آنسو میرے دل کو چیرے جاتے ہیں۔"

کچھ دیر بعد وہ سنبھلا اور چہرہ پونچھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ سمن کے سر پر ہاتھ رکھا جو یونہی بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"اور تم سمو اپنا فائنل امتحان اچھی طرح سے دینا میرے لیے پریشان نہ ہونا۔ میں خوش ہوں بہت' ایک مسلسل عذاب سے نجات ملی اور دیکھو ہاؤس جاب ضرور کرنا۔"

سمن اسی طرح روتی رہی۔" میں کسی لمحے بھی کسی سے غافل نہیں ہوں گا۔ آپی اور سموں کے لیے آپ فکر مند مت ہوئیے گا میرے ذہن میں ہے کہ مجھے ان کے لیے کیا کرنا ہے۔"

اس نے جھک کر بیگ اٹھایا تو اس کی نظریں دروازے کی طرف اٹھیں۔ مدثر دروازے میں کھڑا تھا۔ دبلا پتلا سانولا سا مدثر۔۔۔ ان چند سالوں میں کتنا قد نکالا تھا اس نے کالج میں آ کر بھی وہ اتنا ہی سنجیدہ اور کم گو تھا۔ اس کے سانولے چہرے پر اس کی بے حد سیاہ آنکھوں میں بلا کی چمک تھی لیکن اس وقت یہ آنکھیں بجھی بجھی سی لگ رہی تھیں۔ مدثر نے بنا کچھ کہے آگے بڑھ کر اس کا اٹیچی اٹھا لیا۔

"حمنہ کی طرف جاؤ گے نا۔"

عذرا بیگم بے قرار ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں اس وقت اپنے دوست کی طرف جا رہا ہوں۔"

"میں حمنہ سے بات کر کے تمہیں فون کروں گی۔ تم پھر ادھر چلے جانا۔ مجھے تسلی رہے گی۔"

ان کی آنکھوں میں التجا تھی اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور ان کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ جیسے اسے ڈر ہو کہ اگر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو پھر نہ جا سکے گا۔ مدثر اس کے پیچھے اٹیچی اٹھائے چل رہا تھا۔

اور سمن کو یوں لگ رہا تھا جیسے اب وہ کبھی نہیں آئے گا وہ یکدم مڑی اور انعم کے گلے لگ کر رونے لگی۔

"جانتی ہو سیدہ زینت فاطمہ وہ۔۔۔۔ وہ یہاں آیا تھا۔ حویلی میں۔"

شاہ جی نے چلتے چلتے رک کر سر جھکائے بیٹھی سیدہ زینت فاطمہ کو دیکھا۔

"وہ کہتا تھا میں اسے معاف کر دوں اور جرات دیکھو اس کی وہ اسے بھی ساتھ لے آیا اپنی بیوی کو۔"

سر جھکائے بیٹھی زینت فاطمہ پر انہوں نے ایک نظر اور ڈالی اور پھر ٹہلنے لگے۔

زینت فاطمہ نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ انہوں نے سر اٹھا کر شاہ جی کی طرف نہیں دیکھا تھا انہیں حویلی آئے آج دوسرا دن تھا وہ شاہ جی کے بلانے پر سب کے ساتھ آئی تھیں۔ اتوار کو کراچی سے سید عبدالغفار شاہ کی فیملی کے کچھ لوگ عظمیٰ' اسما کو دیکھنے آ رہے تھے۔ عظمیٰ کو وہ کتنی مشکل سے لائی تھیں یہ وہ ہی جانتی تھیں۔ کتنے ہی بہانے کیے تھے اس نے لیکن اسما نے کسی نہ کسی طرح منا ہی لیا تھا اور جب سے وہ حویلی آئی تھیں عظمیٰ اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ ہر صبح اس کی روئی روئی آنکھیں دیکھ کر وہ دکھی ہو جاتی تھیں۔ وہ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ کسی کے لیے بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں انہوں نے کتنا منع کیا تھا سید قائم علی شاہ کو۔ التجا کی تھی۔

"قامی مت جاؤ شاہ جی نہیں مانیں گے۔"

"مجھے ایک بار کوشش تو کر لینے دیں چھوٹی آپا۔ نہیں تو مجھے ساری زندگی ملال رہے گا کہ میں نے بغیر کوشش کیے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ آخر وہ میرے بھائی ہیں۔ ہماری رگوں میں ایک ہی خون ہے۔ وہ اتنے پتھر دل تو نہیں ہوں گے چھوٹی آپا۔"

لیکن وہ ان کی توقع سے کہیں زیادہ پتھر دل تھے۔ انہوں نے بے حد حقارت سے انہیں دیکھا تھا۔

"اگر تم ابرار شاہ کو سفارش بنا کر ساتھ نہ لاتے تو میں گیٹ سے اندر بھی تمہیں نہ گھسنے دیتا۔۔۔ جس دروازے کو داجی نے تمہارے لیے بند کیا تھا وہ بھلا میں کیسے کھول سکتا ہوں۔"

"داجی اگر زندہ ہوتے تو مجھے معاف کر دیتے مجھے یقین ہے۔ آپ بھی میری اس غلطی کو معاف کر دیں۔"

سید قائم علی شاہ نے التجا کی تھی اور پھر اپنے ہاتھ ان کے پاؤں پر رکھ دیے تھے لیکن انہوں نے پاؤں جھٹک دیے۔ تب حمنہ نے درخواست کی تھی۔

"شاہ جی ہم نئے رشتے استوار کرنے آئے ہیں۔ میں اپنے بیٹے سید شجاع علی شاہ کے لیے آپ کی بیٹی کا رشتہ مانگتی ہوں۔"

لیکن شاہ جی نے انہیں بات ہی مکمل کرنے نہیں دی تھی۔

"آپ کی جرات کیسے ہوئی یہ بات اپنے منہ سے نکالنے کی اور جو رشتے ٹوٹ جائیں وہ دوبارہ استوار نہیں ہو سکتے۔"

"پلیز شاہ جی۔"

سید قائم علی شاہ نے پھر درخواست کی تھی۔

"غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ مجھ سے بھی غلطی ہوئی۔ آپ بڑے ہیں معاف کر دیں۔"

تب سید ابرار علی شاہ نے بھی التجا کی۔

"شاہ جی قامی لالا کو گلے لگا لیں ۔ بہت آس لے کر آئے ہیں یہ۔"

"تم چپ رہو ابرار شاہ۔"

اور سید قائم علی شاہ وہاں سے نامراد لوٹ آئے تھے اور زینت فاطمہ کو سب کچھ فون پر بتاتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"یہ کوئی ایسا ناقابل معافی جرم تو نہیں تھا زینی آپا جو شاہ جی نے ایسا کیا۔۔۔۔"

اور زینت فاطمہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھیں۔ انہوں نے پاس بیٹھی اسما شاہ کے زرد ہوتے چہرے کو دیکھا تھا اور پھر ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی تھیں۔

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا قامی شاہ جی کبھی نہ مانیں گے۔"

"چھوٹی آپا آپ آج حویلی جا رہی ہیں بی بی جان سے بات کر کے دیکھیے گا۔"

"میں۔" زینت فاطمہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"ہاں آپ چھوٹی آپا شجاع کی خاطر میں تو جب سے آیا ہوں شجاع کے چہرے کی طرف دیکھا ہی نہیں اس ڈر سے کہ کیسے دیکھ پاؤں گا اس کی آنکھوں میں آرزوؤں کے بکھرنے کا دکھ۔۔۔ بی بی جان جب آپ سے بات کریں تو آپ ان کا دل نرم کرنے کی کوشش تو کر سکتی ہیں نا چھوٹی آپا۔ وہ ضرور آپ کو ہمارے آنے کا بتائیں گی۔" لیکن بی بی جان نے تو کوئی بات نہ کی تھی ہاں شاہ جی نے انہیں صبح ناشتے کے بعد ہی اپنے کمرے میں بلا لیا تھا۔ کل تو گھر پر نہ تھے۔ رات کو شاید دیر سے آئے تھے اس لیے زینت فاطمہ کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔

"اور اس نے اپنے اس ڈی ایس پی بیٹے کے لیے سیدہ اسما شاہ کا رشتہ بھی مانگ لیا۔ میں نے کہہ دیا ابرار شاہ بتا دے اسے کہ میں نے اپنی بچیوں کے رشتے کر دیے ہیں کہیں پھر نہ سر اٹھائے چلا آئے۔"

زینت فاطمہ نے یکدم چونک کر سر اٹھایا لیکن پھر شاہ جی کو اپنی طرف دیکھتے پا کر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

"ابھی تو ان لوگوں نے باقاعدہ رشتہ نہیں ڈالا۔ لیکن شاہ جی کہہ رہے ہیں کہ۔"

سید زینت فاطمہ نے سوچا۔

"یہ قائم شاہ اور حمنہ نے کیا کہیں سیدہ اسما کو دیکھا ہے یا ملے ہیں۔"

انہوں نے کھوجتی نظروں سے سیدہ زینت فاطمہ کو دیکھا۔ زینت فاطمہ نے نظریں نہیں اٹھائی تھیں لیکن انہیں لگا جیسے ان کے حلق میں کانٹے سے پڑ گئے ہوں بمشکل پھنسی پھنسی آواز میں بولیں۔

"معلوم نہیں شاہ جی کیا قامی نے ایسا کچھ کہا۔"

"ہاں۔۔۔ نہیں قامی نے تو کچھ نہیں کہا لیکن وہ ابرار شاہ بتا رہے تھے کہ اس کی بیوی کبھی کبھی لیکچر دیتی ہے اس کالج میں جہاں اسما شاہ پڑھتی ہیں۔ تو شاید وہاں دیکھا تھا اس نے سیدہ اسما کو اور جب پتا چلا کہ وہ شاہ پور کے سید مقیم علی شاہ کی بیٹی ہے تو پہچان لیا اس نے اسے تب ہی دل میں خواہش پیدا ہوئی اسے بہو بنانے کی۔"

سید مقیم علی شاہ بول رہے تھے اور ان کی نظریں زینت فاطمہ کو کھوج رہی تھیں اور زینت فاطمہ کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی نظریں ان کے وجود میں چھید کیے دے رہی ہوں۔

"ویسے سیدہ اسما نے ذکر تو کیا ہو گا تم سے کہ وہ اپنے چاچا کی بیوی سے ملی ہے۔ تم نے بتایا نہیں مجھے کبھی کہ وہ پڑھاتی ہے وہاں۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر لیکن سخت لہجے میں بول رہے تھے۔

"نہیں۔۔۔ نہیں شاہ جی اسما نے کبھی ذکر نہیں کیا مجھ سے شاید اسے معلوم ہی نہیں۔"

زینت فاطمہ کی نظریں بس ایک لمحے کو اوپر اٹھی تھیں۔

"تو جائیے پتا کیجیے سیدہ اسما سے کہ کتنی واقفیت ہے اس کی قائم علی شاہ کی بیوی سے۔"

"جی۔۔۔" زینت فاطمہ کھڑی ہو گئیں۔

"میں ابھی پوچھ کر آتی ہوں۔"

سید مقیم علی شاہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ پہلے کی طرح کمرے میں ٹہلنے لگے تھے۔

"اور اسی لیے۔۔۔۔ اس لیے منع کیا تھا قامی کو میں نے اور اب شاہ جی نہ جانے کہاں کہاں۔ ۔۔۔ گی میں گے۔"

"اسما۔۔۔ اسما۔" وہ گھبرائی گھبرائی سی اسما اور عظمیٰ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ عظمیٰ لیٹی ہوئی تھی اور اسما اس کا سر دبا رہی تھی۔ انہوں نے عظمیٰ کو بالکل نظر انداز کر دیا حالانکہ اس کی سوجی سوجی سرخ آنکھیں دیکھ کر ایک لمحے کو ان کا دل تڑپا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اسما کی طرف متوجہ ہو گئیں اور اسے شاہ جی سے ہونے والی ساری گفتگو بتا دی۔

"اب ہم اب کیا ہو گا پھپھو۔"

اسما کا رنگ زرد پڑ گیا۔

"تم کہہ دینا کہ حمنہ شاہ نام کی ایک ٹیچر لیکچر دیتی تو ہیں لیکن تم نہیں جانتیں وہ کون ہیں۔ ہاں پہلی بار جب انہوں نے کلاس لی تھی تو سب لڑکیوں نے تعارف کرایا تھا تو تم نے بھی اپنا مکمل تعارف کروایا تھا تب انہوں نے تم سے تمہارے گاؤں اور دادا جی اور شاہ جی کے نام پوچھے تھے۔"

اسما کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ عظمیٰ نے آنکھیں کھول کر زینت فاطمہ کو دیکھا۔

"سچ کہنے سے آپ اتنا ڈرتی کیوں ہیں پھپھو۔"

"تم چپ رہو عظمیٰ۔" انہوں نے اسے ڈانٹ دیا۔

"ویسے کہانی اچھی تخلیق کی آپ نے۔"

اس کے لبوں پہ طنزیہ سی مسکراہٹ ابھری۔

"عظمیٰ۔"

انہوں نے تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہ بات خود حمنہ بھابی نے ابرار لالا کو بتائی ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کہتیں تو اور کیا کہتیں کہ انہوں نے اسما شاہ کو کہاں دیکھا ہے۔"

"ان کے آنے کا کچھ فائدہ تو نہیں ہوا نا پھپھو۔"

عظمیٰ کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ اس نے یکدم آنکھیں بند کر لی تھیں۔

زینت فاطمہ تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئیں۔

سید قائم علی شاہ کمرے میں اسی طرح ہاتھ پیچھے باندھے ٹہل رہے تھے۔ انہیں اندر آتے دیکھ کر رک گئے اور سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔ زینت فاطمہ نے جو اسما شاہ کو کہا تھا وہی بتا دیا۔

"ہوں۔"

انہوں نے سر ہلایا۔

"میرا خیال ہے سیدہ اسما کو اس کالج سے نکال کر کسی اور کالج میں ایڈمیشن دلوا دیتے ہیں۔"

"شاہ جی چند دنوں بعد اس کے ایم بی بی ایس کے فائنل پیپرز ہونے والے ہیں۔ پھر کالج تو خود ہی چھوٹ جائے گا اور پھر بس ہاؤس جاب کرنا ہو گا۔"

زینت فاطمہ کو ان کی بات سن کر حیرت ہوئی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے کہ سیدہ اسما پیپرز دیں۔"

"شاہ جی اتنے سالوں کی محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ ڈاکٹر بننے کے لیے کتنی محنت کرنا پڑتی ہے اور اب آخر میں آ کر۔" زینت فاطمہ کا لہجہ دھیما تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے سیدہ زینت فاطمہ لیکن مجھے کوئی شوق نہیں تھا اسے ڈاکٹر بنانے کا یہ تو میں چاہتا تھا کہ وہ کچھ پڑھ لے۔ ڈاکٹر بنے پروفیسر بنے تاکہ اگر اسے تمہاری طرح زندگی گزارنی پڑے تو دل لگا رہے اس کا بھی۔۔۔ اب ہر کوئی

تمہاری طرح صابر تو نہیں ہوتا زینت فاطمہ کوئی ہماری خالہ بی کی طرح بھی ہوتا ہے بے صبرا تو ساری بات یہ تھی

زینت فاطمہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔ وہ ان کی اتنی لمبی بات سمجھ ہی نہیں سکی تھیں۔

"اب کیا پتا تھا ہمیں کہ ہماری بچیوں کے لیے سید گھرانوں سے ہم پلہ رشتہ آتا بھی ہے یا نہیں اظہار لالا کے بچے شادی شدہ۔ قاسی سے تعلق ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا سو ہم نے سوچا تھا کہ اگر سیدہ اسما شاہ اور عظمیٰ شاہ کی شادیاں نہ ہو سکیں تو کسی کام سے لگی رہیں گی تو دل بہلا رہے گا لیکن اب ایسا ڈر نہیں ہے۔ سید عبدالغفار شاہ کے دونوں بیٹے ہمیں پسند آئے ہیں اور ہم نے ایک طرح سے رشتہ طے کر دیا ہے یہ تو بس یونہی رسمی طور پر وہ آ رہے ہیں۔" "تو۔"

زینت فاطمہ جو چہرہ اوپر اٹھائے شاہ جی کی بات کو حیرت سے سن رہی تھیں بولیں۔

"تو آپ اسما شاہ اور عظمیٰ شاہ کو بتا دیں کہ مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ شاہ میر اور شاہ رخ واپس چلے جائیں گے آپ یہاں ہی رہیے گا۔"

"لیکن شاہ جی۔" زینت فاطمہ نے ڈرتے ڈرتے لب کھولے۔

"ہاؤس جاب بے شک نہ کرے لیکن امتحان تو دے لے صرف ایک دو ماہ کی بات ہے۔ کبھی زندگی میں ضرورت پڑ سکتی ہے اور۔"

تب ہی شاہ رخ اجازت لے کر اندر داخل ہوا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں پھپھو سے۔"

ان کا موڈ بہت خوش گوار تھا۔ سید قائم علی شاہ نے نظر بھر کر انہیں دیکھا اور پھر فوراً ہی نظریں جھکالیں۔ اللہ نے انہیں کتنا نوازا تھا۔ ماشاء اللہ تین کڑیل جوان بیٹے۔

"کچھ نہیں میں آپ کی پھپھو سے کہہ رہا تھا کہ اب بچیوں کی تعلیم ختم کر دی جائے۔ بہتر ہے کہ وہ اب حویلی میں ہی رہیں۔"

"لیکن شاہ جی' سیدہ اسما کے تو فائنل پیپرز ہونے والے ہیں۔"

شاہ رخ کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"لیکن نہیں جلد ہی اس کی شادی کر دینی ہے تو پھر کیا کرنا ہے۔ اسے محنت کر کے۔" انہوں نے بے نیازی سے کہا۔

"تو کیا شاہ جی کو کوئی شک ہے کہ وہاں۔" زینت فاطمہ نے سوچا۔

لیکن کسی نے شاہ جی کو بتا تو نہیں دیا کہ قاسی اور حسنہ بھابی سے ہم ملتے رہتے ہیں۔ وہ مضطرب سی خود ہی اپنے خیال کی نفی کر رہی تھیں۔

"نہیں بھلا شاہ جی کو کون بتائے گا۔ اصل بات تو وہی ہے شاہ جی کچھ دیر پہلے کہہ رہے تھے۔" شاہ رخ انہیں دلائل سے قائل کر رہا تھا۔

"دیکھیے شاہ جی ایک ڈاکٹر بنانے پر کتنا پیسہ خرچ ہوتا ہے پھر اسما نے کتنی محنت کی ہے راتوں کو جاگ جاگ کر۔ سے کتنا دکھ ہو گا کہ منزل پر پہنچ کر۔"

"اچھا بابا دے لے امتحان لیکن ہاؤس جاب وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور یہ سیدہ عظمیٰ کب تک ماسٹرز کر لیں گی۔"

"سات آٹھ ماہ ہیں اس کے فائنل ایگزام میں۔" شاہ رخ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میرا ارادہ تو دونوں کی شادی ایک ساتھ کرنے کا ہے۔"

"ہوں۔" شاہ رخ نے کچھ سوچتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

"یہ سید صاحب کے دونوں لڑکے بھی آ رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے نہیں۔ تم ایسا کرنا وہ لوگ ہو کر جائیں تو خود جا کر کراچی مل لینا۔ ویسے میں اور تمہاری بی بی جان بالکل مطمئن ہیں۔ لیکن شاہ زیب کے متعلق مجھے تم سے بات کرنا تھی۔ زارا مجھے کمزور سی لگی اور شاہ زیب لاپروا سا۔"

وہ یکدم زینت فاطمہ کی طرف مڑے۔

"شاہ زیب اور زارا بھی کل حویلی آ رہے ہیں آپ زارا سے پوچھیے گا کہ کیا مسئلہ ہے۔ کہیں شاہ زیب باہر تو دلچسپی نہیں لے رہا۔ مجھے اس کے رنگ ڈھنگ کچھ مختلف سے لگے۔ باہر کی حد تک تو ٹھیک ہے یہ نہ ہو کہ کل کسی کمی کمین کو بیوی بنا کر حویلی میں لا بٹھائے۔ زارا کو اچھی طرح کریدیے زینت فاطمہ۔"

اور زینت فاطمہ ان کی اس بات پر ایک بار پھر حیران رہ گئیں۔

"اور جاتے ہوئے ذرا اپنی بی بی جان کو بھیج دیجیے گا کچن میں ہوں گی۔"

زینت فاطمہ کھڑی ہو گئیں۔ شاہ رخ بھی ان کے ساتھ ہی باہر آئے تھے۔

"میں اسما اور عظمیٰ کی طرف جا رہا ہوں آپ بھی ادھر آجایئے گا۔"

زینت فاطمہ کچن کی طرف مڑیں تو شاہ رخ نے کہا اور جب زینت فاطمہ کمرے میں آئیں تو وہ عظمیٰ کے بیڈ پر اس کی کلائی تھامے بیٹھے تھے۔

"پھپھو یہ عظمیٰ کو تو ٹمپریچر ہے۔" انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں میں نے سیدہ اسما سے کہا تھا ٹیبلٹ دے دے اسے۔"

"ڈاکٹر سے مشورہ کر لوں۔" اس نے عظمیٰ کی کلائی چھوڑی۔

"سفر کی تھکن ہے اور پھر اسے وہاں لاہور میں ہی فلو تھا۔ ٹھیک ہو جائے گی۔"

زینت فاطمہ نے دانستہ عظمیٰ کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔

"اور آپ دونوں کو پتا ہے ابھی ابھی میں آپ کے لیے شاہ جی سے کیسی جنگ لڑ کر آ رہا ہوں اور اپنی بات بھی منوالی ہے۔" عظمیٰ کی آنکھیں یکایک چمک اٹھیں۔

"کیا۔" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

اور پھر شاہ رخ کی بات سن کر مایوسی سے سر تکیے پر رکھ دیا۔

"اور پتا ہے پھپھو آج ایک اور بڑی اچھی بات ہوئی میں یہی بتانے آپ کی طرف آ رہا تھا۔"

"کیا۔" زینت فاطمہ جو زارا کے متعلق سوچ رہی تھیں چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"آج شاہ بابا نے مجھے آواز دی۔ میرا نام لے کر مجھے پکارا۔ وہ چبوترے پر بیٹھے تھے۔ میں ان کی طرف دیکھے بغیر وہاں سے گزرا تو انہوں نے مجھے بلایا اور جب میں ان کے قریب گیا تو کتنی ہی دیر مجھے دیکھتے رہے پھر پوچھا۔"

"تم کس کے بیٹے ہو؟" جب میں نے شاہ جی کا نام لیا تو میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور قدرے خوفزدہ سے ہو گئے۔

"تم شاہ رخ ہو میرے پاس بچپن سے آتے ہو دعائیں کرواتے ہو مجھ سے اور تم کہتے ہو۔ تم سید مقیم علی شاہ کے بیٹے ہو نہیں تم اس کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔"

میں حیران سا کھڑا تھا وہ ایک دم چبوترے سے اترے اور تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اپنی کوٹھری میں چلے گئے اور دروازہ زور سے بند کر لیا۔

پھپھو ہے نا عجیب بات' میں جب بھی ان سے ملتا تھا ہر بار انہیں بتاتا تھا کہ میں شاہ رخ ہوں اور وہ ہر بار بھول جاتے تھے اب میں اتنے دنوں بعد حویلی آیا ہوں اور انہیں نہ صرف میرا نام یاد تھا بلکہ یہ بھی یاد تھا کہ میں بچپن سے ان کے پاس جا رہا ہوں۔ کاش' کاش شاہ جی مجھے شاہ بابا کو اپنے ساتھ لاہور لے جانے دیں۔"

زینت فاطمہ نے شاہ رخ کی بات سنی تو تھی لیکن کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ خاموش تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی عظمیٰ کو دیکھ رہی تھیں۔ جس کی آنکھیں اتنی بجھی بجھی اور ویران لگ رہی تھیں کہ ان کی طرف دیکھتے ہوئے

زینت فاطمہ کانپ جاتیں۔ زندگی جیسے اس کی آنکھوں میں مرگئی تھی۔ کیا بلند بخت کے بغیر یہ زندہ رہ لے گی۔ انہیں اس روز کی سنی ساری گفتگو یاد آئی تو انہوں نے گھبرا کر اس کے چہرے سے نظریں ہٹالیں اور کسی قدر خفگی سے کہا۔

"یہ کیا سر جھاڑ منہ پہاڑ پڑی ہو۔ اٹھو ہاتھ لے لو اور فریش ہو جاؤ۔ اسمٰی بہن کے کپڑے نکال کے دوا سے۔" عظمیٰ نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"زینت فاطمہ تم ادھر ہو۔" بی بی جان نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"جی بی بی جان۔"

"شاہ جی کہہ رہے ہیں کہ تم شاہ رخ کو ساتھ لے کر شہر چلی جاؤ اور کچھ ضروری شاپنگ کر آؤ۔ ان کی بات ہو گئی ہے کراچی انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ اتوار کو صرف ___ رسمی بات کرنے کے بجائے نکاح کر دیا جائے۔ عبدالغفار بھائی اور بھالی کو کوئی اعتراض نہیں ہے اس لیے اتوار کو اسما عظمیٰ کا نکاح ہے۔ تم میرے کمرے میں آجاؤ وہاں ہی لسٹ بنالو کہ کیا کیا منگوانا ہے۔" وہ بات کر کے دروازے سے ہی پلٹ گئیں۔

زینت فاطمہ نے مڑ کر اسما اور پھر عظمیٰ کی طرف دیکھا۔ عظمیٰ کا رنگ سفید ہو رہا تھا اور ہونٹ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ وہ لڑکھڑائی۔

"عظمیٰ۔" زینت فاطمہ نے اسے پکارا لیکن وہ یکدم لہرا کر نیچے گر گئی تھی۔ شاہ رخ اور اسما شاہ ایک ساتھ اس کی طرف لپکے۔

■■■

"ماہ تم تیار نہیں ہوئیں۔"

نرمل نے ماہ نور کو آنکھیں موندے لیٹے دیکھ کر پوچھا تو ماہ نور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے نہیں جانا روما تم سب چلے جانا میں ابا اور دادی کے ساتھ گھر پر ہی رہوں گی۔"

"اور عینا خفا نہیں ہو جائے گی تم سے دوست ہے تمہاری۔ تم اس کی مہندی میں شریک نہیں ہو گی۔"

"وہ خفا نہیں ہو گی۔"

"ماہ کیا بات ہے تم اداس لگ رہی ہو۔ بلکہ جب سے میں لاہور سے آئی ہوں تم بہت اداس اور پریشان دکھتی ہو۔"

"ہاں نہیں تو وہم ہے تمہارا۔" ماہ نور نے اس کی طرف نہیں دیکھا۔

"کیا خضر بھائی تم سے ناراض ہیں۔ صبح وہ ذرا سی دیر کو آئے اور چلے گئے ان کا موڈ خراب تھا۔ بلکہ کل مایوں کے فنکشن میں بھی ان کا موڈ صحیح نہیں لگ رہا تھا۔"

"نہیں وہ مجھ سے ناراض نہیں ہیں۔" ماہ نور نے اب بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

"ماہ یہ عینا ___ عینا نے کچھ اچھا نہیں کیا۔ اسفی بھائی کتنے اچھے ہیں۔" نرمل اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"جب انہیں اسفی بھائی سے شادی نہیں کرنا تھی تو انہیں خواب کیوں دکھائے تھے۔ کیوں اپنی محبتوں کا یقین دلایا تھا۔ ماہ کیا یہ محبتیں ایسی ہی ہوتی ہیں اتنی ہی ناپائیدار۔"

"پتا نہیں نرمل محبت ہر دل میں اس دل کے حساب سے ہی ہوتی ہے۔ کسی دل کے لیے محبت ایک کھیل ہے اور کسی دل کے لیے زندگی۔"

"عاطف بھائی کو آپ نے دیکھا ہے کیسے ہیں وہ۔" نرمل ماہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"دیکھنے میں خوب صورت اور اسمارٹ سے ہیں۔ میں نے علینہ کی منگنی کے فنکشن پر دیکھا تھا دور سے۔" ماہ نور نے بتایا۔

"کیا اسفر بھائی سے بھی اچھے ہیں۔"

"پتا نہیں میں نے موازنہ نہیں کیا۔ اسفر بھائی کی اپنی شخصیت ہے عاطف بھائی کی اپنی۔"

"اسفر بھائی بہت گریس فل لگتے ہیں بہت شاندار۔ ایک بار ہسپتال آئے تھے ناشبی کو لینے تو ڈاکٹر سبینہ کہہ رہی تھیں شبی سے کہ تمہارے بھائی کی شخصیت میں کتنا گریس ہے۔"

"ہاں لیکن بات تو عینا کے دل کی ہے نا۔" ماہ نور بھی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

"اور عاطف تو کسی کو بھی پسند نہیں آیا تھا نہ افضال ماموں کو نہ خضر لو۔"

"جس رشتے میں لڑکے اور لڑکی کے والدین شامل نہ ہوں ان کی رضامندی نہ ہو وہ بہت ناپائیدار ہوتا ہے علینہ۔" خضر نے علینہ کو سمجھایا تھا۔

"عاطف میں بظاہر کوئی خامی نہیں لیکن اس سے کہو وہ اپنے والدین کو راضی کرے۔"

"یہ ممکن نہیں ہے فی الحال۔ عاطف نے پہلے ہی یہ بات مما کو بتادی تھی۔"

اور سب کو علینہ کی ضد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔ افضال ماموں کو بہت دکھ تھا۔ انہوں نے بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ وہ اسفر اور علینہ کا رشتہ کریں گے۔ اسفر کے بات کرنے سے بھی پہلے جب اماں جان زندہ تھیں۔ تب سے لیکن سعدیہ نے سمجھایا تھا۔

"وہ ضد پر اڑی ہوئی ہے اس کی بات مان لینی چاہیے ہمیں۔" اور خود ان کا بھی خیال تھا کہ جب اولاد ضد پر اتر آئے تو بہتری اسی میں ہے کہ اس کی بات مان لی جائے۔

وہ نصیر احمد خان سے ملنے آئے تھے تو بہت دیر تک دکھ کا اظہار کرتے رہے تھے۔ خضر بھی ان کے آنے کے چند دن بعد آگیا تھا۔ خضر کے آنے سے وہ بہت خوش ہو گئی تھی ایک دم ہلکی پھلکی۔ کتنے بہت سارے مسائل تھے جو اسے خضر سے ڈسکس کرنے تھے۔

کتنی بہت ساری باتیں تھیں جو اسے تھکائے جارہی تھیں اب خضر آگیا تھا تو وہ اس سے سب کچھ کہہ سکتی تھی لیکن آتے ہی پہلے تو وہ علینہ کے مسئلے میں الجھ گیا اور پھر علینہ کی منگنی اور ساتھ ہی شادی کی تیاری۔ اس روز وہ بہت تھکی ہوئی تھی ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے اس لیے جلد ہی لیٹ گئی تھی۔ دادی نے دو بار آکر اس سے پوچھا تھا کہ اس کی طبیعت ٹھیک ہے وہ کیوں جلدی لیٹ گئی ہے۔ تو اس نے انہیں تسلی دی تھی۔

"بس دادی آج آفس میں کام بہت زیادہ تھا بہت تھک گئی ہوں جلد سو جاؤں گی۔" اس نے انہیں تسلی دی لیکن نیند اس کی آنکھوں سے بہت دور تھی۔

آفس میں کام تو مشکل نہ تھا اس نے بہت جلد سب سمجھ لیا تھا لیکن پچھلے دو تین ماہ سے شاہ زیب شاہ کا رویہ اسے الجھا رہا تھا۔ کبھی تو وہ یوں ہی بے مقصد اسے آفس میں بلا لیتے اور بے کار کی باتیں کرتے رہتے۔ ایک دو بار انہوں نے اسے باہر کھانے کی دعوت بھی دے ڈالی تھی۔ اس نے معذرت کر لی تھی۔ لیکن شاہ زیب شاہ کی مہربانیاں بڑھتی جارہی تھیں اور آج جب انہوں نے اپنے آفس میں بلایا تو وہ بہت وارفتگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مس خان بیٹھیں پلیز۔"

"جی سر۔" وہ بیٹھ گئی۔

"کون سی فائل دوں۔"

کل انہوں نے اسے کچھ فائلز لانے کو کہا تھا سو ان کے بلانے پر وہ فائلز اپنے ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔

"مس خان آپ کے بھائی کا کیس کہاں تک پہنچا ہے۔"

"جی۔" اس نے حیران ہو کر انہیں دیکھا تھا۔

"آپ نے تو نہیں بتایا مس لیکن ہمیں اپنے ورکرز کے ہر معاملے کی خبر رکھنا ہوتی ہے۔ بہرحال میں نے آپ کو اس لیے بلایا تھا کہ اس سلسلے میں اگر کسی مدد کی ضرورت ہو تو بتایئے گا مجھے۔"

"جی جی نہیں کیس چل رہا ہے۔"

"بہرحال مجھے آپ کے گھریلو حالات جان کر افسوس ہوا آپ کو کسی مدد کی ضرورت ہو میرا مطلب ہے مالی مدد تو

اس نے دراز کھول کر چیک بک نکالی۔

"نو۔۔۔ نو سر ایسا کچھ مسئلہ نہیں ہے۔" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"سروہ فائل۔"

"ہاں وہ حامد انٹرپرائز کی فائل یہاں رکھ جائیں اور۔" اس نے بات نامکمل چھوڑ کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"مس خان آپ پریشان لگ رہی ہیں۔ ہم آپ کے اپنے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ یہاں سب ورکرز ہمارے لیے ایک خاندان کی طرح ہیں اور ان کے مسائل شیئر کرنا ان کی پریشانیاں دور کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"جی تھینک یو سر۔" اس نے تھوک نگل کر بمشکل جواب دیا تھا۔

"لیکن مجھے ایسی کوئی پریشانی نہیں۔"

"اوکے آپ جاسکتی ہیں۔"

وہ اپنے کیبن میں آگئی تھی۔ اس کے بعد شاہ زیب نے اسے نہیں بلایا تھا بلکہ وہ جلد ہی آفس سے اٹھ گیا تھا۔

"آپ لنچ کرنے نہیں گئیں۔ میں لنچ کے لیے جا رہا ہوں۔ آیئے آپ بھی آجائیں۔"

"سوری سر وہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" اس نے معذرت کر لی تھی۔

شاہ زیب نے بھی دوبارہ نہیں کہا تھا۔ لیکن کچھ تھا جو اسے الجھا رہا تھا۔ پریشان کر رہا تھا۔ اسے یہ جاب چھوڑ دینا چاہیے۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا۔ اسے شاہ زیب کی نظروں سے خوف آنے لگا تھا۔ اسکول میں گرمیوں کی چھٹیاں تھیں اور مسز مراد ان دنوں اپنے بھائی کے پاس گئی ہوئی تھیں۔ ان کی بھتیجی کی شادی تھی ورنہ وہ ان سے اپنا مسئلہ ضرور ڈسکس کرتی۔ اسے مسز مراد پر بہت بھروسہ تھا۔ ان دنوں وہ خود بھی کتنی کمزور سی ہو گئی تھیں اور کس قدر پریشان رہنے لگی تھیں۔

"اچھا ہے مسز مراد آپ بھائی کے پاس جا رہی ہیں تو کچھ دن وہاں رہ لیں۔ اسکول میں بھی چھٹیاں ہیں اور آپ کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔ ماحول بدلنے سے۔"

"مجھے یہ جاب چھوڑ ہی دینا چاہیے۔" بستر پر لیٹے لیٹے اس نے سوچا تھا لیکن اس سے پہلے کوئی نئی جاب تلاش کر لوں وہ ڈیفنس میں جس اکیڈمی کا بتایا تھا مسز مراد نے وہاں پڑھا کرتی ہوں۔ لیکن میرے پاس تو مسز مراد کے بھائی کا فون نمبر بھی نہیں ہے۔ حالانکہ جانے سے پہلے وہ اس سے ملنے آئی تھیں اور انہوں نے بتایا تھا کہ شاید وہ یہ چھٹیاں وہاں ہی گزار لیں۔ اور انہوں نے کہا بھی تھا کہ وہ اس سے وہاں کا نمبر لے لے۔ لیکن وہ نمبر لینا بھول ہی گئی۔ وہ منوں کے متعلق باتیں کرتے ہوئے چلی گئی تھیں۔

گواہیاں ہو گئی تھیں۔ منوں کے حق میں صرف ایک لڑکا تھا جس نے گواہی دی تھی کہ جھگڑا منصور کا نہیں ہوا تھا بلکہ دوسرے دو لڑکوں کے درمیان تھا اور منصور نے تو انہیں چھڑانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ جھگڑے سے پہلے سے ہی وہاں موجود تھا۔ لیکن وہ یہ بات پورے یقین سے نہیں بتا سکا تھا کہ گولی کس نے چلائی تھی مخالف وکیل کے دلائل نے اسے پزل کر دیا تھا۔ ولید مایوس سا تھا۔

"اور کبھی کبھی بے گناہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں ماہ۔۔۔ لیکن کیوں؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"

"ابا سے کچھ مت کہنا اور نہ اماں سے۔" اس نے ولید سے التجا کی تھی جب ولید نے اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔

اور بڑے لوگ کیسے غریب اور کمزور لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ وہ کئی دن تک پریشان رہی تھی لیکن وہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتے تھے اور منوں وہ تو جیسے ہر خوف سے بے نیاز ہو گیا تھا۔ اس نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔

"اگر اللہ کو میری رہائی منظور ہوئی تو میں رہا ہو جاؤں گا ماہ اور اگر نہیں تو ابا اماں اور دادی سے کہنا وہ اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کر لیں ہر فیصلہ۔"

وہ جاب کے متعلق سوچتے سوچتے منصور کے متعلق سوچنے لگی تھی اور پتا نہیں منوں کا کیا ہوگا۔ خضر بھی تو یہاں نہیں ہے اور ولید آج کی پیشی سے اتنا مایوس تھا۔ کیا وکیل نے بھی مایوسی کا اظہار کر دیا ہے۔ وہ خضر کے

متعلق سوچنے لگی تھی۔ اب تو یوں لگ رہا تھا جیسے خضر کو دیکھے صدیاں بیت گئی ہوں۔ پتا نہیں خضر بھی مجھے اتنا ہی یاد کرتا ہے جتنا میں۔ اس نے کبھی فون پر بتایا تو نہیں تھا۔ کبھی کسی بے چینی بے تابی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی تھی اور پھر زوبی اور دانی کی آواز آئی۔

"خضر بھائی آئے ہیں۔"

وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ دل دھڑ دھڑ کرنے لگا تھا۔

"آپی ادھر ہیں۔" دانی بتا رہا تھا۔

"ابا اور دادی اور شاید اماں بھی نماز پڑھ رہے ہیں۔" زوبی نے اطلاع دی تھی۔

"اچھا۔" خضر کی آواز میں جھکار تھی۔

"تو پہلے پھر تمہاری آپی کی طرف چلتے ہیں۔ جاگ رہی ہیں نا۔" خضر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں وہ ادھر ہیں اس کمرے میں۔" ماہ نور جلدی سے دوپٹا لے کر بیڈ سے اتر آئی۔ تب ہی خضر نے اندر قدم رکھا۔"

"السلام علیکم۔" خضر کی نظریں اس کے چہرے کی طرف اٹھیں تو پھر پلٹنا بھول گئیں۔

"کیسی ہو ماہ۔" اس کی آواز ماہ کو بوجھل سی لگی۔

"تم کچھ کمزور نہیں ہو گئی ہو۔" وہ قریب آیا تو ماہ نور کی پلکیں لرزنے لگیں۔

"آپ کیسے ہیں۔" ماہ نور کو پتا نہیں کیوں آج جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

"میں اچھا ہوں۔ لیکن ماہ تم بہت یاد آتی رہی ہو ایک لمحہ کے لیے بھی تمہارا تصور جدا نہیں ہوا۔"

وہ بیٹھتا ہوا بولا تو ماہ نور بھی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ کتنی ہی دیر تک اسے دیکھتا رہا پلکیں رخساروں پر پھیلی شفق۔

"آج دوپہر ایک بجے آیا ہوں۔" اس نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔

"پہلے سوچا کل آؤں گا لیکن یہاں اس شہر میں آکر صبر نہیں ہو سکا اور بھاگا چلا آیا حالانکہ مما کہہ رہی تھیں کہ انہیں ضروری بات کرنا ہے۔" وہ وارفتگی سے اسے تک رہا تھا۔

اس عرصہ میں شدت سے مجھے احساس ہوا ہے ماہ کہ تم میرے لیے کتنی ضروری ہو۔ یار تم تو میری رگ رگ میں لہو بن کر دوڑتی ہو۔ سوچ رہا ہوں اب جانا پڑا تو تمہیں رخصت کروا کے ساتھ ہی لے جاؤں گا کیوں ٹھیک ہے

وہ کچھ نہ کہہ سکی تھی ابھی اس وقت وہ بھلا اس سے کہتی بھی تو کیا۔ وہ جانتا تو تھا سب کچھ ابھی کہاں۔ ابھی تو منوں کا کچھ پتا نہیں تھا نرل کا ہاؤس جاب مکمل نہیں ہوا تھا، وہ یہاں آجاتی تو اور وہ تو جیسے ہمیشہ کی طرح اس کے دل میں اتر کر دیکھ رہا تھا۔

"تم پریشان کیوں ہو گئی ہو ماہ کیا میں نہیں جانتا سب تھوڑی دیر کو خوش تو ہو لینے دو یار۔ ویسے صرف نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔" وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"رخصتی جب تم کہو گی تب کم از کم دھڑلے سے اپنے جذبات کا اظہار تو کر سکوں گا کیوں ٹھیک ہے نا۔"

اور تب بے اختیار ہی مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری تھی۔

"شکر ہے اتنی دیر میں پہلی بار تم مسکرائیں تو۔ منوں کے کیس کے متعلق ولید سے سب تفصیل معلوم ہوتی رہتی ہے تم اپنا بتاؤ کیسا چل رہا ہے تمہارا اسکول۔"

"اسکول کی جاب تو میں نے چھوڑ دی تھی۔" ماہ نور نے یکدم ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔

"کب۔۔۔ تم نے مجھے بتایا تک نہیں اور کیا کر رہی ہو آج کل۔"

اس کے چہرے پر پریشانی سی نظر آئی۔

"کیسے چل رہا ہے سب۔ نے مجھے اتنا غیر سمجھ لیا تھا ماہ نور۔ کیا میں یہ سمجھوں کہ میرے دور چلے جانے سے ہمارے درمیان فاصلے پیدا ہو گئے ہیں۔" اس نے گلہ کیا۔

"اتنی اجنبیت ماہ۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے خضر، میں نے کبھی آپ کو دور نہیں سمجھا۔" ماہ نور نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"ان دنوں آپ سے بات نہیں ہو پا رہی تھی پھر بعد میں میں نے سوچا کہ شاید عینا نے آپ کو بتا دیا ہو۔" اس نے وضاحت کی۔

"اور بعد میں بھی کب آپ سے زیادہ دیر بات ہوتی تھی اور پھر کوئی مسئلہ بھی تو نہیں ہوا فوراً" ہی جاب مل گئی۔"

"خیر اس بات پر میں پھر کبھی تم سے لڑائی کروں گا۔ آج کے دن میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ اتنے دنوں بعد ملے ہیں تو کچھ اچھی اچھی باتیں کریں۔" وہ فوراً" ہی نارمل ہو گیا تھا۔

"ہاں یہ بتاؤ جاب کیوں چھوڑی اور اب کہاں جاب کر رہی ہو۔"

اس نے مختصراً" ساری بات بتا دی۔ وہ کم از کم خضر سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی اور نہ چھپانا چاہتی تھی۔

"لیکن ـــــ ماہ نور آفس جاب میں تو بہت پرابلمز ہوتے ہیں۔ پھر پتا نہیں چلتا کس آفس کا ماحول کیسا ہے؟"

"مجموعی طور پر تو وہاں کا ماحول اچھا ہی ہے لیکن باس ــــ آئی مین ان کی کچھ باتیں مجھے ڈسٹرب کر دیتی ہیں۔"

"مثلاً" کیا؟" خضر نے پوچھا۔

"مثلاً" میرے گھریلو معاملات میں دلچسپی لینا ہر طرح کی مدد کی آفر۔"

"اوہ چلو دیکھتے ہیں۔" خضر نے ہونٹ سکیڑے۔

"اگر کوئی بات تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہے تو تم ریزائن دے دو۔"

"میں بھی سوچ رہی ہوں۔"

"خضر بھائی ابا نماز پڑھ چکے ہیں۔"

"اچھا میں انکل سے مل لوں۔" خضر کھڑا ہوا تو ساتھ ہی وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو ماہ۔" اسے خاموش دیکھ کر نرمل نے پوچھا۔

"ہاں کچھ نہیں۔" وہ چونکی۔

"ماہ ــــ" نرمل نے بغور اسے دیکھا۔

"مجھے بتاؤ تمہیں کیا پریشانی ہے۔"

"میں تمہاری بہن ہوں اور ننھی بچی بھی نہیں ہوں اب، جسے تم پہلے ٹال دیا کرتی تھیں۔ جناب ایک ذمہ دار ڈاکٹر ہوں۔" ماہ نور ہولے سے مسکرا دی۔

"ہاں اللہ نظر بد سے بچائے ایک خواب کو تو تعبیر ملی۔ ابا بہت خوش ہیں اماں اور دادی بھی۔"

"اللہ کا شکر ہے! ماہ تم موضوع بدلنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے آئے ہوئے تقریباً" دو ماہ ہونے والے ہیں اور میں نے دیکھا ہے تم اکثر پریشان رہتی ہو۔ مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کرو شاید ہم دونوں مل کر اس پریشانی کا کوئی حل ڈھونڈ لیں۔"

"ہاں ایسی کوئی خاص پریشانی نہیں ہے رو ما بس ہر لمحے منوں کا خیال آتا ہے۔ اتنا عرصہ گزر گیا ہے اور اب پتا نہیں کیا فیصلہ ہو گا۔ شاید اگلی یا اس سے اگلی پیشی پر فیصلہ سنا دیا جائے۔"

نرمل بھی کچھ دیر کو خاموش ہو گئی تھی۔

"خضر بھائی نے منوں کو بتایا میرے ڈاکٹر بن کر واپس آنے کا۔"

کچھ دیر بعد نرمل نے پوچھا۔

"تم نے کہا تھا تو بتا دیا ہو گا۔"

ماہ نور نے جواب دیا۔ نرمل واپس آگئی تھی حالانکہ حمنہ خالہ نے بہت کہا تھا کہ وہ وہاں ہی جاب کر لے۔ جس پرائیویٹ ہاسپٹل میں وہ جاب کرتی تھیں وہاں ایک لیڈی ڈاکٹر کے چلے جانے سے سیٹ خالی ہوئی تھی۔

"اچھا ہے چندا دونوں اکٹھی جایا کریں گی۔"

لیکن وہ وہاں نہیں رہنا چاہتی تھی اسے واپس آنا تھا۔ یہاں کراچی میں ماہ نور اکیلی سارا بوجھ کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کا بھی تو کچھ فرض تھا نا۔

"تمہارے چلے جانے سے گھر بے رونق ہو جائے گا۔"

حمنہ خالہ بہت افسردہ تھیں شاہ رم شجاع اور قاضی انکل سب ہی اداس تھے۔

"بس اب آپ جلدی سے شاہ رم اور شجاع بھائی کی شادی کر کے ان کی دلہن گھر لے آئیں تو رونق ہو جائے گی۔"

"شجی بھائی کا تو ارادہ نہیں لگتا شادی کرنے کا ابھی ــــ اور میں مجھے ابھی تک کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آئی۔"

شاہ رم نے سر کھجایا تھا۔ سب نے ہی اسے روکا تھا۔ حمنہ خالہ نے اماں سے بھی بات کر لی تھی۔

"یہاں تنخواہ بہت اچھی ہے۔"

انہوں نے طیبہ خاتون کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ کچھ کچھ قائل بھی ہو گئی تھیں لیکن نرمل نے جانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ وہ شجی سے بھی تو دور جانا چاہتی تھی۔ اسے لگتا تھا اگر وہ وہاں رہی تو کسی روز شجی کے سامنے ہار جائے گی۔ لیکن وہ ایسا نہیں چاہتی تھی جو مبشر چاہتا تھا۔ ورنہ وہ سب سچ ہو جاتا جو مبشر کے طلاق دے دینے کے بعد غزالہ اور اس کی فیملی نے کہا تھا اور ایسے میں وہ ساری زندگی کسی سے نظر نہ ملا سکتی تھی۔ عذرا خالہ کیا سوچتیں انعم اور سمن کیا کہتیں اور پھر اماں "ابا" دادی "اسے اپنی عزت بہت پیاری تھی اپنی محبت سے بھی زیادہ سو وہ چلی آئی تھی اور آتے ہی اس نے کراچی کے ایک دو ہسپتالوں میں درخواست دے دی تھی۔ پھر خضر نے بھی کہا تھا کہ وہ کوشش کرے گا اس کی جاب کے لیے۔ اس کا ارادہ پبلک سروس کمیشن کا امتحان دینے کا بھی تھا گورنمنٹ جاب کے لیے۔

"ایک دفعہ میری جاب ہو گئی تو پھر میں ماہ نور کو منع کر دوں گی جاب کرنے سے، کتنا تھک گئی ہیں آپی اور اب انہیں آرام کرنا چاہیے۔ بلکہ کتنا اچھا ہو کہ اب ان کی شادی کر دی جائے۔"

اس نے مسکرا کر ماہ نور کی طرف دیکھا۔

"ماہ میں سوچ رہی ہوں جیسے ہی مجھے جاب ملتی ہے تم جاب چھوڑ دو۔ اب خضر بھائی کو مزید انتظار مت کراؤ۔"

جاب تو اسے چھوڑنی ہی تھی اور اس کے لیے اس نے ہفتہ بھر پہلے نوٹس بھی دے دیا تھا۔

"کیوں مس خان آپ نے یہ جاب اچانک چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔"

شاہ زیب شاہ کو حیرت ہوئی تھی۔

"یہاں کوئی پرابلم؟"

"نہیں میرا کوئی گھریلو پرابلم ہے میں مزید جاب جاری نہیں رکھ سکتی۔"

"اوکے مس لیکن آپ سوچیے گا اتنی اچھی جاب آپ کو اور کہیں نہیں ملے گی اگر پے کم ہے تو بڑھا دیتے ہیں۔"

"نہیں سر پے کا مسئلہ نہیں ہے مجھے میری اہلیت سے زیادہ مل رہی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ اتنی پے جو مل رہی ہے وہ بھی ڈیزرو نہیں کرتی۔" "آپ کیا ڈیزرو کرتی ہیں مس خان آپ جانتی ہی نہیں ــــ" اس نے ایک بے حد گہری نظر اس پر ڈالی تھی۔

"خیر اگر آپ کا ارادہ بدل جائے تو آپ نوٹس واپس لے سکتی ہیں۔ ابھی ایک ماہ تو بہر حال آپ کے پاس ہے نا سوچنے کے لیے۔"

لیکن خضر ــ ان دو ہفتوں میں اسے بے حد الجھا الجھا نظر آیا تھا۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ وہ علینہ کی وجہ سے الجھا ہوا ہے لیکن اب جب علینہ کی منگنی ہو چکی تھی اور شادی بھی طے ہو گئی تھی۔ اس کا رویہ ہنوز ایسا ہی تھا۔ دو تین بار جب بھی ملاقات ہوئی اس کی خضر سے وہ اسے الجھا ہوا لگا اور پھر اس نے زیادہ بات بھی نہیں کی تھی اس سے ـــ نہ اس کی جاب کے متعلق نہ ریزائن کے متعلق۔ وہ یکدم ہی اجنبی اجنبی لگنے لگا تھا۔ صرف دو ہفتے میں ایسا کیا ہو گیا تھا۔ یہ بات اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کیا سعدیہ آنٹی نے کچھ کہا اور کیا؟

کل رات مایوں کے فنکشن میں اس کا موڈ کتنا خراب تھا وہ ندا کے ساتھ کھڑی تھی جب خضر کو اس نے انتہائی خراب موڈ میں وہاں سے گزرتے دیکھا تھا اور پھر بے اختیار اس کے پیچھے گئی تھی۔

"خضر کیا بات ہے۔"

"کچھ نہیں جاؤ تم۔" اس نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی تھی۔ اور آگے بڑھ گیا تھا۔

وہ وہاں ہی کھڑی رہ گئی تھی۔ اپنی پوری زندگی میں اس طرح اس لہجے میں تو کبھی بات نہیں کی تھی خضر نے پھر اور رات کو جب ولید انہیں چھوڑنے آرہا تھا تو اس نے خضر کو باہر ندا کی گاڑی کے پاس کھڑے دیکھا تھا ندا گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ کچھ کہہ بھی رہی تھی لیکن ماہ نور نے سنا نہیں خضر کی پیٹھ اس کی طرف تھی۔ وہ جلدی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"ولید بیٹا آپ جائیں ہم ڈرائیور کے ساتھ چلے جائیں گے۔" طیبہ خاتون نے ولید کو منع کیا تھا۔

"تھک جاؤ گے۔"

"لیکن پپا نے کہا تھا کہ میں خود جاؤں آپ کے ساتھ۔"

دو تین گاڑیاں مع ڈرائیورز کے انہوں نے ہائر کر رکھی تھیں تاکہ مہمانوں کے آنے جانے میں پرابلم نہ ہو۔

خضر نے ولید کی آواز سن کر مڑ کر اسے دیکھا تھا لیکن ان کی گاڑی کی طرف نہیں آیا تھا۔

"ٹھیک ہے ولید بیٹا آپ جاؤ۔"

"کیا خضر ندا سے ...... اور ندا خوب صورت بھی تو بہت ہے۔ اور پھر کتنی دولت مند ہے۔ سعدیہ آنٹی اور علینہ کو بھی پسند ہے۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی گھل گئی۔

صرف دو ہفتوں میں خضر، ندا سے متاثر ہو گیا۔ ندا ان دنوں علینہ کی شادی کے سلسلے میں تقریباً روز ہی علینہ کے پاس آرہی تھی۔

"روما تم جاؤ کپڑے وغیرہ استری کر لو۔ میرا خیال ہے آج تو لاہور سے بھی مہمان آجائیں گے۔ تم لوگوں کو دیر نہ ہو جائے۔"

ماہ نور نے اپنے خیالات سے باہر آتے ہوئے زرل سے کہا۔

"ہاں اریج کا فون آیا تھا۔ حسنہ خالہ، شاہرم اور رفاقی انکل آرہے ہیں۔ ماموں جان کے گھر سے عذرا خالہ، مدثر اور انعم آپی آرہی ہیں۔"

"سمن اور شبی نہیں آرہے کیا۔"

"شبی تو گھر پر نہیں ہوتا، بتایا تو تھا میں نے آپ کو اور اسفر بھائی ان کا دل نہیں چاہتا ہو گا۔"

زرل افسردہ ہو گئی۔ تب ہی باہر سے دادی نے آواز دی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو پھر آپ کو نہیں جانا۔"

"نہیں۔"

■■■

دونوں بازوؤں کا تکیہ بنائے سر کے نیچے رکھے مبشر آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہا تھا جب دروازے پر بیل ہوئی۔ مبشر نے آنکھیں کھول کر پہلے کلائی موڑ کر وقت دیکھا پانچ بج رہے تھے وہ ہاسپٹل سے تین بجے گھر آیا تھا اور تب سے یونہی لیٹا ہوا تھا۔ دو گھنٹے گزر گئے تھے اور اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا اور ایسا کئی روز سے ہو رہا تھا وہ یونہی بیٹھے بیٹھے کھو جاتا گم ہو جاتا۔ زندگی نے اس کے ساتھ جو مذاق کیا تھا اسے اس کی سمجھ نہیں آئی تھی۔ پہلے ابا جان نے غزالہ کو زبردستی اس کی زندگی میں شامل کیا اور پھر۔ بیل دوبارہ ہوئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر اسفر تھے تھکے تھکے اور نڈھال سے۔ اندر آکر انہوں نے اپنا لیپ ٹاپ ٹیبل پر رکھا اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ سیدھے آفس سے ادھر ہی آرہے تھے۔

"کیسے ہیں آپ اور گھر میں سب خیریت سے ہیں۔"

"ہاں۔" اسفر نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاں گھر میں ابا جان، سمن اور روما ہی ہیں باقی سب تو کل کراچی چلے گئے۔"

"کیوں خیریت۔" مبشر نے کئی دنوں سے نہ تو گھر فون کیا تھا اور نہ ہی اس کی اسفر یا مدثر سے ملاقات ہوئی تھی۔ پہلے ہفتہ بھر تو وہ اپنے دوست ڈاکٹروں کے ساتھ مری اور نتھیا گلی وغیرہ گیا ہوا تھا۔ وہاں سے آیا تو بخار نے گھیر لیا آج وہ گھر فون کرنے کا سوچ رہا تھا۔

"ہاں شادی ہے۔"

"کس کی۔" مبشر نے پوچھا۔

"علینہ کی۔"

"کیا۔" مبشر چونکا۔

"کہاں ہو رہی ہے۔" بے اختیار ہی اس کے لبوں سے نکلا۔

"پتا نہیں شاید علینہ کی کسی دوست کے ہاں۔" ان کے لہجے میں یکدم ہی تھکن اتر آئی تھی۔ مبشر نے بغور انہیں دیکھا۔ پتا نہیں کیوں ایک دو بار اسے گمان گزرا تھا کہ اسفر بھائی علینہ کو پسند کرتے ہیں۔ اسفر نگاہیں نیچے کیے پتا نہیں کیا سوچ رہے تھے، باوجود بے تکلفی کے وہ اسفر سے نہیں پوچھ سکتا تھا کہ کیا وہ علینہ کو پسند کرتے تھے۔ کچھ دیر بعد اسفر نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"تم کب آئے مری سے میں نے ایک چکر لگایا تھا تمہارا فلیٹ لاک تھا۔"

"دو تین روز ہوئے ہیں، آتے ہی بخار ہو گیا تھا شاید تھکاوٹ کی وجہ سے۔"

"تو تم مجھے فون کر دیتے۔" اسفر یکدم پریشان سے ہو گئے تھے۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔"

"اب تو ٹھیک ہی ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"یہاں اکیلے فلیٹ میں بخار کے ساتھ پڑے رہے اور بتایا تک نہیں تم نے کیا اجنبی سمجھتے ہو ابھی تک۔"

اسفر کو افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں نہیں اسفی بھائی ایسی بات نہیں ہے معمولی ٹمپریچر تھا اس لیے آپ کو پریشان نہیں کیا۔" وہ شرمندہ ہو گیا تھا اسفر بھائی کتنا خیال رکھتے تھے اس کا اور کتنی محبت کرتے تھے اس سے جب وہ گھر سے نکلا تھا تو بہت دلگرفتہ ہو رہا تھا کبھی تو جی چاہتا کہ بس زندگی ختم کر لے ابا جان نے اس کی بات کو سمجھنے کی زحمت ہی نہ کی تھی۔ کتنا کمپرومائز کیا تھا اس نے غزالہ کے ساتھ۔ انہوں نے غزالہ کی ہر غلطی کو معاف کر دیا تھا اور اسے ...... اسفر بھائی تب گھر پر نہ تھے۔ لیکن جوں ہی وہ آفس سے گھر آئے تھے اور انعم سے انہیں اس کے جانے کا پتا چلا تھا تو وہ انہیں قدموں اس کے پاس آئے تھے۔

"تم گھر سے کیوں چلے آئے شبی۔" "ابا جان کا حکم تھا۔"

"دو چار دن میں ابا جان کا غصہ اتر جاتا۔ تمہیں نہیں آنا چاہیے تھا چلو اٹھو میرے ساتھ گھر چلو۔"

"ابا جان نے کہا تھا آئندہ انہیں اپنی شکل نہ دکھاؤں۔"

"شبی یار چلو کچھ دن رہ لو لیکن اس طرح کوئی گھر نہیں چھوڑتا۔ مجھے بھی تو ابا جان نے کتنی بار کہا ہے کہ یہاں نہیں رہنا چاہتے تو چلے جاؤ یوں والدین کے غصہ کرنے پر کوئی گھر چھوڑتا ہے۔" لیکن اس نے تو سوچ لیا تھا کہ اب وہ گھر نہیں جائے گا۔ مگر اسفر نے اسے قائل کر ہی لیا تھا۔

"امی جان کی خاطر سمن اور انعم کے لیے تم ابا جان سے معافی مانگ لینا لیکن ابھی نہیں۔ دو چار روز میں تمہیں لے جاؤں گا میں اپنے ساتھ تب تک ان کا غصہ اتر چکا ہو گا۔"

اور تب وہ خاموش ہو گیا تھا اسے بھی جب سے وہ آیا تھا امی، سمن اور انعم کے آنسو بے چین کر رہے تھے حتی

کہ خاموش طبع سا مدثر بھی جو کم بولتا تھا۔ بس اپنے آپ میں مگن رہتا تھا۔ پڑھائی اور کمپیوٹر دو ہی دلچسپیاں تھیں اس کی وہ بھی جب گیٹ پر اسے اللہ حافظ کہہ رہا تھا تو اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں تب مبشر نے بے اختیار اسے گلے لگا لیا تھا۔

"مدثر مجھ سے ملتے رہنا یار۔" اور مدثر نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ ابا جان سے بہت خفا تھا انہوں نے اس کا موقف سمجھا ہی نہ تھا لیکن میاں صلاح الدین اس سے زیادہ اس سے خفا تھے۔ اسفر نے جب ان سے درخواست کی کہ وہ مبشر کی اس غلطی کو معاف کر دیں اور اسے گھر آنے کی اجازت دیں تو وہ غصے سے چلا اٹھے تھے۔

"ہرگز نہیں اسفر میاں یہ غلطی معمولی سی نہیں ہے گھر آسانی سے نہیں بستے اور نہ ہی شادی بیاہ کوئی کھیل ہوتا ہے کہ یوں لمحوں میں بندھن توڑ دیا جائے۔"

حاجی صاحب نے اور ان کی بیگم نے اچھی طرح ان کے کان بھر دیے تھے۔

اسفر نے اپنی سی کوشش کی تھی۔ لیکن میاں صلاح الدین کے فیصلوں میں لچک نہیں ہوتی تھی کبھی بھی نہیں۔

"آپ یونہی ابا جان سے امید لگائے بیٹھے ہیں اسفر بھائی۔ میں انہیں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔" ایک روز جب اسفر نے اسے ابا جان کے متعلق بتایا تو مبشر نے افسردگی سے کہا تھا۔

"آپ پلیز اب بار بار ابا جان سے نہ کہیں میرے متعلق ورنہ وہ آپ سے بھی ناراض ہو سکتے ہیں۔"

اور اسفر نے اسے تنہا نہیں چھوڑا تھا۔ ہر لمحہ اس کے ساتھ ہی تھے۔ اگر طلاق کو قانونی شکل دینے میں ان کی مدد شامل تھی تو حمنہ خالہ کے گھر بھی وہ اسے زبردستی لے گئے تھے اور وہاں ہی اس کے جانے کے بعد وہ امی جان اور انعم سمن کو ملانے لائے تھے اس سے لیکن اس نے وہاں حمنہ خالہ کی انیکسی میں رہنا مناسب نہیں سمجھا تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے معاملے سے نرمل کے لیے کبھی کوئی مسئلہ بنے اور پھر یہ فلیٹ لینے میں بھی اسفر نے ہی مدد کی تھی۔ اس کے پاس تو اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ ایڈوانس دے سکتا۔ وہ کسی چھوٹے بچے کی طرح ہی اس کا خیال رکھتے تھے۔ فون تو روز ہی کرتے تھے اور ہر دوسرے تیسرے دن خود بھی چکر لگاتے تھے اگر اس طرح اسفر بھائی اس کا خیال نہ رکھتے تو وہ تو شاید پاگل ہی ہو جاتا۔ یہاں اس فلیٹ میں بھی کئی بار وہ سمن، انعم اور امی جان کو اس سے ملوانے کے لیے لائے تھے۔ مدثر بھی مہینے میں ایک دن چکر لگا جاتا تھا لیکن پھر بھی رات کو جب وہ بستر پر لیٹتا تو آنکھیں بھر آتیں بچپن سے لے کر اب تک زندگی کے واقعات آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلتے رہتے۔ ابا جان بھی اسے بے حد یاد آتے تھے۔ اپنی تمام تر سخت مزاجی اور ڈکٹیٹر شپ کے باوجود انہوں نے کبھی کسی مقام پر کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی تھی اسے۔

"خیر اب تو جو ہوا سو ہوا بیماری میں انسان کو اکیلا نہیں رہنا چاہیے۔ طبیعت زیادہ بھی خراب ہو سکتی ہے۔" اسے خاموش دیکھ کر اسفر نے کہا تو وہ چونکا۔

"کمزور بھی کس قدر ہو رہے ہو شبی میں رات کو تمہیں سمن سے سوپ اور یخنی بنوا کر دے جاؤں گا۔" وہ شفیق نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں اسفی بھائی ایسی کوئی خاص کمزوری نہیں ہے۔ اور آپ آفس سے سیدھے ادھر ہی آ رہے ہیں نا۔"

"ہاں سمن نے بھی تاکید کی تھی کہ تمہارا پتا کرتا آؤں تم سیل فون بھی اٹینڈ نہیں کر رہے تھے۔"

"وہ تو مری میں ہی کہیں گر گیا تھا۔" اس نے بتایا۔

"ہاں تب ہی تو۔ ہم پریشان ہو رہے تھے۔"

"اسفر بھائی آپ فریش ہو جائیں تو میں کھانا لگاتا ہوں۔"

"نہیں یار بھوک نہیں ہے۔" انہوں نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا دیا

"مجھے تو بھوک لگ رہی ہے اور میں نے بہت زبردست جنجر چکن بنایا ہے۔"

"کیا۔۔۔ تم نے۔" وہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"جی کچھ دنوں سے کوکنگ شروع کر دی ہے۔ ہوٹلوں کے کھانے کھا کھا کر دل اوب گیا ہے۔"

"لیکن تم۔۔۔ تمہیں بھلا کہاں کچھ پکانا آتا ہے۔" اسفر ابھی تک حیران ہو رہے تھے۔

"سر پر پڑے تو سیکھ ہی جاتا ہے بندہ سب کچھ اور پھر ٹی وی چینل زندہ باد۔" وہ مسکرایا۔

"چلیں اٹھیں آپ بلکہ باتھ لے لیں اتنے میں میں کھانا لگاتا ہوں۔ میرا کوئی سوٹ لے لیں۔" وہ محسوس کر رہا تھا کہ اسفر بہت بکھرے بکھرے سے لگ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک حزن سا ٹھہرا ہوا تھا۔

"نہیں یار موڈ نہیں باتھ لینے کا۔ بس منہ ہاتھ دھو لیتا ہوں۔"

"اتنی گرمی ہے باہر فریش ہو جائیں گے۔" اس نے ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھایا اور وارڈروب سے ایک سفید کاٹن کا ہینگ کیا ہوا سوٹ نکال کر انہیں دیا۔

"بڑے سگھڑ ہو گئے ہو شبی۔" وہ زبردستی مسکرائے۔

"جب زندگی یوں ہی گزارنا ہے تو پھر سگھڑ تو ہونا ہی پڑے گا۔" دل کے اندر درد سا اٹھا تھا۔

"زندگی ہمیشہ یوں ہی تو نہیں گزر سکتی شبی۔ زندگی کو کہیں نہ کہیں سے تو پھر شروع کرنا ہی پڑتا ہے۔ تم نے جاب تو کر ہی لی ہے۔ ذرا اس جاب میں سیٹ ہو جاؤ تو میں امی جان سے بات کرتا ہوں۔ کہ وہ نرمل کے لیے بات کریں خالہ جان سے۔"

ایک لمحہ کے لیے مبشر کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔

"نہیں۔۔۔" بے اختیار اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"کیوں۔" اسفر کو اس کے رد عمل سے حیرت ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ شاید مبشر نرمل کو پسند کرتا ہے۔

"میں جتنا نرمل کو جانتا ہوں میرے خیال میں وہ تمہارے لیے اچھی رفیق زندگی ثابت ہو گی۔ حمنہ خالہ بھی بہت تعریف کرتی ہیں پھر وہ تمہاری ہم پیشہ بھی ہے۔ بہر حال اگر تمہیں کوئی اور پسند ہو تو۔"

انہوں نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی وہ یکایک بہت بے چین نظر آنے لگا تھا۔

"نہیں ایسا نہیں ہے۔" ایک بار پھر اس نے بے اختیار کہا تھا۔ "میں کسی کو پسند نہیں کرتا۔"

"تو ٹھیک ہے امی جان کراچی سے آ جائیں تو میں ایک بار پھر ابا جان سے بات کرتا ہوں اگر وہ مان جاتے ہیں تو ٹھیک، نہیں تو حمنہ خالہ تو ہیں نا۔۔۔ ان سے کہہ کر کراچی بات کی جا سکتی ہے ساری صورت حال بتا کر۔" اب کے مبشر نے بے حد سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے فی الحال شادی نہیں کرنا کسی سے بھی نہیں۔ آپ کسی سے بھی بات مت کریں اور نرمل کا تو نام بھی مت لیجیے گا وہ پہلے ہی بہت پریشان ہے۔ جس طرح غزالہ نے اس کا نام لیا ہے۔"

نرمل نے جانے سے پہلے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"شبی مجھے اپنی عزت اور وقار بہت عزیز ہے۔۔۔ تمہارے دل میں میرے لیے جو کچھ ہے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے دل میں تمہارا جو مقام ہے وہ بھی تم جانتے ہو لیکن کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا کہ لوگ انگلیاں اٹھائیں اور غزالہ کا کہا سچ ہو جائے۔ اس سارے معاملے میں غزالہ کتنی قصوروار تھی اور تم کتنے یہ صرف تم جانتے ہو لوگ نہیں اور اگر ماموں جان نے میرے اور تمہارے حوالے سے ابا اور اماں سے کوئی بھی بات کی تو میں تو اسی روز مر جاؤں گی شبی۔ میرے والدین پہلے ہی بہت دکھی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ انہیں مزید دکھ پہنچے۔"

اور وہ ایسا کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے نرمل کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے۔ وہ نرمل سے کتنی محبت کرتا تھا اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن وہ جب بھی اس کے متعلق سوچتا تو ذہن میں ایک تلخ سا ابھرتا وہ یہ کہ وہ

اور نرمل کبھی الگ تھے نہیں وہ عرصہ پہلے سے اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ وہ اسے اتنا جانتا ہے جتنا خود کو۔

جب سے اسے آگہی ہوئی تھی کہ وہ نرمل کی محبت میں ڈوب چکا ہے اسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہر لمحہ اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ صبح کو، دوپہر کو رات کو نیند میں ہنستے ہوئے روتے ہوئے اداسی میں خوشی میں لیکن وہ نہ تو اس کے حالات کی جبین پر کوئی شکن دیکھنا چاہتا تھا اور نہ ہی اس کے ذہن میں کوئی تکدر لانا چاہتا تھا۔ سو اس نے جاتے سے نرمل سے کہا۔

"روما آج مجھے اعتراف کرنے دو کہ تم میری جان اور روح میں ڈھل چکی ہو تمہارا دل بہت خوب صورت ہے تم میرا سرمایۂ حیات ہو۔ مجھے غم نہیں کہ تمہاری رفاقت میرا مقدر نہیں۔ میرے احساسات صرف تمہاری محبت کے احساس سے ہی خمار آلود ہیں۔ تم دور رہ کر بھی میرے پاس رہو گی روما میرا دل تمہارے وجدان کی مقدس دیوار سے ہر وقت لپٹا ماتھا رگڑتا رہے گا۔ ہماری کمیونیکیشن کبھی ختم نہیں ہو گی لیکن میں اپنے سارے جذبوں کو یوں چھپا دوں گا کہ اس کی آنچ تم تک نہ پہنچے میں ایک ایسے گناہ کی سزا بھگت رہا ہوں جو میں نے نہیں کیا۔ لیکن روما تم مجھے خود سے محبت کرنے سے منع نہیں کر سکتیں۔ میں تمہیں یونہی ساری زندگی اپنے دل کی کتاب میں لفظ لفظ لکھتا رہوں گا۔ تم شاید ایک خوب صورت لمحہ تھیں صبا کا ہلکا سا جھونکا کسی ستارے کی ابھرتی روشنی۔ تم نے جو کیا ہے وہی صحیح ہے میں قسم کھاتا ہوں کہ تمہارے لیے میرے دل میں ذرا سا بھی ملال نہیں ہے۔ میں تو تمہارا ممنون ہوں تم نے اس وقت میرے دل پر اپنے لفظوں سے مرہم رکھا جب میرے چاروں طرف اندھیرا اور گھٹن تھی اگر تم اس وقت اپنے نرم اور مرہم لفظوں کے پھائے میرے دل پر نہ رکھتیں تو شاید یہ اندھیرے مجھے نگل جاتے۔"

نرمل نے تب بھی کچھ نہیں کہا تھا وہ اسی طرح خاموشی سے آنسو بہاتی رہی تھی۔

"لیکن میری جان! زندگی یوں کیسے گزرے گی تم تنہا..... اکیلے سب سے الگ اس فلیٹ میں جہاں کوئی بھی اپنا نہیں کوئی تو ہو شبی جو..." انہوں نے اسے یوں ہی خاموش کھڑے دیکھ کر پھر کہا۔

"سنا ہے غزالہ کی شادی ہو گئی ہے اپنے اسی خالہ زاد بھائی سے تو پھر تم کیوں سزا بھگتو۔"

"یہ سزا میں نے خود اپنے لیے تجویز کی ہے اسفر بھائی۔"

ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔

"لیکن میں ہی کیوں اسفی بھائی آپ کیوں نہیں پہلے ابا جان نے میرے لیے جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ ایک الگ بات تھی لیکن اب تو یقیناً" پہلے آپ کی شادی ہونا چاہیے۔"

"میری۔" اسفر یوں چونکے جیسے مبشر نے کوئی انہونی بات کہہ دی۔

"میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔" انہوں نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"شاید کبھی نہیں۔" ان کا انداز حتمی تھا۔

"لیکن کیوں اسفر بھائی۔" مبشر کو ان کے اس حتمی انداز پر حیرت ہوئی تھی۔

اب وہ مبشر کو کیا بتاتے کہ ان کی اولین محبت نے انہیں مار ڈالا تھا۔ ابھی تو عینا کے دیے غم کے کانٹے ان کے دل میں چبھتے تھے۔ کاش وہ اسے دل و دماغ سے نکال سکتے۔ لیکن انہیں لگتا تھا یہ ممکن نہیں اور علینہ کی محبت دل میں بسا کر کسی اور کو زندگی میں شامل کر لینا..... یہ منافقت وہ نہیں کر سکتے تھے۔ عینا کی بے وفائی نے جو نشان ان کے دل پر ڈالے تھے وہ بہت گہرے اور درد آمیز تھے۔

"بس یونہی۔" سوالیہ نظروں سے اپنی طرف تکتے مبشر کی طرف انہوں نے دیکھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میں شادی شدہ زندگی کے تقاضے نبھا نہیں پاؤں گا۔"

"لیکن بھائی..." مبشر نے کچھ کہنا چاہا تو انہوں نے ٹوک دیا۔

"اس وقت تو میں تمہاری بات کر رہا تھا تم غور کرنا سوچنا۔ میں سوچتا ہوں باہر جانے سے پہلے تمہیں سیٹ کر دوں تم اور انعم تم دونوں کو"

"آنی کے لیے جو رشتہ آیا تھا اس کا کیا بنا۔" مبشر نے سب کچھ بھول کر پوچھا۔

"وہ لوگ دوبارہ نہیں آئے ابھی تک انعم انہیں پسند تو بہت آئی تھی۔ اور وہ لوگ بھی بہت اچھے ہیں۔ لڑکا ڈاکٹر ہے حسنہ خالہ کے ہاسپٹل میں ہی کام کرتا ہے۔ میں نے حسنہ خالہ سے کہا ہے کہ وہ انہیں آنی کے نکاح اور طلاق کا بتا دیں تاکہ بعد میں کوئی پرابلم نہ ہو ایسی باتیں چھپائی تو جا نہیں سکتیں جب کہ ابا جان کا اصرار ہے کہ انہیں کچھ نہ بتایا جائے۔"

"ابا جان تو..." مبشر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"وہ تو چاہتے ہیں کہ ہم سب ان کی ڈکٹیٹ کی ہوئی زندگی جئیں اور اگر انکار کریں گے تو مجرمانہ سلوک شروع ہو جائے گا۔ جیسا انہوں نے سمن کے ساتھ کیا اور جیسا میرے ساتھ۔"

"ہاں لیکن اس معاملے میں امی جان نے انہیں قائل کر ہی لیا ہے اور حسنہ خالہ نے شاید انہیں بتا دیا ہے سب۔"

وہ واش روم کی طرف بڑھے۔

"او کے شبی تم کھانا لگاؤ میں ہاتھ لے کر آتا ہوں۔"

■■■

"پھپھو۔" سیدہ اسما نے ان کے پاس بیٹھتے ہوئے آہستگی سے انہیں بلایا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"تم آج کالج نہیں گئیں اسی۔"

"نہیں ہم فارغ ہو گئے ہیں بس ایک ہفتہ بعد فائنل پیپرز ہو رہے ہیں۔"

"اور عظمیٰ..... کیا وہ بھی نہیں گئی یونیورسٹی۔" انہوں نے پوچھا۔ رات وہ دیر تک جاگتی رہی تھیں طبیعت پر بہت بوجھ تھا اور نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی صبح کے قریب کہیں آنکھ لگی تھی اس لیے ابھی کچھ دیر پہلے ہی اٹھی تھیں اور ابھی اپنے کمرے میں ہی تھیں۔ ورنہ ناشتا وہ سب اکٹھا ہی کرتے تھے اور وہ اپنے سامنے عظمیٰ اور اسما کو یونیورسٹی بھجواتیں۔

"ہاں میں نے تو بہت کہا لیکن اس کا موڈ ہی نہیں بنا۔"

"میرو اور شارو چلے گئے۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی پھپھو شاہ رخ بھائی نے ہی منع کیا تھا آپ کو جگانے سے۔"

"وہ کہہ رہے تھے شاید رات آپ کی طبیعت کچھ خراب تھی دیر تک آپ کے کمرے کی لائٹ جلتی رہی تھی۔"

"ہاں رات نیند نہیں آ رہی تھی۔" انہوں نے آہستگی سے کہا۔

اور یہ ایک رات ہی نہیں کئی راتوں سے وہ صحیح طرح سے سو نہیں سکی تھیں۔ جب سے حویلی سے آئی تھیں تب سے بے چین تھیں اور اپنی بے چینی کا سبب خوب ہی انہیں سمجھ میں آ رہا تھا۔ کہیں کچھ بھی تو نیا نہیں تھا۔ وہی سب جو برسوں سے وہ دیکھتی چلی آ رہی تھیں۔

شاہ جی کا وہی غصہ۔

بی بی جی کا وہی غرور اور طنطنہ۔

یہاں پہلے کب کسی کو حسبِ آرزو ملا تھا۔ تو اب عظمیٰ اسما کو وہی مل جاتا جس کی انہیں چاہ تھی۔ عظمیٰ پر نکاح کی خبر نے جس طرح اثر کیا تھا اس نے ایک لمحہ کے لیے تو جیسے ان کا دل بند کر دیا تھا پھر وہ بھی بے قرار ہو کر اس کی طرف بڑھی تھیں۔ شاہ رخ نے اسے اٹھا کر بیڈ پر ڈالا تھا اور گھبرا کر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ... یہ اسے کیا ہوا اچانک۔"

زینت فاطمہ تو دوپٹے کے پلو سے اس کی ہتھیلیوں کو رگڑ رہی تھیں سیدہ اسما شاہ نے ذرا کی ذرا پلکیں اٹھائی تھیں۔

"ابھی آپ کو بتایا تو ہے کچھ دنوں سے بخار ہو رہا تھا شاید ویک نیس ہو گئی ہے۔"

"وہاں لاہور میں آپ نے مجھے بتایا بھی نہیں سیدہ اسما۔" شاہ رخ نے گلہ کیا۔

"ہاں وہ فلو تھا اسے تو ہلکی سی حرارت ہو گئی تھی۔" اسما نے بتایا۔
"اب ٹھیک ہے نہانے گئی ہے۔ طبیعت فریش ہو جائے گی۔"
"حرارت میں نہانے بھجوا دیا۔۔۔ زینت فاطمہ تم نے بھی منع نہیں کیا۔"
"بی بی جان باتھ لینے سے کچھ نہیں ہو گا اسے تھکن اور فلو سے ٹمپریچر تھا۔" اسما نے وضاحت کی
"خیر نئے زمانے کی نئی باتیں۔" وہ زینت فاطمہ کی طرف مڑیں۔
"زینت فاطمہ تم تیار نہیں ہوئیں اور۔۔۔"
"جی وہ شاہ رخ نے دو گھنٹے تک جانے کے لیے کہا ہے اسے شاید کسی سے کام تھا کوئی۔ اونچی حویلی گیا ہے اور میں آ ہی رہی تھی آپ کی طرف کیا کیا خریدنا ہے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"میں چاہ رہی تھی چونکہ نکاح کا فنکشن ہے تو جو لوگ آ رہے ہیں کراچی سے ان سب کے جوڑے ہو جائیں۔ اچھے سے۔"
"کون کون آئے گا۔" زینت فاطمہ نے پوچھا۔
"ان کے گھر کے افراد ہی ہوں گے صرف۔ دونوں لڑکے 'عبدالغفار بھائی۔ ان کی بیگم دونوں بیاہی بیٹیاں اور داماد اور اگر اس کے علاوہ کوئی ہوا تو وقت کے وقت کچھ جوڑے تو گھر سے بھی نکالے جا سکتے ہیں۔"
"جی۔"
"اور میں چاہ رہی تھی دونوں لڑکوں کے لیے گھڑیاں بھی لے لی جائیں اور دو دو جوڑے ان کے وہ تو خیر شاہ رخ اپنی پسند سے لے لے گا۔ اس کی پسند بہت اچھی ہے۔ میں شاہ جی سے پوچھتی ہوں اگر وہ اجازت دیں تو اسما کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ نئے زمانے اور نئے فیشن کے کپڑوں کی سمجھ ہو گی اسے۔"
"جی بہتر۔"
"ابھی تو کچھ اور ذہن میں نہیں آ رہا کہ کیا ضرورت ہو گی مزید۔۔۔ شاہ جی بھی کچھ کہہ رہے تھے۔ تم آؤ تو مشورہ کر لیتے ہیں۔"
بی بی جان باہر نکل گئیں تو اسما نے ہولے سے ان کا بازو چھوا۔
"پھپھو پلیز میں نہیں 'میں نہیں جاؤں گی۔" آپ خود ہی لے لیجیے گا جو لینا ہے۔" اس نے یکدم رخ موڑ لیا۔ ضبط گریہ سے آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔ زینت فاطمہ نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔
شاہ رخ کے ساتھ شہر جا کر انہوں نے بی بی جان اور شاہ جی کی ہدایت کے مطابق ساری شاپنگ کر لی تھی۔ لیکن ان کا دل بہت بجھا بجھا سا تھا۔ بار بار عظمیٰ اور اسما کے چہرے نگاہوں کے سامنے آ جاتے۔ کاش کاش قاسمی اور رضی سے ملاقات نہ ہوتی۔ کاش بلند بخت کے سامنے جانے کی اجازت نہ دی ہوتی انہوں نے۔ لیکن اب غلطی تو ہو گئی تھی اور اسما تو صابر ہے۔ سمجھ دار ہے لیکن عظمیٰ جذباتی بھی ہے اور تھڑدلی بھی کچھ کر نہ بیٹھے کہیں۔
یہ خیال ہی انہیں پوری جان سے لرزا دیتا تھا۔ شاہ رخ نے بھی ان کی بے چینی کو نوٹ کیا تھا۔
"کیا بات ہے پھپھو آپ کچھ پریشان اور الجھی الجھی لگ رہی ہیں۔"
"کچھ نہیں یوں ہی قاسمی کا خیال آ رہا ہے اور حمنہ کا بھی ۔۔۔ کتنی آرزو تھی انہیں کہ وہ اسما کو۔"
"انہوں نے کوشش کر تو لی پھپھو آپ صحیح کہتی تھیں کہ شاہ جی کبھی نہ مانیں گے اور آپ قاسمی چاچو اور مجھ سے زیادہ جانتی ہیں شاہ جی کو۔۔۔" شاہ رخ بھی اداس ہو گیا تھا۔
"تم سے کچھ کہا شاہ جی نے قاسمی کے متعلق۔"
"نہیں مجھ سے ذکر تک نہیں کیا انہوں نے ورنہ میں۔"
"نہیں 'نہیں تم کچھ بھی مت کہنا شارو کچھ بھی نہیں۔"

"وہاں ہی کسی ڈاکٹر سے مشورہ کر لیتے۔"
"میں نے میڈیسن دے دی تھیں معمولی ٹمپریچر تھا اب تو۔۔۔ بس کمزوری تھی۔ وہاں تو صرف فلو کی وجہ سے ہی تھا۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہ تھی۔"
"عظمیٰ۔۔۔ عظمیٰ۔" اسما کی بات کا جواب دیے بغیر شاہ رخ اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے اسے پکارنے لگے۔
اسما شاہ بھی اسے ہولے ہولے پکار رہی تھیں۔
"عظمیٰ عظمیٰ آنکھیں کھولو۔ میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔" شاہ رخ اٹھ کھڑے ہوئے۔
تب ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور خالی خالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
"عظمیٰ کیا ہوا تھا گڑیا۔" شاہ رخ پلٹ گئے۔
"شاید چکر آ گیا تھا۔" اس نے آہستگی سے جواب دیا۔
"یہ کہیں ڈائٹنگ وغیرہ کا چکر تو نہیں چل رہا تھا۔" وہ مسکرائے تو نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔
"نہ 'نہ لیٹی رہو۔" شاہ رخ نے منع کیا اور سیدہ اسما سے پوچھا۔
"کیا ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"
"میرا خیال ہے نہیں۔ میں نے بتایا ہے نا آپ کو کہ صرف ویک نیس ہے۔ بخار تھا اور اس نے کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔"
"خیر آدھی بلکہ پونی ڈاکٹر تو تم بھی ہو ان کے لیے سوپ وغیرہ بنوا لو۔"
"جی شاہ رخ بھائی میں نے صبح کچن میں یخنی کے لیے کہلوا دیا تھا۔"
"اوکے۔" وہ زینت فاطمہ کی طرف مڑے۔
"پھپھو آپ بی بی جان سے تفصیل پوچھ لیں۔ گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا تک نکلتے ہیں۔" اور انہوں نے سر ہلاتے ہوئے عظمیٰ کی طرف دیکھا تھا جس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور بے دردی سے نچلا ہونٹ کچل رہی تھی۔
"پھپھو۔۔۔ پھپھو پلیز۔" شاہ رخ کے جاتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور زینت فاطمہ کے ہاتھ پکڑتے ہوئے التجا کی۔
"آپ 'آپ منع نہیں کر سکتیں کیا بی بی جان کو شاہ جی کو کہ وہ میرا نکاح نہ کریں۔"
"پاگل ہو گئی ہو عظمیٰ۔" اسما نے اسے جھڑکا۔
"پاگل نہیں ہوئی لیکن ہو جاؤں گی۔" اس نے آنسو بھری آنکھوں سے سیدہ اسما کی طرف دیکھا۔
"میں تمہاری طرح نہیں ہوں اسمی اور تمہاری طرح نہیں ہو سکتی کبھی بھی نہیں۔ میں دل پر جبر کر کے ساری زندگی منافقت نہیں کر سکتی۔ میں۔۔۔"
"چپ کرو عظمیٰ۔" زینت فاطمہ نے خوفزدہ ہو کر دروازے کی طرف دیکھا۔
"کیوں سارے دروازے بند کر دینا چاہتی ہو۔۔۔ کیوں مار دینا چاہتی ہو خود کو اور سب کو۔ شاہ جی کے کان میں بھنک بھی پڑ گئی کہ تم نکاح سے انکار کر رہی ہو تو جانتی ہو اس حویلی سے باہر قدم نہیں رکھ سکو گی اس لمحے کے بعد؛"
"تو اب کون سے دروازے کھلے ہیں پھپھو۔" اس کے لہجے میں تلخی تھی۔
"دم گھٹ رہا ہے میرا۔ مر جاؤں گی میں پھپھو سچ کہہ رہی ہوں مر جاؤں گی میں۔"
آنسو اس کے رخساروں پر بہہ آئے تو زینت فاطمہ نے یکدم اسے گلے لگا لیا۔ وہ ان کے گلے لگی کتنی ہی دیر تک روتی رہی اور سیدہ اسما شاہ ہونٹ کچل کچل کر اپنے آنسو پینے کی کوشش کرتی رہیں۔
"مت کرو ایسا عظمیٰ مت کرو ایسا کچھ کہ ہم سب کے لیے جینا مشکل ہو جائے اپنے آپ کو سنبھالو۔"
"یہ شاہ رخ کیا کہہ رہا ہے کہ عظمیٰ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"
اور زینت فاطمہ نے شکر کیا کہ وہ عظمیٰ کے واش روم جانے کے بعد آئیں۔

انہوں نے ان کی بات کاٹ دی تھی اور پھر اپنی اور شاہ جی کی گفتگو مختصراً انہیں بتادی تھی۔

"جو بات ممکن ہی نہیں ہے شارو اس کے لیے کوشش کرنا بے کار ہے۔ تمہاری کوئی بھی کوشش شاہ جی کو مشکوک کر سکتی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ وہ اسما اور عظمیٰ کے متعلق کچھ بھی غلط سوچیں۔"

اور شاہ رخ سوچ میں پڑ گئے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"پھپھو کیا سیدہ اسما بھی شجاع میں انٹرسٹڈ ہیں۔"

"شجاع بہت اچھا لڑکا ہے۔" انہوں نے گول مول سا جواب دیا۔

"اسما بہت سمجھ دار ہے۔" تب شاہ رخ خاموش ہو گئے تھے لیکن ان کی پیشانی پر لکیریں تھیں۔

"پھپھو شاہ جی اتنے سخت دل کیوں ہیں کہ اپنے خون تک کی محبت سے منکر ہو چکے ہیں اور قاسم چاچو کوئی غیر نہیں سگے بھائی ہیں ان کے اور پھر شجاع ..... اگرچہ میں نے عبدالغفار شاہ کے بیٹوں کو نہیں دیکھا۔ شاہ جی نے انہیں منتخب کیا ہے یقیناً وہ اچھے ہوں گے لیکن شجی سے اچھے تو نہیں ہوں گے وہ۔"

اور زینت فاطمہ کے پاس اس کی بات کا جواب نہیں تھا۔ رات کو جب وہ تھکی ہاری حویلی پہنچی تھیں تو بی بی جان سے مل کر اور سامان ان کے حوالے کر کے وہ اپنے کمرے میں آگئی تھیں ان کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اسما، عظمیٰ کے پاس جائیں۔ وہ عظمیٰ کی آنکھوں میں پھیلا کرب اور اسما کی بے بسی برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ رات کے نہ جانے کس پہر انہیں نیند آئی تھی۔ صبح فجر کی نماز پڑھ کر انہوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو آنسو ان کی پھیلی ہتھیلیوں پر گرنے لگے تھے۔

"یا اللہ عظمیٰ اور اسما کے دل کو صبر عطا کر عظمیٰ کو حوصلہ دے۔" دعا مانگ کر وہ اٹھی تھیں اور قرآن شریف کو جزدان سے نکالا ہی تھا کہ بی بی جان کمرے میں داخل ہوئیں۔

"خیریت بی بی جان۔"

وہ یکدم گھبرا گئیں سب سے پہلا خیال جو ان کے دل میں آیا تھا وہ عظمیٰ کا تھا۔

"یا اللہ خیر۔"

انہوں نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ بی بی جان یوں اس وقت تو کبھی ان کے کمرے میں نہیں آئی تھیں عموماً شاہ جی کے باہر مردانے میں جانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے نکلا کرتی تھیں۔

"زینت فاطمہ کراچی سے فون آیا ہے شاہ زیب کا کہ عبدالغفار بھائی کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ آج صبح چار بجے، بیمار تو وہ کافی عرصے سے تھیں۔"

"اوہ۔" انہوں نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا۔

"میں اور شاہ جی کراچی جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے جانا تو ہے۔ شاہ جی نے کہا ہے شاہ رخ سے کہ وہ سیٹ بک کروا لے فون کر کے۔ ہم انشاءاللہ قل کے بعد آجائیں گے۔ تم اور بچیاں تب تک حویلی میں ہی رہنا۔ چھٹیاں تو ہیں ناں ان کی ..... شاہ میر کی پڑھائی کا اگر حرج ہو رہا ہو تو وہ چلا جائے گا شاہ رخ کے ساتھ۔"

"اور نکاح۔" انہوں نے احمقوں کی طرح پوچھا تھا۔

"سٹھیا گئی ہو زینت فاطمہ۔" بی بی جان نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا تو وہ شرمندہ سی ہو گئیں۔

"عبدالغفار بھائی کی والدہ فوت ہوئی ہیں کوئی غیر نہیں۔ چالیسویں تک تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بعد میں بھی دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں میرا نہیں خیال کہ اب سال سے پہلے وہ کوئی تقریب کریں۔ ان کے ہاں ایسا ہی ہوتا تھا پہلے کہ کوئی موت ہو جاتی تو سال بھر کوئی خوشی نہیں مناتے تھے۔ نہ گھر میں پینٹ ہوتا نہ عید کے تہواروں پر نئے کپڑے پہنے جاتے اور نہ ہی کسی عزیز رشتہ دار کے ہاں کسی خوشی کی تقریب میں شرکت کی جاتی تھی۔"

"یہ تو اللہ سے جھگڑے والی بات ہوئی بی بی جان۔" بے اختیار ہی ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

"ہاں پر برسوں سے ہی رواج چلا آ رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اب کچھ آگاہی ہوئی ہو۔ بہرحال یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ ابھی تو میں جانے کی تیاری کروں۔"

"واپس آتے ہوئے زارا کو ساتھ لے آیئے گا لگتا ہے مدت ہو گئی ہے اس سے ملے ہوئے۔"

"ہاں کہوں گی شاہ زیب سے کچھ دنوں کے لیے یہاں بھیج دے۔ اسے بھی تو آج آنا تھا۔ تیاری کر رکھی ہو گی۔"

بی بی جان واپس چلی گئیں تو زینت فاطمہ نے ایک کمینی سی خوشی محسوس کی لیکن پھر خود ہی شرمندہ سی ہو گئیں۔

"یہ بھلا میں کیوں خوش ہو رہی ہوں۔" انہوں نے خود کو ڈپٹا۔ لیکن یہ بالکل نیچرل تھا کہ چلو وقتی طور پر ہی سہی عظمیٰ اسما ایک ناپسندیدہ تعلق سے بچ گئی تھیں۔ لیکن پھر ایک دن ..... پھر افسردہ ہو گئی تھیں۔ عظمیٰ اور اسما کو پتا چلا تو بالکل ایسے ہی تاثرات ابھرے تھے ان کی آنکھوں اور چہرے پر وہ عظمیٰ کی طرف دیکھ رہی تھیں جس کی آنکھیں یکدم چمک اٹھی تھیں لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر پہلے ایسی ہی بجھی بجھی لگنے لگی تھیں۔

"پھپھو۔" اسما نے جو بار بار ان کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی اور کچھ کہنے سے جھجک رہی تھی ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکیں۔

"وہ ..... " اسما کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح اپنی بات کرے۔

"ہاں کہو اسما بیٹا کیا بات ہے۔" زینت فاطمہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"پھپھو ..... وہ میں آپ سے عظمیٰ کے متعلق بات کرنا چاہتی ہوں۔" بالآخر اس نے ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات مکمل کر لی۔

"کیا ..... " انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھپھو وہ عظمیٰ۔" وہ جھجکی۔ لیکن پھر اس نے ہمت کر کے کہہ ہی ڈالا۔

"وہ بلند بخت سے محبت کرنے لگی ہے۔ پھپھو وہ کہتی ہے کہ وہ کسی اور سے کبھی بھی شادی نہیں کرے گی حالانکہ بلند بخت نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی کبھی بھی نہیں پھپھو بلکہ جب انہیں پتا چلا کہ عظمیٰ انہیں ..... تو انہوں نے بہت سمجھایا اسے اور اسی لیے وہ جاب چھوڑ کر واپس اسلام آباد چلے گئے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ جاب نہ چھوڑتے تو انہیں اپنی کمپنی کی طرف سے ہائر ایجوکیشن کے لیے اسکالرشپ ملنے والا تھا۔"

"تو اب وہ کیا چاہتی ہے۔"

زینت فاطمہ نے اس انکشاف پر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"وہ کہتی ہے کہ بلند بخت اس کا نصیب نہیں تو وہ کسی اور کا نصیب بھی نہیں بنے گی وہ کہتی ہے کہ آپ بی بی جان کو یہ بتا دیں نہیں تو وہ خود ہی کہہ دے گی ان سے سب۔"

"لیکن ابھی تو نکاح نہیں ہو رہا نا۔" زینت فاطمہ نے اسما کی طرف دیکھا۔

"مگر پھپھو ایک دن ہو گا ہی ایک ماہ، دو ماہ، تین ماہ بعد ..... کبھی تو۔ کبھی تو ہو گا نا اور وہ کہتی ہے اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو وہ زہر کھا لے گی۔"

"سیدہ اسما شاہ سمجھاؤ اسے دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔"

زینت فاطمہ نے کس قدر بلند آواز میں کہا تب ہی ملازم نے آ کر بتایا۔

"جی وہ مہمان آئے ہیں اسلام آباد سے بلند بخت صاحب اور ان کے والدین۔"

"کیا۔"

زینت فاطمہ یکدم کھڑی ہو گئیں۔ حیرت سے انہوں نے اسما کو دیکھا اور پھر خود کو سنبھالتے ہوئے ملازم لڑکے سے کہا۔

"انہیں بٹھاؤ ڈرائنگ روم میں میں آتی ہوں۔"

"اسما تم شاہ رخ کو فون کر کے مہمانوں کا بتا دو۔"

وہ اسما کو ہدایت دے کر بے حد الجھی الجھی سی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”ہیلو۔“

خضر نے ٹی وی لاؤنج سے گزرتے ہوئے گھنٹی کی آواز سنی تو ریسیور اٹھایا دوسری طرف کسی نے گہری سانس لی تھی۔

”ہیلو۔“ اس نے دوبارہ کہا۔

”ہیلو۔“ دوسری طرف سے مدھم سی آواز ابھری تھی۔

”جی کون۔“ خضر نے پوچھا۔

”آپ نے پہچانا نہیں۔“ پوچھا گیا۔

”آپ نام بتائیں گی تو پہچانوں گا۔“

”ندا۔۔۔ میں ندا ہوں علینہ کی دوست۔“

”اوہ آپ!“ خضر نے طویل سانس لی۔

”علینہ تو ادھر نہیں آئی۔“

”مجھے معلوم ہے۔ دراصل مجھے آپ سے بات کرنا ہے۔“

”خیریت کوئی کام ہے آپ کو۔“

”کیا میں بغیر کام کے آپ کو فون نہیں کر سکتی؟“

”جی کہیے کیا کہنا ہے۔“ اسے کوفت ہو رہی تھی لیکن وہ مروتاً بولا ندا علینہ کی دوست تھی۔ اور پھر علینہ کی شادی میں کئی بار نہ صرف یہ کہ ان کا سامنا ہوا تھا بلکہ دیر تک باتیں بھی ہوئی تھیں۔ کئی بار اس نے محسوس کیا تھا وہ جان بوجھ کر اس کے راستے میں آتی اور اسے مخاطب کرتی ہے۔

وہ محض علینہ کی دوست ہونے کے ناتے اس کو کمپنی دیتا تھا پھر وہ عاطف کی کزن بھی تھی اور علینہ کے سسرالی رشتہ سے بھی وہ اس کا احترام کرتا تھا لیکن پتا نہیں کوئی بات تھی جو اس کے ذہن میں کھٹکتی تھی اس کا انداز گفتگو اس کا دیکھنے کا انداز لیکن وہ خود ان دنوں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس کے انداز پر زیادہ غور نہیں کر سکا تھا۔ اسے علینہ کی خودسری اچھی نہیں لگی تھی اور نہ ہی اسے یہ بات پسند آئی تھی کہ عاطف کے والدین اس شادی میں شرکت نہیں کریں گے۔ اسے اسفر کا بھی خیال آیا تھا جس کے متعلق اس کی افضال حیدر سے تفصیلی بات ہوئی تھی اور افضال حیدر کا ارادہ تھا کہ وہ اسفر سے علینہ کا رشتہ اس بار طے کردیں گے لیکن یہاں صورت حال مختلف تھی۔ اس نے افضال حیدر سے بحث کی تھی لیکن پھر افضال حیدر نے اسے قائل کر لیا تھا۔

جب اولادیں یوں ضد پر اتر آئے تو پھر والدین کو جھک جانا چاہیے ورنہ پھر بدنامی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ وہ خود اس شادی سے خوش نہ تھے لیکن علینہ کی ضد کے سامنے مجبور ہو گئے تھے اور دوسرے وہ منصور کی وجہ سے بھی پریشان تھا۔ اس کے وکیل کا خیال تھا کہ اگلی پیشی پر شاید فیصلہ سنا دیا جائے اور یہ فیصلہ کیا ہو گا یہ وہ جانتا تھا وکیل نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ قتل ثابت ہے۔ پھانسی بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے عمر قید ہو جائے وہ یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی وہ سزا پا جائے گا اور وہ سب کچھ نہیں کر سکیں گے اور اسی الجھن میں وہ ماہ نور سے بھی کترا رہا تھا اس نے کئی بار اس کی آنکھوں میں سوال دیکھے تھے۔ وہ شاید منصور کے سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتی تھی پوچھنا چاہتی تھی۔

علینہ کی مہندی سے چند دن پہلے ہی تو اس نے ماہ نور سے کہا تھا کہ وہ وکیل سے مل کر صورت حال معلوم کرتا ہے اور اس کے پاس ماہ نور کو بتانے کے لیے کچھ نہیں تھا اور جو تھا اسے بتانے کی اسے ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اسی لیے وہ اس کا سامنا کرنے سے بچ رہا تھا لیکن ماہ نور شاید کچھ اور سمجھ رہی تھی اس نے ماہ نور کی آنکھوں میں اداسی دیکھی تھی دو ایک بار جب وہ ندا سے بات کر رہا تھا تو فاصلے پر کھڑی ماہ نور سے اس کی نظریں ملی تھیں ان نظروں میں شکوہ تھا ناراضگی تھی بے یقینی اور افسردگی تھی۔ آج ابھی وہ اسی ارادے سے باہر نکلا تھا کہ ماہ نور کی

طرف جائے گا۔ اسے منصور کے وکیل سے بھی ملنا تھا ماہ نور کو بھی منانا تھا وہ یقیناً بہت ناراض ہو گی۔ علینہ کی شادی کی مصروفیات میں الجھ کر وہ اس سے جاب کے متعلق بھی نہیں پوچھ سکا تھا کہ کیا اس نے جاب چھوڑ دی ہے یا ابھی تک جاری رکھے ہوئے ہے۔ پھر اس نے ابھی تک اس کی جاب کے لیے کسی سے بات بھی نہیں کی تھی۔

”اسے مجھ سے یقیناً بہت سخت ناراض ہونا چاہیے۔ لیکن خیر منا لوں گا۔“

ہلکی سی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھوا۔

”آپ سے علینہ کی شادی کے بعد ملاقات نہیں ہوئی سوچا فون کر کے خیریت معلوم کر لوں۔“

ائیر پیس میں اس کی آواز ابھری تو وہ چونکا۔

”جی شکریہ۔“

”کیسے ہیں آپ۔“

”اللہ کا شکر ہے۔“

”کیا شرفِ ملاقات حاصل ہو سکتا ہے۔“ ایک ادائے ناز سے اس نے پوچھا۔

”جی۔“

خضر اس انداز گفتگو پر چونکا تو اس نے بھی فوراً اپنا لہجہ بدلا۔

”سوری خضر مجھے آپ سے ایک ریکوسٹ کرنا تھی کیا آپ اس وقت میرے گھر آ سکتے ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔“

”کیا۔۔۔ کیا کہنا ہے۔“ خضر حیران ہوا۔

”میں فون پر نہیں کہہ سکتی پلیز تھوڑی دیر کے لیے آجائیں۔“ اس نے التجا کی۔

”لیکن مس ندا۔“

”پلیز خضر۔“ اس کی آواز میں جیسے آنسو گھل گئے تھے۔

”کیا آپ۔۔۔ میرا مطلب ہے کیا آپ گھر نہیں آ سکتیں۔“ خضر نے کسی قدر۔۔۔ جھجکتے ہوئے کہا۔

”میں کوشش کروں گا کہ آپ کا جو بھی مسئلہ ہے حل کر سکوں۔“

”اور آپ کے گھر والے۔“

”میری مام تو ملک سے باہر گئی ہوئی ہیں اور صرف ملازم ہیں۔ خضر پلیز انکار مت کریں۔ آپ نہیں جانتے میں۔۔۔ میں بہت مشکل میں ہوں۔ آپ صرف ایک بار میری بات سن لیں۔“

”اچھا آپ ایڈریس بتا دیں۔“ خضر جیسے مجبور سا ہو گیا تھا۔

پتا نہیں اس لڑکی ندا کے ساتھ کیا مسئلہ ہے اور پھر یہ اپنا پرابلم مجھ سے ہی کیوں ڈسکس کرنا چاہتی ہے۔۔۔ علینہ کی شادی کے دوران خاصی بات چیت ہوتی رہی تھی لیکن اتنی بے تکلفی بھی نہ تھی کہ وہ۔۔۔

وہ الجھا الجھا سا ایڈریس نوٹ کرنے لگا۔

”کیا مجھے جانا چاہیے۔“ ایڈریس نوٹ کرتے ہوئے ایک لمحہ کو اس نے سوچا۔

”اس نے کہا ہے کہ وہ مشکل میں ہے تو اخلاقاً مجھے اس کی مدد کرنا چاہیے بہرحال وہ علینہ کی دوست ہے۔“

”آپ کب آ رہے ہیں خضر۔“ اس نے بے قراری سے پوچھا۔

”میرے خیال میں اس ایڈریس تک پہنچنے میں تقریباً آدھا گھنٹا یا کچھ زیادہ لگ جائے گا۔“

”تھینک یو خضر تھینکس۔“

”ویلکم۔“ خضر نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا اور کچھ دیر یونہی الجھا الجھا سا ٹیلی فون اسٹینڈ کے پاس کھڑا رہا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ندا کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

”ندا سے بات کر کے سیدھا ماہ نور کی طرف جاؤں گا۔“ گاڑی روڈ پر نکالتے ہوئے اس نے سوچا اور ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ ندا کے بے حد شاندار سے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا تھا۔

"بی بی آرہی ہیں آپ بیٹھیں۔" ملازمہ لڑکی اسے بٹھا کر چلی گئی تھی۔

اس نے ڈرائنگ روم کی سجاوٹ کو ستائشی نظروں سے دیکھا۔ فرنیچر سے لے کر پردوں اور ڈیکوریشن پیس تک سب بہت قیمتی اور شاندار تھا۔ وہ ایک نازک سے کرسٹل کے گلدان کو دیکھ رہا تھا کہ ندا نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔ سفید ساڑھی میں ہلکے ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ قیامت ڈھا رہی تھی ایک لمحے کو خضر کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی اس کی سیاہ مقناطیسی آنکھوں میں بے حد چمک تھی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے نگاہیں جھکالیں۔

"تھینک یو خضر۔" ایک ادا سے ساڑھی کا پلو درست کرتے ہوئے وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"یہ لڑکی کہیں سے بھی پریشان نہیں لگ رہی۔" خضر نے نگاہیں جھکائے جھکائے سوچا۔ بے حد مطمئن بے حد پرسکون سی وہ بڑے والہانہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔

"جی آپ کی کوئی بات کرنا تھی مجھ سے۔" خضر نے اس کی نظروں کی وارفتگی سے الجھ کر پوچھا۔

"ہاں میں بہت مشکل میں ہوں، بہت اذیت میں ہوں۔ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے۔" وہ آپ سے یکدم تم پر اتر آئی تھی۔ خضر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا کہہ رہی ہیں، ہوش میں ہیں آپ۔" لہجے میں ناگواری تھی۔

"ہاں شاید میں ہوش میں نہیں ہوں۔ پاگل کردیا ہے تم نے مجھے خضر افضال حیدر۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ کیسے حاصل کروں تمہیں۔ جانتے ہو خضر میں اس روز ہی تمہاری محبت میں مبتلا ہوگئی تھی جس روز پہلی بار تمہیں دیکھا تھا اور تب سے اب تک یہ آگ مجھے جلائے جارہی ہے راکھ کررہی ہے۔ میں نے علینہ کی شادی میں کتنا چاہا کہ تم میری طرف دیکھو مجھے توجہ دو میں خود پر ضبط کے پہرے لگاتے لگاتے تھک چکی تھی خضر لیکن تم نے ایک بار بھی مجھے ان نظروں سے نہیں دیکھا کہ میں شانت ہوجاتی۔"

خضر بہت بنا اس کی باتیں سن رہا تھا۔

"لوگ کہتے ہیں میں بہت حسین ہوں لیکن تمہاری نگاہ مجھ پر کیوں نہیں ٹھہرتی۔ تم اتنے پتھر کیوں ہو۔ میری محبت کی حدت تم تک کیوں نہیں پہنچتی خضر۔"

"آپ، آپ کیا کہہ رہی ہیں ندا۔" خضر کے لبوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔

"وہ سب جو تم نے سنا خضر وہ سب جو میرے دل میں چھپا تھا میں تمہیں بہت چاہتی ہوں خضر بہت زیادہ۔" وہ یکدم اپنی جگہ سے اٹھی اور خضر کے پاؤں کے نیچے کارپٹ پر بیٹھ گئی۔

"مجھے اپنا بنالو خضر میں ساری عمر۔۔۔"

"شٹ اپ۔" خضر یکدم کھڑا ہوگیا۔

"آپ کو کچھ احساس نہیں ہے نہ اپنے نسوانی وقار اور عزت کا اور نہ۔۔۔"

"محبت میں کچھ یاد نہیں رہتا نہ اپنی عزت نہ وقار۔"

اس نے سر اٹھا کر خضر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں اس سے جانے کیا تھا کہ خضر کو اپنا دل پگھلتا ہوا سا محسوس ہوا اور خضر کو اس پر ترس آگیا۔ اسے یاد آیا کہ پہلی بار جب اس نے یونیورسٹی تک اسے لفٹ دی تھی تو سیاہ حجاب میں ان آنکھوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا اور وہ کچھ سخت کہتے کہتے رک گیا۔

"ندا پلیز خود کو سنبھالیں میں آپ کے جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن آئم سوری میں آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ میں آپ کے لیے اپنے دل میں اس طرح کا کوئی جذبہ محسوس نہیں کرتا۔ آپ اپنے دل کو سنبھالیں۔"

"میری طرف دیکھو خضر ایک بار نظر بھر کر دیکھو تو۔" اس نے خضر کا ہاتھ پکڑ لیا جسے خضر نے آہستگی سے چھڑا لیا۔ "کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔"

"آپ یقیناً بہت خوب صورت ہیں اور کوئی بھی شخص آپ کو رفیقِ زندگی بنا کر فخر محسوس کرسکتا ہے لیکن۔"

"تم وہ شخص کیوں نہیں ہوسکتے خضر۔" اس نے خضر کی بات کاٹ دی۔

"میں مجبور ہوں۔۔۔"

خضر نے نگاہیں جھکالی تھیں۔ وہ اس کے مایوس چہرے کی طرف نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"اس لیے کہ تمہاری منگنی ہوچکی ہے اور تم اپنی منگیتر ماہ نور سے محبت کرتے ہو۔" اس کی آنکھوں میں یکدم تپش سی نظر آئی تھی اور یہ تپش اس کے لہجے سے بھی جھلک رہی تھی۔

"آپ جانتی ہیں پھر بھی۔" خضر کو حیرت ہوئی۔

"پھر بھی آپ نے ایسی باتیں کیں۔"

"اس لیے خضر کہ محبت بے اختیار ہوتی ہے میں تمہیں ماہ نور سے زیادہ چاہوں گی خضر۔" اس کے لہجے میں التجا در آئی تھی۔

"میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی ہوں۔ مجھے مت ٹھکراؤ۔ ماہ نور بھلا تمہیں کیا دے سکتی ہے ایک سمٹی سمٹائی بے چاری غریب سی لڑکی جو دفتروں میں دھکے کھاتی پھرتی ہے۔ اس میں ایسا کیا ہے جو۔۔۔"

خضر کا رنگ سرخ ہوا اور پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ماہ نور کیا ہے اور کیا نہیں ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور آپ۔۔۔" اس نے ایک ناگواری نظر اس پر ڈالی۔

"میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا ہے آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔۔۔ اور مجھے اجازت دیں۔" اس نے قدم اٹھایا۔

"پلیز کچھ دیر رک جاؤ۔ یہ پل کتنے سالوں کی خواہش اور آرزو کے بعد میرے ہاتھ آئے ہیں۔"

"سوری مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔" اسے ندا کی اس بےباک گفتگو سے اور اس طرح اظہارِ محبت سے انتہائی کوفت محسوس ہورہی تھی اور وہ اب یہاں مزید رکنا نہیں چاہتا تھا۔

"پتا نہیں کیسے والدین ہوتے ہیں جو بچوں خاص طور پر بیٹیوں کو کوئی اخلاقی اقدار نہیں سکھاتے۔" غیرارادی طور پر اس نے وہاں ہی کھڑے کھڑے ماہ نور اور ندا کا مقابلہ کیا اور اسے اپنی خوش قسمتی پر رشک محسوس ہوا اور پھر ندا کے اصرار کے باوجود وہ نہیں ٹھہرا اور اللہ حافظ کہہ کر باہر نکل آیا۔

خضر جھنجلایا ہوا سا گیٹ سے باہر نکلا گیٹ کے ساتھ ہی اس نے گاڑی پارک کی تھی۔ ابھی وہ اپنی گاڑی کا دروازہ کھول ہی رہا تھا کہ ساتھ والے گھر کے گیٹ سے کوئی باہر نکلا اور اس کی نظر خضر پر پڑی اور پھر وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

"ارے خضر تم۔۔۔ یہ تم ہو نا۔" آنے والے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ خضر نے مڑ کر اسے دیکھا اور پھر اس کے گلے لگ گیا۔ یہ اس کا یونیورسٹی فیلو اسد تھا۔

"تم یہاں کہاں۔" خضر نے پوچھا۔

"میں اپنے ایک عزیز سے ملنے آیا تھا۔ ساتھ والا گھر ہے۔ اور تم۔۔۔"

اس نے سفینہ پیلس کے گیٹ کی طرف دیکھا اور پھر اس کے لبوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یہاں۔۔۔ یار تم تو ایسے نہ تھے۔"

"کیا مطلب۔" خضر کو اس کی بات سمجھ نہ آئی۔

"مطلب تو پھر سمجھاؤں گا۔ اس وقت کسی قریبی اسٹاپ تک لفٹ دے سکتے ہو تو بتاؤ یہاں تو ایک گھنٹا بھی کھڑا رہا تو سواری نہیں ملے گی۔"

خضر نے اسے گھورا۔

"میرے خیال میں ہم اتنے بھی اجنبی نہیں ہیں کہ تمہیں مجھ سے یہ پوچھنا پڑے۔ بکو کہاں جانا ہے۔"

"گھر۔" اسد نے مسکرا کر اسے دیکھا اور چکر کاٹ کر پسنجر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہورہا ہے آج کل۔" خضر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"جوتیاں چٹخا رہا ہوں۔ یہاں بھی سفارش کے لیے آیا تھا لیکن صاحبِ خانہ ملے ہی نہیں۔"

"لیکن مجھے تو پتا چلا تھا تم کہیں بہت اچھی جاب کررہے ہو۔"

"چھوٹ گئی۔" اسد نے برا سا منہ بنایا۔

"تم ایسا کرو مجھے جوائن کرلو۔ مجھے یوں بھی کسی بااعتماد آدمی کی سخت ضرورت تھی۔ یہاں کے آفس کے لیے مجھے خود ایک پراجیکٹ کے سلسلے میں اکثر باہر جانا پڑتا ہے۔"

"اوکے تھینکس تم ذرا بھی نہیں بدلے ہو لیکن تمہارا سفینہ پیلس میں آنا مجھے ہضم نہیں ہو رہا۔"

"کیوں۔" خضر نے پوچھا۔

"یہاں ایسا کیا ہے۔ میں کسی سے ملنے آیا تھا۔"

"کیا واقعی۔" اسد نے پوچھا۔

"ہاں۔" خضر کو اس کے انداز سے الجھن ہو رہی تھی۔

"تم کھل کر کہو اسد کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"پہلے تم بتاؤ یہاں کس سلسلے میں آئے تھے۔"

اسد کو کچھ کچھ اندازہ ہوا کہ خضر، میڈم سفینہ کی شہرت سے لاعلم ہے۔

"میں نے بتایا تو ہے کہ کسی سے ملنے آیا تھا۔ ندا۔۔۔۔ ندا نام ہے اس کا اپنی بہن کی شادی میں اس سے ملاقات ہوئی تھی تو اس نے آج کسی کام کے سلسلے میں فون کر کے بلایا تھا۔" خضر نے محتاط انداز میں بتایا۔

"اوہ ندا۔۔۔۔ عرف نادیہ۔" اسد ہولے سے ہنسا۔

"آئندہ اس کے بلانے پر مت آنا ورنہ عمر بھر روتے رہو گے۔ حسین تو بہت ہے لیکن اس کے کاٹے کا علاج نہیں۔" "فار گاڈ سیک اسد الجھاؤ مت مجھے۔" خضر جھنجلا گیا۔

"کمال ہے یار تم میڈم سفینہ کے متعلق نہیں جانتے۔" وہ اسے تفصیل بتانے لگا

"اور یہ۔۔۔۔ اس طرح کی لڑکی علینہ کی دوست تھی اور اس کے گھر آتی رہتی تھی۔" اندر ہی اندر وہ غصے سے بل کھا رہا تھا۔ ایسی ہی لڑکیاں اس طرح اتنی بے باکی سے اپنے جذبوں کا اظہار کر سکتی ہیں۔ وہ بھی حیران ہو رہا تھا کہ وہ کیسے وہ سب کچھ کہہ رہی تھی۔

"میڈم سفینہ یہاں خاص حلقوں میں بہت مقبول ہے۔ اور بڑے بڑے لوگوں کو لڑکیاں سپلائی کرتی ہے۔"

"اوہ گاڈ۔" خضر کا دماغ تپ رہا تھا۔

اور وہ اس کے دھوکے میں آ کر اس کی مدد کو بھاگا چلا آیا تھا اب اسے یاد آیا تھا کہ اس ندا کی ہم شکل لڑکی کو ایک دو بار کسی کے ساتھ دیکھا تھا۔ شاید اس نے تب لینس لگائے ہوئے تھے۔

"جو ایک بار میڈم کے جال میں پھنس جاتا ہے میڈم کی لڑکیاں اسے دیوالیہ کر دیتی ہیں۔"

اسد نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ خضر کا دماغ کھول رہا تھا۔

اسے اس کے گھر اتار کر اور اسے صبح آفس آنے کی تاکید کرتا ہوا وہ گھر واپس آ گیا اس نے اس وقت ماہ نور کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ گھر آ کر اس نے علینہ کو فون کیا تو پتا چلا کہ وہ اور عاطف شمالی علاقہ جات کی سیر کو نکل گئے ہیں۔ کچھ دیر اس نے ولید سے گپ شپ لگائی کچھ دیر ٹی وی دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن ذہن الجھا ہوا تھا کیوں، یہ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اسے ندا یا نادیہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اب تو مروتاً بھی وہ اس سے بات کرنے کا روادار نہ تھا۔ پھر شاید وہ علینہ کی وجہ سے پریشان تھا۔

عاطف یہ لڑکا ندا کا کزن تھا اسے یہی بتایا گیا تھا۔ تو کیا۔

"ایرج۔۔۔۔" اس نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے بیٹھے ہی اسے آواز دی تھی۔

"یہ عاطف اور علینہ کی دوست ندا کیا قریبی رشتہ دار ہیں۔"

"نہیں پہلے تو عینا نے یہی بتایا تھا کہ وہ کزن ہیں لیکن شادی کے وقت پتا چلا کہ بس فیملی فرینڈ ہیں لاہور میں پڑوسی تھے ان کے۔" "اوہ ہاں۔" خضر کو اطمینان سا محسوس ہوا۔

■■■

"خضر افضال حیدر میں ہمیشہ لاحاصل نہیں رہوں گی اور ایک دن آئے گا جب تمہارا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہو گا۔" ندا نے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا اور ہولے سے مسکرا دی۔

"اور ایک دن آئے گا جب تم میری محبت کے سامنے گھٹنے ٹیک دو گے۔ آج تک میں نے صرف انتظار کیا تھا اور اب۔۔۔۔" اس نے پھر ایک نظر آئینے پر ڈالی۔

"بھلا کون ہے، جو زیادہ عرصہ تک اس حسن سے آنکھیں بند کر سکے۔"

میڈم سفینہ نے کتنی ہی بار سراہا تھا اسے اور خضر وہ بھی کب تک دامن چھڑائے گا مجھ سے۔

"لیکن وہ ماہ نور سے محبت کرتا ہے۔"

دل میں اس خیال نے چٹکی بھری تھی۔

ٹیبل سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔۔۔۔ وہ اس وقت خضر سے ملنے اس کے آفس میں جا رہی تھی ایک بار وہ علینہ کے ساتھ اس کے آفس کے پاس سے گزری تھی اور علینہ نے ہی بتایا تھا اسے کہ روڈ کراس کر کے سامنے والی بلڈنگ میں فرسٹ فلور پر خضر کا آفس ہے۔

"وہ یقیناً حیران ہو جائے گا مجھے دیکھ کر۔" وہ دھیمے سے مسکرائی۔

لاؤنج میں بیٹھی میڈم سفینہ نے ایک تنقیدی نظر اس پر ڈالی۔

"کہاں جا رہی ہو چندا۔"

"یونہی ایک کام سے جا رہی تھی۔"

"جلدی آ جانا صبح شاہ زیب کا فون آیا تھا وہ شام میں آئے گا۔"

"اوہ۔۔۔۔" اس نے ہونٹ سکیڑے۔

"اماں یہ تمہارے شاہ جی کی مجھے سمجھ نہیں آتی۔ کبھی تو لگتا ہے جیسے اب کبھی ادھر کا رخ نہیں کریں گے اور کبھی پھر یکدم مہربان ہو جاتے ہیں۔"

"لاابالی ہیں بس لیکن ایک بات ہے جانو تجھ پر فدا ہیں۔" میڈم سفینہ کی نظریں اس پر تھیں۔

"آ جانا واپس وقت پر۔"

"آ جاؤں گی اماں۔" اس نے اپنی بے زاری کو چھپانے کی کوشش کی اور لاؤنج میں مزید رکے بغیر کھٹ کھٹ کرتی باہر نکل گئی۔

"یہ محبت کا بخار بھی اتر جائے گا میری جان، سفینہ نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں سب جانتی ہے۔"

ندا نے باہر جاتے جاتے میڈم سفینہ کی بڑبڑاہٹ سنی اور کندھے اچکائے اور سوچا۔۔۔۔ میں بھی تمہاری بیٹی ہوں اماں اور مجھے بھی ہارنا نہیں آتا اور آج تو وہ خضر کو حیران کر دے گی اور واقعی خضر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"آپ یہاں۔"

"یہاں سے گزر رہی تھی سوچا تمہیں ایک نظر دیکھتی جاؤں۔"

وہ بے تکلفی سے کہتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ خضر جز بز ہو کر رہ گیا کچھ دیر پہلے جب چپڑاسی نے آ کر کہا تھا کہ کوئی خاتون ملنے آئی ہیں تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ندا ہو گی۔

"تمہیں تو شاید یاد بھی نہ رہا ہو کہ کوئی تمہاری محبت میں تڑپ رہا ہے۔"

"مس ندا میں نے اس روز بھی آپ سے کہا تھا کہ۔۔۔۔"

"میں تم سے کچھ طلب تو نہیں کر رہی خضر۔۔۔۔" اس نے خضر کی بات کاٹ دی۔

"لیکن خدارا مجھے خود سے محبت کرنے سے مت روکو یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔"

"دیکھیں مس مجھے یہ سب پسند نہیں ہے اور پھر یہ آفس ہے پلیز آپ جائیے۔"

خضر نے بمشکل خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔ "تم کتنے کٹھور ہو پتھر دل۔"

اس کی آواز میں جیسے نمی گھل گئی تھی۔

"اور میں تم ایسے پتھر سے سر پھوڑ رہی ہوں۔"

"تو مت پھوڑیں سر۔" خضر بے لحاظ ہو گیا۔

اسد سے اس کی حقیقت جان لینے کے بعد وہ خود کو اس کا احترام نہ کرنے پر مجبور پا رہا تھا۔

"خضر۔" اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"ایسا مت کرو میرے ساتھ میں تو تمہاری محبت میں پاگل ہو رہی ہوں اور تمہاری یہ بے اعتنائی مجھے مار ڈالے گی۔ تم کیا جانو میں تمہاری محبت کی آگ میں جل جل کر راکھ ہوئی جاتی ہوں تمہاری ایک نظر التفات کے لیے کتنی راتیں جاگ کر میں نے دعائیں کی ہیں۔"

"یہ لڑکی کتنی بڑی ایکٹرس ہے۔" خضر نے اس کی بھیگی پلکیں دیکھیں۔

"اور کیوں نہ ہو انہیں یہی سب کچھ تو سکھایا جاتا ہے۔"

"خضر پلیز صرف ایک محبت بھری نظر ڈال لو مجھ پر مجھ سے محبت نہ کرو لیکن میری محبت کا اعتراف تو کر لو۔"

"دیکھیں مس میرے پاس ان فضول باتوں کے لیے وقت نہیں ہے میں بہت مصروف آدمی ہوں اور یوں بھی یہ آفس ہے یہاں کوئی نہ کوئی آتا جاتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی آپ کو میرے آفس میں دیکھ کر میرے متعلق غلط سوچے۔"

"کیا مطلب...." ندا کے چہرے کا رنگ یکدم بدلا تھا۔

"مطلب آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔"

خضر نے میز پر پڑی فائل اپنی طرف کھسکائی اس کا رویہ واضح بے زاری کا اظہار کر رہا تھا۔

"عورت کا اعتراف محبت اور بار بار اعتراف ایک روز مرد کو جھکا دیتا ہے عورت کے منہ سے اپنے لیے محبت کا اعتراف سن کر مرد بہت خوش ہوتا ہے۔"

"ناراض مت ہو پلیز میں جا رہی ہوں۔ اپنی بے اختیاری پر شرمندہ ہوں۔ لیکن محبت تو ہمیشہ بے اختیار ہی ہوتی ہے۔ تم بھی تو محبت کرتے ہو نا.... پھر میری آنکھوں میں تمہیں وہ محبت کیوں نظر نہیں آتی جو مجھے راتوں کو بے چین رکھتی ہے جو...."

"فار گاڈ سیک مس بند کریں یہ محبت محبت کا راگ۔"

خضر کے لہجے کی تلخی نے ندا کو مضطرب کیا۔

"کیا مجھ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے خضر جو ماہ نور میں ہے۔"

"تم ماہ نور سے خود کو کمپیئر مت کرو ندا بھلا وہ کہاں اور تم کہاں۔" ایک طنزیہ سی مسکراہٹ خضر کے لبوں پر نمودار ہوئی۔ اور اس نے ایک عجیب سی نظر ندا پر ڈالی۔ ندا بے چین ہو کر سیدھی ہو گئی۔

"وہ ایک شریف پاکباز اور باحیا لڑکی ہے تمہاری طرح بے باک نہیں ہے۔ وہ تو ایک گہری نظر سے چھوئی موئی ہو جاتی ہے۔" اس نے سوچا ابھی دو دن پہلے ہی تو وہ اس کے سامنے بیٹھا معذرت کر رہا تھا۔ وہ ناراض بھی ہوئی تھی مان بھی گئی تھی۔

"میں نے اپنے جذبوں کا اظہار کیا ہے۔ اور اگر یہ سب ماہ نور کہتی تم سے تو شاید تمہیں اچھا لگتا۔"

"شٹ اپ ندا میں نے تمہیں کہا ہے کہ اس کا نام مت لو.... وہ تمہاری طرح نہیں ہے وہ ایک شریف گھرانے کی لڑکی ہے۔"

"اور کیا میں شریف گھرانے کی لڑکی نہیں ہوں۔" ندا خود ہی سوال کر کے جھجک گئی۔ خضر بے اختیار ہنس پڑا۔

"یہ تم مجھ سے بہتر جانتی ہو۔ مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میڈم سفینہ کی بیٹی حجاب پہن کر بھی میڈم سفینہ کی بیٹی ہی رہے گی۔" ندا کو اپنے پورے وجود میں آگ سی دہکتی محسوس ہوئی۔ وہ یکدم کھڑی ہو گئی۔

"اگر میں میڈم سفینہ کی بیٹی ہوں تو میں اپنی مرضی سے میڈم سفینہ کے گھر پیدا نہیں ہوئی تھی خضر افضال حیدر۔" اس کی آواز میں تپش تھی۔

"اور محبت کسی بھی دل میں اپنی جگہ بنا لیتی ہے۔ وہ یہ نہیں دیکھتی کہ یہ دل میڈم سفینہ کی بیٹی کا ہے یا تمہاری اس معزز شریف منگیتر ماہ نور کا۔"

خضر کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

"میں نے آپ کو منع کیا ہے اس کا نام مت لیں۔"

وہ تم سے پھر آپ پر اتر آیا۔

"کیوں کیا میرے نام لینے سے اس کی شرافت پر ضرب پڑتی ہے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں ان نام نہاد شریف زادیوں کو دفتروں میں جاب کر کے کس کس مرد کا دل لبھاتی ہیں اوپر سے شرافت کا چولا پہن کر تم جیسے مردوں کو بے وقوف بنائے رکھتی ہیں۔"

"تم۔" خضر کا ضبط جواب دے گیا اور اس کا ہاتھ بے اختیار اس پر اٹھ گیا۔

"ایک لفظ بھی مزید کہا تو میں تمہیں آفس سے دھکے دے کر باہر نکلوا دوں گا۔" دائیں رخسار پر ہاتھ رکھے وہ لحہ بھر خضر کو شعلے برساتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

"یہ تھپڑ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا خضر افضال۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا اور تیزی سے آفس کا دروازہ پش کرتی باہر نکل آئی اور پھر تقریباً "بھاگتی" ہوئی اپنی گاڑی تک آئی۔ اندر باہر جیسے آگ لگی تھی اور اس آگ میں سب کچھ بھسم ہو رہا تھا حتی کہ خضر کی محبت بھی اور وہاں صرف انتقام تھا خضر افضال حیدر سے انتقام اور اس انتقام کی زد میں کون آنے والا تھا یہ اس وقت وہ نہیں جانتی تھی اور نہ ہی اسے یہ خبر تھی کہ کچھ ہی دیر بعد قدرت خود اس کے لیے موقع فراہم کر دے گی۔ وہ غصے میں کھولتی ہوئی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی شہابی رنگت غصے کی شدت سے دہک رہی تھی۔ وہ میڈم سفینہ کی طرف جو لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی رخسانہ نامی لڑکی سے سرگوشیاں کر رہی تھیں دیکھے بغیر کھٹ کھٹ کرتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ میڈم سفینہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"لگتا ہے ناکام لوٹی ہیں بہت غصے میں لگ رہی ہیں یا پھر طبیعت ٹھیک نہیں۔"

لڑکی نے میڈم سفینہ کی طرف دیکھا۔

"جا کر پوچھوں؟"

"نہیں رہنے دو، خود ہی ٹھیک ہو جائے گی کچھ دیر تک، میں نے تو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ یہ شریف زادے تمہارے جیسی لڑکیوں کے گھر نہیں بساتے.... اور اگر بسا بھی لیں تو پھر میرے جیسا ہی حشر ہوتا ہے۔ میں نے بھی اپنی ماں کی بات نہیں مانی تھی وہ چند دن عیش کر کے چلا گیا چھوڑ کر لیکن دوسروں کی بات کا یقین نہیں آتا اب تجربہ کر لیا ہے سمجھ آ جائے گی خود ہی، چل تو اٹھ تیاری پکڑ۔ تجھے آج شام جانا ہے کرنل معراج کے ہاں۔"

آخر سیڑھی پر کچھ دیر رک کر اس نے میڈم سفینہ کی بات سنی تھی اور پھر اپنے کمرے میں آ کر بیڈ پر گر گئی۔ کیسے کس طرح خضر افضال حیدر سے اپنی شکست کا بدلہ لے۔

"علینہ کو طلاق دلوا دوں۔ عاطف سے کہہ کر کسی طرح، خوب تڑپے گا وہ.... لیکن طلاق تو ہو ہی جائے گی ایک دن آخر کبھی نہ کبھی تو عاطف کے مام ڈیڈ کو پتا چلے گا اور اس کی بیوی کو کہ وہ یہاں شادی کر بیٹھا ہے اور یہ کام تو میں صبح ہی کر دوں گی بس عاطف سے کسی طرح اس کے گھر کا نمبر لے لوں گی۔

اس نے مٹھیاں بھینچ کر زور سے بیڈ کی پٹی پر ماریں۔ لیکن کوئی سوچ کوئی خیال بھی اس کے اندر جلتی آگ کو مدھم نہیں کر سکا تھا۔ وہ یونہی بیڈ پر اوندھی لیٹی سوچتی رہی نہ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی وہ کھانا کھانے کے لیے بھی نہیں گئی تھی نیچے، حالانکہ رخسانہ آئی تھی اسے بلانے اور اب ایک بار پھر رخسانہ دستک دے کر اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

"وہ شاہ صاحب آئے ہیں میڈم نے کہا ہے آپ کو بتادوں۔"

"کہہ دو میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"میڈم نے کہا تھا لیکن وہ کہہ رہے ہیں کہ بس تھوڑی دیر کے لیے۔"

"اچھا تم جاؤ میں آرہی ہوں۔"

اس نے واش روم میں جا کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور دونوں ہاتھوں سے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے نیچے آئی۔ شاہ زیب لاؤنج میں اکیلا بیٹھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے آتا دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"نصیبِ دشمناں طبیعت خراب ہے کچھ۔" اس کی مشتاق نظریں ندا کے چہرے پر تھیں۔

"ہاں کچھ' آپ نے بڑے دنوں بعد قدم رنجہ فرمایا آج کیسے یاد آ گئی۔" وہ اس کے سامنے ہی بیٹھ گئی۔

"کب یاد نہیں آتی تمہاری بس اپنی الجھنیں اور پریشانیاں ہیں۔" کہتے ہوئے شاہ زیب بیٹھ گیا۔

"آپ جیسے لوگوں کو بھلا کوئی پریشانی کیسے ہو سکتی ہے۔" لہجے میں تلخی تھی۔

"خیریت ہے جان اتنی تلخ کیوں ہو رہی ہو۔" شاہ زیب مسکرایا۔

"یونہی۔"

"ناراض ہو۔"

"نہیں۔" جواب مختصر تھا۔ شاہ زیب کچھ دیر یونہی خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"سوری ڈئیر ان دنوں تمہیں فون تک نہ کر سکا کچھ مصروفیت سی رہی کہو تمہاری ناراضی کیسے دور کروں۔"

"میں نے کہا نا ناراض نہیں یونہی ست سی ہو رہی ہوں۔"

"تو چلو باہر چلتے ہیں۔ ڈنر بھی باہر ہی کریں گے تمہارا ایک ڈنر ڈیو بھی ہے نا۔" شاہ زیب نے خوش دلی سے کہا۔

"او وہ تو آپ کو یاد ہے۔"

"آپ سے وابستہ کوئی بات کبھی بھولے بھی ہیں ہم۔"

ندا کچھ دیر یونہی اپنی لانبی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے کچھ سوچتی رہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے چلیے۔"

"میڈم کو بتا دیں۔" شاہ زیب بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ "رخسانہ۔"

اس نے لاؤنج میں کھڑے کھڑے ہی آواز دی۔

"مما کو بتا دو میں شاہ زیب کے ساتھ ڈنر کے لیے جا رہی ہوں۔" شاہ زیب کو آج اس کے انداز نے کچھ حیران تو کیا لیکن اس نے زیادہ کرید نہیں کی وہ جس مقصد کے لیے آیا تھا وہ مسلسل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ماہ نور نے آفس چھوڑ دیا تھا۔ وہ عام سی لڑکی کس بری طرح اسے مسترد کر کے چلی گئی تھی۔ حالانکہ اسے پھنسانے کے لیے آخری روز اس نے شادی تک کی پیشکش کر ڈالی تھی اور اس کی مالی مشکلات میں ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے حیرت اتری تھی اور پھر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ سے اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"سوری سر میں پہلے ہی انگیجڈ ہوں۔"

اور تب شام کے اس وقت جب آفس میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور باہر اس کا رازدار اپنے کیبن میں موجود تھا اس نے ماہ نور کا ہاتھ پکڑنا چاہا تھا اور وہ بے حد معمولی سی لڑکی ہاتھ چھڑا کر جواباً "اسے تھپڑ مارتے ہوئے تقریباً" بھاگتی ہوئی آفس سے باہر نکل گئی تھی۔ کاش وہ اس کے پیچھے بھاگ کر اسے پکڑ لیتا۔ لیکن وہ تو اس کے اس ردعمل پر ششدر سا کھڑا رہ گیا تھا اور جب وہ سنبھل کر باہر لپکا تھا تو وہ روڈ کراس کر کے رکشا میں بیٹھ چکی تھی۔ اور تب سے وہ تڑپ رہا تھا سلگ رہا تھا اس سے انتقام لینے کے لیے۔ وہ معمولی ملازم لڑکی..... لیکن وہ معمولی کب تھی اس میں کچھ تو خاص تھا جس نے ندا جیسی خوب صورت لڑکی کو پیچھے کر دیا تھا۔

عثمانیہ میں کھانا کھاتے ہوئے اس نے بغور ندا کو دیکھا آج اس نے لینس نہیں لگا رکھے تھے اور اس کی سیاہ

آنکھوں میں ایک نامعلوم سی اداسی اسے بہت حسین بنا رہی تھی وہ عام دنوں سے کہیں زیادہ اچھی لگ رہی تھی شاید اس لیے کہ آج اس نے کوئی میک اپ نہیں کر رکھا تھا۔

"آئی لو یو ندا۔" شاہ زیب نے بے اختیار اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"ندا کبھی کبھی میں تمہیں بہت مس کرتا ہوں ڈئیر لیکن ..... وہ خاموش ہو گیا۔

"چلیں جی ہم اسی پر خوش ہو جاتے ہیں کہ آپ نے ہمیں مس کیا۔"

"رئیلی ندا میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

اس کے لہجے میں ندا کو سچائی محسوس ہوئی تھی اور وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی تب باتوں کے دوران شاہ زیب نے اچانک کہا۔

"ندا ایک روز اشارے پر تمہاری گاڑی رکی تھی میں نے تمہارے ساتھ ایک لڑکی کو بیٹھے دیکھا تھا.... ماہ نور کو وہ لڑکی میرے آفس میں کام کرتی ہے تم کیسے جانتی ہو اسے۔"

"ماہ نور آپ کے آفس میں کام کرتی ہے۔" ندا کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک پیدا ہوئی۔

"وہ میری فرینڈ کی کزن ہے۔"

"میرے آفس میں کام کرتی تھی لیکن اب نہیں میں نے اسے نکال دیا ہے آفس سے لیکن اس نے میری توہین کی ہے۔"

شاہ زیب کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"اوہ۔" ندا نے ہونٹ سکیڑے اور اس کی بات سمجھنے کی کوشش کی۔

صبح خضر کے آفس کا منظر غیر ارادی طور پر نگاہوں کے سامنے آگیا اور احساسِ توہین سے اس کے رخسار دہکنے لگے۔ "ندا یو آر مائی فرینڈ میرا ایک کام کرو گی۔"

شاہ زیب نے صاف صاف بات کرنے کا سوچا۔

"تم اسے... اس لڑکی کو کسی روز میرے پاس لا سکتی ہو۔"

"کہاں۔" ندا نے پوچھا۔

"جہاں میں کہوں۔"

"بدلے میں مجھے کیا ملے گا۔"

"جو تم کہو۔"

"یاد رکھنا شاہ صاحب۔" ندا کی آنکھیں بے تحاشا چمک رہی تھیں۔

"ویسے کیا محبت ہو گئی ہے اس سے۔"

"نو نیور۔" شاہ زیب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"مجھے صرف اس سے بدلہ لینا ہے اپنی توہین کا۔"

"اور بدلہ تو مجھے بھی لینا ہے اپنی توہین کا۔ خضر افضال حیدر تم سے۔" اس نے دل ہی دل میں کہا اور مسکرائی۔

"اوکے کب۔"

"کل کل ہی لے آؤ۔"

شاہ زیب کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

"مجھے فون کر دینا پھر میں تمہیں بتا دوں گا کہ کہاں لانا ہے۔" ندا نے سر ہلا دیا۔

"اور اب تمہیں پتا چلے گا خضر افضال حیدر جب وہ تمہاری شریف اور پاکباز منگیتر غائب ہو جائے گی پھر میں تم سے پوچھوں گی کہ کیا اب میں اپنی زبان پر اس کا نام۔ لا سکتی ہوں۔"

وہ دل ہی دل میں خضر سے مخاطب تھی اور اس کے لبوں پر ایک بے حد زہریلی سی مسکراہٹ تھی اور اپنی پلیٹ

میں فرائیڈ پر ان ڈالتے ہوئے شاہ زیب شاہ سوچ رہا تھا۔

"ماہ نور بی بی اب تمہیں پتا چلے گا کہ سید شاہ زیب شاہ پر ہاتھ اٹھانے کی کیا سزا ہے صرف میں ہی نہیں اب اور بھی تم سے مستفید ہوں گے تم موت مانگو گی اور موت تم سے دور بھاگے گی۔ آہا۔" دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ایک دوسرے سے بے خبر کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ جب خضر افضال نے کچھ دوستوں کے ساتھ عثمانیہ میں قدم رکھا۔ عین اسی وقت ندا کی نظریں اٹھی تھیں۔ خضر اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے لبوں پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ تھی نظریں ملنے پر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔ ندا کا رنگ سرخ ہوا اور اس کے اندر جلتی آگ بھڑک اٹھی۔ اس نے اپنے فیصلے پر گویا مہر لگا دی۔ کل صرف کل تک یہ مسکراہٹ تمہارے لبوں پر ہے خضر افضال حیدر کل کے بعد تم اس طرح نہیں ہنس سکو گے۔ کل تم اس وقت اپنے بال نوچ رہے ہو گے اور۔

"چلیں۔" اس نے شاہ زیب شاہ کے ہاتھ پر اپنا مرمریں ہاتھ رکھا۔

"ہاں۔" شاہ زیب چونکا۔

"چلتے ہیں، کیا خیال ہے کچھ شاپنگ بھی نہ کر لی جائے۔ میں نے کل جیولر کے پاس ایک بڑا خوب صورت سیٹ دیکھا تھا۔"

***

"حمنہ خالہ اس رشتے کا کیا بنا۔"

مبشر آج بہت دنوں بعد ان کے گھر آیا تھا۔

"اسفر بھائی بھی ایک ماہ سے کمپنی کے کسی کام کے سلسلے میں کوئٹہ گئے ہوئے ہیں۔ ملاقات نہیں ہوئی۔"

"وہ رشتہ۔" ڈاکٹر حمنہ کے چہرے پر افسردگی تھی۔

"ان لوگوں نے طلاق کا سننے کے بعد انکار کر دیا۔ حالانکہ ایجوکیٹڈ لوگ ہیں۔ میں نے خود لڑکے کو ساری تفصیل بتائی کہ لڑکی کا کوئی قصور نہیں ہے لیکن..... خیر اللہ بہتر کرے گا۔ تم پریشان نہ ہو میں نے دو تین لوگوں سے کہہ رکھا ہے۔"

مبشر کا جی چاہا کہ وہ حمنہ خالہ سے کہے کہ ایک بار ایک بار پھر اگر وہ شجاع بھائی کے لیے بات کریں تو شاید ابا جان مان جائیں لیکن پھر وہ جھجک گیا یوں بھی اسفر سے اسے شجاع کی پسندیدگی کا علم ہو چکا تھا اور پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ قامی انکل شجاع کے لیے اپنی بھتیجی کو پرپوز کر چکے ہیں اور ابھی بھی پر امید ہیں کہ شاید۔

"کراچی میں سب ٹھیک تھے۔ ماموں جان طیبہ خالہ اور سب۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں سب ٹھیک تھے نصیر بھائی اور طیبہ کو تو منصور کا دکھ کھا گیا ہے۔ دونوں بے حد کمزور ہو رہے تھے وہی کیا ماہ نور کا منہ بھی یہ ذرا سا ہو رہا تھا۔" انہوں نے تفصیل بتائی۔

"ساری شادی میں اداس اور افسردہ سی رہی۔"

"شادی تو اچھی طرح سے ہو گئی علینہ آپی کے سسرال والے کیسے تھے۔"

"عینا کا سسرال کیا صرف لڑکا ہی تھا اور....." وہ کچھ کہتے کہتے رکیں۔

"افضال بھائی تو بہت پریشان تھے اور ان کی پریشانی بے جا بھی نہیں تھی ابھی شادی کو تین ماہ بھی نہیں ہوئے اور عینا ناراض ہو کر گھر آ گئی ہے۔ کل ہی میری افضال بھائی سے بات ہوئی ہے۔"

"کیوں۔"

"اسے پتا چل گیا ہے کہ عاطف پہلے سے نہ صرف شادی شدہ ہے بلکہ ایک بچے کا باپ بھی ہے۔ اس کی بیوی اس کی چچا زاد ہے۔ والدین کے مجبور کرنے پر شادی کی لیکن پھر بیوی سے نہ بن سکی اور چھوڑ کر باہر چلا گیا اسی لیے والدین سے ناراضگی چل رہی تھی وہ کہتے تھے کہ اگر اس نے بیوی کو چھوڑا تو وہ تمام پراپرٹی اس کے بیٹے اور بیوی کے نام کر دیں گے۔ انہیں کہیں سے پتا چل گیا عاطف کی شادی کا تو وہ اچانک ایک دن کراچی آ گئے اور انہوں نے عاطف کو پہلے تو مجبور کیا کہ وہ علینہ کو طلاق دے دے اور پھر معاملہ یہاں ختم ہوا کہ عاطف دونوں بیویوں کو رکھے۔

فی الحال تو علینہ گھر آ گئی ہے افضال بھائی کوشش کر رہے ہیں کہ معاملہ کسی طرح سیٹ ہو جائے۔"

مبشر کو سارے حالات سن کر بے حد افسوس ہوا۔

"افضال بھائی کا خیال تو اسفر کے لیے تھا۔ بہت محبت کرتے ہیں وہ اسفر سے۔" حمنہ نے بتایا۔

"اور شاید اسفر بھائی بھی یہی چاہتے تھے۔" مبشر نے سوچا اس کی نگاہوں کے سامنے اسفر کا افسردہ چہرہ آ گیا۔

"اور نرمل....." اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی جاب کا کیا بنا۔"

"ابھی جاب تو نہیں ملی۔ ہفتہ بھر پہلے اس کا فون آیا تھا لیکن وہ کہہ رہی تھی خضر نے کسی سے بات کی ہے جلد ہی مل جائے گی۔ بلکہ سمجھو مل ہی گئی ہے۔" مبشر کو اطمینان ہوا۔ نرمل جاب کے لیے کتنی پریشان تھی۔

"شاہ رم اور قامی انکل جانے کب آئیں میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا تو حمنہ نے اسے بٹھا لیا۔

"بیٹھ جاؤ شبی ابھی عذرا اور انعم مدثر کے ساتھ آ رہے ہیں۔ ان سے مل کر جانا۔" یکدم اس کا دل زور سے دھڑکا۔ کتنے بہت سارے دن ہو گئے تھے ان سے ملے۔

"کب تک آئیں گے سب۔" اس نے دلی جذبوں کو چھپانے کی کوشش کی لیکن پھر بھی آواز میں ہلکی لرزش تھی۔

"گھر سے تو نکلے ہوئے ہیں راستے میں کچھ شاپنگ بھی کرنا تھی انہیں آتے ہی ہوں گے۔"

"اور سمن۔"

"وہ تو ہاسپٹل میں ہو گی اس وقت۔"

"ابا جان نے اس کے ہاؤس جاب کرنے پر کچھ کہا نہیں۔"

"نہیں جانتے تو ہو کہ وہ اس کے معاملے میں بالکل نہیں بولتے ہیں اور پھر اسفر ہے نا سپورٹ کرنے کے لیے۔"

"لیکن سمن ابا جان کی ناراضگی کی وجہ سے بہت اپ سیٹ رہتی ہے۔"

"لیکن بھائی صاحب کو کون سمجھائے وہ ہمیشہ سے ایسے ہی ہیں۔ آج تک اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی وہ مجھ سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتے صرف اس لیے کہ اماں جان اور افضال بھائی نے ان کا لایا پرپوزل قبول کرنے کے بجائے قامی کا پرپوزل قبول کیا تھا۔"

"وہ تو آپ سے ناراضگی کی یہ وجہ ہے۔" مبشر کو پہلی بار علم ہوا۔

"ہاں اور ایک اور وجہ بھی ہے جس کا اظہار افضال بھائی کے انکار کے بعد وہ بہت کرنے لگے تھے حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی اسے اہمیت نہیں دی تھی۔" حمنہ کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"کیا۔" مبشر نے پوچھا۔

"میں اماں جان کی سگی بیٹی نہیں تھی۔"

"نہیں۔" مبشر کو حیرت ہوئی آج سے پہلے کبھی کسی نے اشارتاً بھی یہ ذکر نہیں کیا تھا۔

"ہاں یہ سچ ہے شبی میں نہیں جانتی میرے والدین کون ہیں۔ اس دنیا میں ہیں بھی یا نہیں۔ میں نے کبھی کرید نہیں کی۔ کبھی سوچا نہیں۔ ابا جان اور اماں جان نے بہت محبت دی مجھے کبھی عذرا اور مجھ میں فرق نہیں رکھا مجھے ابا جان کی زندگی تک اس کا علم نہیں تھا کہ میں اماں جان اور ابا جان کی بیٹی نہیں ہوں وحید اور افضال میرے سگے بھائی نہیں ہیں عذرا میری سگی بہن نہیں ہے۔ وہ سب مجھ سے بہت پیار کرتے تھے اور میں بھی۔ ابا جان اور وحید کی اچانک وفات کے بعد ایک دن بھائی صاحب نے یہ انکشاف کیا تھا۔ میں بہت اپ سیٹ تھی بہت تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی جب افضال بھائی نے بے اختیار مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور تھپکنے لگے۔ حوصلہ دینے لگے۔ تب بھائی صاحب نے اماں جان سے کہا۔

"پھپھو جان پھوپھا کی جو بھی مصلحت تھی ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہوئی افضال اور حمنہ کو معلوم ہونا چاہیے

کہ وہ دونوں سگے بہن بھائی نہیں ہیں اور ان کی یہ بے تکلفی شرعاً" جائز نہیں ہے۔"

مجھ پر ایک ساتھ دو عذاب ٹوٹ پڑے تھے وحید اور ابا جان کی جدائی۔

اور وہ سارے رشتے جو میرے اپنے تھے ایک آن میں میرے لیے اجنبی بنا دیے گئے تھے اماں جان کی ذہنی حالت بہت ابتر ہو رہی تھی ان سے اتنا ہی پتا چلا کہ —— جب وحید ایک سال کا تھا اور افضال چھ سات سال کے تو ابا جان اسلام آباد کسی کام سے گئے تھے واپس آئے تو میں ان کے ساتھ تھی۔ ان کے ایک ڈاکٹر دوست نے مجھے ان کے حوالے کیا تھا کیونکہ وہ ملک سے باہر جا رہے تھے۔

میں ڈاکٹر صاحب کی اولاد نہ تھی میں ان کے پاس کہاں سے آئی تھی۔ میرے والدین کون تھے اماں جان تفصیل نہ بتا سکی تھیں۔ دو بیٹے تھے ایک بیٹی کی کمی میں نے پوری کردی تھی اماں جان ابا جان سب ہی مجھے چاہتے تھے۔ میں دو سال کی تھی تب لیکن اپنا نام تک نہیں بتا سکتی تھی۔

اماں جان نے بتایا تھا کہ میں اپنی طرف اشارہ کر کے کہتی تھی میں الی ہوں دو سال بعد عذرا پیدا ہوئی تب بھی میرے لیے سب کی محبتیں ایسی ہی تھیں۔ میں ان دنوں بہت اپ سیٹ تھی۔ قامی نے ان دنوں بہت سہارا دیا مجھے اماں جان کی ذہنی حالت ٹھیک نہ تھی۔ بھائی صاحب کا اصرار تھا کہ میری شادی کر دی جائے فوراً" تب قامی نے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ مانگ لیا۔"

مبشر حیرت سے سن رہا تھا جب باہر گاڑی کا ہارن بجا۔

"لو تمہاری امی جان آ گئیں۔"

حمنہ مسکرائیں تو مبشر بھی بے اختیار کھڑا ہو گیا کچھ ہی دیر بعد اندرونی دروازہ کھلا۔

"امی جان۔" مبشر بے اختیار ان کی طرف لپکا۔ اور کتنی ہی دیر تک انہیں اپنے بازوؤں میں لیے کھڑا رہا۔

"ہم بھی۔"

مدثر نے آہستہ سے کہا تو عذرا بیگم کو صوفے پر بٹھاتے ہوئے وہ مدثر اور انعم سے ملنے لگا۔ ان سے مل کر وہ عذرا بیگم کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"امی جان آپ ٹھیک تو ہیں نا بہت کمزور لگ رہی ہیں۔"

اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں لیکن تمہارے ابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ان دنوں۔"

"کیا ہوا انہیں۔" یکدم جیسے اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"اسفر بھائی سے کہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں انہیں۔"

"کچھ بتاتے نہیں کیا تکلیف ہے۔ اور ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے بھی تیار نہیں ہوتے۔" عذرا بیگم کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"میں نے کل رات پوچھا کہ شبی کو بلاؤں تو سختی سے منع کر دیا۔"

مبشر کے چہرے کا رنگ بدلا اور اس نے ایک گہری سانس لے کر عذرا بیگم کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اسے ایک پرانی بات یاد آ گئی تھی جب غزالہ کو ہسپتال لے کر جانا پڑا تھا تو انہوں نے اسفر سے کہا تھا۔

"اللہ کرے میں تو ہسپتال تب ہی جاؤں — جب میرا شبی ڈاکٹر بن جائے۔ ہسپتال میں کوئی اپنا ڈاکٹر نہ ہو تو ڈاکٹر پوچھتے تک نہیں مریض کو۔"

اور اب وہ ڈاکٹر بن چکا تھا۔

اسفر بھائی آ جائیں تو وہ ایک بار ان کے ساتھ ضرور ابا جان سے ملنے جائے گا بھلے وہ دھتکار ہی کیوں نہ دیں۔"

اس نے وہاں ہی بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا۔ وہ ایک دم سے بے چین ہو گیا تھا۔

"تکلیف کیا بتاتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"منہ سے تو کچھ بولتے نہیں سینے کو مسلتے رہتے ہیں۔ کل رات تو سانس بھی اکھڑ سا گیا تھا اور مجھے تو یوں لگا تھا جیسے ہتھیلیاں بھی نیلی ہو رہی ہوں۔ اسفر تو تھا نہیں اور مدثر کی بات انہوں نے سنی ہی نہیں۔ ہاں اسفر تو اس حالت میں زبردستی بھی لے جاتا ہسپتال۔"

عذرا بیگم پریشان تھیں۔ وہ بھی پریشان ہو گیا۔

"سمن چیک کر لیتی اندازہ تو ہو جاتا کہ کہیں خدانخواستہ۔"

"آئی تو تھی وہ کمرے میں لیکن وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئے اور مجھ سے کہا کہ لائیٹ آف کر دو میں سونا چاہتا ہوں وہ کچھ دیر دروازے کے پاس کھڑی رہی اور پھر روتی ہوئی چلی گئی۔"

"تم کم از کم مجھے ہی فون کر دیتیں عذرا۔" حمنہ نے گلہ کیا۔

"میں اور قامی فوراً" آ جاتے۔

اب ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ ہمیں منع کر دیتے۔"

"بس خیال ہی نہیں آیا۔"

"خیر رات کو میں اور قامی چکر لگائیں گے تو چیک کر لیں گے بھائی صاحب کو قامی۔"

" حمنہ خالہ ضرور جایئے گا آپ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں انجائنا کی تکلیف تو نہیں ہو گئی ابا جان کو۔"

مبشر نے متفکر نظروں سے حمنہ کو دیکھا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں جانتی ہوں کہ بھائی صاحب کو کیسے ہینڈل کرنا ہے یہ تمہاری امی جان ہی اتنے سالوں میں نہیں جان سکیں انہیں۔ ویسے عذرا اس وقت تم میری بات پر عمل کر تیں نا تو..... یاد ہے میں نے تمہیں کتنا ورغلایا تھا کہ اس داڑھی والے بابے سے شادی کرنے سے انکار کر دو۔"

حمنہ نے موضوع بدلنا چاہا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئیں۔

عذرا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"جھوٹ وہ بابے تو نہیں لگتے تھے ان کے چہرے پر داڑھی خوب سجتی تھی۔"

ہلکی پھلکی گفتگو کے دوران سب نے چائے پی اور پھر عذرا بیگم اور مدثر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اتنی جلدی۔"

مبشر کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی اور بیٹھیں۔

"سمن انتظار کر رہی ہو گی اسے بھی پک کرنا ہے۔ باتوں میں تھوڑی دیر ہو گئی ہے۔ اسفر نہیں ہے نا ورنہ وہی پک کرتا تھا۔"

مبشر بھی کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی چلتا ہوں اب۔"

"شاہرم کا انتظار نہیں کرو گے۔" حمنہ نے پوچھا۔

"نہیں مدثر مجھے راستے میں ڈراپ کر دے گا۔" وہ لاؤنج میں کھڑے تھے جب شاہ رخ نے اندر قدم رکھا۔

"السلام علیکم۔" وہ جھجک کر رک گیا۔

"ارے شاہ رخ بیٹا آ جاؤ۔" حمنہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اپنے ہی ہیں سب۔ یہ اسفر کی والدہ ہیں اور چھوٹا بھائی۔ شبی کو تو تم جانتے ہی ہو۔" انہوں نے تعارف کروایا۔

"عذرا! یہ شاہ رخ ہے ہمارا بھتیجا۔ قامی کا بہت لاڈلا ہے۔ اپنے اسفی کا دوست بھی ہے۔"

"ہاں اسفر ذکر کرتا رہتا ہے جیتے رہو بیٹا۔" عذرا بیگم نے دعا دی۔ شاہ رخ کو عذرا بیگم بہت اچھی لگیں۔ چہرے پر نرم نرم تاثر لیے وہ انہیں دیکھ رہی تھیں۔ "اور یہ انعم ہے اسفی کی بہن ہے۔"

حمنہ کو اچانک ہی انعم کا خیال آیا تھا جو قدرے پیچھے ہٹ کر کھڑی تھی۔ سیاہ چادر میں اپنے وجود کو چھپائے وہ شبی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ رخ کی نظر بس لحہ بھر کے لیے ہی اس کی طرف اٹھی تھی لیکن احتراماً" اس نے فوراً" ہی نظریں جھکالی تھیں اور مدثر کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"تو آپ ہیں مدثر ماشاء اللہ آپ کی ذہانت اور کامیابیوں کا ذکر سنا ہے، بہت۔"

مدثر شرما گیا اور ایک مدھم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آکر معدوم ہو گئی۔

"شارو بیٹا آپ بیٹھو میں سی آف کر کے آتی ہوں۔"

حمنہ عذرا بیگم اور بچوں کے ساتھ باہر پورچ تک آئیں۔ شاہ رخ لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"کیسے ہو شاہ رخ بیٹا اور زینی آپا کیسی ہیں، بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہوں چچی جان اور پھوپھو بھی ٹھیک ہی ہیں۔" وہ کچھ سوچ رہے تھے۔

"سیدہ اسما کا ہاؤس جاب شروع ہو گیا ہے۔ عظمیٰ کے پیپرز بھی ہو رہے ہیں۔ میرے خیال میں عظمیٰ کے پیپرز کے بعد سب واپس حویلی چلے جائیں گے۔" حمنہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ہاں۔" شاہ رخ چونکے۔

"شاہ جی کہہ تو رہے تھے کہ ہاؤس جاب کوئی ضروری نہیں۔ میں نے ہی ضد کی ہے کہ اسما اپنا ہاؤس جاب کر لے۔"

"کراچی والے پھر نہیں آئے کیا۔ کب تک ارادہ ہے ان کا۔"

"معلوم نہیں ابا جان کہہ رہے تھے عبدالغفار صاحب اپنی والدہ کی برسی کے بعد ہی آنے کو کہہ رہے ہیں۔" شاہ رخ نے بتایا۔

"اور وہ بلند بخت کے والدین آئے تھے پچھلے دنوں' میری غلطی تھی میں نے ہی ان کے دل میں بات ڈالی تھی کہ بلند بخت کے لیے عظمیٰ اور پھر کراچی والے رشتے کی بات بتانے کا خیال ہی نہ رہا اور وہ لوگ اچانک آگئے۔ لاہور میں نے تو منع کیا تھا کہ اب اس سلسلے میں بات نہ کریں۔ ہاں وہ لوگ زینی وغیرہ سے ملنا چاہتے ہیں تو ضرور ملیں لیکن زینی آپا بتا رہی تھیں دبے لفظوں میں انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔"

"ہاں پھوپھو نے بتایا تھا مجھے۔"

شاہ رخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بلند بخت کی والدہ نے خواہش ظاہر کی تھی۔ بہت اچھے لوگ ہیں وہ بلند بخت بھی بہترین انسان ہے اپنی عظمیٰ بہت خوش رہے گی لیکن شاہ جی زبان دے چکے ہیں۔ پھپھو نے بتا دیا تھا انہیں کہ یہ ممکن نہیں۔ وہ حویلی جانا چاہ رہے تھے لیکن زینی پھپھو نے انہیں منع کر دیا۔ کاش......"

شاہ رخ نے ایک گہری سانس لی۔

"ابا جان نے وہاں زبان نہ دی ہوتی تو میں کم از کم عظمیٰ کے لیے اسٹرگل کر سکتا تھا کیونکہ وہ لوگ بھی سید ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے جیسے عظمیٰ کو شاہ جی کا فیصلہ پسند نہیں آیا۔ آپ نے محسوس نہیں کیا چچی جان وہ بہت خاموش رہنے لگی ہے، بہت افسردہ اور پہلے کے مقابلے میں کمزور بھی ہو گئی ہے۔ پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے جیسے وہ......"

شاہ رخ نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔ وہ حمنہ کے سامنے اپنے اس گمان کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے انہیں لگتا ہے جیسے عظمیٰ بلند بخت کو پسند کرتی ہے۔

"ہاں اسفر کب تک آ رہا ہے کچھ بتایا شبی نے۔"

انہوں نے فوراً" بات بدل دی تھی۔

"نہیں شبی کو تو علم نہ تھا اور عذرا سے پوچھا ہی نہیں میں نے۔"

"اسفر نے پھر اسٹیٹ جانے کا چانس مس کر دیا ہے۔ کمپنی نے جن دو بندوں کو ہائر ایجوکیشن کے لیے باہر بھجوانے کے لیے سلیکٹ کیا تھا ان میں اسفر کا نام بھی تھا۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔"

"ہاں وہ انعم کی وجہ سے پریشان رہتا ہے۔ اتنی اچھی لڑکی ہے کہ لاکھوں میں نہ ملے لیکن اس شخص کی بلکہ اس کی بھابھی کی کمینگی کی وجہ سے خواہ مخواہ طلاق کا داغ لگ گیا جو رشتہ بھی آتا ہے طلاق کا سن کر پلٹ جاتا ہے۔" حمنہ کو حقیقتاً" دکھ تھا۔

"شجی تو کسی صورت اب شادی کے لیے تیار نہیں ہو رہا' شاہرم انعم سے چھوٹا ہے پھر بھی سوچ رہی ہوں شاہو سے پوچھ کر ایک بار پھر بھائی صاحب سے بات کروں۔ جس شخص کا نصیب بنے گی ہماری آنی اس کی زندگی تو سنور جائے گی۔"

شاہ رخ کی آنکھوں کے سامنے سیاہ چادر کے ہالے میں چھپا افسردہ سا چہرہ آگیا اور پھر ساتھ ہی اسفر کا خیال آیا۔ کتنا پریشان تھا وہ آنی کے لیے اور وہ کیسے دوست تھے اسفر کے کہ اس پریشانی میں اس کی مدد نہ کر سکتے تھے۔

"چچی جان میرے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔" بے اختیار ہی ان کے لبوں سے نکلا۔

"کیا انعم کے لیے میاں صاحب مجھے قبول کر لیں گے۔"

"کیا۔۔۔ کیا کہہ رہے ہو تم شاہ رخ۔" حمنہ کو از حد حیرت ہوئی۔

"اسفر میرا بہت اچھا دوست ہے۔ چچی جان اور وہ بہت پریشان رہتا ہے۔"

"لیکن شارو آپ جانتے ہو بیٹا یہ ممکن نہیں ہے شاہ جی کبھی نہیں مانیں گے۔"

"میں کوشش کروں گا انہیں منانے کی۔" شاہ رخ نے جیسے فیصلہ کر لیا تھا۔

"اور اگر وہ نہ مانے تو؟"

"تو میرا بھی فیصلہ اٹل ہے۔"

لحہ بھر سوچنے کے بعد شاہ رخ نے حمنہ کو جواب دیا۔

"نہیں شارو۔" حمنہ بے چین ہو گئیں۔

"شاہ جی کبھی نہیں مانیں گے کہ تم کسی غیر سید خاندان میں شادی کرو اور ایسی صورت میں۔ نہیں یہ آسان نہیں ہے شاہ رخ ایسی زندگی جینا اپنوں سے الگ اور تنہا ہو کر میں نے سہا ہے یہ دکھ' قامی کبھی کھل کر خوش نہیں ہو سکے میں نے کئی کئی راتیں انہیں جاگتے دیکھا ہے۔ وہ راتوں کو اٹھ کر رویا کرتے تھے۔ اپنوں کے بغیر ہر خوشی ادھوری ہوتی ہے۔

شارو۔۔۔ یہ خیال دل سے نکال دو میری جان کتنی بار میں شرمندہ ہوئی کتنی بار میں نے گلٹی فیل کیا بلکہ آج تک کرتی ہوں کہ میری وجہ سے قامی اپنے خاندان اور لوگوں سے بچھڑ گئے۔ جب دا جی فوت ہوئے۔ جب لالا جی بچھڑے تو قامی خون کے آنسو روتے تھے۔"

شاہ رخ نے خاموشی سے ان کی بات سنی۔ کیا قصور تھا اس بے حد دلکش اور معصوم لڑکی کا۔ انہیں کہیں نہ کہیں تو شادی کرنا تھی تو پھر اس سے کیوں نہیں۔

وہ اسفر کی پریشانی دور کر سکتے تھے تو پھر۔۔۔ وہ شاہ جی کو منا لیں گے۔ یہ تو نیکی ہے اس کا بڑا اجر ہے۔

انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔

"چچی جان آپ فکر نہ کریں میں شاہ جی کو منا لوں گا۔"

ان کے لہجے میں یقین تھا لیکن حمنہ جانتی تھیں کہ یہی یقین قامی کے لہجے میں بھی تھا جب وہ اسے اس کے باپ اور بھائی کی موت کا پرسہ دے کر حویلی جا رہے تھے لیکن لوٹے تو اس یقین کی کرچیاں ان کے پورے وجود میں چبھی ہوئی تھیں۔

"آپ عذرا خالہ سے بات کر لیجیے گا کہ وہ اب انعم کے لیے پریشان نہ ہوں۔ میں حویلی سے آکر پھپھو کو آپ کے ساتھ بھیجوں گا۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔

"ممکن ہے بی بی جان بھی ساتھ ہوں۔"

حمنہ کو خاموش دیکھ کر وہ ہولے سے مسکرائے۔

"تم حویلی جا رہے ہو۔"

"ہاں ہفتے کو جائیں گے سب اور منڈے کو واپس آجائیں گے۔۔۔۔ زارا آئی ہوئی ہے حویلی زینی پھپھو اس سے ملنا چاہ رہی ہیں۔ اور اسما عظمیٰ بھی۔"

"لاہور کبھی لانا اسے شارو' بہت جی چاہتا ہے اسے دیکھنے کو۔ زینی بہت تعریف کرتی ہیں اور قامی کو بھی بہت اشتیاق ہے اس سے ملنے کا۔ شاہ زیب بھی ساتھ ہے کیا۔"

"نہیں زیب تو ساتھ نہیں آیا۔ شاہ جی گئے تھے کراچی وہی لائے ہیں ساتھ۔"

شاہ رخ نے بتایا۔ اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"او کے چچی میں چلتا ہوں اب قامی چاچو اور شاہ رم کو میرا سلام دیجیے گا۔ واپس آکر انشاء اللہ ملاقات ہوگی۔ شعبی کب آ رہا ہے لاہور ویک اینڈ پہ ہی آئے گا۔ میری ملاقات تو نہ ہو سکے گی۔"

"شعبی کا ٹرانسفر ہو گیا ہے ساہیوال اگلے سنڈے کو آئے گا جوائن کرنے کے بعد ہفتہ بھر رہے گا۔" حمنہ نے بتایا۔ "پھر تو ملاقات رہے گی انشاء اللہ۔"

"شارو مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ بیٹا ایک بار پھر سوچ لو شاہ جی سے بات مت کرنا کوئی بھی وہ کبھی نہیں مانیں گے اور یوں ہی خواہ مخواہ تلخی ہوگی۔"

"آپ پریشان نہ ہوں چچی کچھ نہیں ہوگا۔"

شاہ رخ انہیں تسلی دے کر چلے گئے لیکن وہ یک دم ہی بہت پریشان ہو گئی تھیں انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا انجام ہوگا ابھی تو شاہ جی کو ان کے اور قامی کے حویلی جانے کا ہی بہت غصہ تھا اور کتنی ہی بار وہ اس کا اظہار زینی آپا اور ابرار شاہ کے سامنے کر چکے تھے۔ لیکن شاہ رخ کی آنکھوں میں وہی عزم تھا جو برسوں پہلے قائم علی شاہ کی آنکھوں میں تھا۔

"یا اللہ! شاہ جی کے دل کو نرمی عطا کرنا یا اللہ شاہ رخ شاہ کو اس دکھ سے نہ گزارنا جس سے قائم علی شاہ گزرے ہیں۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر بے اختیار دعا مانگنے لگیں۔

■■■

"پھپھو میں ہسپتال جا رہی ہوں۔"

اسما نے زینت فاطمہ کے بیڈ روم کے دروازے سے اندر جھانکا۔ زینت فاطمہ نے قرآن پڑھتے پڑھتے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"عظمیٰ کی طبیعت کیسی ہے اب؟"

"ساری ساری رات جاگ کر روئے گی تو طبیعت کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے اس کی۔"

اسما کی آواز میں جھنجلاہٹ تھی۔

"آپ اسے سمجھاتی کیوں نہیں پھپھو۔" اسما آستیں بازو پر گاؤن لٹکائے اندر کمرے میں ہی آگئی۔

"کیا سمجھاؤں۔۔۔۔ وہ سمجھے بھی تو۔" زینت فاطمہ کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"اور آپ کو پتا ہے پھپھو اپنے ساتھ ساتھ اس نے بلند بخت کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ انہیں فون کرتی ہے مرنے اور مر جانے کی بات کرتی ہے۔ یہ صحیح تو نہیں ہے نا پھپھو اور پھر اسے یہ زیب نہیں دیتا اس طرح بلند بخت کو بار بار فون کرنا۔ کل رات بلند بخت نے مجھ سے کہا کہ اسے سمجھائیں مجھے کیوں بار بار اپنے مرنے کا بتا کر زندہ درگور کر رہی ہے۔ اس سے کہیے کہ مجھے بتائے میں کیا کروں کہ اسے تسلی ہو جائے مجھ سے اس کا اس طرح رونا تڑپنا دیکھا نہیں جاتا۔ کہیں میں کچھ ایسا نہ کر بیٹھوں کہ عمر بھر کے پچھتاوے رہ جائیں۔"

اسما نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"پھپھو! عظمیٰ نے ان سے کہا ہے کہ وہ ایک بار بی بی جان اور شاہ جی کے پاس حویلی جا کر دامن تو پھیلائیں کوشش تو کریں اور بلند بخت نے وعدہ کر لیا ہے عظمیٰ سے کہ وہ جلد ہی اپنے والدین کے ساتھ حویلی جائے گا اور اگر وہاں سے انکار ہو گیا تو پھر وہ نہ انہیں فون کرے گی اور نہ مرنے کی باتیں کرے گی۔"

"تم نے منع نہیں کیا اسمی بلند بخت کو۔ شاہ جی زبان دے چکے وہ کبھی نہیں مانیں گے۔"

"کہا تھا پھپھو۔۔۔۔ سمجھایا تھا عظمیٰ کو بھی اور بلند بخت کو بھی۔ عظمیٰ کہتی ہے کہ اسے یہ حسرت تو نہیں رہے گی کہ اس نے کوشش کیے بغیر ہی ہتھیار ڈال دیے تھے' وہ کہتی ہے پھپھو میں موت سے پہلے جینے کے ہر امکان کو اوپل کرنا چاہتی ہوں اور بلند بخت کہتا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ عظمیٰ سمجھے کہ اس کے آنسو رائیگاں گئے۔ وہ ایک بار تو ضرور اپنے والدین کو حویلی بھیجے گا۔"

"پاگل ہو گئی ہے وہ۔" زینت فاطمہ پریشان ہو گئیں۔

"تم سمجھایا کرو اسے۔"

"وہ میری بات نہیں سمجھتی پھپھو آپ سمجھائیں اسے کہ وہ بلند بخت کو منع کر دے حویلی جانے سے' مجھے پتا نہیں کیوں بہت ڈر لگ رہا ہے اور وہ عظمیٰ اس نے کوئی تیسرا آپشن تو رکھا ہی نہیں بلند بخت کا ساتھ یا موت پتا نہیں کیا سوچ رکھا ہے اس نے اور پتا نہیں کیا کرے گی وہ۔

پھپھو ہم واپس چلیں حویلی۔ عظمیٰ کے پیپر ہو چکے ہیں۔ کیا کروں گی ہاؤس جاب کر کے۔ شاہ جی صحیح تو کہتے ہیں کہ کیا کرنا ہے مجھے ہاؤس جاب کر کے یہ تو شاہ رخ بھائی کی ضد ہے کہ اب وقت مل گیا ہے تو ہاؤس جاب کر ہی لوں۔"

"ہاں تو صحیح کہتا ہے شاہ رخ کر لو اور بی بی جان کا فون آیا تھا کہ عظمیٰ فارغ ہو گئی ہے تو حویلی واپس بھجوا دیں ایک دو روز میں شاید شاہ جی خود آ رہے ہیں کسی کام سے عظمیٰ کو ساتھ ہی لے جائیں گے۔"

زینت فاطمہ نے بتایا۔

"تو پھر پھپھو ہم بھی ساتھ ہی چلیں گے عظمیٰ وہاں اکیلی پھپھو وہ تو۔۔۔۔ نہیں پھپھو مجھے ہاؤس جاب نہیں کرنا۔ ہم اکٹھے جائیں گے حویلی۔"

"اچھا شاہ رخ آئے تو بات کروں گی اس سے ابھی تو تم جاؤ اور شاہ میر بھی کیا چلا گیا ہے۔"

"نہیں شاہ میر سو رہا ہے۔ کل ہے اس کا انٹرویو شاہ رخ بھائی نے بتایا ہے۔ بہت اچھی پوسٹ ہے۔ پھپھو آپ عظمیٰ سے ضرور بات کیجیے گا۔"

جاتے جاتے اسما نے پھر کہا۔ تو زینت فاطمہ نے سر ہلا دیا اور قرآن شریف کو جزدان میں لپیٹ کر کارنس پر رکھا۔

"آپ صحیح کہتی ہیں بہن شریفوں میں زبان ہی ہوتی ہے۔ ہمیں آنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ بہر حال اللہ عظمیٰ بیٹی کو خوش رکھے۔"

بلند بخت کے والد نے بہت شائستگی سے کہا تھا۔

زینت فاطمہ کو وہ دونوں بہت اچھے لگے تھے حلیم اور نرم مزاج۔ پچھلے دنوں جب وہ سب زارا سے ملنے حویلی گئے تھے تو ایک بار ان کا جی چاہا تھا کہ وہ بی بی جان سے کہہ دیں کہ بلند بخت کے والدین آئے تھے لیکن پھر وہ ڈر سی گئی تھیں کہ کہیں بی بی جان خفا ہی نہ ہو جائیں اور پھر زارا کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی تھیں انہیں زارا تو ہمیشہ سے ہی بہت عزیز تھی۔ بہت محبت تھی انہیں اس سے۔

"یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی زارا۔" اس سے ملتے ہوئے انہوں نے دکھ سے اسے دیکھا تھا۔

"ٹھیک تو ہوں پھپھو۔" وہ اداسی سے مسکرا دی تھی۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں ہو زارا کیا بات ہے شاہ زیب تو ٹھیک ہے نا تمہارے ساتھ۔"

تنہائی میں اسی روز انہوں نے پوچھا تھا۔ زارا نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"ٹھیک ہیں پھپھو۔"

"زارا میری طرف دیکھ کربات کرو۔" انہوں نے ہولے سے اس کے دائیں رخسار کو چھوا تو آنسو اس کی آنکھوں میں مچلنے لگے۔

"زارا۔"

"پھپھو وہ ۔۔۔ وہ مجھے بالکل پسند نہیں کرتے مجھ پر شک کرتے ہیں اور اکثر ۔۔یں وعاسب رہتے ہیں پھپھو وہ ڈرنک بھی کرنے لگے ہیں۔" وہ رو رہی تھی اور زینت فاطمہ شاکڈ سی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"اور تم نے بی بی جان کو بتایا۔"

"نہیں پھپھو آپ بھی کچھ مت بتایئے گا انہیں۔" وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"شاہ زیب بہت خفا ہوں گے یہاں آنے سے پہلے انہوں نے سختی سے منع کیا تھا مجھے۔"

"میں بات کر ۔۔ں ۔۔ زیب سے۔"

"نہیں پا ۔۔ پھو نہیں۔ بس آپ نے پوچھا تو مجھ سے ضبط نہیں ہو سکا۔"

"اچھا ۔۔ن بی بی جان بہت پریشان تھیں کہہ رہی تھیں شادی کو اتنا عرصہ ہو گیا اور بچے ۔۔۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ شاہ زیب ۔۔ سے کہو کہ وہ تمہیں کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے چلے وہاں کراچی میں تو بہت اچھی اچھی لیڈی ڈاکٹرز ہوں گی۔" ۔۔ہوں نے بی بی جان کا پیغام اسے پہنچایا۔

"شاہ زیب خود ہی ابھی نہیں چاہتے بچے۔" اس نے ساری بات انہیں بتائی تو وہ حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"کس قدر احمقانہ بات ہے یہ کہ بیٹی کا باپ بن کر اس کا سر جھک جائے گا۔"

زارا خاموش رہی تھی لیکن زینت فاطمہ نے بی بی جان کے کان میں بات ڈال دی تھی کہ شاہ زیب خود نہیں چاہتا کہ ابھی بچے ہوں اور انہوں نے طریقے سے شاہ زیب کو جتا دیا تھا کہ وہ کب تک بچے بنے رہیں گے۔ وہ دو دن حویلی رہ کر واپس آگئی تھیں لیکن زارا کے لیے ان کا دل بہت پریشان تھا اور عظمیٰ کی حالت دیکھ دیکھ کر وہ اور بھی پریشان ہو جاتی تھیں۔

کمرے کا دروازہ کھول کر وہ لاؤنج میں آئیں اس مسئلے کا کوئی حل ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کچھ دیر وہ یونہی پریشان سی لاؤنج میں کھڑی رہیں۔ پھر عظمیٰ کے بیڈ روم کا دروازہ کھولا عظمیٰ سو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے سوجے ہوئے تھے اور سوتے میں بھی اس کے چہرے پر کرب پھیلا ہوا تھا۔ وہ گھر میں سب بہن بھائیوں سے چھوٹی تھی۔ قدرتی طور پر بی بی جان نے اور شاہ جی نے بھی بچپن میں اس کے بہت لاڈ اٹھائے تھے اور اس کی اکثر ضدیں مانی تھیں۔

لیکن یہ ضد ۔۔۔ یہ ضد ماننے والی کہاں تھی اور اگر جو شاہ جی کو گمان بھی ہو جائے کہ عظمیٰ اور بلند بخت کے درمیان کوئی پسندیدگی کا رشتہ ہے تو وہ تو بلند بخت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے اور عظمیٰ کو زندہ دفن کر دیں گے۔

عظمیٰ نے کروٹ بدلتے ہوئے سسکی سی لی تو وہ چونکیں اور ایک تاسف بھری نظر اس پر ڈالتی ہوئی پھر باہر لاؤنج میں آگئیں اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے سوچا کہ اسما آجائے ہاسپٹل سے تو وہ خود بلند بخت کو فون کر کے منع کر دیں گی کہ وہ حویلی نہ جائے۔ یا پھر شاہ رخ سے کہیں گی۔ لیکن نہیں میں خود بات کروں گی بلند بخت کی امی سے وہ اپنے بھائی کا قتل بھولی تو نہ ہوں گی۔

انہوں نے جھرجھری سی لی۔

"نہیں انہیں حویلی نہیں جانا چاہیے ۔۔۔ اور یہ اسما کتنی احمق ہے آج مجھے بتا رہی ہے کہ عظمیٰ نے انہیں حویلی جانے کو کہا ہے اور شاہ جی تو مجھ سے ہی جواب طلب کریں گے اور مجھ سے ہی پوچھیں گے کہ انہیں حویلی کا راستہ کس نے دکھایا۔ اف او وہ کیا کریں گے وہ لوگ حویلی چلے ہی نہ گئے ہوں۔"

ایک دم ہی ان پر گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے سوچا وہ سیدہ اسما کا انتظار کرنے کے بجائے عظمیٰ کو جگا کر اس سے بلند بخت کا فون نمبر لے لیں اور اسے سختی سے منع کر دیں کہ وہ حویلی نہ جائیں۔ وہ بے حد مضطرب سی ہو کر اٹھیں باہر گیٹ پر بیل ہوئی تھی۔ ان کی نظریں سامنے کلاک پر پڑیں۔ نو بجنے والے تھے۔ کبھی کبھار حمنہ اور

قائم علی شاہ اس وقت ہاسپٹل جاتے ہوئے کچھ دیر کو ان کے پاس رک جاتے تھے کہ چلیں خیریت معلوم ہو گئی۔ شاید قامی اور حمنہ ہوں گے۔ یوں بھی بہت دنوں سے نہ ادھر سے کوئی وہاں گیا تھا اور نہ ہی وہ ادھر آئے تھے۔ حمنہ نے فون پر کہا بھی تھا آنے کو۔

انہوں نے سوچا اور پھر بیٹھ گئیں۔ ان کی نظریں دروازے کی طرف تھیں۔ گیٹ کھلنے اور گاڑی پورچ میں آنے کی آواز انہوں نے سنی اور یقین ہو گیا کہ قامی ہی ہے لیکن قامی کے بجائے شاہ جی کو لاؤنج میں آتے دیکھ کر وہ یکدم کھڑی ہو گئیں۔

"شاہ جی آپ اچانک خیریت ہی ہے نا بی بی جان تو ٹھیک ہیں نا۔"

دوپٹا اچھی طرح سر پر لپیٹتے ہوئے وہ دو قدم آگے بڑھی تھیں۔

شاہ جی نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا تھا ان کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے اور ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔ وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ زینت فاطمہ کو لگا جیسے کہیں کچھ غلط ہو گیا ہے اس سے آگے انہوں نے کچھ نہیں سوچا اور گھبرا کر آواز دی۔

"عیشاں عیشاں شاہ میر اور سیدہ عظمیٰ شاہ کو بتاؤ جا کر شاہ جی آئے ہیں۔"

"نہیں۔"

عیشاں نے جو زینت فاطمہ کی آواز سن کر لاؤنج میں آگئی تھی شاہ جی کو سلام کیا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے منع کر دیا۔

"تم جاؤ اپنا کام کرو اور سیدہ زینت فاطمہ آپ بیٹھ جائیں۔"

ان کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ اس عمر میں بھی زینت فاطمہ کو لگا کہ اگر وہ کچھ دیر اور کھڑی رہیں تو گر جائیں گی فوراً ہی وہ شاہ جی کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"سیدہ زینت فاطمہ ہم نے آپ کو یہاں کس لیے بھیجا تھا کہ آپ بڑی ہیں بزرگ ہیں ان بچوں کی ان کا دھیان رکھیں گی اور یہاں کچھ ایسا نہیں ہونے پائے گا جس سے خاندان کی عزت کا مسئلہ اٹھے' ہم نے آپ کو یہاں ان کی نگرانی اور حفاظت کے لیے بھیجا تھا زینت فاطمہ نہ یہ کہ آپ خود بھی ساری روایات بھلا بیٹھیں اور بے حجاب شاہ رخ کے دوستوں کے سامنے خود بھی آئیں اور بچیوں کو بھی ۔۔۔"

"شاہ جی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

فق چہرے کے ساتھ شاہ جی کی بات سنتے سنتے بے اختیار ہی زینت فاطمہ کے لبوں سے نکلا۔

"آپ جانتی ہیں سیدہ زینت فاطمہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ یہاں وہ لڑکا کیا نام ہے اس کا بلند بخت آتا رہا ہے یا نہیں۔"

اور زینت فاطمہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

"جی شاہ جی وہ شاہ رخ کا دوست ہے اور شاہ رخ سے ملنے آتا رہتا تھا اب تو بہت دنوں سے وہ اسلام آباد چلا گیا ہے۔"

"اور بچیاں اس کے سامنے آتی رہی ہیں۔"

"ایسا نہیں ہے شاہ جی۔"

زینت فاطمہ نے نظریں جھکا لیں لیکن سینے کے اندر ان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"تو پھر اس لڑکے نے عظمیٰ شاہ کو کہاں دیکھا کہ اس کا رشتہ مانگنے حویلی تک چلا آیا وہ اور اس کے والدین۔"

"اس کی والدہ آئی تھیں یہاں' وہ بچیوں سے ملی تھیں اور انہوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن میں نے انہیں بتا دیا تھا کہ دونوں بچیوں کے رشتے طے ہو چکے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے بلند بخت نے آتے جاتے کہیں سیدہ عظمیٰ کو دیکھا ہو۔" زینت فاطمہ کی آواز دھیمی تھی۔

"زینت فاطمہ پتا نہیں۔ کیا خوف خدا تھا جس نے ہمیں روک لیا ورنہ ہم اس لڑکے کے ٹکڑے کر کے پھنکوا

دیتے کہ پتا نشان بھی نہ ملتا اور آپ جانتی ہیں تاہم ایسا کر سکتے ہیں اور یہ لڑکا زینت فاطمہ یہ لڑکا آپ جانتی ہوں گی ضرور یہ اس عباس مرزا کا بھانجا ہے جسے سید پور سے واپس آنا نصیب نہیں ہوا تھا۔ کہیں یہ سب آپ کا تو کیا دھرا نہیں ہے سیدہ زینت فاطمہ۔" انہوں نے اپنے ہاتھ زینت فاطمہ کے کندھوں پر رکھ کر دباؤ ڈالا۔

"وہ لڑکا اپنے والدین کے ساتھ اونچی حویلی ٹھہرا ہوا تھا اور ابرار شاہ اس کے والدین کو لے کر بڑی حویلی آئے تھے یہ ابرار شاہ کو بھی بہت شوق ہو چلا ہے لوگوں کو بڑی حویلی لانے کا کبھی قائم علی شاہ کو ساتھ لے کر آجاتا ہے اور کبھی اپنے مقتول دوست کی بہن اور بہنوئی کو۔"

زینت فاطمہ ساکت بیٹھی تھیں اور انہیں لگ رہا تھا جیسے ان کے کندھے شاہ جی کے ہاتھوں کے دباؤ سے ٹوٹ رہے ہوں۔

"اور آپ کو یاد تو ہو گا زینت فاطمہ وہ ابرار علی شاہ کا دوست جس نے اونچی حویلی کے گیٹ پر رک کر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی جرات کی تھی۔۔ وہ اور اس کا انجام۔۔" انہوں نے زینت فاطمہ کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

اور وہ کب بھولی تھیں اسے اور اس لمحے کو جب وہ مردہ جسم حویلی کے صحن میں پڑا تھا۔

"سمجھا دینا شاہ رخ شاہ کو اسے کہہ دے کہ آئندہ وہ وہاں کا رخ نہ کرے نہیں تو اس کے ماموں کی طرح اسے بھی اس کے ماں باپ ساری زندگی روتے پھریں گے۔"

زینت فاطمہ کے دل میں چھپی نفرت یکدم بھڑک کر جیسے پورے وجود میں پھیل گئی۔

عباس مرزا اور بلند بخت کے چہرے ان کی نگاہوں کے سامنے آنے لگے۔

"نہیں۔" انہوں نے کہا تھا لیکن ان کے ہونٹ بند تھے۔

"اور سامان وغیرہ باندھ لو کل صبح واپس حویلی جانا ہے آپ کو سیدہ اسما اور سیدہ عظمیٰ کو ہم ابھی میں آگے فیصل آباد جا رہا ہوں کل صبح واپس آؤں گا۔۔۔ زمین کا سودا کرنا ہے۔ تم لوگ تیار رہنا۔"

وہ پھر صوفے پر بیٹھ گئے اور بغور زینت فاطمہ کو دیکھا۔ جن کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا۔

"سیدہ زینت فاطمہ۔"

اب کے ان کا لہجہ اور آواز آہستہ تھی لیکن اس میں بلا کی ٹھنڈک اور سنگینی تھی۔

"ابرار علی شاہ کا دوست بہت دنوں سے حویلی میں ٹھہرا ہوا تھا۔۔۔ اور آپ اکثر اونچی حویلی جاتی تھیں اور ہمیں یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اسے پیچھے مڑ کر دیکھنے اور مسکرانے کی جرأت آپ نے عطا کی تھی۔"

زینت فاطمہ نے بے اختیار سر اٹھا کر شاہ جی کو دیکھا جو عجیب نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"تو۔۔۔ وہ جسے ایک نظر کا مجرم سمجھتی رہیں ساری زندگی وہ صرف ایک نظر کا تنہا مجرم نہ تھا بلکہ شاہ جی انہیں بھی مجرم سمجھتے رہے تھے ساری زندگی اور اس بے گناہ شخص کو جس جرم کی سزا دی گئی تھی وہ تو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔"

"اور اب بھی ہم نادان نہیں ہیں زینت فاطمہ ہمیں اندازہ لگانے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا تھا کہ بلند بخت کے والدین کو حویلی تک آنے کی جرأت کیسے اور کیوں ہوئی۔ مرد اس طرح کا قدم عورت کے سہارے ہی اٹھاتا ہے۔ بلند بخت کی پشت پر آپ ہیں یا عظمیٰ شاہ ہمیں اس پر بحث نہیں کرنا۔ قصور اگر عظمیٰ شاہ کا بھی ہے تو آپ برابر کی قصوروار ہیں کہ آپ کو یہاں نگرانی کے لیے چھوڑا گیا تھا نہ یہ کہ اپنے کسی پرانے جذبے کی تسکین کے لیے۔"

"ہم نے جو نہیں بھی کہا سیدہ زینت فاطمہ یقیناً" آپ نے وہ بھی جان لیا ہو گا۔

عیشاں۔" انہوں نے گویا بات ختم کر کے عیشاں کو آواز دی۔

"جی شاہ جی۔" وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی۔

"پانی لاؤ۔" زینت فاطمہ نے نظریں اٹھائی تھیں اور عیشاں پر سے ہوتی ہوئی ان کی نظریں شاہ میر اور عظمیٰ پر پڑی تھیں وہ اپنے اپنے کمروں کے دروازے پر کھڑے تھے۔

تو کیا دونوں نے وہ سب کچھ سنا جو شاہ جی نے کہا پتا نہیں وہ کب سے وہاں کھڑے تھے انہوں نے نظریں جھکا لیں

اور گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگیں۔ عمر بھر کی ریاضت چند لمحوں میں مٹی میں مل گئی تھی۔

"پانی ادھر رکھ دو۔"

انہیں شاہ جی کی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"السلام علیکم شاہ جی۔" شاہ میر کمرے سے باہر نکل آیا۔

"ارے شاہ میر بیٹا آپ وعلیکم السلام۔"

شاہ جی اٹھ کر اس سے گلے ملے اور انہوں نے پھر نظریں اٹھا کر عظمیٰ کو دیکھا جو ایک ہاتھ کواڑ پر دھرے انہیں دیکھ رہی تھی نظریں ملیں تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لاؤنج میں ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم شاہ جی۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"پڑھائی شڑھائی ختم ہو گئی ہے تم لوگوں کی تو اب حویلی چلنے کی تیاری کرو۔"

وہ خاموشی سے زینت فاطمہ کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ بالکل غیر ارادی طور پر ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ شاہ جی شاہ میر کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"تو شاہ میر پتر کب واپسی ہوئی۔"

"رات کو ہی آیا ہوں شاہ جی۔"

"خوب سیر وسیر کی کہاں کہاں گئے تھے۔"

"جی شاہ جی مری بھوربن نتھیا گلی وغیرہ۔"

"اور اب کیا ارادے ہیں کل سب واپس حویلی جا رہے ہیں تم بھی چلو کیا کرنا ہے نوکری کر کے۔"

"جی شاہ جی ابھی تو کچھ سوچا نہیں خاص' کل ایک جگہ انٹرویو دینے جانا ہے۔"

"چلو شوق ہے تو کچھ دن کر لو ورنہ ایسی کوئی ضرورت نہیں۔"

شاہ میر خاموش ہی رہا۔

"یہ سیدہ اسما شاہ کب تک آجاتی ہیں ہسپتال سے۔" انہوں نے عظمیٰ کی طرف دیکھا۔

"دو بجے تک آجائیں گی آج۔"

"ٹھیک ہے کل ملاقات ہو گی اسے فون کر کے بتا دو کہ کل حویلی واپس جا رہے ہیں سب' کچھ قانون شنون ہو گا بتانے کا تو بتا دے گی۔"

عظمیٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور شاہ رخ بھی آفس میں ہو گا جاتے ہوئے مل لوں گا۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شاہ جی آپ ابھی جا رہے ہیں۔" شاہ میر نے پوچھا۔

"ہاں پتر فیصل آباد جانا ہے کچھ زمین کا سودا کیا ہے۔"

"کیا فیصل آباد میں۔"

"نہیں اپنے ہی علاقے میں ہے زمین چودھری صابر کی وہ فیصل آباد میں رہتا ہے مدتوں سے اسی کے باپ دادا کی زمین ہے۔ بڑے عرصے سے بات چل رہی تھی اب آکر وہ راضی ہوا ہے۔"

"اور ہاں یہ شاہ رخ کو کس کی ہمدردی کا بخار چڑھا ہے تمہاری بی بی جان کہہ رہی تھیں فون آیا ہے اس کا۔"

"جی کیا مطلب میں سمجھا نہیں آپ کی بات۔"

شاہ میر نے حیرت سے پوچھا تو انہوں نے سوالیہ نظروں سے زینت فاطمہ کی طرف دیکھا۔ زینت فاطمہ کا سر بے اختیار نفی میں ہل گیا وہ کچھ نہیں جانتی تھیں کہ کیا بات ہے۔

"خیر آفس جا رہا ہوں بات کر لوں گا۔"

بات کر کے انہوں نے عیشاں کو آواز دی۔

"یہ گلزار کو کہو باہر گاڑی میں جا کر بیٹھے فیصل آباد جانا ہے اسے میرے ساتھ۔"

گلزار اوپر کے کام کے لیے تھا اور گاؤں سے ہی شاہ جی نے اسے ساتھ بھیجا تھا بارہ تیرہ سال کا لڑکا تھا اور عیشاں کا بھانجا تھا۔

زینت فاطمہ کے وجود میں لمحہ بھر کے لیے ارتعاش سا پیدا ہوا۔

"یہ' یہ شاہ جی گلزار کو اپنے ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں۔"

شاہ جی اور شاہ میر کے باہر نکلنے کے بعد انہوں نے وحشت بھرے انداز میں عظمیٰ کا بازو جھنجھوڑا۔

"وہ۔۔۔ پوچھ لیں گے گلزار سے سب کچھ جان لیں گے سب۔ قامی حمنہ' شجی' شاہو سب آتے ہیں یہاں۔ وہ اس لیے تو گلزار کو لے کر جا رہے ہیں۔ عظمیٰ ہ عظمیٰ' قامی کو فون کرو جلدی بتا دو سب' کہو چھپ جائے چلا جائے کہیں مار دیں گے شاہ جی اسے۔"

"پھپھو' پھپھو کیا ہوا ہے آپ کو کچھ نہیں ہوگا کیوں اتنی گھبرا رہی ہیں آپ۔"

عظمیٰ نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی دی۔

"اور پھر گلزار کب جانتا ہے قامی چاچو کو اور۔"

"تو نہیں جانتی۔۔۔ تو نہیں جانتی عظمیٰ۔" انہوں نے اس کی بات کاٹ دی۔

"وہ سب اگلوا لیں گے گلزار سے۔ وہ اسی لیے تو اسے ساتھ لے کر جا رہے ہیں۔ انہیں اندازہ لگانے میں کتنی دیر لگے گی عظمیٰ کہ گھر آنے والے ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر۔"

"تو جان لیں سب' آپ کیوں ڈر رہی ہیں اتنی۔ وہ آپ کے بھائی ہیں ایسے ہی جیسے شاہ جی۔"

عظمیٰ نے اپنا بازو ان کے گرد حمائل کرتے ہوئے انہیں ساتھ لگا لیا۔ وہ کسی ننھے بچے کی طرح اس کے ساتھ لگ گئیں۔

"پھپھو یہ شاہ جی کیا کہہ رہے تھے اور کیوں میں نے سب سنا ہے۔ وہ بلند بخت کے امی ابو کے وہاں جانے پر ناراض ہو رہے تھے نا لیکن اس میں کیا حرج تھا۔ ایک بار موت سے پہلے جینے کی کوشش تو کرنا چاہیے نا پھپھو۔"

وہ ہولے ہولے بول رہی تھی۔

"اور وہ یہ کیا کہہ رہے تھے کہ انہوں نے کسی کو مروا دیا تھا۔ وہ۔"

وہ تھوڑا سا جھجکی۔

وہ بلند بخت کے جو ماموں ہمارے گاؤں میں مارے گئے تھے کیا انہیں شاہ جی نے مروایا تھا اور کیا آپ' آپ ان سے محبت کرتی تھیں پھپھو اور کیا۔"

"نہیں۔" زینت فاطمہ تڑپ کر سیدھی ہو گئیں۔

"میں نے تو پہلی بار اسے تب ہی دیکھا تھا جب اونچی حویلی جا رہی تھی۔ پہلی اور آخری بار۔"

انہوں نے عظمیٰ شاہ کو سب سچ بتا دیا تھا۔

عظمیٰ نے سب حیرت سے سنا اور کتنی ہی دیر یونہی خاموش بیٹھی رہی۔

"بلند بخت کے ماموں کو شاہ جی نے قتل کروایا ہے۔" اس نے جیسے خود سے سرگوشی کی۔

"تو۔۔۔ پھپھو لوگ قتل کے بدلے میں اپنی بیٹیاں بھی تو دے دیا کرتے ہیں نا ۔۔۔ میں شاہ جی کا قصاص ادا کروں گی۔ پھپھو میں کہتی ہوں بلند بخت کو کہ آ کر مجھے لے جائے اپنے ماموں کے قتل کے قصاص میں۔"

"عظمیٰ کیا کہہ رہی ہو پاگل ہو گئی ہو۔" زینت فاطمہ جیسے ہوش میں آ گئی تھیں۔

"نہیں پھپھو میں سچ کہہ رہی ہوں بلند بخت نہ آیا تو میں خود چلی جاؤں گی اس کے نانا کے گھر۔"

اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور پورے وجود سے جیسے آگ نکل رہی تھی۔

زینت فاطمہ وحشت سے آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ تو بہت حساس تھی بہت نرم دل وہ تو کسی چڑیا کے بچے کو مرتے دیکھ نہ سکتی تھی ایک جوان جیتے جاگتے زندگی سے بھرپور شخص کی موت اور وہ بھی اپنے باپ کے ہاتھوں اس سے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"وہ' وہ کیسے تھے پھپھو عباس مرزا۔"

اس نے ہولے سے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا تو زینت فاطمہ کے پتھر وجود میں جنبش ہوئی۔

"بالکل بلند بخت کے جیسا ایسا ہی سانولا رنگ اونچا لمبا قد اور ایسی ہی مسکراتی آنکھیں۔"

شاہ میر شاہ جی کو چھوڑ کر الجھا الجھا سا آ کر لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا اور سوالیہ نظروں سے زینت فاطمہ کو دیکھ رہا تھا جو ایک بار پھر اردگرد سے بے گانہ ہو گئی تھیں۔ ان کی نظروں کے سامنے مسکراتی آنکھوں سے انہیں دیکھتا عباس مرزا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے شاہ میر کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کا پورا وجود جیسے پتھر ہو رہا تھا لیکن اندر آگ دہک رہی تھی۔ شعلے بھڑک رہے تھے۔ اندر کہیں سے آواز اٹھ رہی تھی کہ وہ ایسا ہی کریں جیسا سیدہ عظمیٰ کہہ رہی ہے۔ وہ بلند بخت کو بلائیں اور سیدہ عظمیٰ شاہ کا نکاح کروا دیں بلند بخت سے اور پھر شاہ جی کی کیفیات دیکھیں اور ان سے پوچھیں کہ کیا انہیں اندازہ تھا کہ ایسا ہونے والا ہے۔۔۔ اور کتنے سارے ناکردہ گناہوں کا بوجھ ڈال دیا تھا شاہ جی نے ان کے ناتواں دل پر۔

یکدم انہیں اپنا سانس سینے میں گھٹتا ہوا سا محسوس ہوا۔ انہوں نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور بند ہوتی آنکھوں سے شاہ میر کی طرف دیکھا۔ ان کی سماعتوں نے شاہ میر اور عظمیٰ کی اونچی آواز سنی تھی۔

"پھپھو۔۔۔ پھپھو" وہ دونوں انہیں بے قراری سے پکار رہے تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ وہ آنکھیں کھول کر ان کی پکار کا جواب دیں لیکن ان کے ہونٹ جڑ کر رہ گئے تھے اور آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور پھر نہ جانے کتنی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولی تھیں۔

"زینی آپا۔۔۔ زینی آپا۔"

انہیں آنکھیں کھولتے دیکھ کر سید قائم علی شاہ یکدم ان کی طرف جھکے تھے۔

انہوں نے اپنے اردگرد دیکھا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں تھیں سید قائم علی شاہ' حمنہ' شاہ رخ' اسما' شاہ میر سب ہی ان کے کمرے میں تھے۔

"کیا ہوا تھا مجھے۔" انہوں نے اپنے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

"آپ اچانک بے ہوش ہو گئی تھیں پھپھو۔" شاہ میر نے جو حمنہ کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا بتایا۔

"اور میں نے قامی چاچو کو فون کر کے بلایا تھا۔"

"وہ۔۔۔ وہ مار ڈالیں گے تمہیں حمنہ کو بچوں کو۔۔۔ انہیں اب تک پتا چل چکا ہو گا کہ تم۔۔۔"

"زینی آپا پلیز حوصلہ کریں کچھ نہیں ہو گا۔ اگر میری زندگی ہے تو کوئی ہمارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا اور اگر زندگی نہیں تو پھر ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

زینت فاطمہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں پھر جیسے اچانک انہیں کچھ یاد آیا۔

"وہ۔۔۔ وہ چلی گئی۔"

انہوں نے اردگرد عظمیٰ شاہ کو کھوجا۔

"شاہ رو کو اسے روک لو قیامت آ جائے گی۔ وہ ایک ایک کو چن چن کر مار ڈالیں گے بلند بخت کو اس کے خاندان کے ایک ایک فرد کو۔"

سید قائم علی شاہ تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ شاہ رخ اور شاہ میر کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

"وہ۔"

زینت فاطمہ نے کلاک پر نظر ڈالی گیارہ بجنے والے تھے۔

"عیشاں بھی ساتھ جائے گی۔" اسما نے پھر پوچھا۔

"پتا نہیں۔"

زینت فاطمہ کے دل کو جیسے پنکھے لگے ہوئے تھے تھر تھر دل کسی سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ آج اگر شاہ جی نہ آئیں تو آج ہی وہ بلند بخت کو بلا کر۔ تب ہی شاہ میر گھبرایا ہوا سا اپنے کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں سیل فون تھا۔

"پھپھو۔۔۔ پھپھو امی شاہ رخ بھائی کہاں ہیں چلے گئے کیا۔"

"نہیں۔۔۔ آج نہیں گئے آفس اپنے کمرے میں ہوں گے شاید ہمارے ساتھ ہی حویلی جائیں۔"

اسما نے جواب دیا زینت فاطمہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے میرو۔"

ان کا دل پہلے سے زیادہ تیز رفتاری سے دھڑک اٹھا۔

"وہ پھپھو ہماری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ شاہ جی بہت زخمی ہیں ڈرائیور نے فون کیا ہے وہ خود بھی زخمی ہے لیکن زیادہ نہیں اور۔۔۔ اور گلزار شدید زخمی ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا اور پھر تیزی سے شاہ رخ کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ زینت فاطمہ جیسے بیٹھے بیٹھے سو گئی تھیں لمحہ بھر کے لیے۔ سیدہ اسما شاہ بے چینی سے اٹھی اور اس نے عظمٰی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"عظمٰی تم ہم نے سنا شاہ جی۔"

اسما کی آواز بھرا گئی اور ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"ہاں۔" عظمٰی چونکی۔

"شاہ جی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔"

اس نے خالی خالی نظروں سے اسما کو دیکھ کر سر ہلایا لیکن اسما بات کر کے رکی نہیں تھی وہ تیزی سے شاہ میر کے پیچھے شاہ رخ کے کمرے کی طرف لپکی۔ وہ دونوں عجلت میں کمرے سے نکل رہے تھے۔

"میں۔۔۔ میں بھی جاؤں گی آپ کے ساتھ کس ہسپتال میں ہیں شاہ جی۔"

اس نے شاہ رخ کا ہاتھ پکڑا۔ شاہ رخ نے مڑ کر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا وہ صوفے پر پڑی چادر اٹھاتی ان کے پیچھے ہی لاؤنج سے نکل گئی۔ لاؤنج میں صرف زینت فاطمہ اور سیدہ عظمٰی رہ گئیں۔

"میں نے۔۔۔ میں نے اس طرح تو نہیں۔۔۔ نہیں۔" زینت فاطمہ نے جھرجھری لی۔

"اللہ شاہ جی کو زندگی دے بیٹا۔"

ان کے پتھر وجود میں جنبش ہوئی اور انہوں نے ساکت بیٹھی عظمٰی کو آواز دی۔

"عظمٰی۔۔۔ سیدہ عظمٰی شاہ۔" ان کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

"اس طرح مت بیٹھو۔ مت بیٹھو اس طرح اور قاسمی۔۔۔ ہاں قاسمی کو فون کرو۔ حمنہ کو بتاؤ۔۔۔ پتا نہیں انہیں خبر بھی ملی ہے یا نہیں۔"

■■■

"شاہ جی شاہ جی پلیز آنکھیں کھولیں۔"

سید قائم علی شاہ آئی۔ آئی سی یو میں سید مقیم علی شاہ کے بیڈ کے پاس کھڑے ان کے بازو پر ہاتھ رکھے بے قراری سے انہیں پکار رہے تھے۔ سید مقیم علی شاہ نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور کئی لمحے یونہی انہیں دیکھتے رہے۔ کتنے دن ہو گئے تھے جب بھی ان کی آنکھ کھلتی وہ سید قائم علی شاہ کو اپنے بیڈ کے پاس ہی پاتے تھے۔ بے چین اور بے قرار سے۔ روتے ہوئے بے قراری سے انہیں پکارتے ہوئے۔

یہ سید قائم علی شاہ تھا۔ جب وہ پیدا ہوا تھا تو شاید انہیں ہی سب سے زیادہ خوشی ہوئی تھی۔ اظہار شاہ بڑے تھے

تب ہی ان کی نظر کمرے میں داخل ہوتی عظمٰی شاہ پر پڑی تو انہوں نے چاہا کہ وہ اٹھ کر عظمٰی شاہ کی طرف جائیں لیکن انہیں چکر سا آ گیا سید قائم علی شاہ نے انہیں تھام کر نرمی سے بستر پر لٹا دیا اور حمنہ کی طرف دیکھا۔

حمنہ نے آگے بڑھ کر ان کے بازو میں انجکشن لگا دیا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں شاہ رخ۔"

انہوں نے شاہ رخ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"ابھی سو جائیں گی اور اٹھیں گی تو بہت حد تک ریلیکس ہو چکی ہوں گی اور اب تم آؤ میرے ساتھ اور ساری بات مجھے بتاؤ۔"

وہ شاہ رخ کو لے کر باہر نکل گئے۔

اور شاہ رخ کو شاہ میر سے جو کچھ معلوم ہوا تھا اس نے سید قائم علی شاہ کو بتا دیا۔

"کسی کے گھر رشتہ لے کر جانا اتنا بڑا جرم تو نہیں ہے شارو۔"

سید قائم علی شاہ کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"اور مجھے افسوس ہے کہ بلند بخت کی والدہ کو حمنہ نے ہی عظمٰی کا بتایا تھا۔ وہ لڑکیاں تلاش کر رہی تھیں بیٹے کے لیے تو حمنہ نے عظمٰی کا کہہ دیا۔ اچھا لڑکا ہے بلند بخت بلکہ بہت اچھا اور پھر سید ہے۔ حمنہ بیٹے کی طرح ہی اس سے محبت کرنے لگی ہے اس نے سوچا کہ ایک بیٹے کی نہ سہی دوسرے بیٹے کی دلہن وہ اس گھر سے لے آئیں عظمٰی اسما دونوں ہی اسے بہت پیاری ہیں۔ میں شرمندہ ہوں بہت حمنہ نے بڑی غلطی کی۔"

"نہیں چاچو ایسی کوئی بات نہیں۔"

شاہ رخ کسی سوچ میں تھے۔

"کوئی راستہ۔۔۔ کوئی تدبیر۔" وہ گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

شاہ رخ بھی خاموش بیٹھے تھے دونوں اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے کوئی راستہ کوئی تدبیر لیکن تقدیر کی اپنی پلاننگ اور اپنے فیصلے تھے۔

سیدہ اسما شاہ عیشاں کو ساتھ لگائے اپنا سامان پیک کر رہی تھی۔ زینت فاطمہ لاؤنج میں صوفے پر خاموش بیٹھی اسے سامان پیک کرتے دیکھ رہی تھیں۔ ان کے ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا وہ بلند بخت کو بلوا کر عظمٰی کا نکاح پڑھوا دیں اور شاہ جی سے اس ساری اذیت کا بدلہ لے لیں جو کل ان کی آمد سے لے کر اب تک ان کی رگوں کو کاٹ رہی تھی۔ وہ بار بار اس خیال کو جھٹکتیں اور بار بار یہ خیال ان کے ذہن میں آ جاتا سامنے والے صوفے پر دونوں پاؤں صوفے پر رکھے عظمٰی بیٹھی تھی پتا نہیں اس کے ذہن میں کیا تھا۔ وہ کیا سوچ رہی تھی۔ زینت فاطمہ نے کئی بار سر اٹھا کر بغور اسے دیکھا اور اس کے چہرے سے اس کے دل کا حال کھوجنے کی کوشش کی لیکن اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور آنکھیں اتنی ویران جیسے ان میں دھول اڑ رہی ہو وہ دونوں بازو گھٹنوں کے گرد حمائل کیے بہت دیر سے اسی کیفیت میں بیٹھی تھی۔

"عظمٰی تم نے سب سامان رکھ لیا اپنا۔"

اسماء نے اپنا اٹیچی بند کرتے ہوئے عظمٰی کی طرف دیکھا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بدستور کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے سامنے دیوار کی طرف دیکھتی رہی۔

"فی الحال اپنے کپڑے وغیرہ رکھ لو میں نے شاہ میر سے کہہ دیا ہے وہ بعد میں ہماری سب کتابیں کارٹن میں پیک کروا کے لے آئے گا۔"

عظمٰی نے اب بھی جواب نہ دیا تو وہ زینت فاطمہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"پھپھو شاہ جی نے کب تک آنے کا کہا تھا۔"

"فیصل آباد سے لاہور تک کا فاصلہ ہی کتنا ہے ناشتا کر کے بھی چلے ہوں تو اب پہنچنے والے ہوں گے۔"

سنجیدہ اور بردبار کو سے وہ ان سے بے تکلف نہ تھے پھر بہت چھوٹی عمر میں ہی دا جی نے انہیں مری ہوسٹل میں بھجوا دیا تھا۔ گھر میں ان سے چھوٹی دو بہنیں تھیں جن کے ساتھ دوستی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے جب سید قائم علی شاہ پیدا ہوئے تو انہوں نے سوچ لیا کہ وہ اسے اپنے ساتھ ساتھ رکھیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا بھی تھا میٹرک تک سید قائم علی شاہ کے ساتھ ان کی دوستی اور محبت بہت گہری تھی پھر وہ لاہور چلے گئے پڑھنے کے لیے تب بھی یہ محبت کم نہ ہوئی تھی وہ اپنی باتیں ان سے شیئر کرنے کے لیے بڑی بے چینی سے ان کی چھٹیوں کا انتظار کرتے تھے لیکن پھر بی بی جان آ گئیں۔ جنہوں نے ان کے دل میں نفرت کا بیج بویا تھا۔

”دا جی قامی کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں دا جی آپ سے اتنی محبت نہیں کرتے جتنی لالا جی اور قامی سے۔“

حالانکہ قریب رہنے کی وجہ سے وہ دا جی سے زیادہ قریب تھے۔ پھر بھی ان کے اندر زہر پھیلتا گیا۔ پھر بی بی جان کی بہن سے شادی سے انکار اپنی پسند سے شادی ان کا پورا وجود ہی زہریلا ہو گیا تھا۔

پھر دا جی کا انتقال... وہ چاہتے تھے قامی کو خبر کر دیں۔ دا جی نے مرتے سے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ قامی کے لیے حویلی کے دروازے کھول دیں گے۔ اسے سینے سے لگا لیں گے۔

”جھلیا وہ تیرا بازو ہے کوئی یوں خود سے اپنا بازو کاٹ کر پھینکتا ہے۔ پھر اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کب کہا ہے کہ سید خاندان سے باہر شادی نہ کرو۔“

لیکن بی بی جان... ہاں بی بی جان نے انہیں یہ عہد نبھانے نہ دیا اور پتا نہیں کہاں سے ان کے اندر لالچ کا درخت اگ آیا جس کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئیں۔

یہ اتنی زمینیں یہ حویلی اس سب کے وہ تنہا مالک تھے۔ قامی آ جاتا تو اس سب میں اس کا بھی حصہ ہوتا ”ہمارے تین بیٹے ہیں جائیداد آدھی ہو گئی تو تینوں کے حصے میں کیا آئے گا بھلا۔“

بی بی جان نے ان کے کان میں ڈالا تھا اور وہ عورت پر حکمرانی کرنے والے مرد کی سی سوچ رکھنے والے شاہ جی ہمیشہ بی بی جان کی مرضی پر ہی چلتے رہے تھے۔ وہ سید قائم علی شاہ کے مجرم تھے۔

اس وقت جب سامنے سے آنے والے ٹرالر نے ان کی گاڑی کو ٹکر ماری تھی تو آنکھیں بند ہونے سے پہلے ایک لمحہ کے لیے ان کے دل میں خیال آیا تھا۔ انہوں نے کیا کمایا تھا۔ انہوں نے اللہ کے فرائض تو ادا کیے تھے لیکن حقوق العباد۔ انہوں نے کتنے لوگوں کی حق تلفی کی تھی۔

قامی۔ شاہ بابا...

”اور کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا۔“

”شاید نہیں“ ان کے دل پر مایوسی طاری ہو گئی تھی اور اب اللہ نے انہیں زندگی دے کر موقع دیا تھا کہ وہ سب کا حق ادا کر کے اپنے لیے معافی طلب کر لیں۔

شاہ جی کو اپنی طرف خاموشی سے تکتے پا کر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے سید قائم علی شاہ نے ان کے بازو سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور پیچھے مڑ کر ڈاکٹر احسن کی طرف دیکھا۔

”انہیں کمرے میں شفٹ کروا دیں۔“

ان کے لہجے میں بے انتہا تھکن تھی اور چہرے پر ایک نامعلوم سی اداسی کا غبار پھیلا ہوا تھا۔

”قا... قا... قامی۔“

شاہ جی نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر سید قائم علی شاہ کو روکنے کی کوشش کی وہ ٹھیک سے بول نہیں سکتے تھے کیونکہ حادثے کے وقت ان کی زبان کٹ گئی تھی اور وہاں اسٹیچز لگے ہوئے تھے۔ سر میں بھی زخم آیا تھا دائیں بازو میں بھی فریکچر ہو گیا تھا۔

سید قائم علی شاہ نے یکدم مڑ کر ان کا اٹھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور چومتے ہوئے آنکھوں سے لگایا۔

”شاہ جی مجھے کچھ نہیں چاہیے نہ جائیداد نہ زمین میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے مجھے صرف آپ کی

شفقت و محبت درکار ہے۔ یہ دوریاں یہ ناراضگیاں اندر سے کھوکھلا کر رہی ہیں مجھے۔“

شاہ جی کی پلکیں نم ہوئیں اور ہونٹ لرزنے لگے انہوں نے مضبوطی سے سید قائم علی شاہ کے اس ہاتھ کو تھام لیا جس میں ان کا ہاتھ تھا

”شاہ جی۔“

جذبات کی شدت سے قائم علی شاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ انہوں نے سختی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ شاہ جی نے اپنے بائیں ہاتھ سے ان کے رخساروں پر بہتے آنسو پونچھنے کی کوشش کی اور سر جھکا کر پیشانی چومی۔ دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے اور حمنہ سائیڈ پر کھڑی مسکراتی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔

”شاہ جی۔“ زینت فاطمہ نے ان کے پیچھے تکیے رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”آپ کو پتا ہے شعبی شاہرم اور قامی نے آپ کو بلڈ دیا ہے۔ بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا اور پتا ہے حمنہ قامی شعبی سب چار دن سے مسلسل ہسپتال میں ہی تھے۔“

زینت فاطمہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی ہاسپٹل آئی تھیں۔ شاہ رخ نے فون کر کے انہیں بتا دیا تھا کہ شاہ جی کو کمرے میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

”سب کہاں ہیں۔“

”قامی تو تھیٹر میں ہے شاید اور حمنہ ـــــ اپنے کمرے میں مریض چیک کر رہی ہیں۔ باقی لوگ کینٹین کی طرف گئے ہیں چائے پینے۔“

زینت فاطمہ نے بتایا۔ تب ہی شاہ رخ، اسما اور شجاع ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے تھے۔

”السلام علیکم شاہ جی کیسی طبیعت ہے اب۔“ شجاع ان کے پاس ہی ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

وہ مسکرائے اور شجاع کے چہرے کو محبت سے اپنے ہاتھوں میں تھام کر اس کی پیشانی چومی۔

”نہ نہ یہ ہاتھ نہ ہلائیں شاہ جی۔“

شاہ رخ کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ اسما شاہ بھی بے اختیار آگے بڑھی تھیں انہوں نے اسما کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور پھر زینت فاطمہ کی طرف دیکھا اور ٹھہر ٹھہر کر بولے۔

”قامی کہاں ہے اسے کہو میں نے اپنی بیٹی اس کے حوالے کی۔“

حمنہ جو اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھیں ہاتھ سے شاہ رخ کو پیچھے کرتے تیزی سے آگے بڑھیں۔ خوشی سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے انہوں نے شاہ جی کے بیڈ کے پاس کھڑی سیدہ اسما کو بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

”شاہ جی! یہ ہماری بیٹی ہے ہمیں جان سے بھی پیاری ہو گی۔ شاہ جی آپ نے ہمیں معاف کر دیا۔ اپنے قدموں میں جگہ دی۔“ شدتِ جذبات سے ان کی آواز بھرا رہی تھی اور لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے لبوں سے نکل رہے تھے۔

”ریلیکس چچی جان۔“

شاہ رخ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور انہیں اس جذباتی کیفیت سے نکالنے کے لیے مسکرائے۔

”چچی جان آپ کا ایک اور بیٹا بھی ہے منہ بولا۔ اس وقت شاہ جی مہربان ہیں تو اس کے لیے بھی دامن پھیلا دیں۔“

”ہاں ہاں۔“ ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھتے اور اسما کو الگ کرتے ہوئے انہوں نے سچ مچ اپنا دوپٹا پھیلا دیا۔

”شاہ جی میرا وہ بیٹا تو اس شعبی سے بھی اچھا ہے۔ بہت محبت کرنے والا اس کا نام بلند بخت ہے اور اس کے باپ کا نام سید ہمایوں بخت ہے۔“ شاہ جی چونکے۔

”اس کے لیے عظمیٰ کو دے دیجیے پلیز۔ بہت محبت کرنے والے اور قدر دان لوگ ہیں۔“ شاہ جی مسکرا دیے تھے۔ ”عبدالغفار سے ایک بیٹے کے لیے معذرت کروں گا تو دوسرے بیٹے کے لیے بھی انکار ہی ہو جائے گا۔ سیدہ

وہ یقیناً شاہ زیب ہی تھا جس نے آہٹ پر مڑ کر انہیں دیکھا تھا۔ اس نے کسی لڑکی کا بازو تھام رکھا تھا جب کہ لڑکی بازو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ باہر جانے والے دروازے کے پاس کھڑی تھی۔

"شاہ زیب یہ کیا ہے کون ہے یہ؟" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

شاہ زیب نے مڑ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"بی بی جان آپ اندر جائیں۔"

لیکن بی بی جان نے قدم آگے بڑھا دیے تھے۔

"شاہ زیب۔"

ان کے لہجے میں تنبیہہ تھی۔ شاہ زیب ان کی طرف متوجہ ہوا تو لڑکی کے بازو پر اس کی گرفت کمزور پڑ گئی۔ تب ہی لڑکی نے اپنا بازو چھڑایا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دروازے کی کنڈی کھول کر باہر نکل گئی۔

شاہ زیب بھی اس کے پیچھے لپکا۔ بی بی جان بھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھیں۔ باہر چبوترے پر بیٹھے شاہ بابا نے چبوترے سے چھلانگ لگائی۔ انہیں راتوں کو نیند نہیں آتی تھی اکثر راتوں کو وہ ٹہلتے رہتے تھے اس وقت رات کے دو بجے بھی وہ باہر صحن میں ٹہلتے ٹہلتے کچھ دیر کو چبوترے پر بیٹھے تھے۔

"سلمیٰ۔۔۔ سلمیٰ خانم۔"

صحن میں جلتے بلب کی روشنی میں انہوں نے اندرونی دروازہ کھول کر باہر آتی لڑکی کو دیکھا اور پھر اس کے پیچھے ہی شاہ زیب کو باہر نکلتے دیکھا جس نے لڑکی کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔

"چھوڑ دو۔۔۔ چھوڑ دو سلمیٰ کو۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر شاہ زیب کو دھکا دیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے چھپانے کی کوشش کی۔

"شاہ بابا ہٹ جائیے آگے سے۔"

شاہ زیب نے شاہ بابا کو ایک ہاتھ سے پیچھے کیا ہی تھا کہ بی بی جان نے اس کا بازو تھام لیا۔

"شاہ زیب تم اتنے گر چکے ہو کہ لڑکیوں کو۔۔۔"

بی بی جان کا بی پی شوٹ کر چکا تھا۔ شاہ زیب نے ان سے بازو چھڑانا چاہا اور بازو جھٹکا۔ بی بی جان اس جھٹکے سے یکدم پیچھے کی طرف گریں اور ان کا سر دروازے سے ٹکرایا۔ دروازے میں کوئی ابھرا ہوا کیل تھا شاید جس نے سر میں زخم کر دیا اور سر سے بہتا خون دیکھ کر شاہ زیب گھبرا گیا اور انہیں تھامتے ہوئے بے چینی سے پکارنے لگا۔

"بی بی جان بی بی جان۔"

بی بی جان کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ شاہ زیب کا نشہ ہرن ہو چکا تھا۔

شاہ بابا لڑکی کے گرد بازو حمائل کیے اسے اپنی کوٹھری کی طرف لے جا رہے تھے۔ لیکن شاہ زیب کا سارا دھیان اب بی بی جان کی طرف تھا جو شاید بے ہوش ہو چکی تھی۔

"تم سلمیٰ یہاں کیسے آ گئیں۔"

اپنی کوٹھری کا دروازہ بند کرتے ہوئے شاہ بابا پوچھ رہے تھے۔

"میں سلمیٰ نہیں ہوں۔" لڑکی وحشت بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میرا نام سلمیٰ نہیں ہے۔" اس نے پھر دہرایا۔

"لیکن تم۔۔۔ بالکل سلمیٰ کی طرح لگ رہی ہو۔"

"ہاں میں بھی پاگل ہوں سلمیٰ بھی تو میری طرح بوڑھی ہو چکی ہوگی۔"

وہ غور سے لڑکی کو دیکھ رہے تھے اور ان کی آنکھوں کے سامنے کئی منظر آ رہے تھے۔ یہ منظر کئی ماہ سے ان کی آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ کبھی انہیں یاد آ جاتا کہ وہ اپنے گھر میں اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ رہتے تھے پھر اور یاد کرنے پر بھی یاد نہ آتا کہ پھر کیا ہوا تھا۔ کبھی وہ تصور میں دیکھتے کہ وہ کسی سے ملنے آ رہے ہیں ان سے کہتے ہیں

عظمیٰ آپ کی ہی بیٹی ہے جو مناسب سمجھیں۔"

شجاع اور اسما شاہ کے چہرے چمک رہے تھے۔ زینت فاطمہ اور حمنہ کی آنکھیں نم تھیں اور شاہ رخ سوچ رہے تھے کہ اب وہ بھی اسفر کے سامنے سرخرو ہو سکیں گے۔ کتنا خوش ہوا تھا اسفران کی خواہش جان کر کہ وہ جلد ہی انعم کے لیے پھپھو اور چچی جان کو بھجوانے والے ہیں۔ حویلی سے بعد میں لوگ آ جائیں گے اور اللہ نے ان کی لاج رکھ لی تھی اور ان کی نیک نیتی کا بھرم رہ گیا تھا۔ شاہ جی نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا تو پھر انہیں منانا کون سا مشکل ہو گا۔

"شاہ رو اب تو شاہ جی ٹھیک ہیں اب تو حویلی میں فون کر کے بتا دو بی بی جان پریشان ہو رہی تھیں کہ شاہ جی اتنے دنوں کے لیے کیوں ٹھہر گئے ہیں لاہور۔"

زینت فاطمہ نے شاہ رخ کی طرف دیکھا تو وہ چونک کر شاہ جی کو دیکھنے لگے۔

"ہاں بتا دو۔"

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

■■■

شاہ رخ اور زینت فاطمہ نے حویلی میں شاہ جی کے حادثے کی خبر نہیں کی تھی بس اتنا بتا دیا تھا کہ شاہ جی ابھی کچھ دن لاہور میں ہی ٹھہریں گے بی بی جی کا بلڈ پریشر اکثر ہائی رہتا تھا اور شاہ رخ کا خیال تھا کہ وہاں وہ اکیلی ہیں اور اس طرح حادثے کا سن کر وہ پریشان ہو جائیں گی۔ شاہ زیب کو انہوں نے فون کرنے کی بہت کوشش کی تھی۔ لیکن نہ صرف اس کا سیل آف تھا بلکہ وہ اپنے آفس میں بھی نہیں تھا اور زارا کو انہوں نے بتانا مناسب نہ سمجھا تھا جب بھی گھر فون کیا ملازمہ نے بتایا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

"میرے خیال میں فون پر بتانا مناسب نہیں۔ بی بی جان کو یقین نہیں آئے گا کہ اب سب ٹھیک ہے۔ میں خود جا کر بتا دیتا ہوں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" زینت فاطمہ نے تائید کی۔

"تم خود ہی چلے جاؤ شاہ رخ اور بی بی جان کو بھی ساتھ ہی لے آؤ۔"

شاہ رخ فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کا دل خوشی سے سرشار تھا۔ وہ سب جو ناممکن تھا ہو گیا تھا اور دل جیسے یقین کرنے کو تیار ہی نہ تھا۔ لیکن یہ ہی سچ تھا کہ شاہ جی نے نہ صرف قاسمی چاچو کو گلے لگا لیا تھا حمنہ کو قبول کر لیا تھا بلکہ بلند بخت اور شجاع کا رشتہ بھی قبول کر لیا تھا۔

وہ خوشی میں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پارکنگ کی طرف بڑھنے لگے۔

■■■

بی بی جان کی آواز تیز چیخ سے کھلی تھی۔ کچھ دیر وہ یونہی بستر پر لیٹی غور کرتی رہیں کہ یہ آواز کہاں سے آئی تھی۔ کیا میں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔ انہوں نے سوچا اور اٹھ کر بیٹھ گئیں اور چاہا کہ میز پر پڑے جگ سے پانی گلاس میں ڈال کر پئیں کہ اچانک انہیں باہر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی پھر ہلکا ہلکا شور۔

یکدم گھبرا کر انہوں نے دروازہ کھولا کہ شاہ زیب کو جگائیں شاہ زیب آج صبح ہی کراچی سے آیا تھا۔ شاہ زیب کو اس طرح اچانک دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ یوں بھی دو تین دن سے ان کا دل بے حد گھبرا رہا تھا شاید اس لیے کہ وہ گھر پر اکیلی تھیں شاہ جی بھی لاہور میں ہی رہ گئے تھے چند دنوں کے لیے۔

"اچھا ہوا شاہ زیب تم آ گئے۔ میرا دل بہت گھبرا رہا تھا پتا نہیں کیوں خیریت سے آنا ہوا نا۔"

"جی۔"

"رکو گے نا، زارا کو بھی لے آتے وہاں اکیلی ہو گی تو گھبرائے گی۔"

"اتنے ملازم تو ہیں اور اب تو گلابان کو بھی ساتھ لے کر گئی ہوئی ہے کیسا گھبرانا۔"

شاہ زیب کا موڈ انہیں خراب لگا تھا تاہم وہ اس کے آنے سے خوش تھیں اور اس وقت تو انہوں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا تھا کہ شاہ زیب آج رات گھر پر ہی ہے۔ اور دروازے سے باہر قدم رکھا اور پھر ٹھٹک کر رک گئیں۔

ربیعہ کا ہاتھ ہے ربیعہ کون تھی انہیں یاد نہ آتا اور پھر ربیعہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا۔

مختلف یادیں مختلف مناظر بکھر بکھر کر ان کے سامنے آتے تھے لیکن اس وقت سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھتے ہوئے ان سارے بکھرے مناظر میں ربط پیدا ہوتا جا رہا تھا۔

سلمٰی خانم ان کی بیوی ہیں ربیعہ بیٹی تھی۔ وہ ایک پرسکون زندگی گزار رہے تھے کہ انہیں خیال آیا کہ وہ سلمٰی خانم کو اعتبار دیں وہ جو اپنی بھابیوں کی تلخ و ترش باتیں بھی سن لیتی ہے اور سر جھکا لیتی ہے اسے بتائیں کہ ان کا بھی ایک خاندان ہے بہت اونچا اور نام والا خاندان اور وہ اپنی شناخت ڈھونڈنے نکلے تھے۔ ربیعہ بھی ان کے ساتھ تھی ضد کرنے لگی تھی رونے لگی تھی تو انہوں نے اسے بھی ساتھ لے لیا تھا۔ کراچی سے وہ ٹرین پر راولپنڈی آئے تھے۔ ایک رات ہوٹل میں گزار کر انہوں نے سلمٰی خانم کو فون کیا تھا کہ وہ خیریت سے پنڈی پہنچ گئے ہیں اور اب بذریعہ وین یہاں سے آگے جائیں گے پھر۔

ان کے دماغ میں روشنی کے جھماکے سے ہو رہے تھے۔

اس وین کا حادثہ ہو گیا تھا سب مسافر موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے صرف وہ اور ربیعہ معجزانہ طور پر بچ گئے تھے اور انہیں معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ ربیعہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ جائے حادثہ کے پاس سے گزرنے والے ایک ڈاکٹر نے انہیں اپنی گاڑی میں لفٹ دی تھی اور وہ ان کے ساتھ ہی واپس راولپنڈی آ گئے تھے۔ ڈاکٹر نے اپنے ہی کلینک میں ان کی مرہم پٹی کی تھی چوٹیں گو معمولی تھیں پھر بھی تھوڑا بہت خون تو ضائع ہو گیا تھا پیشانی پر ایک دو اسٹیچز بھی لگانے پڑے تھے۔

"اپنے گھر اطلاع دے دیں۔"

ڈاکٹر نے کہا تو انہوں نے انکار کر دیا۔

"نہیں میں کراچی سے آیا تھا اور مجھے کسی سے بہت ضروری ملنے کے لیے آگے جانا تھا۔ کراچی میں میری بیوی پریشان ہو جائے گی سن کر اور پھر ان دنوں اس کی حالت بھی ایسی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ ابھی دو دن تک آپ سفر نہ کریں۔ یہاں ہی رہیں میرے کلینک میں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر مصطفیٰ از حد مہربان تھے۔

"اس حالت میں بچی کو کہاں لے کر جائیں گے۔ وہ یہاں کلینک میں ہی رہے یوں بھی ابھی اسے تکلیف ہے۔ رات بھی اسے شدید Pain ہوا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ صبح اس کے ایک دو ایکسرے اور کروالوں۔"

اور وہ ڈاکٹر مصطفیٰ کے بے حد ممنون ہوئے تھے اور پھر۔

وہ بے چین ہو کر کوٹھری میں ٹہلنے لگے۔ لڑکی دونوں ہاتھ گود میں رکھے ساکت بیٹھی تھی اور پھر پتا نہیں میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ وہ تو بڑے شاہ جی سے ملنے آئے تھے انہیں کسی چیز کا لالچ تو نہیں تھا وہ تو چاہتے تھے کہ بس شاہ جی انہیں اپنا بیٹا تسلیم کر لیں اور۔۔۔

انہوں نے جھرجھری سی لی۔۔۔ وہ کال کوٹھری وہ اذیت۔۔۔ "نہیں نہیں۔" بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔

"مت مارو مجھے۔"

انہوں نے دونوں ہاتھ یوں آگے کیے جیسے کسی کی مار سے بچنا چاہتے ہوں۔

"کیا ہوا ہے آپ کو۔"

لڑکی اپنی پریشانی بھول کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔ یہ بزرگ شخص کون تھا۔ وہ شاہ زیب سے بچا کر اسے یہاں لے آئے تھے اور کیا یہاں سے شاہ زیب ابھی آ کر اسے پھر لے جائے گا ابھی تو شاید وہ اس عورت کے زخمی ہو جانے سے پریشان ہو گیا تھا وہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ بزرگ شخص کی اس حرکت سے حیران ہو گئی۔

"ہاں مجھے" شاہ بابا چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"میں۔۔۔ مجھے یاد نہیں میں کون ہوں۔" ان کی آنکھوں میں وحشت سی تھی۔

"مجھے کچھ مت کہو۔" انہوں نے دہرایا تو لڑکی نے پھر اسی حیرانی سے پوچھا آپ کو کیا ہوا ہے۔

شاہ بابا کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

دھم دھم دماغ پر جیسے ضربیں پڑ رہی تھیں۔

یہ کون سا دن اور تاریخ ہے۔

انہوں نے پوچھا تو لڑکی نے اسی حیرت میں جواب دیا تو بزرگ کی آنکھیں دھندلا گئیں۔

"اتنا وقت گزر گیا اس قید میں۔ بڑے شاہ جی دا جی سب کہاں ہیں اور میں۔" وہ سوچ میں ڈوب گئے۔

اتنا وقت گزر گیا اور ربیعہ۔۔۔ ربیعہ۔

سلمٰی۔۔۔ انہوں نے نظر بھر کر سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ سلمٰی نہیں تھی لیکن سلمٰی سے ملتی جلتی تھی بہت زیادہ لڑکی یکدم ہی گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے جانا ہے پلیز مجھے میرے گھر پہنچا دیں۔ میرے ابا اماں تو مر جائیں گے بلکہ پتا نہیں کتنی قیامت آ چکی ہو گی وہاں کتنے دن ہو گئے ہیں تین نہیں چار وہ رونے لگی۔ بلک بلک کر رونے لگی۔ شاہ بابا نے بے اختیار بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"نہیں روؤ نہیں میں لے جاؤں گا تمہیں۔ صبح ہونے ہی والی ہے۔ ہم چپکے سے نکل جائیں گے ادھر پیچھے سے ادھر راستہ ہے مجھے پتا ہے کہاں جانا ہے تمہیں۔"

"کراچی۔"

لڑکی نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے بھی تو کراچی جانا ہے۔ لیکن پہلے پہلے میں راولپنڈی جاؤں گا وہاں سے ربیعہ کو لینا ہے نا۔ لیکن نہیں پہلے تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں پھر ربیعہ کو لینے جاؤں گا۔"

"لیکن نہیں۔۔۔ میں جا کر اب کیا کروں گی پلیز بابا جان آپ میرا گلا گھونٹ دیں مار ڈالیں مجھے میں جی کر کیا کروں گی مجھے نہیں جینا ہے اب۔"

وہ بے قراری سے ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنی گردن پر رکھنے لگی۔ تو بہت شفقت و محبت سے شاہ بابا اس کے ہاتھ تھام کر اسے بہلانے لگے۔

کتنی معصوم لڑکی ہے کتنی پیاری۔۔۔ اور ضرور بڑے شاہ جی نے اسے بھی قید کر لیا ہو گا۔"

"بڑے شاہ جی تمہارے کیا لگتے ہیں۔" انہوں نے پوچھا۔

"میں تو کسی بڑے شاہ جی کو نہیں جانتی۔ پلیز میرا گلا گھونٹ دیں مجھے مرنے دیں۔"

وہ ابھی بھی رو رہی تھی۔

تقدیر نے اس کے ساتھ کتنا سنگین مذاق کیا تھا کاش اسے کاش اس روز وہ ندا کی گاڑی میں نہ بیٹھتی۔ اس روز وہ سب کتنے خوش تھے۔ وہ لڑکا جس کی گولی سے دوسرا لڑکا مرا تھا اس نے اعتراف کر لیا تھا کہ منصور بے گناہ ہے اور مرنے والا اس کی گولی سے مرا تھا۔ اسے جگر کا کینسر ہو گیا تھا اور مرض کا تب علم ہوا تھا جب مرض لاعلاج ہو گیا تھا۔ اس کے باپ نے ہاتھ جوڑ کر نصیر احمد خان سے معافی مانگی تھی۔

"میرے بچے کی اذیت کم ہو جائے گی وہ بہت اذیت میں ہے خان صاحب اسے معاف کر دیں۔"

"آپ کی یہ معافی میرے بچے کے گم شدہ ماہ و سال واپس نہیں لا سکتی۔ اس کا کیریئر اس کے ضائع شدہ سال۔ لیکن پھر بھی میں نے آپ کے بچے کو معاف کیا اللہ بھی اسے معاف کرے۔"

موت کی اذیت میں مبتلا اس لڑکے نے اپنا بیان ریکارڈ کروا دیا تھا۔ خضر نے بتایا تھا کہ قانونی کارروائی میں شاید ایک دو دن لگ جائیں۔ وہ گھر سے ہو کر وکیل کی طرف گیا تھا۔ پورے گھر میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے برسوں سے جو اداسی اس گھر پر مسلط تھی لمحوں میں وہ اداسی ختم ہو گئی تھی۔ اماں بار بار آنسو پونچھتی تھیں۔

دادی شکرانے کے نفل پڑھ رہی تھیں اور وہ اس کا دل چاہتا تھا وقت کو پر لگ جائیں ساری قانونی کارروائی لمحوں میں ہو جائے اور منصور ابھی اسی وقت خضر کے ساتھ آجائے۔ اس کی دلی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ کبھی رونے کو جی چاہتا کبھی آپوں آپ ہنس پڑتی۔

"آپی آپ آج ٹیوشن سینٹر جائیں گی کیا۔"

زوبی نے آکر پوچھا تو وہ اس کیفیت سے باہر نکلی۔

"ہاں جانا تو ہے۔"

"دیکھ سے میں بھی تو جا رہی ہوں ہسپتال تو پھر تم۔"

"فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے روما اور پھر ہمیں تو بہت ضرورت ہے پیسوں کی زوبی' دانی 'مومی سب کو پڑھنا ہے ہاتھ میں کچھ زیادہ پیسے آجائیں تو برا ہے کیا۔"

"اماں کہہ رہی ہیں واپسی پر دادی کے لیے کف سیرپ لیتے آیئے گا۔"

زوبی نے کہا تو وہ سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔

"آج نہ جاؤ ماہ کیا پتا خضر بھائی ابھی منوں کو لے آئیں۔"

"نہیں روما نئی نئی جاب ہے ابھی ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے جوائن کیے ہوئے اور پھر آج تو مشکل ہے منوں کا آنا بہت جلدی بھی ہوئی تو کل تک ہی آئے گا۔ ہمارے ہاں محکماتی کارروائیاں کہاں اتنی جلدی ہوتی ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" نرمل نے تائید کی۔

"لیکن اب یہ وقت کاٹنا کس قدر مشکل ہو رہا ہے۔ چلو اچھا ہے تمہارا کچھ وقت پڑھانے میں کٹ جائے گا۔ ورنہ ایک ایک لمحہ ایک ایک صدی بن گیا ہے۔"

نرمل نے بات مکمل کی تو وہ تیار ہونے لگی کہ چار بجنے ہی والے تھے۔ چند ہی منٹوں میں تیار ہو کر وہ نصیر احمد خان' دادی اور اماں کو اللہ حافظ کہتے ہوئے گھر سے باہر نکل آئی۔ دروازے سے قدم باہر رکھتے ہوئے ایک لمحہ کو اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ پاؤں جیسے وہیں جم گئے تھے اور اس کا جی چاہا تھا کہ وہ واپس پلٹ جائے لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا یہ سب اس جذباتی کیفیت کی وجہ سے ہے جو منصور کی رہائی کی اچانک خبر سن کر سب پر طاری ہو گئی تھی۔

وہ تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی جب کہ بالکل اس کے قریب گاڑی کے بریک چرچرائے اس نے سر اٹھا کر دیکھا ندا گاڑی کا دروازہ کھولے جھانک رہی تھی۔

"ہیلو ماہ نور کیسی ہو۔"

"ارے تم ندا یہاں۔" ماہ نور خوش ہو گئی۔

"ہاں بس ادھر سے گزر رہی تھی سوچا تم سے مل لوں۔ لیکن تم تو شاید کہیں جا رہی ہو۔"

"ہاں ٹیوشن سینٹر جا رہی ہوں تمہیں بتایا تو تھا اس روز کہ میں نے سینٹر جوائن کر لیا ہے۔"

"اوہ ہاں مجھے خیال ہی نہیں آرہا۔ چلو ایسا کرو بیٹھ جاؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی راستے میں تھوڑی گپ شپ بھی ہو جائے گی۔"

"خیر تو ہے کیا بات ہے بہت خوش نظر آرہی ہو۔"

ندا نے گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ تب وہ اسے منوں کے متعلق بتانے لگی۔

"ارے ارے ندا یہ تم میرے ٹیوشن سینٹر سے آگے نکل آئی ہو باتوں میں مجھے دھیان ہی نہیں رہا بس تھوڑا سا ریورس کر کے مجھے اتار دو۔"

باتیں کرتے کرتے اچانک ہی اس کی نظر اپنے ٹیوشن سینٹر کے بورڈ پر پڑی تھی لیکن بات کرتے کرتے وہ کافی آگے نکل آئی تھی۔

"تمہیں ٹیوشن سینٹر کون لے جا رہا ہے ڈیئر۔" ندا نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا مطلب۔" وہ حیران ہوئی۔

"کچھ نہیں یار۔" ندا ہنس دی۔

"میں نے سوچا تمہیں اپنے گھر لے چلوں گپ لگائیں گے یوں بھی مما تو گھر پر نہیں ہیں۔"

"لیکن ندا۔" ماہ نور پریشان نظر آنے لگی۔

"تمہیں پتا ہے نئی نئی جاب ہے سر خفا ہوں گے کہ ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا اور چھٹیاں شروع کر دیں پھر ٹیوشن سینٹر کا معاملہ اسکول کی طرح تو نہیں ہے نا پلیز واپس چلو۔"

"کچھ نہیں ہو گا ڈیئر اور تمہارے سر کو میں فون کر دوں گی ہمارے فیملی فرینڈ ہیں۔" ندا کا انداز لاپروائی لیے ہوئے تھا۔

"اچھا۔"

ماہ نور کو اطمینان ہوا لیکن اس نے ندا سے وعدہ لیا کہ وہ اسے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے بعد واپس ڈراپ کر دے گی۔

"اوکے یار کر دوں گی اب تم سے دوستی کی ہے تو بھگتنا بھی پڑے گا۔" وہ ہولے سے ہنس دی تھی۔

ندا کا گھر بہت خوب صورت تھا وہ اس سے پہلے کبھی اس کے گھر نہیں آئی تھی۔ ندا نے کبھی کہا ہی نہیں تھا۔ وہ خود ہی آجاتی تھی اس کے گھر ندا نے اسے سارا گھر دکھایا۔

"چلو تمہیں میں منٹو کھاتی ہوں۔ مما نے کتنا اچھا ڈیکوریٹ کیا ہوا ہے یہ حصہ۔"

وہ ندا کے ساتھ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی۔ ایک بہت بڑا ہال تھا۔ دیواروں کے ساتھ صوفے لگے تھے چھت پر قیمتی فانوس۔ کہیں کہیں شیشے کے سینٹر ٹیبلز صوفوں کے سامنے پڑے تھے۔

"مما کو پارٹیاں ارینج کرنے کا بہت شوق ہے۔ بزنس پارٹیاں ہوں یا فیملی ڈنر یا لنچ سب کا انتظام یہاں ہی کیا جاتا ہے۔" "یہ ادھر میرا بیڈ روم ہے گرمیوں میں اکثر میں یہاں آجاتی ہوں۔"

ندا نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا سارے کمروں کے دروازے ہال میں ہی کھلتے ہیں۔" ندا نے بتایا۔

وہ اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ بیڈ روم بھی ڈیکوریٹڈ تھا۔ وہ سامنے کی دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھ رہی تھی۔ جب ندا نے کہا۔ "تم رکو میں ابھی آئی۔"

پینٹنگ دیکھ کر وہ مڑی ندا جا چکی تھی۔ وہ پیچھے ہٹ کر صوفہ چیئر پر بیٹھ گئی اور منصور کے متعلق سوچنے لگی۔

" بھلا جب وہ یہ خبر سنے گا تو اس کے کیا تاثرات ہوں گے۔ وہ کہتا تھا کہ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے اور اللہ سب سے بڑا منصف ہے۔" کافی دیر تک جب ندا واپس نہ آئی تو وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"یہ ندا کہاں رہ گئی ہے اسے واپس بھی جانا ہے۔ دیر ہو گئی اور زوبی یا دانی اس کا پتا کرنے سینٹر پر آئے تو۔ اس کا امیج کتنا خراب ہو جائے گا کہ گھر سے ٹیوشن سینٹر آنے کا کہہ کر وہ کہاں چلی گئی تھی۔ مجھے چھ بجے سے پہلے ہی گھر پہنچ جانا چاہیے یا پھر گھر فون کر دینا چاہیے کہ میں ندا کے گھر ہوں۔"

اس نے اٹھ کر دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ دروازہ باہر سے بند ہے لیکن کیوں؟ اس پر یکدم ہی گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی کہیں کچھ غلط ہو گیا ہے دل میں کسی خوف نے چٹکی لی تو اس نے بے چینی سے دروازہ بجا ڈالا۔ باہر ندا سیل فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

"لیجیے شاہ صاحب اب آپ کا کام ہو گیا۔ ایک گھنٹا اسٹاپ پر اس کا انتظار کیا ہے۔"

پھر ہلکی سی ہنسی۔

"ندا' ندا۔"

اس نے زور زور سے آوازیں دیں لیکن اس کی آوازیں کمرے میں ہی گونج کر رہ گئی تھیں۔

"یہ ندا نے ایسا کیوں کیا۔ یہ اس نے مجھے یہاں کیوں بند کر دیا۔ وہ تو علینہ کی دوست ہے۔ بہت گہری پھر۔" پھر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کبھی اٹھ کر بیٹھ جاتی۔۔۔۔ کبھی ٹہلنے لگتی کبھی بے چینی سے دروازہ کھٹکھٹانے لگتی اور جب تھک جاتی تو صوفے پر بیٹھ کر رونے لگتی۔

جوں جوں وقت گزر رہا تھا اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے" گھر پر تو قیامت آگئی ہوگی۔ اماں ابا دادی نرمل یا اللہ میں کیا کروں۔ یہ ندا نے کیوں کیا میرے ساتھ۔"

دعائیں مانگتے مانگتے اس کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ روتے روتے اس کا گلا بیٹھ گیا تھا جب اسے باہر آہٹ محسوس ہوئی۔ اس نے بے چینی سے دروازہ پیٹ ڈالا۔

"ندا..... ندا مجھے یہاں سے نکالو۔ ندا پلیز تمہیں اللہ کا واسطہ۔"

پھر کوئی دروازے کے پاس آکر رکا تھا۔

مدھم آواز میں حیرت تھی۔ پھر کسی نے دروازہ دھکیلا اور پھر قدموں کی آہٹ آہستہ آہستہ دور ہو گئی وہ جو کوئی بھی تھا چلا گیا تھا۔ اب ہولناک خاموشی تھی وہ بے بسی سے رونے لگی جانے کتنی دیر روتی رہی اسے وقت کا احساس نہ تھا جب دروازے میں چابی گھومنے کی آواز آئی اور دروازہ کھلنے کے ساتھ ندا کا چہرا دکھائی دیا۔

"ندا..... ندا یہ کیا مذاق تھا تم جانتی ہو میرے گھر میں قیامت۔"

وہ تیر کی طرح اس کی طرف لپکی تھی ندا کے پیچھے شاہ زیب کھڑا تھا۔ نفرت برساتی آنکھیں۔

"ندا۔"

لفظ اس کے ہونٹوں پر ہی منجمد ہو گئے۔ ندا اس کی بات کا جواب دیے بغیر ایک طرف ہو گئی۔ شاہ زیب آگے بڑھا۔

"نہیں۔" وہ پیچھے ہٹی۔

لیکن شاہ زیب نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ لیا اس کی انگلیاں اس کے بازوؤں میں کھبی جا رہی تھیں وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یا اللہ مجھے موت....."

شاہ زیب نے بائیں ہاتھ میں موجود رومال اس کے چہرے پر رکھا۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے کسی خاتون کی آواز سنی تھی۔ رومال کلوروفارم میں بھیگا ہوا تھا۔

"بہت زبردست شاہ صاحب جب دل بھر جائے تو غریب خانے پر پھینک جایئے گا کچھ دن ہم بھی دکان چمکا لیں گے اس چاند کی روشنی سے۔"

دوبارہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ پچھلی نشست پر کوئی اور بھی بیٹھا تھا اس کا سر سیٹ کی پشت سے لگا تھا وہ سیدھی ہوئی تھی تو ساتھ بیٹھا شخص چوکنا ہو گیا۔ ڈرائیو کرنے والے نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"سلا دو پھر کوئی مصیبت ہی کھڑی نہ کر دے۔"

پھر ساتھ ہی اسے بازو میں سوئی چبھنے کا احساس ہوا تھا۔ سفر کے اختتام پر اسے ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ وہ سوتی جاگتی کیفیت میں رہی۔ کھانا ٹرے میں پڑا رہا لیکن اس نے ایک لقمہ تک نہ لیا۔ صبح پھر سفر شروع ہوا تھا اور سفر سے پہلے انجکشن لگایا گیا تھا۔ یہ لوگ کون تھے۔ وہ انہیں نہیں پہچانتی تھی کیا شاہ زیب اور ندا نے اسے فروخت کر دیا سوتے جاگتے ذہن کے ساتھ اس نے سوچا تھا۔ آج صبح وہ اس جگہ پہنچی تھی اور اسے کوٹھری میں بند کر دیا گیا تھا۔ باہر وہی دونوں شخص پہرا دے رہے تھے۔

"چلو شاہ صاحب آ گئے ہیں۔"

باہر دوسرا شخص بھی تھا دونوں کی باتوں سے اسے اندازہ ہوا تھا کہ اسے ان دونوں کے ساتھ گاڑی پر بھجوا کر شاہ صاحب خود بائے ایئر آئے تھے۔

ایک بڑا سا صحن عبور کر کے انہوں نے اندر گھر کی طرف کھلنے والے دروازے پر ہولے سے دستک دی تھی دروازہ کھل گیا تھا۔ شاہ زیب دروازے کے اس طرف کھڑا تھا ——— اس نے دیکھا یہاں بھی ایک کھلا

صحن اور پھر برآمدہ تھا اور برآمدے میں مختلف کمروں کے دروازے کھل رہے تھے۔

"خاموشی سے چلو۔" مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑے وہ صحن عبور کرنے لگا۔ وہ ششدر سی چل رہی تھی۔ اپنے بیڈ روم میں لا کر اس نے زور سے اسے بیڈ پر دھکا دیا۔

"تم کیا سمجھتی تھیں ماہ نور بی بی کہ تم مجھے تھپڑ مار کر زندہ رہو گی۔ میں تمہارے لیے زندگی کو موت سے بھی بدتر بنا دوں گا۔" وہ ہنسا۔

"نہیں، نہیں پلیز مجھے معاف کر دو اور مجھے جانے دو اپنے گھر۔"

اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ سامنے کلاک پر رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور تاریخ ——— وہ چونکی تھی آج چوتھا دن تھا اسے گھر سے نکلے آنسوؤں نے پھر یلغار کی۔

شاہ زیب ہنستا ہوا واش روم کی طرف بڑھا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی تھی اور دروازہ کھول کر باہر کی طرف بھاگی تھی شاہ زیب نے آکر اسے بازو سے پکڑ لیا تھا جب وہ اندرونی دروازے کے پاس پہنچی تھی۔

"سنو۔" شاہ بابا نے سرگوشی کی۔

"چلو اٹھو نکل چلیں۔"

وہ مشینی انداز میں کھڑی ہو گئی۔ کچھ دیر بعد وہ شاہ بابا کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں کے عقب میں چل رہی تھی اور شاہ بابا ادھر ادھر چوکنی نظروں سے دیکھتے آگے بڑھ رہے تھے۔

* * *

پورے گھر پر موت کی سی خاموشی طاری تھی کبھی کبھی طیبہ خاتون کی سسکی سنائی دیتی اور پھر وہی خاموشی چھا جاتی۔

"چھ دن پورے چھ دن گزر گئے۔"

اس خاموشی کو سلمیٰ خانم کی آواز نے توڑا۔

"کیا اندھیر ہے ارے کوئی تو خبر لاؤ اسے زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔"

وہ مسلسل چھ دن سے جائے نماز پر بیٹھی نفل پر نفل پڑھے جا رہی تھیں۔ ضروریات کے لیے اٹھتیں اور پھر جائے نماز پر آکر بیٹھ جاتیں۔ ایک قیامت تھی جو اس گھرانے پر ٹوٹ پڑی تھی۔ خضر جب رات کو وکیل سے مل کر نصیر احمد خان کے گھر آیا تو وہ صحن میں وہیل چیئر پر مضطرب سے بیٹھے تھے نرمل کی آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھیں۔ زوبی اور دادی گھر پر نہیں تھے۔

"کیا ہوا خیریت ہے۔" خضر پریشان ہو گیا۔

"ماہ ٹیوشن پڑھانے گئی تھی واپس نہیں آئی۔" ایک لمحہ کو خضر ششدر سا کھڑا رہ گیا۔

"اس کی دوستوں سے پتا کیا۔" خضر کا دل ڈوب رہا تھا۔

"اس کی کوئی ایسی خاص دوست نہیں ہے ایک مسز مراد ہیں اور آج کل ندا سے اس کی دوستی ہے۔"

"کون ندا۔" خضر چونکا۔

"وہ عینا آپی کی فرینڈ ——— اکثر آجاتی تھی خود ہی۔" "فون کیا تھا۔"

"ہاں ندا تو تین دن سے ملتان گئی ہوئی ہے اس کے ملازم نے بتایا ہے اور مسز مراد گھر پر نہیں ہیں شاید فون اٹینڈ نہیں کر رہیں۔" "تو کیا کریں کہاں ڈھونڈیں رات کے آٹھ بجنے والے ہیں۔"

خضر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل نیچے ہی نیچے ڈوبتا جا رہا ہو۔

"ہسپتال وغیرہ میں پتا کرو بیٹا ایمرجنسی میں شاید کوئی حادثہ۔"

نصیر احمد خان نے لرزتی آواز میں کہا تو خضر یکدم کھڑا ہو گیا۔

"یہ ٹیوشن سینٹر کا مالک کیسا آدمی ہے۔" اس نے بغیر کسی کو مخاطب کیے پوچھا۔

”بہت نیک ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر ہے اور اس سینٹر پر صرف فی میل ٹیچرز ہیں اور صرف گرلز کے لیے ہی ہے۔“
نرمل نے بتایا۔

وہ خاموشی سے باہر نکل گیا آس پاس بلکہ قدرے فاصلے پر موجود ہسپتالوں میں بھی کوئی حادثے میں زخمی ہو کر نہیں آیا تھا۔ وہ مایوس ہو کر گھر آیا تو مسز مراد بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

”کچھ دیر پہلے ہی نرمل کا فون ملا تو میں آ گئی خضر مجھے تم سے تنہائی میں بات کرنا ہے۔“
اور پھر مسز مراد نے انہیں بتایا کہ مجھے شک ہے کہ ماہ نور میڈم سفینہ کے گھر قید ہے۔
”میڈم سفینہ..... یہ نام۔“
خضر کے ذہن میں جھماکا ہوا۔ ندا کی والدہ۔
”میں آج شام مغرب کے بعد میڈم سفینہ کے گھر گئی تھی۔“ مسز مراد نے سر جھکا لیا۔
”ایک روز پہلے میں وہاں اپنا پرس بھول آئی تھی وہی لینے گئی تھی۔ دراصل میڈم سفینہ نے گھر کے بیس منٹ میں ایک کلب بنا رکھا ہے۔ بظاہر وہاں خواتین اپنی پریشانیاں دور کرنے جاتی ہیں۔ لیکن در پردہ.....“ انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

” فرسٹریشن اور ٹینشن دور کرنے کے لیے میڈم سفینہ نے کیا انتظام کر رکھا تھا۔ تب تک مسز مراد نہیں جانتی تھیں۔
”پلیز مسز مراد۔“
خضر چاہ رہا تھا کہ وہ لمحوں میں سب جان لے۔
”میں نے وہاں ایک کارنر کے پاس اپنا پرس رکھا تھا وہ ویسے ہی پڑا تھا۔ وہاں چیزیں گم نہیں ہوتیں۔“ انہوں نے ایک گہری سانس لے کر خضر کی طرف دیکھا۔
”آج فرائی ڈے ہے اور فرائی ڈے کو کلب بند ہوتا ہے۔ اس لیے وہاں کوئی نہیں تھا۔ کلب صرف ویک اینڈ ہی کھلتا ہے۔ میں واپس مڑ رہی تھی کہ مجھے لگا کہ بائیں طرف ہال کے آخری سرے پر جو کمرا تھا کوئی اس کا دروازہ بجا رہا تھا۔ میں وہاں گئی دروازہ کھولنا چاہا تو وہ لاک تھا اندر کوئی تھا کوئی لڑکی۔ میں نے پوچھا تھا اندر کون ہے تو ایک روتی ہوئی سی آواز آئی تھی۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے اس نے کہا ہو میں ماہ نور ہوں۔ میں یقین سے نہیں کہہ سکتی لیکن مجھے ایسا ہی لگا تھا میں شاید رک کر کھوجتی کہ میڈم سفینہ بیس منٹ میں آ گئیں اور مجھے ان کے ساتھ واپس جانا پڑا لیکن جب میں گھر آئی اور نرمل نے بتایا تو مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ماہ نور ہی تھی اندر کمرے میں بند وہ وہاں کیسے پہنچی میں نہیں جانتی لیکن خضر کچھ کرو نہیں تو.....“
ان کی آواز بھرا گئی تھی۔
”میڈم سفینہ تو لڑکیاں باہر عرب ریاستوں میں بھی بھجواتی ہیں۔ جانے کہاں کہاں سے کیسے کیسے اکٹھا کر لیتی ہیں وہ لڑکیوں کو۔“

”یہاں بیس منٹ کے اس ہال میں کبھی کبھار میں کوئی پارٹی ارینج کر لیتی ہوں۔“ ان کا کہنا تھا کچھ بھی تو نہیں ہوا تھا ساری بھاگ دوڑ بے کار گئی تھی ماہ نور کا پتا نہیں چلا تھا افضال حیدر کے علاوہ کسی کو ماہ نور کی گمشدگی کے متعلق نہیں بتایا گیا تھا۔ لیکن پھر بھی کب تک چھپایا جا سکتا تھا۔
”ہمارا کیا قصور ہے کیا غلطی ہوئی ہے ہم سے۔ جس کی معافی نہیں مل رہی ہمیں۔“
یکایک اس خاموشی کو طیبہ خاتون کی آواز نے توڑا۔
”منوں آیا تو وہ چلی گئی۔ یا اللہ اب تو رحم کر ہم پر نہ جانے میری بچی کس حال میں ہے زندہ بھی ہے یا نہیں۔“ وہ زور زور سے رونے لگیں۔
افضال حیدر نے اٹھ کر انہیں تسلی دی۔
”طیبہ تم تو بڑے حوصلے اور صبر والی ہو اللہ سے دعا کرو وہی بہتر کرنے والا ہے۔“

”کیسے حوصلہ کروں۔ افضال بھائی کیسے صبر کروں۔ نہیں ہوتا صبر مجھ سے۔ میرا دل پھٹ جائے گا۔“
منصور اپنی جگہ سے اٹھا اور انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ بے حد کمزور ہو رہا تھا اس کی گندمی رنگت سانولی ہو رہی تھی۔ اس نے زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس ان کے گرد اپنا بازو حمائل کیے چپ بیٹھا تھا۔ طیبہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا۔ کتنی لمبی جدائی کاٹی تھی انہوں نے اور انہوں نے ٹھیک طرح سے اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ آنسو بھری آنکھوں سے وہ اسے دیکھ رہی تھیں جب بیل ہوئی یوں لگتا تھا جیسے دروازے پر جو بھی موجود تھا وہ بیل سے ہاتھ اٹھانا بھول گیا تھا۔ افضال حیدر جو کھڑے تھے دروازے کی طرف بڑھ گئے برآمدے سے صحن تک کا فاصلہ ہی کتنا تھا۔ لمحوں میں وہ دروازہ کھول چکے تھے۔
”ماہ بیٹا۔“ بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا تھا۔
اور پھر سوائے خضر کے سب ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ سلمیٰ خانم سجدے میں گر گئی تھیں۔
”کیا ہوا تھا کہاں چلی گئی تھیں۔ میری بچی میری ماہ۔“
گھر میں مختلف آوازیں گونج رہی تھیں سب ماہ کی طرف متوجہ تھے اور کسی نے ماہ نور کے ساتھ آنے والے سفید بالوں والے بزرگ کو نہیں دیکھا تھا۔ سوائے افضال حیدر کے جنہوں نے ان کا ہاتھ تھام کر تخت پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اتنا تو انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ بزرگ ہی ماہ نور کو جہاں بھی تھی وہاں سے بچا کر لائے ہیں۔ کچھ دیر بعد آوازیں مدھم ہو گئیں۔
”تم ٹھیک تو ہو نا۔ کچھ نقصان تو نہیں ہوا۔“
طیبہ خاتون سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔
ماہ نور نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔
”ماہ بیٹا کچھ بتاؤ تو۔“
افضال حیدر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو ماہ نور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ بمشکل اس نے ساری بات بتائی۔
”کون ہے وہ لڑکی ندا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“
منصور نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں۔ ”یہ شاہ بابا ہیں۔“
ماہ نور کو ہی ان کا خیال آیا تھا۔
”اور یہ اگر نہ ہوتے تو شاید میں پھر زندگی میں کبھی آپ سب کو نہ دیکھ پاتی۔“
سورج طلوع ہو رہا تھا جب وہ شاہ بابا کے ساتھ گاؤں سے باہر ایک درختوں کے جھنڈ میں آرام کرنے کے لیے ٹھہری تھی۔ خوف سے سہمی ہوئی۔ پتا نہیں وہ یہاں سے نکل بھی پائے گی یا نہیں کیا خبر شاہ زیب نے اس کی تلاش میں بندے بھیج دیے ہوں اور وہ بس یہاں پہنچنے ہی والے ہوں۔ وہ گاؤں سے زیادہ دور تو نہیں آئے تھے لیکن شاہ بابا نے اسے رکنے کو کہا تھا۔
”مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کس طرف جاؤں ذرا سوچنے دو۔“
وہ ادھر ادھر سہمی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب درختوں کے پیچھے سے نکل کر وہ شخص اچانک سامنے آ گیا تھا۔ اس کا رنگ سپید پڑ گیا تھا اور جسم پر ہلکی کپکپاہٹ طاری ہو گئی تھی۔ جب کہ شاہ بابا بھی خوفزدہ نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔
”شاہ بابا۔“
چند لمحوں کے توقف کے بعد اس شخص کے لبوں سے نکلا تھا اس کی آنکھوں میں خوشی تھی۔
”شاہ بابا میں اکبر ہوں لیکن آپ بھلا مجھے کیسے پہچانیں گے آپ کو تو اپنا ہوش نہیں۔“
یکایک وہ مایوس نظر آنے لگا۔

"آپ کو تو یاد نہیں ہو گا میرا بابا غلام رسول آپ کا بہت اچھا دوست تھا جب آپ بڑے شاہ جی کی زندگی میں یہاں رہتے تھے تب پھر آپ چلے گئے بابا آپ کو بہت یاد کرتا تھا پھر ایک دن اچانک آپ آئے بہت سارے سالوں بعد تب پہلی بار میں نے آپ کو دیکھا تھا۔ آپ سیدھے ہمارے گھر آئے تھے یاد ہے آپ کو پھر ایک بار بابا نے بتایا کہ آپ حویلی میں رہتے ہیں لیکن خدا نخواستہ آپ کا دماغ۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"ایک بار بابا مجھے حویلی لے گیا تھا آپ کے پاس لیکن آپ نے بابا کو نہیں پہچانا تھا۔" شاہ بابا خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے ان کی پیشانی پر گہری لکیریں تھیں۔

ماہ نور نے یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"اگر آپ شاہ بابا کے خیر خواہ ہیں تو ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

وہ جیسے اب تک اس سے بے خبر تھا حیران سا اسے دیکھنے لگا۔

"حکم کیجیے بی بی۔"

اس نے نظریں جھکالی تھیں تب مختصراً ماہ نور نے اسے بتایا تھا کہ اس وقت انہیں پناہ کی ضرورت ہے۔

"یہاں قریب ہی میری بیل گاڑی ہے اس کا پہیہ کیچڑ میں پھنس گیا تھا میں ادھر اس لیے آیا تھا کہ کوئی شخص ملے تو اس کی مدد سے گاڑی کھینچ لوں۔"

اور پھر شاہ بابا کے ساتھ مل کر انہوں نے کیچڑ میں پھنسی گاڑی کو باہر نکالا تھا اور دوپہر سے پہلے وہ ایک قریبی گاؤں میں پہنچ گئے تھے جہاں اکبر کا سسرال تھا۔ اور پھر اکبر کی مدد سے وہ شہر آئے تھے اور وہاں سے اسلام آباد۔ اکبر نے انہیں خود جہاز پر بٹھایا تھا۔

"میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا اکبر بہت جلد میں اس بچی کو اس کے گھر پہنچا کر واپس آؤں گا اور تمہارے سارے پیسے جو تم نے خرچ کیے ہیں لوٹا دوں گا۔"

"شاہ بابا آپ شرمندہ نہ کریں۔" اکبر الٹا نادم ہوا تھا۔

"گھبراؤ مت بیٹا سب ٹھیک ہو گا میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"

"کیا شاہ بابا جانتے ہیں کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔" اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور شاہ بابا پھر اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے کے نقوش میں الجھ گئے تھے۔

"تم سلمٰی سے بہت ملتی ہو بہت زیادہ۔" آہستہ سے بولے تھے۔

"تمہاری شکل اپنے خاندان میں کس سے ملتی ہے۔"

"اپنی دادی پر..... اور میری داد کا نام سلمٰی خانم ہے۔" یکدم وہ مضطرب سے ہو گئے۔

"تمہارے دادا زندہ ہیں۔" انہوں نے پوچھا تھا۔

"نہیں بہت سال پہلے میرے والد کی پیدائش سے بھی پہلے وہ وفات پا گئے تھے" ماہ نور نے بتایا۔

"کیسے کیا ہوا تھا انہیں۔" وہ مضطرب سے ہاتھ مسل رہے تھے۔

"دادی بتاتی ہیں کہ وہ کسی سے ملنے گئے تھے اپنے ساتھ اپنی دو سالہ بیٹی کو بھی لے گئے تھے پھر بہت دن گزر گئے وہ نہ آئے نہ انہوں نے کوئی اطلاع دی تو پریشان ہو کر دادی کے والد راولپنڈی گئے اور اس ہوٹل سے پتا کیا جہاں راولپنڈی پہنچ کر انہوں نے قیام کیا تھا اور فون کر کے خیریت سے پہنچنے کا بتایا تھا۔ ہوٹل سے خبر ہوئی کہ وہ شخص ایک رات ٹھہرا تھا لیکن پھر جب بچی کا حوالہ دیا گیا تو ایک ویٹر کو یاد آ گیا۔

"وہ بد قسمت شخص یہاں سے میرے ساتھ ہی ویگن پر بیٹھ کر اسٹاپ پر گیا تھا مجھے بھی گاؤں جانا تھا۔ ہم راستے میں باتیں بھی کرتے رہے تھے۔ ہماری منزل ایک ہی تھی۔ مجھے راستے میں اپنے گاؤں کے پاس اتر جانا تھا اور اسے آگے جانا تھا مجھے اس ویگن پر سیٹ نہیں ملی تھی اور وہ چلا گیا تھا مجھے اس لیے بھی یاد ہے کہ ابھی تک میں شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے اس میں سیٹ نہیں ملی کیونکہ وہ وین کچھ آگے جا کر حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔"

شاہ بابا ساکت بیٹھے ماہ نور کو سن رہے تھے۔ "ابا کے نانا نے پندرہ سولہ دن پہلے کا اخبار بھی دیکھ لیا تھا۔ وین کے حادثے اور سب مسافروں کے مرجانے کی خبر تھی۔ لاوارث مسافروں کو وہاں ہی جائے حادثہ کے قریبی علاقے میں دفنا دیا گیا تھا۔"

"لیکن، لیکن۔" انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"وہ... وہ تمہارے دادا نہیں مرے تھے بچ گئے تھے۔"

"آپ کیسے جانتے ہیں۔" ماہ نور حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"میں..... میں ہوں۔" انہوں نے اپنی طرف اشارا کیا۔

"اور آپ کی بیٹی۔" ماہ نور نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"وہ... مجھے پتا ہے وہ کہاں ہے تمہیں گھر پہنچا کر لے آؤں گا اسے۔"

"بالکل اپنی دادی کی طرح ہو تم میری پوتی ہو۔" وہ تھوڑا سا ہنسے۔

"میں جب گھر سے نکلا تھا تب سلمٰی خانم۔"

وہ منہ ہی منہ کچھ بدبدا کر چپ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ اپنے بابا کے نانا اور ماموں کے نام جانتی ہے تب اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ایک دو بار دادی نے ذکر تو کیا تھا لیکن ذہن میں نہیں ہے" اس وقت وہ وقتی طور پر اپنی پریشانی بھول گئی تھی اور شاہ بابا کے متعلق سوچ رہی تھی۔ پتا نہیں یہ شاہ بابا ہی دادا ہیں پتا نہیں' وہ بار بار بے یقینی سے انہیں دیکھتی تھی۔

"تمہارے ابا کیسے ہیں۔"

شاہ بابا نے کتنی ہی بار اشتیاق سے پوچھا تھا۔

"شاہ بابا۔"

نصیر احمد خان اپنی وہیل چیئر شاہ بابا کے قریب لائے تو ماہ نور چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

نصیر احمد خان نے عقیدت سے شاہ بابا کا ہاتھ تھام کر شکریہ ادا کیا شاہ بابا والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے

"اور شاہ بابا دراصل۔"

ماہ نور نے کچھ بتانے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ سلمٰی خانم نے سجدے سے سر اٹھایا ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ شکرانے کے طویل سجدے نے چہرے پر سرخی بکھیر دی تھی۔

"سلمٰی۔" شاہ بابا یکدم کھڑے ہو گئے تھے۔

اگرچہ وقت نے ایک لمبا سفر طے کر لیا تھا وہ نوجوان شوخ و شریر سلمٰی ایک بزرگ خاتون میں بدل چکی تھی پھر بھی دل نے گواہی دی تھی۔

"میں ہوں کاظم علی شاہ۔" وہ دو قدم آگے بڑھے تھے۔

"یاد ہے میں ربیعہ کو لے کر اپنی شناخت ڈھونڈنے نکلا تھا تمہیں اپنے خاندان کے حوالے سے معتبر کرنے چلا تھا۔" "ربیعہ... میری بچی کہاں ہے وہ... کیا وہ۔" سلمٰی خاتون کے لبوں سے سرسراتی ہوئی سی آواز نکلی تھی۔

"ہاں وہ ہے۔ وہ بھی زخمی ہوئی تھی۔" "لیکن کہاں ہے۔" سلمٰی خانم نے بے چینی سے پوچھا۔

شاہ بابا لمحہ بھر کو خاموش ہو گئے۔ سب دلچسپی۔ اور حیرت سے یہ ملن دیکھ رہے تھے نصیر احمد خان کی آنکھوں میں آنسو تھے تو بچوں کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک اور خوشی تھی۔

"یہ تو بالکل ڈرامائی اور فلمی سچویشن ہے۔ ہے نا دادی۔"

زوبی نے دادی کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔

شاہ بابا نے اپنی داستان سنائی کہیں کہیں وہ خاموش ہو کر سوچنے لگتے تھے۔

"میں نے ربی کو ڈاکٹر صاحب کے پاس چھوڑ دیا تھا کہ واپسی پر اسے لے کر کراچی چلا جاؤں گا لیکن واجی نے مجھے قید کروا دیا تھا اور پھر وہاں مجھے ہر روز انجکشن لگائے جاتے تھے ہولے ہولے میرا ذہن جواب دیتا گیا۔ پھر اتنے سال گزر گئے مجھے کچھ یاد نہیں تھا۔ کبھی کبھی اچانک مجھے یاد آتا میرا گھر تھا میری بیوی تھی۔ پھر ذہن کی سلیٹ صاف ہو جاتی۔ پچھلے تین سال سے کبھی ماضی کا کوئی منظر یکدم پوری جزئیات کے ساتھ سامنے آجاتا پھر یکدم سب بھول جاتا تھا۔ پھر میں نے اسے دیکھا چیختے ہوئے تو مجھے لگا سلمیٰ ہے۔ پھر ان دو دنوں میں وقفے وقفے سے مجھے سب یاد آنے لگا تھوڑا تھوڑا کر کے۔"

"وہ ڈاکٹر صاحب کہاں رہتے ہیں ان کا پتا ٹھکانہ نام یاد ہے آپ کو۔"
سلمیٰ خانم کی ماممتا تڑپ رہی تھی۔
"ڈاکٹر کا نام مصطفیٰ تھا مصطفیٰ اعوان اور ان کا کلینک۔" وہ یاد کرنے لگے۔
"کیا کہا کیا نام بتایا ہے آپ نے۔" افضال حیدر نے چونک کر پوچھا۔
"ڈاکٹر مصطفیٰ اعوان۔۔۔ ڈاکٹر کی بیگم بھی ڈاکٹر تھی ڈاکٹر ہادیہ مصطفیٰ۔"
شاہ بابا نے یاد کرتے ہوئے کہا۔
"او مائی گاڈ حیرت انگیز رئیلی یہ بہت حیران کن ہے۔" افضال حیدر نے سب کی طرف دیکھا۔
"ڈاکٹر مصطفیٰ وین کے حادثے میں زخمی ہونے والی دو سالہ بچی جس کا باپ اسے چھوڑ کر گیا تو پھر واپس نہیں آیا اور ڈاکٹر مصطفیٰ کو لندن جانا تھا اپنی فیملی کے ساتھ۔ تب انہوں نے وہ بچی حیدر علی اپنے دوست کے حوالے کر دی جو ان دنوں راولپنڈی ان سے ملنے گئے ہوئے تھے۔ وہ اسے کسی ادارے میں چھوڑنا چاہتے تھے لیکن حیدر علی نے اس بچی کو لے لیا۔ اس خیال سے کہ کیا خبر تھی اس کا باپ اسے ڈھونڈتا ہوا آئے انہوں نے کراچی آنے سے پہلے آس پاس کے دو تین گھروں میں اور ڈاکٹر مصطفیٰ کا گھر خریدنے والوں کو بھی کراچی کا نمبر دے دیا تھا کہ کوئی اگر ڈاکٹر مصطفیٰ کو پوچھنے آئے تو یہ نمبر دے دیجیے گا لیکن وقت گزرتا گیا کوئی اس بچی کو لینے نہ آیا تھا اور وہ بچی حیدر علی کے گھر کی ایک فرد ہی بن گئی تھی بلکہ روز اول سے ہی سب نے اسے اپنا ہی جان لیا تھا۔ وہ بچی جو اپنا نام صحیح سے بتا نہ سکتی تھی بلکہ خود کو ابی کہتی تھی۔"
"مں ابی۔" وہ اپنی طرف اشارہ کرتی تھی تب ننھے سے افضال حیدر نے اسے حسنہ حیدر کا نام دیا تھا۔
سبز کانچ آنکھوں والی ننھی پری میں سب کی جان تھی۔ شروع میں اس کے ساتھ سب کا اتنا لگاؤ دیکھ کر حیدر علی اس وقت سے ڈر جاتے تھے جب اس کا باپ آکر اسے لے جائے گا لیکن پھر گزرتے وقت کے ساتھ وہ بھی بھول گئے کہ حسنہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔ عذرا کی پیدائش کے بعد بھی حسنہ کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔
"حیرت انگیز۔" انہوں نے خوشی سے دہرایا۔
"میں کل ہی جاؤں گا۔ مجھے یقین ہے میں ڈاکٹر مصطفیٰ کا گھر ڈھونڈ لوں گا۔" شاہ بابا بڑبڑائے۔
"کیا آپ کو یقین ہے کہ ڈاکٹر مصطفیٰ اب تک وہاں اسی گھر میں ہوں گے وہ کہیں اور بھی تو جا سکتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک کسی دوسرے شہر میں۔"
افضال حیدر کا لہجہ عجیب سا تھا۔
شاہ بابا کے چہرے کے رنگ پھیکے پڑ گئے۔
"ہاں ہو سکتا ہے لیکن میں وہاں جاؤں گا تو ضرور۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔
"اگر مقدر میں ملن لکھا ہو تو جس طرح اتنے سالوں بعد بابا مل گئے ہیں اس طرح ربی بھی مل جائے گی۔"
نصیر احمد خان کے لہجے میں یقین بھی تھا اور توکل بھی۔ شاہ بابا نے ایک تشکر بھری نظر ان پر ڈالی۔ یہ ان کا بیٹا تھا لیکن جسے انہوں نے آج پہلی بار دیکھا تھا۔ عمر کے اس حصے میں جب وہ خود کئی بچوں کا باپ تھا۔ اس کا تتلا کر باتیں کرنا ڈگمگا کر چلنا پہلی بار اسکول جانا یہ سب خوب صورت دن ان کی زندگی سے نکل گئے تھے۔

"کاش آدمی اتنا حریص نہ ہوتا۔" ان کی نظریں ان کی وہیل چیئر پر تھیں۔
"میں کل صبح ہی راولپنڈی جاؤں گا۔"
"میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔" منصور پہلی بار بولا۔
"یہ منوں ہے نا میرا بھائی۔"
ماہ نور کی آنکھوں میں کنکر سے چبھ رہے تھے وہ منصور کے تھکے ہوئے افسردہ چہرے کو دیکھ رہی تھی کتنی اذیت سہی تھی ایک ناکردہ جرم کی سزا میں اس نے۔
"کسی کو راولپنڈی جانے کی ضرورت نہیں۔" افضال حیدر نے انکشاف کیا اور سب نے افضال حیدر کی باتوں کو بہت دلچسپی اور حیرت سے سنا۔
"یعنی حسنہ خالہ۔۔۔" نرمل کے لبوں سے نکلا تھا۔
"حسنہ۔" سلمیٰ خانم نے بھی حیرت سے پوچھا۔
"ربیعہ کی آنکھیں بالکل سبز تھیں اور حسنہ کی آنکھیں دیکھ کر وہ مجھے یاد آجاتی تھی اور اس بچی کی طرف میرا دل خواہ مخواہ لپکتا تھا۔"
"میں حسنہ خالہ کو بتاؤں۔" نرمل کو سب سے پہلے خیال آیا تھا۔
"نہیں۔" افضال حیدر نے منع کیا۔
"میں خود بات کروں گا حسنہ سے اور سنو جس طرح اب تک کسی کو ماہ نور کے اغوا ہونے اور ملنے کا علم نہیں کبھی بھی نہ ہو۔" انہوں نے تاکید کی اور پھر اپنے سیل فون سے حسنہ کا نمبر ملانے لگے۔
"حسنہ جیسے بھی ممکن ہو کل پہلی فلائیٹ سے تم سب آجاؤ۔"
"خیریت ہے نا۔" حسنہ گھبرائیں۔ "میرے پاس ایک سرپرائز ہے۔"
"افضال بھائی آج میرے پاس بھی ایک زبردست سرپرائز ہے بس تم آجاؤ فوراً" "اور دیکھو سیدھی طیبہ کے ہاں آنا۔" "یہاں۔"
حسنہ پھر کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن انہوں نے فون بند کر دیا۔

اس چھوٹے سے گھر میں ایک ساتھ جیسے خوشیوں کی بارات اتر آئی تھی لیکن خضر نے ابھی تک ایک لفظ بھی نہ کہا تھا وہ ایک طرف کرسی پر خاموش بیٹھا تھا۔
"ماہ۔"
خضر نے بالکل قریب آکر کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔
"تم میری طرف سے بے اعتبار مت ہونا۔ میں صرف پریشان ہوں اور غصے میں ہوں۔ غصہ مجھے ان پر ہے جنہوں نے یہ سب کیا اور میں فیصلہ نہیں کر پا رہا کیسے کس طرح ان سے اس ظلم کا حساب لوں۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں تم میرے لیے وہی پہلے والی ماہ ہو۔۔۔۔"
اپنی بات کر کے وہ رکا نہیں تھا سیدھا صحن میں لگے بیسن کی طرف چلا گیا تھا اور ہاتھ دھو کر واپس کمرے میں چلا گیا لیکن ماہ نور کے دل پر پڑا بوجھ کم ہو گیا اس نے سوچا وہ اللہ کا شکر ادا کرے جس نے عزت و آبرو کے ساتھ گھر واپس پہنچا دیا تھا۔
وہ اٹھ کر وضو کرنے چل دی۔
رات دیر سے سوئی تھی اس لیے صبح بھی دیر سے اٹھی تھی۔ نرمل نے اسے نماز کے لیے جگایا تو وہ نماز پڑھ کر پھر بستر پر گئی تھی اور اب دوبارہ نرمل کے جگانے پر ہی اٹھی تھی۔ حالانکہ بستر سے اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ پتا نہیں کتنی راتوں کی بے آرامی اور ٹینشن تھی۔

"ماہ مسز مراد آئی ہوئی ہیں۔ ہمارے ساتھ ہماری طرح ہی پریشان رہیں وہ' صبح ان کا فون آیا تو میں نے تمہارے آنے کا بتا دیا تھا اور فون سنتے ہی وہ آ گئیں۔"

"اچھا۔"

ماہ نور بالوں کو دونوں ہاتھوں سے پیچھے کرتی ہوئی ڈرائننگ روم میں آ گئی۔ مسز مراد اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"شکر ہے اللہ کا ماہ کہ اس نے سب کی دعائیں سن لیں۔"

ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں ہمیشہ کی طرح ماہ نور ان کے خلوص سے بہت متاثر ہوئی۔

"اللہ نے تمہیں بچا لیا ماہ کہ تمہارے ساتھ بہت سارے لوگوں کی دعائیں تھیں۔"

انہیں نرل سے سب تفصیل پتا چل چکی تھی۔

"اور تمہیں منوں کی اور اپنے دادا ابا اور اپنی پھپھو کی واپسی مبارک ہو۔ کبھی کبھی ہوتا ہے نا ایسا ماہ کہ آدمی پر بیک وقت بہت ساری آزمائشیں آ جاتی ہیں اور پھر اللہ ہی ہے جو ان مشکلات سے آدمی کو نکالتا ہے۔ تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اللہ نے تمہیں ہر آزمائش میں سرخرو کیا۔"

ماہ نور کو مسز مراد بہت ڈسٹرب اور اپ سیٹ سی لگیں۔

"مسز مراد آپ ٹھیک تو ہیں نا۔"

"ماہ میں لاہور جا رہی ہوں اپنے بھائیوں کے پاس۔ یہاں والا گھر فروخت کر دیا ہے میں نے اور بھائی کے گھر میں ہی ایک پورشن لے لیا ہے میں نے جو انہوں نے پہلے کرائے پر دیا ہوا تھا۔ کم از کم میں وہاں محفوظ تو رہوں گی۔ سائبان تو ہو گا نا سر پر' اکیلی عورت کا رہنا بہت مشکل ہوتا ہے ماہ۔"

"آپ کے ساتھ کیا ہوا مسز مراد۔" ماہ نور گھبرا گئی۔

"میرے ساتھ۔" مسز مراد کے لبوں پر ایک افسردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ماہ بہت بار میں نے سوچا کہ تم سے اپنا دکھ شیئر کروں لیکن پھر ہمت نہ ہوئی کہ کہیں تم مجھ سے نفرت نہ کرنے لگو۔ کہیں میں اپنی اکلوتی دوست سے بھی محروم نہ ہو جاؤں۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مراد نے طلاق بھجوا دی تھی۔ ایک فنکشن میں ایک لڑکی مجھے ملی اور میں اس کے ذریعے میڈم سفینہ کے پاس پہنچ گئی۔ میڈم سفینہ نے اپنے گھر کے بیس منٹ میں ایک کلب کھول رکھا تھا جہاں ویک اینڈ پر مجھ جیسی فرسٹریٹڈ عورتیں اکٹھی ہوتی ہیں۔ وہاں سب کچھ تھا ماہ ڈرنک' جوا' فلیش سب کچھ میں نے بڑی بڑی دولت مند عورتوں کو دیکھا وہاں آتے ہوئے سگریٹ کے مرغولے اڑاتے شراب پیتے ہوئے یہ مسلمان عورتیں تھیں۔ مجھے پہلی بار انہیں دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

"یہ بے چاری عورتیں یہاں اپنی ٹینشن دور کرنے آتی ہیں۔"

میڈم سفینہ نے مجھے بتایا۔

"یہ یہاں نہ آئیں تو پاگل خانے پہنچ جائیں شوہروں کی ستائی ہوئی بے چاری عورتیں۔ اب تم سوچو تمہارا شوہر کتنے سالوں سے باہر ہے۔ وہاں وہ تو مزے میں ہو گا اور تمہارے لیے تنہائی کا عذاب' بچ بتا دو راتوں کو بے چین نہیں ہوتی ہو اس کے بغیر۔"

اور پھر باتوں باتوں میں وہ مجھے ہال کے دوسرے حصے میں لے گئیں۔ جہاں کچھ مرد بیٹھے شغل کر رہے تھے۔

"یہ مسٹر مہتاب خان ہیں۔"

میڈم سفینہ نے میرا تعارف کروایا۔

"ان کی مسز بھی تمہارے میاں کی طرح ملک سے باہر ہیں۔"

میڈم چلی گئیں۔ مسٹر مہتاب خوب صورت باتیں کرتے تھے رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب میں مسٹر

مہتاب کے ساتھ ایک کمرے میں جا رہی تھی۔۔۔ روشنیاں گل کر دی گئی تھیں اور سب۔۔۔

پھر وہ کچھ ہو گیا جو نہیں ہونا تھا۔ میں نے چاہا کہ پھر اس ایک غلطی کے بعد دوبارہ نہ جاؤں میڈم سفینہ کے کلب میں۔ لیکن میڈم کے پاس خفیہ کیمروں سے کھینچی ہوئی تصویریں تھیں۔ کمروں میں نہ جانے کہاں کیمرے فٹ تھے میں اس جال میں پھنستی چلی گئی۔ پتا نہیں میرا اللہ مجھے معاف بھی کرے گا یا نہیں۔"

"اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔"

"تم میرے لیے ہمیشہ دعا کرتی رہنا ماہ۔ میں نے اسی لیے لاہور بھائی کے پاس جانے کا فیصلہ کیا ہے کہ اس گناہ آلود زندگی کے جال سے نکل جاؤں یہاں رہ کر یہ ممکن نہیں اور تمہارے لیے بھی میرا مشورہ ہے اب کبھی ندا سے تعلق نہ رکھنا بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ یہ شہر ہی چھوڑ دو۔ میں کل یا پرسوں چلی جاؤں گی آج شاید میرا بھائی آ جائے گا مجھے لینے۔" ماہ نور نے کچھ نہیں کہا وہ بس حیران اور غم زدہ سی بیٹھی تھی۔

"اور سنو مجھے اپنی شادی پر ضرور بلانا۔" وہ مسکرائی تھی۔

"تم سے رابطہ تو رہے گا نا۔"

ماہ نور نے سر ہلا دیا۔ خضر نے رات مختصراً "اعتبار کرنے کو کہا تو تھا لیکن دل اب بھی بے یقین سا سوکھے پتے کی طرح کانپ اٹھا تھا۔

"خضر بہت اچھا ہے سمجھ دار اور باشعور۔" مسز مراد نے اسے تسلی دی۔

"وہ حالات کو جج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور پھر وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے ماہ ان تین چار دنوں میں اس کی جو حالت میں نے دیکھی ہے مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ اتنا محبت کرنے والا شخص تمہارا ہم سفر بنے گا۔"

وہ اسے تسلی دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ابھی ساری پیکنگ کرنا ہے ماہ جانے سے پہلے کچھ دیر کے لیے ملنے آؤں گی۔" ماہ نور مسز مراد کو گیٹ تک چھوڑ کر آئی تو نرل سیل فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

"کس کا فون تھا روما۔" نرل جب بات کر چکی تو اس نے پوچھا۔

"شبی کا فون تھا۔ بتا رہا تھا کہ حسنہ خالہ کی اپنے سسرال والوں سے صلح ہو گئی ہے اور شجعی کی بات اپنی چچا زاد سے اور اس کے چچا زاد بھائی کی بات انعم سے طے ہو گئی ہے۔"

"تم نے بتایا حسنہ خالہ اور شاہ بابا کا۔" ماہ نور نے پوچھا۔

"ہاں بہت حیران ہو رہا تھا اور یقین نہیں آ رہا تھا اسے۔"

"اور ماموں جان کے گھر میں سب خیریت ہے عذرا خالہ' اسفر بھائی سب۔"

"ہاں لیکن ماموں جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ شبی بہت پریشان ہو رہا تھا کہہ رہا تھا کہ پچھلے دنوں انہیں ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ بہت اپ سیٹ تھا۔"

"اللہ ماموں جان کو صحت و زندگی دے۔" ماہ نور نے دعا کی۔

اسفر بھائی کے بہت اچھے دوست بھی ہیں۔ آپی کو شاہ رخ بھائی سے اچھا ہم سفر نہیں مل سکتا تھا۔ اور شجاع بھائی کی شادی جن سے ہوئی ہے نا وہ بھی ڈاکٹر ہیں اور بہت پیاری اور اچھی نیچر کی ہیں۔"

نرل ان سب کے متعلق تفصیل بتانے لگی۔ ماہ نور خاموشی سے سنتی رہی۔

"ارے تم نے تو ابھی ناشتا بھی نہیں کیا۔" بات کرتے کرتے نرل کو اچانک خیال آیا۔

"میں سوچ رہی تھی کہ ابھی چائے بھجواتی ہوں لیکن مسز مراد اٹھ کر ہی چل دیں۔ خیر اب میں تمہارے لیے ناشتا لاتی ہوں۔" نرل اٹھی۔

"روما۔" ماہ نور نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"روما۔ اس سب میں میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"توبس۔۔۔ ریلیکس ہو جاؤ تم بھی۔"

کسی ننھے بچے کی طرح اس کا رخسار تھپتھپاتے ہوئے نرس باہر نکل گئی اور ماہ نور ایک بار پھر گزرے واقعات سوچنے لگی کہ اس کے اس طرح چلے آنے سے شاہ زیب پر کیا گزری ہو گی۔ صبح جب وہ اور شاہ بابا نہیں ملیں گے تو۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"

اس نے ایک جھرجھری سی لی اور دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرنے لگی۔

* * *

شاہ رخ بڑی حویلی پہنچے تو بی بی جان کی بیماری کی خبر سن کر حیران رہ گئے۔

"کب کیسے۔" وہ پریشان سے نوراں بی بی سے پوچھ رہے تھے۔

"رات جی اچانک ہی بی بی جان کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ وہ شاید کہیں گر گئی تھیں اندھیرے میں چوٹ بھی آئی تھی اور بی پی بھی زیادہ ہو گیا تھا۔ چھوٹے شاہ جی لے کر انہیں ہاسپٹل گئے ہیں آج صبح ہی۔"

"شاہ زیب وہ کب آیا۔" انہیں حیرت ہوئی۔

"کل صبح آئے تھے اچانک۔" نوراں نے جو کچن کا کام کرتی تھی بتایا۔

"زارا بی بی بھی آئی ہیں۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں جی اپنا چھوٹے شاہ جی اکیلے ہی تھے۔"

"ساتھ کون گیا ہے؟" وہ بے حد پریشان ہو گئے تھے۔

"گلا بال اور فضل داد گئے تھے فضل داد تو ابھی کچھ دیر پہلے ہی آیا ہے بتا رہا تھا انہوں نے بی بی جان کو داخل کر لیا ہے۔ شاہ جی اور گلاں ادھر ہی رہ گئے ہیں۔"

اس نے نقشہ ... اور شاہ رخ فضل داد سے معلوم کر کے کہ وہ نزدیکی قصبے کے ہسپتال میں ہیں ہسپتال روانہ ہو گئے۔ شاہ زیب ... پریشان سا ہسپتال کے کوریڈور میں مل گیا تھا۔ "زیب کیا ہوا بی بی جان کو۔"

شاہ رخ انہیں دیکھ کر بے تابی سے ان کی طرف بڑھے۔

"بس اچانک رات کو اٹھیں تو گر گئیں۔ چوٹ تو معمولی آئی ہے۔ رات ڈیڑھ دو بجے کا وقت تھا۔ میری آنکھ کھل گئی تھی۔ رات میں ہی ڈسپنسر نے آ کر بینڈیج کر دی تھی لیکن بی پی بہت ہائی تھا۔"

شاہ زیب نے نظریں چرائیں۔

"ٹھیک ہے میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں اگر راولپنڈی لے جانا بہتر ہے تو لے جاتے ہیں۔"

شاہ زیب نے سر ہلا دیا وہ بے حد اپ سیٹ لگ رہا تھا۔

وہ ندا کو ماہ نور کے گھر سے اپنے آفس کے اوپر بنے کمرے میں لے گیا تھا اور لاک کر کے آ گیا تھا اس کا خیال تھا کہ صبح سویرے ہی وہ اسے کہیں اور منتقل کر دے گا بلکہ اس نے سوچا تھا وہ زارا کو حویلی بھجوا دے گا۔ یوں بھی اس کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اور پھر ماہ نور کو گھر لے جائے گا۔ آفس کے اس کمرے میں بے کار سامان پڑا تھا۔ کلوروفام کچھ زیادہ ہی تھا اس کا خیال تھا کہ وہ صبح تک یوں ہی بے ہوش رہے گی۔ پھر بھی احتیاطاً" اس نے نیند کا انجکشن بھی لگوا دیا تھا تا کہ جاگنے پر ہنگامہ نہ کرے۔ لیکن صبح صادق کے وقت ہی ندا کا فون آ گیا تھا۔

"شاہ صاحب لڑکی کو کہیں آگے پیچھے کر دیں۔ میرے مخبر نے بتایا ہے کہ صبح سویرے ہی میرے گھر لڑکی کی تلاش میں چھاپہ پڑنے والا ہے۔ خیر میں ایسے چھاپوں سے نہیں ڈرتی لیکن کہیں وہ آپ تک نہ پہنچ جائیں۔"

اور شاہ زیب واقعی گھبرا گیا تھا اور صبح منہ اندھیرے ہی اس نے اپنے خاص بندوں کے ساتھ اسے گاڑی میں حویلی بھجوا دیا تھا بہت ہی احتیاطوں کے ساتھ۔ راستے میں انہوں نے ملتان میں قیام کرنا تھا۔ اور خود وہ دو دن بعد بائی ... آیا تھا۔

وہ جانتا تھا جتنا وہ وہاں محفوظ ہے اور کہیں نہیں۔ شاہ جی اور سب لاہور میں تھے۔ گھر میں صرف بی بی جان تھیں۔ اس کے بندوں نے اسے مزار شریف کی طرف بنی کوٹھریوں میں سے ایک میں بند کر دیا تھا ایک رات کی بات تھی اس نے سوچا تھا صبح سویرے وہ اسے شکار گاہ میں منتقل کروا دے گا اور۔۔۔ لیکن اسے گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح کمرے سے باہر نکل بھاگے گی اور پھر۔

"اف بی بی جان کی وہ نظریں۔"

اگرچہ وہ کچھ نشے میں تھا لیکن بی بی جان کی وہ نظریں اسے اندر سے پانی پانی کر گئی تھیں۔

"... ون اور اتنا گندا۔"

بی بی جان نے بہت ہلکی آواز میں کہا تھا جب وہ انہیں اٹھانے کے لیے جھکا تھا۔

"تمہاری ساری من مانیاں اور شوق قبول لیکن یہ۔۔۔ اس لڑکی کو جو کسی شریف گھرانے کی لگتی ہے گھر لاتے ہوئے تمہیں امی اور عظمیٰ کا خیال نہ آیا شاہ زیب کیا صرف اسی لیے بیٹیوں کی پیدائش سے خوفزدہ۔۔۔"

ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی اور وہ بے ہوش ہو گئی تھیں لیکن وہ جیسے شرم سے نظریں بھی نہیں اٹھا پا رہا تھا۔۔۔۔ اور پھر بی بی جان کی حالت کے پیش نظر صبح تک اس نے ایک بار بھی ماہ نور کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ وہ شاہ بابا کے ساتھ گئی تھی یقیناً" ان ہی کے پاس ہو گی شاہ بابا کو کہاں کوئی ہوش تھا کچھ اور بھلا ان میں اتنی جرأت ... کہ وہ ... لی سے باہر نکل سکیں اور پھر اتنے سارے چوکی ... ام کس کام کے تاہم بی بی جان کو ہاسپٹل ایڈمٹ کروانے کے بعد اس نے فضل داد کو واپس حویلی بھجوایا تھا کہ وہ شاہ بابا کی کوٹھری یا کسی دوسری کوٹھری سے کراچی سے لائی جانے والی لڑکی کو تلاش کر کے شکار گاہ میں بند کر دے اور وہاں ملالا یا وہ خود نگرانی کرے۔

... جان کی حالت ٹھیک نہ تھی اور ابھی وہ مزید ماہ نور کے متعلق کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔

اللہ جانے کیا ہونے والا تھا۔ بی بی جان بے ہوش تھیں ابھی تک اور کچھ دیر پہلے ان کی ناک سے خون کے قطرے بھی نکلے تھے۔

"زیب بی بی جان کو ہر صورت کسی اچھے ہسپتال میں منتقل کرنا پڑے گا اور راولپنڈی ہی نزدیک ہے۔ لاہور تو بہت دور ہے۔"

"تو ٹھیک ہے لے جاتے ہیں۔"

شاہ زیب بہت پریشان ہو رہا تھا۔

"ویسے ... نے زینی پھپھو کو بتا دیا ہے۔ انہیں فون کر کے بتا دو کہ ہم بی بی جان کو راولپنڈی لے جا رہے ہیں۔"

شاہ رخ شاہ زیب کو ہدایت دے کر پھر ڈاکٹرز روم کی طرف بڑھ گئے۔

* * *

"قائی کبھی کبھی آتے رہا کرو۔ بلکہ ایسا کرتے ہیں ادھر پیچھے جو خالی زمین پڑی ہے وہاں ایک چھوٹا موٹا سا کلینک بنوا دیتا ہوں۔ ہفتے میں ایک آدھ دن ادھر بھی آ کر بیٹھ جایا کرو۔ اپنے گاؤں کا بھی تو حق ہے نا تم پر۔"

سید مقیم علی شاہ نے بیگ کی زپ بند کرتے قائم علی شاہ سے کہا۔

وہ پچھلے ایک ہفتے سے حویلی میں مقیم تھے۔ بی بی جان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع انہیں زینت فاطمہ نے دی تھی اور وہ سب کے ساتھ ہی راولپنڈی آئے تھے۔ بی بی جان کی طبیعت کافی خراب تھی ان کے دائیں طرف فالج کا اٹیک ہو گیا تھا۔ بہترین ہسپتال میں بہترین ڈاکٹروں کے زیر نگرانی علاج ہو رہا تھا۔ ابھی وہ اپنا دایاں ہاتھ ٹانگ کسی بھی چیز کو حرکت نہیں دے سکتی تھیں۔

ہسپتال ... انہیں شاہ جی اور بچوں کے ساتھ دیکھ کر بی بی جان کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی تھی۔ شاہ جی نے ان کی ... کو محسوس کیا تھا اور ان کے پاس بیٹھتے ہوئے ہولے ہولے بولنے لگے تھے۔ سید قائم علی شاہ اس اثنا میں کمرے میں موجود ڈاکٹر سے بات کرنے لگے تھے۔ بی بی جان کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ بول نہیں سکتی تھیں شاید۔

طرح سے سید قائم علی شاہ کچھ اندازہ نہیں کر سکتے تھے کہ مقیم علی شاہ کی بات سن کر ان کا کیا ردعمل تھا۔

شاہ رخ زینت فاطمہ اور گلاباں کو ہسپتال میں چھوڑ کر سب حویلی واپس چلے گئے تھے اور سید قائم علی شاہ واپس لاہور آ گئے تھے کہ دو تین روز میں ہسپتال سے چھٹی لے کر وہ اور حمنہ آ ئیں گے۔ اس دوران انہیں کراچی جانا پڑا تھا۔ حمنہ کے والدین کا پتا چل گیا تھا۔ یہ خبر حمنہ کے لیے جہاں خوشی کا باعث تھی وہاں ان کی عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس اچانک خبر سے، سلمٰی خانم ان کی والدہ اور نصیر احمد خان ان کے بھائی تھے۔ یہ انکشاف بہت حیران کن تھا اور شاہ بابا کو دیکھ کر سید قائم علی شاہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"بابا ادھر آ جائیے میرے پاس یہاں سے آپ کو کوئی نہیں لے جا سکتا میں ہوں نا آپ کا بیٹا اور یہ کوئی غیر نہیں آپ کی ربیعہ کا شوہر ہے۔"

لیکن شاہ بابا کی آنکھوں میں خوف تھا وہ مضبوطی سے نصیر احمد خان کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

سید قائم علی شاہ کے لیے یہ انکشاف بہت خوش کن بھی تھا اور حیران کر دینے والا بھی کہ حمنہ شاہ بابا کی بیٹی ہیں۔ شاہ بابا یہاں اپنے گھر کیسے پہنچے تھے اس کے متعلق انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ وہ حویلی سے بھاگے تو کوئی خیر خواہ مل گیا جس کی مدد سے یہاں تک پہنچے تھے۔ ان کی ذہنی حالت میں وقت گزرنے کے ساتھ خود بخود بہتری آ گئی تھی سالوں پہلے انہیں یادداشت ختم کرنے کے لیے جو انجکشن لگوائے گئے تھے ان کا اثر ختم ہو گیا تھا یا پھر یہ سب قدرت کی طرف سے تھا کہ انہیں ماضی یاد آ گیا تھا تاہم انہوں نے یہاں واپس آ کر کسی سے شاہ بابا کا ذکر نہیں کیا تھا۔

بی بی جان کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ شاہ رخ سے فون پر بات ہوئی تو وہ حمنہ کے ساتھ حویلی آئے تھے۔ بی بی جان کی حالت ایسی ہی تھی۔

"اس میں وقت لگے گا۔ لیکن مسلسل ایکسر سائز اور دیکھ بھال سے ٹھیک ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ۔"

ڈاکٹر نے کہا تھا۔

حویلی میں خوب رونق تھی۔ شاہ زیب نے کراچی سے زارا کو بھی بلا لیا تھا۔ شاہرم اور شجاع بھی آئے تھے ایک دو دن کے لیے۔ شاہرم کی شاہ جی کے ساتھ خوب گپ شپ ہوتی تھی۔

"اور آپ نے میرے ساتھ خوب چکر چلایا بیٹا جی اور یہ شاہ رخ شاہ بھی آپ کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔"

"ارے نہیں شاہ جی شاہ رخ بھائی تو اتنا ہی جانتے تھے کہ میں اسفر کا کزن ہوں۔ یہ تو بس میں۔"

وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔ شاہ جی اتنے نرم دل اور نرم مزاج تو کبھی بھی نہ تھے جتنے ان دنوں ہو گئے تھے اور ان دنوں انہوں نے سید قائم علی شاہ، شاہ رخ شاہ میر سب سے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔

"تو سید قائم علی شاہ کیا خیال ہے آپ کا پھر یہاں کلینک بنوانا شروع کر دیں۔ بڑا مسئلہ ہوتا ہے کوئی بیمار ہو جائے تو۔"

انہوں نے پھر کہا تو سید قائم علی شاہ چونک پڑے۔

"جی اچھا خیال ہے۔ ایک دو ڈاکٹرز کو مستقل اپائنٹ کر لیں گے۔ کچھ رقم ہے میرے اکاؤنٹ میں بھجوا دوں گا۔ کلینک کی تعمیر کے لیے۔ میں اور حمنہ بھی مہینے میں دو بار آ جایا کریں گے۔"

"شرمندہ مت کرو سید قائم علی شاہ۔ یہاں اس حویلی زمین میں سب میں تمہارا حصہ ہے۔ زمینوں سے لاکھوں کی آمدنی ہوتی ہے۔"

"میں نے کہا تھا شاہ جی اللہ کا دیا سب کچھ ہے، کچھ نہیں چاہیے مجھے۔"

"تمہارا حق ہے قائم علی شاہ۔ اللہ مجھے معاف کرے۔ میں تمہارا حق ادا کرنا چاہتا ہوں بہت قرض ہے مجھ پر تمہاری بی بی جان کی طبیعت ذرا سی بہتر ہو جائے تو تم آؤ اور سارا حساب کتاب کر لو۔ میں نے شاہ بابا کے ساتھ بھی بہت زیادتی کی۔ کاش وہ مل جاتے تو میں ان سے معافی مانگ کر ان کا حصہ ان کے حوالے کر دیتا۔ اللہ جانے کہاں چلے گئے۔"

ان کے پاس ہی بیٹھا شاہ زیب یکدم مضطرب ہو گیا تھا۔ فضل داد نے اسے ہسپتال میں ہی اطلاع دی تھی کہ

شاہ بابا غائب ہیں اور لڑکی بھی۔ بہت تلاش کے بعد بھی وہ نہیں ملے تھے۔ پتا نہیں زمین کھا گئی تھی انہیں یا آسمان۔

اس ذہنی کیفیت کے ساتھ اللہ جانے وہ ماہ نور کے ساتھ کہاں گئے تھے۔ وہ ان سارے دنوں میں بے حد پریشان رہا تھا۔ اس کا ایک نام تھا عزت تھی وہ اسمبلی کا ممبر تھا اگر وہ لڑکی ماہ نور کسی اخبار کے دفتر میں پہنچ گئی یا کسی این جی اوز کے ہاتھ لگ گئی تو اس سے آگے کا تصور ہی ہولا دیتا تھا اسے۔ بھلے وہ کچھ بھی ثابت نہ کر سکتی لیکن نام تو اچھل جائے گا۔ "شاہ جی مجھے معلوم ہے کہ شاہ بابا کہاں ہیں۔"

سید قائم علی شاہ نے اس لمحے فیصلہ کیا کہ وہ شاہ بابا کے متعلق بتا دیں۔ شاہ جی سے زیادہ بے قرار ہو کر شاہ زیب نے پوچھا۔

"کراچی میں اپنی فیملی کے پاس۔"

سید قائم علی شاہ نے حمنہ کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ حمنہ کے چہرے پر اضطراب نظر آیا۔

"اور یہ حمنہ ہیں شاہ بابا کی بیٹی۔"

"نہیں۔"

ایک لمحے کو کسی کو بھی یقین نہیں آیا تھا۔

شاہ بابا ہولے ہولے بہتر ہو رہے تھے انہیں ماضی یاد آ رہا تھا اور بس اسی کیفیت میں وہ یہاں سے نکل کر گھر پہنچ گئے اور کراچی سے افضال بھائی کا فون آنے پر ہی کراچی گئے تھے ان سے ملنے۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" شاہ جی نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"میں نے بہت دعائیں مانگی تھیں کہ شاہ بابا مل جائیں میں ان کا حق انہیں دے دوں ان سے معافی مانگ لوں اور اللہ نے میری دعا سن لی۔ شاید اللہ نے مجھے یہ زندگی دے کر موقع دیا ہے کہ میں سب کے حقوق ادا کر دوں بڑے شاہ جی نے موت سے پہلے دا جی سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے بھائی کو اس کا وہ حق دے دیں جو شرعاً اور قانوناً بنتا ہے۔ سید قائم علی شاہ مجھے لے چلو شاہ بابا کے پاس جو کام دا جی نہیں کر سکے تھے مجھے وہ بھی کرنا ہے اور شاہ بابا سے معافی بھی مانگنی ہے۔"

"آپ پریشان نہ ہوں شاہ جی جلد ہی شاہ بابا کی فیملی لاہور شفٹ ہونے والی ہے۔ میں لے چلوں گا ان کے پاس آپ کو۔"

شاہ زیب بے چینی سے ہاتھ مسل رہا تھا۔ شاہ بابا تو اپنی فیملی کے پاس چلے گئے تھے لیکن وہ... وہ کہاں گئی تھی ماہ نور۔ لیکن یہ بات وہ سید قائم علی شاہ سے نہیں پوچھ سکتا تھا۔ بی بی جان اسے دیکھتے ہی منہ پھیر لیتی تھیں۔ تب ان کے پاس بیٹھ کر اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ لڑکی اگر اسے مل گئی تو وہ اسے اس کے والدین کے پاس پہنچا دے گا۔

■■■

"شبی بیٹا کیا آج ہم گھر جا سکتے ہیں۔"

عذرا بیگم نے مبشر سے پوچھا جو میاں صلاح الدین کے سرہانے کی طرف کھڑا ان کی فائل دیکھ رہا تھا۔

"ہاں... ہاں شاید۔" وہ چونکا۔

"ابھی ڈاکٹر مہدی آنے والے ہوں گے تو ان سے پوچھ لیتا ہوں ابا جان ان کے پیشنٹ ہیں تو ظاہر ہے ان سے پوچھنا ضروری ہے۔ ورنہ میرے خیال میں اب گھر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

میاں صلاح الدین کو شدید قسم کا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اسفر انہیں فوراً ہی ہسپتال لے گئے تھے۔ کئی دن تک انہیں ہسپتال میں رہنا پڑا تھا۔ مبشر اور سمن تو سارا وقت ہسپتال میں ہی رہتے تھے۔ حالانکہ مبشر ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ناراض نہ ہوں لیکن انہوں نے کچھ نہیں کہا تھا مگر اس سے کوئی بات بھی نہیں کی تھی پہلے دو دن تو وہ آئی سی یو میں تھے لیکن بعد کے دنوں میں بھی وہ مبشر سے مخاطب نہیں ہوئے تھے گھر جانے کے چند دن بعد پھر طبیعت کافی خراب ہو گئی انجیو گرافی سے یہ تو پتا چل ہی چکا تھا کہ دو وینز بند ہیں۔

اب کے ڈاکٹروں نے بائی پاس تجویز کیا۔ میاں صلاح الدین اس کے لیے رضامند نہیں ہو رہے تھے لیکن جب

مشہور ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر مہدی نے بھی کہا کہ اب بائی پاس لازمی ہے تو مجبور ہو گئے یوں تقریباً دس بارہ دن پہلے اسی ہسپتال میں جس میں مبشر جاب کر رہا تھا ڈاکٹر مہدی نے ان کے دل کی اوپن سرجری کی تھی ان کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔

"اور میں نے صحیح کہا تھا نا کہ ہسپتال میں کوئی نہ کوئی اپنا ڈاکٹر ہونا چاہیے ورنہ یہ ڈاکٹر تو گھاس بھی نہیں ڈالتے۔" میاں صلاح الدین کے لہجے میں خلاف معمول نرماہٹ تھی۔

"ابا جان مجھے معاف کر دیں پلیز میں نے کبھی آپ کی کسی بات کو نہیں ٹالا آپ نے جو کہا میں نے وہی کیا ہمیشہ۔ میں مصور بننا چاہتا تھا آپ نے کہا یہ گناہ ہے میں نے سر جھکا دیا۔ آپ نے اتنی کم عمری میں میری شادی کر دی میں نے انکار نہیں کیا حالانکہ مجھے ٹھیس لگی تھی کہ آپ نے مجھ پر اعتماد نہیں کیا لیکن غزالہ... ابا جان وہ خود میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی تھی۔ میں نے بہت کمپرومائز کیا۔" مبشر کی آواز بھرا گئی۔

"وہ اپنے خالہ زاد سے شادی کرنا چاہتی تھی اور اس نے کر لی۔ ابا جان وہ خود۔"

میاں صلاح الدین نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھا اور ذرا سا مسکرائے۔

"چلو کم عمری میں شادی کا گلہ ہے تمہیں تو اب اس عمر میں تمہاری شادی کروا دیتے ہیں کیوں عذرا بیگم۔" ان کا لہجہ خوشگوار تھا اور وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تو اب لڑکی تلاش کریں آپ شبی کے لیے۔"

"ابا جان آپ نے" آپ نے مجھے معاف کر دیا۔" مبشر یکدم جذباتی ہو کر رو پڑا۔

"ابا جان میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں بہت زیادہ۔ آپ سے جدا ہو کر میں ایک رات بھی سکون کی نیند نہیں سویا۔"

"ابا جان۔"

سمن جانے کب اندر آئی تھی اس نے اپنے ہاتھ میاں صلاح الدین کے پاؤں پر رکھے۔ انہوں نے اپنے پاؤں کھینچے لیکن سمن نے مضبوطی سے دونوں پاؤں تھام لیے۔

"مجھے بھی معاف کر دیں ابا جان، بہت اذیت سہی ہے میں نے، بہت تکلیف اٹھائی ہے ان سارے سالوں میں۔" روتے روتے اس نے اپنا سر ان کے پاؤں پر رکھ دیا۔

"ابا جان مجھ سے غلطی ہوئی تھی میں مانتی ہوں۔ لیکن میں تو سمجھ دار نہیں تھی ایک جذباتی سی کم عمر لڑکی تھی لیکن آپ تو بڑے تھے سمجھ دار تھے آپ نے مجھے اس غلطی کی اس معمولی غلطی کی اتنی بڑی سزا دی کہ مجھے اپنی زندگی میں سے باہر نکال دیا۔ اگر میں بھٹک جاتی اگر میں پھر...؟"

"بکومت۔" میاں صلاح الدین کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"وہ معمولی غلطی تھی۔ ہوں بولو معمولی غلطی تھی۔ ڈاکٹر کا کام ہو جاتے مر جاتیں تم تو......"

ان کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے اور انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی اور لمحہ بھر کے توقف کے بعد عذرا بیگم کی طرف دیکھا۔

"میں نے تو چاہا تھا کہ کوئی ایک ڈاکٹر اپنا ہونا چاہیے لیکن ایک نہیں دو دو ڈاکٹر گھر کے ہو گئے۔" وہ ہولے سے ہنسے تو سمن بے اختیار ان کی طرف بڑھی اور روتے ہوئے ان کے ہاتھ چومنے لگی۔

"ابا جان، ابا جان۔" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکلنے لگی تھیں۔

اسفر جو اس کے ساتھ ہی کمرے میں آئے تھے انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھاتے ہوئے اپنے ساتھ لگا لیا۔ اور ہولے ہولے تھپکنے لگے۔

"ویسے ابا جان ایک گھر میں تین ڈاکٹروں کے متعلق کیا خیال ہے۔"

"کیا تم اب انجینئرنگ چھوڑ کر ڈاکٹری پڑھنے لگے ہو۔"

میاں صلاح الدین نے آج پہلی بار اسفر کو تم کہہ کر بلایا تو اسفر نے بے حد خوش ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"نہیں ابا جان..... میں سوچ رہا ہوں ڈاکٹر بیٹے کے لیے ڈاکٹر بہو لے آیئے۔"

"یہ ڈاکٹر بہو کہاں سے ڈھونڈ لی تم نے۔" انہوں نے اسفر کو گھورا۔

"ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے اپنے گھر میں ہی موجود ہے۔" اسفر کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"طیبہ پھپھو کی بیٹی نرل۔"

"ماشاء اللہ طیبہ کی بچیاں بہت سلیقہ مند باشعور اور سمجھ دار ہیں۔"

عذرا بیگم کے چہرے پر بڑی طمانیت تھی یہ سکون اسفر نے پہلی بار ان کے چہرے پر دیکھا تھا ورنہ وہ ہمیشہ اپ سیٹ رہتی تھیں۔

"تو ٹھیک ہے ذرا ڈاکٹر صاحب سفر کی اجازت دیں تو پھر چلتے ہیں کراچی۔ کیوں ڈاکٹر صاحب کب تک اجازت ملے گی۔" "خیر ابھی آپ فون پر طیبہ سے بات کر لیجیے گا۔ اچھی لڑکیاں انتظار میں بیٹھی نہیں رہتیں۔"

"میرا خیال ہے انعم اور شبی کی اکٹھی شادی کر دیتے ہیں۔" اسفر نے خیال ظاہر کیا۔

"خیر وہ تو کر ہی دیں گے صاحبزادے آپ نے اپنے متعلق کیا سوچا ہے؟"

"میں آپی کی شادی کے بعد باہر جا رہا ہوں مجھے اسکالر شپ مل گیا ہے۔" اسفر یکدم سنجیدہ ہو گئے تھے۔

"واپس آ کر سوچوں گا۔"

دس سال بعد اسفر نے وطن کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ مبشر اور نرل نے انہیں ریسیو کیا تھا۔ مبشر کے گلے لگتے ہوئے وہ خود پر قابو نہ پا سکے تھے انہیں اس وقت اپنا وہ خاموش طبع سنجیدہ اور پڑھاکو سا بھائی مدثر بہت شدت سے یاد آیا تھا جس کے سانولے رنگ اور دلکش نقوش میں بلا کی جاذبیت اور کشش تھی۔

انعم اور شبی کی شادی کے بعد وہ بے حد مطمئن ہو کر امریکہ چلے گئے تھے۔ شادی کے دنوں میں ہی حمنہ خالہ نے شاہرم کے لیے سمن کا رشتہ مانگ لیا تھا۔

ایئرپورٹ پر میاں صلاح الدین نے گلے لگانے کے بعد نم آنکھوں سے ان کی پیشانی چومی تھی تو انہیں لگا تھا جیسے عمر بھر کی ریاضتوں کا صلہ مل گیا ہو انہیں۔

"واپس ضرور آنا بیٹے کہیں وہاں ہی دل نہ لگا لینا۔"

میاں صلاح الدین نے پہلی بار انہیں بیٹا کہہ کر بلایا تھا تو دل جیسے پانی ہونے لگا تھا جی چاہا تھا وہ ابا جان سے لپٹ جائیں اور ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیں۔ لیکن انہوں نے ضبط سے کام لیا تھا اور پھر تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی وہ واپس آنے کے لیے دل کو تیار نہ کر سکے تھے۔

دل کا ایک کونا ویران تھا۔ وہاں علینہ کی یادیں تھیں۔ اس کی جذباتی باتیں اور محبت سے لبریز خطوط ہی اب سرمایۂ زندگی تھے۔ لوگ پتا نہیں کیسے ایک محبت کے بعد دوسری محبت کے لیے زندگی گزار لیتے ہیں۔ انہیں تو اس ایک محبت نے ایسا زنجیر کیا تھا کہ وہ کسی کی طرف مائل نہ ہو سکے۔ اور نہ ہی پاکستان واپس آئے تھے۔ سمن اور مدثر کی شادی۔

ایرج اور منصور کی شادی سب پر ہی بلاوا آیا تھا لیکن چاہنے کے باوجود وہ خود کو تیار نہ کر سکے تھے۔ پھر جب مبشر نے فون پر انہیں روتے ہوئے مدثر کے حادثے کی خبر سنائی تو وہ خود پر قابو نہ پا سکے اور ساری مصلحتیں بھلا کر پاکستان آ گئے تھے۔ مدثر کی گاڑی ایک ٹرالر سے ٹکرا گئی تھی اور مدثر بچ نہیں سکا تھا۔

"دس سال... دس سال میں مدثر تو بہت بدل گیا ہو گا۔" انہوں نے مبشر کو الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بالکل ویسا ہی تھا خاموش اور کم گو۔" مبشر کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

ایک ماہ لگ گیا تھا انہیں سب کچھ وائنڈ اپ کرنے میں لیکن ایک ماہ بعد بھی یہ غم یونہی تازہ تھا۔ "یہاں سب ٹھیک ہے" کی خبر انہیں پر سکون رکھتی تھی۔ لیکن مدثر۔

کراچی سے افضال حیدر اور سعدیہ آنٹی بھی آئی تھیں ولید نے بھی فون کیا۔ شادی کے فوراً بعد خضر اور ماہ نور ابوظہبی سیٹل ہو گئے تھے۔

آج دس سال بعد بھی میڈم سفینہ کراچی کے بعض حلقوں میں بہت مشہور تھیں اور ان کی خوب صورت بیٹی ندا عرف نادیہ کی زلفوں کے دیوانے بے شمار تھا۔

شاہ بابا اور سلمٰی خانم مزید بوڑھے ہو گئے تھے۔ شاہ بابا کا علاج لاہور میں حمنہ نے بہترین ڈاکٹروں سے کروایا لیکن پھر بھی کبھی کبھی یکایک ان کے ذہن کی سلیٹ صاف ہو جاتی تھی۔ عمر کے اس حصّے میں یوں بھی یادداشت کمزور ہو جاتی ہے اور شاہ بابا کے ساتھ تشدد کیا گیا تھا۔

شاہ زیب نے دو جڑواں بیٹیوں کا باپ بن کر اپنی ساری سرگرمیوں سے توبہ کر لی تھی واقعی بیٹیوں کی پیدائش نے اس کی تنی ہوئی گردن جھکا دی تھی زارا کے ساتھ وہ اب بالکل صحیح تھا۔

عظمٰی اسما اپنے اپنے گھروں میں بہت خوش تھیں۔ بی بی جان اور زینت فاطمہ انعم اور شاہ رخ کے ساتھ رہتی تھیں۔ انعم نے بی بی جان کے بے حد خدمت کی تھی اور اتنی دیکھ بھال کی تھی ان کی کہ اب وہ اٹھ کر چلتی پھرتی تھیں اور ہر وقت اُسے دعائیں دیتی تھیں۔

اریج کی منصور کے ساتھ شادی ہو گئی تھی اور اریج منصور کے ساتھ بہت خوش تھی دونوں گھر میں ہر وقت رونق لگائے رکھتے تھے۔ ہاں علینہ کا دکھ سب کو تھا۔

اس کی ازدواجی زندگی ایک مسلسل امتحان تھی اس کے لیے۔ عاطف۔ مہینے میں دو تین چکر کراچی کے لگاتا تھا

دس سالوں بعد علینہ کے متعلق جان کر اسفر کا دل بے قرار ہو گیا تھا۔ وہ خوش نہیں تھی۔ وہ دکھی تھی اور اگر وہ عاطف سے طلاق لے لے تو وہ اب بھی اسے اپنانے کے لیے تیار تھے۔

انہوں نے سوچا تھا کچھ دنوں تک وہ کراچی جا کر علینہ سے بات کریں گے لیکن صلاح الدین نے ایک روز کہا۔

"چاہو تو قبول کرلو چاہو تو انکار کر دو زبردستی نہیں ہے۔"

"مدثر کے سسر اپنی بیٹی کو گھر لے جانا چاہتے ہیں۔ کم عمر ہے جوان ہے۔ ظاہر ہے کہیں نہ کہیں شادی کریں گے اس کی مدثر کی بیٹی اور بیٹا رل جائیں گے اسفی۔"

ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

"ماں بچوں کو چھوڑ نہیں سکتی اور بچوں کو اس سے جدا کرنا دونوں پر ظلم ہے۔ اگر تم۔" وہ جھجکے۔

"میں نہیں جانتا تم نے اب تک شادی کیوں نہیں کی احسان سمجھ کر ہی کرلو مدثر کی بیوہ سے شادی' بچے اپنے گھر میں پل جائیں گے۔ ہم بھی تو جدا نہیں ہو سکتے ان سے تمہاری ماں تو رو رو کر مر جائے گی۔ لیکن زبردستی نہیں ہے اسفر۔ اگر دل نہیں مانتا تو۔۔۔"

"جیسے آپ مناسب سمجھیں۔"

اسفر کو فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ ابا جان نے پہلی بار ان سے کچھ کہا تھا۔ یکدم میاں صلاح الدین نے انہیں گلے سے لگا لیا۔

"تم نے مجھے سرخ رو کر دیا اسفر تمہارا بے حد شکریہ۔ میں۔"

"پلیز ابا جان۔"

اسفر نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"مجھے شرمندہ مت کریں۔"

وہ جھکے اور عذرا بیگم کی گود میں لیٹے مدثر کے دو سالہ بیٹے کو اٹھا لیا اور اپنے ہونٹ اس کے رخسار پر رکھتے ہوئے سوچا۔

وہ جو نہیں ملا تو کیا راہ جنوں تو مل گئی
اک دیا بجھا دیا اک نیا جلا دیا